إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ أَقْوَمُ

بلاشبہ یہ قرآن نہایت سیدھی راہ دکھاتا ہے

تفسیر

ہدایت القرآن

ان شاء اللہ یہ تفسیر آپ کو قرآنِ کریم سے بہت قریب کردے گی

جلد دوم

تالیف

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری

شیخ الحدیث و صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند

ناشر

مکتبہ حجاز دیوبند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآنِ کریم اللہ کا کلام ہے

سورۃ النساء کی (آیت ۸۲) ہے: ﴿ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۭ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴾: پس کیا لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے؟ اور اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو لوگ اس میں بکثرت تفاوت پاتے! یعنی وہ ایک نہج پر نہ ہوتا۔ اختلاف کے معنی تعارض اور تضاد کے نہیں ہیں، تعارض تو انسانوں کی کتابوں میں بھی عام طور پر نہیں ہوتا، بلکہ اختلاف بمعنی تفاوت ہے، یعنی اگر یہ غیر اللہ کا کلام ہوتا تو ایک نہج اور ایک انداز پر نہ ہوتا، کہیں ایجاز ہوتا کہیں اطناب، کہیں اجمال ہوتا کہیں تفصیل، جبکہ قرآن میں بنیادی عقائد: توحید، رسالت اور آخرت کا بیان بار بار آیا ہے، مگر کسی جگہ تکرار محسوس نہیں ہوتا، ہر جگہ نیا انداز ہے، مفصل اور واضح ہے، جبکہ قرآن ۲۳ سال میں نازل ہوا ہے، اور انسان احوال سے متاثر ہوتا ہے، لمبے عرصہ تک ایک حال پر نہیں رہ سکتا، اور پورے قرآن کا ایک انداز ہے، یہ دلیل ہے کہ یہ اس ہستی کا کلام ہے جس پر احوال اثر انداز نہیں ہوتے۔

علاوہ ازیں: قرآن میں متعدد ایسی خصوصیات ہیں جو اس کے کلام الٰہی ہونے کی واضح دلیلیں ہیں۔ مثلاً:

۱- اتنی بڑی کتاب ایک عجمی بچہ بے سمجھے آٹھ دس سال کی عمر میں حفظ (زبانی یاد) کر لیتا ہے، اور اس طرح پڑھتا ہے کہ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ سمجھے بغیر پڑھ رہا ہے، اس کی کوئی دوسری مثال دنیا پیش نہیں کر سکتی۔

۲- پورا قرآن ترنم سے (گا کر) پڑھا جا سکتا ہے، جب وہ خوبصورت آواز سے پڑھا جاتا ہے تو پڑھنے والا اور سننے والے خوب محظوظ ہوتے ہیں، اگرچہ وہ عربی نہ جانتے ہوں، نثر میں ایسی کوئی کتاب نہیں جس کو ترنم سے پڑھا جا سکے، ہاں لہجہ سے پڑھ سکتے ہیں، اور شاعری میں حلاوت و مٹھاس ہوتی ہے اور اس کو ترنم سے بھی پڑھا جا سکتا ہے، مگر وہ اوزان اور قافیوں کی مرہون منت ہوتی ہے، نثر میں ایک دو جملے تو ایسے ہو سکتے ہیں، مگر ایک بڑی کتاب میں یہ بات ممکن نہیں!

۳- فصاحت و بلاغت میں بھی قرآن کے ہم پلہ کوئی کتاب نہیں، فصاحت: مانوس لفظ کو برمحل استعمال کرنا ہے، آج چودہ صدیاں گذر چکی ہیں مگر قرآن کا کوئی لفظ متروک نہیں ہوا، نہ اس کو دوسرے لفظ سے بدلا جا سکتا ہے۔ اور بلاغت: کے معنی ہیں: برمحل بات کہنا، قرآن کریم کے مضامین باہم نہایت مربوط ہیں، کوئی مضمون بے محل اور بے موقع نہیں، آپ یہ تفسیر اس نقطۂ نظر سے پڑھیں، مضمون کو قابو میں لانے کے لئے میں نے عناوین بھی بڑھائے ہیں، امید ہے کہ اس سے قارئین کرام کو فائدہ پہنچے گا۔ وما ذلك على الله بعزيز!

فہرست مضامین

بقیہ سورۃ النساء

سورۃ المائدۃ

سورۃ الانعام

سورۃ الاعراف

وَّ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ۚ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾

وَّ الْمُحْصَنٰتُ (۱)	اور شوہر والی	ذٰلِكُمْ (۳)	ان کے	فَرِيْضَةً (۹)	مقررہ
مِنَ النِّسَآءِ	عورتوں سے	اَنْ تَبْتَغُوْا (۴)	بشرطیکہ چاہو تم	وَلَا جُنَاحَ	اور نہیں گناہ
اِلَّا مَا	مگر جن کے	بِاَمْوَالِكُمْ	تمہارے مالوں سے	عَلَيْكُمْ	تم پر
مَلَكَتْ	مالک ہوئے	مُّحْصِنِيْنَ (۵)	شادی کرنے والے	فِيْمَا	اس میں جو
اَيْمَانُكُمْ	تمہارے دائیں ہاتھ	غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ (۶)	پانی بہانے والے نہیں	تَرٰضَيْتُمْ (۱۰)	باہم راضی ہوگئے تم
كِتٰبَ (۲)	لکھنا	فَمَا	پس جو	بِهٖ	اس کے ساتھ
اللّٰهِ	اللہ کا	اسْتَمْتَعْتُمْ (۷)	فائدہ اٹھایا تم نے	مِنْۢ بَعْدِ	بعد
عَلَيْكُمْ	تم پر	بِهٖ (۸)	اس کے ساتھ	الْفَرِيْضَةِ	مقرر کرنے کے
وَاُحِلَّ	اور حلال کیا گیا	مِنْهُنَّ	ان عورتوں سے	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
لَكُمْ	تمہارے لئے	فَاٰتُوْهُنَّ	پس دو تم ان کو	كَانَ عَلِيْمًا	ہیں خوب جاننے والے
مَّا وَرَآءَ	جو سوا ہیں	اُجُوْرَهُنَّ (۸)	ان کی اجرتیں	حَكِيْمًا	بڑی حکمت والے

(۱) المُحْصَنَة: شوہر والی عورت، أَحْصَنَتِ المرأۃُ: شادی شدہ ہونا، احصان: قرآن میں چار معانی کے لئے آیا ہے (۱) نکاح کرنا (۲) آزاد (۳) اسلام (۴) پاکدامن...... اور اسم فاعل اور اسم مفعول دونوں صحیح ہیں، البتہ مرد کے لئے اسم فاعل اور عورت کے لئے اسم مفعول بہتر ہے۔ (۲) کتابٌ: مصدر: مفعول مطلق: أی کَتَبَ اللّٰہ کتابا (۳) ذلکم: ذا: اسم اشارہ کے ساتھ کم حرفِ خطاب لگا ہے (۴) أن سے پہلے باء یا لام مقدر ہے (۵) محصنین: تبتغوا کی ضمیر فاعل سے حال ہے، أحصن الرجل: شادی شدہ ہونا (۶) غیر مسافحین: دوسرا حال ہے، سَفَحَ (ف) الماءَ: پانی بہانا، سَافَحَها: باضابطہ نکاح کے بغیر کسی عورت کے ساتھ رہنا، زنا کرنا (۷) اِسْتَمْتَعَ بکذا: فائدہ اٹھانا، لطف اندوز ہونا، استمتاع: جماع سے عام ہے، خلوتِ صحیحہ کو بھی شامل ہے (۸) بہ کی ضمیر ما کی طرف لوٹتی ہے (۸) اجرت: منافع کا عوض، عورت سے فائدہ اٹھانے کا بدل (۹) فریضۃ: أجورھن کا حال ہے (۱۰) تراضی (مفاعلہ) باہم خوش دل ہونا۔

ربط: اوپر دو آیتوں میں چودہ محرمات کا بیان آیا ہے، اب اس آیت میں پندرہویں حرام عورت کا ذکر ہے، اور اس میں ایک استثناء ہے، پھر نکاح میں مہر کا بیان ہے، اور اس سلسلہ کے مسائل ہیں۔

منکوحہ عورتوں سے نکاح حرام ہے، مگر باندیاں مستثنیٰ ہیں

ہر وہ عورت جو حقیقۃً یا حکماً کسی کے نکاح میں ہو: اس سے دوسرا شخص نکاح نہیں کرسکتا، اور حکماً نکاح میں ہونا یہ ہے کہ عدتِ طلاق یا عدتِ وفات میں ہو، جب تک اس کی عدت پوری نہ ہوجائے: اس سے نکاح درست نہیں۔

البتہ شرعی جہاد میں جو عورتیں گرفتار ہوں، اور امیر ان کو مالِ غنیمت میں فوجیوں میں تقسیم کردے، اور فوجی کی ملکیت میں آنے کے بعد اس کو ایک حیض آجائے، یعنی استبرائے رحم ہوجائے، اس کا غیر حاملہ ہونا معلوم ہوجائے، اور وہ عورت مسلمان ہوجائے یا کتابیہ ہو تو اس سے مولیٰ صحبت کرسکتا ہے، اگرچہ اس کا شوہر دارالحرب میں زندہ ہو، کیونکہ تباینِ دارین سے سابقہ نکاح ختم ہوجاتا ہے، اس لئے فوجی اس کو بیوی کے طور پر استعمال کرسکتا ہے۔

منکوحہ عورت سے نکاح حرام ہونے کی اور باندی سے صحبت جائز ہونے کی وجہ

منکوحہ عورت سے نکاح حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ایسی عورت سے نکاح کرکے صحبت کرے گا تو وہ زنا ہوگا۔ حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شوہر والی عورتوں کی حرمت اس بنا پر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زنا کو حرام کیا ہے (موطا ۲: ۵۴۱ کتاب النکاح، باب ماجاء فی الاحصان) اور یہ صحبت زنا اس لئے ہے کہ زنا کسی عورت سے اختصاص پیدا کئے بغیر اور دوسروں کی لالچ منقطع کئے بغیر صحبت کرنے کا نام ہے۔ اور جب عورت کسی کے نکاح میں ہے تو دوسرے ناکح سے اس کا اختصاص نہیں ہوسکتا۔ نہ پہلے شوہر کی اس سے طمع منقطع ہوگی، پس وہ زنا ہے۔ البتہ منکوحہ عورت باندی بن جائے تو استبرائے رحم کے بعد آقا کے لئے حلال ہوگی۔ غزوۂ اوطاس میں ایسی عورتیں ہاتھ آئی تھیں، اور صحابہ کو ان سے صحبت کرنے میں اشکال پیش آیا تھا کہ ان کے شوہر تو زندہ ہیں۔ اس پر مذکورہ آیت پاک نازل ہوئی۔ اور ان باندیوں کو حلال قرار دیا گیا (مشکوٰۃ حدیث ۳۱۷۰) اور ان کی حلت کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ قید ہوگئیں تو ان کے شوہروں کی طمع منقطع ہوگئی۔ اور دارالاسلام میں آگئیں تو ان سے صحبت کرنے میں بھیڑ کرنے کا موقع بھی نہ رہا۔ اور جن کے حصہ میں آئیں ان کے ساتھ اختصاص بھی پایا گیا۔ اس لئے ان سے صحبت جائز ہوئی۔

﴿وَّ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ ۚ﴾

ترجمہ: اور (تم پر حرام کی گئی ہیں) منکوحہ عورتیں، مگر جو تمہاری ملکیت میں آجائیں، اللہ تعالیٰ نے تم پر فرض کیا ہے

—— یعنی مذکورہ پندرہ عورتوں کی حرمت لازمی ہے، ان میں سے ابتدائی تیرہ عورتوں کی حرمت ابدی (ہمیشہ کے لئے) ہے، اور آخری دو کی حرمت وقتی ہے، دو بہنوں سے یکے بعد دیگرے نکاح کرسکتے ہیں، اور منکوحہ عورت سے بھی طلاق/وفات اور عدت گذرنے کے بعد نکاح جائز ہے۔

نکاح میں مہر ضروری ہے

اس کے بعد یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ مذکورہ عورتوں کے سوا دیگر حلال عورتوں سے کوئی نکاح کرنا چاہے تو مہر دے کر نکاح کرسکتا ہے، زمانۂ جاہلیت میں چار طرح کے نکاح ہوتے تھے، جلد اول کے آخر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ان کی تفصیل گذر چکی ہے، اسلام نے ان میں سے صرف ایک طریقہ باقی رکھا ہے، اور وہ یہ ہے کہ ایک آدمی کی طرف سے دوسرے آدمی کو اس کی بیٹی یا زیر ولایت کسی لڑکی کے نکاح کے لئے پیام دیا جائے، پھر وہ مناسب مہر مقرر کرکے اس لڑکی کا اس آدمی سے نکاح کردے، یہی نکاح کا صحیح طریقہ تھا، اور اسی کو اسلام نے باقی رکھا ہے، باقی تین طریقوں کو —— جو حقیقت میں زنا تھے —— ختم کردیا ہے، اگرچہ ان میں بھی مال خرچ کیا جاتا ہے ﴿غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ﴾ کی قید بڑھا کر ان طریقوں کو خارج کردیا ہے۔

نکاح میں مہر کی حکمت

رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے زمانۂ جاہلیت میں نکاح کا جو شریفانہ طریقہ رائج تھا اس میں مہر مقرر کیا جاتا تھا۔ اسلام نے اس کو برقرار رکھا ہے۔ اس میں دو مصلحتیں ہیں:

پہلی مصلحت —— مہر سے نکاح پائدار ہوتا ہے —— نکاح کا مقصد اس وقت تکمیل پذیر ہوتا ہے جب میاں بیوی خود کو دائمی رفاقت و معاونت کا خوگر بنائیں۔ اور یہ بات عورت کی طرف سے تو اس طرح متحقق ہوتی ہے کہ نکاح کے بعد زمام اختیار اس کے ہاتھ سے نکل جاتی ہے۔ وہ مرد کی پابند ہوجاتی ہے۔ مگر مرد با اختیار رہتا ہے۔ وہ طلاق دے سکتا ہے۔ اور ایسا قانون بنانا کہ مرد بھی بے بس ہوجائے، جائز نہیں۔ کیونکہ اس صورت میں طلاق کی راہ مسدود ہوجائے گی۔ اور مرد بھی عورت کا ایسا اسیر ہوکر رہ جائے گا جیسا عورت اسیر تھی۔ اور یہ بات اس ضابطہ کے خلاف ہے کہ مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔ اور دونوں کا معاملہ کورٹ کو سپرد کرنا بھی درست نہیں۔ کیونکہ قاضی کے یہاں مقدمہ لے جانے میں سخت مراحل سے گذرنا پڑتا ہے۔ اور قاضی وہ مصلحتیں نہیں جانتا جو شوہر اپنے بارے میں جانتا ہے۔ پس مرد کو دائمی نکاح کا خوگر بنانے کی راہ یہی ہے کہ اس پر مہر واجب کیا جائے۔ تاکہ جب وہ طلاق دینے کا ارادہ کرے تو مالی

نقصان اس کی نگاہوں کے سامنے رہے اور وہ ناگزیر حالات ہی میں طلاق دے۔ پس مہر نکاح کو پائدار بنانے کی ایک صورت ہے۔

دوسری مصلحت —— مہر سے نکاح کی عظمت ظاہر ہوتی ہے —— نکاح کی عظمت واہمیت بغیر مال کے ۔ جوکہ شرمگاہ کا بدل ہوتا ہے — ظاہر نہیں ہوتی۔ کیونکہ لوگوں کو جس قدر مال کی حرص ہے اور کسی چیز کی نہیں۔ پس مال خرچ کرنے سے نکاح کا مہتم بالشان ہونا ظاہر ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں: مہر میں اور بھی فوائد ہیں: (۱) مہر اولیاء کی خوش دلی کا ذریعہ ہے۔ قابل لحاظ مال کے ذریعہ اہتمام سے نکاح کرنے سے عورت کے اولیاء کی آنکھیں ٹھنڈی ہونگی۔ جب وہ دیکھیں گے کہ ان کے دل کے ٹکڑوں کا ایک شخص بڑے اہتمام سے مالک بن رہا ہے تو ان کا دل باغ باغ ہوجائے گا (۲) اور مہر کے ذریعہ نکاح اور زنا میں امتیاز بھی قائم ہوتا ہے۔ ارشاد پاک ہے: "محرمات کے سوا اور عورتیں تمہارے لئے حلال کی گئیں ہیں، بشرطیکہ تم ان کو اپنے مالوں کے ذریعہ چاہو، قید میں لانے کے طور پر، نہ کہ مستی نکالنے کے طور پر" یعنی ان عورتوں کو پابند کرنا مقصود ہو، یہی نکاح ہے۔ صرف مستی نکالنا اور شہوت رانی کرنا مقصود نہ ہو، یہی زنا ہے۔

مہر کی زیادہ سے زیادہ اور کم سے کم مقدار

مہر کی زیادہ سے زیادہ مقدار بالاتفاق متعین نہیں۔ اور سورۃ النساء آیت ۲۰ میں اس کی طرف اشارہ بھی ہے۔ ارشاد پاک ہے: ﴿ وَاٰتَیْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَیْـًٔا ﴾ یعنی اگر تم نے کسی بیوی کو انبار کا انبار مال دیا ہو، تو بھی بوقت طلاق اس میں سے کچھ واپس مت لو —— اور کم سے کم مہر کی مقدار میں اختلاف ہے۔ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک کم سے کم مہر بھی متعین نہیں۔ جس چیز پر زوجین راضی ہوجائیں وہ مہر ہوسکتی ہے۔

اور امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک متعین ہے۔ اول کے نزدیک دس درہم، اور ثانی کے نزدیک چوتھائی دینار یعنی ڈھائی درہم کم از کم مہر ہونا ضروری ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ: ﴿ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ ﴾ کے ذریعہ نکاح میں مہر شرط کیا گیا ہے۔ اور أموال جمع ہے مال کی، جو جمع قلت کا وزن ہے، جس کا تین سے دس تک اطلاق ہوتا ہے۔ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بہ سندِ حسن روایت مروی ہے: **لا مهر دون عشرة دراهم**: دس درہم سے کم مہر نہیں (نصب الرایہ ۳: ۱۹۹) تعلیم قرآن کو مہر بنانے کی روایت معلوم نہیں، نزولِ آیت سے پہلے کی ہے یا بعد کی؟ نیز عرف میں مہر دو ہیں: ایک نقد دوسرا ادھار۔ نقد مہر وہ ہے جو اول ملاقات میں پیش کیا جاتا ہے۔ حدیث میں ہے تَهَادَوْا تَحَابُّوْا:

باہم ہدیہ دو ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو گے یعنی ہدیہ محبت ومودت کا بیج بوتا ہے۔ اور عورت اس موقعہ پر اپنی گرانقدر چیز پیش کرتی ہے۔ پس مرد کو بھی اس موقعہ پر کچھ پیش کرنا چاہئے۔ اور وہ چیز نکاح کا اصل مہر بھی ہوسکتی ہے۔ یہی نبی ﷺ کا طریقہ تھا۔ لیکن اگر اس کی گنجائش نہ ہو تو کچھ اور پیش کیا جائے۔ مثلاً: انگوٹھی، تھوڑا ستو، کھجوریں اور آج کی اصطلاح میں مٹھائی کھٹائی۔ کچھ تو تقریب بہر ملاقات چاہئے۔ اور روایات وواقعات میں اس کی صراحت نہیں کہ وہ کونسا مہر تھا؟ پس محکم کتاب کو لینا اور اس کے موافق جو روایت مروی ہے اس پر عمل کرنا اَولیٰ ہے۔

﴿ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ﴾

ترجمہ: اور تمہارے لئے حلال کی گئیں ہیں جو عورتیں اِن کے سوا ہیں، بایں طور کہ تم ان کو اپنے مالوں کے ذریعہ چاہو، شادی کرنے والے، بدکاری کرنے والے نہیں!

سوال: مذکورہ پندرہ عورتوں کے سوا بھی متعدد عورتوں سے نکاح حرام ہے، مثلاً:

۱- پھوپھی بھتیجی اور خالہ بھانجی کو بھی نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔

۲- معتدۂ طلاق یا وفات سے بھی نکاح حرام ہے۔

۳- چار بیویاں نکاح میں ہوں تو پانچویں سے نکاح حرام ہے۔

۴- جس عورت سے شوہر نے لعان کیا ہے، اس عورت سے شوہر کبھی بھی نکاح نہیں کرسکتا۔

علاوہ ازیں: امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک جس کے نکاح میں آزاد عورت ہو وہ باندی سے نکاح نہیں کرسکتا، اور جو آزاد عورت سے نکاح پر قادر ہو وہ بھی باندی سے نکاح نہیں کرسکتا۔

اس قسم کی عورتوں کو لے کر سوال ہوگا کہ ﴿ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ ﴾ کیسے صحیح ہوگا؟ دیگر سب عورتیں حلال کہاں ہیں؟

جواب: ﴿ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ ﴾ کا مَسیق لاجلہ الکلام یہ ہے ہی نہیں جو معترض سمجھ رہا ہے، بلکہ مقصود کلام یہ ہے کہ مذکورہ عورتوں کے علاوہ سے مہر دے کر نکاح کرنا ضروری ہے، پس یہ مہر کی ضرورت کا بیان ہے، حرمت کا مذکورہ پندرہ عورتوں میں حصر کرنا مقصود نہیں، دیگر حرام عورتوں کا ذکر احادیث میں ہے، اور احادیث بھی قرآن کی طرح وحی ہیں، اور ان میں بھی قرآن کے بقدر یا زیادہ احکام ہیں، حدیث میں ہے: ألا إني أوتيتُ القرآنَ ومثله معه (مشکوۃ حدیث ۱۶۳): سنو! بے شک میں قرآن دیا گیا ہوں، اور اس کے ساتھ اس کے بقدر احکام دیا گیا ہوں، پس دیگر محرمات کا ذکر احادیث میں ہے۔

مہر دینے کے لئے مقرر کیا جاتا ہے، زبانی جمع خرچ نہیں کیا جاتا

مہر صحبت اور خلوتِ صحیحہ سے مؤکد ہوتا ہے

کچھ لوگ نکاح میں اپنی ناک اونچی کرنے کے لئے بڑا مہر باندھتے ہیں، اور دینے کی نیت نہیں ہوتی، حدیث میں ایسے نکاح کو زنا کہا گیا ہے، اور کچھ لوگ زبردستی بیوی کو شرم میں ڈال کر مہر معاف کرا لیتے ہیں یہ بھی ظلم ہے، اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں: جو مہر مقرر کیا ہے وہ ادا کرو۔

دوسرا مسئلہ: آیت میں ضمناً یہ بات ہے کہ مہر صحبت یا خلوتِ صحیحہ سے مؤکد ہوتا ہے، خلوتِ صحیحہ یہ ہے کہ میاں بیوی کسی ایسی جگہ جمع ہو جائیں جہاں صحبت کرنے سے کوئی چیز مانع نہ ہو۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک صرف صحبت سے مہر مؤکد ہوتا ہے، خلوتِ صحیحہ سے مؤکد نہیں ہوتا، اور احناف کے نزدیک خلوتِ صحیحہ سے بھی مؤکد ہو جاتا ہے اور پورا مہر واجب ہوتا ہے، آیتِ کریمہ میں اس کی طرف اشارہ ہے، استمتاع (فائدہ اٹھانا) جماع سے عام ہے، کیونکہ تنہائی میں جمع ہونا بھی ایک طرح کا فائدہ اٹھانا ہے، اور موطا مالک میں حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس عورت کے بارے میں فیصلہ فرمایا: جس سے کسی آدمی نے نکاح کیا کہ جب اس نے پردے ڈال دیئے تو اس پر پورا مہر واجب ہو گیا، اور مصنّف عبد الرزاق میں یہ اضافہ ہے کہ اس نے دروازے بھیڑ دیئے، یہ روایت موطا محمد میں بھی ہے، اور ابو عبید کی کتاب النکاح میں ہے کہ چاروں خلفاء راشدین کا یہی فیصلہ ہے (اعلاء السنن ۱۱: ۹۰)

﴿ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚ ﴾

ترجمہ: پھر جو تم نے ان عورتوں سے فائدہ اٹھایا تو ان کا مقررہ مہر ادا کرو!

مقررہ مہر میں میاں بیوی تبدیلی کر سکتے ہیں

مہر طے کرنے سے لازم نہیں ہو جاتا، میاں بیوی خوش دلی سے تبدیلی کر سکتے ہیں، شوہر مقرر کردہ مہر سے زیادہ بھی دے سکتا ہے، اور عورت کے لئے اس کا لینا جائز ہے، یا عورت مقررہ مہر میں سے کچھ چھوڑ دے یا سارا مہر خوش دلی سے معاف کر دے تو شوہر اس معافی کو قبول کر سکتا ہے۔

پھر آخر آیت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہیں، انھوں نے اپنے علم و حکمت سے یہ احکام مقرر کئے ہیں، بندوں کو چاہئے کہ وہ ان پر عمل کریں، اسی میں ان کا فائدہ ہے۔

﴿ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴾

ترجمہ: اور تم پر کوئی گناہ نہیں اس میں جس کے ساتھ تم باہم خوش دل ہو جاؤ مہر مقرر کرنے کے بعد —— بے شک

اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے، بڑی حکمت والے ہیں!

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَ اٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَاۤ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ۚ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ۚ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۵﴾

وَمَنْ (۱)	اور جو شخص	مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ (۳)	تمہاری خادماؤں سے	وَ اٰتُوْهُنَّ	اور دو تم ان کو
لَّمْ يَسْتَطِعْ	نہ رکھے	الْمُؤْمِنٰتِ	ایماندار	اُجُوْرَهُنَّ	ان کی اجرتیں
مِنْكُمْ	تم میں سے	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	بِالْمَعْرُوْفِ	دستور کے موافق
طَوْلًا	طاقت	اَعْلَمُ	خوب جانتے ہیں	مُحْصَنٰتٍ (۴)	شادی کرنے والیاں
اَنْ يَّنْكِحَ (۲)	نکاح کرنے کی	بِاِيْمَانِكُمْ	تمہارے ایمان کو	غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ	بدکاری کرنے والیاں نہیں
الْمُحْصَنٰتِ	پاک دامن	بَعْضُكُمْ	تمہارا ایک	وَّلَا مُتَّخِذٰتِ	اور نہ بنانے والیاں
الْمُؤْمِنٰتِ	مؤمن عورتوں سے	مِّنْ بَعْضٍ	دوسرے سے ہے	اَخْدَانٍ (۵)	یار
فَمِنْ مَّا	تو (نکاح کرے) جن کے	فَانْكِحُوْهُنَّ	پس نکاح کرو تم ان سے	فَاِذَاۤ	پس جب
مَلَكَتْ	مالک ہوئے ہیں	بِاِذْنِ	اجازت سے	اُحْصِنَّ	وہ منکوحہ بنالی گئیں
اَيْمَانُكُمْ	تمہارے دائیں ہاتھ	اَهْلِهِنَّ	ان کے مالکوں کی	فَاِنْ	تو اگر

(۱) من: متضمن معنیٔ شرط ہے...... طولا: لم يستطع کا مفعول ہے...... طولاً کی وجہ سے لم يستطع کے معنی میں تجرید کی ہے ...... فمن ما: جزاء ہے (۲) أن ينكح: ان مصدریہ ہے، اور اس سے پہلے لام مقدر ہے أى لأن (۳) من فتياتكم، ما کا بیان ہے۔ فتاة: جوان لڑکی، خادمہ، مراد باندی ہے (۴) محصنات: آتوهن کی ضمیر منصوب سے پہلا حال ہے...... غير مسافحات: دوسرا حال ہے...... ولا متخذات: تیسرا حال ہے (۵) أخدان: خِدن کی جمع: یار، بوائے فرینڈ۔

آتَيْنَ	آئیں وہ	مِنَ الْعَذَابِ	سزا سے	وَ اَنْ تَصْبِرُوْا (۲)	اور صبر کرنا
بِفَاحِشَةٍ	بدکاری کو	ذٰلِكَ	یہ بات	خَيْرٌ	بہتر ہے
فَعَلَيْهِنَّ	تو ان پر ہے	لِمَنْ	اس کے لئے ہے جو	لَكُمْ	تمہارے لئے
نِصْفُ	آدھی	خَشِيَ	ڈرتا ہے	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
مَا	اس کی جو	الْعَنَتَ (۱)	مشقت (زنا) سے	غَفُوْرٌ	بڑے بخشنے والے
عَلَى الْمُحْصَنٰتِ	آزاد عورتوں پر ہے	مِنْكُمْ	تم میں سے	رَّحِيْمٌ	بڑے رحم والے ہیں

باندی سے نکاح کب جائز ہے؟ کس کے لئے جائز ہے؟ اور کس باندی سے نکاح جائز ہے؟

گذشتہ آیت کے نصف آخر میں یہ مضمون تھا کہ جو عورتیں جہاد میں ہاتھ آئیں، اور امیر ان کو باندیاں بنا کر فوج میں تقسیم کردے، ان کو مولیٰ استبرائے رحم کے بعد بیوی کے طور پر استعمال کرسکتا ہے، اگرچہ اس کا شوہر زندہ ہو، اس لئے کہ استرقاق سے نکاح ختم ہوجاتا ہے، اب اس آیت میں یہ بیان ہے کہ باندی سے نکاح کب جائز ہے؟ کس کے لئے جائز ہے؟ اور کس باندی سے نکاح جائز ہے؟

جاننا چاہئے کہ مولیٰ اپنی باندی سے نکاح نہیں کرسکتا، اس لئے کہ اس کو بغیر نکاح کے حقوقِ زوجیت حاصل ہیں، پس نکاح بے فائدہ ہوگا، البتہ مولیٰ اپنی باندی کو آزاد کرکے نکاح کرسکتا ہے، حدیث میں اس کی فضیلت آئی ہے، اس لئے یہ مسئلہ تو یہاں زیر بحث نہیں، یہاں غیر کی باندی سے نکاح کرنے کا بیان ہے۔

حضرات ائمہ ثلاثہ کے نزدیک غیر کی باندی سے نکاح کرنے کے لئے تین شرائط ہیں:

۱- باندی سے وہ شخص نکاح کرسکتا ہے جو آزاد مسلمان عورت سے نکاح کرنے پر قادر نہ ہو۔

۲- مسلمان باندی سے نکاح کرے، یہودی یا عیسائی باندی سے نکاح جائز نہیں۔

۳- باندی سے نکاح اس وقت جائز ہے جب زنا میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو۔

ان حضرات نے مفہوم شرط اور مفہومِ وصف سے استدلال کیا ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ تینوں باتیں شرط نہیں، ترجیحات ہیں، ان کے نزدیک مذکورہ دونوں مفہوم حجت نہیں، وجوہِ فاسدہ میں سے ہیں، ان کے نزدیک آزاد مسلمان عورت سے نکاح کی وسعت کے باوجود باندی سے نکاح جائز ہے، نیز کتابی باندی سے بھی نکاح جائز ہے، اور زنا

(۱) العنت کے اصل معنی ہیں، مشقت اور مرادی معنی ہیں: زنا، زنا دارین میں مشقت کا سبب ہے (۲) أن تصبروا: أن مصدریہ ہے اور مبتدا ہے، خیر لکم خبر ہے۔

میں مبتلا ہونے کا اندیشہ بھی شرط نہیں، البتہ اولیٰ یہ ہے کہ باندی سے نکاح وہی شخص کرے جو آزاد مسلمان عورت سے نکاح کرنے کی وسعت نہیں رکھتا، اور مسلمان باندی سے نکاح کرے، کتابی سے نہ کرے، اور اسی صورت میں کرے کہ مبتلائے معصیت ہونے کا اندیشہ ہو، کیونکہ باندی سے جو اولاد ہوگی وہ اس کے آقا کی غلام ہوگی، پس اپنی اولاد کو غلامی کے درپے کرنا اچھی بات نہیں، مگر مجبوری کا حکم دوسرا ہے، اور چونکہ اب باندیاں نہیں رہیں، اس لئے میں طول نہیں دیتا، آیت کی مختصر تفسیر کرتا ہوں۔

البتہ دو باتیں ذہن میں تازہ کرلیں:

۱- جلد اول کے پیش لفظ (تقریب) میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ نص سے اخذ واستنباط کے یقینی طریقے چار ہیں، عبارت النص سے استدلال، اشارت النص سے استدلال، دلالت النص سے استدلال، اور اقتضاء النص سے استدلال، یہی چار یقینی اصول ہیں، دیگر طرق احناف کے نزدیک وجوہِ فاسدہ ہیں، وہ ہر جگہ صحیح نتیجہ نہیں دیتے، اس لئے احناف ان سے استدلال نہیں کرتے، دیگر ائمہ ان سے استدلال کرتے ہیں۔ مثلاً مفہومِ لقب، مفہومِ مخالف، مفہومِ شرط، مفہومِ وصف وغیرہ سے بھی وہ حضرات استدلال کرتے ہیں۔

۲- اور یہ بات بھی جلد اول میں کسی جگہ بیان کی ہے کہ قرآنِ کریم احسن صورت ہی کو بیان کرتا ہے، غیر احسن صورت کو بیان نہیں کرتا، تا کہ اس کو اعتباریت کا پروانہ نہ مل جائے، اس آیت میں بھی قرآن نے احسن صورت ہی بیان کی ہے۔

﴿ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ، ﴾

ترجمہ: اور تم میں سے جو شخص پاک دامن عورتوں سے نکاح کی طاقت نہیں رکھتا وہ ان مسلمان باندیوں سے نکاح کرے جو تمہاری (مسلمانوں کی) ملکیت میں ہیں —— پاک دامن اور مسلمان کی قیدیں اختیارِ اَولیٰ کے طور پر ہیں، کیونکہ بدکار عورت اور بدکار باندی سے بھی نکاح جائز ہے، احناف کے نزدیک نہ مفہومِ شرط کا اعتبار ہے نہ مفہومِ وصف کا، دیگر ائمہ کے نزدیک دونوں کا اعتبار ہے —— آزاد عورتوں کے مقابلہ میں باندیوں کا مہر کم ہوتا ہے اور رہن سہن کا معیار بھی نسبۃً کم ہی رہتا ہے، اس لئے فرمایا کہ اگر آزاد عورتوں سے نکاح کی طاقت نہ ہو تو مسلمان باندیوں ہی سے نکاح کرو (آسان تفسیر)

﴿ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ، ﴾ —— اور اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کو خوب جانتے ہیں —— یہ ایک سوال کا جواب ہے، کوئی خیال کرسکتا ہے کہ مسلمان باندی کیا خاک مسلمان ہوگی! باندی عام طور پر جاہل ہوتی ہے، اس کو علم حاصل کرنے کا موقع نہیں ملتا، اس لئے وہ نام کی مسلمان ہوگی؟ —— اس کا جواب دیا کہ ظاہر حال کا اعتبار کرو، حقیقتِ حال سے

اللہ ہی واقف ہیں، انسان واقف نہیں ہوسکتا، پس جب وہ خود کو مسلمان کہتی ہے تو اس کو مسلمان سمجھو اور اس سے نکاح کرو۔

﴿ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ ﴾ —— تمہارا ایک دوسرے سے ہے —— یعنی تم سب ایک ہی تو ہو، ایک ماں باپ کی اولاد ہو —— اس میں باندی سے نکاح کا ذہن بنایا ہے، لوگوں نے ذات پات کے امتیازات پیدا کئے ہیں، انسانوں کو شریف اور رذیل میں تقسیم کیا ہے، اس لئے باندی سے نکاح کرنے والا خیال کرسکتا ہے کہ وہ نیچ اور ہیچ ہے، اس سے کیا نکاح کروں! میری ہیٹی (بے عزتی) ہوگی —— اس کا جواب دیا کہ سب انسان ایک ماں باپ کی اولاد ہیں، سب انسان کنگھی کے دندانوں کی طرح برابر ہیں، شریف اور رذیل کا فرق لایعنی ہے، اس کا خیال مت کرو، اگر وہ باندی ہے تو کیا ہوا؟ بے تکلف اس سے نکاح کرو۔

باندی سے باقاعدہ نکاح مولیٰ کی اجازت سے ہو، اور اس کو حسبِ عرف مہر بھی دیا جائے

غلام باندی کو اپنے نفس پر ولایت حاصل نہیں ہوتی، وہ مولیٰ کے زیر تصرف ہوتے ہیں، اس لئے کہ وہ مملوک ہیں، وہ اپنی ذات کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کرسکتے، اس لئے غلام بھی مولیٰ کی اجازت سے نکاح کرسکتا ہے اور باندی بھی —— پھر باندی سے نکاح کے لئے تین قیدیں لگائی ہیں، یہ شرطیں بھی لکری (ترجیحی) ہیں:

۱- ﴿ مُحْصَنٰتٍ ﴾: وہ نکاح میں آنے والیاں ہوں، حِصْن کے معنی ہیں: قلعہ، یعنی وہ نظام خانہ داری میں آنے والیاں ہوں۔

حَصُنَ (ک) حَصَانَۃً کے اصل معنی ہیں: مضبوط ومحفوظ ہونا۔ اور حَصُنَتِ المرأۃُ اور أَحْصَنَتِ المرأۃ کے تین معنی ہیں: (۱) شادی شدہ ہونا، جیسے ﴿ وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ ﴾ اور وہ عورتیں جو شوہر والی ہیں (النساء آیت ۲۴) (۲) پاک دامن ہونا۔ جیسے ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ﴾ الآیۃ: بیشک جو لوگ تہمت لگاتے ہیں ان عورتوں کو جو پاک دامن ہیں (سورۃ النور آیت ۲۳) (۳) آزاد ہونا، جیسے ﴿ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ ﴾ میں آزاد عورتیں مراد ہیں۔ یہ تینوں صورتیں مضبوط ومحفوظ ہونے کی ہیں۔

۲- ﴿ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ ﴾: وہ پانی بہانے والیاں نہ ہوں، ان کا مقصد محض بدکاری نہ ہو، بلکہ نکاح سے مقصود عفت وعصمت ہو۔

۳- ﴿ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ﴾: وہ خفیہ آشنائی کرنے والیاں بھی نہ ہوں، بوئے فرینڈ بنانے والیاں نہ ہوں، خفیہ راہ ورسم پیدا کرنے والیاں نہ ہوں، بلکہ جس طرح آزاد عورتوں سے نکاح کیا جاتا ہے اس طرح نکاح کریں۔

اور ان کو حسبِ عرف مہر دینا بھی ضروری ہے، باندیوں کا مہر آزاد عورتوں سے کم ہوتا ہے، پھر اس میں اختلاف ہے کہ

یہ مہر کس کا حق ہے؟ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک باندی کا حق ہے، اور جمہور کے نزدیک: اس کے مولیٰ کا حق ہے، مہر وہ لے گا، اس لئے کہ وہ مملوک کے مال کا مالک ہے۔

﴿ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَ اٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ﴾

ترجمہ: لہٰذا ان باندیوں سے ان کے مالکوں کی اجازت سے نکاح کرو، اور ان کے مہر حسبِ عرف دو، نکاح کرنے والیاں ہوں، بدکاری کرنے والیاں نہ ہوں، اور خفیہ آشنائی کرنے والیاں نہ ہوں۔

زنا میں غلام باندیوں کے لئے آدھی سزا ہے

غلام باندی خواہ شادی شدہ ہوں یا کنوارے ان کو پچاس کوڑے مارے جائیں گے، سنگسار نہیں کیا جائے گا، کیونکہ رجم میں تجزی نہیں ہوسکتی، اور رجم کرنے میں مولیٰ کا نقصان ہے، اور سزا میں تنصیف کی وجہ یہ ہے کہ آزاد شادی شدہ کامل ہے، اور غیر شادی شدہ ناقص اور غلام باندی انقص ہیں، اس لئے ناقص کی سزا کا نصف انقص کے لئے تجویز کیا گیا، اور آیت میں باندی کی سزا کا ذکر ہے، غلام کو اس پر قیاس کیا گیا ہے۔

﴿ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ﴾

ترجمہ: پھر جب وہ باندیاں منکوحہ بنائی جائیں، پھر اگر وہ بڑی بے حیائی کا کام (زنا) کریں تو ان پر اس سزا کا نصف ہے جو آزاد عورتوں پر ہے۔

باندی سے نکاح کے لئے تیسری ترجیحی شرط: زنا میں مبتلا ہونے کا ڈر ہے

باندی سے نکاح کے لئے دو شرطیں تو شروع آیت میں لگائی تھیں: ایک: آزاد مسلمان عورت سے نکاح کی استطاعت نہ ہو، دوسری: مسلمان باندی سے نکاح کرنا، کتابیہ سے نکاح نہ کرنا، اب ایک تیسری ترجیحی شرط لگاتے ہیں، اور وہ یہ ہے کہ باندی سے نکاح کی اجازت اس شخص کے لئے ہے جس کو زنا میں مبتلا ہونے کا ڈر ہے، اگر یہ ڈر نہ ہو تو اجازت نہیں، یہ بھی استحبابی شرط ہے، اور دلیل اگلا ارشادِ پاک ہے: ﴿ وَ اَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ﴾: اور صبر کرنا تمہارے لئے بہتر ہے، یعنی زنا کا اندیشہ ہو پھر بھی باندی سے نکاح نہ کرنا بہتر ہے، کیونکہ باندی سے نکاح کرنے میں یہ نقصان ہے کہ جو بچے پیدا ہونگے وہ باندی کے مولیٰ کے غلام ہونگے، اس لئے جہاں تک ممکن ہو بہتر یہ ہے کہ باندی کو نکاح میں لانے سے بچا جائے۔ یہ ارشادِ پاک دلیل ہے کہ یہ شرط بھی استحبابی ہے۔

پھر فرمایا کہ اللہ پاک بڑے بخشنے والے، بڑے مہربان ہیں، یعنی صبر کیا اور باندی سے نکاح نہ کیا اور زنا سے ہلکے گناہ میں مبتلا ہوگیا، بدنظری وغیرہ کا شکار ہوگیا، پھر سچی پکی توبہ کرلی تو اللہ تعالیٰ بخش دیں گے، وہ بڑے مہربان ہیں۔

﴿ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ۚ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾

ترجمہ: یہ (باندی سے نکاح کی اجازت) اس شخص کے لئے ہے جو تم میں سے زنا کا اندیشہ رکھتا ہو، اور تمہارے لئے صبر کرنا بہتر ہے، اور اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے، بڑے رحم فرمانے والے ہیں!

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۟ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ۝ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ۝

يُرِيْدُ	چاہتے ہیں	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	الشَّهَوٰتِ	خواہشات کی
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	عَلِيْمٌ	سب کچھ جاننے والے	اَنْ تَمِيْلُوْا	کہ جھک جاؤ تم
لِيُبَيِّنَ	کہ کھول کر بیان کریں	حَكِيْمٌ	بڑی حکمت والے ہیں	مَيْلًا عَظِيْمًا	بہت زیادہ جھک جانا
لَكُمْ	تمہارے لئے	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	يُرِيْدُ	اور چاہتے ہیں
وَيَهْدِيَكُمْ	اور چلائیں تمہیں	يُرِيْدُ	چاہتے ہیں	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
سُنَنَ	راہ پر	اَنْ يَّتُوْبَ	کہ توجہ فرمائیں	اَنْ يُّخَفِّفَ	کہ ہلکا کریں
الَّذِيْنَ	ان کی جو	عَلَيْكُمْ	تم پر	عَنْكُمْ	تم سے
مِنْ قَبْلِكُمْ	تم سے پہلے ہوئے	وَيُرِيْدُ	اور چاہتے ہیں	وَخُلِقَ	اور پیدا کیا گیا ہے
وَيَتُوْبَ	اور توجہ فرمائیں	الَّذِيْنَ	جو لوگ	الْاِنْسَانُ	انسان
عَلَيْكُمْ	تم پر	يَتَّبِعُوْنَ	پیروی کرتے ہیں	ضَعِيْفًا	کمزور

ربط: سورت اس بیان سے شروع ہوئی ہے کہ تمام انسان ایک ہیں، پہلے اللہ نے نفسِ ناطقہ (نوع) کی دو صنفیں بنائیں، پھر اس سے بے شمار مرد و زن پھیلائے، پھر یتامیٰ (کمزور افراد) کے احکام بیان کئے، اس کے بعد میراث کے

مسائل آئے، اس لئے کہ یتیم لڑکیوں کو میراث نہیں دی جاتی تھی، زبردست قبضہ کر لیتے تھے، تا آنکہ میت کی بیوی کو بھی میراث سمجھا جاتا تھا، میت کا لڑکا سوتیلی ماں سے نکاح کرتا تھا، حالانکہ وہ محرماتِ ابدیہ میں سے تھی، اس طرح محرمات کا بیان شروع ہوگیا، پھر حلال عورتوں کا اور ان کے مہر کا ذکر آیا، اور باندیوں سے بھی نکاح کی اجازت دی، اب نہج بدلتا ہے، گذشتہ احکام کے سلسلہ میں تین باتیں ارشاد فرماتے ہیں، پھر دوسرے احکام شروع ہونگے جو سراسر خیر و برکت ہیں۔

۱- احکام گذشتہ امتوں پر بھی نازل کئے گئے ہیں، اور وہ تمہیں اپنا بنانے کے لئے ہیں

سورۃ البقرۃ (آیت ۱۸۳) میں ارشادِ پاک ہے: ﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾: اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں، جس طرح تم سے اگلوں پر فرض کئے گئے تھے، تاکہ تم تقوی شعار بنو۔ معلوم ہوا کہ روزے اسی امت پر ابتداءً مقرر نہیں کئے گئے، گذشتہ امتوں پر بھی فرض کئے گئے تھے، اور ان میں ایمان لانے والوں کا فائدہ ہے، روزوں سے پرہیزگاری کی دولت ہاتھ آتی ہے۔

اسی طرح دیگر احکام بھی جو اس سورت میں بیان کئے جارہے ہیں: نئے نہیں، گذشتہ امتوں پر بھی اس طرح کے احکام نازل کئے گئے تھے، اور یہ احکام اس لئے نازل کئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تم کو اپنا بنانا چاہتے ہیں، ایمان لانے والے بندے احکامِ الٰہی پر عمل کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی طرف نظرِ عنایت فرمائیں گے، جو غلام (بندے) آقا کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں وہ آقا کے چہیتے ہوجاتے ہیں، انہیں کو آقا مہربانیوں سے نوازتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہیں، انھوں نے بندوں کو اپنانے کے لئے اپنی حکمتِ بالغہ سے ایک طریقہ تجویز کیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ بندوں کو احکام دیئے ہیں، پھر جو بندے تعمیل کریں ان کی طرف توجہ مبذول کی جائے، اور ان کو عنایات سے نوازا جائے۔

﴿ یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُبَیِّنَ لَكُمْ وَیَهْدِیَكُمْ سُنَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَیَتُوْبَ عَلَیْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۶﴾ ﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ تمہارے لئے (احکام) پوری تفصیل سے بیان کریں، اور پہلے گذرے ہوئے لوگوں کی طرح تمہاری راہ نمائی کریں —— دونوں جملوں کا حاصل ایک ہے —— اور تمہاری طرف توجہ فرمائیں —— یعنی تمہیں اپنا بنائیں —— اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے، بڑی حکمت والے ہیں —— انھوں نے اپنی حکمت سے تمہیں اپنانے کا یہ طریقہ تجویز کیا ہے، لہٰذا احکامِ الٰہی کی تعمیل کرو، اس سے روگردانی مت کرو، ورنہ اپنا نقصان کر بیٹھو گے۔

۲-خواہشات کے پجاری تمہیں احکام الٰہی سے بالکل ہی برگشتہ کر دینا چاہتے ہیں

اللہ تعالیٰ نے تو اپنے احکام پوری تفصیل سے بیان کئے ہیں، احکام کے ساتھ ان کی حکمتیں اور فوائد بھی بیان کئے ہیں، مگر بے دین اور بد دین لوگ جو دنیا کے مزوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں چاہتے ہیں کہ تم دین حق سے بالکل ہی دست بردار ہو جاؤ، نام کے مسلمان رہ جاؤ، یہود و نصاریٰ کی پوری کوشش ہے کہ مسلمان چاہے مسلمان رہیں، مگر دین پر نہ رہیں، نام کے مسلمان ہو جائیں، کام کے نہ ہوں، ایسے مسلمانوں سے ان کو کوئی خطرہ نہیں، وہ ان کے اشاروں پر ناچیں گے، اسی طرح دانشور بھی اس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ احکام میں تشکیک پیدا کریں، وہ حدود کو بربریت بتلاتے ہیں، اور اجتہاد کا دروازہ کھولنا چاہتے ہیں، تاکہ نیا دین وضع کریں۔

کہنا یہ ہے کہ تم ان کی کوششوں کو کامیاب نہ ہونے دو، احکام الٰہی پر جمے رہو، اسی میں تمہارا فائدہ ہے۔

﴿ وَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۛ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ۝۲۷ ﴾

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ (احکام نازل کر کے) چاہتے ہیں کہ تمہاری طرف توجہ فرمائیں ـــــ تمہیں اپنا بنائیں ـــــ اور جو لوگ نفسانی خواہشات کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں: چاہتے ہیں کہ تم دین حق سے بالکل ہی ہٹ جاؤ!

انسان ضعیف البنیاں ہے، اس لئے احکام ہلکے دیئے ہیں

بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو اس میں کروٹ لینے کی بھی طاقت نہیں ہوتی، کئی ماہ تک ماں باپ اس کو اٹھائے پھرتے ہیں، پھر جب پیر آتے ہیں تو اس کو انگلی پکڑاتے ہیں، وہ گرتا پڑتا چلنا سیکھتا ہے، اور جسم قوی ہونے لگتا ہے، مگر عقل ایک عرصہ کے بعد قوی ہوتی ہے، اس لئے بلوغ تک مکلّف نہیں ہوتا، اور بالغ ہو کر بھی ہاتھی گھوڑا نہیں بن جاتا ضعیف البنیان رہتا ہے، اس لئے سماوی شریعتوں میں اس کو ہلکے اور آسان احکام دیئے ہیں، تکلیف مالایطاق ممنوع ہے، آگے ایسے احکام دیں گے جن سے معاشرت (رہن سہن) کی اصلاح ہوگی اور خانگی زندگی پروان چڑھے گی۔

﴿ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ۝۲۸ ﴾

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ تم پر آسانی کریں، اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے!

فائدہ: دانشمند اس کا رونا روتے ہیں کہ شریعت کے احکام بہت سخت ہیں، جرائم کی سزائیں رونگٹے کھڑے کرنے والی ہیں، یہ احکام اونٹوں کے زمانہ کے ہیں، برق رفتار کاروں، ریلوں اور ہوائی جہازوں کے دور میں یہ احکام نہیں چل سکتے، اس لئے اجتہاد کا دروازہ کھولنا چاہئے، اور نئی شریعت مرتب کرنی چاہئے۔

یہ حضرات جان لیں کہ اللہ نے احکام میں آسانی کا لحاظ رکھا ہے، وہ ہر دور اور ہر شخص کے لئے موزون ہیں، نماز کھڑے ہوکر پڑھنا دشوار ہو، استطاعت نہ ہوتو بیٹھ کر پڑھے، اس پر بھی قدرت نہ ہوتو لیٹ کر اشارے سے پڑھے، مگر پڑھے، چھوڑے نہیں، ورنہ کافر اور مسلمان میں کیا فرق رہے گا؟ روزے بیماری اور سفر میں نہ رکھے، بعد میں اتنی ہی تعداد پوری کرلے، زکات اس وقت واجب ہوتی ہے جب سال بھر نصاب بدست رہے، حج استطاعت کی شرط کے ساتھ فرض ہے، اور حدود: صرف چار ہیں، اور یہ سخت سزائیں صرف ہوّا ہیں، ان کو نافذ کرنے کی نوبت بہت ہی کم آتی ہے، اور جرائم رک جاتے ہیں پس سزا کا ہوّا سزا سے بہتر ہے۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۣ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿٢٩﴾ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿٣٠﴾ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَاۗىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿٣١﴾ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ۭ وَلِلنِّسَاۗءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۭ وَسْـَٔـلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِــيْمًا ﴿٣٢﴾ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۭ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْھُمْ نَصِيْبَھُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿٣٣﴾

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	اِلَّآ	لیکن	اَنْفُسَكُمْ (۲)	اپنے لوگوں کا
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	اَنْ تَكُوْنَ (۱)	یہ کہ ہو	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
لَا تَاْكُلُوْٓا	نہ کھاؤ تم	تِجَارَةً	تجارت	كَانَ بِكُمْ	ہیں تم پر
اَمْوَالَكُمْ	اپنے اموال	عَنْ تَرَاضٍ	خوشی سے	رَحِيْمًا	بے حد مہربان
بَيْنَكُمْ	باہم (اپنے درمیان)	مِّنْكُمْ	باہمی	وَمَنْ	اور جو شخص
بِالْبَاطِلِ	ناحق (غلط) طریقہ پر	وَلَا تَقْتُلُوْٓا	اور مت خون کرو	يَّفْعَلْ	کرے گا

(۱) تکون کی خبر محذوف ہے أی فلکم أن تأکلوها، أی الأموال (۲) انفس سے مراد مسلمان بھائی ہیں، وہ اپنے ہیں۔

ذٰلِكَ	وہ کام (قتل)	وَلَا تَتَمَنَّوْا	اور نہ آرزو کرو تم	كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ	ہیں ہر چیز کو
عُدْوَانًا (۱)	حد سے تجاوز کرتے ہوئے	مَا فَضَّلَ (۶)	اس کی جو برتری بخشی	عَلِيْمًا	خوب جاننے والے
وَّظُلْمًا	اور ستم ڈھاتے ہوئے	اللّٰهُ	اللہ نے	وَلِكُلٍّ	اور ہر ایک کے لئے
فَسَوْفَ	تو عنقریب	بِهٖ	اس کے ذریعہ	جَعَلْنَا	بنائے ہم نے
نُصْلِيْهِ	ہم اس کو داخل کریں گے	بَعْضَكُمْ	تمہارے بعض کو	مَوَالِيَ (۸)	ورثاء
نَارًا	دوزخ میں	عَلٰى بَعْضٍ	بعض پر	مِمَّا	اس سے جو
وَكَانَ ذٰلِكَ	اور یہ ہے (داخل کرنا)	لِلرِّجَالِ	مردوں کے لئے ہے	تَرَكَ	چھوڑا
عَلَى اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر	نَصِيْبٌ	حصہ	الْوَالِدٰنِ	ماں باپ نے
يَسِيْرًا	آسان	مِّمَّا	اس میں سے جو	وَالْاَقْرَبُوْنَ	اور رشتہ داروں نے
اِنْ تَجْتَنِبُوْا	اگر بچے رہو تم	اكْتَسَبُوْا	کمایا انھوں نے	وَالَّذِيْنَ	اور جن سے
كَبَآئِرَ (۲)	بڑے گناہوں سے	وَلِلنِّسَآءِ	اور عورتوں کے لئے ہے	عَقَدَتْ (۹)	بندھی ہیں
مَا تُنْهَوْنَ	جو روکے جاتے ہو تم	نَصِيْبٌ	حصہ	اَيْمَانُكُمْ	تمہاری قسمیں
عَنْهُ (۳)	ان سے	مِّمَّا	اس میں سے جو	فَاٰتُوْهُمْ	پس دو ان کو
نُكَفِّرْ	مٹا دیں گے ہم	اكْتَسَبْنَ	کمایا انھوں نے	نَصِيْبَهُمْ	ان کا حصہ
عَنْكُمْ	تم سے	وَسْئَلُوا (۷)	اور مانگو تم	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
سَيِّاٰتِكُمْ (۴)	تمہاری برائیاں	اللّٰهَ	اللہ سے	كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ	ہیں ہر چیز پر
وَنُدْخِلْكُمْ	اور داخل کریں گے تم کو	مِنْ فَضْلِهٖ	ان کے فضل سے		
مُّدْخَلًا كَرِيْمًا (۵)	عزت کی جگہ میں	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	شَهِيْدًا	گواہ

(۱) عدوانا: یفعل کے فاعل کا حال ہے، اور ظلماً اس کی تاکید ہے (۲) کبائر: مابعد کی طرف مضاف ہے (۳) عنه کی ضمیر ما کی طرف لوٹتی ہے، ما لفظاً مفرد ہے، معناً جمع ہے (۴) قرآن میں سیئات بمعنی صغائر آیا ہے (۵) مدخلا (اسم مفعول کے وزن پر) مصدر ہے، اور کریما اس کی صفت ہے اور ظرف مکان بھی ہوسکتا ہے، ترجمہ اسی کا کیا ہے (۶) ما فضل الله: لاتتمنوا کا مفعول بہ ہے (۷) سئلوا: سین سے پہلے ہمزہ وصل قرآنی رسم الخط میں متروک ہے (۸) موالی: مولیٰ کی جمع ہے، یہاں اسکے معنی ہیں: ورثاء (ابن عباس) (۹) عَقَدَ (ض) عَقْدًا: باندھنا، ایک قراءت میں باب مفاعلہ سے عاقدت ہے یعنی تم نے باہم عہد و پیمان باندھا ہے، اور أیمانکم: فاعل ہے یعنی تمہاری قسمیں بندھی ہیں/ باہم بندھی ہیں، مراد وہ لوگ ہیں جن سے تم نے معاونت کا معاہدہ کیا ہے۔

ذات البین کی اصلاح کے لئے احکام

ا- ناحق ایک دوسرے کے اموال مت کھاؤ، اس سے قتل کا دروازہ کھلے گا

اب ایسے احکام بیان فرماتے ہیں جن میں ذات البین کی اصلاح ہے، ذات البین: یعنی آپسی معاملات:

پہلا حکم: ناحق ایک دوسرے کے اموال (دولت) مت کھاؤ، اس سے قتل کی نوبت آسکتی ہے، اور قتلِ مؤمن سنگین گناہ ہے —— اور 'ناحق' میں حصولِ زر کی وہ تمام صورتیں آجاتی ہیں جن کی قرآن وحدیث میں ممانعت وارد ہوئی ہے —— اور اموال جمع سے مراد دولت ہے، کسی کا بڑا مال ہڑپ کرلیا، اور مظلوم بے بس ہوتو ظالم کو کسی طرح نمٹادے گا، یہ قتل کی نوبت آگئی! یہ آیت میں مذکور دونوں حکموں میں مناسبت ہے۔

اور آیت سے معلوم ہوا کہ خرید وفروخت میں فریقین کی رضامندی ضروری ہے، کسی فریق کو مجبور کر کے معاملہ طے کرنا جائز نہیں، نہ زبان بندی جائز ہے، آخر تک فریقین کو بولنے کا اختیار ہے، اور آخر میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک: ایجاب وقبول پورے ہونے تک اختیار ہے، اسی لئے خرید وفروخت اور دیگر مالی معاملات میں ایجاب وقبول کو ضروری قرار دیا گیا، کیونکہ ان سے فریقین کی رضامندی کا پتہ چل جاتا ہے۔ اور امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک: متعاقدین کے ایک دوسرے سے جدا ہونے تک اختیار ہے، دونوں کے دلائل تحفۃ الالمعی شرح سنن الترمذی (۴:۱۶۲) میں ہیں۔

اور 'ناحق' اموال کھانے کی ممانعت اس وجہ سے ہے کہ اس سے قتل کی نوبت آسکتی ہے، زر، زمین اور زن کے جھگڑے بڑے خطرناک ہوتے ہیں، قتل کی نوبت آجاتی ہے، جبکہ ہر شخص کو قتلِ مؤمن سے بچنا چاہئے، اللہ تعالیٰ بندوں پر بے حد مہربان ہیں، پس مؤمن بندوں میں بھی اس کی خو بو ہونی چاہئے۔

مسئلہ: ناحق کسی کا ایک پیسہ بھی کھانا حرام ہے، اور آیت میں اموال جمع دوسرے حکم کی مناسبت سے لایا گیا ہے۔

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۣ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿۲۹﴾ ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! باہم ناحق طریقہ پر ایک دوسرے کے اموال مت کھاؤ، ہاں اگر آپس میں رضامندی سے بزنس (معاملہ) ہو (تو مضائقہ نہیں) اور اپنے آدمیوں کو قتل مت کرو، بے شک اللہ تعالیٰ تم پر بے حد مہربان ہیں!

قتلِ مؤمن نہایت سنگین گناہ ہے

ضمنی بات ہے، جو شخص ظلم وزیادتی سے کسی مسلمان کو قتل کرے گا: اس کو اللہ تعالیٰ جہنم میں جھونکیں گے! اللہ تعالیٰ کے

لئے یہ کام کچھ مشکل نہیں! ـــــ یہ 'غایت' بیان کئے بغیر قتل مومن کی سزا کا بیان ہے، آگے اسی سورت (آیت ۹۳) میں اس سے سخت لب ولہجہ میں یہی سزا بیان کی ہے۔

﴿ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ۚ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴾

ترجمہ: اور جو شخص یہ کام (قتل) ظلم وزیادتی سے کرے گا ـــــ حد (شرعی سزا) میں قتل کرنا نکل گیا ـــــ اس کو ہم جلدی جہنم میں جھونکیں گے، اور یہ کام اللہ کے لئے آسان ہے! ـــــ مومن کو بھی جہنم میں ڈالنے سے ان کو کوئی چیز روک نہیں سکتی!

جو کبائر سے بچارہے گا: اس کے صغائر معاف کردیئے جائیں گے

یہ بھی ضمنی بات ہے، اور اوپر کی مقابل بات ہے، اور یہ قرآنِ کریم کا اسلوب بیان ہے، وہ اہل جنت وجہنم میں سے ایک کے تذکرہ کے بعد دوسرے کا تذکرہ کرتا ہے، پس جو کسی مسلمان کو ناحق قتل کرے گا وہ جہنم میں جائے گا، اور جو اس سے بچارہے گا وہ جنت میں جائے گا، اور یہ بات ایک قاعدہ کلیہ کی صورت میں بیان کی ہے:

قاعدہ کلیہ: جو شخص کبیرہ گناہوں سے بچارہے گا، اور کبیرہ گناہ وہ ہیں جن سے قرآن وحدیث میں روکا گیا ہے: اس کی برائیاں نامۂ اعمال سے مٹادی جائیں گی، اور جب وہ بے گناہ ہوجائے گا تو عزت کی جگہ (جنت) میں داخل کیا جائے گا۔

گناہ کے چار درجے: (۱) مَعْصِيَة (نافرمانی) اس کے مقابل طاعَة (فرمان برداری) ہے (۲) سَيِّئَة (برائی) اس کے مقابل حَسَنَة (نیکی) ہے (۳) خَطِيْئَة (غلطی) اس کے مقابل صَوَاب (درستگی) ہے (۴) ذنوب (کوتاہی، عیوب) اس کے مقابل کچھ نہیں، یہ معمولی گناہ ہے۔

جاننا چاہئے کہ صرف معصیت کبیرہ گناہ ہے، باقی تین صغائر ہیں، اور اہل السنہ کا اتفاق ہے کہ کبائر کے لئے توبہ (قولی یا فعلی) ضروری ہے، وہ توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوتے، ان کی سزا ملے گی، اور صغائر: حسنات سے بھی معاف ہوجاتے ہیں، سورۃ ہود (آیت ۱۱۴) میں ہے: ﴿ إِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ﴾: بے شک نیکیاں برائیوں کو دور کردیتی ہیں، یہاں بھی یہی ارشاد پاک ہے کہ جو بڑے گناہوں سے بچارہے گا اس کی برائیاں مٹادی جائیں گی، سیئات سے صغائر مراد ہیں۔

اور صغائر وکبائر: اضافی الفاظ ہیں، ہر گناہ نیچے کے اعتبار سے کبیرہ ہے، اور اوپر کے اعتبار سے صغیرہ ہے، جیسے چار بھائی ہیں، ہر ایک نیچے کے اعتبار سے بڑا ہے، اور اوپر کے اعتبار سے چھوٹا ہے۔

اور نصوص میں صغائر وکبائر کی تحدید نہیں آئی، تاکہ لوگ ہر گناہ سے بچیں، یہ خیال کرکے کہ وہ نیچے کے اعتبار سے کبیرہ

ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ کبیرہ گناہ تقریباً سات سو ہیں (جلالین) اور ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ نے ان کو الزواجر عن ارتکاب الکبائر میں جمع کیا ہے۔ اس کتاب کا اردو میں ترجمہ ہوگیا ہے، قارئین اس کا مطالعہ کریں اور ہر کبیرہ سے دامن بچائیں۔

میں یہاں صرف ایک متفق علیہ (بخاری مسلم کی) حدیث لکھتا ہوں، جس میں سات گناہوں کو موبقات (ہلاک کرنے والے) کہا گیا ہے، لوگ ان سے بچیں:

حدیث: نبی ﷺ نے فرمایا: ''سات ستیاناس کرنے والے گناہوں سے بچو!'' صحابہ نے پوچھا: یارسول اللہ! وہ کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''(۱) اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا (۲) جادو (کرنا کرانا) (۳) اس شخص کو قتل کرنا جس کا قتل اللہ نے حرام کیا ہے، مگر حق شرعی کی وجہ سے (قتل کرسکتے ہیں) (۴) سود لینا (دینا) (۵) یتیم کا مال کھانا (۶) مڈبھیڑ کے دن پیٹھ پھیرنا (۷) پاک باز، ایماندار، گناہ (زنا) سے بے خبر عورت پر زنا کی تہمت لگانا (مشکاۃ ح ۵۲)

فائدہ (۱): ﴿ تُنْهَوْنَ ﴾: فعل مجہول میں وہ گناہ بھی آجاتے ہیں جن سے حدیثوں میں روکا گیا ہے۔

فائدہ (۲): کبیرہ گناہ کی تعریف میں بہت اقوال ہیں، جامع ترین قول یہ ہے کہ (۱) جس گناہ پر کوئی وعید آئی ہو (۲) یا حد مقرر کی گئی ہو (۳) یا اس گناہ پر لعنت آئی ہو (۴) یا اس میں خرابی کسی ایسے گناہ کے برابر یا زیادہ ہو جس پر وعید یا حد یا لعنت آئی ہے (۵) یا وہ کام آدمی نے دین میں سستی کی راہ سے کیا ہو تو وہ کبیرہ گناہ ہے، اور اس کا مقابل صغیرہ ہے۔

﴿ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴾

ترجمہ: اگر تم ان بڑے گناہوں سے بچو گے، جن سے تمہیں روکا جاتا ہے، تو ہم تم سے تمہاری برائیاں مٹادیں گے، اور ہم تمہیں عزت والی جگہ (جنت) میں داخل کریں گے۔

۲- باکمال کی فضیلت پر رشک مت کرو

ایک کمزوری انسانوں میں یہ ہے کہ باکمال مردوں پر مرد، اور باکمال عورتوں پر عورتیں جلتی ہیں، کسی مرد کو کوئی دینی یا دنیوی کمال حاصل ہوگیا، کوئی عہدہ مل گیا، علم میں تفوق حاصل ہوگیا یا کاروبار چمک گیا تو دوسروں کی آنکھوں میں وہ کانٹے کی طرح چبھتا ہے، وہ مقابلہ بازی پر اتر آتے ہیں، اس کی ٹانگ گھسیٹتے ہیں، اس کو نیچا دکھانے کی کوشش کرتے ہیں، اور کردنی ناکردنی کرنے لگتے ہیں، جادو، ٹوناٹوٹکا کرنے سے بھی باز نہیں آتے —— یہی حال عورتوں کا بھی ہے، وہ بھی دوسری کی فضیلت اور برتری پر جلتی ہیں، کسی عورت کو اچھا شوہر مل گیا، خوش حال گھرانہ مل گیا یا کوئی دینی کمال حاصل ہوگیا تو بعض عورتوں کی نیند حرام ہوجاتی ہے، اور وہ ہاتھ دھوکر اس کے پیچھے پڑجاتی ہیں، اس سے بھی معاشرہ خراب ہوتا ہے، آپس

میں بغض ونفرت پیدا ہوتی ہے، اور رشک بڑھ کر حسد بن جاتا ہے، اور حسد: بغض ونفرت پیدا کرتا ہے، اس لئے ایسے رشک ہی کی ممانعت فرماتے ہیں:

اگر اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر برتری بخشی ہے تو اس پر رشک مت کرو، مردوں کو ان کی صلاحیت کی وجہ سے کمال حاصل ہوا ہے، اسی طرح عورتوں کو بھی ان کی صلاحیت کی وجہ سے کمال ہوا ہے، تم بھی صلاحیت پیدا کرو، اور اللہ سے فضل مانگو، وہ تمہیں بھی ضرور عنایت فرمائیں گے، وہ لوگوں کی صلاحیتوں کو خوب جانتے ہیں، کسی باکمال کو محروم نہیں کرتے۔

﴿ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۚ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ۚ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۚ وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۳۲﴾ ﴾

ترجمہ: اور تم آرزو مت کرو اس کی جس کے ذریعہ اللہ نے تمہارے ایک کو دوسرے پر برتری بخشی ہے، مردوں کے لئے حصہ ہے اس میں سے جو انھوں نے کمایا ہے — یعنی محنت سے صلاحیت پیدا کی ہے — اور عورتوں کے لئے حصہ ہے اس میں سے جو انھوں نے کمایا ہے، اور تم (بھی) اللہ تعالیٰ سے ان کا فضل مانگو، اللہ تعالیٰ یقیناً ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔

۳- وارث کو نقصان نہ پہنچایا جائے، خواہ نزدیک کا وارث ہو یا دور کا، اور جس کا تعاون ضروری ہو اس کا معروف طریقہ پر تعاون کیا جائے

بعض لوگ نزدیک کے ورثاء کو بھی نقصان پہنچاتے ہیں، زمین جائداد لڑکوں کو ہبہ کردیتے ہیں، اور لڑکیوں کو اس کا کوئی عوض نہیں دیتے، اور بعض لوگ کسی لڑکے سے ناراض ہوجاتے ہیں اور اس کو عاق (غیر وارث) کردیتے ہیں جبکہ ایسا کرنے کا اس کو اختیار نہیں، وارث خود بخود میراث کا مالک ہوجاتا ہے، اس کی ملکیت اضطراری ہے، اور حدیث میں ہے کہ جو کسی وارث کا حصہ کاٹے گا: اللہ تعالیٰ اس کا جنت سے حصہ کاٹیں گے! —— رہی لڑکے کی نالائقی تو اللہ تعالیٰ اس کو آخرت میں سزادیں گے، اس کی وجہ سے اس کو میراث سے محروم کرنا جائز نہیں، ورثاء اللہ تعالیٰ نے مقرر کردیئے ہیں۔

اسی طرح بعض لوگوں کے قریبی وارث نہیں ہوتے، دور کے وارث ہوتے ہیں، مثلاً بھائی یا بھتیجے وارث ہوتے ہیں، اس لئے وہ اپنی زندگی میں مال اڑادیتے ہیں، خیر خیرات کردیتے ہیں، زمین جائداد وقف کردیتے ہیں تاکہ دور کے وارثوں کو ترکہ نہ پہنچے، یہ طریقہ بھی غلط ہے، اس سے معاشرتی بگاڑ پیدا ہوتا ہے، لوگ ایسا کرنے سے بچیں، ورثاء کے لئے ترکہ چھوڑنا بھی صدقہ ہے۔

اور اگر وجوہِ خیر میں خرچ کرنا ضروری ہے، یا کسی کے ساتھ کوئی معاہدہ ہے، اور اس کا تعاون کرنا ضروری ہے، تو تہائی

ترکہ سے دے یا وصیت کرے، سارا مال نہ دیدے، دو تہائی ورثاء کے لئے بچائے۔

زمانۂ جاہلیت میں عقد موالات (دوستی کا معاہدہ) کرتے تھے، جس کا کوئی وارث نہیں ہوتا تھا وہ دوسرے کے ساتھ اس طرح معاملہ کرتا تھا کہ اگر میں کوئی جنایت کروں تو آپ اس کی دیت دیں، اور آپ جنایت کریں گے تو میں دیت دونگا، اور میں مروں گا تو آپ کو میراث ملے گی اور آپ مریں گے تو مجھے میراث ملے گی، اور اس کو 'عقد موالات' کہتے تھے۔

پھر جب اسلام کا زمانہ آیا تو ہجرت کے بعد مہاجرین وانصار میں 'مواخات' کرائی، یہی موالات ہے، اس کی بنیاد پر ایک دوسرے کو میراث ملتی تھی، پھر جب مہاجرین کے ورثاء مسلمان ہو گئے تو اس حکم میں تبدیلی آئی، اور زیر تفسیر آیت نازل ہوئی، ارشاد فرمایا: "اور ہر ایسے مال کے لئے جس کو والدین اور رشتہ دار چھوڑ جائیں ہم نے وارث مقرر کر دیئے ہیں" — حضرت ابن عباسؓ نے موالی کا ترجمہ 'ورثہ' کیا ہے — اور جن لوگوں سے تمہارے عہد بندھے ہوئے ہیں ان کو ان کا حصہ (سدس) دیدو، (باقی ترکہ ورثاء کو ملے گا) — نصیب سے احناف کے نزدیک چھٹا حصہ مراد ہے، اور حضرت ابن عباسؓ نے مدد، تعاون، خیر خواہی اور وصیت کرنا مراد لیا ہے یعنی اب مولی الموالات کا میراث میں کوئی حصہ نہیں — پھر جب سورۃ الانفال کی آخری آیت: ﴿ وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِىْ كِتٰبِ اللّٰهِ ﴾: نازل ہوئی تو مولی الموالات کا جو سدس تھا وہ بھی ختم ہو گیا — اور یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ دوسرے ورثاء کی موجودگی میں — خواہ وہ ذوی الفروض نسبیہ ہوں یا عصبہ ہوں یا ذوی الارحام ہوں — مولی الموالات کو میراث نہیں ملے گی، لیکن جب کوئی وارث نہ ہو اور مولی الموالات ہو تو حنفیہ کے نزدیک اس کو کل میراث ملے گی (بیان القرآن)

﴿ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۭ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ۝ ﴾

ترجمہ: اور ہم نے ہر ایک کے لئے ورثاء بنائے ہیں اس مال کے جو والدین اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہے — والدین نے اولاد کے لئے چھوڑا ہے یعنی قریبی ورثاء کے لئے، اور رشتہ داروں نے دور کے رشتہ داروں کے لئے چھوڑا ہے — اور جن لوگوں سے تمہارے عہد بندھے ہوئے ہیں — یعنی عقد موالات کیا ہے یا کسی سے کوئی پختہ وعدہ کیا ہے — تو ان کو ان کا حصہ دو — یعنی سارا ترکہ مت دو، تہائی ترکہ سے احسان کرو — اللہ تعالیٰ بالیقین ہر چیز کے گواہ ہیں — یعنی دیکھ رہے ہیں، گواہ دیکھتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی نظر رکھے ہوئے ہیں، دیکھ رہے ہے کہ تم حکم پر عمل کرتے ہو یا نہیں؟

فائدہ: ورثاء کے لئے لفظ موالی استعمال کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ تمہارے اصل موالی (دوست) ورثاء ہیں، نہ کہ مولی الموالات۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ۝۳۴ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ۝۳۵

اَلرِّجَالُ	مرد	لِلْغَيْبِ (۴)	چھپی چیز کی	عَلَيْهِنَّ	ان پر
قَوّٰمُوْنَ (۱)	بہت ذمہ دار ہیں	بِمَا حَفِظَ (۲)	حفاظت کرنے کی وجہ سے	سَبِيْلًا	کوئی راستہ
عَلَى النِّسَآءِ	عورتوں کے	اللّٰهُ	اللہ کی	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
بِمَا فَضَّلَ (۲)	برتری دینے کی وجہ سے	وَالّٰتِيْ	اور جو عورتیں	كَانَ عَلِيًّا	ہیں برتر
اللّٰهُ	اللہ کے	تَخَافُوْنَ	ڈرتے ہو تم	كَبِيْرًا	بہت زیادہ
بَعْضَهُمْ	ان کے ایک کو	نُشُوْزَهُنَّ	ان کی نافرمانی سے	وَاِنْ خِفْتُمْ	اور اگر ڈرو تم
عَلٰى بَعْضٍ	دوسرے پر	فَعِظُوْهُنَّ	پس سمجھاؤ ان کو	شِقَاقَ	ناچاقی سے
وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا (۲)	اور خرچ کرنے کی وجہ سے	وَاهْجُرُوْهُنَّ	اور جدا کر دو ان کو	بَيْنِهِمَا	باہمی
مِنْ اَمْوَالِهِمْ	ان کے اموال میں سے	فِي الْمَضَاجِعِ	خواب گاہوں میں	فَابْعَثُوْا	پس بھیجو
فَالصّٰلِحٰتُ (۳)	پس نیک خواتین	وَاضْرِبُوْهُنَّ	اور مارو ان کو	حَكَمًا	ایک پنچ
قٰنِتٰتٌ	اطاعت شعار ہوتی ہیں	فَاِنْ	پھر اگر	مِّنْ اَهْلِهٖ	مرد کے خاندان سے
حٰفِظٰتٌ	نگہبانی کرنے والی	اَطَعْنَكُمْ	کہنا مانیں وہ تمہارا	وَحَكَمًا	اور ایک پنچ
	ہوتی ہیں	فَلَا تَبْغُوْا	تو نہ چاہو تم	مِّنْ اَهْلِهَا	عورت کے خاندان سے

(۱) قوام: اسم مبالغہ، بروزن علّام، قام بأمر: ذمہ دار ہونا، حاکم: رعیت کا ذمہ دار ہوتا ہے، اس لئے 'حاکم' بھی ترجمہ کرتے ہیں
(۲) تینوں جگہ باء سببیہ اور ما مصدریہ ہے (۳) الصالحات: مبتدا، قانتات: پہلی خبر اور حافظات دوسری خبر ہے (۴) غیب: چھپی ہوئی چیز، یعنی ناموس۔

اِنْ يُّرِيْدَآ	اگر چاہیں گے دونوں	بَيْنَهُمَا	دونوں کے درمیان	عَلِيْمًا	سب کچھ جاننے والے
اِصْلَاحًا	سنوارنا	اِنَّ اللّٰهَ	بےشک اللہ تعالیٰ	خَبِيْرًا	بڑے باخبر
يُّوَفِّقِ اللّٰهُ	موافقت کردیں گے اللہ	كَانَ	ہیں	۞	۞

خانگی زندگی خراب ہوجائے تو حتی الامکان اس کو سنوارنے کی کوشش کی جائے

یہ دو آیتیں ہیں، ان میں یہ مضمون ہے کہ خانگی زندگی جب بگڑ جاتی ہے تو چین حرام ہوجاتا ہے، ہر وقت برتن بجتے ہیں، جھگڑا انتشار رہتا ہے، پس ایسی صورتِ حال میں حتی الامکان اصلاح کی کوشش کی جائے، ایک دم طلاق پر اقدام نہ کیا جائے، طلاق گو مباح ہے، مگر اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے، اور شیطان کو اس سے بڑی خوشی ہوتی ہے، اس لئے ناگزیر حالات ہی میں طلاق پر اقدام کرنا چاہئے۔

اور اصلاحِ حال کے ترتیب وار چار طریقے ہیں، مگر پہلی آیت میں تمہید میں دو باتیں بیان کی ہیں:

پہلی بات: مرد وزن جب تک رشتۂ ازدواج میں منسلک نہیں ہوتے آزاد ہوتے ہیں، دونوں اپنی مرضی کے مالک ہوتے ہیں، مگر جب مناکحت ہوگئی تو مرد صدر خاندان ہوجاتا ہے، اس کو بالادستی حاصل ہوجاتی ہے، اور عورت زیر دست ہوجاتی ہے، لہٰذا مرد جو جائز بات کہے، عورت اس کو سنے اور مانے، اسی صورت میں گھر جنت کا نمونہ ہوگا، اور اگر عورت مرد کی جائز بات بھی نہ مانے تو وہ ایک دوسرے سے دور ہوجائیں گے، اور خانگی زندگی کا مزہ کرکرا ہوجائے گا۔

فائدہ: جاننا چاہئے کہ مساواتِ مرد وزن اسلام میں بھی ہے اور غیروں کا بھی نعرہ ہے، مگر دونوں کی تعریف مختلف ہے۔ اسلامی مساوات: حقوق اور ذمہ داریوں کے تبادلہ کا نام ہے، اور ایک فریق کے حقوق دوسرے فریق کی ذمہ داریاں ہوتی ہیں، شوہر کا بیوی پر حق یہ ہے کہ اس کی تعظیم وتکریم کرے اور اس کی اطاعت وفرماں برداری کرے، پس یہ بیوی کی ذمہ داری ہے، اور بیوی کا شوہر پر حق یہ ہے کہ وہ اس کی اچھی طرح دیکھ بھال کرے اور اس کی ہر ضرورت پوری کرے، پس یہ شوہر کی ذمہ داری ہے۔

اور غیروں کی مساوات مطلق العنانی کا نام ہے، یعنی ہر ایک کی لگام اس کے ہاتھ میں، نہ مرد کی عورت سنے اور مانے نہ مرد عورت کی کفالت کرے، بلکہ عورت خود کمائے اور کھائے، ایسی صورت میں دو دلوں کا جڑنا مشکل ہے، وقتی جذبہ سے تھوڑی دیر کا ساتھ ہوجاتا ہے، یورپ اور امریکہ میں روز گھر ٹوٹتے ہیں، بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ ان کے یہاں خاندان کا تصور ہی ختم ہوگیا ہے، جو مساوات کا غلط مطلب لینے کا نتیجہ ہے (فائدہ ختم ہوا)

اور خانگی زندگی میں مرد کی سربراہی کی قرآنِ کریم نے دو وجہیں بیان کی ہیں:

پہلی وجہ: وہبی (خلقی) ہے، یعنی اللہ نے مردوں کو ایسا بنایا ہے کہ وہ عورتوں کے ذمہ دار بن سکتے ہیں، مردوں کو اللہ نے زیادہ جسمانی طاقت دی ہے، دل ودماغ کی بڑھی ہوئی صلاحیت دی ہے، اور قوتِ فیصلہ کا امتیاز بخشا ہے، اور عورتیں کم زور جسم کی ہیں، دل ودماغ کی صلاحیت بھی کم ہے، اور ان میں قوتِ فیصلہ بھی نہیں ہوتی، اس لئے صدر خاندان مرد ہی ہوسکتا ہے، وہی گھر کی حفاظت وصیانت پر قادر ہے، اور اپنی قوتِ فیصلہ سے اہم امور میں رائے قائم کرسکتا ہے۔

دوسری وجہ: کسبی ہے، یعنی مرد عورتوں پر اپنے مال خرچ کرتے ہیں، مہر، خوراک، پوشاک وغیرہ جملہ ضروریات کا تکفل کرتے ہیں، اور انسان احسان کا بندہ ہوتا ہے، پس مرد کی بات عورت سنے اور مانے یہ زیادہ موزون بات ہے، اس کی برعکس صورت معقول نہیں، لہٰذا عورتوں کو مردوں کا فرمان بردار ہونا چاہئے۔

دوسری بات: تمہید میں یہ بیان کی ہے کہ بیوی میں تین خوبیاں ہونی چاہئیں، اور یہ بات تمہید میں اس لئے بیان کی ہے کہ تقابل تضاد سے نشوز (نافرمانی) کی حقیقت سمجھی جاسکے گی، ضد سے ضد پہچانی جاتی ہے، جس عورت میں یہ تینوں خوبیاں نہ ہوں وہ اعلیٰ درجہ کی نافرمان ہوگی، اور ایک یا دو خوبیاں نہ ہوں وہ نسبۃً کم درجہ نافرمان ہوگی، جیسے حدیث میں ہے: چار عادتیں جس شخص میں ہوں وہ خالص (پکا) منافق ہے، اور اگر کسی میں ان میں سے ایک عادت ہو تو اس میں ایک برائی ہے، یہاں تک کہ وہ اس کو چھوڑ دے: (۱) جب اس کو امانت سونپی جائے تو خیانت کرے (۲) اور جب بھی بات کرے تو جھوٹ بولے (۳) اور جب کوئی قول وقرار کرے تو بے وفائی کرے (۴) اور جب جھگڑا کرے تو گالیاں بکے (بخاری شریف حدیث ۳۴) اسی انداز پر ان تین خوبیوں کے فقدان کو سمجھیں۔

نیک بیویوں کی تین خوبیاں یہ ہیں:

۱- اچھی بیوی وہ ہے جو اللہ کی نیک بندی ہو، دیندار ہو، شریعت کی پابند ہو، احکام پر عمل کرتی ہو، اور یہ خوبی وصفِ عنوانی میں مندرج ہے، الصالحات مبتدا ہے، اس میں یہ خوبی شامل ہے۔

۲- دوسری خوبی قانتات ہے، یعنی اچھی بیوی مرد کی تابعدار ہوتی ہے، مرد جو بھی جائز بات اس سے کہتا ہے اس کی تعمیل کرتی ہے۔

۳- تیسری خوبی عورت میں یہ ہونی چاہئے کہ وہ اپنے پوشیدہ عضو کی حفاظت کرے، اپنی آبرو نیلام نہ کرے، تَرُدُّ یَدَ لَامِسٍ: چھونے والا کا ہاتھ جھٹک دیتی ہو، اور یہ کام مشکل ہے، اس لئے کہ گناہ کے دو سرچشمے ہیں، پیٹ اور شرمگاہ، پیٹ کے گناہ سے بچنا یعنی حرام لقمہ پیٹ میں نہ جائے یہ کام اتنا مشکل نہیں جتنا شرمگاہ کے گناہ سے بچنا مشکل ہے، لیکن اللہ کی حفاظت شاملِ حال ہوجائے تو اس گناہ سے بچنا بھی کچھ مشکل نہیں۔

پھر اصل مضمون شروع کیا ہے: اگر بیوی کے نشوز کا ڈر ہو یعنی نافرمانی کا اندیشہ ہو تو بالترتیب چار طرح سے اس کی اصلاح کی جائے:

اول: اس کو نصیحت کی جائے، بات اس کے دل میں اتر جائے، اس طرح فہمائش کی جائے، دین پر عمل کرنے کا شوق دلایا جائے، قرآن وحدیث کی باتیں سنائی جائیں، دینی حلقوں میں بھیجا جائے اور فضائل اعمال کے مضامین سنائے جائیں تو ان شاء اللہ دین داری کا جذبہ ابھرے گا اور وہ شوہر کی اطاعت کرنے لگے گی۔

دوم: اگر نصیحت کارگر نہ ہو تو بیوی کو ساتھ نہ لٹائے، یہ ناراضگی کے اظہار کا ایک طریقہ ہے، مگر میاں بیوی ایک ہی کمرے میں رہیں، تاکہ عورت تنہائی میں معافی تلافی کرنا چاہے تو کر سکے۔

سوم: اگر یہ ترکیب بھی کارگر نہ ہو، وہ اکیلی آرام سے سوتی ہو تو اس کی پٹائی کرے، مگر سخت نہ مارے، اعضائے رئیسہ پر نہ مارے، بدن پر نشان نہ پڑے —— اگر ان تدابیر سے بیوی کے رویہ میں تبدیلی آجائے تو پھر خواہ مخواہ اس کے پیچھے نہ پڑے، مضیٰ مامضیٰ کر کے اچھی طرح اس کے ساتھ نباہ کرے۔

فائدہ: اسلام میں تادیب ضربی جائز ہے، یعنی اصلاح کے لئے ہلکی مار مارنا جائز ہے، حدیث میں ہے کہ بچہ دس سال کا ہو جائے اور نماز نہ پڑھے تو اس کو مار کر نماز پڑھوائی جائے، اور حدیث میں ایک واقعہ ہے۔ ایک صحابیہ نے اپنے شوہر کی نافرمانی کی، شوہر نے طمانچہ مارا، عورت نے باپ سے شکایت کی، باپ نے نبی ﷺ سے یہ بات ذکر کی، آپؐ نے بدلہ لینے کا فیصلہ فرمایا، باپ بیٹی بدلہ لینے کے لئے چلے، پیچھے یہ آیت اتری، آپؐ نے دونوں کو واپس بلایا اور اپنا حکم واپس لیا، اور فرمایا: ”ہم نے کچھ چاہا اور اللہ نے کچھ چاہا، اور جو اللہ نے چاہا اس میں خیر ہے“

یورپ اور امریکہ میں گنگا الٹی بہتی ہے، شوہر کو مارنے کی اجازت نہیں، بیوی کو اجازت ہے، شوہر نے آنکھ بھی دکھائی اور بیوی نے پولس کو فون کر دیا تو پولس اس کو اندر کر دے گی، اور محلہ میں آنے پر بھی پابندی لگا دیتی ہے، اور عورت بیلن سے مارے اور شوہر فون کرے تو اس کی کوئی شنوائی نہیں، کیونکہ بیوی کو مارنے کا حق ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب شوہر کا غصہ جمع ہو جاتا ہے تو وہ بیوی کو مار کر ٹکڑے ٹکڑے کر کے گٹر میں بہا دیتا ہے (فائدہ پورا ہوا)

چہارم: اور اگر بات شقاق تک پہنچ جائے، جھگڑا اپنی نہایت کو پہنچ جائے، ضد اضدی کی نوبت آجائے تو آخری تدبیر یہ ہے کہ دونوں کے خاندان پنچایت قائم کریں، مرد کے خاندان والے اپنے میں سے ایک حکم مقرر کریں اور عورت کے رشتہ دار اپنے میں سے ایک حکم مقرر کریں، دونوں حکم میاں بیوی کی شکایات سنیں، اور جس کا قصور سمجھ میں آئے اس کو دبائیں، اگر دونوں حکم اصلاح کی کوشش کریں گے تو امید ہے کہ گاڑی پٹری پر چڑھ جائے گی۔

اور اگر پنچوں کی محنت بھی رائگاں جائے تو کیا کیا جائے؟ یہ بات قرآنِ کریم نے بیان نہیں کی، قرآن کریم غیر احسن صورت بیان نہیں کرتا، اس کا تذکرہ حدیثوں میں آتا ہے، یا پھر فقہاء بیان کرتے ہیں۔

چنانچہ فقہائے کرام نے بیان کیا کہ اگر قصور عورت کا ہو یا مرد عورت دونوں کا ہو تو وہ عورت کو خلع کا حکم دیں، عورت کچھ واجبات (مہر وغیرہ) چھوڑ دے یا واپس کرے اور شوہر اس کو قبول کرے تو ایک طلاق بائنہ پڑ جائے گی، اور اگر قصور مرد کا سمجھ میں آئے تو اس کو بلا عوض طلاق کا حکم دیں، اور اگر فریقین نے حکموں کو اختیار دیا ہے تو وہ بھی خلع یا طلاق کا فیصلہ کر سکتے ہیں، اس طرح ترکِ تعلقات بھی ہوں تو خوشی کے ساتھ! آگے اسی سورت (آیت ۱۳۰) میں آرہا ہے: ﴿ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴾: اور اگر دونوں جدا ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اپنی کشایش سے بے پرواہ کر دیں گے، شوہر کو اس سے اچھی بیوی مل جائے گی، اور عورت کو اس سے اچھا بَر، اور اللہ تعالیٰ وسعت والے بڑی حکمت والے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ ہر ایک کے کارساز ہیں، اور اپنی حکمت سے ہر ایک کی ضرورت پوری کر دیں گے۔

یہ دونوں آیات کا خلاصہ ہے، آگے تفصیل ہے۔

فیملی لائف میں مرد عورتوں کے سربراہ اور ذمہ دار ہیں

قَوَّام: قائم کا مبالغہ ہے، قام بالأمر کے معنی ہیں: ذمہ دار ہونا، حاکم بھی اس کا ترجمہ کرتے ہیں، اس لئے کہ حاکم بھی رعیت کا ذمہ دار ہوتا ہے، مگر بعد میں حاکم کے مفہوم میں ڈنڈا اور ظلم شامل ہو گیا، اس لئے اب حاکم ترجمہ مناسب نہیں، سربراہ، ذمہ دار اور مہتمم وغیرہ ترجمہ کرنا چاہئے، جیسے شمائل میں حدیث ہے، کسی نے صحابی سے پوچھا: نبی ﷺ کا چہرہ تلوار کی طرح (چمک دار) تھا؟ صحابی نے جواب دیا: نہیں! چاند کی طرح روشن تھا، تلوار میں خوف کا مفہوم ہے، اس لئے یہ تشبیہ مناسب نہیں، اور چاندنی میں محبوبیت کا مفہوم ہے، اس لئے یہ تشبیہ مناسب ہے۔ اسی طرح حاکم میں غلط مفہوم شامل ہو گیا، اس لئے اب ترجمہ بدل دیا جاتا ہے۔

دوسری مثال: لفظ ُجاہ ُپہلے عزت و مرتبہ کے معنی میں مستعمل تھا، بعد میں اس کے معنی میں ُدبدبہ ُشامل ہو گیا، جبکہ جاہ وجلال محاورہ بنا اس لئے اب بجاہِ فلاں کہنا ٹھیک نہیں، اللہ کے سامنے کسی کا دبدبہ نہیں چلتا۔

بہر حال جب مرد و زن میں مناکحت ہوئی اور فیملی لائف وجود میں آئی، اور مرد و زن ایک ساتھ رہنے لگے تو اب دونوں کے ہاتھ برابر ہوں یہ بات حکمت کے خلاف ہے، لامحالہ ایک ہاتھ اوپر ہوگا، دوسرا نیچے، ایک کہے گا دوسرا سنے گا اور تعمیل کرے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ سے مرد کو بالا دست بنایا ہے اور بیوی کو زیر دست، اور یہ نظام قدرت ہے، اس میں دخل

دینے کا کسی کو حق نہیں، جیسے اللہ نے پانچ انگلیاں یکساں نہیں بنائیں، اس میں جو حکمتیں ہیں ان کو اللہ ہی بہتر جانتے ہیں، دوسری وجہ مرد کی بالادستی کی یہ ہے کہ مرد عورت کی کفالت کرتا ہے، اس کی ضروریات کا انتظام کرتا ہے، اس لئے عورت اس کی ممنونِ احسان ہوگی اور اس کے لئے شوہر کی بات سننا اور تعمیل کرنا آسان ہوگا۔

﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ﴾

ترجمہ: مرد عورتوں کے نگرانِ کار ہیں، بایں وجہ کہ اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں پر برتری بخشی ہے، اور بایں وجہ کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں۔

عورتوں کی تین خوبیاں

دینداری، اطاعت شعاری اور نفس کی حفاظت

پھر عورتوں کی تین خوبیاں بیان کی ہیں، تاکہ تقابل تضاد سے نشوز (نافرمانی) کی حقیقت واضح ہوجائے:

۱-صالحات: نیک بیبیاں، یہ عورت کی پہلی خوبی ہے، وہ اللہ کی نیک بندیاں ہوتی ہیں، نماز روزے کی پابند ہوتی ہیں اور شریعت کے تمام احکام پر عمل کرتی ہیں۔

۲-قانتات: اطاعت شعار، شوہروں کی بات مانتی ہیں، نافرمانی نہیں کرتیں۔

۳-حافظات للغیب: پوشیدہ عضو کی حفاظت کرتی ہیں، عزت پر حرف نہیں آنے دیتیں، اور گو یہ کام مشکل ہے، شہوت کے گناہ سے بچنا آسان نہیں، لیکن اللہ کی مدد شاملِ حال ہوجائے تو کچھ مشکل نہیں۔

﴿ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ط ﴾

ترجمہ: پس نیک عورتیں وہ ہیں جو فرمان بردار ہوتی ہیں اور اپنی عزت وآبرو کی حفاظت کرنے والی ہیں، اللہ کی حفاظت کے شاملِ حال ہونے کی وجہ سے!

عورت کی نافرمانی کے ترتیب وار چار علاج

جن عورتوں کی نافرمانی کا اندیشہ ہو ان کی اصلاح ضروری ہے۔ اور نشوز کے درجات کے تفاوت سے اصلاح کے چار طریقے ہیں:

پہلا طریقہ: زبانی فہمائش کرنا۔ کیونکہ اصلاح کا اصول یہ ہے کہ پہلے آسان تدبیر کی جائے۔ اس سے کام نہ چلے تو سختی کی جائے۔

دوسرا طریقہ: ناراضگی ظاہر کرنا اور عورت کو اپنے ساتھ نہ لٹانا، مگر عورت کو گھر سے نہ نکالے، نہ خود نکلے۔ تا کہ عورت اپنے قصور کی تلافی کرنا چاہے تو کر سکے۔

تیسرا طریقہ: تعزیر و تادیب ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ چہرے پر اور نازک حصوں پر نہ مارے، اور سخت مار بھی نہ مارے کہ جس سے جسم پر نشان پڑ جائیں۔ ان تین طریقوں سے معاملہ قابو میں آجائے اور عورت بات ماننے لگے تو خواہ مخواہ عورت کو پریشان نہ کرے، یاد رکھے کہ وہ مطلق بالا دست نہیں۔ اس سے اوپر بھی ایک بالا دست ہے۔

چوتھا طریقہ: اگر اختلاف سخت ہو جائے۔ اور مرد عورت کی نافرمانی، اور عورت مرد کے ظلم کا دعوی کرے، تو اب نزاع ختم کرنے کی صورت یہ ہے کہ دو آدمیوں کی پنچایت بٹھائی جائے: ایک پنچ مرد کے خاندان کا ہو، اور ایک عورت کے خاندان کا۔ دونوں اگر اخلاص سے محنت کریں گے تو زوجین میں اتحاد کی صورت پیدا ہو جائے گی۔ ورنہ پھر علاحدگی کا راستہ ہے۔

اور عورت کے نشوز کا یہ علاج مرد کے اختیار میں اس لئے دیا گیا ہے کہ اس کے ہاتھ میں اقتدار اعلی ہے اور عورت کی سیاست (نظم و انتظام) بھی اسی کے ذمے ہے۔ پس اس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ کام مرد ہی کو سپرد کیا جائے۔

اور آخری مرحلہ میں پنچایت بٹھانے کا حکم اس لئے ہے کہ جو باتیں زوجین کے درمیان پیش آئی ہیں، ان پر قاضی کے سامنے گواہ قائم کرنا ممکن نہیں۔ اس لئے اس معاملہ میں قضات کوئی خاص رول ادا نہیں کر سکتے۔ پس بہتر یہ ہے کہ معاملہ ایسے دو شخصوں کو سونپا جائے جو زوجین کے قریبی رشتہ دار اور خاندان میں دونوں پر زیادہ مہربان ہیں۔ تا کہ میاں بیوی کھل کر ان کے سامنے بات رکھ سکیں، اور وہ جو مناسب سمجھیں فیصلہ کریں۔

﴿ وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْهِنَّ سَبِیْلًا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیًّا كَبِیْرًا ۝ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ یُّرِیْدَآ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَیْنَهُمَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا خَبِیْرًا ۝ ﴾

ترجمہ: اور تم کو (شوہروں کو) جن عورتوں کی نافرمانی کا اندیشہ ہو تو ان کو سمجھاؤ، اور ان کو خواب گاہوں میں علاحدہ کرو، اور ان کو مارو، پھر اگر وہ تمہاری فرماں برداری کرنے لگیں تو ان پر کوئی راہ نہ چاہو، بے شک اللہ تعالیٰ برتر بڑے ہیں ——— اور اگر تمہیں (فریقین کو زوجین کی) باہمی ضد اضدی کا ڈر ہو تو مرد کے لوگوں میں سے ایک پنچ اور عورت کے لوگوں میں سے ایک پنچ بھیجو ——— اگر دونوں پنچ معاملہ سنوارنا چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ دونوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کر دیں گے، بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے، ہر چیز سے باخبر ہیں۔

وَاعۡبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشۡرِكُوۡا بِهٖ شَیۡـًٔا وَّبِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا وَّبِذِی الۡقُرۡبٰی وَالۡیَتٰمٰی وَالۡمَسٰكِیۡنِ وَالۡجَارِ ذِی الۡقُرۡبٰی وَالۡجَارِ الۡجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالۡجَنۡۢبِ وَابۡنِ السَّبِیۡلِ ۙ وَمَا مَلَكَتۡ اَیۡمَانُكُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ مَنۡ كَانَ مُخۡتَالًا فَخُوۡرَا ۙ﴿۳۶﴾ الَّذِیۡنَ یَبۡخَلُوۡنَ وَیَاۡمُرُوۡنَ النَّاسَ بِالۡبُخۡلِ وَیَكۡتُمُوۡنَ مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ ؕ وَاَعۡتَدۡنَا لِلۡكٰفِرِیۡنَ عَذَابًا مُّهِیۡنًا ۚ﴿۳۷﴾ وَالَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ ؕ وَمَنۡ یَّكُنِ الشَّیۡطٰنُ لَهٗ قَرِیۡنًا فَسَآءَ قَرِیۡنًا ﴿۳۸﴾ وَمَاذَا عَلَیۡهِمۡ لَوۡ اٰمَنُوۡا بِاللّٰهِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَاَنۡفَقُوۡا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمۡ عَلِیۡمًا ﴿۳۹﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظۡلِمُ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنۡ تَكُ حَسَنَةً یُّضٰعِفۡهَا وَیُؤۡتِ مِنۡ لَّدُنۡهُ اَجۡرًا عَظِیۡمًا ﴿۴۰﴾ فَكَیۡفَ اِذَا جِئۡنَا مِنۡ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِیۡدٍ وَّجِئۡنَا بِكَ عَلٰی هٰۤؤُلَآءِ شَهِیۡدًا ؕ﴿۴۱﴾ یَوۡمَئِذٍ یَّوَدُّ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا وَعَصَوُا الرَّسُوۡلَ لَوۡ تُسَوّٰی بِهِمُ الۡاَرۡضُ ؕ وَلَا یَكۡتُمُوۡنَ اللّٰهَ حَدِیۡثًا ﴿۴۲﴾ ع ۶

وَ اعۡبُدُوا	اور بندگی کرو	اِحۡسَانًا	حسن سلوک کرنا	الۡجُنُبِ (۳)	دور کے
اللّٰهَ	اللہ کی	وَبِذِی الۡقُرۡبٰی (۲)	اور قرابت داروں کے ساتھ	وَ الصَّاحِبِ	اور ساتھی کے ساتھ
وَلَا تُشۡرِكُوۡا	اور نہ شریک کرو	وَ الۡیَتٰمٰی	اور یتیموں کے ساتھ	بِالۡجَنۡۢبِ	پہلو کے
بِهٖ	ان کے ساتھ	وَالۡمَسٰكِیۡنِ	اور غریب غرباء کے ساتھ	وَابۡنِ السَّبِیۡلِ	اور مسافر کے ساتھ
شَیۡـًٔا	کسی چیز کو	وَ الۡجَارِ	اور پڑوسی کے ساتھ	وَمَا مَلَكَتۡ	اور ان کے ساتھ جن
وَّ بِالۡوَالِدَیۡنِ (۱)	اور (سلوک کرو)	ذِی الۡقُرۡبٰی	رشتہ دار		کے مالک ہیں
	والدین کے ساتھ	وَالۡجَارِ	اور پڑوسی کے ساتھ	اَیۡمَانُكُمۡ	تمہارے دائیں ہاتھ

(۱) بالوالدین: کا عامل محذوف ہے أی أحسنوا، اور إحسانا: مفعول مطلق ہے (۲) القربی: اسم مصدر: رشتہ داری (۳) الجُنُب: دور، اجنبی، جَنب: پہلو، الصاحب بالجنب: پہلو کا رفیق۔

إِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	رِئَآءَ (۲)	دکھانے کے لئے	بِهِمْ	ان کو
لَا يُحِبُّ	پسند نہیں کرتے	النَّاسِ	لوگوں کو	عَلِيْمًا	خوب جاننے والے
مَنْ كَانَ	اس شخص کو جو ہے	وَلَا يُؤْمِنُوْنَ	اور نہیں ایمان رکھتے	إِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
مُخْتَالًا	اترانے والا	بِاللّٰهِ	اللہ پر	لَا يَظْلِمُ	حق نہیں مارتے
فَخُوْرًا	شیخی بگارنے والا	وَلَا بِالْيَوْمِ	اور نہ دن پر	مِثْقَالَ	برابر
الَّذِيْنَ (۱)	اور جو لوگ	الْاٰخِرِ	قیامت کے	ذَرَّةٍ	ذرہ کے
يَبْخَلُوْنَ	بخیلی کرتے ہیں	وَمَنْ يَكُنِ	اور جو شخص ہو	وَإِنْ تَكُ	اور اگر ہو
وَيَأْمُرُوْنَ	اور حکم دیتے ہیں	الشَّيْطٰنُ	شیطان	حَسَنَةً	نیکی
النَّاسَ	لوگوں کو	لَهٗ	اس کا	يُّضٰعِفْهَا	(تو) دوناکرتے ہیں اس کو
بِالْبُخْلِ	بخل کا	قَرِيْنًا	ساتھی	وَيُؤْتِ	اور دیتے ہیں
وَيَكْتُمُوْنَ	اور چھپاتے ہیں	فَسَآءَ	تو برا ہے وہ	مِنْ لَّدُنْهُ	اپنے پاس سے
مَا اٰتٰهُمُ	جو دیا ہے ان کو	قَرِيْنًا	ساتھی	اَجْرًا عَظِيْمًا	بڑا ثواب
اللّٰهُ	اللہ نے	وَمَا ذَا	اور کیا (نقصان) ہوتا	فَكَيْفَ	پس کیا حال ہوگا
مِنْ فَضْلِهٖ	اپنی مہربانی سے	عَلَيْهِمْ	ان کا	إِذَا جِئْنَا	جب لائیں گے ہم
وَاَعْتَدْنَا	اور تیار کی ہے ہم نے	لَوْ اٰمَنُوْا	اگر ایمان لاتے وہ	مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ	ہر گروہ میں سے
لِلْكٰفِرِيْنَ	اسلام قبول نہ کرنے	بِاللّٰهِ	اللہ پر	بِشَهِيْدٍ	ایک گواہ
	والوں کے لئے	وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ	اور قیامت کے دن پر	وَّجِئْنَا بِكَ	اور لائیں گے ہم آپ کو
عَذَابًا	سزا	وَاَنْفَقُوْا	اور خرچ کرتے	عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ	ان لوگوں پر
مُّهِيْنًا	رسوا کن	مِمَّا	اس میں سے جو	شَهِيْدًا	گواہ بناکر
وَالَّذِيْنَ	اور جو لوگ	رَزَقَهُمُ	بطور روزی دیا ہے ان کو	يَوْمَئِذٍ	اس دن
يُنْفِقُوْنَ	خرچ کرتے ہیں	اللّٰهُ	اللہ نے	يَوَدُّ	آرزو کریں گے
اَمْوَالَهُمْ	اپنے اموال	وَكَانَ اللّٰهُ	اور ہیں اللہ تعالیٰ	الَّذِيْنَ	جنھوں نے

(۱) الذین: فخوراً سے بدل ہے، اور آئندہ الذین پہلے الذین پر معطوف ہے (۲) رِئاء: مفعول لہٗ ہے، مصدر: دکھانا۔

کَفَرُوْا	اسلام قبول نہیں کیا	لَوْ تُسَوّٰی	کاش برابر کر دی جاتی	وَلَا یَکْتُمُوْنَ	اور نہیں چھپا سکیں گے وہ
وَعَصَوُا	اور نافرمانی کی انھوں نے	بِهِمُ	ان کے ساتھ	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ سے
الرَّسُوْلَ	اللہ کے رسول کی	الْاَرْضُ	زمین	حَدِیْثًا	کوئی بات

اہلِ حقوق کے حقوق کی ادائیگی

ذات البین کی اصلاح کا بیان چل رہا ہے، اب ان آیات میں عام اہلِ حقوق کے حقوق کی ادائیگی کا بیان ہے، اور سب سے پہلا اور بڑا حق اللہ تعالیٰ کا ہے، اس کے ذکر سے آیت شروع ہوئی ہے۔

۱- پہلا اور بڑا حق اللہ تعالیٰ کا ہے —— اللہ تعالیٰ کا ان کے بندوں پر یہ حق ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں، اور کسی بھی چیز کو عبادت میں شریک نہ کریں، اور عبادت: صرف نماز روزے کا نام نہیں ہے، بلکہ اللہ کے تمام احکام کی بجا آوری ان کی عبادت ہے، اس لئے کسی بھی حکم پر عمل کرتے ہوئے اللہ کی خوشنودی کے علاوہ کوئی جذبہ نہیں ہونا چاہئے، ورنہ عبادت اللہ کے لئے خالص نہیں رہے گی۔

۲- والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا: —— اللہ کے حق سے ملا ہوا والدین کا حق ہے، والدین بھی دنیا میں وجود کا سببِ ظاہری ہیں، اس لئے ان کے ساتھ حسن سلوک مامور بہ ہے، تفصیل سورۃ بنی اسرائیل (آیت ۲۳) کی تفسیر میں ہے، وہاں سب مسائل بھی ہیں (دیکھیں ہدایت القرآن ۵:۵۶)

۳- رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنا: —— ماں باپ کے بعد دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک ضروری ہے، حضرت سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اجنبی کے ساتھ حسن سلوک صرف حسن سلوک ہے، اور ضرورت مند رشتہ دار کے ساتھ حسن سلوک حسن سلوک بھی ہے اور صلہ رحمی بھی'' (رواہ الترمذی) یعنی رشتہ دار کے ساتھ حسن سلوک دوگنے اجر و ثواب کا باعث ہے۔ آدمی آسودہ حال ہو تو بقدر گنجائش دیگر رشتہ داروں کی کفالت کرنی چاہئے، خاص طور پر رشتہ داروں میں کوئی بچہ یا غریب یا دائم المرض یا بیوہ عورت ہو تو ان کا تعاون ضروری ہے، یہ کوئی شرافت کی بات نہیں کہ آدمی آرام کی زندگی بسر کرتا رہے، اور اس کے رشتہ دار بھوک سے دم توڑتے رہیں!

۴- یتیموں کے ساتھ حسن سلوک کرنا: —— لاوارث بچے معاشرہ کے کمزور افراد ہوتے ہیں، لوگ اگر ان کی دیکھ بھال نہیں کریں گے تو وہ ضائع ہو جائیں گے، حدیثوں میں یتیموں سے سلوک کی بڑی فضیلت آئی ہے، نبی ﷺ نے اپنی شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی کی طرف اشارہ فرمایا اور فرمایا: ''یتیم کی خبر گیری کرنے والا اور میں جنت میں اس طرح (قریب) ہونگے (بخاری شریف)

اور آپؐ نے فرمایا: ”جو شخص اللہ کی رضا کے لئے کسی یتیم کے سر پر ہاتھ رکھے، اس کو ہر بال کے بدل دس نیکیاں ملیں گی، جس پر سے اس کا ہاتھ گذرے گا، اور جو شخص کسی یتیم لڑکے یا لڑکی کے ساتھ حسن سلوک کرے گا: وہ شخص اور میں جنت میں اتنے قریب ہونگے جتنی یہ دو انگلیاں قریب ہیں (بغوی)

۵- غریب غرباء کا تعاون کرنا: —— خواہ زکات سے ہو یا اللہ رقم سے، جو کچھ میسر ہو سکے ان کا تعاون کرنا، کیونکہ غریبوں کا رزق مالداروں کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ بھیجتے ہیں، ورنہ ان کو راست روزی دینے پر اللہ تعالیٰ قادر ہیں، مگر مال والوں کے رتبے بڑھانا چاہتے ہیں —— مگر پیشہ ور سائل مراد نہیں، ان کا تو مانگنا پیشہ ہے، اور ان میں بہت سے مالدار ہوتے ہیں، اس لئے زکات ان کو دیکھ بھال کر دینی چاہئے۔

۶- رشتہ دار پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرنا: —— پڑوسی دکھ درد اور خوشی میں شریک ہوتا ہے، خاص طور پر جب وہ رشتہ دار بھی ہو تو اس کا حق زیادہ ہوتا ہے، حدیث میں ہے کہ پڑوسی تین طرح کے ہیں: ایک کے تین حق ہیں! پڑوس کا حق، رشتہ داری کا حق اور مسلمان ہونے کا حق۔ دوسرے پڑوسی کے دو حق ہیں: پڑوس کا حق اور مسلمان ہونے کا حق (اس سے رشتہ داری نہیں) اور تیسرے پڑوسی کا صرف ایک حق ہے یعنی صرف پڑوسی ہونے کا حق ہے (کیونکہ وہ نہ رشتہ دار ہے نہ مسلمان) —— اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ”جب تم سالن ترکاری پکایا کرو تو ذرا سا پانی بڑھا لیا کرو، اور اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھا کرو“ (مسلم شریف)

اور بخاری شریف میں روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جبرئیل نے مجھ سے بار بار پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی، یہاں تک کہ مجھے خیال ہوا کہ شاید پڑوسی کو شرعی وارث قرار دے دیا جائے گا“

۷- دور کے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرنا: —— دور کا پڑوسی: یعنی جس کے ساتھ رشتہ داری نہیں یا جس کا مکان فاصلہ سے ہے، بخاری شریف میں ہے: ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا: یارسول اللہ! اگر میرے دو پڑوسی ہوں تو اپنا تحفہ کس کو بھیجوں؟ آپؐ نے فرمایا: ”جس کا دروازہ تمہارے دروازے سے قریب ہو اس کو تحفہ بھیجو“ کیونکہ اس کا حق پہلے ہے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس کا مکان فاصلہ سے ہو وہ بھی پڑوسی ہے، اس طرح سارا محلّہ پڑوسی ہے، سب سے بنائے رکھنی چاہئے، آڑے وقت سب کام آتے ہیں، سب کے دکھ درد میں شریک ہونا چاہئے، سب کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہئے۔

۸- پہلو کے رفیق کے ساتھ حسن سلوک کرنا: —— میاں بیوی، مدرسہ کا ساتھی، سفر کا ساتھی، کارخانہ اور دفتر کا ساتھی، کسی کام کا ساتھی، کسی مجلس کا ساتھی: سب پہلو کے رفیق ہیں، اور سب حسن سلوک کے مستحق ہیں، گھر میں بیوی کا

ساتھ ہے، وہ ڈبل حسن سلوک کی مستحق ہے، ایک تو وہ بیوی ہے، دوسری شریک حیات ہے! اسی طرح مسجد کا ساتھی دو وجہ سے حسن سلوک کا مستحق ہے، ایک: وہ مسلمان بھائی ہے، دوسرے: وہ نماز کا ساتھی ہے، لہٰذا اس کی بھی خبر گیری کرنی چاہئے، گاڑی میں آپ کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے جو مسافر بیٹھے ہیں وہ سبھی آپ کے حسن سلوک کے مستحق ہیں، وہ بھی تھوڑی دیر کے آپ کے ساتھی ہیں۔

۹-راہ رَو (مسافر) کے ساتھ حسن سلوک کرنا: ـــــ مسافر دو ہیں: ایک: وہ جو دورانِ سفر آپ سے ملا ہو، دوسرا: وہ جو آپ کے گھر مہمان آیا ہو: دونوں ہی حسن سلوک کے مستحق ہیں، جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کی ذات پاک اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اُسے چاہئے کہ اپنے مہمان کی تعظیم کرے، کم سے کم پذیرائی تو یہ ہے کہ ایک دن رات اپنے یہاں رکھے، اس سے بڑھ کر ضیافت یہ ہے کہ تین دن اپنے یہاں رکھے، اور اگر مہمان اس سے زیادہ قیام کرے تو میزبان کے لئے خیر کا باعث ہوگا۔ ہاں مہمان کے لئے مناسب نہیں کہ اتنا لمبا قیام کرے کہ میزبان پریشانی میں پڑ جائے۔

زمانہ کے مزاج اور دستور کا لحاظ رکھتے ہوئے اجتماعی طور پر ایسا انتظام کرنا کہ جس سے مسافروں کو آرام اور سہولت حاصل ہو بہت بڑے اجر کا باعث ہے، مثلاً مرکزی مقامات پر مسافر خانے تعمیر کرائے جائیں، راستوں پر سایہ دار درخت لگوائے جائیں، شاہراہیں بنوائی جائیں، اگر بنی ہوئی ہوں تو اُن کی مرمت وغیرہ کا خیال رکھا جائے، رہزنوں اور لٹیروں سے حفاظت کی جائے۔

طالب علموں کے لئے رہنے سہنے کا انتظام، خصوصاً دین سے نسبت رکھنے والے طلبہ کے لئے ایسا انتظام بہت ہی خیر و برکت کا سبب ہے، کیونکہ ایسے طالب علم عموماً پردیسی ہوتے ہیں، ان کی اس طرح کی کوئی بھی خدمت اللہ پاک کی رضا حاصل کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے (ہدایت القرآن کاشفی)

۱۰-ممالیک (غلام باندیوں) کے ساتھ حسن سلوک کرنا: ـــــ غلام باندی کا نان ونفقہ اور لباس و پوشاک مولیٰ کے ذمہ ہے، ان کو مولیٰ کی خدمت میں مشغول ہونے کی وجہ سے کمانے کی فرصت نہیں ملتی، اس لئے ان کا واجبی خرچہ مولیٰ کے ذمہ واجب ہے، اب چونکہ ممالیک کا دور نہیں رہا اس لئے تفصیل نہیں کرتا، بس اتنا جان لیں کہ جاہلیت میں ان کے ساتھ بہت گھٹیا برتاؤ کیا جاتا تھا، ان کو انسانیت کی سطح سے بھی نیچے گرا دیا تھا، اسلام نے ان کے حقوق متعین کئے اور سختی کے ساتھ ان پر عمل کرنے کا حکم دیا، اور غلامی سے نکلنے کی بہت سی راہیں تجویز کیں، یہ سب حسن سلوک میں داخل ہیں۔

﴿ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى

وَالْمَسٰكِيْنِ وَ الْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ ﴾

ترجمہ: (۱) اور اللہ کی عبادت کرو، اور ان کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرو (۲) اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو (۳) اور رشتہ داروں کے ساتھ (۴) اور یتیموں کے ساتھ (۵) اور غریب غرباء کے ساتھ (۶) اور رشتہ دار پڑوسی کے ساتھ (۷) اور دور کے پڑوسی کے ساتھ (۸) اور پہلو کے رفیق کے ساتھ (۹) اور راہ گیر کے ساتھ (۱۰) اور اپنے مملوکہ غلام باندیوں کے ساتھ۔

وہ لوگ جو اہلِ حقوق کے حقوق ادا نہیں کرتے

چار قسم کے لوگ اہلِ حقوق کے حقوق ادا نہیں کرتے، ان کے ساتھ حسنِ سلوک نہیں کرتے:

ایک: مختال: ناز سے چلنے والا، اترانے والا، مغرور و متکبر، اپنے اندر ایسی بڑائی کا خیال کرنے والا جو واقع میں نہیں ہے، ایسا شخص خیالی بڑائی میں مگن رہتا ہے، اور دوسروں کی حاجات کی مطلق فکر نہیں کرتا۔

دوم: فخور: شیخی بگارنے والا، ظاہری چیزوں پر اترانے والا، مثلاً: مال دار دولت، جاہ وعزت اور حکومت وغیرہ پر ناز کرنے والا، ایسا شخص بھی اپنی دولت پر سانپ بنا رہتا ہے، اور اہلِ حاجات کا کوئی تعاون نہیں کرتا —— یہ دونوں شخص اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہیں۔

سوم: بخیل آدمی، بخل اگرچہ انسان کی فطرت ہے، اور برا نہیں، مگر جب بخل حد سے تجاوز کر جائے تو بری صفت بن جاتا ہے، اس کا بخل اس درجہ پہنچ گیا ہے کہ دوسروں کو بھی تلقین کرتا ہے کہ اہل حاجات کو مت دو، اور اللہ تعالیٰ نے جو اس کو اپنا فضل دیا ہے اس کو چھپاتا ہے، سائل سے کہتا ہے: معاف کرو، دینے کے لئے کچھ نہیں، ایسے لوگوں کے لئے اللہ نے رسوا کن عذاب تیار کیا ہے، ان کی دولت قیامت کے دن سانپ بن کر ان کے گلے کا ہار بنے گی۔

چہارم: جو لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتے ہیں، ان کا اللہ پر اور قیامت کے دن پر یقین نہیں، ان کو آخرت میں ثواب کی کوئی امید نہیں، اس لئے ان کا خرچ کرنا بیکار جاتا ہے، درحقیقت شیطان نے ان کی راہ ماری ہے، شیطان ان کا ساتھی ہے، اور وہ برا ساتھی ہے، شیطان جس کا شریک کار ہو جاتا ہے اس کا بیڑا غرق کر دیتا ہے۔

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۝ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ وَ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَاۗءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا

فَسَآءَ قَرِيْنًا ﴿۳۸﴾

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نہیں پسند کرتے اس شخص کو جو (۱) اترانے والا (۲) شیخی بگارنے والا ہے (۳) اور جو لوگ بخیلی کرتے ہیں، اور دوسرے لوگوں کو بخل کا حکم دیتے ہیں، اور چھپاتے ہیں جو اللہ نے ان کو عنایت فرمایا ہے اپنی مہربانی سے، اور ہم نے منکروں کے لئے رسوا کن عذاب تیار کیا ہے (۴) اور جو لوگ اپنی دولت لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتے ہیں، اور وہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے، اور جس کا شیطان ساتھی ہوا وہ برا ساتھی ہے!

اللہ کی خوشنودی کے لئے اہل حاجات پر خرچ کرنے کی ترغیب

اوپر چوتھا شخص: جو لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتا ہے: اس کو دو آیتوں میں سمجھاتے ہیں کہ اگر تو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان لا کر خرچ کرتا تو تیرا کیا بگڑ جاتا؟ اور خرچ بھی سارا نہیں کرنا تھا، اللہ نے تجھے بطور روزی جو کچھ عنایت فرمایا ہے اس میں سے کچھ کرتا — بطور روزی: یعنی بطور بھتا، انسان کو مالک نہیں بنایا — اور اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں کہ تو نے کتنا خرچ کیا ہے؟ اور کس محل میں کس نیت سے خرچ کیا ہے؟ وہ آخرت میں اس کا صلہ ضرور عنایت فرمائیں گے، وہ کسی بندے کا ذرہ بھر حق نہیں مارتے، ہاں نیکی کا بدلہ بڑھا کر دیں گے، کیونکہ یہ ظلم نہیں، بلکہ فضل مزید ہے۔ واللہ ذو الفضل العظیم!

﴿وَمَا ذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ﴿۳۹﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾﴾

ترجمہ: اور ان کا کیا بگڑتا اگر وہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لاتے، اور اس میں سے کچھ خرچ کرتے جو ان کو اللہ نے روزی کے طور پر دیا ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والے ہیں — بے شک اللہ تعالیٰ ذرہ بھر حق نہیں مارتے، اور اگر نیکی ہوتی ہے تو اس کو دو چند کرتے ہیں، اور اپنے پاس سے بڑا ثواب عنایت فرماتے ہیں۔

قیامت کا دل دو نیم کرنے والا منظر

یہ مضمون سابق کا تتمہ ہے، قیامت کا دن — پچاس ہزار سال لمبا — قائم ہے، تمام معاملات بارگاہِ خداوندی میں پیش ہو کر آخری مرتبہ فیصل ہو رہے ہیں، اس وقت تمام انبیاء کی امتِ دعوت کے مقدمات بھی پیش ہونگے، امتیں انکار کریں گی کہ ان کو کسی نے دین کی دعوت نہیں پہنچائی، تب انبیائے کرام کو کورٹ میں طلب کیا جائے گا، وہ آ کر گواہی دیں

گے کہ ہم نے ان کو دین پہنچایا ہے ــــ اس وقت نبی ﷺ کی امتِ دعوت (منکرین اسلام) کا مقدمہ بھی پیش ہوگا، اور آپؐ بھی تبلیغ دین کی گواہی دیں گے، تب امتوں کے ہوش اڑ جائیں گے، اور وہ ہونے والے فیصلہ سے ڈر کر تمنا کریں گے: کاش وہ غیر مکلّف مخلوقات کی طرح مٹی کر دیئے جاتے! ــــ مگر ایسا نہیں ہوگا مکلّف اور غیر مکلّف مخلوقات کا ایک فیصلہ کیسے ہوسکتا ہے؟ اس دن امتیں اللہ سے کوئی بات چھپا نہیں سکیں گی، ہر چیز طشت از بام ہو جائے گی، پس لوگوں کو چاہئے کہ آج اس آنے والے دن کو مانیں اور اس کے لئے تیاری کریں، اور اہل حاجات کا تعاون کریں تاکہ اس دن سرخ رو ہوں، ورنہ قیامت کے دن ہاتھوں کے طوطے اڑ جائیں گے، اور بات بنائے نہیں بنے گی!

﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا ﴿٤١﴾ يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصَوُا الرَّسُولَ لَوْ تُسَوَّىٰ بِهِمُ الْأَرْضُ وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًا ﴿٤٢﴾﴾

ترجمہ: پس کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے، اور آپؐ کو ہم ان لوگوں پر گواہ لائیں گے؟

اس دن آرزو کریں گے وہ لوگ جنھوں نے اسلام کو قبول نہیں کیا، اور اللہ کے رسول کی نافرمانی کی ہے کہ کاش ان کو زمین کے برابر کر دیا جاتا! اور وہ اللہ سے کوئی بات چھپا نہیں سکیں گے!

تفسیر: جن لوگوں نے اللہ کے احکام دنیا میں نہیں مانے، ان کے مقدمہ کی پیشی کے وقت بطور سرکاری گواہ کے انبیاءِ کرام علیہم السلام کے اظہارات سنے جائیں گے، اور جو معاملات انبیاء کرام کی موجودگی میں پیش آئے ہیں، وہ سب ظاہر کر دیئے جائیں گے، اور انبیاء کی شہادت کے بعد ان کے مخالفین پر جرم عائد کر دیا جائے گا، اور ان کو سزا ہوگی، ہمارے نبی ﷺ کو بھی اس وقت اپنے مخالفین کے سامنے بطور گواہ پیش کیا جائے گا، اور یہ مضمون سورۃ النحل آیت ۸۹ میں بھی آیا ہے۔

فائدہ: تین مضمون ملتے جلتے ہیں اس لئے ان کو الگ الگ سمجھ لینا چاہئے، اور اُن سے متعلقہ آیتوں کو ذہن نشین کر لینا چاہئے۔ عام طور پر اُن میں اشتباہ واقع ہوا ہے:

پہلا مضمون: قیامت کے دن تمام انبیاء اپنی اپنی امتوں کے خلاف گواہیاں دیں گے اور حضور اقدس ﷺ اپنی امت دعوت کے خلاف گواہی دیں گے، یہ مضمون صرف دو جگہ آیا ہے، سورۃ النساء آیت ۴۱ میں اور سورۃ النحل آیت ۸۹ میں سورۃ النساء میں مقصود منظر کشی ہے اور سورۃ النحل میں مقصود اس مضمون کو مدلل کرنا ہے۔

دوسرا مضمون: قیامت کے دن امت محمدیہ، پچھلی تمام امتوں کے خلاف، انبیاء کرام کی حمایت میں گواہی دے گی اور جب ان امتوں کی طرف سے اعتراض ہوگا کہ یہ امت سب سے آخری امت ہے، انھوں نے ہمارا زمانہ کہاں دیکھا ہے؟ پھر یہ کیونکر گواہی دے رہے ہیں؟ تب آنحضور ﷺ تشریف لا کر گواہی دیں گے کہ بلاشبہ میری امت جو کچھ کہہ رہی ہے

سچ کہہ رہی ہے، ان کو مجھ سے اور قرآن سے ایسا ہی معلوم ہوا تھا ــــ یہ مضمون صرف سورۃ البقرۃ آیت ۱۴۳ میں آیا ہے۔

تیسرا مضمون: آنحضور ﷺ اپنے زمانے کے لوگوں کے خلاف گواہی دیں گے اور آپ کی امت اپنے اپنے زمانے کے لوگوں کے خلاف گواہی دے گی۔ یہ مضمون صرف سورۃ الحج آیت ۷۸ میں آیا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِىْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۝

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	وَلَا جُنُبًا (۲)	اور نہ ناپاکی کی حالت میں	اَحَدٌ مِّنْكُمْ	تم میں سے کوئی
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	اِلَّا عَابِرِىْ (۳)	مگر عبور کرتے ہوئے	مِّنَ الْغَآئِطِ (۴)	نشیبی جگہ سے
لَا تَقْرَبُوا	نہ نزدیک جاؤ	سَبِيْلٍ	راستہ	اَوْ لٰمَسْتُمُ (۵)	یا پکڑا تم نے
الصَّلٰوةَ	نماز کے	حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا	یہاں تک کہ نہالو تم	النِّسَآءَ	عورتوں کو
وَاَنْتُمْ	درانحالیکہ تم	وَاِنْ كُنْتُمْ	اور اگر تم ہوؤ	فَلَمْ تَجِدُوْا	پس نہیں پایا تم نے
سُكٰرٰى (۱)	نشے میں چور ہو	مَّرْضٰٓى	بیمار	مَآءً	پانی
حَتّٰى تَعْلَمُوْا	یہاں تک کہ جانو تم	اَوْ عَلٰى سَفَرٍ	یا سفر میں	فَتَيَمَّمُوْا	تو قصد کرو
مَا تَقُوْلُوْنَ	جو کہتے ہو تم	اَوْ جَآءَ	یا آیا	صَعِيْدًا طَيِّبًا (۶)	پاک مٹی کا

(۱) سُکَارىٰ: نشہ میں دُھت، چور، مست، سَکْران کی جمع ہے (۲) ولا جنبا: حال ہے، اور پہلے حال و أنتم سکاری پر معطوف ہے (۳) عابر: عُبور سے اسم فاعل ہے اور عابری سے اضافت کی وجہ سے نونِ تثنیہ حذف ہوا ہے اور عابری سبیل سے مراد مسافر ہیں، سفر شرعی میں جنبی نہائے بغیر تیمّم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے۔ (۴) الغائط: نشیبی وسیع میدان، عرب قضائے حاجت کے لئے نشیبی وسیع میدانوں میں جاتے تھے، اس لئے بطور کنایہ براز یا قضائے حاجت کا مقام مراد ہے، بیت الخلاء (۵) لامَسْتُمْ: ماضی معروف، جمع مذکر حاضر، از مُلامَسَة: باب مفاعلة: اس باب میں اشتراک ہوتا ہے: تم نے عورتوں کو چھوا (اور عورتوں نے تم کو چھوا) ایسا مقاربت میں انزال کے وقت ہوتا ہے۔ (۶) صعید: روئے زمین (بخاری) صُعُود سے جس کے معنی بلند ہونے کے ہیں، یہاں فعیل: صفت کا صیغہ ہے، جو بھی زمین کی جنس سے ہے: اس سے تیمّم جائز ہے، اور زمین کی جنس سے وہ چیز مراد ہے جو نہ آگ سے پگھلے اور نہ جل کر راکھ ہو جائے۔

فَامْسَحُوْا	پس ہاتھ پھیرو	وَاَیْدِیْکُمْ	اور اپنے ہاتھوں پر	كَانَ عَفُوًّا	درگذر کرنے والے
بِوُجُوْهِكُمْ	اپنے چہروں پر	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	غَفُوْرًا	بڑے بخشنے والے ہیں

مسلمان نشہ چھوڑیں، نشہ گندی چیز ہے، معاشرہ کو خراب کرتا ہے

اصلاح ذات البین کا بیان چل رہا ہے، اہلِ حقوق کے حقوق ادا کرنے سے معاشرہ پروان چڑھتا ہے، اب یہ بیان ہے کہ مسلمان نشہ کرنا چھوڑیں، نشہ: جنابت کی طرح نجاستِ حکمی ہے، اور گندگی سے معاشرہ خراب ہوتا ہے۔

نشہ کرنا اور جنابت ایسی حکمی نجاستیں ہیں کہ ان کے ساتھ نہ نماز پڑھنے کی اجازت ہے نہ مسجد میں داخل ہونے کی، ایسی گندگی سے معاشرہ برباد ہوتا ہے، آج مسلمانوں میں جہالت عام ہے، جوان نشہ کرتے ہیں اور برائیاں وجود میں آتی ہیں، طلاق، گالی گلوچ، نزاعات اور قتل کی گرم بازاری ہے، شوہر نشہ میں چور ہو کر آبگینہ توڑ بیٹھتا ہے، بچے ویران ہو جاتے ہیں، پھر سر پکڑ کر روتا ہے!

نشہ کرنا اسلام میں حرام ہے، خواہ کوئی نشہ ہو، جامد ہو یا سیال، قرآن وحدیث میں اس پر سخت وعیدیں آئی ہیں، زیرِ تفسیر آیت میں یہ ارشاد پاک ہے کہ نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھیں، کیونکہ نجاست کے ساتھ نماز جائز نہیں، جب نشہ اتر جائے اور اپنی بات سمجھنے لگے تب نماز پڑھے۔

اور نشہ کی حالت میں صرف نماز کی ممانعت نہیں، بلکہ مخمور مسجد میں بھی نہ آئے، وہ قی کر کے مسجد کو گندہ کرے گا، اسی لئے آیت میں لَاتُصَلُّوْا (نماز مت پڑھو) نہیں فرمایا، بلکہ ﴿ لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ ﴾ فرمایا، یعنی نماز کے نزدیک مت جاؤ یعنی مساجد میں بھی مت جاؤ۔

اور یہ ارشاد: ﴿ لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰىٓ ﴾ جیسا ہے، یعنی زنا کے قریب مت جاؤ، چنانچہ زنا اور دواعی زنا سب حرام ہیں، اسی طرح نماز اور نماز کی جگہوں کے قریب جانا سب ممنوع ہیں۔

اور شراب کی نجاست کو سمجھانے کے لئے جنابت کو ساتھ ملایا ہے، جب کسی پر غسل واجب ہو تو غسل کئے بغیر نماز پڑھنا جائز نہیں، اور وضوء نہ ہو تو بھی نماز جائز نہیں، مگر وہ حدثِ اصغر ہے، اور جنابت حدثِ اکبر ہے، اس حدثِ اکبر کو لیا تاکہ شراب کی قباحت خوب ذہن نشیں ہو جائے۔

البتہ جنابت کے حکم میں ایک استثناء ہے، اور شراب کے حکم میں کوئی استثناء نہیں، اس سے بھی شراب کا حکم دو آتشہ ہو جاتا ہے، اور قرآن کا اسلوب یہ ہے کہ وہ حکم بیان کرنے سے پہلے استثناء کرتا ہے، یہاں بھی مسافروں کا استثناء کیا ہے، یعنی حالتِ جنابت میں نماز پڑھنا مطلقاً ناجائز نہیں، جواز کی ایک صورت ہے، اور وہ یہ ہے کہ مسافر کو جنابت لاحق ہوئی،

اور پانی موجود نہیں تو وہ تیمم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

اور قرآنِ کریم کا یہ اسلوب وہاں ہے جہاں غلط فہمی کا احتمال ہو، جیسے:

۱- میدانِ جہاد سے پیٹھ پھیرنا جائز نہیں، اللہ کا غضب مول لینا ہے، لیکن پینترہ بدلنے کے لئے پیٹھ پھیر سکتے ہیں، سورۃ الانفال (آیت ۱۶) میں: ﴿اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ﴾ کا استثناء حکم بیان کرنے سے پہلے کیا ہے۔

۲- ارتداد: یعنی اسلام سے پھر جانا بہت بڑا گناہ ہے، لیکن جان کا خطرہ ہو تو زبانی جمع خرچ کر سکتے ہیں، سورۃ النحل (آیت ۱۰۶) میں ﴿اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ﴾ کا استثناء حکم بیان کرنے سے پہلے کیا ہے۔

اسی طرح یہاں: ﴿اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ﴾ کا استثناء پہلے ہی کر دیا کہ مسافر غسل کئے بغیر مٹی سے تیمم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے۔

سوال: یہ آیت تحریم خمر سے پہلے ذہن سازی کے مرحلہ کی ہے، پس اب یہ آیت منسوخ ہے۔

جواب: منسوخ نہیں، ذہن سازی کے مرحلہ کی آیات منسوخ نہیں ہوتیں، جیسے روزوں کی فرضیت کی ذہن سازی کی آیات منسوخ نہیں (سورۃ البقرۃ آیات ۱۸۳و۱۸۴) علاوہ ازیں: شراب اگرچہ حرام ہے، لیکن کوئی ناہنجار مسلمان پیئے تو حکم وہی ہے جو اس آیت میں ہے کہ نشہ کی حالت میں نہ نماز پڑھے نہ اس کو مسجد میں آنے دیا جائے گا۔

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! تم نماز کے نزدیک مت جاؤ، جبکہ تم نشہ میں ہو، یہاں تک کہ جو بولو اس کو سمجھنے لگو، اور نہ حالتِ جنابت میں —— البتہ مسافر مستثنیٰ ہیں —— یہاں تک کہ نہالو!

نشہ کی تعریف: امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک مخمور وہ ہے جو آسمان و زمین اور بیوی بہن میں امتیاز نہ کر سکے ﴿حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ﴾ سے اس کی تائید ہوتی ہے، اور صاحبین کے نزدیک دوسری تعریف ہے جو کتبِ فقہ میں مذکور ہے۔

دو عوارض اور دو نواقض میں تیمم جائز ہے، اور تیمم کا طریقہ

دو عوارض پیش آئیں تو تیمم جائز ہے، ایک عارضِ سماوی ہے، یعنی اللہ کی طرف سے پیش آتا ہے، اور وہ بیماری ہے، دوسرا عارض اختیاری ہے، جس کو بندہ خود پیدا کرتا ہے، اور وہ سفر ہے۔

سماوی عذر: اگر کسی کو کوئی ایسی بیماری ہے کہ وضوء یا غسل کرنے سے پانی ضرر پہنچاتا ہے تو تیمم کر سکتا ہے۔

اختیاری عذر: کوئی سفر میں نکل گیا، اور پانی میسر نہیں تو بھی تیمّم کر سکتا ہے۔
اور نواقض بھی دو ہیں: حدثِ اصغر اور حدثِ اکبر، وضوء ٹوٹ گیا یا غسل واجب ہو گیا، اور پانی حقیقۃً یا حکماً نہیں تو تیمّم کر سکتا ہے، اور دونوں کا تیمّم یکساں ہے۔
اور تیمّم کا طریقہ: یہ ہے کہ پاک مٹی پر دونوں ہاتھ مارے، پھر سارے منہ پر اچھی طرح مل لے، پھر دوبارہ دونوں ہاتھ زمین پر مارے، اور دونوں ہاتھوں پر کہنیوں سمیت مل لے۔

تفصیل:

پہلا عارض: ﴿ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى ﴾: اگر تم بیمار ہو، بیماری سے مراد ایسی بیماری ہے جس میں پانی نقصان کرتا ہو، اگر وضوء یا غسل کرے گا تو بیماری بڑھ جائے گی یا دیر میں اچھی ہوگی تو تیمّم کرنا درست ہے۔ اور اگر ٹھنڈا پانی نقصان کرتا ہو، اور گرم پانی نقصان نہ کرتا ہو تو گرم پانی سے غسل کرنا واجب ہے، البتہ اگر ایسی جگہ ہے کہ گرم پانی نہیں مل سکتا تو تیمّم کرنا درست ہے۔

دوسرا عارض: ﴿ اَوْ عَلٰى سَفَرٍ ﴾: یا آدمی سفر میں ہو، اور پانی تھوڑا ہو، اگر وضوء کرے گا تو پیاس سے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہے، اور دور تک پانی ملنے کی امید نہیں تو تیمّم کرنا جائز ہے۔

پہلا ناقض: ﴿ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ ﴾: یا کوئی شخص نشیبی جگہ میں جا کر آیا، اور وضوء ٹوٹ گیا، نشیبی جگہ میں یعنی بیت الخلاء میں سبیلین سے ناپاکی نکلتی ہے۔ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک: جسم میں کہیں سے بھی کوئی ناپاکی خون پیپ وغیرہ نکلے اور بہہ جائے تو وضوء ٹوٹ جاتا ہے، آگے کی دو راہوں کی تخصیص نہیں، اور دیگر ائمہ کے نزدیک تخصیص ہے، ان کے نزدیک سبیلین کے علاوہ سے ناپاکی نکلے تو وضوء نہیں ٹوٹتا۔

دوسرا ناقض: ﴿ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ ﴾: یا تم نے عورتوں کو پکڑا ہو (اور عورتوں نے تم کو پکڑا ہو) یعنی بیوی سے صحبت کی اور انزال ہو گیا تو غسل واجب ہے، صحبت کرتے وقت: جب انزال کا وقت آتا ہے تو مرد عورت کو اور عورت مرد کو پکڑتی ہے، پس آیت میں آدھی بات ہے، دوسری آدھی فہم سامع پر اعتماد کر کے چھوڑ دی ہے، اور باب مفاعلہ اپنے معنی میں ہے، اور آیت میں ناقضِ غسل کا بیان ہے، اور قرینہ یہ ہے کہ پہلے جنبی کا ذکر آیا ہے۔

اور دوسرے اماموں کے نزدیک: باب مفاعلہ: مجرد کے معنی میں ہے، لامس بمعنی لمس ہے، باب مفاعلہ مجرد کے معنی میں بھی آتا ہے، ان کے نزدیک آیت کا مطلب ہے: باوضوء آدمی نے عورت کو یا باوضوء عورت نے مرد کو چھو یا یعنی ہاتھ لگایا تو اس کا وضوء ٹوٹ گیا، پس یہ ناقضِ وضوء کا بیان ہے۔

فائدہ: نبی ﷺ نے شروع میں الماءُ من الماء کا حکم اسی آیت سے مستنبط کیا تھا، یعنی غسل اس وقت واجب ہوگا جب انزال ہوجائے، اکسال میں غسل واجب نہیں، پھر یہ حکم بدل دیا، اس لئے کہ بڑی عمر میں کبھی انزال کا احساس نہیں ہوتا، اور ایسی صورت میں شریعت امر ظاہر کو امر خفی کے قائم مقام کر دیتی ہے، اس لئے بعد میں حکم دیا: إذا التقى الختانان فقد وجب الغسل: جب مرد کی شرمگاہ عورت کی شرمگاہ میں داخل ہوگئی تو غسل واجب ہوگیا، خواہ انزال ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، اور اس پر امت کا اجماع ہے (فائدہ پورا ہوا)

اور پانی کے استعمال پر قادر نہ ہونے کی تین صورتیں ہیں:

۱- بیماری ایسی ہے کہ اس میں پانی نقصان کرتا ہے، پس یہ حکماً پانی نہ پانا ہے۔

۲- سفر ہو اور پانی تھوڑا ہو، اگر وضوء یا غسل کرے گا تو پیاس سے ہلاک ہوجائے گا، اور دور تک پانی ملنے کی امید نہیں تو یہ بھی حکماً پانی نہ پانا ہے۔

۳- پانی بالکل ہی موجود نہیں، یہ حقیقۃً پانی کا نہ پانا ہے۔ ان سب صورتوں میں پاک مٹی سے تیمم کرکے نماز پڑھ سکتا ہے، چاہے سالوں تک پانی نہ ملے۔

﴿ وَإِنْ كُنْتُمْ مَّرْضَىٰٓ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَآءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ أَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَأَيْدِيْكُمْ ۗ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴾

ترجمہ: اور اگر تم بیمار ہو، یا سفر میں ہو، یا آیا تم میں سے کوئی جائے ضرورت سے یا چھویا تم نے عورتوں کو، پس نہ پاؤ تم پانی، تو قصد کرو پاک مٹی کا، پس ہاتھ پھیرو اپنے چہروں پر اور اپنے ہاتھوں پر، بےشک اللہ تعالیٰ درگذر کرنے والے بڑے بخشنے والے ہیں ـــــ یعنی قبل ازیں نماز میں نشہ کی حالت میں جو تم نے اوندھا پڑھ دیا تھا اس کو اللہ نے معاف کردیا، آئندہ ایسی غلطی نہ ہو۔

حدیث: حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ہمارے لئے کھانا تیار کیا، پس ہمیں (کھانے پر) بلایا اور ہمیں شراب پلائی (یہ واقعہ اس زمانہ کا ہے جب شراب حلال تھی) پس شراب نے ہم سے لیا یعنی ہم پر شراب اثر انداز ہوگئی، نشہ چڑھ گیا، اور نماز کا وقت آگیا، تو لوگوں نے مجھے آگے بڑھایا، پس میں نے پڑھا: قُلْ يٰأَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ، لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ، وَنَحْنُ نَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ: آپ فرمادیں: اے کافرو! میں اُس کو نہیں پوجتا جس کو تم پوجتے ہو، اور ہم اس کو پوجتے ہیں جس کو تم پوجتے ہو (یہ غلط پڑھ دیا، یہ دو باتوں میں تعارض ہے) پس اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء کی آیت ۴۳ نازل فرمائی، جس میں ایمان والوں کو حکم دیا کہ تم نماز کے قریب مت جاؤ، جبکہ تم نشہ میں ہو،

یہاں تک کہ تم سمجھو کہ منہ سے کیا کہتے ہو۔

تشریح: نشہ کی حالت میں نماز جائز نہیں، اور نمازیں اپنے اوقات میں پڑھنی ضروری ہیں، اس لئے اوقاتِ نماز میں نشہ کا استعمال مت کرو، ایسا نہ ہو کہ تمہارے منہ سے کوئی غلط کلمہ نکل جائے، اور یہ حکم اس وقت تھا جب شراب حلال تھی، پھر جب شراب حرام ہوگئی تو اب نہ نماز کے وقت میں پینا جائز ہے، نہ غیر نماز کے وقت میں، مگر یہ حکم اب بھی باقی ہے کہ نشہ کی حالت میں نماز پڑھنا جائز نہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۡ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿۴۵﴾

اَلَمْ تَرَ	کیا تم نے دیکھا نہیں	الضَّلٰلَةَ	گمراہی کو	بِاَعْدَآئِكُمْ	تمہارے دشمنوں کو
اِلَى الَّذِيْنَ	ان لوگوں کو جو	وَيُرِيْدُوْنَ	اور چاہتے ہیں وہ	وَكَفٰى بِاللّٰهِ	اور کافی ہیں اللہ تعالیٰ
اُوْتُوْا	دیئے گئے	اَنْ تَضِلُّوا	کہ بھٹک جاؤ تم	وَلِيًّا (۲)	کارساز
نَصِيْبًا	ایک حصہ	السَّبِيْلَ	راہِ راست سے	وَّكَفٰى	اور کافی ہیں
مِّنَ الْكِتٰبِ (۱)	آسمانی کتابوں کا	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ
يَشْتَرُوْنَ	خریدتے ہیں وہ	اَعْلَمُ	خوب جانتے ہیں	نَصِيْرًا (۲)	مددگار

یہود و نصاریٰ تمہارے دشمن ہیں، وہ تم کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں

جیسے نشہ انسان کا دشمن ہے، معاشرہ کو خراب کرتا ہے، اسی طرح یہود و نصاریٰ مسلمانوں کے دشمن ہیں، وہ ہمیشہ ملتِ اسلامیہ کو خراب کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں، خود تو ڈوبے ہیں مسلمانوں کو بھی لے ڈوبنا چاہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی ایک سو چار کتابوں میں سے تین کتابیں: تورات، زبور اور انجیل عنایت فرمائیں، مگر انہیں کتابوں سے وہ گمراہی کے دلدل میں پھنس کر رہ گئے، اس لئے کہ اللہ کی کتابوں سے ہدایت بھی ملتی ہے اور گمراہی بھی، سورۃ البقرۃ (آیت ۲۶) میں ہے: ﴿يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ﴾: اللہ تعالیٰ اس (مثال) سے بہت سوں کو گمراہ کرتے ہیں اور بہت سوں کو راہِ راست دکھاتے ہیں، اور اس مثال سے بدکاروں ہی کو گمراہ کرتے ہیں۔ آج مسلمانوں میں جو گمراہ فرقے ہیں وہ قرآن و حدیث سے غلط استدلال کر کے ہی گمراہ ہوئے ہیں۔

(۱) الکتاب: اسم جنس ہے، سب آسمانی کتابیں مراد ہیں، ان کا ایک حصہ: یعنی تورات، زبور اور انجیل (۲) ولیا اور نصیرا: حال ہیں۔

یہی حال یہود و نصاریٰ کا ہوا، اللہ کی کتابوں کے خود ساختہ مطالب لے کر گمراہ ہو گئے، اب وہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کو بھی راہِ ہدایت سے ہٹا دیں، مستشرقین رات دن کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ دین اسلام کو بگاڑ کر رکھ دیں، اور دانشوروں کو انھوں نے دبوچ بھی لیا ہے، مگر جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے، پھر بھی ان سے ہوشیار رہو، وہی تمہارے دشمن ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو خوب جانتے ہیں، مگر ان سے ڈرنے کی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ کافی کارساز اور کافی مددگار ہیں!

آیتِ کریمہ: کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتب سماویہ کا ایک حصہ دیا گیا، وہ (ان کتابوں سے) گمراہی خریدتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ تم بھی راہِ راست سے ہٹ جاؤ، اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں سے خوب واقف ہیں، اور اللہ تعالیٰ کافی کارساز اور کافی مددگار ہیں!

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۴۶

مِنَ الَّذِيْنَ(1)	ان لوگوں میں سے جنھوں نے	وَعَصَيْنَا	اور نافرمانی کی ہم نے	فِي الدِّيْنِ	دین میں
هَادُوْا	یہودیت کی راہ اختیار کی	وَاسْمَعْ	اور سنیے	وَلَوْ اَنَّهُمْ	اور اگر ہوتے وہ
يُحَرِّفُوْنَ	(ایک قوم) پھیرتی ہے	غَيْرَ مُسْمَعٍ(3)	نہ سنایا گیا	قَالُوْا	کہتے
الْكَلِمَ(2)	باتوں کو	وَّرَاعِنَا	اور راعنا	سَمِعْنَا	سنا ہم نے
عَنْ مَّوَاضِعِهٖ	اس کی جگہوں سے	لَيًّا(4)	مروڑتے ہوئے	وَاَطَعْنَا	اور مانا ہم نے
وَيَقُوْلُوْنَ	اور کہتے ہیں وہ	بِاَلْسِنَتِهِمْ	اپنی زبانوں کو	وَاسْمَعْ	اور سنیے
سَمِعْنَا	سنا ہم نے	وَطَعْنًا	اور اعتراض کرتے ہوئے	وَانْظُرْنَا	اور ہمارا لحاظ کیجیے

(۱) من الذین ھادوا: خبر مقدم ہے، اور مبتدا قوم محذوف ہے، اور جملہ یحرفون اس کی صفت ہے (۲) الکلم: اسم جنس ہے، لفظاً مفرد اور معنیً جمع ہے، اس لئے آگے مفرد کی ضمیر لوٹائی ہے۔ (۳) مُسْمَع: اسم مفعول از باب افعال: سنایا گیا (۴) لَیًّا: مصدر باب ضرب لَوٰی یَلْوِیْ لَیًّا: موڑنا، پھیرنا، گھمانا، باء صلہ کے ساتھ بھی مستعمل ہے اور بغیر صلہ کے بھی، لَوٰی بلسانہ: زبان گھمادی یعنی زبانیں موڑ کر الفاظ بگاڑ کر ادا کرتے ہیں —— اور لیا اور طعنا: حال یا مفعول لہٗ ہیں۔

لَكَانَ خَيْرًا	تو بہتر ہوتا	وَ لٰكِنْ	لیکن	بِكُفْرِهِمْ	ان کے انکار کی وجہ سے
لَّهُمْ	ان کے لئے	لَّعَنَهُمُ	پھٹکارا ان کو	فَلَا يُؤْمِنُوْنَ	پس نہیں ایمان لاتے وہ
وَاَقْوَمَ	اور زیادہ سیدھا	اللّٰهُ	اللہ نے	اِلَّا قَلِيْلًا	مگر تھوڑے

یہود کی اسلام دشمنی نبی ﷺ کے ساتھ ان کے طرز عمل سے ظاہر ہے

مدینہ منورہ کے یہود کا نبی ﷺ کے ساتھ جو طرزِ عمل تھا وہ ان کی اسلام دشمنی کا واضح ثبوت ہے، ان کا طرزِ عمل کیا تھا؟

۱- وہ تورات میں نبی ﷺ کے بارے میں جو خبریں تھیں، مثلاً: آپؐ کے اوصافِ حمیدہ، حلیہ اور جائے ہجرت کا بیان، اور صحابہ کے حالات، اور آپؐ کی ملت اور آپؐ کے قبلہ کا تذکرہ: یہ سب مضامین انھوں نے تورات سے ہٹا دیئے تھے اور یہ کام ان کے بد باطن علماء اور رؤساء نے کیا تھا، وہ لوگوں کو ایسا باور کراتے تھے کہ گویا یہ باتیں تورات میں ہیں ہی نہیں۔

۲- جب یہود مجلسِ نبوی میں آتے، اور ان سے کوئی بات کہی جاتی تو زبان سے کہتے: سَمِعْنا: ہم نے سنا، اور دل میں کہتے: عَصَيْنَا: ہم آپؐ کی بات پر عمل نہیں کریں گے یعنی سننا محض سننا تھا، عمل کا جذبہ اس کے پیچھے نہیں تھا۔

۳- جب وہ نبی ﷺ سے کوئی بات کہتے تو اِسْمَعْ سے خطاب کرتے، یعنی ہماری بات سنیں، مگر ساتھ ہی دل میں کہتے: غَيْرَ مُسْمَعٍ: تو نہ سنایا جائیو! یعنی بہرہ ہو جائیو! —— یہ بددعا بلکہ گالی تھی!

۴- یہود زبان مروڑ کر رَاعِنَا کہتے تھے، ان کی زبان میں اس کے معنی احمق کے تھے، اور عین کے کسرہ کو کھینچ کر کہتے تو رَاعِينَا ہو جاتا، یعنی ہمارے چرواہے، یہ بھی گالی تھی، پھر اعتراض بھی کرتے کہ اگر یہ سچے نبی ہیں تو ان کو ہماری چالبازی کا پتہ کیوں نہیں چلا؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: یہود کی یہ حرکتیں ان کے حق میں مفید نہیں، اگر وہ ادبِ نبوی کا لحاظ کرتے اور صرف سَمِعْنَا کہتے اور صرف اِسْمَعْ کہتے، گالی نہ دیتے اور راعنا کے بجائے انظرنا کہتے تو ان کے حق میں بہتر اور سیدھی بات ہوتی، مگر ان کا ایسا نصیب کہاں؟ اسلام کا انکار کرنے کی وجہ سے اللہ نے ان کو پھٹکار دیا ہے، اپنی خاص رحمت سے دور کر دیا ہے، اس لئے اب ان میں شاید باید ہی کوئی ایمان لائے۔

سوال: یہود کی چار حرکتوں میں سے تین کی اصلاح کی، مگر پہلی نہیں لوٹائی: اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: پہلی حرکت ان کے بڑے کر گذرے ہیں، انھوں نے تورات سے وہ مضامین ہٹائے ہیں، اب موجودہ یہودی ان کو واپس نہیں لا سکتے، اس لئے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔

آیتِ کریمہ: اور جن لوگوں نے یہودیت اختیار کی ان میں سے بعض: تورات کے الفاظ کو ان کی جگہوں سے

پھیرتے ہیں ـــــ یعنی انھوں نے وہ مضامین تورات سے نکال دیئے ہیں ـــــ اور کہتے ہیں: ہم نے سنا، اور ہم اس پر عمل نہیں کریں گے، اور (کہتے ہیں:) سنیے! نہ سنایا جائیو! اور (کہتے ہیں:) راعنا، اپنی زبانیں مروڑ کر اور دین پر اعتراض کرتے ہوئے اور اگر یہ بات ہوتی کہ وہ کہتے: ہم نے سنا اور ہم عمل کریں گے، اور ہماری بات سنیں اور ہمارا لحاظ کریں: تو ان کے لئے بہتر اور زیادہ سیدھا ہوتا ـــــ مگر اللہ نے ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے، اسلام کا انکار کرنے کی وجہ سے، پس وہ سوائے چند کے ایمان نہیں لائیں گے! ـــــ چنانچہ ایسا ہی ہوا، حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ چند ہی خوش نصیب ایمان لائے، اور آج تک یہی صورتِ حال ہے، اکا دکا کوئی یہودی ایمان لاتا ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ ٱلْكِتَٰبَ ءَامِنُوا۟ بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُم مِّن قَبْلِ أَن نَّطْمِسَ وُجُوهًا فَنَرُدَّهَا عَلَىٰٓ أَدْبَارِهَآ أَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ أَصْحَٰبَ ٱلسَّبْتِ ۚ وَكَانَ أَمْرُ ٱللَّهِ مَفْعُولًا ﴿٤٧﴾ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِۦ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَآءُ ۚ وَمَن يُشْرِكْ بِٱللَّهِ فَقَدِ ٱفْتَرَىٰٓ إِثْمًا عَظِيمًا ﴿٤٨﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَى ٱلَّذِينَ يُزَكُّونَ أَنفُسَهُم ۚ بَلِ ٱللَّهُ يُزَكِّى مَن يَشَآءُ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا ﴿٤٩﴾ ٱنظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُونَ عَلَى ٱللَّهِ ٱلْكَذِبَ ۖ وَكَفَىٰ بِهِۦٓ إِثْمًا مُّبِينًا ﴿٥٠﴾

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ	اے وہ لوگو جو	مَعَكُمْ	تمہارے پاس ہے	أَصْحَٰبَ ٱلسَّبْتِ	ہفتہ والوں پر
أُوتُوا۟	دیئے گئے	مِّن قَبْلِ[1]	مٹانے سے پہلے	وَكَانَ	اور ہے
ٱلْكِتَٰبَ	آسمانی کتاب	أَن نَّطْمِسَ		أَمْرُ ٱللَّهِ	حکم اللہ کا
ءَامِنُوا۟	ایمان لاؤ	وُجُوهًا	چہروں کو	مَفْعُولًا	ہو کر رہنے والا
بِمَا	اس کتاب پر جو	فَنَرُدَّهَا	پس پھیر دیں ہم ان کو	إِنَّ ٱللَّهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
نَزَّلْنَا	اتاری ہے ہم نے	عَلَىٰٓ أَدْبَارِهَآ	ان کی پیٹھوں پر	لَا يَغْفِرُ	نہیں بخشیں گے
مُصَدِّقًا	سچ بتانے والی	أَوْ نَلْعَنَهُمْ	یا لعنت کریں ہم ان پر	أَن يُشْرَكَ	شرک کرنے کو
لِّمَا	اس کتاب کو جو	كَمَا لَعَنَّآ	جیسی لعنت کی ہم نے	بِهِۦ	اس کے ساتھ

(۱) أن نطمس: أن مصدریہ ہے۔

وَ يَغْفِرُ	اور بخشیں گے	اَلَمْ تَرَ	کیا نہیں دیکھا تو نے	اُنْظُرْ	دیکھ
مَا دُوْنَ	جو نیچے ہیں	اِلَى الَّذِيْنَ	ان لوگوں کو جو	كَيْفَ	کیسے
ذٰلِكَ	اس کے	يُزَكُّوْنَ	مقدس سمجھتے ہیں	يَفْتَرُوْنَ	گھڑتے ہیں وہ
لِمَنْ يَّشَآءُ	جس کے لئے چاہیں گے	اَنْفُسَهُمْ	اپنی ذاتوں کو	عَلَى اللهِ	اللہ پر
وَمَنْ يُّشْرِكْ	اور جو شریک کرے گا	بَلِ اللهُ	بلکہ اللہ تعالیٰ	الْكَذِبَ	جھوٹ
بِاللهِ	اللہ کے ساتھ	يُزَكِّيْ	مقدس کرتے ہیں	وَكَفٰى	اور کافی ہے
فَقَدِ افْتَرٰٓى	تو تحقیق گھڑا اس نے	مَنْ يَّشَآءُ	جس کو چاہتے ہیں	بِهٖ	وہ (جھوٹ)
اِثْمًا	گناہ	وَلَا يُظْلَمُوْنَ	اور نہیں ظلم کئے جائیں گے وہ	اِثْمًا	گناہ
عَظِيْمًا	بڑا	فَتِيْلًا(۱)	دھاگہ برابر	مُّبِيْنًا	صریح

یہود کو قرآنِ کریم پر ایمان لانے کی دعوت

یہود کی اسلام دشمنی کا حال آپ نے دیکھ لیا، اب ان کو قرآنِ کریم پر ایمان لانے کی دعوت دیتے ہیں، اور ترہیب (دھمکی) کے ساتھ دیتے ہیں یعنی حکم کی مخالفت سے ڈراتے بھی ہیں۔

فرماتے ہیں: اے اہل کتاب! قرآن پر ایمان لاؤ، اس کتاب کے احکام تورات کے احکام کے مصدق ہیں، دونوں کتابیں ایک سرچشمہ سے آئی ہیں، اور اگر ایمان نہیں لاؤ گے تو تمہارے چہروں کے نشانات آنکھ ناک وغیرہ مٹا دیئے جائیں گے، اور ان کو الٹ کر گدی کی طرف کر دیا جائے گا، یا جس طرح ہم نے ہفتہ کی حرمت پامال کرنے والوں کو سور بندر بنا دیا تمہیں بھی مسخ کر کے جانور بنا دیں گے (اصحابِ سبت کا واقعہ سورۃ الاعراف آیات ۱۶۳-۱۶۶ میں ہے)

﴿وَكَانَ اَمْرُ اللهِ مَفْعُوْلًا﴾: اور اللہ کا معاملہ پورا ہو کر رہتا ہے، یعنی یہ وعید کی آیت ہے، خبر نہیں ہے، خبر کا اس عالم میں تحقق ضروری ہے، اور وعید کا اس عالم میں پورا ہونا ضروری نہیں، عالم برزخ میں، عالم حشر میں اور عالم آخرت میں اس کا تحقق ہو سکتا ہے، جیسے بخاری شریف کی حدیث (نمبر ۶۹۱) ہے کہ جو امام سے پہلے رکوع وسجود سے سر اٹھاتا ہے: کیا وہ اس سے ڈرتا نہیں کہ اس کا سر گدھے کے سر سے بدل دیا جائے؟ جبکہ بعض لوگ رکوع وسجود میں امام سے پہلے سر اٹھا لیتے ہیں، مگر کسی کا سر گدھے کے سر سے نہیں بدل جاتا، یہ اشکال صحیح نہیں، کیونکہ یہ وعید کی حدیث ہے، خبر نہیں۔

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ

(۱) فتیل: ڈورہ، باریک تاگہ، کھجور کی گٹھلی کے شگاف میں جو باریک ڈورا ہوتا ہے وہ فتیل کہلاتا ہے، مراد حقیر، قلیل چیز۔

وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝﴾

ترجمہ: اے وہ لوگو جو آسمانی کتاب (تورات) دیئے گئے! اس کتاب پر ایمان لاؤ جو ہم نے اتاری ہے، وہ اس کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے جو تمہارے پاس ہے، اس سے پہلے کہ ہم تمہارے چہروں کو مٹا دیں، اور انہیں ان کی الٹی جانب پھیر دیں، یا ہم ان کو اپنی خاص رحمت سے دور کردیں جس طرح ہم نے ہفتہ والوں کو (دنیا ہی میں) اپنی خاص رحمت سے دور کردیا، اور اللہ کا معاملہ پورا ہو کر ہی رہتا ہے!

یہود شرک میں مبتلا ہیں، اس کی مغفرت ایمان لانے ہی سے ہوگی

جس طرح عیسائی شرک میں مبتلا ہیں، وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو 'اللہ کا بیٹا' مانتے ہیں، جو صریح شرک ہے، میری یورپ کے سب سے بڑے ربائی (یہودی مقتداء) سے ایک ملاقات ہوئی تھی، میں نے ان کو میری مسجد میں آنے کی دعوت دی، اس نے کہا: "ہم مسجد میں آسکتے ہیں، چرچ میں نہیں جاسکتے" میں نے پوچھا: کیوں؟ اس نے کہا: "وہاں شرک ہوتا ہے، اور ہم شرک کی جگہ نہیں جاسکتے!" جبکہ اسی شرک میں نزولِ قرآن کے زمانہ میں یہود مبتلا تھے، وہ حضرت عزیر علیہ السلام کو 'اللہ کا بیٹا' مانتے تھے (سورۃ التوبہ آیت ۳۰) اور یہود و نصاریٰ دونوں ہی احبار و رہبان کے لئے تشریع (قانون سازی) کا اختیار مانتے ہیں (سورۃ آلِ عمران آیت ۶۴) یہ بھی شرک ہے، اور شرک ایسا گناہ ہے جس کی بخشش نہیں ہوگی، البتہ اس سے کم درجہ کے گناہ خواہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ قابلِ مغفرت ہیں، اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہیں گے بخش دیں گے، خواہ عذاب کے بعد یا بغیر عذاب کے، مگر شرک قابلِ مغفرت نہیں، اس کی مغفرت کی ایک ہی صورت ہے، اور وہ مسلمان ہونا ہے۔

حدیث میں ہے: إن الإسلامَ يهدِم ما كان قبله: مسلمان ہونے سے سابقہ سب گناہ معاف ہوجاتے ہیں، شرک و کفر جیسے سنگین گناہ بھی معاف ہوجاتے ہیں، لہٰذا یہود قرآن پر ایمان لائیں تاکہ ان کا شرک کا گناہ دُھل جائے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ۝﴾

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک ٹھہرانے کو معاف نہیں کریں گے، اور اس سے نیچے جو گناہ ہیں ان کو جس کے لئے چاہیں گے معاف کردیں گے، اور جس نے اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرایا اس نے بالیقین بڑا گناہ کمایا —— جو قابلِ معافی نہیں۔

یہود خود کو مقدس سمجھتے ہیں یہ اللہ پر افتراء ہے!

یہود مذکورہ آیت سن کر کہنے لگے: ہم مشرک نہیں، ہم تو اللہ کے خاص بندے اور نبیوں کی اولاد ہیں، نبوت ہماری

میراث ہے، وہ خود کو ابناء اللہ اور احباء اللہ کہتے تھے، یعنی ہم تو اللہ کے بیٹے اور اللہ کے پیارے ہیں (المائدہ آیت ۱۸)

جواب: میاں مٹھو بننے سے کیا حاصل؟ اپنی تعریف آپ کرنا خود ستائی ہے، مقدس وہ ہے جس کو اللہ مقدس بنائیں، اور اللہ تعالیٰ ایمان لاکر نیک کام کرنے والے کو مقدس بناتے ہیں، ان کا دھاگہ کے بقدر بھی حق نہیں مارتے، تم بھی ایمان لاؤ اور اچھے کام کرو، وہ تمہیں بھی مقدس بنادیں گے، ابھی جو تم تقدیس کا دعویٰ کرتے ہو وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو، جو تمہارے صریح گناہ کے لئے کافی ہے۔

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۭ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَاۗءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝۴۹ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَي اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا ۝۵۰ ﴾

ترجمہ: کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو خود کو مقدس قرار دیتے ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں مقدس بناتے ہیں، اور ان پر دھاگہ کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا، دیکھ تو سہی! کس طرح وہ اللہ پر جھوٹ گھڑتے ہیں، اور وہ (جھوٹ گھڑنا) صریح گناہ کے لئے کافی ہے!

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَاۗءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ۝۵۱ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ۝۵۲ ۭ

اَلَمْ تَرَ	کیا نہیں دیکھا تو نے	وَالطَّاغُوْتِ (۲)	اور سرکش طاقتوں پر	اٰمَنُوْا	ایمان لائے
اِلَى الَّذِيْنَ	ان لوگوں کو جو	وَيَقُوْلُوْنَ	اور کہتے ہیں	سَبِيْلًا	باعتبار راہ کے
اُوْتُوْا	دیئے گئے	لِلَّذِيْنَ	ان سے جنھوں نے	اُولٰۗىِٕكَ	یہی لوگ ہیں
نَصِيْبًا	ایک حصہ	كَفَرُوْا	اسلام کا انکار کیا	الَّذِيْنَ	جن کو
مِّنَ الْكِتٰبِ	آسمانی کتابوں کا	هٰٓؤُلَاۗءِ	یہ لوگ	لَعَنَهُمُ	رحمت سے دور کردیا
يُؤْمِنُوْنَ	یقین رکھتے ہیں وہ	اَهْدٰى	زیادہ سیدھے ہیں	اللّٰهُ	اللہ نے
بِالْجِبْتِ (۱)	بتوں پر	مِنَ الَّذِيْنَ	ان سے جو	وَمَنْ	اور جس کو

(۱) جبت: ہر وہ معبود جس کی اللہ کے سوا عبادت کی جائے، جیسے استھان وغیرہ (۲) طاغوت: ہر وہ سرکش طاقت جو خیر کے راستے سے روکے، خواہ جادوگر ہو، کاہن ہو، سرکش جن ہو یا خیر سے روکنے والے مذہبی پیشوا ہوں، سب کو طاغوت سے موسوم کیا جاتا ہے۔

يَلْعَنِ	رحمت سے دور کریں	فَلَنْ	پس ہرگز	لَهٗ	اس کے لئے
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	تَجِدَ	نہیں پائے گا	نَصِيْرًا	کوئی مددگار

یہود مشرک نہیں تو مشرکین سے ان کی سرحد کیوں ملتی ہے؟

یہود کو ایمان کی دعوت دی تھی، فرمایا تھا کہ تم شرک میں مبتلا ہو، اور یہ گناہ ایمان ہی سے معاف ہوسکتا ہے، لہٰذا ایمان لاؤ، اس پر انھوں نے کہا کہ ہم مشرک نہیں! ہم تو اللہ کے چہیتے اور بخشے بخشائے ہیں، اس سے پہلے یہ جواب دیا تھا کہ یہ افتراء ہے۔ اب فرماتے ہیں کہ اگر تم مشرک نہیں تو مشرکین مکہ کی طرف پینگ کیوں بڑھاتے ہو، قاعدہ یہ ہے کہ کند ہم جنس با ہم جنس پرواز!

جنگِ بدر کے بعد بنونضیر کا سردار کعب بن اشرف اور حیی بن اخطب مکہ گئے، اور مسلمانوں کے خلاف ان کے جذبات بھڑکائے، مرثیہ کہہ کر سردارانِ قریش کا نوحہ ماتم کرتے تھے، اور کعبہ شریف کا پردہ پکڑ کر مشرکین سے عہد لے آئے تھے کہ وہ ضرور مدینہ پر حملہ کریں گے، اور مدینہ کے یہود ان کا ساتھ دیں گے۔

اس موقعہ پر کفارِ مکہ کے سردار ابوسفیان نے ان سے کہا: اگر تم واقعی ہمارے ہمدرد ہو تو ہمارے دو بتوں کو سجدہ کرو، انھوں نے کیا، پھر ابوسفیان نے پوچھا! ہمارا مذہب اچھا ہے یا مسلمانوں کا؟ انھوں نے کہا: تمہارا مذہب مسلمانوں کے مذہب سے اچھا ہے! حالانکہ وہ جانتے تھے کہ مکہ والے بت پرست ہیں، وہ اچھے نہیں ہوسکتے، تاہم ان کے مذہب کو بہتر کہنا بت پرستی کی تائید نہیں تھی تو کیا تھی؟ پس یہود مشرک ہوئے یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: انہیں لوگوں کو اللہ نے اپنی رحمتِ خاصہ سے دور کردیا ہے، اور جن کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے دور کردیں ان کے لئے آپ ہرگز کوئی مددگار نہیں پائیں گے۔

آیتِ کریمہ: کیا آپ نے ان لوگوں کو دیکھا نہیں جو آسمانی کتابوں کا ایک حصہ (تورات) دیئے گئے: وہ بت اور سرکش طاقت کو مانتے ہیں ——— بت سے مراد وہ بت ہے جس کو کعب اور حیی نے سجدہ کیا تھا، اور سرکش طاقت سے مراد ابو سفیان ہے ——— اور کافروں کے حق میں کہتے ہیں: وہ مسلمانوں سے زیادہ راہِ راست پر ہیں، انہیں لوگوں کو اللہ نے اپنی رحمت سے دور کردیا ہے، اور جسے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے دور کردیں اس کے لئے آپ ہرگز کوئی مددگار نہیں پائیں گے!

اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ﴿٥٣﴾ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ

وَالۡحِكۡمَةَ وَاٰتَيۡنٰهُمۡ مُّلۡكًا عَظِيۡمًا ﴿۵۴﴾ فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ صَدَّ عَنۡهُ ؕ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيۡرًا ﴿۵۵﴾

اَمۡ لَهُمۡ	کیاان کے لئے	عَلٰى مَآ	اس پر جو	مُّلۡكًا عَظِيۡمًا	بڑاملک
نَصِيۡبٌ	کوئی حصہ ہے	اٰتٰهُمُ	دیاان کو	فَمِنۡهُمۡ	پس ان میں سے بعضے
مِّنَ الۡمُلۡكِ	سلطنت سے	اللّٰهُ	اللہ نے	مَّنۡ اٰمَنَ	جوایمان لائے
فَاِذًا	پس تب	مِنۡ فَضۡلِهٖ	اپنی مہربانی سے	بِهٖ	اس پر
لَّا يُؤۡتُوۡنَ	نہیں دیں گے وہ	فَقَدۡ اٰتَيۡنَآ	پس تحقیق دی ہے ہم نے	وَمِنۡهُمۡ	اوران میں سے بعضے
النَّاسَ	لوگوں کو	اٰلَ اِبۡرٰهِيۡمَ	خاندانِ ابراہیم کو	مَّنۡ صَدَّ عَنۡهُ	جورک گئے اس سے
نَقِيۡرًا (۱)	رتّی بھر	الۡكِتٰبَ	آسمانی کتاب	وَكَفٰى	اورکافی ہے
اَمۡ يَحۡسُدُوۡنَ	یاجلتے ہیں وہ	وَالۡحِكۡمَةَ	اوردانشمندی	بِجَهَنَّمَ	دوزخ
النَّاسَ	لوگوں پر	وَاٰتَيۡنٰهُمۡ	اوردیاہم نے ان کو	سَعِيۡرًا	دہکتی آگ!

سوبات کی ایک بات: بنی اسرائیل: بنی اسماعیل سے جلے بُھنے ہیں!

پہلے دوباتیں جان لیں:

۱- نبوت اور حکومت میں تلازم ہے، ایک دوسرے کے لئے لازم ملزوم ہیں، چنانچہ جب تک نبوت بنی اسرائیل میں رہی وہی حکومت کرتے رہے، پھر جب نبوت بنی اسماعیل میں منتقل ہوئی تو حکومت بھی ان کی طرف منتقل ہوگئی۔

۲- حضرت ابراہیم علیہ السلام ابوالانبیاء ہیں، ان کے بعد آسمانی کتابیں اور پیغمبری ان کی اولاد میں دائر ہوئی، سورۃ العنکبوت (آیت ۲۷) میں ہے: ﴿ وَجَعَلۡنَا فِىۡ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالۡكِتٰبَ ﴾: اور ہم نے ان کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب رکھ دی، ابراہیم علیہ السلام کے آٹھ بیٹے تھے (قصص القرآن) کسی بیٹے کی تخصیص نہیں تھی، سب ذریت کے لئے یہ انعام عام تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام تھے، ان کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام تھے، ان کالقب اسرائیل تھا، ان کی اولاد بنی اسرائیل کہلاتی تھی، عرصہ تک ان میں نبوت جاری رہی، اور آسمانی کتابیں نازل

(۱) نقیر: کھجور کی گٹھلی کے اوپر جو چھلکا ہوتا ہے، مراد حقیر ترین چیز، ذرہ بھر، رتّی بھر۔

ہوتی رہیں، پھر دورِ آخر میں بنی اسماعیل میں خاتم النّبیین ﷺ مبعوث ہوئے، اور ان پر اللہ کا کلام (قرآنِ کریم) نازل ہوا تو حکومت بھی ان کی طرف منتقل ہوگئی۔

یہی بات بنی اسرائیل کے لئے جلن کی وجہ بن گئی، ان کے ایمان کے راستہ کا روڑا بن گئی، اب ان آیات پر یہود سے گفتگو مکمل ہورہی ہے، اور ان آیات میں چار باتیں ارشاد فرمائی ہیں:

۱- حکومت پر کسی کی اجارہ داری نہیں، اللہ کا اختیار ہے جس کو چاہیں حکومت دیں، اللہ تعالیٰ نے پہلے حکومت بنی اسرائیل کو دی، اب بنی اسماعیل کو تفویض کی ہے، اگر حکومت پر بنی اسرائیل کا کچھ بھی اختیار ہوتا تو وہ کبھی اپنے اندر سے حکومت کو نکلنے نہ دیتے، بنی اسماعیل کو رتّی بھر نہ دیتے، مگر ان کا کیا اختیار ہے، سارا اختیار اللہ کا ہے، وہ جس کو چاہیں نوازیں۔

۲- اللہ تعالیٰ نے بنی اسماعیل کو اپنے فضل (نبوت) سے نوازا تو یہود جل کر کباب ہوگئے!

۳- اللہ تعالیٰ نے خاندانِ ابراہیم سے کتاب وحکمت کا وعدہ کیا ہے، کسی خاص بیٹے کی تخصیص نہیں کی، اور بنی اسماعیل بھی ان کی اولاد ہیں، اس لئے حسب وعدہ ان کو اب کتاب وحکمت اور حکومت عطا فرمائی ہے۔

۴- اب کچھ یہودی تو اسماعیلی نبی پر ایمان لائے ہیں، اور کچھ اینٹھے ہوئے ہیں، وہ جہنم کی دہکتی آگ کا ایندھن بنیں گے۔

آیاتِ کریمہ: (۱) کیا ان (یہود) کا سلطنت میں کوئی حصہ (اختیار) ہے؟ تب تو وہ لوگوں کو (بنی اسماعیل کو) رتّی بھر نہ دیں گے! (۲) کیا وہ جلے بھنے ہیں لوگوں پر (بنی اسماعیل پر) اس وجہ سے کہ اللہ نے ان کو اپنے فضل (نبوت) سے عنایت فرمایا (۳) پس (سنو!) ہم نے خاندانِ ابراہیم کو آسمانی کتابیں اور دانشمندی عطا فرمائی، اور ہم نے ان کو بڑی سلطنت عطا فرمائی —— کیونکہ کسی بیٹے کی تخصیص نہیں تھی —— (۴) پس بعضے ان (یہود) میں سے وہ ہیں جو اس پر (آخری نبی پر) ایمان لائے اور بعضے ان میں سے ان (پر ایمان لانے) سے رکے ہوئے ہیں، اور ان کے لئے دہکتی دوزخ کافی ہے!

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ۭ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُھُمْ بَدَّلْنٰھُمْ جُلُوْدًا غَيْرَھَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ لَھُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۡ وَّنُدْخِلُھُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ۝

اِنَّ الَّذِيْنَ	بیشک جن لوگوں نے	لِيَذُوْقُوا	تاکہ چکھیں وہ	تَجْرِيْ	بہتی ہیں
كَفَرُوْا	انکار کیا	الْعَذَابَ	عذاب	مِنْ تَحْتِهَا	ان میں
بِاٰيٰتِنَا	ہماری آیتوں کا	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	الْاَنْهٰرُ	نہریں
سَوْفَ	عنقریب	كَانَ عَزِيْزًا	ہیں زبردست	خٰلِدِيْنَ	رہنے والے
نُصْلِيْهِمْ	داخل کریں گے ہم ان کو	حَكِيْمًا	بڑی حکمت والے	فِيْهَآ	اس میں
نَارًا	دوزخ میں	وَالَّذِيْنَ	اور جن لوگوں نے	اَبَدًا	سدا
كُلَّمَا	جب جب	اٰمَنُوْا	مان لیا	لَهُمْ فِيْهَآ	ان کے لئے ان میں
نَضِجَتْ	پک جائیں گی	وَعَمِلُوا	اور کئے انھوں نے	اَزْوَاجٌ	بیویاں ہے
جُلُوْدُهُمْ	ان کی کھالیں	الصّٰلِحٰتِ	نیک کام	مُّطَهَّرَةٌ	پاکیزہ
بَدَّلْنٰهُمْ	بدل دیں گے ہم ان کو	سَنُدْخِلُهُمْ	عنقریب داخل کریں گے ہم ان کو	وَّنُدْخِلُهُمْ	اور داخل کریں گے ہم ان کو
جُلُوْدًا	کھالوں سے				
غَيْرَهَا	ان کے علاوہ	جَنّٰتٍ	باغات میں	ظِلًّا ظَلِيْلًا	گھنے سایے میں

ربط: گذشتہ آیت میں ان یہود کا ذکر تھا جو حسد کی وجہ سے نبی ﷺ پر ایمان نہیں لائے، اب قاعدہ کلیہ کے طور پر ایمان نہ لانے والوں کی سزا کا ذکر فرماتے ہیں، پس یہ سزا ان یہود کے لئے بھی ہوگی، پھر کفار کے بالمقابل مؤمنین کی جزائے خیر کا ذکر ہے، اور یہ قرآنِ کریم کا اسلوب ہے۔

دوزخ میں کافروں کی کھالیں بدلی جائیں گی، تاکہ وہ مسلسل عذاب کا مزہ چکھیں

جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں کا انکار کیا، خواہ وہ یہود ہوں یا ان کے علاوہ، اللہ تعالیٰ جلدی ان کو جہنم میں جھونکیں گے، وہاں جب بھی ان کی کھالیں پک جائیں گی تو ان کو دوسری کھالیں دیدی جائیں گی، کھالیں ری پلیس (Replace) کی جائیں گی، تاکہ وہ مسلسل عذاب کا مزہ چکھتے رہیں، اللہ تعالیٰ زبردست ہیں، ان کے لئے ایسا کرنا کچھ مشکل نہیں، اور حکیم ہیں، کفر وشرک کی جو حقیقتِ مستمرہ ہیں یہی سزا ہے۔

فائدہ: جدید میڈیکل کی تحقیق یہ ہے کہ انسان کے جسم کو جو تکلیف پہنچتی ہے، اس کو محسوس کرنے کی صلاحیت اصل میں جسم کے چمڑوں میں ہوتی ہے نہ کہ گوشت میں، اس پس منظر میں قرآنِ کریم کی یہ آیت ایمان کو تازہ کرتی ہے کہ یہاں

عذاب کو چکھنے اور تکلیف کو محسوس کرنے کی نسبت چمڑوں ہی کی طرف کی گئی ہے، اگر چہ قرآن کا اصل موضوع انسانیت کی ہدایت اور رہنمائی ہے، لیکن جہاں کہیں اس نے کائنات کی کسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے، حیرت انگیز طور پر وہ اس کے مطابق ہے، جہاں سائنسدان علم وتحقیق کا طویل سفر کر کے پہنچے ہیں (آسان تفسیر، مولانا خالد سیف اللہ صاحب)

نیک مؤمنین کی خوش انجامی

نیک مؤمنین کو آخرت میں سدا بہار باغات ملیں گے، جو ان کا دائمی مستقر ہوگا، وہاں ان کو ایسی عورتیں ملیں گی جو حیض اور دیگر آلائشوں سے پاک ہونگی، اور اللہ تعالیٰ ان کو گنجان چھاؤں میں داخل کریں گے، جہاں دھوپ چھن کر بھی نہیں آئے گی، کیونکہ جنت میں دھوپ نہیں (سورۃ طٰہٰ ۱۱۹)

فائدہ: عربی میں تابع مہمل نہیں ہوتا، معنی دار ہوتا ہے، وہ متبوع کے معنی میں اضافہ کرتا ہے، ظلیلا نے ظلا کے معنی میں اضافہ کیا ہے، اردو میں تابع مہمل ہوتا ہے، جیسے کھانا وانا، پانی وانی وغیرہ۔

آیاتِ کریمہ: بے شک جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا: جلدی ہم ان کو دوزخ میں جھونکیں گے، جب بھی ان کی کھالیں پک جائیں گی: ہم ان کو دوسری کھالیں بدل دیں گے، تاکہ وہ عذاب کا مزہ چکھیں، بے شک اللہ تعالیٰ زبردست بڑی حکمت والے ہیں۔

اور جو لوگ ایمان لائے، اور انھوں نے نیک کام کیا: عنقریب ہم ان کو ایسے باغات میں داخل کریں گے جن میں نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، ان کے لئے ان میں ستھری بیویاں ہونگی، اور ہم ان کو گھنے سایے میں داخل کریں گے۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُم بِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴿٥٨﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ ۖ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴿٥٩﴾

ع ۵

إِنَّ اللَّهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	يَأْمُرُكُمْ	حکم دیتے ہیں تم کو	أَن تُؤَدُّوا	کہ پہنچاؤ

الْاَمٰنٰتِ	امانتیں	كَانَ سَمِيْعًا	خوب سننے والے	فِيْ شَيْءٍ	کسی چیز میں
اِلٰٓى اَهْلِهَا	ان کے حقداروں کو	بَصِيْرًا	خوب دیکھنے والے ہیں	فَرُدُّوْهُ	تو لوٹاؤ اس کو
وَ اِذَا	اور جب	يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	اِلَى اللّٰهِ	اللہ کی طرف
حَكَمْتُمْ	تم فیصلہ کرو	اٰمَنُوْٓا	ایمان لائے	وَ الرَّسُوْلِ	اور رسول کی طرف
بَيْنَ النَّاسِ	لوگوں کے درمیان	اَطِيْعُوا	کہا مانو	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم
اَنْ تَحْكُمُوْا (۱)	(تو) فیصلہ کرنا	اللّٰهَ	اللہ کا	تُؤْمِنُوْنَ	یقین رکھتے
بِالْعَدْلِ	انصاف کے ساتھ	وَ اَطِيْعُوا	اور کہا مانو	بِاللّٰهِ	اللہ پر
اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	الرَّسُوْلَ	اللہ کے رسول کا	وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ	اور قیامت کے دن پر
نِعِمَّا (۲)	بہت ہی اچھی	وَ اُولِي الْاَمْرِ (۴)	اور ذمہ داروں کا	ذٰلِكَ	یہ بات
يَعِظُكُمْ	نصیحت کرتے ہیں تم کو	مِنْكُمْ	تم میں سے	خَيْرٌ	بہتر ہے
بِهٖ (۳)	اس کے ذریعہ	فَاِنْ	پس اگر	وَّ اَحْسَنُ	اور اچھی ہے
اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	تَنَازَعْتُمْ	مختلف ہو جاؤ تم	تَاْوِيْلًا	انجام کے اعتبار سے

آخری نبوت اور آخری کتاب بنی اسماعیل کی امانت ہے، ان کا یہ حق تسلیم کرو

اب بنی اسرائیل کو ایک قیمتی نصیحت کرتے ہیں کہ آخری نبوت اور آخری کتاب بنی اسماعیل کا حق ہے، ان کی یہ امانت ان تک پہنچاؤ، اس میں خیانت مت کرو، ذریت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان انصاف سے فیصلہ کرو، اللہ تعالیٰ تمہاری سب باتیں سن رہے ہیں، اور تمہارے احوال سے پوری طرح باخبر ہیں۔

امانت: قابل حفاظت چیز کو کہتے ہیں۔ امانت رکھنا: یعنی حفاظت کے لئے کوئی چیز کسی کو سپرد کرنا، پھر امانت کے بہت درجے ہیں:

۱-سب سے اہم امانت: تکلیفِ شرعی ہے، یعنی اللہ کے احکام پر عمل کرنا ہے، اس کا ذکر سورۃ الاحزاب (آیت ۷۲) میں ہے، ارشاد فرماتے ہیں: ﴿اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ﴾: بے شک ہم نے امانت آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کے

(۱) أن تحكموا: أن مصدریہ ہے (۲) نِعِمَّا: مرکب کلمہ ہے، نِعْمَ اور مَا سے: میم کا میم میں ادغام ہوا ہے (۳) به: کی ضمیر ما کی طرف لوٹتی ہے، ما: عام ہے، مراد مذکورہ دونوں باتیں ہیں۔ (۴) أولى الأمر: ذمہ داروں سے مراد حکام اور علماء ہیں۔

سامنے پیش کی، پس انھوں نے اس کو اٹھانے سے انکار کیا، اور وہ اس سے ڈر گئے، اور انسان نے اس کو اٹھایا —— اس آیت میں امانت سے مراد تکلیف شرعی ہے، یہ ذمہ داری انسان نے قبول کی ہے، آیت زیر تفسیر میں بھی امانت سے یہی ذمہ داری مراد ہے، یعنی آخری نبوت اور آخری کتاب بنی اسماعیل کا حق ہے، ان کا یہ حق تسلیم کرو، زبردستی اس پر قبضہ مت کرو، ذریتِ ابراہیم علیہ السلام کے درمیان انصاف سے فیصلہ کرو، یہ قیمتی نصیحت ہے، اس کو پلّے باندھو!

۲- عہدہ بھی ایک امانت ہے، اس لئے وہ اہل ہی کو سونپنا چاہئے، نا اہل کو عہدہ سونپنا امانت کو ضائع کرنا ہے، ایسی صورت میں قیامت کا انتظار کرنا ہوگا، اب دنگے فساد اور فتنے برپا ہونگے، جب نا اہل کو صدر مملکت، خلیفہ یا کسی تنظیم کا صدر یا سکریٹری بنادیا جائے تو جھگڑے کھڑے ہونگے، اور واقعی اہل کو عہدہ سونپا جائے تو امن وامان قائم ہوگا۔ حدیث شریف میں عہدہ کو امانت سے تعبیر کیا ہے، ایک بدّو نے سوال کیا: قیامت کب آئے گی؟ آپؐ نے فرمایا: إِذَا ضُيِّعَتِ الأمانةُ فانتظر الساعةَ: جب امانتیں ضائع کی جائیں تو قیامت کا انتظار کر! بدّو امانتیں ضائع کرنے کا مطلب نہیں سمجھا، اس نے پوچھا: امانت کیسے ضائع ہوتی ہے؟ آپؐ نے فرمایا: إذا وُسِّدَ الأمرُ إلى غير أهله فانتظر الساعةَ: جب معاملہ نا اہل کو سونپا جائے تو قیامت کا انتظار کر (بخاری شریف ۵۹) پس یہ بھی آیت کے پہلے جزء ﴿ إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلٰٓى أَهْلِهَا ﴾ میں شامل ہے۔

۳- قضا بھی ایک امانت ہے، جب لوگ کسی حاکم یا قاضی کے پاس کوئی معاملہ لے کر جاتے ہیں تو یہ امید لے کر جاتے ہیں کہ فیصلہ انصاف سے ہوگا، کوئی رعایت یا جنبہ داری نہیں ہوگی، پس انصاف کا خون کرنا بھی امانت کو ضائع کرنا ہے، اس کا ذکر: ﴿ وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ﴾ میں ہے کہ جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو، اور دونوں حکموں میں مناسبت یہ ہے کہ ﴿ بَيْنَ النَّاسِ ﴾ سے مراد ذریتِ ابراہیم علیہ السلام ہے، یعنی فیصلہ انصاف سے کرو کہ آخری نبوت اور آخری کتاب کس کا حق ہے؟ بنی اسرائیل کا یا بنی اسماعیل کا؟ حق دار کو اس کا حق پہنچاؤ، اور اس پر ایمان لاؤ۔

۴- اطاعت بھی ایک امانت ہے، جب کسی کو امیر یا حاکم بنادیا تو اب اس کی اطاعت (فرمان برداری) ضروری ہے، اس کے بغیر حاکم اپنی ذمہ داری سے کیسے عہدہ برآ ہوگا؟ اس لئے اگلی آیت میں اللہ ورسول کی اطاعت کے بعد: ﴿ أُولِي الْأَمْرِ ﴾ کی اطاعت کا بھی حکم دیا۔

۵- پھر عام امانتیں ہیں، جو بھی چیز کسی کو سپرد کی جائے اس کا حق ادا کرنا ضروری ہے، حدیث میں ہے: لا إيمان لمن لا أمانة له: جس میں امانت داری نہیں وہ بے ایمان ہے، ایک مدرس ہے، اس کے پاس طلبہ کا وقت امانت ہے، اگر وہ اس کو ضائع کرتا ہے تو وہ طلبہ کا حق مارتا ہے، ایک کارکن ہے، اس کا مفوضہ کام امانت ہے، اگر وہ اس کو صحیح طریقہ پر بجا نہیں

لاتا تو وہ امانت میں خیانت کرتا ہے۔

حتی کہ فرمایا: المجالسُ بالأمانة: مجلس میں جو بات کہی جائے وہ امانت ہے، بے اجازت اس کو دوسروں تک نقل کرنا جائز نہیں، اور ایک حدیث میں امانت میں خیانت کو نفاق کی علامت قرار دیا ہے۔

یہ دونوں آیات کا خلاصہ ہے، آگے تفصیل ہے:

آیت کا شانِ نزول: آغازِ اسلام سے پہلے باشندگان مکہ نے بیت اللہ، اور حج اور دیگر اہم کام آپس میں بانٹ رکھے تھے، تقریباً تمام سر برآوردہ خاندانوں میں کوئی نہ کوئی اہم خدمت یا عہدہ بطور وراثت چلا آتا تھا، چنانچہ ایک اہم خدمت بیت اللہ کھولنے بند کرنے اور اس کی کنجی سے متعلق بھی تھی، اس کو حجابت اور سدانت کے نام سے موسوم کر رکھا تھا اور یہ پشتہا پشت سے خاندان بنو طلحہ میں چلی آتی تھی، جناب رسول اللہ ﷺ جب نبوت سے سرفراز ہوئے تو اُس وقت یہ خدمت حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ سے متعلق تھی ـــــ اب آگے کیا ہوا یہ خود انہیں کی زبانی سنئے: فرماتے ہیں کہ ابھی جناب رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ ہی میں قیام پذیر تھے، یعنی ہجرت نہ ہوئی تھی ایک روز آپؐ مجھ سے ملے اور اسلام قبول کرنے کی دعوت دی، میں نے نہایت گستاخانہ جواب دیا کہ کیا مذاق کرتے ہو؟ تم یہ سمجھے ہوئے ہو کہ میں تمہارا کہنا مان جاؤں گا، حالت تو یہ ہے کہ تم نے ایک نئے دین کا شاخسانہ نکال کر پوری قوم کو تباہ کر دیا، آپؐ نے میرے جواب پر کچھ نہیں فرمایا، ہمارا یہ دستور تھا کہ پیر اور جمعرات کے دن عام زیارت کے لئے بیت اللہ کھولا کرتے تھے، ایک روز کسی موقعہ پر بیت اللہ کھلا ہوا تھا، لوگ زیارت کر رہے تھے، آپؐ نے بھی اندر جانا چاہا، میں نے اس موقعہ پر جو کچھ میرے منہ میں آیا خوب بکا آپؐ نے اب کی بار بھی سکوت فرمایا، صرف اس قدر فرمایا کہ عثمان! ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ایک روز اس کی چابی میرے ہاتھ میں ہو، اور میں جسے چاہوں دوں، میں نے کہا یہ تو تب ہی ہو سکتا ہے کہ قریش پامال ہو چکے ہوں، آپؐ نے فرمایا نہیں بلکہ وہ آبرومند ہو چکے ہونگے۔ آپ تو اس قدر فرما کر بیت اللہ کے اندر تشریف لے گئے اور میرا دل بے قابو ہو گیا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ جو کچھ فرمادیا گیا ہے بس وہی ہوگا، اس کے بعد میں برابر اسلام لانے کے لئے کوشش کرتا رہا، ہر بار قوم کے لوگ مجھے ایسی دھمکیاں دیتے کہ ارادہ کمزور پڑ جاتا، آخر کار وہ وقت آ گیا۔ مکہ مکرمہ آپ کے ہاتھ پر فتح ہو گیا، جس دن یہ واقعہ پیش آیا مجھ سے آپ نے کنجی طلب کی، میں نے لاکر پیش کر دی، بیت اللہ میں تشریف لے گئے، باہر تشریف لے آئے مجھے کنجی عنایت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: لو! یہ تمہارے پاس ہمیشہ نسلاً بعد نسلٍ رہے گی اور جو بھی تم سے اسے چھیننے کی کوشش کرے گا وہ ظالم ہوگا یا کافر، عثمان! تمہیں اللہ رب العزت نے اپنے گھر کی وجہ سے امان دیدی ہے لہٰذا اس گھر کی خدمت کے صلہ میں جائز طریقہ سے جو کچھ تمہیں ملے لے سکتے ہو، میں چلنے لگا تو آپ نے مجھے یاد فرمایا، میں پھر حاضر ہوا۔ ارشاد ہوا: کیوں عثمان! وہی ہوا جو ایک موقعہ پر کہا تھا، آپؐ کے اتنے اشارے سے پورا واقعہ مجھے

تازہ ہوگیا اور میں بے ساختہ پکار اٹھا أَشْهَدُ أَنَّكَ لَرَسُوْلُ اللهِ۔ (ہدایت القرآن ۲:۹۳ کاشفی)

حضرت فاروق اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس روز جب آنحضرت ﷺ بیت اللہ سے باہر تشریف لائے تو یہ آیت آپ کی زبان پر تھی: ﴿إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلٰٓى أَهْلِهَا﴾: اس سے پہلے میں نے یہ آیت کبھی آپ سے نہ سنی تھی، ظاہر یہ ہے کہ یہ آیت اُس وقت جوفِ کعبہ میں نازل ہوئی تھی، اسی آیت کی تعمیل میں آنحضرت ﷺ نے دوبارہ عثمان بن طلحہ کو بلا کر کنجی ان کو سپرد کی، کیونکہ عثمان بن طلحہ نے جب یہ کنجی آنحضرت ﷺ کو دی تھی تو یہ کہہ کر دی تھی کہ "میں یہ امانت آپ کے سپرد کرتا ہوں" اگرچہ ضابطہ سے اُن کا یہ کہنا صحیح نہ تھا، بلکہ رسولِ کریم ﷺ ہی کو ہر طرح کا اختیار تھا کہ جو چاہیں کریں، لیکن قرآنِ کریم نے صورتِ امانت کی بھی رعایت فرمائی، اور آنحضرت ﷺ کو اس کی ہدایت کی کہ کنجی عثمان ہی کو واپس فرمادیں، حالانکہ اس وقت حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے بھی آنحضرت ﷺ سے یہ درخواست کی تھی کہ جس طرح بیت اللہ کی خدمت سقایہ اور سدانہ ہمارے پاس ہے یہ کنجی برداری کی خدمت بھی ہمیں عطا فرمادیجئے، مگر آیت مذکورہ کی ہدایت کے موافق آنحضرت ﷺ نے اُن کی درخواست رد کر کے کنجی عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو واپس فرمائی (تفسیر مظہری)

یہاں تک آیت کے شانِ نزول پر کلام تھا، اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ آیت کا شانِ نزول اگرچہ کوئی خاص واقعہ ہوا کرتا ہے، لیکن حکم عام ہوتا ہے، جس کی پابندی پوری امت کے لئے ضروری ہوتی ہے۔ (معارف القرآن شفیعی)

اس کے بعد ایک قاعدہ سمجھ لیں: قرآنِ کریم جب کوئی مضمون اٹھاتا ہے تو اس کو ممکنہ حد تک بڑھاتا ہے، اور اس کو عام بھی کرتا ہے، یہاں مقصودِ کلام تو یہی ہے کہ آخری نبوت اور آخری کتاب بنی اسماعیل کا حق ہے، ان کا یہ حق تسلیم کرو، اور امانت حقداروں کو پہنچاؤ، باقی تفصیل آگے ہے:

۱- ﴿إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلٰٓى أَهْلِهَا﴾ —— بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتے ہیں کہ امانتیں امانت والوں کو پہنچاؤ —— یہ حکم عام ہے، امانت خواہ کسی کی ہو، مسلمان کی ہو یا غیر مسلم کی، چھوٹی ہو یا بڑی، اہم ہو یا غیر اہم، حکم یہ ہے کہ وہ امانت جس کی ہے اس کو پہنچادی جائے، اس میں رتی بھر خیانت نہ کی جائے۔

۲- ﴿وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾ —— اور جب تم لوگوں کے درمیان کوئی فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو —— یہ پہلے حکم کی مثال ہے، جب لوگ کوئی جھگڑا لے کر حاکم کے پاس آتے ہیں تو وہ یہ امید لے کر آتے ہیں کہ انصاف سے فیصلہ ہوگا، پس فیصلہ ایک امانت ہے، اس میں امانت داری کا پورا لحاظ رکھو، رو رعایت اور طرفداری نہ ہو، ورنہ تم لوگوں کے اعتماد کو ٹھیس پہنچاؤ گے۔

۳-﴿ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ﴾ ـــــ بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کے ذریعہ ـــــ یعنی ادائے امانت اور انصاف سے فیصلہ کرنے کے حکم کے ذریعہ ـــــ تمہیں کیسی اچھی نصیحت کرتے ہیں! ـــــ یعنی یہ دونوں حکم تمہارے لئے سراسر مفید ہیں، ان کی تعمیل کروگے تو تمہارا بھلا ہوگا۔

۴-﴿ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴾ ـــــ بے شک اللہ تعالیٰ خوب سننے والے خوب دیکھنے والے ہیں ـــــ یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری کھلی چھپی، موجودہ اور آئندہ باتوں کو خوب جانتے ہیں اور تمہارے احوال سے خوب واقف ہیں، تمہارا فائدہ ان دو حکموں پر عمل کرنے میں ہے، اگر کبھی تمہیں امانت داری یا انصاف کرنا مفید معلوم نہ ہو تو حکم الٰہی کے مقابلہ میں اس کا اعتبار نہ کرو۔

۵-﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ﴾ ـــــ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا کہنا مانو اور اللہ کے رسول کا کہنا مانو ـــــ یہی تکلیفِ شرعی کی تعمیل ہے، پس یہ ادائے امانت کی تیسری مثال ہے، اور ﴿ اَطِيْعُوا ﴾ مکرر اس لئے لایا گیا ہے کہ قرآن وحدیث کے احکام میں من وجہٍ فرق ہوتا ہے، اگرچہ دونوں وحی جلی ہیں، اور سنت متواترہ کے صریح حکم کا منکر کافر ہے ـــــ اور تم میں سے جو لوگ حکومت کے ذمہ دار ہیں ـــــ ان کا کہنا مانو، یہ اطاعت: حکام کا حق ہے، پس یہ ادائے امانت کی چوتھی مثال ہے، کوئی بھی حاکم جو کسی کام پر مقرر ہو اس کا حکم ماننا ضروری ہے، اور یہ حکم: اللہ ورسول کی اطاعت کے بعد لایا گیا ہے، اور أطیعوا مکرر نہیں لایا گیا: اس میں اشارہ ہے کہ حکام کے جو احکام قرآن وسنت کے مطابق ہونگے وہی واجب التعمیل ہونگے۔

۶-﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ ـــــ پھر اگر کسی بات میں تمہارے درمیان ـــــ حاکم اور محکومین کے درمیان ـــــ اختلاف ہوجائے ـــــ کہ حاکم کا حکم شریعت کے مطابق ہے یا نہیں؟ ـــــ تو تم اس کو اللہ کی طرف اور اللہ کے رسول کی طرف لوٹاؤ، اگر تمہارا اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے! ـــــ یعنی اگر قرآن وسنت میں صراحت ہو تو اس کے مطابق عمل کرنا چاہئے، اور اختلاف کو دور کردینا چاہئے، اور قرآن وسنت میں کوئی واضح بات نہ ہو تو مجتہدین اور علماء اخذ واستنباط سے کام لیں، اب ﴿اُولِي الْاَمْرِ﴾ کا مصداق بدل جائے گا، اور مجتہدین کا فیصلہ حاکم ومحکوم سب کو ماننا ہوگا، مسائل اجتہادیہ کا بھی یہی حکم ہے۔

۷-﴿ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝﴾ ـــــ یہ بات بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے مفید ہے! ـــــ یعنی آپس میں جھگڑنے یا اپنی رائے کے موافق فیصلہ کرنے سے اس رجوع کا انجام بہتر ہوگا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ
يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ۭ وَيُرِيْدُ
الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿٦٠﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ
اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴿٦١﴾ فَكَيْفَ اِذَآ
اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَاۗءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ۖ بِاللّٰهِ اِنْ
اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ﴿٦٢﴾ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۤ فَاَعْرِضْ
عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًۢا بَلِيْغًا ﴿٦٣﴾

اَلَمْ تَرَ	کیا نہیں دیکھا تو نے	اَنْ يَّكْفُرُوْا	کہ انکار کریں	الْمُنٰفِقِيْنَ	منافقوں کو
اِلَى الَّذِيْنَ	ان لوگوں کو جو	بِهٖ	اس کا	يَصُدُّوْنَ	باز رہتے ہیں وہ
يَزْعُمُوْنَ	گمان کرتے ہیں	وَيُرِيْدُ	اور چاہتا ہے	عَنْكَ	آپؐ سے
اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا	کہ وہ ایمان لائے ہیں	الشَّيْطٰنُ	شیطان	صُدُوْدًا	باز رہنا
بِمَآ اُنْزِلَ	اس پر جو اتارا گیا ہے	اَنْ يُّضِلَّهُمْ	کہ گمراہ کرے ان کو	فَكَيْفَ	پس کیسے؟
اِلَيْكَ	آپؐ کی طرف	ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا	دور کا گمراہ کرنا	اِذَآ اَصَابَتْهُمْ	جب پہنچی ان کو
وَمَآ اُنْزِلَ	اور اس پر جو اتارا گیا ہے	وَاِذَا قِيْلَ	اور جب کہا گیا	مُّصِيْبَةٌ	بڑی مصیبت
مِنْ قَبْلِكَ	آپؐ سے پہلے	لَهُمْ	ان سے	بِمَا	اس بات کی وجہ سے جو
يُرِيْدُوْنَ	چاہتے ہیں وہ	تَعَالَوْا	آؤ	قَدَّمَتْ	آگے بھیجی
اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا (۱)	کہ مقدمہ لے جائیں	اِلٰى مَآ	اس کی طرف جو	اَيْدِيْهِمْ	ان کے ہاتھوں نے
اِلَى الطَّاغُوْتِ (۲)	سرکش طاقت کے پاس	اَنْزَلَ اللّٰهُ	اتارا اللہ نے	ثُمَّ جَاۗءُوْكَ	پھر آئے وہ آپؐ کے پاس
وَقَدْ	حالانکہ بالتحقیق	وَاِلَى الرَّسُوْلِ	اور اس کے رسول کی طرف	يَحْلِفُوْنَ	قسمیں کھاتے ہیں
اُمِرُوْٓا	حکم دیئے گئے ہیں وہ	رَاَيْتَ	(تو) دیکھے گا تو	بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کی

(۱) تحاکما (باب تفاعل): فریقین کا کسی کے پاس مقدمہ لے جانا (۲) طاغوت: سے کعب بن اشرف مراد ہے۔

اِنۡ اَرَدۡنَاۤ	نہیں چاہا ہم نے	یَعۡلَمُ اللّٰهُ	جانتے ہیں اللہ	وَعِظۡهُمۡ	اور نصیحت کریں ان کو
اِلَّاۤ اِحۡسَانًا	مگر نکوکردن	مَا فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ	اس کو جو ان کے دلوں میں ہے	وَقُلۡ لَّهُمۡ	اور کہیں ان سے
وَّتَوۡفِيۡقًا	اور میل ملاپ	فَاَعۡرِضۡ	پس روگردانی کریں آپؐ	فِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ	ان کے حق میں
اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ	یہی لوگ ہیں جو	عَنۡهُمۡ	ان سے	قَوۡلًاۢ بَلِيۡغًا	بات مؤثر

یہود فصلِ خصومات میں رعایت ورشوت کے عادی تھے

ابھی حکم دیا تھا کہ جب تم — اے یہود — لوگوں کے درمیان کسی قضیہ کا تصفیہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو، مگر یہود اس پر عمل نہیں کرتے تھے، وہ فصلِ خصومات میں رعایت ورشوت کے عادی تھے، پس وہ زیر بحث مسئلہ میں بھی انصاف سے فیصلہ نہیں کریں گے، مسئلہ یہ ہے کہ آخری نبوت اور آخری کتاب بنی اسماعیل کا حق ہے، یہ حق ان کو پہنچایا جائے، مگر وہ انصاف سے فیصلہ نہیں کریں گے، مرغ کی ایک ٹانگ گائے جائیں گے، یہی کہیں گے کہ یہ نعمت بھی بنی اسرائیل کا حق ہے، بنی اسماعیل کا اس میں کوئی حصہ نہیں! اور یہ بات ان آیات کے شانِ نزول کے واقعہ سے ظاہر ہوگی۔

آیات کا شانِ نزول: ایک منافق مسلمان — اور نفاق اکثر یہود میں تھا — کسی یہودی سے جھگڑا کر بیٹھا، یہودی نے مطالبہ کیا کہ معاملہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے چلیں، کیونکہ بار بار تجربہ ہو چکا تھا کہ آپؐ کے یہاں بے لاگ انصاف ہوتا ہے، منافق نے دعوئ اسلام کے باوجود یہود کی بدنام ترین شخصیت کعب بن اشرف کا نام تجویز کیا، وہ جانتا تھا کہ یہود رشوت لے کر حسبِ منشا فیصلہ کرتے ہیں، آخر یہودی نہ مانا، اور معاملہ آپؐ ہی کے روبرو پیش ہوا، سارا واقعہ سماعت فرما کر آپؐ کا فیصلہ یہودی کے حق میں صادر ہوا، اس سے منافق سخت گھبرایا، اور یہودی کو مجبور کیا کہ دوبارہ فیصلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کرایا جائے — حضرت عمرؓ مدینہ میں ذیلی عدالت کے جج تھے، اور جلاّد بھی تھے، یعنی مجرموں کو سزا آپ دیا کرتے تھے — دونوں آپؓ کے پاس پہنچے، یہودی نے ساری سرگذشت سنائی، حضرت عمرؓ نے منافق سے پوچھا: کیا واقعہ اسی طرح پیش آیا ہے؟ اس نے اقرار کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اچھا تم دونوں یہاں دروازے پر ٹھہرو، میں ابھی اندر سے آتا ہوں، حضرت عمرؓ اندر گئے، اور چادر میں تلوار چھپا کر باہر نکلے، اور منافق کا سر قلم کر دیا، اور فرمایا: جو بدبخت اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ پر راضی نہ ہو اس کا میرے یہاں یہی فیصلہ ہے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ يَزۡعُمُوۡنَ اَنَّهُمۡ اٰمَنُوۡا بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِكَ يُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يَّتَحَاكَمُوۡۤا اِلَى الطَّاغُوۡتِ وَقَدۡ اُمِرُوۡۤا اَنۡ يَّكۡفُرُوۡا بِهٖ ؕ وَيُرِيۡدُ الشَّيۡطٰنُ اَنۡ يُّضِلَّهُمۡ ضَلٰلًاۢ بَعِيۡدًا ۝۶۰﴾

ترجمہ: کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا: جو کہتے ہیں کہ وہ اس پر ایمان لائے ہیں جو آپؐ کی طرف اتارا گیا ہے اور اس پر (بھی) جو آپؐ سے پہلے اتارا گیا ہے ـــــ یعنی پہلے وہ یہودی تھا، تورات کو مانتا تھا، اب مسلمان ہوگیا ہے اور قرآن کو بھی مانتا ہے ـــــ وہ مقدمہ لے جانا چاہتے ہیں سرکش طاقت کے پاس، حالانکہ ان کو حکم دیا گیا ہے کہ طاغوت کا انکار کریں، اور شیطان ان کو دور کی گمراہی میں پھنسا رہا ہے!

اور یہ کوئی شخصی واقعہ نہیں، منافقین کا عام حال یہی تھا، وہ صرف اس حد تک اسلام کی پیروی کا دم بھرتے تھے جب تک ان کے مفادات متاثر نہیں ہوتے تھے، اگر جان یا مال پر آنچ آتی تو احکام شرع سے پہلو تہی کرتے، اور طاغوت کے قدموں میں جا گرتے، ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ۝ ﴾

ترجمہ: اور جب ان سے کہا جاتا ہے: آؤ، اس (شریعت) کی طرف جو اللہ نے اتاری ہے اور اللہ کے رسول کی طرف: تو آپ منافقین کو دیکھیں گے: وہ آپؐ سے بالکل ہی کنّی کاٹتے ہیں۔

پھر اس واقعہ میں کیا ہوا؟ منافق مسلمان کے رشتہ دار خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خلاف مقدمہ دائر کیا، اور قسمیں کھانے لگے کہ ہمارا آدمی عمرؓ کے پاس مقدمہ لے کر صرف اس لئے گیا تھا کہ وہ صلح صفائی اور باہم میل ملاپ کرائیں، مگر انھوں نے خواہ مخواہ اس کو قتل کردیا!

اُدھر فوراً جبرئیل علیہ السلام آئندہ آیت لائے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ آج انھوں نے حق وباطل کو الگ کردیا، اسی پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فاروق لقب عطا ہوا، اور قرآن نے فرمایا: اب کیسے بدل گئے؟ جب ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ان پر مصیبت آئی تو ننگے پاؤں ہوگئے! یعنی غضبناک ہوگئے! وہ جان لیں کہ ان کے دلوں میں جو کھوٹ بھرا ہوا ہے وہ اللہ کو خوب معلوم ہے، آپؐ ان کا قصہ ایک طرف کیجئے، اور ان کو سمجھائیے، شاید ان پر سیدھی راہ کھل جائے، مگر نصیحت کا انداز کان کھولنے والا ہو کہ تمہاری اس منافقانہ روش سے اسلام کا کچھ بگڑنے والا نہیں، بلکہ تم خود اپنے پیروں پر تیشہ زنی کر رہے ہو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر قصاص یا دیت لازم نہیں کی۔

﴿ فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ۖ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيْغًا ۝ ﴾

ترجمہ: پس کیسے (بدل گئے؟) جب ان کو بڑی مصیبت پہنچی، ان کے کرتوت کی پاداش میں، پھر وہ آپؐ کے پاس آئے، اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہمارا ارادہ بھلائی اور ملاپ ہی کا تھا!

یہی وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں جو ان کے دلوں میں ہے، لہٰذا آپؐ ان سے اعراض کریں، اور ان کو نصیحت کریں، اور ان سے ان کے حق میں مؤثر بات کہیں۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ وَلَوۡ اَنَّهُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ جَآءُوۡكَ فَاسۡتَغۡفَرُوا اللّٰهَ وَاسۡتَغۡفَرَ لَهُمُ الرَّسُوۡلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيۡمًا ﴿۶۴﴾ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوۡكَ فِيۡمَا شَجَرَ بَيۡنَهُمۡ ثُمَّ لَا يَجِدُوۡا فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيۡتَ وَيُسَلِّمُوۡا تَسۡلِيۡمًا ﴿۶۵﴾

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا	اور نہیں بھیجا ہم نے	وَاسۡتَغۡفَرَ	اور معافی مانگتے	يُحَكِّمُوۡكَ	حکم بنائیں وہ آپ کو
مِنۡ رَّسُوۡلٍ	کوئی رسول	لَهُمُ	ان کے لئے	فِيۡمَا شَجَرَ	اس میں جو جھگڑا اٹھے
اِلَّا لِيُطَاعَ	مگر تاکہ اطاعت کیا جائے	الرَّسُوۡلُ	اللہ کے رسول	بَيۡنَهُمۡ	ان کے درمیان
بِاِذۡنِ اللّٰهِ	اللہ کے حکم سے	لَوَجَدُوا	تو ضرور پاتے وہ	ثُمَّ لَا	پھر نہ
وَلَوۡ اَنَّهُمۡ	اور کاش کہ وہ	اللّٰهَ	اللہ کو	يَجِدُوۡا	پائیں وہ
اِذۡ ظَّلَمُوۡۤا	جب ظلم کیا انھوں نے	تَوَّابًا رَّحِيۡمًا	معاف کرنے والا مہربان	فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ	اپنے دلوں میں
اَنۡفُسَهُمۡ	اپنی ذاتوں پر	فَلَا (۱)	پس قسم ہے	حَرَجًا	کوئی تنگی
جَآءُوۡكَ	آتے وہ آپ کے پاس	وَرَبِّكَ	تیرے رب کی	مِّمَّا قَضَيۡتَ	اس سے جو فیصلہ کیا آپ نے
فَاسۡتَغۡفَرُوا	پس معافی مانگتے وہ	لَا يُؤۡمِنُوۡنَ	نہیں مومن ہونگے وہ	وَيُسَلِّمُوۡا (۲)	اور مان لیں وہ
اللّٰهَ	اللہ سے	حَتّٰى	یہاں تک کہ	تَسۡلِيۡمًا	خوشی سے مان لینا

اگر نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کی تھی تو حاضر خدمت ہو کر گناہ بخشواتے!

ابھی آیت ۶۰ کا جو شانِ نزول بیان ہوا ہے: اس میں ہے کہ منافق مسلمان نے معاملہ کعب بن اشرف کے پاس لے

(۱) فلا: کا لا آگے یؤمنون پر مکرر آئے گا، ترجمہ وہاں ہوگا۔ اور تحفۃ الالمعی (۷: ۱۸۳) میں جو ہے کہ یہ لا یحکموک پر داخل ہے: اس کا بھی احتمال ہے، البتہ صحیح بات وہ ہے جو تحفۃ القاری (۹: ۱۸۹) میں ہے (۲) یسلموا کا عطف لا یجدوا پر ہے۔

جانے پر اصرار کیا، یہ نبی ﷺ کی شان میں گستاخی تھی، جو سنگین جرم تھا، اس لئے کہ انبیائے کرام علیہم السلام اسی لئے مبعوث کئے جاتے ہیں کہ ان کی پیروی کی جائے، خلاف ورزی نہ کی جائے، یہی حکم الٰہی کی اطاعت ہے، اس لئے اس سے روگردانی بڑا گناہ ہے۔

اور اس کا کفارہ یہ تھا کہ اپنی اس حرکت پر نادم ہوتے اور خدمتِ نبوی میں حاضر ہوتے، خود بھی اللہ تعالیٰ سے گناہ کی معافی مانگتے، اور نبی ﷺ بھی اس کے لئے استغفار کرتے تو اللہ کو گناہ معاف کرنے والا بڑا مہربان پاتے —— یہ تو اس منافق نے کیا نہیں، اب اس کے آدمی باتیں بناتے ہیں، اس سے کیا ہوتا ہے!

فائدہ: رسول کی حیثیت محض قاصد اور ڈاکیہ کی نہیں، بلکہ اس کا قول و فعل اللہ تعالیٰ کی مرضیات کا ترجمان ہوتا ہے، اس لئے اس کی اطاعت واتباع ضروری ہے، اس آیت میں ان لوگوں کے غلط استدلال کا جواب بھی موجود ہے، جو کہتے ہیں کہ حکم تو صرف اللہ کے لئے ہے ﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ﴾ (یوسف:۴۰) اور ﴿أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ﴾ (الاعراف:۵۴) اس لئے صرف قرآن حجت ہے نہ کہ حدیث، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ رسول کی اطاعت بھی دراصل اللہ ہی کی اطاعت ہے، اس لئے کہ اللہ ہی نے اس کا حکم دیا ہے (آسان تفسیر: ص:۳۱۷ مولانا خالد سیف اللہ)

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا ﴿۶۴﴾﴾

ترجمہ: اور ہم نے جو بھی رسول مبعوث کیا ہے: وہ اسی لئے مبعوث کیا ہے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے، پس ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب انھوں نے اپنی ذاتوں پر ظلم کیا تو وہ آپؐ کے پاس آتے، پس اللہ سے گناہ کی معافی چاہتے، اور اللہ کے رسول بھی ان کے لئے بخشش کی دعا کرتے تو وہ اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا، بڑا مہربان پاتے!

تمام نزاعات کا فیصلہ نبی ﷺ سے کرانا ضروری ہے

ایک واقعہ: ایک انصاری اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا مقدمہ نبی ﷺ کے پاس آیا، حرّۃ مقام میں ایک ڈیم باندھ رکھا تھا، اس میں پانی ختم ہونے والا تھا، حضرت زبیرؓ کا باغ پہلے تھا اور انصاری کا بعد میں، حضرت زبیرؓ کے باغ میں سینچائی ہو رہی تھی، انصاری نے تقاضا کیا کہ پانی میرے باغ میں آنے دو، حضرت زبیرؓ نے انکار کیا اور کہا: جب میری ضرورت پوری ہوگی آنے دوں گا، پس دونوں مقدمہ لے کر حضور ﷺ کے پاس آئے، آپؐ نے دونوں کی رعایت میں فیصلہ کیا کہ زبیر! جب باغ میں پانی گھوم جائے تو پڑوسی کی طرف جانے دو، اس کا بھی کچھ بھلا ہو جائے، اس پر انصاری ناراض ہوا اور کہا: یہ فیصلہ آپؐ نے اس لئے کیا کہ زبیر آپ کے پھوپھی زاد بھائی ہیں! اس پر آپؐ کو شدید غصہ آیا، چہرہ کا رنگ بدل گیا،

کیونکہ جس کی رعایت میں فیصلہ کیا تھا وہ اللہ کا بندہ الٹا سمجھ رہا ہے، پھر نبی ﷺ نے واقعی فیصلہ کیا، جو حضرت زبیرؓ کا حق تھا وہ پورا ان کو دیا، اور فرمایا: "باغ میں پانی گھومنے کے بعد روکے رہو، یہاں تک کہ کھیت مینڈھ تک بھر جائے!" کیونکہ گنا اور دھان کی طرح کھجور کا باغ بھی اس کا محتاج ہے کہ کھیت کو لبالب بھر دیا جائے۔

یہ آیتِ کریمہ کا احتمالی شانِ نزول ہے، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بخدا! میرا خیال ہے کہ یہ آیت اسی معاملہ میں نازل ہوئی ہے، مگر حکم عام ہے، شریعت کے حکم کو دل سے قبول کرنا ضروری ہے، آدمی سچا مسلمان اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک شریعت کے فیصلوں کے سامنے سر نہ جھکا دے! اور نبی ﷺ کے فیصلوں کو جی جان سے قبول نہ کرلے کامل ایمان نصیب نہیں ہوسکتا۔

جس حکم کا سنت سے ثابت ہونا یقینی طور پر معلوم ہو اس کا انکار کفر ہے، انسان کو دائرۂ ایمان سے نکال دیتا ہے

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيٓ أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٦٥﴾﴾

ترجمہ: پس آپ کے پروردگار کی قسم! وہ لوگ ایماندار نہیں ہونگے جب تک آپؐ کو ثالث نہ بنائیں اپنے ان نزاعات میں جو ان کے درمیان پیدا ہوں، پھر وہ اپنے دلوں میں کچھ تنگی نہ پائیں اس فیصلہ سے جو آپؐ فرمائیں، اور وہ اس کو دل وجان سے تسلیم کرلیں!

وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنِ اقْتُلُوٓا أَنْفُسَكُمْ أَوِ اخْرُجُوا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ مِّنْهُمْ ۖ وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَشَدَّ تَثْبِيتًا ﴿٦٦﴾ وَإِذًا لَّآتَيْنَاهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٦٧﴾ وَلَهَدَيْنَاهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ﴿٦٨﴾

وَلَوْ أَنَّا (۱)	اور اگر بے شک ہم	أَنِ اقْتُلُوٓا (۲)	کہ قتل کرو	مِنْ دِيَارِكُمْ	اپنے گھروں سے
كَتَبْنَا	لکھتے (فرض کرتے)	أَنْفُسَكُمْ	خود کو	مَّا فَعَلُوهُ	(تو) نہ کرتے وہ اس کو
عَلَيْهِمْ	ان (منافقین) پر	أَوِ اخْرُجُوا	یا نکلو	إِلَّا قَلِيلٌ (۳)	مگر تھوڑے سے

(۱) أنّا: بے شک ہم، أنَّ: حرفِ مشبہ بالفعل اور نا ضمیر جمع متکلم سے مرکب ہے (۲) أن اقتلوا: أن: تفسیریہ بمعنی أی ہے (۳) قلیل: ما فعلوہ کی ضمیر فاعل سے بدل ہے، اس لئے کہ استثناء کلام غیر موجب سے ہے۔

مِّنْهُمْ	ان میں سے	لَهُمْ	ان کے لئے	اَجْرًا عَظِيْمًا	بڑا ثواب
وَلَوْ اَنَّهُمْ	اور اگر بے شک وہ	وَاَشَدَّ	اور زیادہ	وَّلَهَدَيْنٰهُمْ	اور البتہ ضرور دکھاتے
فَعَلُوْا	کرتے	تَثْبِيْتًا (۱)	جمانے والا		ہم ان کو
مَا يُوْعَظُوْنَ	جو نصیحت کیے گئے	وَّاِذًا	اور تب	صِرَاطًا	راستہ
بِهٖ	اس کے ساتھ	لَّاٰتَيْنٰهُمْ	البتہ ضرور دیتے ہم ان کو	مُّسْتَقِيْمًا	سیدھا
لَكَانَ خَيْرًا	(تو) البتہ ہوتا بہتر	مِّنْ لَّدُنَّآ	خاص ہمارے پاس سے	۞	۞

منافقین سے اطاعتِ رسول ہی کا تو مطالبہ ہے شہید ہونے کا

یا گھر بار چھوڑنے کا مطالبہ نہیں جو ان کو بھاری معلوم ہو!

ان آیات میں بھی خطاب منافقین سے ہے، گذشتہ آیات میں ان سے 'اطاعتِ رسول' کا مطالبہ کیا تھا، یہ مطالبہ کیا مشکل تھا؟ اگر ان سے جہاد میں نکل کر شہید ہونے کا مطالبہ کیا جاتا یا گھر بار چھوڑ کر (ہجرت کرنے کا) مطالبہ کیا جاتا تو ان میں سے بہت کم لوگ اس پر عمل کرتے، اور اطاعتِ رسول میں تو ان کا سراسر فائدہ ہے، ان کا ایمان مضبوط ہوگا، وہ اجر عظیم کے مستحق ہونگے، اور اللہ تعالیٰ ان کو صراطِ مستقیم پر گامزن کریں گے۔

جاننا چاہئے کہ جہاد کے لئے دو نیتوں سے نکلا جاتا ہے:

۱- شہادت کی آرزو لے کر، بہت سے صحابہ اس امید سے میدان میں اترتے تھے، ایسا شخص دشمن سے ڈٹ کر لڑتا ہے، پیٹھ نہیں پھیرتا، چاہے جان کا نذرانہ پیش کرنا پڑے۔

۲- دشمن کو کیفر کردار تک پہنچانے کی نیت سے ایسا شخص بھی جم کر لڑتا ہے۔

یہ دونوں مقاصد صحیح ہیں، یہاں آیت میں پہلی نیت کا ذکر ہے، اور سورۃ التوبہ (آیت ۱۱۱) میں دوسری نیت کا، وہاں يَقْتُلُوْنَ (معروف) مقدم ہے، اور يُقْتَلُوْنَ (مجہول) مؤخر ہے۔

جاننا چاہئے کہ منافقین کی اکثریت مدینہ کی تھی، مگر ان کو ہجرت کی کٹھنائیوں کا پورا اندازہ تھا، گھر بار چھوڑ کر نکل کھڑا ہونا آسان کام نہیں، اور جہاد میں نکل کر شہید ہونے کا حکم تو اور بھی مشکل ہے، اگر یہ احکام دیئے جاتے تو منافقین بہت کم اس کی تعمیل کرتے، اور اطاعتِ رسول میں کچھ دشواری نہیں، پھر یہ حکم سراسر مفید بھی ہے، اس لئے ان سے اسی کا مطالبہ ہے، مگر ہائے رے شومیٔ قسمت! وہ طاغوت کے یہاں مقدمہ لے جانے پر اصرار کرتے رہے۔

---

(۱) تثبیت (تفعیل): جمانا، ثابت رکھنا، خوگر بنانا، عادی بنانا، أشد تثبیتا: اسم تفضیل ہے۔

سوال: شہید ہونا: خود کو قتل کرنا کیسے ہے؟ مجاہد کو تو دشمن قتل کرتا ہے، پس ﴿ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ﴾ کیسے صحیح ہوگا؟

جواب: جب مجاہد دشمن کے سامنے ڈٹا رہتا ہے، اور وہ اس کو قتل کرتا ہے تو گویا مجاہد نے خود کو قتل کیا، پس یہ ارشاد ایسا ہے: جیسے ﴿ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ﴾: اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں مت ڈالو (البقرة ۱۹۵) یعنی جہاد میں خرچ کرنے سے ہاتھ روکو گے تو اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالو گے۔

آیاتِ کریمہ: اور اگر ہم ان (منافقین) پر فرض کرتے کہ خود کو قتل کرو ــــــ یعنی جہاد میں نکلو اور شہادت سے ہم کنار ہو جاؤ، زندہ واپس مت آؤ ــــــ یا اپنے گھروں سے نکلو ــــــ یعنی ہجرت کرو ــــــ تو ان میں سے کچھ ہی لوگ اس پر عمل کرتے ــــــ مگر ان کو یہ دو بھاری حکم نہیں دیئے، بلکہ اطاعتِ رسول ہی کا حکم دیا ہے ــــــ اور اگر وہ اس کام کو کرتے جس کے ذریعہ وہ نصیحت کئے گئے ہیں ــــــ یعنی رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرتے، اور اس کو نصیحت اس لئے کہا کہ وہ حکم ان کے لئے مفید تھا ــــــ تو وہ ان کے حق میں بہتر ہوتا، اور وہ ان کو ایمان میں زیادہ مضبوط کرتا، اور اس وقت ہم ان کو خاص اپنے پاس سے بڑا اجر عطا فرماتے، اور ہم ان کو ضرور سیدھا راستہ دکھاتے!

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿۶۹﴾ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿۷۰﴾

ع ۹/۶

وَمَنْ يُّطِعِ	اور جو شخص حکم مانے	عَلَيْهِمْ	ان پر	رَفِيْقًا	ساتھی ہونے کے اعتبار سے
اللّٰهَ	اللہ کا	مِّنَ النَّبِيّٖنَ	یعنی انبیاء	ذٰلِكَ	یہ
وَ الرَّسُوْلَ	اور اس کے رسول کا	وَ الصِّدِّيْقِيْنَ	اور صدیق	الْفَضْلُ	مہربانی ہے
فَاُولٰٓئِكَ	پس وہ لوگ	وَالشُّهَدَآءِ	اور شہداء	مِنَ اللّٰهِ	اللہ کی طرف سے
مَعَ الَّذِيْنَ	ان کے ساتھ ہونگے جو	وَالصّٰلِحِيْنَ	اور صالحین	وَكَفٰى	اور کافی ہیں
اَنْعَمَ	انعام فرمایا	وَحَسُنَ	اور اچھے ہیں	بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ
اللّٰهُ	اللہ نے	اُولٰٓئِكَ	وہ لوگ	عَلِيْمًا	خوب جاننے والے

آخرت میں اطاعت شعار بندوں کے ساتھی

یہ منافقین کے تذکرہ کی آخری آیت ہے، آگے جہاد کا بیان شروع ہوگا، اس آیت میں یہ بیان ہے کہ اطاعتِ رسول کا فائدہ آخرت میں ظاہر ہوگا، اطاعت شعار بندے نبیوں، صدیقوں، شہداء اور صالحین کے ساتھ ہونگے، واہ! یہ کیسے اچھے رفیق ہیں، اور یہ رفاقت عمل کا صلہ نہیں، بلکہ اللہ کا فضل ہوگا، اور کون اس فضل کا مستحق ہے؟ اس کو اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں! منافقین بھی اگر رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کریں تو وہ بھی اللہ کے فضل سے بہرہ ور ہوسکتے ہیں۔

''انسان کو اچھا کھانا پینا، بہتر لباس و پوشاک اور عمدہ رہائش گاہ میسر ہو لیکن ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور رہنے سہنے والے لوگ اچھے اور مزاج کے موافق نہ ہوں تو طبیعت بدمزہ ہوجاتی ہے، اور سارا لطف خاک میں مل جاتا ہے، جنت میں جہاں راحت وآرام اور عیش ونشاط کے تمام سامان ہونگے، ہم نشیں اور رفقاء بھی اچھے ملیں گے، تاکہ ان نعمتوں کا لطف دوبالا ہوجائے'' (آسان تفسیر)

اور منعم علیہم: یعنی وہ بندے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام وفضل فرمایا: چار ہیں: نبی، صدیق، شہید اور صالح۔ نبی: جس پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی آتی ہے، اور اس کو بندوں کی اصلاح کا کام سپرد کیا جاتا ہے۔ صدیق: نبی کی دعوت کی جی جان سے گواہی دینے والا، دلیل طلب کئے بغیر اس کی تصدیق کرنے والا۔ شہید: دین کے لئے جان کا نذرانہ پیش کرنے والا۔ صالح: نیک، پرہیزگار، طاعات پر کمربستہ اور مناہی سے کنارہ کش —— یہ چار قسم کے لوگ امت کے باقی افراد سے افضل ہیں یعنی ان کے علاوہ جو مسلمان ہیں وہ درجہ میں ان کے برابر نہیں، اور یہ مقامات اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے حاصل ہوتے ہیں، پس ہر مسلمان کو اطاعت میں کمال پیدا کرنا چاہئے، تاکہ ان بندوں کے زمرہ میں شامل ہو، ان کی رفاقت نصیب ہو، ان سے بہتر کوئی ساتھی نہیں۔

سوال: ﴿ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ ﴾: یعنی اطاعت شعار بندے صالحین کے ساتھ ہونگے، حالانکہ صالحین ہی اطاعت شعار بندے ہیں، پس یہ دور ہے!

جواب: دور ہے، مگر کند ہم جنس باہم جنس پرواز، جب دو ہم جنس مل بیٹھتے ہیں تو مجلس زعفران زار ہوجاتی ہے یا یہ کہیں کہ صالحین سے اولیاء مراد ہیں، اور اطاعت شعار بندوں سے عام مؤمنین مراد ہیں پس دور نہیں رہے گا۔

منعم علیہم کے ساتھ رفاقت کی نوعیت

اس نوعیت کی تمام تفصیلات نہ فی الحال بیان کی جاسکتی ہیں نہ سمجھی جاسکتی ہیں، یہ معاملہ آخرت کا ہے، اور جس طرح آئندہ پیش آنے والے واقعات کی پوری تفصیل ابھی نہیں جانی جاسکتی، اسی طرح آخرت کے معاملات کو بھی ابھی پوری

طرح نہیں سمجھا جاسکتا، البتہ اتنی بات بدیہی ہے کہ جس نبی سے، جس صدیق سے، جس شہید سے اور جس نیک بندے سے محبت ہوگی اس سے ملنا جلنا ہوگا، حدیث میں ہے: المرءُ مع من أحب: آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے اس کو محبت ہے، ہر نبی، ہر صدیق، ہر شہید اور ہر صالح بندے سے ملنا نہ ممکن ہے نہ معقول!

البتہ درج ذیل روایات سے رفاقت کی نوعیت پر روشنی پڑتی ہے:

حدیث (۱): حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک صاحب خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپؐ مجھے میری جان واولاد سے بڑھ کر عزیز ہیں، گھر میں ہوتا ہوں تو آپ کی یاد آتی ہے، پھر جب تک دیدار نہ کرلوں صبر نہیں آتا، مجھے خیال ہوتا ہے کہ جب آپؐ جنت میں جائیں گے تو آپ کا مقام بلند تر اور انبیاء کے ساتھ ہوگا اور ہم لوگ کم تر درجہ میں ہوں گے، اس لئے آپ کے دیدار سے محروم رہیں گے، آپ ﷺ خاموش رہے، اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اہل ایمان وہاں بھی انبیاء کی رفاقت سے محروم نہ ہوں گے (مجمع الزوائد ۷:۱۰، بہ سند صحیح) (آسان تفسیر)

حدیث (۲): صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ رات گذارتے تھے، ایک رات تہجد کے وقت ربیعہ بن کعب اسلمیؓ نے آنحضرت ﷺ کے لئے وضو کا پانی اور مسواک وغیرہ ضروریات لاکر رکھیں، تو آپؐ نے خوش ہوکر فرمایا: مانگو کیا مانگتے ہو، ربیعہ بن کعب اسلمیؓ نے عرض کیا: میں جنت میں آپؐ کی صحبت چاہتا ہوں، آپؐ نے ارشاد فرمایا اور کچھ؟ تو انھوں نے عرض کیا اور کچھ نہیں، اس پر آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم جنت میں میرے ساتھ رہنا چاہتے ہو تو أعنی علٰی نفسك بكثرة السجود یعنی تمہارا مقصد حاصل ہوجائے گا لیکن اس میں تم بھی میری مدد اس طرح کرو کہ کثرت سے سجدے کیا کرو، یعنی نوافل کی کثرت کرو۔

حدیث (۳): مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں اس بات کی شہادت دے چکا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور یہ کہ آپؐ اللہ کے سچے رسول ہیں، اور میں پانچ وقت کی نماز کا بھی پابند ہوں، اور زکوۃ بھی ادا کرتا ہوں، اور رمضان کے روزے بھی رکھتا ہوں، یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اس حالت میں مرجائے وہ انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا، بشرطیکہ اپنے ماں باپ کی نافرمانی نہ کرے۔

حدیث (۴): صحیح بخاری میں طرقِ متواترہ کے ساتھ صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ اس شخص کا کیا درجہ ہوگا جو کسی جماعت سے محبت اور تعلق رکھتا ہے، مگر عمل میں ان کے درجہ کو نہیں پہنچا، آپؐ نے فرمایا: اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ: یعنی محشر میں ہر شخص اس کے ساتھ ہوگا جس سے اس کو محبت ہے۔

آیتِ کریمہ: اور جو اللہ کی اور اس کے رسول کی فرمان برداری کرتا ہے: وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ ہوگا، اور وہ کیسے اچھے ساتھی ہیں! ـــــ یہ (رفاقت) اللہ کی مہربانی ہے ـــــ یعنی اعمال کا صلہ نہیں ـــــ اور اللہ تعالیٰ کا علم کافی ہے!

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ﴿۷۱﴾ وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴿۷۲﴾ وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۳﴾

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	لَّيُبَطِّئَنَّ (۴)	ضرور دیر لگائیں گے	فَضْلٌ	فضل
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ	پس اگر پہنچے تمہیں	مِّنَ اللّٰهِ	اللہ کی طرف سے
خُذُوْا	لے لو تم	مُّصِيْبَةٌ	کوئی مصیبت	لَيَقُوْلَنَّ	(تو) ضرور کہے گا وہ
حِذْرَكُمْ (۱)	اپنا بچاؤ	قَالَ	تو کہا اس نے	كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ	گویا نہیں تھی
فَانْفِرُوْا (۲)	پھر اٹھ کھڑے ہوؤ	قَدْ اَنْعَمَ	بالتحقیق انعام فرمایا	بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ	تمہارے اور اس کے درمیان
ثُبَاتٍ (۳)	گروہ گروہ	اللّٰهُ عَلَيَّ	اللہ نے مجھ پر	مَوَدَّةٌ	دوستی
اَوِ انْفِرُوْا	یا اٹھ کھڑے ہوؤ	اِذْ لَمْ اَكُنْ	کیونکہ نہیں تھا میں	يّٰلَيْتَنِيْ	اے کاش میں
جَمِيْعًا	ایک ساتھ	مَّعَهُمْ	ان کے ساتھ	كُنْتُ مَعَهُمْ	ہوتا ان کے ساتھ
وَاِنَّ مِنْكُمْ	اور بیشک تم میں سے بعض	شَهِيْدًا (۵)	حاضر	فَاَفُوْزَ	پس حاصل کرتا میں
لَمَنْ	البتہ وہ ہیں جو	وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ	اور بخدا اگر پہنچا تمہیں	فَوْزًا عَظِيْمًا	بڑی کامیابی

جہاد کا بیان

ربط: یہاں سے جہاد کا ذکر شروع ہو رہا ہے، اس سے پہلی آیت میں یہ ذکر تھا کہ جو اللہ و رسول کی فرمان برداری

(۱) حِذْرٌ: مصدر یا اسم: بچاؤ کا سامان، ہتھیار (۲) نفر (ن، ض) نفیرًا و نفورًا: نکلنا، کوچ کرنا، دوڑنا، اٹھ کھڑا ہونا (۳) ثبات: ثُبَةٌ کی جمع: متفرق، جدا جدا، گروہ گروہ (۴) لیبطئن: مضارع، واحد مذکر غائب، بانون تاکید ثقیلہ، تَبْطِئَةٌ و تبطِئَةٌ (تفعیل) مصدر، بُطْوء مادہ، ضرور دیر لگاتا ہے (۵) شهید: حاضر، موجود، دیکھنے والا۔

کرے گا: اس کو انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کی رفاقت انعام میں ملے گی، اور احکام خداوندی میں حکم جہاد چونکہ شاق اور دشوار ہے، خصوصاً منافقین پر جن کا ذکر اوپر سے آرہا ہے، اس لئے جہاد کا حکم دیا جاتا ہے، تاکہ ہر کوئی مذکورہ حضرات کی رفاقت کی امید نہ کرنے لگے (فوائد شبیری)

بچاؤ کا سامان لے لو، اور اقدامی جہاد کرو

جہاد: دفاعی بھی ہوتا ہے اور اقدامی بھی، جب درندہ صفت لوگ حملہ کریں، لوگوں کے اموال لوٹیں، ان کے اہل وعیال کو قید کرکے لے جائیں، ان کی عزت کی دھجیاں اڑائیں، اور لوگوں کا ناک میں دم کردیں تو ضرر کو ہٹانے کے لئے تلوار اٹھانی پڑتی ہے۔ ہجرت سے پہلے جہاد کی اجازت نہیں تھی، امارت تھی مگر مرکزیت نہیں تھی، اور حالات بھی سازگار نہیں تھے، اس لئے جہاد کا حکم نہیں تھا، پھر ہجرت کے بعد جب مسلمان ایک مرکز میں جمع ہوئے، اور مشرکین مکہ نے مدینہ پر حملہ کی تیاری شروع کی تو سورۃ الحج کی (آیت ۳۹) نازل ہوئی، اور دفاعی جہاد کی اجازت دی گئی، یہ جہاد غزوۂ احزاب تک چلتا رہا، مکہ والے بار بار مدینہ پر چڑھائی کرتے تھے، اور مسلمان ان کو جواب دیتے تھے۔

اور اقدامی جہاد کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب خواہش پرست لوگ بدراہی اختیار کرتے ہیں، اللہ کی زمین کو فتنہ سے بھر دیتے ہیں، اور لوگوں کو ایک اللہ کی بندگی سے روکتے ہیں تو شرپسندوں کی شوکت توڑنا ضروری ہوجاتا ہے، کیونکہ درندہ صفت لوگ انسانوں میں سڑا لگے ہوئے عضو کی طرح ہیں، اس کو کاٹ کر پھینک دینا ہی مصلحت ہے، غزوۂ احزاب کے بعد کے تمام چھوٹے بڑے، غزوات وسرایا اقدامی تھے، اس آیت میں اسی کا ذکر ہے۔

﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِیْعًا ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی تو احتیاط رکھو، پھر نکل کھڑے ہوؤ گروہ گروہ یا نکل کھڑے ہوؤ اکٹھا! —— یعنی سرایا کی شکل میں یا بڑے لشکر کی شکل میں۔

کچھ مسلمان پیچھے رہیں گے، پھر وہ یا تو خوشیاں منائیں گے یا کفِ افسوس ملیں گے

مسلمانوں کو حکم دیا کہ بچاؤ کا سامان لے لو، پھر سرایا یا لشکر کی صورت میں جہاد کے لئے نکل پڑو، اب فرماتے ہیں کہ تمہاری جماعت میں بعضے ایسے بھی ہیں جو جہاد کے لئے نکلنے میں دیر کریں گے، یوم وفردا کرتے رہیں گے اور وہ پیچھے رہ جائیں گے، پھر اگر مجاہدین کو خدانخواستہ ناکامی ہوئی، زد پہنچی تو وہ بغلیں بجائیں گے، کہیں گے: اللہ کا مجھ پر انعام ہوا کہ میں نہیں نکلا، ورنہ میری بھی گت بنتی، اور اگر مجاہدین کو فتح نصیب ہوئی، اور ڈھیر سارا مال غنیمت ہاتھ آیا تو وہ کف افسوس ملے

گا، اور کہے گا: اگر میں بھی مجاہدین کے ساتھ نکلتا تو مالا مال ہو جاتا۔

اللہ پاک فرماتے ہیں: تجھے ساتھ چلنے سے کس نے روکا تھا؟ کیا تیرا مجاہدین کے ساتھ دوستی کا تعلق نہیں تھا؟ کیا تو مسلمان نہیں تھا؟ کیا تجھے مسلمانوں نے دھکا دے کر پیچھے کر دیا تھا؟ پس قصور تیرا ہے، کسی کا کیا قصور!

﴿ وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ، فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ۝ وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝ ﴾

ترجمہ: اور تم میں بعض ایسے ہیں جو (جہاد کے لئے نکلنے میں) ضرور دیر لگائیں گے، پھر اگر تم پر کوئی مصیبت آئی تو وہ کہے گا: "مجھ پر اللہ کا کرم ہوا کہ میں ان کے ساتھ موجود نہیں تھا" اور اگر تمہیں اللہ کی مہربانی پہنچی تو وہ ضرور کہے گا ـــ گویا تمہارے اور اس کے درمیان دوستی کا کوئی تعلق نہیں تھا ـــ "کاش میں بھی ان کے ساتھ ہوتا، تو مجھے بھی بڑی کامیابی حاصل ہوتی!"

فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ؕ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚۙ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ۝

ع

فَلْيُقَاتِلْ (۱)	پس چاہئے کہ لڑیں	اللّٰهِ	اللہ کے	يَشْرُوْنَ (۳)	بیچتے ہیں
فِيْ سَبِيْلِ	راستے میں	الَّذِيْنَ (۲)	جو لوگ	الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا	دنیا کی زندگی کو

(۱) فلیقاتل: فاء شرط مقدر کے جواب میں ہے أی إن بطّأ وتأخر هؤلاء فلیقاتل المخلصون (جمل) (۲) الذین: صلہ کے ساتھ فلیقاتل کا فاعل ہے (۳) شری یشری شریً: بیچنا خریدنا، اضداد میں سے ہے، یہاں بیچنے کے معنی ہیں۔

بِالْاٰخِرَةِ	آخرت کے بدل	وَالنِّسَآءِ	اور عورتوں سے	نَصِيْرًا	مددگار
وَمَنْ	اور جو شخص	وَالْوِلْدَانِ	اور بچوں سے	اَلَّذِيْنَ	جو لوگ
يُّقَاتِلْ	لڑے	الَّذِيْنَ	جو	اٰمَنُوْا	ایمان لائے
فِيْ سَبِيْلِ	راستے میں	يَقُوْلُوْنَ	کہتے ہیں	يُقَاتِلُوْنَ	لڑتے ہیں
اللّٰهِ	اللہ کے	رَبَّنَآ	اے ہمارے ربّ!	فِيْ سَبِيْلِ	راستے میں
فَيُقْتَلْ	پھر قتل کیا جائے	اَخْرِجْنَا	نکالیں ہمیں	اللّٰهِ	اللہ کے
اَوْ يَغْلِبْ	یا غالب ہو جائے	مِنْ هٰذِهِ	اس بستی سے	وَالَّذِيْنَ	اور جنھوں نے
فَسَوْفَ	پس عنقریب	الْقَرْيَةِ		كَفَرُوْا	اسلام کا انکار کیا
نُؤْتِيْهِ	دیں گے ہم اس کو	الظَّالِمِ (۳)	ظالم ہیں	يُقَاتِلُوْنَ	لڑتے ہیں
اَجْرًا	ثواب	اَهْلُهَا (۴)	اس کے باشندے	فِيْ سَبِيْلِ	راستے میں
عَظِيْمًا	بڑا	وَاجْعَلْ	اور بنائیں	الطَّاغُوْتِ (۵)	سرکش طاقت کے
وَمَا لَكُمْ (۱)	اور تمھیں کیا ہوا؟	لَنَا	ہمارے لئے	فَقَاتِلُوْٓا	پس لڑو تم
لَا تُقَاتِلُوْنَ	نہیں لڑتے تم	مِنْ لَّدُنْكَ	اپنے پاس سے	اَوْلِيَآءَ	دوستوں سے
فِيْ سَبِيْلِ	راستے میں	وَلِيًّا	کارساز	الشَّيْطٰنِ	شیطان کے
اللّٰهِ	اللہ کے	وَّاجْعَلْ	اور بنائیں	اِنَّ كَيْدَ	بے شک خفیہ چال
وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ (۲)	اور کمزوروں کے	لَنَا	ہمارے لئے	الشَّيْطٰنِ	شیطان کی
مِنَ الرِّجَالِ	مردوں سے	مِنْ لَّدُنْكَ	اپنے پاس سے	كَانَ ضَعِيْفًا	بودی ہے

مفاد پرست جہاد میں ڈھیلے ہیں پس آخرت کے طالب بڑھیں

گذشتہ آیت میں جہاد سے پیچھے رہنے والوں کا ذکر تھا، اس آیت میں مؤمنین کو جہاد کی ترغیب دیتے ہیں، فرماتے ہیں: اگر منافق لوگ جہاد سے رُکیں تو رُکیں، اور اپنے مفادات کو تکتے رہیں تو تکتے رہیں، مگر جو لوگ آخرت کے مقابلہ میں دنیا پر لات مار چکے ہیں ان کو چاہئے کہ اٹھیں اور اللہ کی راہ میں لڑیں، وہ دنیا کی زندگی اور اس کے مال ومنال پر نگاہ نہ رکھیں (از فوائد)

(۱) ومالکم: مبتدا خبر مل کر مستقل جملہ ہے (۲) والمستضعفین: کا اللہ پر یا سبیل پر عطف ہے (۳) الظالم: القریة کی صفت ہے (۴) أھلھا: فاعل ہے الظالم کا (۵) الطاغوت سے شیطان مراد ہے۔

﴿فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ﴾

ترجمہ: (اگر مفاد پرست جہاد سے پیچھے رہتے ہیں) تو وہ لوگ راہِ خدا میں لڑیں جو دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدل بیچ چکے ہیں —— یعنی وہ آخرت کے طالب ہیں۔

مجاہد ہارے یا جیتے: چت بھی اس کی اور پٹ بھی اس کی!

ابھی آیا ہے کہ منافق: مجاہدین کی ناکامی پر بغلیں بجاتے ہیں، اور کامیابی پر کف افسوس ملتے ہیں، اب فرماتے ہیں کہ مجاہد خواہ ہارے یا جیتے بہرصورت کامیاب ہے، دونوں ہی صورتوں میں اس کا نفع ہے، اگر شہید ہوگا تو اجر عظیم پائے گا، اور فتح مند ہوگا تو اجر عظیم کے ساتھ مالِ غنیمت بھی پائے گا، پس اس کا تو ہر حال میں نفع ہے! اس کی ناکامی پر خوشیاں کیوں مناتے ہو؟!

﴿وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ اَجْرًا عَظِيمًا ﴿٧٤﴾﴾

ترجمہ: اور جو راہِ خدا میں لڑے، پھر قتل کیا جائے یا غالب آجائے تو عنقریب ہم اس کو بڑا ثواب عنایت فرمائیں گے!

جہاد مظلوموں کی رستگاری کے لئے بھی ہے

جب مسلمان اپنی مجبوری کی وجہ سے کافروں کے درمیان پھنسے ہوئے ہوں، اور ان پر ظلم وستم ڈھایا جاتا ہو، تو اسلامی ملک کے مسلمانوں پر ان کی حفاظت ونصرت واجب ہے، اور یہ بھی جہاد کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد ہے۔

دورِ اول میں مکہ مکرمہ میں بھی اور دوسرے قبائل میں بھی کچھ مردوں نے، عورتوں نے اور سمجھ دار بچوں نے اسلام قبول کیا تھا، پھر ہجرت فرض ہوئی، جو لوگ کافروں کی بستی میں رہ کر اسلام پر عمل نہیں کر سکتے: ان پر فرض کیا گیا کہ وہ وطن چھوڑ کر مدینہ منورہ آجائیں، مگر کچھ مسلمان کافروں کے ہاتھوں میں اسیر تھے، وہ ان کو ہجرت نہیں کرنے دیتے تھے، اور ان پر ظلم کے پہاڑ توڑتے تھے، وہ بے چارے دعائیں کرتے تھے کہ الٰہی! ان کافروں کی بستی سے ہمیں نجات عطا فرما، اور ہمارے لئے اپنے پاس سے کوئی کارساز اور مددگار بنا، مؤمن کا آخری ہتھیار اللہ سے دعا کرنا ہے، جب اسباب موافق نہ ہوں تو مسبب الاسباب آخری سہارا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: تمہیں کیا ہوا، ان مظلوموں کی رستگاری کے لئے جہاد کیوں نہیں کرتے؟ یہ بھی اللہ کے راستہ میں جہاد ہے اٹھو، اور ان بے کسوں کو ظلم وستم سے نجات دلاؤ۔

﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ

وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾

ترجمہ: اور تمہیں کیا ہوا، تم لڑتے نہیں ہو راہِ خدا میں، اور کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کی گلوخلاصی کے لئے؟ جو دعائیں کرتے ہیں: "اے ہمارے پروردگار! ہمیں اس بستی سے نکالیے، جس کے باشندے ظالم (کافر) ہیں، اور ہمیں اپنے پاس سے کوئی کارساز عطا فرمائیے، اور ہمارے لئے اپنے پاس سے کوئی مددگار بنایئے!

ببیں تفاوتِ راہ از کجا است تا بکجا؟

ایک تم ہو، راہِ خدا میں دشمنانِ اسلام سے نبرد آزما ہو، دوسری طرف اللہ کے دین کے منکر ہیں، وہ شیطان کے چیلے ہیں، اس کی خاطر وہ تم سے لڑ رہے ہیں، ببیں تفاوتِ راہ از کجا است تا بکجا؟ پس اٹھو، شیطان کے دوستوں سے لوہا لو، اور جان لو کہ کفار کے مکر وفریب بودے ہیں، ان کی کثرت سے مت گھبراؤ، ناکامی ان کا مقدر ہے!

﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿۷۶﴾ ﴾

ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ راہِ خدا میں لڑتے ہیں، اور جن لوگوں نے اسلام کا انکار کیا ہے وہ سرکش طاقت (شیطان) کے راستہ میں لڑتے ہیں، پس شیطان کے دوستوں سے لڑو، بے شک شیطان کی خفیہ چال بودی ہے!

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۗ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۣ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۷﴾

اَلَمْ تَرَ	کیا نہیں دیکھا تو نے	اَيْدِيَكُمْ	اپنے ہاتھوں کو	الزَّكٰوةَ	زکات
اِلَى الَّذِيْنَ	ان لوگوں کو	وَاَقِيْمُوا	اور اہتمام رکھو	فَلَمَّا كُتِبَ	پھر جب لکھا گیا
قِيْلَ لَهُمْ	جن سے کہا گیا	الصَّلٰوةَ	نماز کا	عَلَيْهِمُ	ان پر
كُفُّوْٓا	روکو	وَاٰتُوا	اور ادا کرو	الْقِتَالُ	لڑنا

اِذَا	یکایک	وَقَالُوْا	اور کہا انھوں نے	قُلْ	کہو
فَرِیْقٌ	ایک جماعت	رَبَّنَا	اے ہمارے ربّ!	مَتَاعُ	برتنے کا سامان
مِّنْهُمْ	ان کی	لِمَ كَتَبْتَ	کیوں لکھا آپ نے	الدُّنْيَا	دنیا کا
يَخْشَوْنَ	ڈرنے لگی	عَلَيْنَا	ہم پر	قَلِيْلٌ	تھوڑا ہے
النَّاسَ	لوگوں سے	الْقِتَالَ	لڑنا	وَالْاٰخِرَةُ	اور آخرت
كَخَشْيَةِ	جیسے ڈرنا	لَوْلَآ	کیوں نہیں	خَيْرٌ	بہتر ہے
اللّٰهِ	اللہ (کے عذاب) سے	اَخَّرْتَنَآ	ڈھیل دی آپ نے ہمیں	لِّمَنِ اتَّقٰى	اس کے لئے جو ڈرے
اَوْ اَشَدَّ	یا زیادہ	اِلٰٓى اَجَلٍ	مدت تک	وَلَا تُظْلَمُوْنَ	اور نہیں حق مارے جاؤ گے تم
خَشْيَةً	ڈرنا (اس سے)	قَرِيْبٍ	نزدیک	فَتِيْلًا	باریک تاگے کے برابر

جہاد تو تمہاری چاہت تھی، اب دوسری بات منہ سے کیوں نکالتے ہو؟

مکہ میں ہجرت سے پہلے کافر مسلمانوں کو بہت ستاتے تھے، مجبور ہو کر مسلمانوں نے مکہ چھوڑا تھا اور حبشہ چلے گئے تھے، مگر گھر بار چھوڑنا آسان نہیں تھا، اس سے بہتر یہ تھا کہ ظالموں سے دو دو ہاتھ کر لئے جائیں، اس زمانہ میں صحابہ نے لڑنے کی اجازت چاہی تھی، مگر اجازت نہیں ملی، صبر اور درگذر کا حکم ملا، اور نماز کے اہتمام اور زکات ادا کرنے کی تاکید فرمائی، کیونکہ جب تک آدمی اطاعتِ خداوندی میں نفس سے جہاد نہ کرے، تکالیف برداشت کرنے کا خوگر نہ ہو جائے اور مال خرچ کرنے کی عادت نہ پڑ جائے: جہاد کرنا اور جان کی قربانی پیش کرنا مشکل ہے۔

پھر ہجرت کے بعد جب مکہ والوں نے مدینہ پر چڑھائی کی تو دفاعی جہاد کی اجازت دی گئی، پس مسلمانوں کو تو خوش ہونا چاہئے کہ مراد بر آئی، درخواست قبول ہوئی، مگر ہوا یہ کہ کچھ مسلمانوں پر کفار کی دہشت چھا گئی، جیسا اللہ کے عذاب سے ڈرنا چاہئے یا اس سے بھی زیادہ ڈرنے لگے، اور آرزو کرنے لگے کہ کاش کچھ دن قتال کا حکم نہ آتا، تھوڑی مہلت مل جاتی تو چند دن جی لیتے!

اللہ تعالیٰ ان بودے مسلمانوں سے فرماتے ہیں: جہاد سے جان چرا کر کتنے دن زندہ رہو گے؟ دنیا کا سامان تو چند روزہ ہے، اور آخرت کی زندگی دائمی ہے، اس کو کامیاب کرنے کی کوشش کرو، اور وہ جہاد سے ہوگی، اور اطمینان رکھو: اگر تم نے احکامِ خداوندی کی اطاعت کی، اور جہاد سے منہ نہ موڑا تو آخرت میں تمہارا رتّی بھر نقصان نہ ہوگا، پورا پورا اجر ملے گا!

آیتِ کریمہ: کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن سے کہا گیا: اپنے ہاتھوں کو روکو —— یعنی ابھی لڑو مت

—— اور نماز کا اہتمام کرو اور زکات ادا کرو —— پھر جب (مدینہ میں) ان پر لڑنا فرض کیا گیا تو یکا یک ان کی ایک جماعت لوگوں سے (کافروں سے) ڈرنے لگی، جیسے اللہ (کے عذاب) سے ڈرنا چاہئے یا اس سے بھی زیادہ! اور انھوں نے کہا: اے ہمارے رب! کیوں فرض کیا آپ نے ہم پر لڑنا؟ کیوں نہ مہلت دی آپ نے ہمیں کچھ دنوں کی؟ کہو: دنیا کا سامان چندروزہ برتنے کا سامان ہے (اس میں دنیا کی زندگی بھی آگئی) اور آخرت بہتر ہے اس کے لئے جو اللہ سے ڈرے (اور جہاد کرے) اور تم حبّہ بھر ظلم نہیں کئے جاؤگے!

اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۭ وَاِنْ تُصِبْھُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْھُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ۭ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ فَمَالِ هٰٓؤُلَاۗءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ۝ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۡ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ۭ

اَيْنَ مَا [1]	جہاں کہیں	مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ	اللہ کے پاس سے ہے	الْقَوْمِ	لوگوں کو
تَكُوْنُوْا	ہو تم	وَاِنْ تُصِبْھُمْ	اور اگر پہنچتی ہے ان کو	لَا يَكَادُوْنَ	نہیں قریب ہیں وہ
يُدْرِكْكُّمُ	پکڑے گی تم کو	سَيِّئَةٌ	کوئی برائی	يَفْقَهُوْنَ	(کہ) سمجھیں
الْمَوْتُ	موت	يَّقُوْلُوْا	کہتے ہیں	حَدِيْثًا	کوئی بات
وَلَوْ كُنْتُمْ	اگرچہ ہو تم	هٰذِهٖ	یہ	مَآ اَصَابَكَ	جو پہنچی تجھے
فِيْ بُرُوْجٍ [2]	محلوں میں	مِنْ عِنْدِكَ	تیرے پاس سے ہے	مِنْ حَسَنَةٍ	کوئی بھی نیکی
مُّشَيَّدَةٍ [3]	مضبوط کئے ہوئے	قُلْ كُلٌّ	کہو سب	فَمِنَ اللّٰهِ	پس وہ اللہ کے پاس سے ہے
وَاِنْ تُصِبْھُمْ	اور اگر پہنچتی ہے ان کو	مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ	اللہ کے پاس سے ہے	وَمَآ اَصَابَكَ	اور جو پہنچی تجھے
حَسَنَةٌ	کوئی بھلائی	فَمَا	پس کیا ہوا	مِنْ سَيِّئَةٍ	کوئی بھی برائی
يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ	کہتے ہیں یہ	لِ هٰٓؤُلَاۗءِ	ان	فَمِنْ نَّفْسِكَ	تو وہ تیری طرف سے ہے

(۱) أينما: جہاں کہیں، اسم شرط، قرآنی رسم الخط میں دونوں کو علاحدہ لکھا گیا ہے (۲) بروج: بُرْج کی جمع: قلعہ، محل بَرَجَ (ن) بروجا: بلند اور نمایاں ہونا (۳) مشیدۃ: اسم مفعول: مضبوط بنایا ہوا، مسالہ لیپا ہوا، تشیید: باب تفعیل کا مصدر اور باب ضرب کا مصدر شَیْد ہے

موت تو گچ کاری سے مضبوط کئے ہوئے محلات میں بھی آئے گی

گچ: چونا یا سیمنٹ کا مسالا جو اینٹوں کو جوڑنے یا پلاستر میں استعمال ہوتا ہے، گچ کاری: چونے کا کام۔ جب جہاد فرض ہوا تو کچے مسلمانوں نے کہا: "اے ہمارے رب! اتنی جلدی آپ نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا؟ چند دن مہلت دیتے تو ہم کچھ اور جی لیتے!" گویا جہاد اور موت میں تلازم ہے کہ نکلے اور مرے!

ان سے فرمایا جا رہا ہے کہ تم خواہ کیسے ہی مضبوط و محفوظ محلات میں رہو: موت تم کو کسی طرح نہ چھوڑے گی، وقت پر پہنچ کر رہے گی، اس لئے کہ موت ہر ایک کے لئے مقدر و مقرر ہے، پس کیا تم جہاد میں نہیں نکلو گے تو موت سے بچ جاؤ گے؟ ہرگز نہیں بچ سکتے! پس جہاد اور موت میں تلازم سمجھنا، اور کافروں کے مقابلہ سے خوف کھانا تمہاری نادانی ہے، اور اسلام میں کچے ہونے کی دلیل ہے۔

﴿ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ﴾

ترجمہ: تم جہاں کہیں ہوؤ گے موت تمہیں پالے گی، چاہے تم مضبوط قلعوں میں ہوؤ!

جنگ میں فتح ہوئی تو اتفاقی بات، اور ہزیمت ہوئی تو رسول کی بے تدبیری!

منافقوں کا عجب حال ہے: اگر کسی جنگ میں فتح ہوتی ہے اور مالِ غنیمت ہاتھ آتا ہے، جیسے بدر میں تو وہ کہتے ہیں: یہ خدا کی طرف سے ہے، یعنی اتفاقی بات ہے، رسول کی حسن تدبیر کا اس میں کوئی دخل نہیں، اور اگر ہزیمت ہوتی ہے جیسے احد میں تو الزام رسول کے سر دھرتے ہیں کہ یہ ان کی بے تدبیری کا نتیجہ ہے۔

جواب سنو! بھلائی برائی سب اللہ کی طرف سے ہے، وہی ہر چیز کے موجد و خالق ہیں، اور ہر پہلو میں حکمت ہوتی ہے، فتح و شکست میں کسی اور کا کوئی دخل نہیں، رسول کی تدبیر بھی اللہ کے الہام سے ہوتی ہے، پس الزام ان کے سر دھرنا تمہاری کم فہمی ہے، کیا منافقین اتنی موٹی حقیقت نہیں سمجھ سکتے؟ سمجھتے ہیں، مگر سنی ان سنی کر دیتے ہیں، ان کی عقلوں پر پتھر پڑ گئے ہیں، ان کو تو دلچسپی اس سے ہے کہ گیند رسول کے پالے میں نہ چلی جائے!

﴿ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ، وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ، قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ، فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ۝ ﴾

ترجمہ: اور اگر انہیں کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو کہتے ہیں: "یہ اللہ کی طرف سے ہے" اور اگر انہیں کوئی برائی پہنچتی ہے تو کہتے ہیں: "یہ تیری وجہ سے ہے!" —— کہو: سب اللہ کی طرف سے ہے، پس ان لوگوں کو کیا ہوا کہ وہ بات سمجھنے کے

قریب بھی نہیں ہوتے! ـــ فعل کاد: محلِ نفی میں اثبات کرتا ہے، یعنی سمجھتے ہیں، مگر الٹی گنگا بہاتے ہیں!

فضل اللہ کی طرف سے ہوتا ہے، اور آفت شامتِ اعمال کا نتیجہ ہوتی ہے

اب ایک ضابطہ بیان فرماتے ہیں: انسان کو جو نعمت ملتی ہے وہ کوئی اس کا حق نہیں ہوتی، بلکہ محض اللہ کا فضل ہوتا ہے، انسان خواہ کتنی ہی عبادت وریاضت کرے، مگر وہ اس سے نعمت کا مستحق نہیں ہوتا، اس لئے کہ عبادت کی توفیق بھی تو اس کو اللہ نے بخشی ہے ـــ البتہ آفت ومصیبت انسان کی شامتِ اعمال کا نتیجہ ہوتی ہے، اگرچہ تخلیق سب کی اللہ ہی کرتے ہیں، لیکن اس کا سبب خود انسان کے اعمال ہوتے ہیں، انسان کی کوئی نہ کوئی کوتاہی ہوتی ہے، جس کی وجہ سے آفت آتی ہے، قرآنِ کریم میں دو جگہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو انعام سے نوازتے ہیں تو وہ اس وقت تک اس نعمت کو سلب نہیں کرتے جب تک قوم اپنے حالات کو بگاڑ نہ لے۔

پھر کافر کے لئے وہ آفت اخروی سزا کا ایک ادنیٰ نمونہ ہوتی ہے، اور مؤمن کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے، ترمذی کی حدیث ہے: "جو بھی مصیبت کسی مسلمان کو پہنچتی ہے تو وہ اس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے، یہاں تک کہ کانٹا جو اس کے پاؤں میں چبھتا ہے"

﴿ مَا اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۫ وَمَا اَصَابَكَ مِنْ سَیِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ ﴾

ترجمہ: جو بھی بھلائی تجھے پہنچتی ہے، وہ اللہ کی طرف سے ہوتی ہے، اور جو بھی برائی تجھے پہنچتی ہے وہ خود تیری طرف سے ہوتی ہے!

وَ اَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ۝۷۹ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا ۝۸۰ وَیَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ؗ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَیَّتَ طَآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ غَیْرَ الَّذِیْ تَقُوْلُ ؕ وَاللّٰهُ یَكْتُبُ مَا یُبَیِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِیْلًا ۝۸۱ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا كَثِیْرًا ۝۸۲

وَ اَرْسَلْنٰكَ	اور بھیجا ہم نے آپ کو	لِلنَّاسِ	لوگوں کے لئے	رَسُوْلًا (۱)	پیامبر بنا کر

(۱) رسولا: حال ہے۔

وَكَفٰى	اور کافی ہیں	فَاِذَا بَرَزُوْا	پس جب نکلتے ہیں وہ	عَلَى اللّٰهِ	اللہ پر
بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ	مِنْ عِنْدِكَ	آپ کے پاس سے	وَكَفٰى	اور کافی ہیں
شَهِيْدًا	دیکھنے والے	بَيَّتَ(۲)	(تو) خفیہ مشورہ کرتی ہے	بِاللّٰهِ	اللہ
مَنْ يُّطِعِ	جو اطاعت کرے	طَآئِفَةٌ	ایک جماعت	وَكِيْلًا	کارسازی کے لئے
الرَّسُوْلَ	اللہ کے رسول کی	مِّنْهُمْ	ان کی	اَفَلَا	کیا پس نہیں
فَقَدْ اَطَاعَ	تو بالیقین اطاعت کی اس نے	غَيْرَ الَّذِيْ(۳)	اس کے علاوہ جو	يَتَدَبَّرُوْنَ	غور کرتے وہ
اللّٰهَ	اللہ کی	تَقُوْلُ	کہتے ہیں وہ	الْقُرْاٰنَ	قرآن میں
وَمَنْ تَوَلّٰى	اور جس نے روگردانی کی	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	وَلَوْ كَانَ	اور اگر ہوتا وہ
فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ	تو نہیں بھیجا ہم نے آپ کو	يَكْتُبُ	لکھتے ہیں	مِنْ عِنْدِ	پاس سے
عَلَيْهِمْ	ان پر	مَا يُبَيِّتُوْنَ	جو سازش کرتے ہیں وہ	غَيْرِ اللّٰهِ	اللہ کے علاوہ کے
حَفِيْظًا	نگراں بنا کر	فَاَعْرِضْ	پس روگردانی کریں آپ	لَوَجَدُوْا	تو پاتے وہ
وَيَقُوْلُوْنَ	اور کہتے ہیں وہ	عَنْهُمْ	ان سے	فِيْهِ	اس میں
طَاعَةٌ(۱)	(ہمارا معاملہ) تابعداری ہے	وَتَوَكَّلْ	اور بھروسہ کریں	اخْتِلَافًا كَثِيْرًا(۴)	بڑا تفاوت

پیغمبر کی ذمہ داری پیغام رسانی کی ہے

منافقین جنگ میں ناکامی کی ذمہ داری رسول پر ڈالتے تھے: ﴿وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ﴾ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: پیغمبر کی ذمہ داری پیغام رسانی کی ہے، اور اللہ تعالیٰ دیکھ رہے ہیں کہ وہ یہ فریضہ انجام دے رہا ہے یا نہیں؟ جنگ میں کامیابی یا ناکامی اس کے اختیار میں نہیں، پھر تم یہ الزام اس کے سر کیوں تھوپتے ہو؟

﴿وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝﴾

ترجمہ: اور ہم نے آپ کو (تمام) لوگوں کے لئے پیامبر بنا کر بھیجا ہے، اور اللہ تعالیٰ کافی دیکھنے والے ہیں!

رسول سرکار عالی مقام کا نمائندہ ہے

رسول: اللہ کا نمائندہ ہوتا ہے، وہ جو پیغام پہنچاتا ہے وہ سرکار عالی مقام کی بات ہوتی ہے، پس جو اس کی بات مانے گا

(۱) طاعة: أی أمرُنا طاعةٌ: مبتدا محذوف ہے (۲) بَیَّتَ: رات میں سازش کرنا (۳) غیر الذی: بَیَّت کا مفعول بہ ہے (۴) اختلاف کے معنی تفاوت ہیں، تعارض نہیں۔

وہ اللہ کی بات مانے گا، اور جو اس سے منہ موڑے گا وہ اللہ کے حکم سے سرتابی کرے گا، اللہ اس کو دیکھ لیں گے، پیغامبر کا کام زبردستی لوگوں سے بات منوانا نہیں، وہ لوگوں پر چوکیدار مقرر نہیں کیا گیا۔

﴿مَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰہَ ۚ وَمَنۡ تَوَلّٰی فَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ عَلَیۡہِمۡ حَفِیۡظًا ﴾

ترجمہ: جو اللہ کے رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ بالیقین اللہ کی اطاعت کرتا ہے، اور جو روگردانی کرتا ہے تو ہم نے آپؐ کو ان کا نگہبان بنا کر نہیں بھیجا!

منافقین کی دورخی پالیسی

منافقین: نبی ﷺ کے روبرو تو کہتے ہیں: ہم آپؐ کے حکم کی تعمیل کریں گے یعنی جہاد میں چلیں گے، مگر مجلس سے نکل کر رات میں نافرمانی اور مخالفت کا مشورہ کرتے ہیں، یعنی جہاد میں نکلنا تو ہے نہیں، مگر بچا کیسے جائے؟ ان کے یہ مشورے ان کے نامۂ اعمال میں لکھے جارہے ہیں، جس کی ان کو قرار واقعی سزا ملے گی، آپ اے پیغمبر! ان سے منہ پھیر لیں، اور ان کی اس حرکت کی پروا نہ کریں، آپؐ اپنے سب کام اللہ کے حوالے کریں، اور جہاد کے لئے نکلیں، اللہ تعالیٰ آپ کی کارسازی کے لئے کافی ہیں۔

﴿وَیَقُوۡلُوۡنَ طَاعَۃٌ ۫ فَاِذَا بَرَزُوۡا مِنۡ عِنۡدِکَ بَیَّتَ طَآئِفَۃٌ مِّنۡہُمۡ غَیۡرَ الَّذِیۡ تَقُوۡلُ ؕ وَاللّٰہُ یَکۡتُبُ مَا یُبَیِّتُوۡنَ ۚ فَاَعۡرِضۡ عَنۡہُمۡ وَتَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ ؕ وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیۡلًا ﴾

ترجمہ: اور وہ (منافقین) کہتے ہیں: ہمارا معاملہ آپؐ کی اطاعت ہے! پھر جب وہ آپؐ کے پاس سے نکلتے ہیں تو ان کی ایک جماعت خفیہ مشورہ کرتی ہے اس کے علاوہ جو وہ کہتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ لکھ رہے ہیں وہ جو خفیہ سازش کررہے ہیں، پس آپؐ ان سے اعراض کریں، اور اللہ پر بھروسہ کریں، اور اللہ تعالیٰ کارسازی کے لئے کافی ہیں!

رسول کی صداقت کی دلیل قرآنِ کریم ہے

اللہ کے سچے رسول کے ساتھ منافقین جو دورخی پالیسی اختیار کرتے ہیں وہ اپنا انجام سوچ لیں، رسول کی صداقت کی دلیل تو خود قرآنِ کریم ہے، وہ اس میں غور کیوں نہیں کرتے، اگر یہ کسی انسان کا کلام ہوتا تو وہ اس میں بہت تفاوت پاتے، کیونکہ انسان کے کلام میں یکسانیت نہیں ہوسکتی، وہ کبھی خوش ہوتا ہے کبھی ناراض، کبھی محبت کا غلبہ ہوتا ہے کبھی نفرت کا، کبھی چائے پی کر لکھتا ہے کبھی منہ لٹکا کر، کبھی اس کی توجہ دنیا کی طرف ہوتی ہے کبھی آخرت کی طرف، اس لئے اس کا کلام ایک نہج پر نہیں ہوسکتا۔

اور قرآنِ کریم جو ۲۳ سال میں نازل ہوا ہے ایک ہی انداز پر ہے، کہیں اطناب کہیں ایجاز، کہیں تفصیل کہیں اختصار، کہیں اجمال کہیں تفصیل نہیں ہے، پس یہ اللہ کا کلام ہے جو ہر ناہمواری سے پاک ہے، اور یہ رسول کی صداقت کی اور قرآن کے منجانب اللہ ہونے کی دلیل ہے۔

﴿ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۭوَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴾

ترجمہ: پس کیا وہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے، اور اگر وہ اللہ کے علاوہ کسی اور کے پاس سے ہوتا تو وہ اس میں بہت زیادہ تفاوت پاتے!

وَاِذَا جَاۗءَھُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ۭ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْھُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْھُمْ ۭ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا

وَاِذَا	اور جب	اِلَى الرَّسُوْلِ	اللہ کے رسول کی طرف	وَلَوْلَا	اور اگر نہ ہوتا
جَاۗءَھُمْ	آتا ہے ان کے پاس	وَاِلٰٓى اُولِي	اور معاملہ کے ذمہ داروں	فَضْلُ	کرم
اَمْرٌ	کوئی معاملہ	الْاَمْرِ	کی طرف	اللّٰهِ	اللہ کا
مِّنَ الْاَمْنِ	امن کا	مِنْھُمْ (۲)	ان میں سے	عَلَيْكُمْ	تم پر
اَوِ الْخَوْفِ	یا خوف کا	لَعَلِمَهُ	تو جانتے اس کو	وَرَحْمَتُهٗ	اور اس کی مہربانی
اَذَاعُوْا (۱)	(تو) پھیلا دیتے ہیں وہ	الَّذِيْنَ (۳)	جو لوگ	لَاتَّبَعْتُمُ	تو پیچھے ہو لیتے تم
بِهٖ	اس کو	يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ (۴)	کھوج لگا سکتے ہیں اس کی	الشَّيْطٰنَ	شیطان کے
وَلَوْ رَدُّوْهُ	اور اگر لوٹاتے وہ اس کو	مِنْھُمْ (۵)	ان میں سے	اِلَّا قَلِيْلًا	مگر تھوڑے سے

جنگی حالات میں بے تحقیق خبریں پھیلانا

کم سمجھ مسلمانوں میں اور منافقوں میں ایک خرابی یہ ہے کہ جب کوئی امن کی بات پیش آتی ہے، مثلاً لشکر اسلام کی فتح

(۱) أذاعه: اور أذاع به: دونوں طرح مستعمل ہے: پھیلانا، منتشر کرنا (۲) منهم: أى من المسلمين (۳) الذين: صلہ کے ساتھ عَلِمَ کا فاعل ہے (۴) استنباط: استخراج کرنا، صحیح غلط کی تحقیق کرنا، کھوج لگانا نَبطَ (ض) الشيئُ: پوشیدگی کے بعد ظاہر ہونا (۵) منهم: أى من أولى الأمر۔

کی خبر آتی ہے یا کوئی خوف کی بات پیش آتی ہے، مثلاً: مسلمانوں کی شکست کی خبر آتی ہے تو اس کو بے تحقیق مشہور کرنے لگتے ہیں، اس سے کبھی مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچتا ہے، اس لئے اس آیت میں تین باتیں فرمائی ہیں:

۱-اگر فتح یا شکست کی خبر آئے تو بلا تحقیق اس کو عام نہ کیا جائے، جنگی حالات میں حفاظتی نقطۂ نظر سے یہ نامناسب بات ہے، اس سے اجتماعی نقصان پہنچ سکتا ہے۔

۲-چاہئے کہ ایسی باتوں کو نبی ﷺ کے پاس یا مسلمانوں کے حکام کے پاس لے جایا جائے، وہ اگر خبر کی تحقیق کے بعد تسلیم کرلیں تو ان کی ہدایت کے مطابق نقل کی جائے۔

۳-یہ حکم سراسر مفید ہے، اللہ نے اپنے فضل وکرم سے یہ حکم دیا ہے، پس مسلمانوں کو اس پر عمل کرنا چاہئے، ورنہ وہ شیطان کے نقش قدم پر چل پڑیں گے، اور اپنا نقصان کرلیں گے۔

فائدہ(۱): آیتِ کریمہ اگرچہ جنگی حالات کے تعلق سے ہے، مگر حکم عام ہے، بے تحقیق باتیں چلانا کبھی فتنہ کا سبب بن جاتا ہے، اس لئے حدیث شریف میں ہے: کَفٰی بِالْمَرْءِ کَذِبًا أَنْ یُحَدِّثَ بِکُلِّ مَاسَمِعَ: آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ ہر سنی ہوئی بات (بغیر تحقیق کے) بیان کرنا شروع کردے، آج کل واٹس ایپ کے زمانہ میں اس کا فساد خوب واضح ہے، ہزاروں باتیں لوگ بے تحقیق چلا دیتے ہیں، یہ بڑا گناہ ہے۔

فائدہ(۲): اس آیت سے معلوم ہوا کہ نئے مسائل میں علمائے امت کو استنباط واجتہاد کا فریضہ انجام دینا ہوگا، نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امت میں تمام لوگ اجتہاد کرنے کے اہل نہ ہونگے، اور یہ بات بھی واضح ہوئی کہ جو لوگ اجتہاد کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں ان پر اجتہاد کی صلاحیت رکھنے والوں کی تقلید واتباع واجب ہے (آسان تفسیر)

آیتِ کریمہ: اور جب پہنچتی ہے اُن (منافقین) کو کوئی خبر امن کی —— یعنی فتح ونصرت کی —— یا ڈر کی —— یعنی ہزیمت وشکست کی —— تو وہ اس کو مشہور کردیتے ہیں —— ان کا یہ طریقہ غلط ہے —— اور اگر وہ اس خبر کو پھیرتے اللہ کے رسول کی طرف اور اپنے حاکموں کی طرف تو اس کو سمجھتے وہ لوگ جو ان میں سے اس کی تحقیق کی صلاحیت رکھتے ہیں —— پس بہتر ہوتا، کیونکہ بے تحقیق بات اکثر جھوٹی نکلتی ہے، پھر پشیمانی ہوتی ہے —— اور اگر تم پر اللہ کا کرم اور ان کی مہربانی نہ ہوتی تو کچھ لوگوں کے سوا تم سب شیطان کے پیچھے ہو لیتے —— اور اپنا نقصان کر بیٹھتے!

فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ۝ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً

حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ﴿۸۵﴾ وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴿۸۶﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۚ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿۸۷﴾

ع ۱۱/۸

فَقَاتِلْ	پس جہاد کریں آپ	وَ اَشَدُّ	اور زیادہ سخت ہیں	عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز پر
فِيْ سَبِيْلِ	راستے میں	تَنْكِيْلًا (۳)	سزا دینے کے اعتبار سے	مُّقِيْتًا (۵)	قدرت رکھنے والے
اللّٰهِ	اللہ کے	مَنْ يَّشْفَعْ	جو سفارش کرے	وَاِذَا	اور جب
لَا تُكَلَّفُ	نہیں حکم دیئے جاتے	شَفَاعَةً	سفارش	حُيِّيْتُمْ	دعا دیئے جاؤ تم
اِلَّا نَفْسَكَ	مگر آپ ہی کو	حَسَنَةً	اچھی	بِتَحِيَّةٍ	زندہ رہنے کی
وَحَرِّضِ (۱)	اور ترغیب دیں	يَّكُنْ لَّهٗ	ہوگا اس کے لئے	فَحَيُّوْا	تو دعا دو تم
الْمُؤْمِنِيْنَ	مسلمانوں کو	نَصِيْبٌ	بڑا حصہ	بِاَحْسَنَ	بہتر
عَسَى (۲) اللّٰهُ	ممکن ہے اللہ تعالیٰ	مِّنْهَا	اس (سفارش) سے	مِنْهَآ	اس (دعا) سے
اَنْ يَّكُفَّ	روک دیں	وَمَنْ يَّشْفَعْ	اور جو سفارش کرے	اَوْ رُدُّوْهَا	یا لوٹا دو اس کو
بَاْسَ	سختی (لڑائی)	شَفَاعَةً	سفارش	اِنَّ اللّٰهَ كَانَ	بے شک اللہ ہیں
الَّذِيْنَ	ان کی جنھوں نے	سَيِّئَةً	بری	عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز کا
كَفَرُوْا	اسلام کا انکار کیا	يَّكُنْ لَّهٗ	ہوگا اس کے لئے	حَسِيْبًا	حساب کرنے والے
وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	كِفْلٌ (۴)	بڑا بوجھ (گناہ)	اَللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
اَشَدُّ بَاْسًا	سخت ہیں لڑائی کے	مِّنْهَا	اس (سفارش) سے	لَآ اِلٰهَ	کوئی معبود نہیں
	اعتبار سے	وَكَانَ اللّٰهُ	اور ہیں اللہ تعالیٰ	اِلَّا هُوَ	مگر وہی

(۱) حَرِّض تحریضا: ترغیب دینا، ابھارنا (۲) عسى: افعالِ مقاربہ میں سے ہے، اس کی خبر فعل مضارع اُن کے ساتھ آتی ہے۔ (۳) تنکیل: مصدر: سزا دینا، عاجز بنا دینا، نکالاً: عذاب، سزا۔ (۴) كِفْل: اسم: گناہ کا حصہ، تنوین تعظیم کے لئے (۵) مُقيت: اسم فاعل: أقات على الشيئ: قادر ہونا (بیضاوی)

لَيَجْمَعَنَّكُمْ	ضرور جمع کریں گے تم کو	لَا رَيْبَ	کوئی شک نہیں	اَصْدَقُ	زیادہ سچا ہے
اِلٰى يَوْمِ	دن میں	فِيْهِ	اس میں	مِنَ اللّٰهِ	اللہ سے
الْقِيٰمَةِ	قیامت کے	وَمَنْ	اور کون	حَدِيْثًا	بات کے اعتبار سے

ربط: اب تک منافقوں اور کچے مسلمانوں سے خطاب تھا، اب روئے سخن پکے اور سچے مسلمانوں کی طرف ہے، اور ان آیات کا پس منظر غزوۂ بدر صغری ہے۔ سنہ ۳ ہجری میں غزوۂ احد پیش آیا تھا، اس میں مسلمانوں کا بھاری جانی نقصان ہوا تھا، ستر صحابہ شہید ہوئے تھے، اور جو بچے تھے وہ بشمول نبی ﷺ زخمی تھے، اس جنگ کے خاتمہ پر لشکر کفار کے کمانڈر انچیف ابوسفیان نے اعلان کیا تھا: ”ہم نے غزوۂ بدر کا بدلہ لے لیا، اب پھر اگلے سال بدر میں معرکہ آرائی ہوگی“ مسلمانوں نے اس کی بات قبول کرلی، چنانچہ سنہ ۴ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے بدر کا ارادہ کیا، عام صحابہ احد کے واقعہ سے شکستہ خاطر تھے، ان کی خواہش تھی کہ اب پھر مقابلہ نہ ہو، اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں، اور نبی ﷺ نے مدینہ کا انتظام حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو سونپا، اور ڈیڑھ ہزار کی جمعیت لے کر بدر پہنچ کر مشرکین کے انتظار میں خیمہ زن ہوگئے۔

اُدھر ابوسفیان بھی دو ہزار مشرکین کی جمعیت لے کر مکہ سے روانہ ہوا، ایک مرحلہ چل کر وادی مرّ الظہران میں خیمہ زن ہوا، مگر وہ مکہ سے بوجھل اور بددل نکلا تھا، بار بار مسلمانوں کے ساتھ ہونے والی جنگ کا انجام سوچتا تھا، اور رعب وہیبت سے لرز اٹھتا تھا، مرّ الظہران میں اس کی ہمت جواب دے گئی، اور وہ واپسی کے بہانے سوچنے لگا، بالآخر اس نے ساتھیوں سے کہا: ”جنگ اس وقت مناسب ہوتی ہے جب شادابی اور ہریالی ہو، تاکہ جانور چریں اور لوگ دودھ پئیں! اس وقت خشک سالی ہے، جنگ مناسب نہیں، اس لئے میں واپس جارہا ہوں، تم بھی واپس چلو“ ابوسفیان کی یہ بات سن کر سبھی واپس لوٹ گئے، اس لئے کہ یہ سب کے دل کی آواز تھی۔

اور مسلمانوں نے بدر میں آٹھ روز قیام کیا، اور اس دوران خوب تجارت کی اور نفع کمایا، پھر فتح کا پھریرا اڑاتے ہوئے مدینہ لوٹ آئے، اس غزوہ سے لوگوں کے دلوں میں مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی، اور ماحول پر ان کی گرفت مضبوط ہوگئی۔

غزوۂ بدر صغری کے لئے نبی ﷺ تنہا نکلیں اور مسلمانوں کو ترغیب دیں

(پیشین گوئی کہ کفار مقابلہ کے لئے نہیں آئیں گے)

آیت کریمہ عجیب انداز سے شروع ہوئی ہے، نبی ﷺ کو حکم دیا کہ آپؐ بذاتِ خود تنِ تنہا بدر صغری کے لئے نکلیں، کوئی ساتھ چلے یا نہ چلے اس کی پروانہ کریں، اللہ تعالیٰ آپؐ کے مددگار ہیں۔

البتہ صحابہ کو چلنے کی ترغیب دیں: ﴿ وَّ ذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾: اور نصیحت کیجئے، اس لئے کہ نصیحت کرنا مسلمانوں کے لئے سودمند ہوتا ہے [الذاریات ۵۵] وہ بھی ان شاء اللہ ساتھ چلیں گے، چنانچہ ڈیڑھ ہزار صحابہ بھی ساتھ چلے، اور ساتھ ہی پیشین گوئی کی کہ اللہ تعالیٰ کافروں کی لڑائی کو روک دیں گے، مگر ﴿ عَسٰى ﴾ استعمال کیا، تاکہ فوج نڈر نہ ہوجائے، جیسے عمرۂ قضا کی آیت میں ﴿ اٰمِنِيْنَ ﴾ کے ساتھ ﴿ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ ﴾ بڑھایا [الفتح ۲۷] تاکہ صحابہ بے خوف ہوکر مکہ میں داخل نہ ہوں۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں ضرور بدر کے لئے نکلوں گا، اگرچہ ایک بھی میرا ساتھ نہ دے!'' مگر صحابہ پیچھے رہنے والے کہاں تھے؟ وہ بھی ساتھ چلے! مگر اللہ نے کافروں کی ہمتیں پست کردیں، وہ نکل کر بھی لوٹ گئے، اور پیشین گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی، بے شک اللہ تعالیٰ کی جنگ بہت سخت ہے اور ان کی سزا بھی خوفناک ہے، بے شک اللہ کی لاٹھی میں آواز نہیں! وہ بغیر جنگ کے بھی دشمن کو پسپا اور رسوا کردیتے ہیں!

﴿ فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّ اَشَدُّ تَنْكِيْلًا ﴾

ترجمہ: پس آپ اللہ کے راستہ میں جہاد کیجئے، صرف آپ کی ذات کو حکم دیا جاتا ہے، اور مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دیجئے، ایسا ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ منکرینِ اسلام کی لڑائی کو روک دیں، اور اللہ تعالیٰ بہت سخت لڑائی والے ہیں اور سخت ترین سزا دینے والے ہیں!

جو جہاد کے لئے مثبت ذہن سازی کرے گا وہ ثواب میں حصہ دار ہوگا

اور جو منفی ذہن سازی کرے گا وہ گناہ میں حصہ دار ہوگا

جب بدر صغری کے لئے چلنے کی بات چلی تو چونکہ ایک سال پہلے احد کا واقعہ پیش آچکا تھا، اور اس میں بھاری جانی نقصان ہوا تھا، اس لئے مخلص اور بہادر حضرات تو لوگوں کی مثبت ذہن سازی کرتے تھے، لوگوں کو جہاد کے لئے نکلنے کی ترغیب دیتے تھے، اور مخلص مگر کمزور طبیعت کے لوگ منفی ذہن سازی کرتے تھے کہ مت نکلو، کہیں احد جیسی صورتِ حال پیش نہ آئے! یہ لوگ منافق نہیں تھے، سچے مسلمان تھے، مگر بشری کمزوری رنگ لا رہی تھی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: مثبت ذہن سازی کرنے والوں کو بڑا ثواب ملے گا، الدالُّ علی الخیر کفاعله: نیکی کی راہ نمائی کرنے والا: نیکی کرنے والے کی طرح ہے، اور منفی ذہن سازی کرنے والوں کو جہاد سے رکنے والوں کی طرح بڑا

بوجھ ڈھونا پڑے گا، مذکورہ ضابطہ آدھا ہے، دوسرا آدھا اس کا برعکس بھی ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں، ان کے لئے دونوں باتیں دشوار نہیں!

آیت کا مقصود خاص ہے، مگر مدلول عام ہے: لہٰذا کسی بھی نیک کام میں سفارش کرنے والا، کسی محتاج کی مدد کرانے والا اور دینی کام میں مدد کرانے والا بھی خیر کے کام میں شریک ہوگا، اسی طرح برائی میں حصہ دار بننے والا گناہ میں بھاگی دار ہوگا۔

﴿مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا، وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا، وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا۝﴾

ترجمہ: جو اچھی بات کی سفارش کرے: اس کے لئے اس نیکی کے کام میں سے بڑا حصہ ہے، اور جو بری بات کی سفارش کرے: اس کے لئے اس برائی میں سے بڑا بوجھ (گناہ) ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں!

منفی ذہن سازی کرنے والوں کو بھی اخلاقی برتاؤ سے قریب کیا جائے

جو لوگ منفی ذہن سازی کر رہے تھے، وہ بھی سچے مسلمان تھے، بس بشری کمزوری اور ان کی پست ہمتی رنگ لا رہی تھی، ایسے لوگوں کو تھوک نہیں دینا چاہئے، اگر وہ سلام کریں یا ہیلو ہلاّ کریں تو خندہ پیشانی سے جواب دیا جائے، بلکہ مزاج پرسی بھی کی جائے، اس سے وہ قریب آئیں گے، اور اگر ہوں ہاں کر کے رہ گئے اور ان کو نظر انداز کر دیا تو وہ کٹ جائیں گے اور ملت کا نقصان ہوگا۔

اس آیت کا بھی مقصود خاص ہے مگر مدلول عام ہے۔ تحیة: مصدر ہے، حَيَّاهُ تحيةً کے معنی ہیں: زندہ رہنے کی دعا دینا، سلام بھی دنیا میں سلامتی کی دعا ہے، پس تحیہ: سلام سے عام ہے، ہیلو ہلاّ کرنا بھی اس کا مصداق ہے۔

مسئلہ: جب کوئی سلام کرے تو جواب دینا واجب ہے، یا تو وہی کلمہ اس کو لوٹا دے یا اس سے بہتر، مثلاً کسی نے کہا: السلام علیکم تو جواب میں کہے: وعلیکم السلام، اور اگر جواب میں ورحمة الله بڑھائے یا وبرکاته بڑھائے تو مزید ثواب پائے گا، اس سے آگے ثابت نہیں۔ اللہ کے یہاں ہر چیز کا حساب ہوگا، اور اس کی جزاء ملے گی۔

کب حساب ہوگا؟ اور کب جزاء ملے گی؟

جواب: کائنات کے معبود برحق اللہ تعالیٰ ہی ہیں، وہ سب کو قیامت کے دن میں جمع کریں گے، اور قیامت کا آنا برحق ہے، اس میں ذرا شک نہیں، یہ اللہ کا وعدہ ہے، اور اللہ سے زیادہ سچا وعدہ کس کا ہو سکتا ہے؟ کسی کا نہیں! اسی مقررہ دن

میں ہر ایک کا حساب ہوگا، اور سب کو اچھے برے کا بدلہ ملے گا۔

﴿ وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ۝ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ۝ ﴾

ترجمہ: اور جب تمہیں زندہ سلامت رہنے کی کوئی دعا دی جائے تو تم اس دعا کا اس سے بہتر جواب دو، یا وہی دعا لوٹا دو، بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب کرنے والے ہیں —— اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں، وہ تمہیں قیامت کے دن میں ضرور جمع کریں گے، جس کے آنے میں ذرا شک نہیں، اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ کس کی بات سچی ہوسکتی ہے؟ —— کسی کی نہیں، وہی اصدق القائلین ہیں!

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ۭ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۝ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَاۗءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَاۗءَ حَتّٰي يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۠ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝

فَمَا لَكُمْ	پس تمہیں کیا ہوا	مَنْ اَضَلَّ	جس کو گمراہ کیا	وَدُّوْا	آرزو کرتے ہیں وہ
فِي الْمُنٰفِقِيْنَ	منافقین کے بارے میں	اللّٰهُ	اللہ نے	لَوْ تَكْفُرُوْنَ	کاش کافر ہو جاتے تم
فِئَتَيْنِ	دو جماعتیں ہو رہے ہو	وَمَنْ	اور جس کو	كَمَا كَفَرُوْا	جس طرح کافر ہوئے وہ
وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ نے	يُّضْلِلِ	گمراہ کریں	فَتَكُوْنُوْنَ	پس ہو جاتے تم
اَرْكَسَهُمْ (۱)	ان کو الٹ دیا ہے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	سَوَاۗءً	برابر
بِمَا كَسَبُوْا	ان کے اعمال کی وجہ سے	فَلَنْ تَجِدَ	پس ہرگز نہیں پائے گا تو	فَلَا تَتَّخِذُوْا	پس مت بناؤ
اَتُرِيْدُوْنَ	کیا چاہتے ہو تم	لَهٗ	اس کے لئے	مِنْهُمْ	ان میں سے
اَنْ تَهْدُوْا	کہ راہ پر لاؤ	سَبِيْلًا	کوئی راہ	اَوْلِيَاۗءَ	دوست

(۱) أركس إركاسًا: سر کے بل اوپر سے نیچے تک بالکل الٹ دینا۔

حَتّٰی یُهَاجِرُوْا	یہاں تک کہ ہجرت کریں وہ	فَخُذُوْهُمْ	تو ان کو پکڑو	وَلَا تَتَّخِذُوْا	اور مت بناؤ تم
فِیْ سَبِیْلِ	راستے میں	وَاقْتُلُوْهُمْ	اور ان کو قتل کرو	مِنْهُمْ	ان میں سے
اللّٰهِ	اللہ کے	حَیْثُ	جہاں کہیں	وَلِیًّا	دوست
فَاِنْ تَوَلَّوْا	پس اگر روگردانی کریں وہ	وَجَدْتُّمُوْهُمْ	پاؤ ان کو	وَّلَا نَصِیْرًا	اور نہ مددگار

ربط: یہاں سے منافقین کا تذکرہ شروع نہیں ہورہا، مؤمنین ہی سے خطاب ہے، اس پورے رکوع میں تین چار قسم کے کفار کے بارے میں مسلمانوں کو ہدایات دی ہیں:

اول: وہ کفار جو مسلمانوں کے حق میں نرم گوشہ رکھتے تھے، مگر وہ نہ کھل کر مسلمان ہوئے تھے، نہ انھوں نے ہجرت کی تھی، ان کے ساتھ کفار جیسا معاملہ کیا جائے، قرآنِ کریم نے ان لوگوں کو 'منافق' کہا ہے۔

دوم: دو قسم کے کفار ہیں:

(الف) وہ کفار جو کسی معاہد قوم کے حلیف بن گئے ہیں۔

(ب) وہ کفار جو نہ مسلمانوں سے لڑنا چاہتے ہیں، نہ اپنی قوم کا ساتھ دیتے ہیں۔

ان دونوں کے ساتھ معاہد قوم جیسا برتاؤ کیا جائے، ان کو قتل نہ کیا جائے، اسی کو غنیمت سمجھا جائے کہ وہ بے آزار ہوگئے ہیں۔

سوم: وہ کفار جو موقع پرست اور دغا باز ہیں، ان کے ساتھ تو کفار جیسا برتاؤ کرنا ہی چاہئے۔

ا— وہ کفار جو مسلمانوں کے حق میں نرم گوشہ رکھتے ہیں، مگر انھوں نے ہجرت نہیں کی، ان کے ساتھ کافروں جیسا معاملہ کیا جائے

مکہ مکرمہ میں خاص طور پر، اور دیگر بعض قبائل میں، کچھ لوگ اسلام اور مسلمانوں کے حق میں نرم گوشہ رکھتے تھے، نبی ﷺ کے خیر خواہ تھے، جیسے آپؐ کے چچا عباس بن عبد المطلب، چچازاد بھائی عقیلؓ بن ابی طالب اور داماد ابو العاص، یہ لوگ کھل کر مسلمان نہیں ہوئے تھے، نہ وہ ہجرت کر کے مدینہ آگئے تھے، بلکہ جنگ بدر میں کفار کے لشکر میں شامل ہو کر آئے تھے: ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟ مسلمانوں کے لئے یہ معاملہ پیچیدہ ہوگیا تھا، بعض کہتے تھے کہ وہ مسلمانوں کے خیر خواہ ہیں، ان کے ساتھ مسلمانوں جیسا معاملہ کرنا چاہئے، دوسرے حضرات کی رائے اس کے خلاف تھی، پس یہ آیت نازل ہوئی اور اس نے تصفیہ کیا۔

فرماتے ہیں: مسلمانوں کو کیا ہوا، وہ منافقوں کے بارے میں مختلف الرائے کیوں ہورہے ہیں؟ وہ منافق ہیں، مسلمان کہاں ہیں؟ عملاً خیر خواہ ضرور ہیں، مگر دل میں کفر بھرا ہوا ہے، ہجرت کرتے تو وہ عملاً ان کے ایمان کا ثبوت ہوتا، اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کی مصلحت پسندی کی وجہ سے سر کے بل الٹا کردیا ہے، اب کیا مسلمان ان کو راہ راست پر لا سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں! جسے اللہ گمراہ کریں اسے کون سنبھال سکتا ہے؟

ان کی دلی خواہش تو یہ ہے کہ تم بھی اسلام سے پھر جاؤ، جیسے وہ پھرے ہوئے ہیں، تاکہ تم اور وہ ایک تھیلے کے چٹے بٹے ہوجاؤ، پس جب تک وہ ہجرت نہ کریں اور اسلام کا عملی ثبوت نہ دیں: ان کو دوست مت بناؤ، کفار سے دوستی جائز نہیں، ان کے ساتھ کفار جیسا معاملہ کرو، ان کو پکڑو اور جہاں کہیں پاؤ تہ تیغ کرو، اور ان کو نہ دوست بناؤ، اور نہ ان سے کسی مدد کی امید رکھو۔

فائدہ: بدر کے قیدیوں کے بارے میں فدیہ لے کر چھوڑ دینے کا فیصلہ ہوا تھا، اگر قتل کا فیصلہ ہوتا تو عباس، عقیل اور ابوالعاص سب قتل کردیئے جاتے، بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تجویز تو یہ تھی کہ رشتہ دار رشتہ دار کو قتل کرے۔

آیتِ کریمہ: تمہیں کیا ہوا کہ تم منافقین کے بارے میں دو گروہ ہورہے ہو؟ درانحالیکہ اللہ نے ان کو ان کے اعمال کی وجہ سے بالکل ہی الٹ دیا ہے؟ کیا تم ان لوگوں کو راہ پر لانا چاہتے ہو جن کو اللہ نے گمراہ کیا ہے؟ اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کریں: تم ہرگز اس کے لئے کوئی راستہ نہ پاؤ گے۔

وہ آرزومند ہیں کہ کاش تم بھی اسلام کا انکار کردو جس طرح وہ انکار کرتے ہیں، پس تم اور وہ برابر ہوجاؤ، لہٰذا ان میں سے کسی کو دوست مت بناؤ، تاآنکہ وہ اللہ کے راستہ میں ہجرت کریں، پھر اگر وہ اس (ہجرت) سے روگردانی کریں تو انہیں پکڑو اور ان کو قتل کرو جہاں کہیں ان کو پاؤ، اور ان میں سے کسی کو نہ دوست بناؤ نہ مددگار!

اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ۝۹۰

اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ	مستثنیٰ ہیں جو لوگ ملتے ہیں	اِلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ	ایسے لوگوں سے تمہارے درمیان	وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ	اور ان کے درمیان عہدو پیان ہے

اَوْ جَآءُوْكُمْ	یا آئیں وہ تمہارے پاس	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	وَ اَلْقَوْا	اور ڈالیں وہ
حَصِرَتْ (۱)	تنگ ہو رہے ہوں	لَسَلَّطَهُمْ	(تو) ضرور مسلط کرتے ان کو	اِلَيْكُمُ	تمہاری طرف
صُدُوْرُهُمْ	ان کے سینے	عَلَيْكُمْ	تم پر	السَّلَمَ	صلح
اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ (۲)	اس سے کہ لڑیں وہ تم سے	فَلَقٰتَلُوْكُمْ	پس وہ تم سے لڑتے	فَمَا جَعَلَ	تو نہیں بنائی
اَوْ يُقَاتِلُوْا	یا لڑیں وہ	فَاِنِ	پس اگر	اللّٰهُ لَكُمْ	اللہ نے تمہارے لئے
قَوْمَهُمْ	اپنی قوم سے	اعْتَزَلُوْكُمْ	جدا رہیں وہ تم سے	عَلَيْهِمْ	ان پر
وَلَوْ شَآءَ	اور اگر چاہتے	فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ	پس نہ لڑیں وہ تم سے	سَبِيْلًا	کوئی راہ

۲- دو قسم کے غیر مسلموں کے ساتھ جنگ کرنے کی ممانعت

ایک: وہ جو کسی ایسی قوم کے حلیف ہوں جن سے مسلمانوں کا ناجنگ معاہدہ ہے، جیسے حدیبیہ میں مسلمانوں کی قریش سے صلح ہوئی تو بنومدلج اور بنوبکر قریش کے حلیف ہوگئے۔

دوم: وہ کفار جو خود براہِ راست مسلمانوں سے صلح کی پیشکش کریں اور مسلمان ان کی پیشکش قبول کرلیں۔

ان دونوں قسم کے غیر مسلموں سے جہاد کا حکم نہیں، کیونکہ دونوں پرامن طریقہ پر مسلمانوں کے ساتھ رہنے کے لئے تیار ہیں، پس مسلمان بھی ان کے ساتھ پرامن رہیں۔

آیتِ کریمہ: وہ لوگ مستثنیٰ ہیں (۱) جو کسی ایسی قوم سے جاملیں ــــ یعنی حلیف ہوجائیں ــــ کہ تمہارے اور ان کے درمیان ناجنگ معاہدہ ہے (۲) یا تمہارے پاس اس حال میں آئیں کہ ان کے سینے تنگ ہو رہے ہوں تمہارے ساتھ لڑنے سے یا اپنی قوم (کفار) کے ساتھ لڑنے سے ــــ یعنی وہ خود صلح کی پیش کش کریں ــــ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو ان کو تم پر مسلط کردیتے پس وہ تم سے جنگ کرتے! ــــ یہ ارشاد بمنزلہ تعلیل ہے یعنی اسی بات کو غنیمت جانو کہ وہ تم سے صلح وآشتی چاہتے ہیں، پس ان کی صلح کی پیش کش کو قبول کرلو، کیونکہ یہ ممکن تھا کہ وہ برسرِ پیکار ہوجاتے: پھر تم کیا کرتے؟ ــــ پس اگر وہ تم سے الگ تھلگ رہیں اور وہ تم سے جنگ نہ کریں اور تم سے صلح کی پیش کش کریں تو اللہ نے تمہارے لئے ان پر کوئی راہ نہیں رکھی ــــ یعنی ان دونوں قسم کے کفار سے لڑنا جائز نہیں۔

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَ يَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ؕ كُلَّمَا رُدُّوْٓا

(۱) حصرت: جملہ حالیہ ہے (۲) أن سے پہلے عن مقدر ہے۔

اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ۚ وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۹۱﴾

ع ۱۲ / ۹

سَتَجِدُوْنَ	عنقریب پاؤ گے تم	اُرْكِسُوْا (۱)	الٹے کیے گئے وہ	فَخُذُوْهُمْ	تو پکڑو ان کو
اٰخَرِيْنَ	دوسروں کو	فِيْهَا	اس میں	وَاقْتُلُوْهُمْ	اور قتل کرو ان کو
يُرِيْدُوْنَ	چاہتے ہیں وہ	فَاِنْ لَّمْ	پس اگر نہ	حَيْثُ	جہاں کہیں
اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ	کہ بےخوف رہیں تم سے	يَعْتَزِلُوْكُمْ	الگ تھلگ رہیں وہ تم سے	ثَقِفْتُمُوْهُمْ (۳)	پاؤ تم ان کو
وَيَاْمَنُوْا	اور بےخوف رہیں	وَيُلْقُوْٓا (۲)	اور (نہ) ڈالیں وہ	وَاُولٰٓئِكُمْ	اور یہ لوگ
قَوْمَهُمْ	اپنی قوم سے	اِلَيْكُمُ	تمہاری طرف	جَعَلْنَا لَكُمْ	بنائی ہم نے تمہارے لئے
كُلَّمَا	جب بھی	السَّلَمَ	صلح	عَلَيْهِمْ	ان پر
رُدُّوْٓا	لوٹائے گئے وہ	وَيَكُفُّوْٓا (۲)	اور (نہ) روکیں وہ	سُلْطٰنًا	حجت
اِلَى الْفِتْنَةِ	فساد کی طرف	اَيْدِيَهُمْ	اپنے ہاتھوں کو	مُّبِيْنًا	کھلی

۳-بدعہدی کرنے والے کفار کے ساتھ معاملہ

کچھ لوگ مسلمانوں سے عہد کر جاتے ہیں کہ وہ نہ تم سے لڑیں گے نہ اپنی قوم سے، تاکہ وہ تم سے اور اپنی قوم سے: دونوں سے امن میں رہیں، پھر وہ اس عہد پر قائم نہیں رہتے، جب اپنی قوم (کفار) کا غلبہ دیکھتے ہیں تو ان کے مددگار بن جاتے ہیں، ایسے لوگوں سے تم بھی درگذر مت کرو، تمہارے ہاتھ تو صریح حجت آگئی کہ انھوں نے اپنا عہد خود توڑ ڈالا۔

اس کی مثال بنو قریظہ کا معاملہ ہے، انھوں نے نبی ﷺ سے عہد کیا تھا کہ اگر دشمن باہر سے حملہ آور ہوگا تو وہ بھی دفاع میں حصہ لیں گے، مگر غزوۂ احزاب میں جب انھوں نے قریش کا پلّہ بھاری دیکھا تو نقضِ عہد کرکے ان کا ساتھ دیا، جس کی ان کو سخت سزا دی گئی۔

آیتِ کریمہ: اب تم کچھ اور لوگوں کو پاؤ گے جو چاہتے ہیں کہ تم سے بھی امن میں رہیں اور اپنی قوم (کفار) سے بھی

---

(۱) اُرکسوا: ماضی مجہول: اِرکاس: سر کے بل اوپر سے نیچے تک بالکل الٹ دینا (۲) یلقوا اور یکفوا: نفی کے تحت ہیں۔
(۳) ثَقِفَ (س) ثَقَفًا: پانا، ادراک کرنا، اصل معنی ہیں: مہارت سے کوئی کام انجام دینا، مثقف: مہذب، سلیقہ مند۔

امن میں رہیں، ان کو جب بھی فساد کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ اس میں اندھا دھند گھس پڑتے ہیں، پس اگر وہ تم سے الگ تھلگ نہ رہیں، اور تمہارے سامنے صلح کی پیش کش نہ کریں، اور وہ اپنے ہاتھ نہ روکیں تو ان کو پکڑو، اور ان کو جہاں بھی پاؤ قتل کرو، یہی لوگ ہیں جن کے خلاف ہم نے تمہارے لئے کھلی دلیل فراہم کردی ہے!

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَأً ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ يَصَّدَّقُوا ۚ فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ ۖ وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ فَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ ۖ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِنَ اللَّهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٩٢﴾

وَمَا كَانَ	اور نہیں ہے	مُسَلَّمَةٌ	پہنچایا ہوا	وَإِنْ كَانَ	اور اگر ہے وہ
لِمُؤْمِنٍ	کسی مسلمان کے لئے	إِلَىٰ أَهْلِهِ	مقتول کے ورثاء کو	مِنْ قَوْمٍ	قوم سے
أَنْ يَقْتُلَ	کہ قتل کرے وہ	إِلَّا أَنْ	مگر یہ کہ	بَيْنَكُمْ	تمہارے درمیان
مُؤْمِنًا	کسی مسلمان کو	يَصَّدَّقُوا	معاف کردیں وہ	وَبَيْنَهُمْ	اور ان کے درمیان
إِلَّا خَطَأً	مگر غلطی سے	فَإِنْ كَانَ	پس اگر ہے وہ	مِيثَاقٌ	عہد و پیمان ہے
وَمَنْ قَتَلَ	اور جس نے قتل کیا	مِنْ قَوْمٍ	قوم سے	فَدِيَةٌ	تو خوں بہا ہے
مُؤْمِنًا	کسی مسلمان کو	عَدُوٍّ لَكُمْ	تمہاری دشمن	مُسَلَّمَةٌ	پہنچایا ہوا
خَطَأً	غلطی سے	وَهُوَ	اور وہ	إِلَىٰ أَهْلِهِ	مقتول کے ورثاء کو
فَتَحْرِيرُ	تو آزاد کرنا ہے	مُؤْمِنٌ	مسلمان ہے	وَتَحْرِيرُ	اور آزاد کرنا ہے
رَقَبَةٍ	ایک گردن	فَتَحْرِيرُ	تو آزاد کرنا ہے	رَقَبَةٍ	ایک گردن
مُؤْمِنَةٍ	مسلمان کی	رَقَبَةٍ	ایک گردن	مُؤْمِنَةٍ	مسلمان کی
وَدِيَةٌ	اور خوں بہا ہے	مُؤْمِنَةٍ	مسلمان کی	فَمَنْ لَمْ	پس جو شخص

يَجِدْ	نہ پائے (بردہ)	مُتَتَابِعَيْنِ	پے بہ پے	وَكَانَ اللهُ	اور ہیں اللہ
فَصِيَامُ	تو روزے ہیں	تَوْبَةً	گناہ بخشوانے کو	عَلِيمًا	بہت جاننے والے
شَهْرَيْنِ	دو ماہ کے	مِّنَ اللهِ	اللہ سے	حَكِيمًا	بڑی حکمت والے

ربط: دور سے جہاد کا بیان چل رہا ہے، جہاد میں کبھی غلطی سے مسلمان کے ہاتھ سے مسلمان مارا جاتا ہے، جنگِ احد میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد یمان رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے ہاتھ سے شہید ہوئے تھے، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ چلاتے رہے! میرے ابا! میرے ابا! مگر کسی نے نہ سنا اور ان کو شہید کر دیا، اس لئے اب قتل خطا کے احکام بیان فرماتے ہیں، مسلمان کو قتل کرنا گناہِ عظیم ہے، مگر انجانے میں مارا جا سکتا ہے، پھر ان کے ذیل میں مجاہدین کی فضیلت، ہجرت کی ضرورت اور سفر اور خوف کی نماز کی کیفیت کا بیان ہے (از فوائد)

قتل کی بنیادی قسمیں تین ہیں

۱۔ قتل عمد: جان لینے کے ارادے سے ایسے آلہ سے قتل کرنا جو آہنی ہو، جیسے تلوار، چھری اور چاقو، یا تفریقِ اعضاء میں آہنی آلہ کی طرح ہو، جیسے دھاردار بانس یا دھاردار پتھر ـــــ قتل عمد کا دنیوی حکم قصاص ہے، اور اس کا ذکر سورۃ البقرۃ (آیت ۱۷۸) میں گذر چکا ہے، اور اخروی حکم اگلی آیت میں آرہا ہے۔

۲۔ قتلِ شبہِ عمد: قتل قصداً تو ہو، مگر ایسے آلہ سے نہ ہو جس سے اعضاء میں تفریق ہو جاتی ہے، جیسے لاٹھی سے مارا، قرآنِ کریم کی اصطلاح میں یہ بھی قتلِ خطا ہے، اور اس کا حکم بھی اس آیت میں ہے۔

۳۔ قتلِ خطا: وہ قتل ہے جس میں مقتول کی جان لینا مقصود نہ ہو، مگر جان چلی جائے، اور اس کی دو صورتیں ہیں:

(الف) سمجھنے میں غلطی ہو جائے، جیسے دور سے جانور سمجھا اور گولی چلادی، قریب آئے تو معلوم ہوا کہ وہ انسان تھا۔

(ب) نشانہ لگانے میں غلطی ہو جائے، جیسے نشانہ لیا نیل گائے کا، اور گولی لگ گئی کسی انسان کو۔

اس آیت میں قتلِ خطا سے مراد غیر عمد ہے، پس شبہِ عمد اور قتل خطا دونوں آیت میں شامل ہیں۔ دونوں میں دیت بھی ہے اور گناہ بھی، مگر دونوں میں تفاوت ہے، شبہِ عمد کی دیت چار قسم کے سو اونٹ ہیں اور قتل خطا کی دیت پانچ قسم کے سو اونٹ ہیں، تفصیل فقہ کی کتابوں میں ہے۔ اور شبہِ عمد میں گناہ قتلِ خطا کے گناہ سے زیادہ ہے، کیونکہ شبہِ عمد میں مار ڈالنے کا ارادہ ہوتا ہے، اور قتل خطا میں صرف بے احتیاطی ہوتی ہے ـــــ اور اگر دیت میں نقد دیا جائے تو دونوں قسموں میں دس ہزار درہم یا ایک ہزار دینار دینے ہونگے ـــــ اور دیت قاتل کا عاقلہ (اہلِ نصرت) تین سال میں ادا کرے گا۔

شبہ عمد اور قتل خطا کے احکام

اس آیت میں شبہ عمد اور قتلِ خطا کے دو حکم مذکور ہیں:

(الف) مسلمان بَردہ (غلام یا باندی) آزاد کرنا، اور وہ میسر نہ ہو تو مسلسل دو ماہ کے روزے رکھنا (اور اس کی استطاعت نہ ہو تو مسلسل توبہ کرتے رہنا ہے) یہ گناہ بخشوانے کے لئے ہے، جو کسی کے معاف کرنے سے معاف نہیں ہوسکتا۔

(ب) مقتول کے ورثاء کو خوں بہا (خون کی قیمت) دینا، یہ ان کا حق ہے، ان کے معاف کرنے سے معاف ہوسکتا ہے، اور دیت کی تین صورتیں ہیں: اس لئے کہ جس مسلمان کو قتل کیا ہے اس کے وارث مسلمان ہونگے یا کافر، اور کافر ہیں تو ان سے مصالحت ہے یا دشمنی؟ — اگر ورثاء مسلمان ہیں یا ان سے مصالحت ہے تو ان کو خون بہا دینا ہوگا — اور اگر کافر دشمن ہیں تو خون بہا لازم نہ ہوگا، البتہ کفارہ سب صورتوں میں ہوگا؛ کیونکہ مقتول مسلمان تھا۔

آیتِ کریمہ: کسی مسلمان سے ہو نہیں سکتا کہ وہ کسی مسلمان کو قتل کرے، مگر غلطی سے (ممکن ہے) اور جو شخص کسی مسلمان کو غلطی سے قتل کرے تو وہ ایک مسلمان بَردہ (غلام یا باندی) آزاد کرے، اور مقتول کے ورثاء کو خون بہا پہنچائے، مگر یہ کہ وہ معاف کردیں — تَصَدُّق کے اصل معنی: صدقہ خیرات کرنے کے ہیں، چونکہ پوری یا کچھ دیت معاف کرنا باعثِ اجر ہے؛ اس لئے اس کو صدقہ سے تعبیر کیا ہے — پھر اگر مقتول تمہاری دشمن قوم کا ہو، اور وہ خود مسلمان ہو تو ایک مسلمان بَردہ کا آزاد کرنا ہے — اس صورت میں دیت نہیں — اور اگر وہ ایسی قوم سے تعلق رکھتا ہو کہ تمہارے اور ان کے درمیان ناجنگ معاہدہ ہو تو مقتول کے ورثاء کو خون بہا پہنچانا ہے، اور ایک مسلمان بَردہ آزاد کرنا ہے پس جو شخص بَردہ نہ پائے وہ مسلسل دو ماہ کے روزے رکھے، یہ اللہ تعالیٰ سے گناہ بخشوانے کے لئے ہے، اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے بڑی حکمت والے ہیں۔

> وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾

وَمَنْ	اور جو شخص	جَهَنَّمُ	دوزخ ہے	عَلَيْهِ	اس پر
يَّقْتُلْ	قتل کرے	خٰلِدًا	پڑا رہے گا	وَلَعَنَهٗ	اور رحمت سے دور کردیا اس کو
مُؤْمِنًا	کسی مسلمان کو	فِيْهَا	اس میں	وَاَعَدَّ لَهٗ	اور تیار کیا اس کے لئے
مُّتَعَمِّدًا	جان کر	وَغَضِبَ	اور غضبناک ہوئے	عَذَابًا	عذاب
فَجَزَآؤُهٗ	تو اس کی سزا	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	عَظِيْمًا	بڑا

قصداً قتلِ مؤمن کی سخت سزا

قصداً قتلِ مؤمن کی سزا بڑی سخت ہے، آیت کریمہ کا لب ولہجہ دیکھیں، اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مؤمن کو قصداً قتل کرنے والے کی بخشش نہیں ہوگی، مگر تمام اہل حق متفق ہیں کہ بجز کفر وشرک کے کوئی امر موجب خلود فی النار نہیں (تھانوی رحمہ اللہ) پس خلود سے مراد مدتِ دراز تک جہنم میں پڑا رہنا ہے، حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ نے ترجمہ کیا ہے: ''پڑا رہے گا اس میں'' پس یہ غایت بیان کئے بغیر سزا کا بیان ہے، اور خلود کے مفہوم میں ہیشگی ہے بھی نہیں، ورنہ اس کے ساتھ جگہ جگہ أبدًا کے اضافہ کی ضرورت نہیں تھی، اور سورۃ ہود میں ﴿ مَا دَامَتْ ﴾ کی قید نہ آتی۔

غایت بیان کئے بغیر سزا: جیسے: جج بڑے مجرم کو سزا دے کہ اسے جیل میں ڈالو اور وہیں پڑا رہنے دو، اور یہ بیان نہ کرے کہ بیس سال کی سزا دی ہے یا عمر قید کی، تو یہ غایت بیان کئے بغیر سزا ہے، پھر کوئی خاص دن آئے، جیسے یومِ جمہوریہ اور کورٹ نے کچھ مجرموں کو آزاد کیا اور ان میں اس مجرم کو بھی شامل کرلیا تو ایسا ممکن ہے۔

ملحوظہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو فرمایا ہے کہ قاتلِ عمد کی بخشش نہیں ہوگی، اس کی تفصیل تحفۃ الالمعی (۳۲۸:۴) میں ہے۔

آیتِ کریمہ: اور جو شخص کسی مسلمان کو قصداً قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے، وہ اس میں پڑا رہے گا، اور اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوئے، اور اس کو اپنی رحمت سے محروم کردیا، اور اس کے لئے اللہ نے بڑا عذاب تیار کیا ہے!

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِذَا ضَرَبْتُمْ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ فَتَبَيَّنُوا۟ وَلَا تَقُولُوا۟ لِمَنْ أَلْقَىٰٓ إِلَيْكُمُ ٱلسَّلَٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا فَعِندَ ٱللَّهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ ۚ كَذَٰلِكَ كُنتُم مِّن قَبْلُ فَمَنَّ ٱللَّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوٓا۟ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿٩٤﴾

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ	اے وہ لوگو جو	ٱللَّهِ	اللہ کے	إِلَيْكُمُ	تمہاری طرف
ءَامَنُوٓا۟	ایمان لائے	فَتَبَيَّنُوا۟ (۱)	تو خوب تحقیق کرلیا کرو	ٱلسَّلَٰمَ	سلام
إِذَا ضَرَبْتُمْ	جب تم سفر کرو	وَلَا تَقُولُوا۟	اور مت کہو	لَسْتَ مُؤْمِنًا	نہیں ہے تو مسلمان
فِى سَبِيلِ	راستے میں	لِمَنْ أَلْقَىٰٓ	اس سے جو ڈالے	تَبْتَغُونَ	چاہتے ہو تم

(۱) تَبَيُّن (باب تفعل): تحقیق کرنا، امر، صیغہ جمع مذکر حاضر۔

عَرَضَ	سامان	كَذٰلِكَ	اسی طرح	فَتَبَيَّنُوْا	پس خوب تحقیق کرلیا کرو
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا	دنیوی زندگی کا	كُنْتُمْ	تھے تم	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
فَعِنْدَ اللّٰهِ	پس اللہ کے پاس ہیں	مِّنْ قَبْلُ	قبل ازیں	كَانَ بِمَا	ہیں ان سے جو
مَغَانِمُ	غنیمتیں	فَمَنَّ اللّٰهُ	پس احسان کیا اللہ نے	تَعْمَلُوْنَ	تم کرتے ہو
كَثِيْرَةٌ	بہت	عَلَيْكُمْ	تم پر	خَبِيْرًا	باخبر

جس کے مسلمان ہونے کا احتمال ہو، اس کو قتل کرنا جائز نہیں

جہاد میں اس کی نوبت آتی ہے کہ ایک شخص خود کو مسلمان ظاہر کرتا ہے، سلام کرتا ہے تو ظاہر حال کا اعتبار کیا جائے، اس کو مسلمان سمجھا جائے، اور قتل نہ کیا جائے، اور آیت کے شانِ نزول کے سلسلہ میں متعدد واقعات مروی ہیں، دو روایتیں درج ذیل ہیں:

حدیث (۱): حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: بنو سُلیم کا ایک آدمی صحابہ کی ایک جماعت کے پاس سے گذرا، درانحالیکہ اس کے ساتھ اس کی بکریاں تھیں، پس اس نے صحابہ کو سلام کیا، صحابہ نے کہا: اس شخص نے تمہیں سلام نہیں کیا مگر تاکہ پناہ حاصل کرے وہ تم سے، یعنی تلوار سے بچنے کے لئے سلام کیا ہے، پس وہ اٹھے اور اس کو قتل کر دیا، اور اس کی بکریاں لے لیں، پس وہ ان بکریوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے تو یہ آیت پاک نازل ہوئی۔

حدیث (۲): مسلم شریف (حدیث ۹۶) میں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے، انھوں نے ایک شخص کو لا إله إلا الله کہنے کے بعد قتل کر دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم نے اس کو کلمہ پڑھنے کے باوجود قتل کر دیا؟'' حضرت اسامہؓ نے عرض کیا: اس نے تلوار کے خوف سے کلمہ پڑھا تھا، آپؐ نے فرمایا: أَفَلاَ شَقَقْتَ عن قلبه حتى تَعْلَمَ أَقَالَهَا أم لا؟: پس کیا تم نے اس کا دل نہیں چیرا کہ تم جانتے کہ اس نے دل سے کلمہ پڑھا ہے یا نہیں؟

تشریح: آیتِ پاک سے اور اس کے شانِ نزول کی دونوں روایتوں سے یہ بات ثابت ہوئی کہ ایمان کے معاملہ میں انتہائی احتیاط چاہئے، اور ظاہر پر عمل کرنا چاہئے؛ کیونکہ قلبی کیفیت کا کوئی ادراک نہیں کر سکتا، پس اگر ایمان کی کوئی قولی یا فعلی علامت پائی جائے تو اس کا اعتبار کر کے اس پر اسلام کے احکام جاری کرنے چاہئیں، کفر والا معاملہ اس کے ساتھ نہیں کرنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: تمہارا حال بھی پہلے ایسا ہی تھا، تم بھی دار الکفر میں رہتے تھے، تمہاری کوئی شناخت نہیں تھی، نہ لباس میں نہ تراش خراش میں، اس وقت تم قول ہی سے اپنے اسلام کا اظہار کرتے تھے، پھر اللہ نے تم پر احسان کیا، تم

دارالاسلام میں پہنچ گئے، تمہاری وضع قطع اور لباس پوشاک مسلمانوں جیسا ہو گیا، اور تم قول کے علاوہ حلیہ سے بھی پہچانے جانے لگے، مگر جو مسلمان کافروں کے درمیان بود و باش رکھتے ہیں ان کی کوئی الگ پہچان نہیں ہے، پس بلا تحقیق ان کو قتل مت کرو، احتیاط سے کام لو، اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ جیسے تمہارے ظاہری اعمال سے واقف ہیں، دلوں کے احوال سے بھی واقف ہیں، اگر کوئی تمہیں سلام کر کے دھوکہ دے اور جان و مال بچالے تو وہ اللہ کو معلوم ہے، وہ اس کو دیکھ لیں گے، تم اس کے ظاہر کا اعتبار کرو اور اس کو قتل مت کرو۔

آیتِ کریمہ: اے ایمان والو! جب تم راہِ خدا میں (یعنی جہاد کے لئے) سفر کرو تو خوب تحقیق کر لیا کرو، اور ایسے شخص سے جو تمہیں سلام کرے یہ مت کہو کہ تو مسلمان نہیں! تم دنیوی زندگی کا سامان چاہتے ہو —— یعنی مالِ غنیمت کے لئے اس کو قتل کرنا چاہتے ہو —— سو (جان لو کہ) اللہ کے پاس بہت غنیمتیں ہیں —— وہ تمہیں کسی اور جگہ سے مالا مال کر دیں گے —— تم بھی تو قبل ازیں ایسے ہی تھے، پھر اللہ نے تم پر احسان کیا، لہٰذا (قتل کرنے سے پہلے) خوب تحقیق کر لیا کرو، بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھنے والے ہیں —— وہ دیکھ رہیں کہ تم نے تحقیق کر کے قتل کیا یا بغیر تحقیق کے!

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۭ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۹۵﴾ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۹۶﴾

۱۳ ع ۵ ۱۰

لَا يَسْتَوِي	یکساں نہیں	اُولِي الضَّرَرِ	عذر والے	بِاَمْوَالِهِمْ	اپنے مالوں سے
الْقٰعِدُوْنَ	بیٹھ رہنے والے	وَالْمُجٰهِدُوْنَ	اور لڑنے والے	وَاَنْفُسِهِمْ	اور اپنی جانوں سے
مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ	مسلمان	فِيْ سَبِيْلِ	راستے میں	فَضَّلَ اللّٰهُ	بڑھایا اللہ نے
غَيْرُ(۱)	نہیں	اللّٰهِ	اللہ کے	الْمُجٰهِدِيْنَ	لڑنے والوں کا

(۱) غیر: القاعدون کی دوسری صفت ہے۔

بِاَمۡوَالِهِمۡ	اپنے مالوں سے	الۡحُسۡنٰى	بھلائی کا	مِّنۡهُ	اللہ کی طرف سے
وَ اَنۡفُسِهِمۡ	اور اپنی جانوں سے	وَفَضَّلَ اللّٰهُ	اور بڑھایا اللہ نے	وَمَغۡفِرَةً	اور بخشش
عَلَى الۡقٰعِدِيۡنَ	بیٹھنے والوں پر	الۡمُجٰهِدِيۡنَ	لڑنے والوں کو	وَّرَحۡمَةً	اور مہربانی
دَرَجَةً (۱)	ایک درجہ	عَلَى الۡقٰعِدِيۡنَ	بیٹھنے والوں پر	وَكَانَ اللّٰهُ	اور ہیں اللہ تعالیٰ
وَكُلًّا (۲)	اور سبھی سے	اَجۡرًا عَظِيۡمًا	بڑے اجر میں	غَفُوۡرًا	بڑے بخشنے والے
وَّعَدَ اللّٰهُ	وعدہ کیا ہے اللہ نے	دَرَجٰتٍ (۳)	یعنی درجات	رَّحِيۡمًا	بڑے مہربان

مجاہدین کی فضیلت اور جہاد کی ترغیب

ربط: اس سے پہلی آیت میں کسی مسلمان کو غلطی سے قتل کرنے پر تنبیہ فرمائی تھی، اس لئے احتمال تھا کہ کوئی جہاد کرنے سے رک جائے، کیونکہ مجاہدین کو ایسی صورت پیش آہی جاتی ہے، اس لئے مجاہدین کی فضیلت بیان فرما کر جہاد کی رغبت دلائی گئی (فوائد)

فرماتے ہیں: جو غیر معذور لوگ جہاد سے پیچھے رہتے ہیں وہ مرتبہ میں ان لوگوں کے برابر نہیں جو اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کے راستہ میں جہاد کرتے ہیں —— یہ بالا جمال تفاوتِ درجات کا بیان ہے۔

پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرنے والوں کو: جہاد نہ کرنے والوں پر ایک بڑے درجہ میں برتری بخشی ہے —— یہ نفس جہاد کے اعتبار سے تفاوتِ درجات کا بیان ہے۔

پھر فرمایا: فریقین میں سے ہر ایک سے اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے، کیونکہ دخول جنت کے لئے جہاد شرط نہیں، بخاری شریف کی روایت ہے: نبی ﷺ نے فرمایا: جو شخص اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لایا، اور نماز کا اہتمام کیا، اور رمضان کے روزے رکھے (اور مال کی زکوٰۃ ادا کی اور حج فرض ہوا تو حج کیا اور کبیرہ گناہوں سے بچارہا تو) اللہ تعالیٰ پر لازم ہے کہ اس کو جنت میں داخل کریں، اس نے اللہ کے راستہ میں جہاد کیا ہو، یا اپنی اس سرزمین میں بیٹھا رہا ہو جس میں وہ جنا گیا ہے" صحابہ نے عرض کیا: کیا ہم لوگوں کو یہ خوشخبری سنادیں؟ آپؐ نے فرمایا: (نہیں کیونکہ) "جنت میں سو درجے ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے راہِ خدا میں جہاد کرنے والوں کے لئے تیار کئے ہیں، ہر دو درجوں کے درمیان آسمان وزمین کا تفاوت ہے، پس جب تم اللہ سے مانگو تو فردوس (بہشت بریں) مانگو، کیونکہ وہ جنت کا بہترین اور اعلیٰ ترین درجہ ہے، اور اس سے اوپر رحمٰن کا عرش ہے، اور فردوس سے جنت کی نہریں نکلتی ہیں" (مشکوٰۃ حدیث ۳۷۸۷) اس حدیث میں

(۱) درجة: فَضَّل کا مفعول مطلق ہے (۲) کلا: وعد کا مفعول مقدم ہے (۳) درجات: أجراً عظيماً سے بدلِ کل ہے۔

نبی ﷺ نے جو بات ارشاد فرمائی ہے وہ اسی آیت سے مستفاد ہے۔

پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے والوں کو بغیر عذر کے بیٹھے رہنے والوں پر بڑے اجر میں برتری بخشی ہے، اس اجر عظیم کی تفصیل سورۃ التوبہ (آیات ۱۲۰ و ۱۲۱) میں ہے، پھر اجر عظیم سے بدل لائے ہیں کہ وہ اجر عظیم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والے بہت سے مراتب ہیں، ساتھ ہی بخشش اور مہربانی بھی ہے۔

﴿غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ﴾ کو بعد میں کیوں نازل کیا؟

جب یہ آیت پاک نازل ہوئی تھی تو ﴿غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ﴾ نازل نہیں کیا گیا تھا، آیت اس طرح نازل کی گئی تھی: ﴿لَا یَسْتَوِی الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُجٰهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ﴾ اور نزول کے ساتھ ہی یہ آیت لکھوا بھی لی گئی تھی، پھر جب آپ ؐ نے مجمع میں یہ آیت پڑھ کر سنائی تو حضرت ابن ام مکتوم ؓ نے کھڑے ہو کر اپنا عذر بیان کیا، تو آپ ؐ پر آثار وحی طاری ہوئے، اور ﴿غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ﴾ نازل ہوا، چنانچہ شانے کی ہڈی یا تختی منگوا کر آیتِ کریمہ میں اس کا اضافہ کیا۔

اور ایسا اس لئے کیا گیا کہ احکام کی آیتیں اسی طرح نازل کی جاتی تھیں، پہلے معاشرہ میں واقعہ رونما ہوتا تھا، پھر جب لوگوں کے ذہنوں میں حکم شرعی کی طلب پیدا ہوتی تھی تو متعلقہ آیتیں نازل کی جاتی تھیں، جن کو سنتے ہی صحابہ مطلب سمجھ جاتے تھے، ان کو سمجھانا نہیں پڑتا تھا۔ جیسے ہدایہ آخرین کا ایک مسئلہ استاذ سمجھاتے سمجھاتے تھک جاتا ہے، پھر بھی آدھے طلبہ نہیں سمجھتے، اور یہی واقعہ ایک گاؤں میں رونما ہوتا ہے، گاؤں والے امام صاحب سے صورت واقعہ لکھوا کر دار الافتاء کو بھیجتے ہیں، مفتی صاحب چند سطروں میں جواب دیتے ہیں، جب جواب گاؤں میں پہنچتا ہے، اور امام صاحب گاؤں والوں کو جمع کر کے فتوی سناتے ہیں تو سب اس مسئلہ کو کماحقہ سمجھ جاتے ہیں، کیونکہ صورتِ واقعہ پہلے سے ان کے سامنے ہوتی ہے، اسی طرح آیات احکام کے نزول میں اس کا لحاظ رکھا جاتا تھا کہ پہلے واقعہ رونما ہو پھر متعلقہ آیتیں نازل کی جائیں، اس آیت میں بھی اگر ﴿غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ﴾ پہلے نازل کر دیا جاتا تو شاید سب لوگ اس کا مصداق نہ سمجھ سکتے، اس لئے اتنا حصہ روک لیا گیا، پھر جب ابن ام مکتوم ؓ نے سوال کیا اور اس کے جواب میں یہ ٹکڑا نازل ہوا تو سب لوگ سمجھ گئے کہ معذور ایسے ہوتے ہیں، جن کا آیت میں استثناء کیا گیا ہے۔

معذور لوگ مجاہدین کے ساتھ ملحق ہیں:

معذور مؤمنین جیسے: اندھے، لولے، لنجے، مجاہدین کے ساتھ ملحق ہیں، تبوک سے واپسی پر نبی ﷺ نے فرمایا: ’’مدینہ میں کچھ لوگ ہیں کہ نہیں چلے تم کوئی چال اور نہیں طے کیا تم نے کوئی میدان مگر وہ تمہارے ساتھ تھے، کیونکہ ان کو

عذر نے روک رکھا ہے'' اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ معذور مؤمنین، مجاہدین کے ساتھ ملحق ہیں، البتہ ان کو مجاہدین کا اصلی ثواب ملے گا، فضلی (انعامی) ثواب نہیں ملے گا، وہ مجاہدین کے لئے خاص ہے۔

ان آیات کے ذیل میں دو سوال ہیں:

پہلا سوال: پہلی آیت میں تین مرتبہ قاعدین کا ذکر آیا ہے، اور پہلی جگہ غیر أولی الضرر کی قید آئی ہے، مگر دوسری دو جگہوں میں یہ قید نہیں آئی، پس کیا وہاں بھی یہ قید ملحوظ ہے؟

دوسرا سوال: پہلی آیت میں درجة (مفرد) آیا ہے، اور دوسری آیت میں درجات (جمع) آیا ہے، ان میں کیا فرق ہے؟ یعنی درجة سے کیا مراد ہے اور درجات سے کیا مراد ہے؟

جواب: غیر أولی الضرر کی قید آگے بھی دونوں جگہ ملحوظ ہے، اور درجة سے نفس جہاد کے اعتبار سے درجہ کا تفاوت مراد ہے، اور درجات سے: جہاد کے علاوہ دیگر اعمال کی وجہ سے درجات کا تفاوت مراد ہے۔

آیتِ کریمہ: یکساں نہیں غیر معذور بیٹھ رہنے والے مسلمان اور اللہ کے راستہ میں جان ومال سے لڑنے والے مسلمان، اللہ نے جان ومال سے لڑنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر بڑے درجہ میں برتری بخشی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے سبھوں سے بھلائی کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے لڑنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر اجر عظیم میں برتری بخشی ہے، یعنی اللہ کی طرف سے ملنے والے درجات اور مغفرت اور رحمت! اور اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بڑے مہربان ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيٓ أَنفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنتُمْ ۖ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ ۚ قَالُوٓا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا ۚ فَأُولٰٓئِكَ مَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَسَآءَتْ مَصِيرًا ﴿٩٧﴾ إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ﴿٩٨﴾ فَأُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ أَن يَعْفُوَ عَنْهُمْ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُورًا ﴿٩٩﴾ وَمَن يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرَاغَمًا كَثِيرًا وَسَعَةً ۚ وَمَن يَخْرُجْ مِن بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١٠٠﴾

ع ۱۴

إِنَّ الَّذِينَ	بے شک جو لوگ	جَهَنَّمُ	دوزخ ہے	فِي سَبِيلِ	راستے میں
تَوَفّٰهُمُ	جان نکالتے ہیں ان کی	وَسَآءَتْ	اور بری ہے وہ	اللّٰهِ	اللہ کی
الْمَلٰٓئِكَةُ	فرشتے	مَصِيرًا	لوٹنے کی جگہ	يَجِدْ	پائے گا وہ
ظَالِمِيٓ (۱)	درانحالیکہ وہ ظلم کرنے	إِلَّا	مگر	فِي الْأَرْضِ	زمین میں
	والے ہیں	الْمُسْتَضْعَفِينَ	بے بس (کمزور)	مُرٰغَمًا (۲)	ہجرت کی جگہ
أَنْفُسِهِمْ	اپنی ذاتوں پر	مِنَ الرِّجَالِ	مردوں سے	كَثِيرًا	بہت
قَالُوا	کہا فرشتوں نے	وَالنِّسَآءِ	اور عورتوں سے	وَّسَعَةً	اور کشادگی
فِيمَ كُنْتُمْ	کس حال میں تھے تم؟	وَالْوِلْدَانِ	اور بچوں سے	وَمَنْ يَّخْرُجْ	اور جو شخص نکلے
قَالُوا	کہا انھوں نے	لَا يَسْتَطِيعُونَ	نہیں طاقت رکھتے وہ	مِنْ بَيْتِهٖ	اپنے گھر سے
كُنَّا	تھے ہم	حِيلَةً	کسی تدبیر کی	مُهَاجِرًا	وطن چھوڑتے ہوئے
مُسْتَضْعَفِينَ	بے بس (کمزور)	وَّلَا يَهْتَدُونَ	اور نہیں جانتے وہ	إِلَى اللّٰهِ	اللہ کی طرف
فِي الْأَرْضِ	زمین میں	سَبِيلًا	کوئی راہ	وَرَسُولِهٖ	اور اس کے رسول کی طرف
قَالُوٓا	کہا فرشتوں نے	فَأُولٰٓئِكَ	پس یہ لوگ	ثُمَّ يُدْرِكْهُ	پھر آ پکڑے اس کو
أَلَمْ تَكُنْ	کیا نہیں تھی	عَسَى اللّٰهُ	ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ	الْمَوْتُ	موت
أَرْضُ اللّٰهِ	اللہ کی زمین	أَنْ يَّعْفُوَ	کہ درگذر کریں	فَقَدْ وَقَعَ	تو بالیقین ثابت ہوگیا
وَاسِعَةً	کشادہ	عَنْهُمْ	ان سے	أَجْرُهٗ	اس کا بدلہ
فَتُهَاجِرُوا	پس ہجرت کرتے تم	وَكَانَ اللّٰهُ	اور ہیں اللہ تعالیٰ	عَلَى اللّٰهِ	اللہ پر
فِيهَا	اس میں	عَفُوًّا	بڑے درگذر کرنے والے	وَكَانَ اللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ ہیں
فَأُولٰٓئِكَ	پس یہ لوگ	غَفُورًا	بڑے معاف کرنے والے	غَفُورًا	بڑے بخشنے والے
مَأْوٰىهُمْ	ان کا ٹھکانہ	وَمَنْ يُّهَاجِرْ	اور جو ہجرت کرے	رَّحِيمًا	بڑے مہربان

(۱) ظالمي: توفاهم کی ضمیر مفعول سے حال ہے، اور اِنّ کی خبر محذوف ہے، أی هلكوا، اور اسم فاعل کا نونِ جمع اضافت کی وجہ سے گرا ہے، اور اضافت: مفعول بہ کی طرف ہے (۲) مُراغم: باب مفاعلہ کے وزن پر ظرفِ مکان ہے: بھاگنے کی جگہ، ہجرت کا مقام رغم (ف،س): مٹی سے لگ جانا، اور ذلیل ہونا، رَغِمَ أنفه: ذلیل ہوا۔

ربط: دورِ اول میں جہاد، ہجرت پر موقوف تھا، لوگ وطن چھوڑ کر مدینہ آئیں گے جبھی جہاد شروع ہوگا، اس لئے اب ہجرت کی فرضیت اور متعلقہ مسائل کا بیان ہے۔

جس ملک میں مسلمان آزادی سے دین پر عمل نہ کرسکیں، وہاں سے ہجرت فرض ہے

مکی دور میں صحابہ نے دو مرتبہ حبشہ کی طرف ہجرت کی، پھر اللہ تعالیٰ نے مدینہ کا راستہ کھول دیا، پس سب مسلمان ہجرت کر کے مدینہ آگئے، اور جہاد شروع ہوگیا، مگر کچھ لوگ مکہ ہی میں رہے، انھوں نے ہجرت نہیں کی، جبکہ وہ ہجرت کرسکتے تھے، بلکہ جنگِ بدر میں وہ کفار کے لشکر میں نکلے، اور ان کی نفری بڑھائی، پھر وہ لوگ میدانِ بدر میں لقمۂ اجل بنے، ان کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ، قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ، قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا، فَاُولٰٓىِٕكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ، وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ﴿٩٧﴾﴾

ترجمہ: بے شک جن لوگوں کی فرشتے روح قبض کرتے ہیں اس حال میں کہ انھوں نے اپنے اوپر ظلم کر رکھا ہے ـــــ یعنی ہجرت نہیں کی، بلکہ کفار کے ساتھ بدر میں آئے اور مارے گئے ـــــ ان سے فرشتے پوچھتے ہیں: تمہارے احوال کیا تھے؟ ـــــ یعنی تم نے ہجرت کیوں نہیں کی؟ ـــــ وہ کہتے ہیں: ہم سرزمین (مکہ) میں بے بس تھے! فرشتے کہتے ہیں: کیا اللہ کی زمین کشادہ نہیں تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے؟ ـــــ یقیناً تھی، مگر وطن کی محبت نے ان کو ہجرت نہ کرنے دی ـــــ ایسوں کا ٹھکانہ جہنم ہے، اور وہ لوٹنے کی بری جگہ ہے۔

ضعیف مرد، عورتیں اور بچے قابلِ معافی ہیں

ابتدائے اسلام میں ہجرت فرض تھی، لیکن حالتِ عذر میں اس کی فرضیت ساقط تھی، کمزور مرد، عورتیں اور بچے مستثنیٰ تھے، جیسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ان کی والدہ انھوں نے ہجرت نہیں کی تھی، اللہ نے ان سے درگذر کیا۔

﴿اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاۗءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ﴿٩٨﴾ فَاُولٰٓىِٕكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ، وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿٩٩﴾﴾

ترجمہ: البتہ مستثنیٰ ہیں کمزور مرد، عورتیں اور بچے جو نہ کوئی تدبیر کرسکتے ہیں نہ کوئی راستہ پاتے ہیں، پس امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف کریں گے، اور اللہ تعالیٰ بہت معاف کرنے والے بڑے بخشنے والے ہیں۔

ہجرت کرنے میں اس بات سے مت ڈرو کہ کہاں رہیں گے؟ اور کیا کھائیں گے؟

وطن چھوڑنا آسان نہیں، یہ خیال جان کھاتا ہے کہ کہاں جائیں گے؟ کہاں رہیں گے؟ کیا کھائیں گے؟ اس لئے فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ کے واسطے ہجرت کرے گا اور اپنا وطن چھوڑ دے گا، اس کو زمین میں رہنے کی بہت جگہ ملے گی اور اس کی روزی میں فراخی ہوگی؛ لہٰذا یہ وساوس دل سے نکال دو، اور نکل کھڑے ہو!

﴿ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ۭ ﴾

ترجمہ: اور جو اللہ کے راستے میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں رہنے کی بہت جگہ اور گنجائش پائے گا۔

ایک انجانا خطرہ کہ اگر راستہ میں موت آگئی تو کیا ہوگا؟

فرماتے ہیں: اس صورت میں بھی ہجرت کا پورا ثواب ملے گا، اور موت تو وقتِ مقررہ پر آنی ہے، اس سے کیوں ڈرتے ہو!

﴿ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَي اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ ﴾

ترجمہ: اور جو شخص اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کے ارادہ سے نکلا، پھر اسے موت نے آپکڑا تو اس کا ثواب اللہ کے ذمے ثابت ہو چکا، اور اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بڑے مہربان ہیں!

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ڰ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ۝

وَاِذَا	اور جب	اَنْ تَقْصُرُوْا	(اس بات میں) کہ کم	الَّذِيْنَ	وہ لوگ جنھوں نے
ضَرَبْتُمْ	تم سفر کرو		کرو تم	كَفَرُوْا	اسلام کا انکار کیا
فِي الْاَرْضِ	زمین میں	مِنَ الصَّلٰوةِ	نماز سے	اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ	بیشک منکرینِ اسلام
فَلَيْسَ	تو نہیں ہے	اِنْ خِفْتُمْ	اگر ڈرو تم	كَانُوْا	ہیں وہ
عَلَيْكُمْ	تم پر	اَنْ يَّفْتِنَكُمُ	(اس سے) کہ فتنہ میں	لَكُمْ	تمہارے
جُنَاحٌ	کچھ گناہ		ڈالیں گے تم کو	عَدُوًّا مُّبِيْنًا	کھلے دشمن

ربط: اس آیت کا تعلق صلاۃِ خوف سے ہے، آیت کے آخر میں اس کی صراحت ہے، جہاد میں کبھی میدانِ کارزار میں

نماز پڑھنی پڑتی ہے، دشمن سامنے ہوتا ہے، اور اندیشہ ہوتا ہے کہ وہ نماز کے دوران حملہ کردے گا، اس لئے شریعت نے دو سہولتیں دیں: ایک: رباعی نماز کی رکعتوں میں آخر سے کچھ کمی کردی جائے، اس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ دوسری: نماز کی ہیئتِ کذائی میں تخفیف کردی کہ نماز بھی پڑھی جائے اور حفاظتِ خودی کا خیال بھی رکھا جائے، اس کا بیان اگلی آیت میں ہے۔ پھر اس آیت کو خوف کی نماز سے نکال دیا، خوف کے بغیر بھی قصر کا حکم باقی رہا، البتہ آئندہ آیت کا حکم خوف کے ساتھ خاص ہے، پس یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ یہ آیت بھی صلاۃِ خوف کی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے باب صلاۃ الخوف میں دونوں آیتیں لکھی ہیں۔

سفر شرعی میں قصر واجب ہے، دشمن کا خوف ہو یا نہ ہو

سفر شرعی میں قصر یعنی رباعی نمازیں دو رکعت پڑھنا بالاتفاق جائز ہے۔ پھر اتمام کے جائز ہونے نہ ہونے میں اختلاف ہے۔ یعنی سفر میں رباعی نماز پوری پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے: حنفیہ کے نزدیک قصر واجب ہے، اور قصر: قصر اسقاط ہے، پس پوری نماز پڑھنا جائز نہیں، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قصر: قصر ترفیہ ہے، پس اتمام بھی جائز ہے۔ پھر ان کے درمیان اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قصر اور اتمام یکساں ہیں، کوئی اولیٰ یا غیر اولیٰ نہیں اور امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ فرماتے ہیں: قصر افضل ہے اور اتمام جائز ہے۔ غرض بنیادی نقطۂ نظر دو ہیں: حنفیہ کے نزدیک قصر واجب ہے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قصر و اتمام دونوں جائز ہیں، کوئی واجب نہیں۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: سورۃ النساء کی یہ آیت ہے، ارشاد پاک ہے: ﴿وَاِذَا ضَرَبۡتُمۡ فِي الۡاَرۡضِ فَلَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَقۡصُرُوۡا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنۡ خِفۡتُمۡ اَنۡ يَّفۡتِنَكُمُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا﴾ یعنی جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم (رباعی) نماز سے کم کرو اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ کفار تمہیں پریشانی میں ڈالیں گے۔ ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں: لاجناح: اباحت کی تعبیر ہے، اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ قصر کرنا جائز ہے واجب نہیں۔ پس اس کا مقابل اتمام بھی جائز ہے۔

اور دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت عثمان اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما سفر میں اتمام کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہر جگہ پوری نماز پڑھتی تھیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے خلافت کے آخری سالوں میں حج کے موقع پر مکہ میں پوری نماز پڑھانی شروع کی۔ اگر اتمام جائز نہ ہوتا تو یہ حضرات سفر میں پوری نماز کیسے پڑھتے؟

اور حنفیہ کا استدلال: یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اور خلفائے راشدین نے مواظبتِ تامہ کے ساتھ سفر میں رباعی نماز قصر پڑھی ہے۔ ایک واقعہ بھی ایسا نہیں کہ آنحضور ﷺ نے اپنی پوری زندگی میں سفر میں رباعی نماز پوری پڑھی ہو،

بلکہ حضور اکرم ﷺ کے بعد سو سال تک صحابہ کا زمانہ ہے، اور ایک لاکھ سے زیادہ صحابہ تھے، کسی صحابی کے بارے میں یہ مروی نہیں کہ انھوں نے سفر میں اتمام کیا ہو، اور حضرت عثمان اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما جو اتمام کرتے تھے تو وہ اپنے عمل کی تاویل کرتے تھے۔ تاویل کے بغیر کسی صحابی نے سفر میں اتمام نہیں کیا۔ پس نبی ﷺ کا مواظبت تامہ کے ساتھ قصر کرنا وجوب کی دلیل ہے۔ اور اتمام کے جواز کے سلسلہ میں کوئی روایت نہیں، نہ کسی صحابی کا تاویل کے بغیر اتمام کرنا مروی ہے پس قصر واجب ہے اور اتمام جائز نہیں۔

اور آیت کریمہ کی جو تفسیر ائمہ ثلاثہ نے کی ہے کہ لیس علیکم جناح: اباحت کی تعبیر ہے اس کا جواب بخاری (حدیث ۱۶۴۳) میں ہے، حضرت عروۃ نے (جو مدینہ کے فقہاء سبعہ میں سے ہیں اور حضرت عائشہؓ کے بھانجے ہیں) اپنی خالہ سے دریافت کیا کہ سورۃ البقرۃ (آیت ۱۵۸) میں ارشاد پاک ہے: ﴿ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا ﴾ یعنی جو شخص حج یا عمرہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرے (یہ بعینہٖ وہی تعبیر ہے، جو یہاں سورۃ النساء کی آیت میں ہے) حضرت عروۃ نے کہا: اس سے تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ حج اور عمرہ میں سعی واجب نہیں۔ حالانکہ سعی حنفیہ کے نزدیک واجب ہے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک فرض ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: آپ آیت کا صحیح مطلب نہیں سمجھے، اگر سعی صرف جائز ہوتی تو تعبیر یہ ہوتی: فلا جناح علیه أن لا یطوف بهما: یعنی حج اور عمرہ کرنے والے پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی نہ کرے۔ حضرت عروۃ اہل لسان تھے، بات ان کی سمجھ میں آگئی، مگر یہ سوال باقی رہا کہ آخر یہ تعبیر کیوں ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: انصار زمانۂ جاہلیت میں جب حج یا عمرہ کرتے تھے تو صفا و مروہ کے درمیان سعی نہیں کرتے تھے، کیونکہ ان دو پہاڑیوں پر دو بت رکھے ہوئے تھے۔ وہ ان کو خدا نہیں مانتے تھے پھر جب اسلام کا زمانہ آیا اور بت وہاں سے ہٹا دیئے گئے تو بھی انصار کو قدیم نظریہ کے مطابق سعی کرنے میں حرج محسوس ہوا، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور ان کو سمجھایا کہ صفا مروہ کے درمیان سعی ان بتوں کی وجہ سے نہیں کی جاتی ہے بلکہ اس کا پس منظر کچھ اور ہے۔ لہٰذا بے تکلف سعی کرو اور دل میں کوئی حرج محسوس نہ کرو، اس لئے لاجناح کی تعبیر اختیار کی گئی ہے۔ غرض یہ اباحت کی تعبیر نہیں ہے بلکہ انصار کے دلوں سے بوجھ ہٹانے کے لئے یہ تعبیر اختیار کی گئی ہے۔ یہی بات یہاں بھی ہے ﴿ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلٰوةِ ﴾ اباحت کی تعبیر نہیں ہے۔ اگر اتمام جائز ہوتا تو تعبیر یہ ہوتی: فلیس علیکم جناح أن أتموا صلاتکم یعنی تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم نماز پوری پڑھو۔ اگر یہ تعبیر ہوتی تو اس کا مقابل قصر جائز ہوتا، رہی یہ بات کہ آخر یہ تعبیر کیوں ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو بندے حضر میں ہمیشہ ظہر، عصر اور عشاء کی چار چار رکعتیں پڑھتے ہیں

جب سفر میں ان سے دو رکعتیں پڑھنے کے لئے کہا جائے گا تو ان کے دل پر بوجھ پڑے گا۔ اس وجہ سے یہ تعبیر اختیار کی ہے کہ سفر میں دو رکعتیں پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور جو دو صحابہ سفر میں اتمام کرتے تھے ان سے سوالات ہوئے ہیں۔ اگر سفر میں قصر واجب نہ ہوتا تو لوگ کیوں اعتراض کرتے؟ اور ان کو اپنے عمل کی وجہ کیوں بیان کرنی پڑتی؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تو اپنے عمل کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ ان کے حق میں سفر متحقق ہی نہیں ہوتا کیونکہ وہ تمام مسلمانوں کی ماں ہیں پس دنیا میں جہاں بھی رہیں وہ اپنے بیٹوں کے گھر ہیں اور ماں اپنے بیٹوں کے گھر مسافر نہیں ہوتی۔ یہ تاویل صحیح ہے یا نہیں؟ اس سے بحث نہیں۔ سمجھنے کی بات صرف اتنی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے عمل کی تاویل کی ہے۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت کے شروع میں چھ یا آٹھ سال تک جب حج کرانے کے لئے مکہ تشریف لاتے تو نماز قصر پڑھاتے تھے، پھر حضرت کا عمل بدل گیا اور مکہ میں اور منی میں چار رکعتیں پڑھانی شروع کیں تو لوگوں نے سوال کیا۔ آپؓ نے جواب دیا: میں نے مکہ کے قریب ایک گاؤں میں شادی کی ہے، میں پہلے مدینہ سے سیدھا اس گاؤں میں آتا ہوں، پھر ایک ماہ کے بعد وہاں سے مکہ آتا ہوں اس لئے مسافر نہیں ہوتا۔ غرض یہ دونوں اکابر اپنے عمل کی تاویل کرتے تھے، تاویل کے بغیر کسی صحابی نے سفر میں اتمام نہیں کیا (حضرت عثمان اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کی تاویلات متفق علیہ روایت میں ہیں (مشکوۃ حدیث ۱۳۴۸) اور تفصیل شرح معانی الآثار (۱:۲۷۷) میں ہے)

علاوہ ازیں: مسلم شریف میں حدیث ہے کہ یعلی بن امیہؓ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء (آیت ۱۰۱) میں قصر کی اجازت اس شرط کے ساتھ دی ہے کہ کافروں کے پریشان کرنے کا اندیشہ ہو، اور اب اسلام کا جھنڈا لہرا رہا ہے، ہر طرف امن وامان ہے، جزیرۃ العرب میں کوئی کافر قبیلہ نہیں رہا، اب قصر کیوں ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے بھی یہ خیال آیا تھا اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات دریافت کی تھی تو آپؐ نے فرمایا: ''یہ ایک خیرات ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں دی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی خیرات کو قبول کرو'' (مشکوۃ حدیث ۱۳۳۵) یعنی إن خفتم کی قید اولاً چاہے احترازی رہی ہو مگر بعد میں یہ قید احترازی نہیں رہی، اتفاقی ہوگئی، لہٰذا کافروں کے اندیشہ کے بغیر بھی قصر واجب ہے، کیونکہ یہ اللہ کا صدقہ ہے، اور سخی کی خیرات قبول کرنا ہی زیبا ہے۔ اب اگر کوئی نماز پوری پڑھتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی خیرات کو رد کرتا ہے جو کسی طرح زیبا نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک یہ قصر: قصر اسقاط ہے یعنی سفر میں اللہ تعالیٰ نے رباعی نمازوں میں سے دو رکعتیں کم کردی ہیں پس سفر میں رباعی نماز پوری پڑھنا فجر کی نماز چار رکعتیں پڑھنے کی طرح ہے۔ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ قصر: قصر ترفیہ (ترخیص) ہے۔ یعنی شریعت نے مسافر کو سہولت دی ہے کہ وہ چاہے تو قصر کرے اور چاہے تو نماز پوری

پڑھے۔ واللہ اعلم

فائدہ: قصر صرف رباعی نماز میں ہے، مغرب اور فجر میں قصر نہیں، رباعی نماز کی آخری دو رکعتیں خالی ہیں، اس لئے وہ کم کردی گئی ہیں اور مغرب وتر النہار ہے، اس کی شروع ہی سے تین رکعتیں فرض ہوئی ہیں، پس اگر اس میں سے ایک رکعت کم کردی جائے گی تو اس میں وتریت کی شان باقی نہیں رہے گی، اور قصر کے لئے نماز آدھی کرنا ضروری نہیں، ایک رکعت کم کی جائے تو بھی قصر ہے، جیسے احرام کھولنے کے لئے عورت قصر کراتی ہے یعنی چوٹی سے بقدر انملہ کاٹتی ہے۔ اور فجر میں قصر اس لئے نہیں کہ ایک رکعت صلاتِ بتیرا (دُم کٹی نماز) ہے جو ناقص نماز ہے۔

مسئلہ: سفر شرعی محتاط اندازے کے مطابق ۸۷ کلو میٹر سے کچھ زیادہ ہے۔

آیتِ کریمہ: اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر کچھ گناہ نہیں کہ نماز کے آخر سے کچھ کم کردو، اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تمہیں آزمائش میں مبتلا کریں گے وہ لوگ جنھوں نے اسلام قبول نہیں کیا ــــ اور اس اندیشہ کی وجہ سے ایک جگہ زیادہ دیر ٹھہرنا خلافِ مصلحت ہو تو قصر پڑھ کر آگے چل دو ــــ بے شک منکرین اسلام تمہارے کھلے دشمن ہیں!

وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ ۣ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ ۠ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۰۲﴾

وَاِذَا كُنْتَ	اور جب ہوں آپؐ	فَلْتَقُمْ	تو چاہئے کہ کھڑی ہو	فَاِذَا سَجَدُوْا	پس جب سجدہ کرلیں وہ
فِيْهِمْ	لوگوں میں	طَآئِفَةٌ	ایک جماعت	فَلْيَكُوْنُوْا	تو چاہئے کہ ہوجائیں وہ
فَاَقَمْتَ	پس کھڑی کریں آپؐ	مِّنْهُمْ مَّعَكَ	ان میں سے آپ کے ساتھ	مِنْ وَّرَآئِكُمْ	تمہارے پیچھے
لَهُمُ	ان کے لئے	وَلْيَاْخُذُوْٓا	اور چاہئے کہ لے لیں وہ	وَلْتَاْتِ	اور چاہئے کہ آئے
الصَّلٰوةَ	نماز	اَسْلِحَتَهُمْ	اپنے ہتھیار	طَآئِفَةٌ	جماعت

أُخْرٰى	دوسری	وَ أَمْتِعَتِكُمْ	اور تمہارے سامان سے	أَوْ كُنْتُمْ	یا ہو تم
لَمْ يُصَلُّوْا	نہیں نماز پڑھی انھوں نے	فَيَمِيْلُوْنَ	تو پل پڑیں وہ	مَّرْضٰى	بیمار
فَلْيُصَلُّوْا	پس چاہئے کہ نماز پڑھیں وہ	عَلَيْكُمْ	تم پر	أَنْ تَضَعُوْا	کہ رکھ دو
مَعَكَ	آپؐ کے ساتھ	مَّيْلَةً	پل پڑنا	أَسْلِحَتَكُمْ	تمہارے ہتھیار
وَلْيَأْخُذُوْا	اور چاہئے کہ لے لیں وہ	وَّاحِدَةً	یکبارگی	وَخُذُوْا	اور لے لو
حِذْرَهُمْ	اپنا بچاؤ	وَلَا جُنَاحَ	اور کوئی گناہ نہیں	حِذْرَكُمْ	تمہارا بچاؤ
وَ أَسْلِحَتَهُمْ	اور اپنے ہتھیار	عَلَيْكُمْ	تم پر	إِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ نے
وَدَّ	تمنا کرتے ہیں	إِنْ كَانَ	اگر ہو	أَعَدَّ	تیار کیا ہے
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	جنھوں نے کفر کیا	بِكُمْ	تمہارے ساتھ	لِلْكٰفِرِيْنَ	منکرین اسلام کیلئے
لَوْ تَغْفُلُوْنَ	اگر بے خبر ہو جاؤ تم	أَذًى	کوئی تکلیف	عَذَابًا	عذاب
عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ	تمہارے ہتھیاروں سے	مِّنْ مَّطَرٍ	بارش سے	مُّهِيْنًا	رسوا کن

نمازِ خوف کا بیان

پوری امت متفق ہے کہ صلاۃ الخوف آج بھی مشروع ہے اور اُسے پڑھنا جائز ہے، صرف امام ابو یوسفؒ اور امام مزنیؒ (جو امام شافعی رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں) اختلاف کرتے ہیں۔ وہ صلاۃ الخوف کی مشروعیت کو تسلیم نہیں کرتے۔ امام مزنیؒ تو کہتے ہیں اس کی مشروعیت منسوخ ہے مگر نسخ کی کوئی دلیل نہیں۔ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کہتے ہیں: سورۃ النساء کی جس آیت (۱۰۲) میں صلاۃ الخوف کا تذکرہ آیا ہے اس میں یہ قید ہے کہ یہ نماز اس وقت مشروع ہے جب حضور اکرم ﷺ نماز پڑھائیں، جب آپؐ کا وصال ہو گیا تو اب اس کی مشروعیت ختم ہو گئی، کیونکہ شرط باقی نہیں رہی، اس کو نسخ بھی کہہ سکتے ہیں، مگر یہ دلیل اس وجہ سے کمزور ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد متعدد جنگوں میں صحابہ نے صلاۃ الخوف پڑھی ہے۔ پس سورۃ النساء (آیت ۱۰۲) میں إذا كنت فيهم کی قید اتفاقی ہے۔

اور روایات میں صلاۃ الخوف مختلف طرح سے مروی ہے۔ امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں آٹھ طریقے، ابن حبان نے صحیح ابن حبان میں نو طریقے، اور ابن حزم ظاہری نے المحلّی میں چودہ طریقے ذکر کیے ہیں۔ اور ابو الفضل عراقی نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے، اس میں انھوں نے سترہ طریقے ذکر کیے ہیں، یعنی نبی ﷺ سے سترہ طریقوں سے صلاۃ الخوف پڑھنا مروی ہے۔

اور امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس باب کی سب روایتیں صحیح ہیں، کوئی روایت ضعیف نہیں۔ پس سب طریقوں پر جو حضور اکرم ﷺ سے مروی ہیں صلاۃ الخوف پڑھنا جائز ہے۔ اور یہ اجماعی مسئلہ ہے۔ البتہ ان میں سے کونسے طریقہ پر صلاۃ الخوف پڑھنا افضل ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ حنفیہ کے نزدیک جو طریقہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں آیا ہے، اس طرح صلاۃ الخوف پڑھنا افضل ہے۔ اور ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں: جو طریقہ سہل بن ابی حثمہ کی روایت میں ہے، اس طرح پر صلاۃ الخوف پڑھنا افضل ہے۔

حنفیہ کا طریقہ: یہ ہے کہ فوج کے دو حصے کئے جائیں، ایک حصہ دشمن کے مقابل کھڑا رہے اور دوسرے حصے کو امام اگر مسافر ہے تو ایک رکعت اور مقیم ہے تو دو رکعتیں پڑھائے۔ پھر یہ جماعت دشمن کے مقابل چلی جائے، اور جو طائفہ دشمن کے مقابل ہے وہ آکر صف بنائے اور نماز شروع کرے، پھر امام اس طائفہ کو ایک یا دو رکعت پڑھا کر سلام پھیر دے امام کے سلام پھیرنے کے بعد یہ طائفہ سلام پھیرے بغیر دشمن کی طرف چلا جائے۔ اور پہلا طائفہ واپس آئے اور صف بنا کر لاحق کی طرح یعنی قراءت کے بغیر ایک رکعت یا دو رکعت پڑھ کر نماز پوری کرے، پھر وہ دشمن کے مقابل جائے، اور دوسرا طائفہ آئے، اور وہ بھی صف بنا کر مسبوق کی طرح یعنی قراءت کے ساتھ بقیہ نماز پوری کرے۔

ائمہ ثلاثہ کا طریقہ: یہ ہے کہ امام پہلے طائفہ کو ایک رکعت یا دو رکعت پڑھائے، پھر وہ طائفہ باقی نماز اسی وقت لاحق کی طرح پوری کرے پھر دشمن کے مقابل جائے اور امام دوسرے طائفہ کا انتظار کرے، جب دوسرا طائفہ آکر صف بنا کر نماز شروع کرے تو امام اس کو ایک رکعت یا دو رکعت پڑھائے اور سلام پھیر دے اور وہ لوگ مسبوق کی طرح باقی نماز پوری کریں۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ نے یہ طریقہ اس لئے اختیار کیا ہے کہ اس میں نماز کے اندر نقل و حرکت نہیں کرنی پڑتی۔ اور احناف نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کو دو وجہ سے اختیار کیا ہے: ایک: سورۃ النساء کی آیت ۱۰۲ میں صلاۃ الخوف کا جو طریقہ بیان کیا گیا ہے ابن عمرؓ کی حدیث میں مروی طریقہ اس سے اقرب ہے، اور قرآن میں بہتر صورت ہی لی جاتی ہے، اس لئے حنفیہ نے اس طریقہ کو افضل قرار دیا ہے۔ دوم: ابن عمرؓ کی حدیث اعلی درجہ کی صحیح ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں، نہ سند میں نہ متن میں۔ اور سہل بن ابی حثمہ کی روایت میں سند میں بھی اختلاف ہے اور متن میں بھی، سند میں اختلاف یہ ہے کہ یحییٰ بن سعید قطان کے ایک استاذ یحییٰ بن سعید انصاری نے اس حدیث کو موقوف بیان کیا ہے۔ یعنی حضرت سہلؓ کی حدیث میں صلاۃ الخوف کا جو طریقہ مذکور ہے وہ حضرت سہل کا بیان کیا ہوا ہے، نبی ﷺ کا بیان کیا ہوا نہیں ہے، اور یحییٰ قطان کے دوسرے استاذ شعبہ رحمہ اللہ نے اس کو مرفوع بیان کیا ہے —— اور متن میں اختلاف یہ ہے کہ شعبہ والی سند سے جو مرفوع ہے، بخاری میں متن کچھ ہے اور نسائی میں کچھ۔ بخاری (حدیث ۴۱۳۱ کتاب المغازی) میں اس سند سے جو متن آیا

ہے وہ ائمہ ثلاثہ کے موافق ہے اور نسائی (۳:۱۷۰ مصری) میں جو متن آیا ہے وہ احناف کے موافق ہے۔یعنی نسائی میں ابن عمر کی حدیث کے مطابق متن آیا ہے ـــــ غرض ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سب سے اعلی روایت ہے، اور اس کی سند میں اور متن میں کوئی اختلاف نہیں۔ نیز اس میں جو طریقہ ہے وہ نص قرآن سے قریب تر ہے۔اس لئے احناف نے اس کو اختیار کیا ہے، اگر چہ اس طریقہ پر صلاۃ الخوف پڑھنے میں نماز کے اندر نقل وحرکت ہوتی ہے؛ مگر اس میں کوئی مضائقہ نہیں، کیونکہ اس نماز کی شان ہی نرالی ہے۔ واللہ اعلم

فائدہ: اس سے نماز کی اہمیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ میدانِ جنگ میں کھڑے ہیں، دشمن مقابلہ پر ہے اور خطرات کی گھٹائیں ہر سو چھائی ہوئی ہیں: اس وقت شمشیر کے سایہ میں بھی مؤمن کو نماز ادا کرنی ہے (آسان تفسیر)

آیتِ کریمہ: اور جب آپؐ لوگوں میں ہوں، پس آپؐ ان کے لئے نماز کھڑی کریں تو ان کی ایک جماعت آپؐ کے ساتھ کھڑی ہو، اور وہ اپنے ہتھیار لے لیں ـــــ باندھ لیں، پہن لیں ـــــ پھر جب وہ سجدہ کرلیں تو وہ تمہارے پیچھے ہوجائیں ـــــ یعنی دشمن کے مقابل چلے جائیں ـــــ اور دوسری جماعت جس نے ابھی نماز شروع نہیں کی: آئے، اور وہ آپؐ کے ساتھ نماز پڑھے، اور وہ بھی اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار لے لے ـــــ منکرینِ اسلام تو چاہتے ہیں کہ اگر تم اپنے ہتھیاروں اور سامان سے غافل ہوجاؤ تو وہ تم پر یکبارگی حملہ کردیں ـــــ اور تم پر اس میں کچھ گناہ نہیں کہ اگر تمہیں بارش کی وجہ سے تکلیف ہو یا بیمار ہو تو اپنے ہتھیار رکھ دو، اور اپنا بچاؤ لے لو ـــــ بے شک اللہ تعالیٰ نے اسلام کا انکار کرنے والوں کے لئے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے!

فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ فَإِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾ وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَاۗءِ الْقَوْمِ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۰۴﴾

ع ۱۵ / ۱۲

فَإِذَا	پس جب	اللّٰهَ	اللہ کو	فَإِذَا	پس جب
قَضَيْتُمُ	پوری کرلو تم	قِيٰمًا	کھڑے	اطْمَاْنَنْتُمْ	بے خوف ہوجاؤ تم
الصَّلٰوةَ	نماز	وَّ قُعُوْدًا	اور بیٹھے	فَاَقِيْمُوا	تو اہتمام کرو
فَاذْكُرُوا	تو یاد کرو	وَّ عَلٰى جُنُوْبِكُمْ	اور اپنی کروٹوں پر	الصَّلٰوةَ	نماز کا

إِنَّ الصَّلٰوةَ	بےشک نماز	الْقَوْمِ	لوگوں کے	وَتَرْجُوْنَ	اور امید رکھتے ہو تم
كَانَتْ	ہے	إِنْ تَكُوْنُوْا	اگر ہو تم	مِنَ اللهِ	اللہ سے
عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ	مسلمانوں پر	تَأْلَمُوْنَ (۳)	تکلیف محسوس کرتے	مَا لَا يَرْجُوْنَ	جونہیں امید رکھتے وہ
كِتٰبًا (۱)	لکھی ہوئی	فَإِنَّهُمْ	پس بیشک وہ (بھی)	وَكَانَ	اور ہیں
مَّوْقُوْتًا (۲)	وقت کی پابندی کے ساتھ	يَأْلَمُوْنَ	تکلیف محسوس کرتے ہیں	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
وَلَا تَهِنُوْا	اور نہ بودے بنو تم	كَمَا تَأْلَمُوْنَ	جیسے تم تکلیف محسوس	عَلِيْمًا	علیم
فِي ابْتِغَاءِ	پیچھا کرنے میں		کرتے ہو	حَكِيْمًا	حکیم

نمازِ خوف سے فارغ ہوکر ہر وقت اور ہر حال میں اللہ کو یاد کرو

نمازِ خوف سے فارغ ہوگئے، اس میں تو بے اطمینانی کی وجہ سے تخفیف کی گئی، مگر اب نماز سے فراغت کے بعد ہر وقت اور ہر حالت میں اللہ کو یاد کرو، کسی حال میں ان کی یاد سے غافل مت رہو، جس کے عقل وحواس ٹھکانے نہ ہوں وہ معذور ہے، اور کوئی معذور نہیں۔

﴿فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِكُمْ﴾

ترجمہ: پھر جب تم نماز ادا کرلو تو اللہ تعالیٰ کو کھڑے، بیٹھے اور لیٹے یاد کرو۔

جب خوف جاتا رہے تو اہتمام کے ساتھ نماز ادا کرو

جب خوف ختم ہوجائے اور خاطر جمع ہوجائے تو اہتمام سے نماز ادا کرو، تعدیلِ ارکان، رعایتِ شروط اور محافظتِ آداب کے ساتھ نماز پڑھو، اور خاص طور پر دو باتوں کا خیال رکھو:

۱- نماز فرض ہے، اطمینان کی حالت ہو یا خوف کی: ہر حال میں نماز پڑھنا ضروری ہے، سولی پر بھی پڑھنا ضروری ہے اور بچہ پیدا ہو رہا ہو اس وقت بھی پڑھنا ضروری ہے، یہ نہیں کہ کبھی پڑھی، کبھی نہیں پڑھی؛ بلکہ ٹھاٹھ سے (ریگولر) پڑھنا ضروری ہے، کتابا کا یہی مطلب ہے۔

۲- نماز وقت کی پابندی کے ساتھ فرض کی گئی ہے، ہر نماز کی ابتدا اور انتہا ہے، حدیث میں ہے: إن للصلاة أولاً وآخراً (ترمذی) اسی لئے احناف نے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے سفر اور بیماری وغیرہ میں بھی جمع حقیقی کی اجازت نہیں

(۱) کتاب: مصدر: لکھنا، مراد فرض کی ہوئی (۲) موقوت: اسم مفعول: وقت مقرر کیا ہوا (۳) أَلِمَ (س) أَلَمًا: دردمند ہونا، سخت تکلیف پانا۔

دی، صرف جمع صوری کی اجازت دی ہے، موقوتاً کا یہی مطلب ہے۔

﴿ فَإِذَا اطْمَأْنَنتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَوٰةَ ۚ إِنَّ الصَّلَوٰةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَٰبًا مَّوْقُوتًا ﴿١٠٣﴾ ﴾

ترجمہ: پھر جب تم بے خوف ہو جاؤ تو نماز کا اہتمام کرو، بے شک نماز مسلمانوں پر وقت کی پابندی کے ساتھ فرض کی گئی ہے۔

بھاگتے ہوئے دشمن کا پیچھا کرو

فرمایا تھا کہ کفار تمہارے کھلے دشمن ہیں، وہ نماز میں بھی تم پر حملہ کرنا چاہتے ہیں، لہٰذا جب نمازِ خوف سے فارغ ہو جاؤ تو ان سے لوہا لو اور ان کو مار بھگاؤ؛ بلکہ ان کا تعاقب کرو، اور ان کو کیفر کردار تک پہنچاؤ، اور یہ مت سوچو کہ ہم تھکے ماندے اور زخم خوردہ ہیں ان کا بھی تو یہی حال ہے، پھر وہ بھاگے جا رہے ہیں، تم بھی ان کو کھدیڑو، اور تمہیں ثوابِ عظیم کی امید ہے، ان کو یہ امید نہیں، پھر تم کیوں سست پڑتے ہو!

فائدہ: یہ آیت غزوۂ حمراء الاسد کے موقع پر نازل ہوئی ہے، یہ غزوہ: غزوۂ احد کے بعد فوراً پیش آیا ہے، معرکۂ احد کے دوسرے دن نبی ﷺ نے اعلان کیا کہ دشمن کے مقابلہ کے لئے چلنا ہے، اور ساتھ ہی یہ بھی اعلان فرمایا کہ ہمارے ساتھ صرف وہی آدمی چلے جو معرکۂ احد میں شریک تھا، صحابہ سب زخموں سے چور، غم سے نڈھال اور اندیشہ وخوف سے دوچار تھے، پس یہ آیت نازل ہوئی اور تمام صحابہ نے بلا تردد سراطاعت خم کر دیا، پروگرام کے مطابق رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کو ہمراہ لے کر روانہ ہوئے اور مدینہ سے آٹھ میل دور حمراء الاسد میں خیمہ زن ہوئے، مگر دشمن سر پہ پاؤں رکھ کر بھاگتا چلا گیا اور مسلمان مظفر ومنصور لوٹ آئے۔ پس آیت کا شانِ نزول تو خاص ہے، مگر لوحِ محفوظ کی ترتیب میں آیت اس جگہ ہے، اور یہاں اس کا مطلب وہ ہے جو اوپر بیان کیا۔

﴿ وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ ۖ إِن تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ ۖ وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٠٤﴾ ﴾

ترجمہ: اور تم کافروں کا پیچھا کرنے میں ڈھیلے مت پڑو، اگر تم تکلیف سے دوچار ہو تو وہ بھی تمہاری طرح تکلیف سے دوچار ہیں، اور تم اللہ سے امیدوار ہو جس کی وہ امید نہیں رکھتے، اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے اور بڑی حکمت والے ہیں!

إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَىٰكَ اللَّهُ ۚ وَلَا تَكُن لِّلْخَائِنِينَ خَصِيمًا ﴿١٠٥﴾ وَاسْتَغْفِرِ اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١٠٦﴾ وَلَا

تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ﴿۱۰۷﴾ يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ﴿۱۰۸﴾

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ	بے شک ہم نے اتاری	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ سے	مِنَ النَّاسِ	لوگوں سے
اِلَيْكَ	آپ کی طرف	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ	اور نہیں چھپتے وہ
الْكِتٰبَ(۱)	یہ کتاب (قرآن)	كَانَ غَفُوْرًا	ہیں بڑے بخشنے والے	مِنَ اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ سے
بِالْحَقِّ(۲)	دین حق پر مشتمل	رَّحِيْمًا	بڑے مہربان	وَهُوَ	حالانکہ وہ
لِتَحْكُمَ	تاکہ فیصلہ کریں آپ	وَلَا تُجَادِلْ	اور نہ جھگڑیں آپ	مَعَهُمْ	ان کے ساتھ ہیں
بَيْنَ النَّاسِ	لوگوں کے درمیان	عَنِ الَّذِيْنَ	ان کی طرف سے جو	اِذْ يُبَيِّتُوْنَ(۶)	جب رات میں مشورہ
بِمَآ	اس کے مطابق جو	يَخْتَانُوْنَ	خیانت کرتے ہیں		کرتے ہیں وہ
اَرٰىكَ(۳)	دکھلایا آپ کو	اَنْفُسَهُمْ	اپنی ذاتوں سے	مَا	اس کا جو
اللّٰهُ	اللہ نے	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	لَا يَرْضٰى	اللہ پسند نہیں کرتے
وَلَا تَكُنْ	اور نہ ہوں آپ	لَا يُحِبُّ	نہیں پسند کرتے	مِنَ الْقَوْلِ	بات سے
لِّلْخَآئِنِيْنَ	خیانت کرنے والوں کیلئے	مَنْ كَانَ	اس کو جو ہے	وَكَانَ	اور ہیں
خَصِيْمًا(۴)	سخت جھگڑا کرنے والے	خَوَّانًا	بڑا خیانت کرنے والا	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
وَّاسْتَغْفِرِ(۵)	اور رحمت میں ڈھانکنے	اَثِيْمًا	گنہ گار	بِمَا يَعْمَلُوْنَ	ان کاموں کو جو تم کرتے ہو
	کی درخواست کریں	يَّسْتَخْفُوْنَ	چھپتے ہیں وہ	مُحِيْطًا	گھیرنے والے

(۱) الکتاب کا الف لام عہد ذہنی ہے، مراد قرآنِ کریم ہے (۲) بالحق: الکتاب کا حال ہے أی مُلْتَبِسًا بالحق (جمل) (۳) أَرٰكَ: دکھلایا یعنی سمجھایا (۴) خصیم: اسم مبالغہ، اور خصومت کے اصطلاحی معنی ہیں: مقدمہ کورٹ میں لے جانا پس خصیم کے معنی ہونگے: فریق۔ (۵) غَفر کے مادہ میں چھپانے کا مفہوم ہے، مِغْفَر: خود، جو سر پر پہنا جاتا ہے، پس استغفار کے معنی ہیں: اللہ سے دعا کرنا کہ وہ اپنی رحمت میں چھپالیں، اور بے گناہ (معصوم) اس کا زیادہ حقدار ہے۔ (۶) بَیَّتَ: رات کے وقت سازش کرنا۔

رسالت کا بیان

یہاں سے آیت ۱۱۵ تک رسالت کا بیان ہے، رسول کا مقام و مرتبہ اور اس کی مخالفت کا انجام بیان کیا ہے، گذشتہ آیت میں کافروں کو کھدیڑنے کا حکم تھا، اب ان آیات میں منافقین سے محتاط رہنے کا حکم ہے، یہ بھی آستین کے سانپ ہیں، اور یہ آیات ایک واقعہ میں نازل ہوئی ہیں، چونکہ آیات میں اس واقعہ کی طرف اشارے ہیں، اس لئے پہلے وہ واقعہ پڑھ لیں:

واقعہ: بنواُبیرِق ایک خاندان تھا، اس میں ایک شخص بشیر نامی منافق تھا، اس نے حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ کی بخاری (کوٹھری) میں نقب دے کر کچھ آٹا اور کچھ ہتھیار جو اس میں رکھے ہوئے تھے چرا لئے، صبح کو یہ چیزیں پاس پڑوس میں تلاش کی گئیں، اور بعض قرائن سے بشیر پر شبہ ہوا۔

بنوابیرق نے جو کہ بشیر کے شریک حال تھے اپنی براءت کے لئے حضرت لبید رضی اللہ عنہ کا نام لے دیا، حضرت رفاعہؓ نے اپنے بھتیجے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ کی خدمت میں بھیج کر اس واقعہ کی اطلاع کی، آپؐ نے تحقیق کا وعدہ فرمایا۔

جب بنوابیرق کو یہ خبر پہنچی کہ معاملہ نبی ﷺ تک پہنچ گیا ہے اور آپؐ نے تحقیق کا وعدہ فرمایا ہے تو وہ لوگ ایک شخص کے پاس جو اسی خاندان کا تھا جس کا نام اُسیر تھا جمع ہوئے، اور باہمی مشورہ کر کے نبی ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا: حضرت قتادہؓ اور حضرت رفاعہؓ نے بغیر گواہوں کے ایک مسلمان اور دیندار گھرانے پر چوری کا الزام لگایا ہے، اور ان کا مقصود یہ تھا کہ نبی ﷺ اس معاملہ میں ان کی طرفداری کریں، آپؐ نے طرفداری تو نہیں کی، البتہ اتنا ہوا کہ جب حضرت قتادہؓ خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے فرمایا: ''تم ایسے لوگوں پر بے سند کیوں الزام لگاتے ہو؟'' حضرت قتادہؓ نے آکر اپنے چچا حضرت رفاعہؓ کو اس کی اطلاع دی، وہ اللہ پر بھروسہ کر کے خاموش ہو گئے، اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں، پھر چوری ثابت ہوگئی، اور مال برآمد ہوا، جو مالک کو دلایا گیا چنانچہ بشیر ناخوش ہو کر مرتد ہو گیا، اور مکہ جا کر مشرکوں میں مل گیا، مگر وہاں بھی اس کو چین نصیب نہ ہوا، جس عورت کے مکان میں جا کر ٹھہرا تھا، جب اس کو حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے اشعار پہنچے تو اس نے بشیر کو نکال باہر کیا، یہ شخص ادھر اُدھر بھٹکتا رہا، آخر اس نے ایک اور شخص کے مکان میں نقب لگایا، پس دیوار اس کے اوپر گرگئی اور وہ وہیں دب کر مر گیا۔

نبی ﷺ قرآنِ کریم سے اور اپنی صوابدید سے فیصلہ کریں

سب سے پہلے یہ ارشاد فرمایا کہ ہم نے آپؐ پر قرآنِ کریم نازل کیا ہے، جو دین حق کی تعلیمات پر مشتمل ہے، یہ کتاب اسی لئے نازل کی گئی ہے کہ آپؐ اس کے مطابق فیصلہ کریں —— اس ارشاد میں مقدمات کا فیصلہ کرنے کے دو

اصول ذکر فرمائے ہیں:

ایک: تمام فیصلے کتاب اللہ کے احکام کے تابع ہونے چاہئیں، نزولِ قرآن کی یہی غرض وغایت ہے۔

دوم: نبی ﷺ اپنی صوابدید سے بھی فیصلے کر سکتے ہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ آپؐ پر ایسے امور کھولتے ہیں جو صراحۃً قرآن میں مذکور نہیں ہوتے: ﴿ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ﴾ کا یہی مطلب ہے، اور اس سے سنت کی حجیت بھی ثابت ہوتی ہے، جیسا کہ آیت ۱۱۵ میں آرہا ہے۔

فائدہ: نبی ﷺ کو ایسے مسائل میں جن میں قرآنِ کریم کی کوئی نص صریح وارد نہ ہوئی ہو اجتہاد کرنے کا حق تھا، اس لئے کہ نبی ﷺ قرآنِ کریم سے جو کچھ سمجھتے تھے وہ اللہ تعالیٰ ہی کا سمجھایا ہوا ہوتا تھا، سورۃ القیامہ میں ہے: ﴿ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴾ اس لئے غلط فہمی کا امکان نہیں تھا، اور یہ حق مجتہدینِ امت کو بھی حاصل ہے، سورۃ النحل میں ہے: ﴿ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴾ مگر دوسرے مجتہدین جو کچھ سمجھتے ہیں اس میں غلطی کا احتمال ہوتا ہے، اور نبی ﷺ سے ایک مرتبہ جو اجتہاد میں خطا ہوئی ہے اس کی وحی نے اصلاح کر دی، دوسرے مجتہدین کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔

﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ﴾

ترجمہ: بے شک ہم نے آپؐ پر دین کی تعلیمات پر مشتمل کتاب نازل کی ہے، تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اُس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے آپؐ کو سجھایا ہے!

قاضی مقدمہ میں کسی فریق کی طرفداری نہ کرے

اگر قاضی مقدمہ کے کسی فریق کی طرفداری کرے گا تو لوگوں کے لئے انصاف کا حصول مشکل ہو جائے گا، جس فریق کی طرفداری کرے گا وہ بے باک ہو جائے گا، اور دوسرا فریق مایوس ہو جائے گا۔ شانِ نزول کے واقعہ میں نبی ﷺ نے حضرت قتادہؓ سے جو فرمایا تھا کہ تم بے دلیل لوگوں پر الزام کیوں لگاتے ہو؟ یہ بنو ابیرق کی طرفداری تھی، چنانچہ جب حضرت قتادہؓ نے یہ بات اپنے چچا حضرت رفاعہؓ کو بتلائی تو وہ واللہ المستعان کہہ کر خاموش ہو گئے، یعنی انصاف کے حصول سے مایوس ہو گئے، اس لئے قاضی کو ایسا طریقہ اختیار نہیں کرنا چاہئے۔

استغفار کے معنی: غ، ف، ر کے مادہ میں چھپانے کا مفہوم ہے، الغِفَارَة: عورتوں کے سر کا رومال جو بالوں کو چھپاتا ہے، المِغْفَر: خَود، جو لڑائی میں سر کو بچاتا ہے، اور استغفار (باب استفعال) میں س، تا طلب کے لئے ہیں، پس استغفار کے معنی ہیں: اللہ سے دعا کرنا کہ وہ اپنی رحمت میں چھپالیں، گنہ گار کا گناہ معاف کر کے اور معصوم کو بدرجۂ اولیٰ! اور انبیاء معصوم ہوتے ہیں، مگر حسنات الأبرار سیئات المقربین، اس لئے نبی ﷺ کا ایک فریق کی طرف التفات بھی

مناسب نہیں تھا، اس لئے استغفار کا حکم دیا۔

﴿ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآىِٕنِيْنَ خَصِيْمًا ۝ وَّ اسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ ﴾

ترجمہ: اور آپؐ خیانت کرنے والوں کی ـــــ یعنی ایک فریق کی ـــــ طرفداری نہ کریں، اور اللہ سے دعا کریں کہ وہ آپؐ کو اپنی رحمت میں چھپالیں، بے شک اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بڑے مہربان ہیں۔

وکلاء غلط فریق کا مقدمہ نہ لڑیں

کبھی وکیل جانتے ہوئے غلط فریق کا مقدمہ لڑتا ہے، اسلامی کورٹ میں تو ایڈوکیٹ (مُحَامِی) نہیں ہوتا، فریقین خود ہی مقدمہ کی پیروی کرتے ہیں، ان سے کہا جارہا ہے کہ بنو ابیرق جو چور کی حمایت میں خدمتِ نبوی میں آئے ہیں اور چور کی طرف سے حجت بازی کررہے ہیں: وہ غلط کام کررہے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑے خائن گنہ گار کو پسند نہیں کرتے، یعنی چور کو پسند نہیں کرتے، پس جو اس کی حمایت کرے گا اس کو بھی پسند نہیں کریں گے۔

اور غیر اسلامی ملکوں میں مقدمات میں ہر فریق کو وکیل مل جاتا ہے، جو اس کی طرف سے لڑتا ہے اور اس کو جتانے کی کوشش کرتا ہے، جبکہ وہ جانتا ہے کہ اس کا گاہک باطل پر ہے، پھر بھی اس کا مقدمہ لڑتا ہے، یہ حرام ہے اور ایسی آمدنی بھی حرام ہے! ایسے ہی وکیلوں کے بارے میں کہا ہے:

پیدا ہوا وکیل تو شیطان نے کہا: ❁ لو آج ہم بھی صاحبِ اولاد ہوگئے!

﴿ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ۝ ﴾

ترجمہ: اور آپ ان لوگوں کی طرف سے فریق نہ بنیں جو اپنے آپ سے دغا کرتے ہیں ـــــ مراد چور ہے ـــــ بے شک اللہ تعالیٰ بڑے خائن گنہ گار کو پسند نہیں کرتے! ـــــ مراد چور ہے۔

غلط مقدمات دائر کرنے والوں کو تنبیہ

لوگ غلط مقدمات دائر کرتے ہیں، یہ جانتے ہوئے کہ وہ غلط ہیں، اور لوگوں کو یہ باور کراتے ہیں کہ وہ صحیح ہیں، لوگوں کے سامنے خود کو غلط کہنے سے شرماتے ہیں، مگر کیا وہ اللہ سے چھپ سکتے ہیں، جب رات میں وکیل کی آفس میں جاکر اپنے بوگس دلائل فراہم کرتے ہیں: اس وقت وہ اللہ سے نہیں شرماتے، جبکہ اس وقت بھی اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہوتے ہیں۔

اور شانِ نزول کے واقعہ میں ہے کہ چور کے حمایتی رات میں مشورہ کے لئے اکٹھا ہوئے تھے اور طے کیا تھا کہ کل خدمتِ نبوی میں حاضر ہوکر چور کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کرنی ہے، ان کو تنبیہ ہے کہ تمہاری سب حرکتوں کا اللہ تعالیٰ احاطہ

کئے ہوئے ہیں، وقت پر اس کی سزا دیں گے۔

﴿ یَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا یَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ یُبَیِّتُوْنَ مَا لَا یَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطًا ﴿۱۰۸﴾ ﴾

ترجمہ: وہ لوگوں سے تو چھپتے ہیں، اور اللہ سے نہیں چھپتے، حالانکہ اللہ تعالیٰ اس وقت بھی ان کے ساتھ ہوتے ہیں جب وہ رات میں اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ بات ـــــ چور کو بچانے ـــــ کا مشورہ کرتے ہیں، اور وہ جو کچھ کر رہے ہیں سب اللہ کے قابو میں ہے!

هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۫ فَمَنْ یُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَمْ مَّنْ یَّكُوْنُ عَلَیْهِمْ وَكِیْلًا ﴿۱۰۹﴾ وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ یَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۱۱۰﴾ وَمَنْ یَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا یَكْسِبُهٗ عَلٰی نَفْسِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ یَّكْسِبْ خَطِیْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ یَرْمِ بِهٖ بَرِیْٓـًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِیْنًا ﴿۱۱۲﴾ ع

۱۶ ع ۸ ۱۳

هٰٓاَنْتُمْ	سنتے ہو تم	یَوْمَ الْقِیٰمَةِ	قیامت کے دن	یَجِدِ اللّٰهَ	پائے گا وہ اللہ کو
هٰٓؤُلَآءِ	اے لوگو!	اَمْ مَّنْ	یا کون	غَفُوْرًا	بڑا بخشنے والا
جٰدَلْتُمْ	لڑ لئے تم	یَّكُوْنُ عَلَیْهِمْ	ہوگا ان کا	رَّحِیْمًا	بڑا مہربان
عَنْهُمْ	ان کی طرف سے	وَكِیْلًا	کارساز	وَمَنْ	اور جو شخص
فِی الْحَیٰوةِ	زندگی میں	وَمَنْ یَّعْمَلْ	اور جو کرے	یَّكْسِبْ	کمائے
الدُّنْیَا	دنیا کی	سُوْٓءًا	کوئی برائی	اِثْمًا	کوئی گناہ
فَمَنْ	پس کون	اَوْ یَظْلِمْ	یا ظلم کرے	فَاِنَّمَا	تو اس کے سوا نہیں کہ
یُّجَادِلُ	لڑے گا	نَفْسَهٗ	اپنی ذات پر	یَكْسِبُهٗ	کماتا ہے وہ اس کو
اللّٰهَ	اللہ سے	ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ	پھر معافی مانگے	عَلٰی نَفْسِهٖ	اپنی ذات کے خلاف
عَنْهُمْ	ان کی طرف سے	اللّٰهَ	اللہ سے	وَكَانَ اللّٰهُ	اور ہیں اللہ پاک

عَلِيْمًا	خوب جاننے والے	خَطِيْٓئَةً	کوئی غلطی	بَرِيْٓـًٔا	کسی بے گناہ کو
حَكِيْمًا	بڑی حکمت والے	اَوْ اِثْمًا	یا کوئی گناہ	فَقَدِ احْتَمَلَ	تو یقیناً اٹھایا اس نے
وَمَنْ	اور جو شخص	ثُمَّ يَرْمِ	پھر پھینک مارے وہ	بُهْتَانًا	جھوٹا الزام
يَّكْسِبْ	کمائے	بِهٖ	اس کے ساتھ	وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا	اور صریح گناہ

قیامت کے دن دغابازوں کی طرف سے حجت بازی اور ان کی کارسازی کون کرے گا؟

جو لوگ غلط مقدمات دائر کرتے ہیں، پھر ان کے بوگس شواہد و قرائن پیش کرتے ہیں، اور وکلاء بھی حقیقتِ حال جانتے ہوئے مقدمہ لڑتے ہیں، بلکہ اپنے گاہک کے حق میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں، ان کو تنبیہ کرتے ہیں کہ اس جہاں سے آگے جہاں اور بھی ہے، یہاں تو چور کے حمایتی نبی ﷺ کو دھوکہ دے سکتے ہیں، اس لئے کہ آپؐ عالم الغیب نہیں، حقیقتِ حال سے واقف نہیں، مگر کل قیامت کے دن جب یہ معاملہ اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوگا: اس وقت دغابازوں کی طرف سے کون مقدمہ لڑے گا؟ اور کون ان کی کارسازی کرے گا؟ کوئی نہیں ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ حقیقتِ حال سے واقف ہونگے، کاش یہ بات آج دنیا میں لوگ جان لیں تو وہ غلط مقدمات دائر نہ کریں، اور نہ ان کے حمایتی ان کی طرف سے حجت بازی کریں۔

﴿هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۣ فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ۝۱۰۹﴾

ترجمہ: تم سنتے ہو؟ اے لوگو! تم نے ان کی طرف سے دنیا کی زندگی میں حجت بازی کرلی، پس قیامت کے دن کون ان کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے سامنے حجت بازی کرے گا؟ اور کون ان کا کارساز ہوگا؟ —— کوئی نہیں ہوگا، کاش یہ بات لوگ ابھی سمجھ لیں!

توبہ کا دروازہ کھلا ہے، چور کی حمایت کرنے والے توبہ کریں

گناہ خواہ کیسا ہی ہو، چھوٹا ہو یا بڑا، لازم ہو یا متعدی: اس کا علاج توبہ واستغفار ہے، توبہ کرنے والا اللہ کی مغفرت سے محروم نہیں رہتا، جن لوگوں نے چور کی حمایت کی ہے ان کا گناہ بھی توبہ سے معاف ہوجائے گا، اور توبہ نہیں کریں گے تو اللہ کی رحمت سے محروم رہیں گے۔

﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۱۱۰﴾

ترجمہ: اور جو شخص کوئی برائی کرے یا اپنے اوپر ظلم کرے، پھر اللہ سے بخشش چاہے تو وہ اللہ کو بہت بخشنے والا بڑا مہربان پائے گا!

ہر شخص اپنے کئے کا ذمہ دار ہے

شانِ نزول کے واقعہ میں بنوابیرق نے پہلے چوری کا الزام لبید بن سہیلؓ پر لگایا تھا، جو مخلص مسلمان اور نیک آدمی تھے، جب انھوں نے یہ بات سنی تو انھوں نے تلوار سونت لی، اور کہا: کیا میں چوری کروں گا؟ پس بخدا! ضرور تم سے یہ تلوار مل جائے گی یا چوری واضح کرو، بنوابیرق نے کہا: او آدمی ہم سے پرے ہٹ! آپ چوری کے ذمہ دار نہیں —— پھر انھوں نے اس یہودی کو متہم کیا جس کے پاس چرایا ہوا آٹا اور ہتھیار امانت رکھے تھے، وہ بے چارہ الزام دفع نہ کرسکا، اور قریب تھا کہ اس کا ہاتھ کٹے کہ یہ آیات نازل ہوئیں اور معاملہ کی حقیقت کھول دی۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: جس نے چوری کی ہے وہی اپنی حرکت کا ذمہ دار ہے، دوسرا اس کو کیوں بھگتے؟

﴿ وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝۱۱۱ ﴾

ترجمہ: اور جو شخص کسی گناہ کا ارتکاب کرے وہ اپنے ہی حق میں گناہ کماتا ہے —— یعنی وہی اس کا ذمہ دار ہے —— اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے بڑی حکمت والے ہیں۔

کسی کے سر ناکردہ گناہ چیپنا کھلا گناہ ہے

بنوابیرق نے چوری کا الزام یہودی کے سر تھوپا تھا، یہ بہتان (ناکردہ گناہ کسی کے سر لگانا) اور کھلا گناہ ہے، چوری خود کی اور الزام یہودی پر دھرا، پس وبال بڑھ گیا، اور حاصل کچھ نہ ہوا کہ اللہ نے وحی سے پول کھول دیا۔

﴿ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْۗئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْۗـــــًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝۱۱۲ ﴾

ترجمہ: اور جو شخص کوئی غلطی یا گناہ کا ارتکاب کرے، پھر اس کو کسی بے قصور کے سر تھوپے تو اس نے بہتان لگایا اور صریح گناہ کا ارتکاب کیا۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْھُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ۭ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ۭ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۭ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۝۱۱۳

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ۭ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾ ع

وَلَوْلَا	اور اگر نہ ہوتا	مَالَمْ تَكُنْ	وہ باتیں جو نہیں تھے	ابْتِغَآءَ	چاہتے ہوئے
فَضْلُ اللّٰهِ	اللہ کا فضل	تَعْلَمُ	آپ جانتے	مَرْضَاتِ	خوشنودی
عَلَيْكَ	آپ پر	وَكَانَ	اور ہے	اللّٰهِ	اللہ کی
وَرَحْمَتُهٗ	اور اس کی مہربانی	فَضْلُ اللّٰهِ	اللہ کا فضل	فَسَوْفَ	تو عنقریب
لَهَمَّتْ	تو ارادہ کر چکی تھی	عَلَيْكَ	آپ پر	نُؤْتِيْهِ	دیں گے ہم اس کو
طَّآئِفَةٌ	ایک جماعت	عَظِيْمًا	بڑا	اَجْرًا	ثواب
مِّنْهُمْ	ان کی	لَا خَيْرَ	کچھ بھی بھلائی نہیں	عَظِيْمًا	بڑا
اَنْ يُّضِلُّوْكَ	کہ بہکا دیں وہ آپ کو	فِيْ كَثِيْرٍ	زیادہ تر	وَمَنْ	اور جو شخص
وَمَا يُضِلُّوْنَ	اور نہیں بہکائیں گے وہ	مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ	ان کے مشوروں میں	يُّشَاقِقِ	مخالفت کرے
اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ	مگر اپنے آپ کو	اِلَّا مَنْ	مگر جو شخص	الرَّسُوْلَ	اللہ کے رسول کی
وَمَا يَضُرُّوْنَكَ	اور نہیں نقصان پہنچائیں	اَمَرَ	حکم دے	مِنْۢ بَعْدِ	بعد
	گے وہ آپ کو	بِصَدَقَةٍ	خیرات کا	مَا تَبَيَّنَ	واضح ہونے
مِنْ شَيْءٍ	کچھ بھی	اَوْ مَعْرُوْفٍ	یا نیکی کے کام کا	لَهُ الْهُدٰى	اس کے لئے سیدھی راہ
وَاَنْزَلَ اللّٰهُ	اور اتاری ہے اللہ نے	اَوْ اِصْلَاحٍ	یا اصلاح کا	وَيَتَّبِعْ	اور پیروی کرے
عَلَيْكَ	آپ پر	بَيْنَ النَّاسِ	لوگوں کے درمیان	غَيْرَ سَبِيْلِ	علاوہ راستہ
الْكِتٰبَ	اپنی کتاب	وَمَنْ	اور جو شخص	الْمُؤْمِنِيْنَ	مسلمانوں کے
وَالْحِكْمَةَ	اور دانشمندی کی باتیں	يَّفْعَلْ	کرے گا	نُوَلِّهٖ	(تو) پھیریں گے ہم
وَعَلَّمَكَ	اور سکھلائی ہیں آپ کو	ذٰلِكَ	یہ کام		اس کو

مَا تَوَلّٰی	جدھر وہ پھرا ہے	جَهَنَّمَ	دوزخ میں	مَصِيْرًا	لوٹنے کی جگہ
وَنُصْلِهٖ	اور داخل کریں گے ہم اس کو	وَسَآءَتْ	اور بری ہے وہ	❁	❁

ربط: رسالت کا بیان چل رہا ہے، ان آیات پر یہ مضمون پورا ہوگا، پھر ردّ اشراک کا مضمون شروع ہوگا، اور یہ تین آیتیں نہایت اہم ہیں، ان کا ایک مطلب تو شانِ نزول کے واقعہ کے اعتبار سے ہے، اور دوسرا مطلب الفاظ کے عموم کے اعتبار سے ہے، اس لئے دونوں کو الگ الگ بیان کیا جاتا ہے۔

شانِ نزول کے واقعہ کے اعتبار سے تینوں آیتوں کا مطلب

شانِ نزول کے واقعہ میں ہے کہ بشیر نامی منافق نے آٹا اور ہتھیار چرائے، اس کی قوم بنو ابیرق اور محلّہ دار رات میں اکٹھا ہوئے، اور مشورہ میں طے کیا کہ جس طرح ہوسکے بشیر پر چوری ثابت نہ ہونے دو، یہودی کو چور بناؤ، اگلے دن سب خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے، اور چور کی براءت پر قسمیں کھائیں، قریب تھا کہ یہودی چور سمجھا جائے اور مجرم قرار دیا جائے۔

اس پر یہ دو رکوع (آیات ۱۰۵-۱۱۵) نازل ہوئے، اور نبی ﷺ کو حقیقتِ حال سے واقف کیا گیا کہ چور یہی منافق ہے، اور یہودی بے قصور ہے، پھر جب بات کھل گئی تو وہ منافق بھاگ کر مکہ چلا گیا اور مشرکین سے مل گیا، وہاں وہ ایک عورت کا مہمان بنا، اِدھر حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے چند اشعار کہے، جن میں اس کی اس حرکت کا تذکرہ کیا، جب وہ اشعار اس عورت کو پہنچے تو اس نے اس منافق کو گھر سے دھکا دیدیا، وہ اِدھر اُدھر مارا مارا پھرتا رہا، پھر کسی کے گھر میں چوری کے لئے نقب لگایا، دیوار بودی تھی بیٹھ گئی، اور وہ دب کر مر گیا اور جہنم رسید ہوا۔

اس پس منظر میں اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت میں فرمایا کہ چور کے قبیلہ نے تو طے کر دیا تھا کہ نبی ﷺ سے غلط فیصلہ کرانا ہے، اور یہودی کو چور ثابت کرنا ہے، مگر آپؐ پر اللہ کا فضل اور مہربانی ہوئی کہ آپؐ ان کے جھانسے میں نہیں آئے، اللہ نے وحی نازل کر کے حقیقت کھول دی۔

پھر فرمایا کہ اگر وہ آپؐ کو گمراہ کرتے اور غلط فیصلہ کراتے تو آپؐ کو کیا نقصان پہنچاتے؟ انہیں کا نقصان ہوتا، آپؐ کے فیصلہ میں تو غلطی کا امکان ہی نہیں ہے، وبال تو انہیں پر پڑتا جنھوں نے جھوٹی قسمیں کھائی ہیں۔

پھر آیت کا تتمہ ہے کہ اللہ نے آپؐ پر اپنی کتاب اور حکمت یعنی احادیث شریفہ نازل کی ہیں، اور آپؐ کو دین کی وہ باتیں سکھلائی ہیں جن کو آپؐ نبوت سے پہلے نہیں جانتے تھے، اور واقعی بات یہ ہے کہ آپؐ پر اللہ کا فضل بے حساب ہے۔

اس آیت سے ایک خاص بات یہ معلوم ہوئی کہ قرآنِ کریم کی طرح حکمت یعنی احادیث شریفہ بھی اللہ کی طرف سے

نازل ہوئی ہیں، وہ بھی وحی جلی ہیں، اگرچہ غیر متلو ہیں۔

پھر دوسری آیت میں پہلے منفی پہلو سے ایک قاعدہ بیان کیا ہے کہ لوگوں کی اکثر خفیہ مجالس میں شاید باید ہی خیر کی بات ہوتی ہے، زیادہ تر سازشیں ہوتی ہیں، اس میں اشارہ ہے کہ بنو ابیرق نے جو خفیہ میٹنگ بھری تھی اس میں سازش رچی تھی۔

پھر مثبت پہلو سے بتایا ہے کہ اگر کوئی سرگوشی خیر خیرات کے لئے، کسی تنظیم کے چندے کے لئے یا اور کسی نیک کام کے لئے یا لوگوں میں کوئی نزاع تھا، ان میں مصالحت کرانے کے لئے خفیہ مجلس منعقد کی تو وہ اچھی سرگوشی ہے، اور ایسے نیک کام جو اللہ کی خوشنودی کے لئے کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطا فرمائیں گے۔

پھر تیسری اور آخری آیت میں یہ مضمون ہے کہ بشیر منافق جو بظاہر مسلمان تھا، اور نبی ﷺ کا حلقہ بگوش تھا: وہ مرتد ہو کر اور آپ کا دامن چھوڑ کر اور مسلمانوں سے علاحدہ ہو کر کافروں میں جا ملا: اس نے کسی کا کیا بگاڑا؟ اپنی آخرت برباد کی، اللہ تعالیٰ نے اس کو جدھر وہ گیا جانے دیا، مگر لوٹے گا تو وہ اللہ کی طرف، اس وقت اللہ اس کو جہنم میں جھونکیں گے، اور وہ برا ٹھکانہ ہے!

اب عموم الفاظ کے اعتبار سے آیات کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں:

نبی ﷺ پر اللہ کی بے شمار مہربانیاں

نبی ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے بے شمار عنایتیں فرمائی ہیں، پہلی آیت میں چار عنایتوں کا تذکرہ ہے:

۱- جب چور کی قوم نے پلان بنایا کہ چوری کے معاملہ میں نبی ﷺ سے غلط فیصلہ کرانا ہے، اور بے گناہ یہودی کا ہاتھ کٹوانا ہے تو اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی مہربانی نبی ﷺ کے شاملِ حال ہوئی، اور فیصلہ سے پہلے ہی وحی نازل ہوگئی، اور آپ کو حقیقتِ حال سے واقف کر دیا اور غلط فیصلہ کی نوبت نہیں آئی۔

۲- قاضی اگر فیصلہ میں صواب کو چوک جاتا ہے تو بھی وہ ایک اجر کا مستحق ہوتا ہے، اس کا کچھ نقصان نہیں ہوتا، وہ بہر حال بامراد رہتا ہے، پس اگر خدانخواستہ بنو ابیرق آپ کو بہکا کر غلط فیصلہ کرا دیتے تو آپ کا کیا نقصان ہوتا؟ نقصان تو انہیں کا ہوتا، وہی آخرت میں اس کی سزا بھگتتے!

غرض یہ قاعدہ اسی مناسبت سے نازل ہوا ہے اور اس سے سب فیصلہ کرنے والوں کا بھلا ہوگیا، چنانچہ حدیث میں فرمایا: ”جب فیصلہ کرنے والا کوئی فیصلہ کرے، اور وہ انتہائی کوشش کرے، پس وہ نفس الامری حق کو پالے تو اس کے لئے دو ثواب ہیں، اور جب قاضی کوئی فیصلہ کرے اور وہ اس میں چوک جائے یعنی نفس الامری حق کو نہ پا سکے تو اس کے لئے ایک ثواب ہے“ (ترمذی حدیث ۱۳۱۱ ابواب الاحکام) یہ ضابطہ اسی آیتِ کریمہ سے اخذ کیا گیا ہے۔

۳- اللہ نے نبی ﷺ پر قرآنِ کریم اور اس کی تبیین وتشریح یعنی احادیثِ شریفہ نازل کیں، قرآنِ کریم اللہ کا کلام ہے، قرآن سے پہلے جو آسمانی کتابیں نازل ہوتی تھیں وہ اللہ کی کتابیں ہوتی تھیں، اللہ کا کلام نہیں ہوتی تھیں، کلام یا تو جبرئیل علیہ السلام کا ہوتا تھا یا رسول کا ہوتا تھا (تفصیل تحفۃ القاری ۹:۴۵ میں ہے)

اور حکمت سے مراد احادیثِ شریفہ ہیں، قرآن میں جگہ جگہ احادیث کے لئے یہی تعبیر آئی ہے، احادیث بھی وحی ہیں اور کلام اللہ کی تبیین وتشریح ہیں، اور سورۃ القیامہ میں اس کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے لی ہے، فرمایا: ﴿ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ﴾: پھر بے شک قرآن کی وضاحت ہمارے ذمہ ہے، پس جو لوگ قرآن کو تو حجت مانتے ہیں، مگر احادیث کی حجیت کا انکار کرتے ہیں وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہیں (فتاوی رحیمیہ)

۴- اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو بے شمار علوم سے سرفراز فرمایا ہے، ایک حدیث حضرت نانوتوی قدس سرہ نے تحذیر الناس کے شروع میں لکھی ہے: عُلِّمْتُ علمَ الأولين والآخرين: مجھے گذشتہ لوگوں کا علم بھی دیا گیا ہے اور آئندہ آنے والوں کا بھی! مراد علومِ نبوت ہیں، سورۃ الضحیٰ میں ارشادِ پاک ہے: ﴿وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى﴾: اور اللہ نے آپ کو (شریعت سے) بے خبر پایا پس آپ کو باخبر کیا، غرض آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری! آپ پر بے پایاں افضالِ الٰہی ہیں، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ نے قصیدہ بہاریہ میں فرمایا ہے:

جہاں کے سارے کمالات ایک تجھ میں ہیں ❁ تیرے کمال کسی میں نہیں مگر دوچار!

﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ۭ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ۭ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۭ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿١١٣﴾﴾

ترجمہ: (۱) اور اگر آپؐ پر اللہ کا فضل اور اس کی مہربانی نہ ہوتی تو ان کی ایک جماعت نے تو پلان بنالیا تھا کہ آپؐ کو بہکادیں (۲) اور وہ اپنے آپ ہی کو بہکا رہے ہیں —— یعنی اس کا نقصان آخرت میں انہیں کو پہنچے گا —— اور وہ آپؐ کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے —— کیونکہ قاضی کو بہرحال ثواب ملتا ہے —— (۳) اور اللہ نے آپؐ پر اپنی کتاب اور حکمت (دانشمندی کی باتیں) اتاری ہیں (۴) اور آپؐ کو وہ باتیں سکھلائی ہیں جو آپؐ نہیں جانتے تھے —— اس میں تمام علومِ نبوت آگئے —— اور آپؐ پر اللہ کا فضل بے پایاں ہے! —— یہ چاروں امتیازات کا خلاصہ ہے۔

جو سرگوشیاں اللہ کی خوشنودی کے لئے کی جائیں ان میں بڑا ثواب ہے

لوگوں کے اکثر مشورے خیر سے خالی ہوتے ہیں، صاف اور سچی بات کو چھپانے کی ضرورت نہیں ہوتی، فریب کی

بات ہی چھپا کر طے کی جاتی ہے، جیسے بنوابیرق نے مشورہ کر کے طے کیا کہ نبی ﷺ کو بہلانا ہے، صحیح فیصلہ سے ہٹانا ہے۔

البتہ صدقہ خیرات چھپا کر کرنا، تا کہ غریب شرمندہ نہ ہو، اور ریاءُ سمعہ کا احتمال نہ رہے، یا کوئی نیک کام، مثلاً نماز روزہ چھپا کر کرنا یا لوگوں میں نزاع ہے، ایک فریق جوش میں ہے، صلح کرنا نہیں چاہتا اس کو تنہائی میں سمجھانا اور صلح پر آمادہ کرنا: اس قسم کی سرگوشیاں اللہ کی خوشنودی کے لئے کرنا: بڑا ثواب کا کام ہے، ایسی سرگوشیاں ضرور کرنی چاہئیں۔

﴿لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١١٤﴾﴾

ترجمہ: لوگوں کی اکثر سرگوشیوں میں کچھ بھی خیر نہیں ہوتی، ہاں جو خیرات کا، نیکی کے کاموں کا اور لوگوں کو مصالحت کا حکم دے (تو وہ اچھی سرگوشی ہے) اور جو شخص یہ کام اللہ کی خوشنودی کے لئے کرے: اس کو اللہ تعالیٰ جلدی بڑا ثواب عطا فرمائیں گے۔

احادیث اور اجماع کی حجیت

تیسری آیت میں دو اہم مسئلے ہیں:

۱- احادیثِ شریفہ بھی قرآنِ کریم کی طرح حجتِ شرعیہ ہیں، فرماتے ہیں: ''جو شخص اللہ کے رسول کی مخالفت کرے، اس کے لئے ہدایت واضح ہونے کے بعد'' (تو اس کا انجام بہت برا ہوگا) یعنی وہ لا إلٰہ إلا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ کا بھی قائل ہے، نبی ﷺ کو اللہ کا پیامبر مانتا ہے، مگر انھوں نے اللہ کی طرف سے جو دو پیام پہنچائے ہیں ان میں سے ایک کو (قرآن کو) مانتا ہے، اور دوسرے پیام کو (احادیث کو) جو پہلے پیام کی وضاحت ہیں: نہیں مانتا، ایسا شخص اسلام سے برطرف ہے، اس لئے کہ احادیث بھی قرآنِ کریم کی طرح وحی جلی ہیں، ان کا وحی ہونا دلیل کا محتاج نہیں۔

اور احادیث کی حجیت پر قرآنِ کریم میں متعدد آیات ہیں، مثلاً:

(الف) ابھی آیت ۱۱۳ میں آیا ہے: ﴿وَأَنزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾: اللہ نے آپؐ پر کتاب اور حکمت اتاری ہے، حکمت سے مراد احادیثِ نبویہ ہیں، ان کو بھی اللہ نے اتارا ہے، البتہ نزول کی نوعیت کتاب اللہ سے مختلف تھی، پس احادیث بھی قرآن کی طرح حجت ہونگی۔

(ب) سورۃ النحل کی (آیت ۴۴) ہے: ﴿وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾: اور ہم نے آپؐ کی طرف یہ قرآن اتارا ہے، تا کہ آپؐ لوگوں کو وہ قرآن کھول کر سمجھائیں جو ان کی طرف اتارا گیا ہے، اور احادیث قرآن ہی کی وضاحت ہیں، پس جب قرآن حجت ہے تو اس کی وضاحت حجت کیوں نہیں ہوگی؟

(ج) سورۃ القیامہ کی (آیت ۱۹) ہے: ﴿ ثُمَّ اِنَّ عَلَينا بَيَانَهٗ ﴾: پھر بے شک ہمارے ذمہ نازل کردہ قرآن کی وضاحت ہے، اس میں صراحت ہے کہ نبی ﷺ کی وضاحتیں بھی اللہ کی طرف سے ہیں۔

۲- امت کا اجماع (اتفاق) بھی حجت شرعی ہے، اور اجماعِ امت کا اعلیٰ فرد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے، آیت کے دوسرے جملہ میں اس کا ذکر ہے، ارشادِ پاک ہے: ''مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دوسری راہ اپناتا ہے'' (اس کا انجام بھی برا ہے) معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا جو متفقہ طریقہ ہے اس کی پیروی واجب ہے، اور اس کی مخالفت گناہ اور گمراہی ہے، اور سب سے پہلے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے اس آیت سے اجماعِ امت کی حجیت کو ثابت کیا ہے، اور احادیث سے اس کی مزید تائید ہوتی ہے۔

حدیث میں ہے: لا تجتمع أمتي على الضلالة: میری امت گمراہی پر متفق نہیں ہوگی (مشکوۃ حدیث ۱۷۴) پس اگر کسی بات پر اجماع ہوگیا تو یہ عند اللہ اس کے حق ہونے کی دلیل ہے۔ یہ حدیث مستدرک حاکم (۱:۱۱۵) میں پوری اس طرح ہے: لا يَجْمَعُ اللّٰهُ هذه الأمةَ على الضلالة أبدًا، وقال: يد الله على الجماعة، فَاتَّبِعُوا السَّوَادَ الأَعْظَمَ، فإنه من شَذَّ شَذَّ في النار: یعنی اللہ تعالیٰ اس امت کو گمراہی پر کبھی بھی جمع نہیں ہونے دیں گے (معلوم ہوا کہ صرف صحابہ کا اجماع ہی نہیں، بلکہ قیامت تک امت کا اجماع حجت ہے) اور ارشاد فرمایا: اللہ کا ہاتھ (تائید ونصرت) جماعت پر ہے، پس امت کی اکثریت کا اتباع کرو (امت کی اکثریت ائمہ اربعہ کی تقلید کرنے والوں کی ہے) پس جو امت کی اکثریت سے علحدہ ہوا وہ دوزخ میں اکیلا ہوگا (کیونکہ امت تو جنت میں جائے گی وہ اکیلا ہی جہنم رسید ہوگا)

اجماعِ امت کی مثالیں:

۱- صحابہ کا اجماع ہے کہ رمضان میں ایک زائد نماز ہے، جس کا نام قیامِ رمضان ہے، یعنی رمضان میں سونے سے پہلے نفلیں پڑھنا، اور وہ بیس رکعتیں ہیں، اور تہجد رمضان میں بھی آخر شب میں ہے، اور اس کی آٹھ رکعتیں ہیں، مگر جن لوگوں کو عبادت سے موت آتی ہے وہ اس اجماع کو نہیں مانتے، مرغ کی ایک ٹانگ! گاتے رہتے ہیں اور آٹھ رکعتوں کے بعد سر پر پاؤں رکھ کر بھاگتے ہیں، وہ اپنا ہی نقصان کرتے ہیں۔

۲- جمعہ کی پہلی اذان پر بھی صحابہ کا اجماع ہے، غیر مقلدین اس کو بدعتِ عثمانی کہتے ہیں۔

۳- ایک مجلس کی تین طلاقوں پر بھی صحابہ کا اجماع ہے، مگر کچھ لوگ اس کو بھی تسلیم نہیں کرتے۔

﴿ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۚ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴾

ترجمہ: اور جو شخص اللہ کے رسول کی مخالفت کرے، اس کے لئے ہدایت واضح ہونے کے بعد، اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کرے: ہم اس کو جو وہ کر رہا ہے کرنے دیں گے، اور اس کو دوزخ میں داخل کریں گے، اور وہ بری لوٹنے کی جگہ ہے!

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿١١٦﴾ إِنْ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا إِنَاثًا وَإِنْ يَدْعُونَ إِلَّا شَيْطَانًا مَرِيدًا ﴿١١٧﴾ لَعَنَهُ اللَّهُ ۘ وَقَالَ لَأَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَفْرُوضًا ﴿١١٨﴾ وَلَأُضِلَّنَّهُمْ وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ آذَانَ الْأَنْعَامِ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللَّهِ ۚ وَمَنْ يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُبِينًا ﴿١١٩﴾ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ ۖ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا ﴿١٢٠﴾ أُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَلَا يَجِدُونَ عَنْهَا مَحِيصًا ﴿١٢١﴾

إِنَّ اللَّهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	يُشْرِكْ	شریک ٹھہرائے	إِلَّا شَيْطَانًا	مگر شیطان
لَا يَغْفِرُ	نہیں بخشیں گے	بِاللَّهِ	اللہ کے ساتھ	مَرِيدًا	سرکش کو
أَنْ يُشْرَكَ (۱)	شریک ٹھہرانے کو	فَقَدْ ضَلَّ	تو یقیناً وہ گمراہ ہوا	لَعَنَهُ	رحمت سے دور کر دیا اس کو
بِهِ	ان کے ساتھ	ضَلَالًا (۲)	گمراہی	اللَّهُ	اللہ نے
وَيَغْفِرُ	اور بخشیں گے	بَعِيدًا	دور کی	وَقَالَ	اور کہا اس نے
مَا دُونَ	جو کم تر ہیں	إِنْ يَدْعُونَ (۳)	نہیں پکارتے وہ	لَأَتَّخِذَنَّ (۴)	ضرور لوں گا میں
ذَٰلِكَ	اس سے	مِنْ دُونِهِ	اللہ سے ورے	مِنْ عِبَادِكَ	آپ کے بندوں میں سے
لِمَنْ يَشَاءُ	جس کیلئے چاہیں گے	إِلَّا إِنَاثًا	مگر عورتوں کو	نَصِيبًا	حصہ
وَمَنْ	اور جو شخص	وَإِنْ يَدْعُونَ (۳)	اور نہیں پکارتے وہ	مَفْرُوضًا	مقررہ (طے شدہ)

(۱) أن يشرك: أن مصدریہ ہے، اور فعل بتاویل مصدر ہو کر لا یغفر کا مفعول بہ ہے (۲) ضلالاً بعیدا: مفعول مطلق ہے (۳) إن یدعون: إن دونوں جگہ نافیہ ہے (۴) لأتخذن: اور آگے سب افعال لام تاکید با نون تاکید ثقیلہ ہیں۔

وَلَاُضِلَّنَّهُمْ	اور ضرور گمراہ کروں گا ان کو	يَّتَّخِذِ	بنائے گا	وَمَا	اور نہیں
وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ	اور ضرور امیدیں	الشَّيْطٰنَ	شیطان کو	يَعِدُهُمُ	وعدہ کرتا ان سے
	دلاؤں گا ان کو	وَلِيًّا	دوست	الشَّيْطٰنُ	شیطان
وَلَاٰمُرَنَّهُمْ	اور ضرور حکم دوں گا ان کو	مِّنْ دُوْنِ	ورے	اِلَّا غُرُوْرًا	مگر فریب (دھوکے) کا
فَلَيُبَتِّكُنَّ (۱)	پس ضرور کاٹیں گے وہ	اللّٰهِ	اللہ کے	اُولٰٓئِكَ	یہی لوگ
اٰذَانَ	کان	فَقَدْ خَسِرَ	تو یقیناً گھاٹے میں رہا وہ	مَاْوٰىهُمْ	ان کا ٹھکانہ
الْاَنْعَامِ	پالتو چوپایوں کے	خُسْرَانًا	گھاٹا	جَهَنَّمُ	دوزخ ہے
وَلَاٰمُرَنَّهُمْ	اور ضرور حکم دوں گا ان کو	مُّبِيْنًا	صریح (کھلا)	وَلَا يَجِدُوْنَ	اور نہیں پائیں گے وہ
فَلَيُغَيِّرُنَّ	پس ضرور بدلیں گے وہ	يَعِدُهُمْ	وعدہ کرتا ہے وہ ان سے	عَنْهَا	اس سے
خَلْقَ اللّٰهِ	اللہ کی بناوٹ کو	وَيُمَنِّيْهِمْ	اور امیدیں دلاتا ہے	مَحِيْصًا (۲)	کوئی بھاگنے کی جگہ
وَمَنْ	اور جو شخص		وہ ان کو	۞	۞

ردّ اشراک کا بیان

ربط: چوری کرنا اور دوسرے پر جھوٹی تہمت لگانا: اگرچہ کبیرہ گناہ ہے، مگر قابلِ معافی ہے، ایک شرک وکفر ہی ناقابل معافی گناہ ہے، پس اگر وہ چور توبہ کرتا تو بخشا جاتا، مگر اس نے رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی اور مسلمانوں کے پاس سے بھاگا، اور مشرکوں کے ساتھ جاملا، اس لئے اب اس کی مغفرت کا احتمال ہی نہ رہا (فوائد)

ہر گناہ قابلِ معافی ہے، مگر شرک وکفر قابلِ معافی نہیں

شرک وکفر متلازم (لازم ملزوم) ہیں، شرک کے معنی ہیں: اللہ کے ساتھ اللہ کے علاوہ کسی اور کو معبود ماننا، اور کفر کے معنی ہیں: اللہ کے نازل کئے ہوئے دین کو نہ ماننا یا منسوخ دین کو ماننا، پس دونوں ایک ہی قبیل سے ہیں۔

اور شرک وکفر قابل معافی اس لئے نہیں کہ یہ از قبیل بغاوت ہیں، اور حکومت ہر گناہ معاف کرتی ہے، مگر باغی کو ضرور سزا دیتی ہے، اسی طرح جو اللہ کے ساتھ خدائی میں شریک کرتا ہے یا اللہ کے نازل کئے ہوئے دین کو نہیں مانتا، اس کو ضرور سزا ملے گی کہ یہ سنگین گناہ ہے، دیگر جرائم قابل عفو ہیں، مگر معافی مشیت کے تابع ہے، پس اس پر تکیہ کر کے گناہ کرنا حماقت

(۱) بَتَكَ (ض) بَتْكًا: کاٹنا، بَتَّكَهُ تَبْتِيْكًا: کاٹنا ٹکڑے ٹکڑے کرنا۔ (۲) محیصا: ظرف مکان: پناہ گاہ، لوٹنے کی جگہ۔

ہے،البتہ گناہ سرزد ہونے کے بعد مایوس نہ ہو۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۭ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝۱۱۶﴾

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو تو معاف نہیں کریں گے کہ ان کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے،اور اس کے علاوہ گناہوں کو جس کے لئے منظور ہوگا معاف کریں گے،اور جس نے اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرایا وہ پرلے درجہ کی گمراہی میں جاپڑا! ـــــ یعنی اس سے بڑا کوئی گناہ نہیں۔

مشرکین کے دیوی دیوتا فرشتے اور سرکش شیاطین ہیں

عرب کے مشرکین فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں مانتے تھے،اور ان کے پیکر (نظر آنے والی صورتیں) بنا رکھے تھے،اور ان کو جلب منفعت کے لئے پوجتے تھے، کہتے تھے:﴿مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾: ہم ان کی صرف اس لئے پرستش کرتے ہیں کہ وہ ہم کو اللہ سے نزدیک کردیں [الزمر۳] حالانکہ وہ صنفِ نازک کو گھٹیا تصور کرتے تھے،لڑکیوں کو زندہ درگور کرتے تھے:﴿وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ﴾ اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کے پیدا ہونے کی خبر دی جاتی تو دن بھر اس کا چہرہ بے رونق رہتا،اور وہ دل میں کڑھتا رہتا،مگر ایسی صنف کو اللہ کی اولاد ماننے سے ذرا نہیں شرماتے تھے، یہ ایک متضاد فکر ہے کہ عورتوں کو کمزور بھی سمجھا جائے اور ان کو خدا کا درجہ بھی دیا جائے۔

اور ان کے دیوتا سرکش شیاطین تھے،ان کو ضرر سے بچنے کے لئے پوجتے تھے،اور ان کے بھی پیکر بنا رکھے تھے،اور ان کا باوا شیطانِ اکبر ہے،پس وہ درحقیقت اسی شیطانِ اکبر کی عبادت کرتے تھے،جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی بارگاہ سے دھتکار دیا ہے،اس کے پجاریوں کی مغفرت کیسے ہوسکتی ہے؟

﴿اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ۝۱۱۷ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ﴾

ترجمہ: مشرکین اللہ سے نیچے صرف عورتوں کو پوجتے ہیں ـــــ یہی ان کی دیویاں ہیں اور وہ فرشتوں کے پیکر ہیں، فرشتوں کے کئی کئی ہاتھ ہیں، مشرکین دیویوں کے بھی کئی کئی ہاتھ بناتے ہیں ـــــ اور وہ صرف سرکش شیطان کی پوجا کرتے ہیں ـــــ یہ ان کا بڑا دیوتا ہے ـــــ جس کو اللہ نے اپنی رحمت سے پھٹکار دیا ہے!

شیطانِ اکبر بنی آدم کا روزِ اول سے سخت دشمن اور بدخواہ ہے

جب شیطانِ اکبر: حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے پر ملعون و مردود ہوا تو اسی وقت اس نے کہا تھا کہ میں تو

غارت ہو ہی چکا، مگر میں بھی تیرے بندوں میں سے ـــ بنی آدم اور جنات میں سے ـــ جتنے میرے کوٹے میں ہیں ان کو گمراہ کر کے چھوڑوں گا، اور ان کو آرزوئیں دلاؤں گا، گناہوں کو خوبصورت اور پر کشش بنا کر پیش کروں گا، اور ان کی دلیلیں ان کو سوجھاؤں گا کہ سودی نظام بمعیشت کی ترقی کے لئے ضروری ہے، اور مروجہ سودی نظام میں غریبوں کا استحصال نہیں، بلکہ ان کو خون سپلائی کرنا ہے، اور پردہ عورتوں کی ترقی میں مانع ہے اور ہر مذہب والے کو پٹی پڑھاؤں گا کہ اسی کا مذہب حق ہے، اس پر وہ مضبوطی سے جما رہے، اور ان سے دو کام خاص طور پر کراؤں گا:

۱- ان کو اس بات کی تعلیم دوں گا کہ وہ جانوروں کے کان کاٹ کر بتوں کے نام پر چھوڑیں، عربوں میں بحیرہ سائبہ وغیرہ کا رواج تھا۔

۲- ان کو اس بات کی بھی تعلیم دوں گا کہ وہ اللہ کی بناوٹ کو بدلیں، جانوروں کے کان کاٹنا اس کا ایک فرد ہے، اسی طرح فوطے نکال کر ہیجڑا بننا، سرجری کرا کر جنس بدلنا، نس بندی کرا کر افزائشِ نسل کو روکنا، خود کو خوبصورت ظاہر کرنے کے لئے پلاسٹک سرجری کرانا وغیرہ، حتی کہ علماء نے بدن گدوانے اور ڈاڑھی منڈوانے کو بھی اسی ذیل میں لیا ہے۔

البتہ علاج کے طور پر کوئی آپریشن کرانا اس میں داخل نہیں، وہ مقصد تخلیق کو بدلنا نہیں، بلکہ اس کو حاصل کرنا ہے، اسی طرح اگر جسم میں کوئی عیب ہو، اس کو دور کرنے کے لئے سرجری کرانا بھی اس میں داخل نہیں، کیونکہ یہ علاج ہے اور علاج جائز ہے (آسان تفسیر)

آخر میں فرمایا کہ جو شخص شیطان کے اشارے پر یہ کام کرے گا گھاٹے میں رہے گا، پھر تمہید لوٹا کر فرمایا کہ شیطان کے یہ وعدے محض فریب اور دھوکہ ہیں، جو کبھی پورے نہیں ہونگے، اور جو شیطان کے فریب میں آئے گا اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے، جہاں سے وہ بھاگ نہیں سکے گا۔

﴿ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ۝ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ۝ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۚ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ۝ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۡ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ۝ ﴾

ترجمہ: اور شیطان نے کہا: میں آپ کے بندوں میں سے ایک معین حصہ (اپنا کوٹہ) لے کر رہوں گا، اور میں ضرور ان کو گمراہ کروں گا ـــ یعنی فکر وعقیدہ کی غلطی میں مبتلا کروں گا ـــ اور میں ضرور انہیں آرزوئیں دلاؤں گا ـــ کہ اللہ سے مت ڈرو، وہ غفور رحیم ہیں، ہر گناہ بخش دیں گے ـــ اور میں ضرور ان کو حکم دوں گا: (۱) پس وہ پالتو چوپایوں کے

کان کاٹیں گے (۲) اور میں ضرور ان کو حکم دوں گا: پس وہ ضرور اللہ کی تخلیق میں تبدیلی کریں گے ــــ اور جو شخص اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنائے گا ــــ اور اس کے کہنے پر چلے گا ــــ وہ کھلے گھاٹے میں رہے گا!

شیطان ان سے وعدہ کرتا ہے، اور ان کو امیدیں دلاتا ہے ــــ یہ تمہید لوٹائی ہے ــــ اور شیطان ان سے محض دھوکہ کا وعدہ کرتا ہے، ان لوگوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے، اور وہ اس سے بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں پائیں گے!

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾ لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾ وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾ ع

۱۸ ع ۱۱ ۱۵

وَالَّذِيْنَ	اور جو لوگ	مِنْ تَحْتِهَا	ان میں	مِنَ اللّٰهِ	اللہ سے
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	الْاَنْهٰرُ	نہریں	قِيْلًا	بات کے اعتبار سے
وَعَمِلُوْا	اور کیے انھوں نے	خٰلِدِيْنَ	رہنے والے وہ	لَيْسَ	نہیں ہے
الصّٰلِحٰتِ	نیک کام	فِيْهَآ اَبَدًا	ان میں ہمیشہ	بِاَمَانِيِّكُمْ	تمہاری آرزوؤں سے
سَنُدْخِلُهُمْ	عنقریب داخل کریں گے ہم ان کو	وَعْدَ اللّٰهِ	اللہ کا وعدہ	وَلَآ اَمَانِيِّ	اور نہ آرزوؤں سے
		حَقًّا	برحق ہے	اَهْلِ الْكِتٰبِ	اہل کتاب کی
جَنّٰتٍ	باغات میں	وَمَنْ	اور کون ہے	مَنْ يَّعْمَلْ	جو شخص کرے گا
تَجْرِيْ	بہتی ہیں	اَصْدَقُ	زیادہ سچا	سُوْٓءًا	کوئی بھی برائی

يُّجْزَ	بدلہ دیا جائے گا وہ	فَاُولٰٓئِكَ	تو وہ لوگ	مُحْسِنٌ	نیکوکار ہے
بِهٖ	اس کا	يَدْخُلُوْنَ	داخل کئے جائیں گے	وَّاتَّبَعَ	اور پیروی کی اس نے
وَلَا يَجِدْ	اور نہیں پائے گا وہ	الْجَنَّةَ	باغ میں	مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ	دین ابراہیم کی
لَهٗ	اپنے لئے	وَلَا يُظْلَمُوْنَ	نہیں حق مارے جائیں	حَنِيْفًا	یکسو ہونے والا
مِنْ دُوْنِ	ورے		گے وہ	وَاتَّخَذَ اللّٰهُ	اور بنایا اللہ نے
اللّٰهِ	اللہ کے	نَقِيْرًا	کھجور کی گٹھلی کے چھلکے	اِبْرٰهِيْمَ	ابراہیم کو
وَلِيًّا	کوئی حمایتی		کے برابر	خَلِيْلًا	خاص دوست
وَّلَا نَصِيْرًا	اور نہ کوئی مددگار	وَمَنْ	اور کون	وَلِلّٰهِ	اور اللہ کے لئے ہیں
وَمَنْ	اور جو	اَحْسَنُ	اچھا ہے	مَا	جو چیزیں
يَّعْمَلْ	کرے گا	دِيْنًا	دین کے اعتبار سے	فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں ہیں
مِنَ الصّٰلِحٰتِ	نیک کاموں سے	مِّمَّنْ	اس شخص سے جس نے	وَمَا	اور جو چیزیں
مِنْ ذَكَرٍ	مرد سے	اَسْلَمَ	تابع کردیا	فِي الْاَرْضِ	زمین میں ہیں
اَوْ اُنْثٰى	یا عورت سے	وَجْهَهٗ	اپنا چہرہ	وَكَانَ اللّٰهُ	اور ہیں اللہ تعالیٰ
وَهُوَ	درانحالیکہ وہ	لِلّٰهِ	اللہ کے لئے	بِكُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز کو
مُؤْمِنٌ	ایماندار ہے	وَهُوَ	درانحالیکہ وہ	مُّحِيْطًا	قابو میں لینے والے

نیک مؤمنین سے سدابہار باغات کا سچا وعدہ ہے

قرآنِ کریم فریقین میں سے ایک کے تذکرہ کے بعد دوسرے فریق کا ذکر کرتا ہے، گذشتہ آیت میں جہنمیوں کا ذکر آیا ہے، اب ایک آیت میں اہل جنت کا بیان ہے، ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾﴾

ترجمہ: اور جو لوگ ایمان لائے، اور انھوں نے نیک کام کئے ـــــ قرآنِ کریم نیک مؤمنین ہی کا انجام بیان کرتا ہے، عام مؤمنین کا تذکرہ حدیثوں میں ہے ـــــ ہم عنقریب ان کو ایسے باغات میں داخل کریں گے جن میں نہریں رواں دواں ہیں، وہ ان میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے، یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے، اور اللہ سے بڑھ کر سچی بات کس کی ہوسکتی ہے؟

—— کسی کی نہیں!

آخرت میں جھوٹی آرزوئیں کام نہیں آئیں گی، ہر برائی کی سزا اور ہر نیکی کا بدلہ ملے گا

دنیا میں ہر دھرم والے خود کو برحق سمجھتے ہیں، اور خود کو جنت کا حقدار سمجھتے ہیں، شیطان نے ان کو یہ پٹی پڑھا رکھی ہے، جیسا کہ گذشتہ آیات میں گذرا، مگر یہاں قرآنِ کریم نے صرف مسلمانوں کا اور اہل کتاب کا تذکرہ کیا ہے، دیگر مذاہب والوں کا تذکرہ نہیں کیا، کیونکہ ان دھرموں کی سخافت (بوداپن) نہایت واضح ہے، مگر حکم عام ہے۔

آج مسلمان بھی، چاہے وہ کتنا ہی بدعمل ہو، یہ سمجھے بیٹھا ہے کہ جنت اس کی جاگیر ہے، وہ محبوب کا امتی ہے، وہ نہیں بخشا جائے گا تو اور کون بخشا جائے گا؟ یہی حال یہود ونصاریٰ کا ہے، وہ کہتے ہیں: ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں، جنت ہمارے ہی لئے ہے، اور ہمارے بڑے ہمارے گناہ بخشوادیں گے، ایسا ہی کچھ ہندو، بودھسٹ وغیرہ فرقے سمجھے ہوئے ہیں۔

قرآنِ کریم کہتا ہے: ان جھوٹی امیدوں سے آخرت میں کام نہیں چلے گا، آخرت میں ایمان صحیح اور عمل صالح کو دیکھا جائے گا، جس کا ایمان صحیح ہے — اور اس کا ذکر آگے ہے — اور اس نے ایمان کے ساتھ کوئی بھی برائی کی ہے تو اس کا بدلہ اس کو ضرور دیا جائے گا، اور اللہ سے کم تر جو معبود اس نے مان رکھے ہیں وہ نہ اس کی حمایت کرسکیں گے نہ کوئی مدد کرسکیں گے، اور جس مؤمن نے نیک کام کئے ہیں، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، وہ ضرور جنت میں جائے گا، اور وہاں رتی بھر اس کا حق نہیں مارا جائے گا۔

ملحوظہ: یہ مضمون قرآنِ کریم میں جگہ جگہ آیا ہے، مثلاً ہدایت القرآن جلد اول صفحہ ۹۵ میں بھی یہ بات گذری ہے۔

﴿لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ۭ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْۗءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰۗىِٕكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ۝﴾

ترجمہ: نہ تو تمہاری آرزؤں پر مدار ہے، اور نہ اہل کتاب کی آرزؤں پر! —— جو بھی کوئی برائی کرے گا وہ اس کا بدلہ دیا جائے گا، اور وہ اللہ سے ورے اپنے لئے نہ کوئی حمایتی پائے گا، اور نہ کوئی مددگار! —— اور جو شخص نیک کام کرے گا، خواہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ وہ مسلمان ہو تو وہ جنت میں داخل کئے جائیں گے، اور وہ رتی بھر ظلم نہیں کئے جائیں گے۔

ایمان معتبر نیکوکار مسلمان ہی کا ہے، وہی ملتِ ابراہیم کا پیروکار ہے

یہود ونصاریٰ نے جو آرزوئیں باندھ رکھی ہیں وہ کبھی پوری نہ ہونگی، اس لئے کہ بنی اسرائیل کی شریعت منسوخ ہو چکی

ہے، اب جو بنی اسماعیل کی شریعت کی پیروی کرے گا اسی کا دین معتبر ہے، اور سب سے اچھا دین وہ ہے جس میں آدمی عصبیت سے ہٹ کر اپنا رخ اللہ کے دین کے تابع کر دے، اور ساتھ ہی اس دین پر عمل پیرا بھی ہو، یہی یکسو ہونے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کی پیروی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مقامِ خلت سے سرفراز کیا ہے، اس لئے نبوت اور کتاب کو ان کی نسل میں دائر کر دیا، یہ نعمت ایک وقت تک بنی اسرائیل کو حاصل رہی، اب یہ نعمت بنی اسماعیل کی طرف منتقل کر دی ہے، پس جو شخص مسلمان ہے اور ساتھ ہی نیکوکار بھی ہے تو آخرت میں اس کی امیدیں برآئیں گی، اور یہود و نصاریٰ جو امیدیں باندھے بیٹھے ہیں وہ شیخ چلّی والی امیدیں ثابت ہونگی۔

شیخ چلّی کی امیدیں: شیخ چلی مزدوری کرتے تھے، کسی نے ان کو گھی کا گھڑا اٹھوایا، وہ گھڑا اٹھا کر چلے اور سوچنے لگے جو مزدوری ملے گی اس سے انڈے لاوں گا اور ان پر مرغی بٹھاوں گا، پھر بچے بیچ کر بکری لاوں گا، جب ریوڑ تیار ہوگا تو شادی کروں گا، صاحبزادہ ہوگا، میں آفس میں بیٹھا ہوں گا، اور لڑکا آئے گا، کہے گا: ابا جان! چلئے امی جان کھانے کو بلا رہی ہیں، میں کہوں گا: ابھی آیا! جب سر مٹکایا تو گھڑا گر گیا، مالک نے ایک دھول رسید کیا کہ میرا گھی گرا دیا! شیخ چلّی نے کہا: آپ کا گھی گر گیا اور میرا گھر گر گیا!

﴿ وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾ ﴾

ترجمہ: اور اس سے بہتر کس کا دین ہوگا جس نے اپنا رخ اللہ کے تابع کر دیا ــــ اور نبی ﷺ پر ایمان لے آیا ــــ بشرطیکہ وہ نیکوکار ہو، اور وہ یکسو ہونے والے ابراہیم کے دین کی پیروی کرتا ہو؟ اور اللہ نے ابراہیم کو خاص دوست بنایا ہے!

مالکِ کائنات اللہ تعالیٰ ہیں، وہ جسے چاہیں اپنی نعمت سے سرفراز فرمائیں

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے: سب اللہ کی ملکیت ہے، اور مالک کو اپنی ملکیت میں ہر طرح تصرف کا حق ہے، اپنی حکمت سے اپنی رحمت سے جسے چاہے عطا فرمائے، اب نعمتِ نبوت و کتاب بنی اسماعیل کو عطا ہوئی ہے، اور ہر چیز ان کے قابو میں ہے، پس ان کی تقسیم کو مانو اور آخری پیغمبر پر ایمان لاؤ، اگر آخرت میں نجات کی آرزو رکھتے ہو!

﴿ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾ ﴾

ترجمہ: اور اللہ ہی کی ملک ہیں وہ چیزیں جو آسمانوں میں ہیں اور وہ چیزیں جو زمین میں ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا احاطہ کرنے والے ہیں!

وَ يَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿۱۲۷﴾

وَ يَسْتَفْتُوْنَكَ	اورلوگ آپ سے مسائل	فِيْ يَتٰمَى	یتیم عورتوں کے	وَاَنْ تَقُوْمُوْا (۷)	اورکھڑے ہونے
	دریافت کرتے ہیں	النِّسَآءِ	بارے میں		(کے بارے) میں
فِي النِّسَآءِ	عورتوں کے بارے میں	الّٰتِيْ (۳)	وہ (عورتیں) جو	لِلْيَتٰمٰى	یتیموں کے لئے
قُلِ	آپ کہیں:	لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ	نہیں دیتے تم ان کو	بِالْقِسْطِ	انصاف کے ساتھ
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	مَا كُتِبَ	جولکھا گیا ہے	وَمَا تَفْعَلُوْا	اور جو بھی کروگے تم
يُفْتِيْكُمْ	فتوی دیتے ہیں تم کو	لَهُنَّ	ان کے لئے	مِنْ خَيْرٍ	کوئی بھلائی
فِيْهِنَّ	ان کے بارے میں	وَ تَرْغَبُوْنَ	اور رغبت رکھتے ہو تم	فَاِنَّ	پس بے شک
وَمَا (۱)	اور (اس میں) جو	اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ (۴)	ان سے نکاح کرنے کی	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ
يُتْلٰى	پڑھا جاتا ہے	وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ (۵)	اور کمزوروں کے	كَانَ بِهٖ	اس سے ہیں
عَلَيْكُمْ	تم پر		بارے میں	عَلِيْمًا	خوب واقف
فِي الْكِتٰبِ (۲)	اللہ کی کتاب میں	مِنَ الْوِلْدَانِ (۶)	بچوں سے	❁	❁

احکام کا بیان

ربط: اب مضمون شروع سورت کی طرف لوٹ رہا ہے، سورت کے شروع میں یتیموں اور عورتوں کے حقوق کا بیان تھا،

(۱) وما: کا عطف فیھن کی ضمیر مجرور پر حرفِ عطف لوٹائے بغیر کیا ہے۔ حرفِ جر لوٹانے کی شرط بصری لگاتے ہیں وھو لیس بوحي یجب اتباعه (روح) (۲) في الکتاب: یتلی سے متعلق ہے (۳) التي: صلہ کے ساتھ یتمی النساء کی صفت ہے (۴) أن سے پہلے في مقدر ہے، اور رغب کے صلہ میں جب في آتا ہے تو رغبت کرنے کے معنی ہوتے ہیں (۵) والمستضعفین کا عطف بھی فیھن کی ضمیر مجرور پر ہے (۶) الولدان: لڑکے لڑکی کو عام ہے (۷) أن تقوموا: أن: مصدریہ ہے، اور تقوموا بتاویل مصدر ہوکر فیھن کی ضمیر مجرور پر معطوف ہے۔

پھر میراث کے احکام آئے تھے، پھر مضامین پھیلتے گئے، اب پھر مرد و زن کے باہمی تعلقات کے بارے میں چند احکام بیان فرماتے ہیں، اور اس آیت میں ان تین احکام کا حوالہ ہے جو پہلے آئے ہیں، ان کے بارے میں غلط فہمی تھی کہ شاید یہ احکام عارضی اور وقتی ہیں، کچھ وقت کے بعد اٹھا لئے جائیں گے، اس لئے ان کا حوالہ دیا کہ وہ احکام دائمی اور قطعی ہیں، ان کا خیال رکھو۔

تین احکام جن کا اس آیت میں حوالہ ہے

پہلا حکم: آیت تین میں حکم دیا ہے کہ یتیم لڑکیوں کے ساتھ انصاف کرو، کبھی یتیم لڑکی کا سرپرست لڑکی کے مال میں رغبت رکھتا ہے، اس لئے وہ خود اس سے نکاح کرتا ہے، مگر مہر میں انصاف نہیں کرتا، کم مہر دیتا ہے، ایسا نہ کیا جائے، اگر یتیم لڑکی کے حق میں اندیشہ ہو کہ اس کے ساتھ انصاف نہیں کرے گا تو دوسری عورتوں سے نکاح کرے جو اسے پسند ہوں۔

دوسرا حکم: پھر آیت گیارہ سے میراث کے احکام شروع ہوئے ہیں، ان کے بارے میں غلط فہمی تھی، سردار کہتے تھے: جو لڑتا ہے اور غنیمت لاتا ہے وہی میراث کا حقدار ہے، اور بچوں کی میراث کے احکام عارضی ہیں، کچھ وقت کے بعد اٹھا لئے جائیں گے، اس آیت میں فرمایا کہ وہ احکام دائمی اور قطعی ہیں، ان پر عمل کرو۔

تیسرا حکم: آیت دو میں یتیموں کے تعلق سے تین احکام ہیں، ان کا خلاصہ یہ ہے کہ یتامی کے معاملہ میں انصاف کرو، ظلم و زیادتی مت کرو، ان کا کسی طرح نقصان مت کرو —— اور مزید حسنِ سلوک کرو تو اس کا صلہ پاؤ گے۔

آیتِ پاک: اور لوگ آپ سے عورتوں کے مسائل دریافت کرتے ہیں؟ آپ کہیں: اللہ تعالیٰ تمہیں ان کے بارے میں فتوی دیتے ہیں —— یعنی اب ان کے احکام کا بیان شروع ہوتا ہے —— (۱) اور اس میں (فتوی دیتے ہیں) جو تم پر قرآن میں پڑھا جاتا ہے یتیم عورتوں کے بارے میں، جن کو تم ان کا وہ حق نہیں دیتے جو ان کے لئے لکھا گیا ہے —— یعنی واجبی مہر نہیں دیتے، کم مہر دیتے ہو —— اور ان سے نکاح کرنے کی رغبت رکھتے ہو (۲) اور کمزور بچوں کے بارے میں (فتوی دیتے ہیں) —— خواہ وہ بچے یتیم ہوں یا غیر یتیم، ان کا میراث میں جو حق ہے وہ ان کو دو —— (۳) اور یتیموں کے ساتھ انصاف کرنے کے بارے میں (فتوی دیتے ہیں) —— اور تم جو کچھ بھلائی کرو گے —— انصاف کے علاوہ —— تو اللہ تعالیٰ اس سے یقیناً خوب واقف ہیں —— وہ تمہیں اس کی جزائے خیر عطا فرمائیں گے۔

وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۚ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۗ وَأُحْضِرَتِ الْأَنْفُسُ الشُّحَّ ۚ وَإِنْ تُحْسِنُوا

وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ﴿۱۲۸﴾ وَ لَنْ تَسْتَطِیْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَیْنَ النِّسَآءِ وَ لَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِیْلُوْا كُلَّ الْمَیْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ؕ وَ اِنْ تُصْلِحُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۱۲۹﴾ وَ اِنْ یَّتَفَرَّقَا یُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِیْمًا ﴿۱۳۰﴾

وَاِنْ	اور اگر	وَاُحْضِرَتِ (۲)	اور حاضر کئے گئے ہیں	وَلَوْ حَرَصْتُمْ	اگرچہ تمہارا کتنا ہی
امْرَاَةٌ	کوئی عورت	الْاَنْفُسُ	نفوس (دل)		جی چاہے
خَافَتْ	ڈرے	الشُّحَّ	خودغرضی	فَلَا تَمِیْلُوْا	پس مت جھک جاؤ
مِنْ بَعْلِهَا	اپنے شوہر کی	وَاِنْ تُحْسِنُوْا (۳)	اور اگر اچھا سلوک کرو	كُلَّ الْمَیْلِ	پوری طرح جھک جانا
نُشُوْزًا (۱)	زیادتی سے	وَ تَتَّقُوْا	اور اللہ سے ڈرو	فَتَذَرُوْهَا	پس کر کے رکھ دو اس کو
اَوْ اِعْرَاضًا	یا بے رخی سے	فَاِنَّ اللّٰهَ	تو یقیناً اللہ تعالیٰ	كَالْمُعَلَّقَةِ	لٹکی ہوئی کی طرح
فَلَا جُنَاحَ	تو کوئی گناہ نہیں	كَانَ بِمَا	ہیں ان کاموں سے جو	وَاِنْ تُصْلِحُوْا (۵)	اور اگر تم سنوارو
عَلَیْهِمَآ	دونوں پر	تَعْمَلُوْنَ	تم کرتے ہو	وَ تَتَّقُوْا	اور اللہ سے ڈرو
اَنْ یُّصْلِحَا	دونوں کے صلح کرنے میں	خَبِیْرًا	خوب واقف	فَاِنَّ اللّٰهَ	تو یقیناً اللہ تعالیٰ
بَیْنَهُمَا	باہم	وَلَنْ	اور ہرگز نہیں	كَانَ غَفُوْرًا	ہیں بڑے بخشنے والے
صُلْحًا	کسی طرح کی مصالحت	تَسْتَطِیْعُوْٓا	طاقت رکھتے تم	رَّحِیْمًا	بڑے مہربان
وَالصُّلْحُ	اور مصالحت	اَنْ تَعْدِلُوْا (۴)	انصاف کرنے کی	وَاِنْ	اور اگر
خَیْرٌ	بہت اچھی چیز ہے	بَیْنَ النِّسَآءِ	عورتوں کے درمیان	یَّتَفَرَّقَا	جدا ہو جائیں دونوں

(۱) نشوز: مصدر: نشز (ن، ض) نَشْزًا و نشوزًا: اٹھنا، بلند ہونا۔ عورت کا نشوز: عورت کا شوہر کی نافرمانی کرنا۔ اور شوہر کا نشوز: شوہر کا بیوی پر سختی کرنا، ظلم و زیادتی کرنا (۲) أحضرت: حاضر کی گئی، إحضار سے ماضی مجہول...... الأنفس: نائب فاعل ...... الشح: مفعول ثانی، شُحّ: آخری درجہ کا بخل، خودغرضی، دنیوی مفادات (۳) احسان: سلوک کرنا یعنی آئندہ (۴) أن تعدلوا: أن مصدریہ، تعدلوا: بتاویل مصدر ہو کر مفعول بہ ہے۔ (۵) اصلاح: سنوارنا یعنی پہلے جو بگاڑ پیدا ہو گیا ہے اس کو ٹھیک کرنا، بیوی کو راضی کر لینا۔

یُغْنِ	(تو) بے نیاز کردیں گے	مِّنْ سَعَتِہٖ	اپنی گنجائش سے	وَاسِعًا	بڑی گنجائش والے
اللہُ	اللہ تعالیٰ	وَكَانَ	اور ہیں	حَكِیْمًا	بڑی حکمت والے
كُلًّا	ہر ایک کو	اللہُ	اللہ تعالیٰ	۞	۞

ربط: گذشتہ آیت میں ان تین باتوں کی تاکید تھی جن کا ذکر اس سورت کے پہلے دو رکوع میں آیا ہے۔ اب تین آیتوں میں خانگی پرابلم (PROBLEM) کا حل ہے، پہلی آیت میں ایک بیوی کی مشکلات کے دو حل ہیں، دوسری آیت میں ایک سے زیادہ بیویاں ہونے کی صورت میں ایک کا ہو کر رہ جانے کی ممانعت ہے، اور آخری آیت میں نزاع کا آخری حل ہے۔

ایک بیوی سے بگاڑ کے دو علاج

اگر کسی کی ایک بیوی ہے، اور کسی وجہ سے وہ شوہر کو ناپسند ہے، اس لئے دونوں میں اَن بَن رہتی ہے تو بگاڑ دور کرنے کے دو طریقے ہیں:

(الف) پہلا طریقہ مصالحت کا ہے، بیوی سارا مہر یا کچھ مہر معاف کردے، یا خرچ چھوڑ دے یا کم لے، جیب سے خرچ کرے یا تنگی ترشی سے گذارہ کرے تو شوہر کے ساتھ نباہ ہوگا، لوگ مفاد پرست ہوتے ہیں، جب شوہر کو فائدہ نظر آئے گا تو وہ بیوی کو رکھے گا۔

(ب) شوہر: بیوی ناپسند ہونے کے باوجود اس کے ساتھ حسن سلوک کرے، اور ظلم وزیادتی سے بچے، ابھی اسی سورت میں یہ ارشاد پاک آیا ہے: ﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ، فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْـًٔا وَّیَجْعَلَ اللّٰهُ فِیْهِ خَیْرًا كَثِیْرًا﴾: اور عورتوں کے ساتھ خوبی سے گذر بسر کرو، پس اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس میں کوئی بڑی منفعت رکھ دیں —— اور شوہر یہ بات پیش نظر رکھے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے تمام کاموں سے پوری طرح باخبر ہیں، اس لئے ناروا سلوک نہ کرے، بلکہ حسن سلوک کرے، اور ظلم وستم نہ کرے، اللہ سے ڈرے!

﴿وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَاۤ اَنْ یُّصْلِحَا بَیْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَالصُّلْحُ خَیْرٌ ؕ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ؕ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ﴿۱۲۸﴾﴾

ترجمہ: اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی بد دماغی یا بے رخی کا ڈر ہو تو دونوں پر کچھ گناہ نہیں کہ وہ باہم کسی بھی طرح مصالحت کرلیں —— ''کچھ گناہ نہیں'' میں اشارہ ہے کہ یہ رشوت نہیں، بلکہ مصالحت ہے، گو صورت رشوت کی نظر آرہی

ہو ـــــ اور بینھما میں اس طرف اشارہ ہے کہ میاں بیوی کے معاملات میں بہتر یہ ہے کہ کوئی تیسرا دخیل نہ ہو، دونوں آپس میں کوئی بات طے کرلیں، عورت یا مرد کے خاندان والے دخل دیں گے تو شاید مصالحت ناممکن ہوجائے، اور ہو بھی جائے تو بھانڈا تو چوراہے پر پھوٹے گا! گھر کی بات گھر ہی میں رہے یہ زیادہ بہتر ہے۔

اس کے بعد ایک قاعدہ کلیہ بیان فرمایا ہے: ـــــ اور مصالحت خوب تر ہے! ـــــ کوئی بھی معاملہ ہو نزاع سے بہتر صلح ہے ـــــ پھر مصالحت کے امکان کا بیان ہے: ـــــ اور دنیوی مفادات کا نفوس کے ساتھ اقتران ہے ـــــ یعنی ہر شخص اپنا مفاد چاہتا ہے، اس کمزوری سے شاید کوئی خالی ہو، پس جب شوہر کو بیوی کے رکھنے میں فائدہ نظر آئے گا تو وہ رکھے گا، چھوڑے گا نہیں!

(دوسری صورت) ـــــ اور اگر تم (آئندہ) اچھا برتاؤ کرو، اور اللہ سے ڈرو ـــــ اور ظلم وستم نہ کرو ـــــ تو اللہ تعالیٰ یقیناً تمہارے اعمال سے پوری طرح باخبر ہیں ـــــ یعنی تم اچھا سلوک کرتے ہو یا نہیں؟ ظلم وستم سے بچتے ہو یا نہیں؟ اس کو اللہ تعالیٰ دیکھ رہے ہیں۔

چند بیویاں ہوں تو ایک کا ہوکر نہ رہے

اگر کسی کی دو یا زیادہ بیویاں ہوں تو اختیاری امور میں، یعنی نان ونفقہ میں اور شب باشی وغیرہ میں برابری اور انصاف کرنا واجب ہے، اور قلبی میلان (محبت) کم وبیش ہو تو چونکہ یہ غیر اختیاری امر ہے، اس لئے اس کی گنجائش ہے، نبی ﷺ کو صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے قلبی تعلق زیادہ تھا، مگر آپ تمام ازواج کو نفقہ برابر دیتے تھے، اور سب کے یہاں (علاوہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے) باری باری رات گذارتے تھے، اور دعا فرماتے تھے: ''الٰہی! یہ میری تقسیم ہے اس چیز میں جو میرے اختیار میں ہے، پس آپ مجھے سرزنش نہ کریں اس میں جو آپ کے اختیار میں ہے، اور میرے اختیار میں نہیں!'' یعنی قلبی میلان جو ایک کی طرف زیادہ ہے اس میں میری پکڑ نہ کریں۔

لیکن اس غیر اختیاری معاملہ میں بھی اس کی گنجائش نہیں کہ اس کا ظاہری برتاؤ پر اثر پڑے، بایں طور کہ ایک بیوی کا ہوکر رہ جائے، اور دوسری بیوی نہ اِدھر کی رہے نہ اُدھر کی، بلکہ شب باشی وغیرہ میں جو اس کا حق ہے، اس کو دے، اور پہلے ایسی غلطی ہوگئی ہے تو اس کی اصلاح کرے اور آئندہ ایسی بے عنوانی کرنے سے اللہ سے ڈرے، اور جان لے کہ اگر کچھ اونچ نیچ ہوگئی تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہیں!

﴿ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاۗءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْھَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۭ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴾

ترجمہ: اورتم ہرگز بیویوں میں ــــ قلبی تعلق میں ــــ برابری نہیں کرسکتے ،اگرچہ تمہارا کتنا ہی جی چاہے، پس تم پوری طرح (ایک کی طرف) مت جھک جاؤ، کہ (دوسری کو) لٹکی ہوئی کی طرح کرکے رکھ دو، اوراگرتم (گذشتہ معاملات کو) سنوارو اور (آئندہ) اللہ سے ڈرو تو اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے بڑے مہربان ہیں!

علاحدگی کی نوبت آئے تو اللہ کفیل ہیں

دونوں صورتوں میں یعنی خواہ ایک بیوی ہو یا چند، زوجین میں علاحدگی ہوجائے، شوہر طلاق دیدے، یا عورت خلع لیلے تو اس میں بھی کچھ حرج نہیں، طلاق ابغض المباحات ضرور ہے، مگر بوقت ضرورت جائز بھی ہے اور دونوں کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، شوہر کو کوئی دوسرا جوڑا مل جائے گا، اور عورت کو کوئی دوسرا شریکِ زندگی، اللہ تعالیٰ بڑی کشائش والے ہیں، اپنی وسعت سے دونوں کا انتظام کردیں گے اور وہ بڑی حکمت والے ہیں، پس زوجین جدائی میں اپنی مصلحت سمجھیں۔

﴿ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴾

ترجمہ: اور اگر دونوں جدا ہوجائیں تو اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اپنی کشادگی سے بے نیاز کردیں گے، اور اللہ تعالیٰ بڑی کشادگی والے بڑی حکمت والے ہیں۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ۚ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿۱۳۱﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿۱۳۳﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾

وَلِلّٰهِ	اور اللہ کے لئے ہیں	وَمَا	اور جو چیزیں	وَصَّيْنَا (۱)	ہم نے تاکیدی حکم دیا
مَا	جو چیزیں	فِي الْاَرْضِ	زمین میں ہیں	الَّذِيْنَ	ان لوگوں کو جو
فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں ہیں	وَلَقَدْ	اور البتہ واقعہ یہ ہے	اُوْتُوا الْكِتٰبَ	دیئے گئے آسمانی کتاب

(۱) وَصّٰى تَوْصِيَةً بالشيئ: مامور و مکلف بنانا، زوردار حکم دینا۔

مِنْ قَبْلِكُمْ	تم سے پہلے	وَلِلّٰهِ	اور اللہ کے لئے ہیں	وَكَانَ اللّٰهُ	اور ہیں اللہ تعالیٰ
وَاِيَّاكُمْ	اور تمہیں (بھی)	مَا	جو چیزیں	عَلٰى ذٰلِكَ	اس بات پر
اَنِ اتَّقُوا	کہ ڈرو تم	فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں ہیں	قَدِيْرًا	پوری قدرت رکھنے والے
اللّٰهَ	اللہ سے	وَمَا	اور جو چیزیں	مَنْ كَانَ	جو ہے
وَاِنْ تَكْفُرُوْا	اور اگر انکار کروگے تم	فِي الْاَرْضِ	زمین میں ہیں	يُرِيْدُ	چاہتا
فَاِنَّ لِلّٰهِ	تو بیشک اللہ تعالیٰ کیلئے ہے	وَكَفٰى بِاللّٰهِ	اور کافی ہیں اللہ تعالیٰ	ثَوَابَ الدُّنْيَا	دنیا کا بدلہ
مَا	جو کچھ	وَكِيْلًا	کارساز	فَعِنْدَ اللّٰهِ	تو اللہ کے پاس ہے
فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں ہے	اِنْ يَّشَاْ	اگر چاہیں وہ	ثَوَابُ الدُّنْيَا	بدلہ دنیا کا
وَمَا	اور جو کچھ	يُذْهِبْكُمْ	لے جائیں تم کو	وَالْاٰخِرَةِ	اور آخرت کا
فِي الْاَرْضِ	زمین میں ہیں	اَيُّهَا النَّاسُ	اے لوگو	وَكَانَ اللّٰهُ	اور ہیں اللہ تعالیٰ
وَكَانَ اللّٰهُ	اور ہیں اللہ تعالیٰ	وَيَاْتِ	اور لے آئیں	سَمِيْعًا	خوب سننے والے
غَنِيًّا حَمِيْدًا	بے نیاز ستودہ صفات	بِاٰخَرِيْنَ	دوسروں کو	بَصِيْرًا	خوب دیکھنے والے

صفتِ وسعت کا بیان، تقویٰ کا تاکیدی حکم اور دوسری باتیں

یہ چار آیتیں گذشتہ تین آیتوں کا تتمہ ہیں، اور ان میں تین باتیں بیان فرمائی ہیں، پہلی دو آیتوں میں گذشتہ تیسری آیت کی وضاحت ہے، اس میں اللہ کی صفتِ وسعت (گنجائش) کا ذکر تھا، اس کے تعلق سے فرماتے ہیں: آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے: سب کے خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہیں، یہ چوڑی چکلی زمین، اس میں پوشیدہ خزانے، یہ بلند آسمان، اس پر دوسرے چھ آسمان، ان کے درمیان بے شمار فرشتے، پھر آگے جنت و جہنم اور سب کا احاطہ کرنے والا عرشِ اعظم: اس پوری کائنات کو پیدا کرنے والے اللہ تعالیٰ ہی ہیں اور وہی اس کے مالک ہیں، اس سے ان کی صفتِ وسعت کا اندازہ لگاؤ کہ وہ کتنی وسیع سلطنت کے مالک ہیں۔

پھر تقویٰ کی وصیت کی ہے، تقویٰ کے معنی ہیں: پرہیزگاری، اور مراد ہے: احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی سے بچنا، خواہ احکام مثبت ہوں یا منفی، اور تقویٰ کا حکم صرف اس امت کو نہیں دیا، گذشتہ امتوں کو بھی اس کا زوردار طریقہ پر حکم دیا تھا۔

پس جو شخص اس حکم کو نہیں مانے گا وہ اپنا نقصان کرے گا، کائنات کے مالک کا کچھ نقصان نہیں ہوگا، جیسے کارخانے کے مالک کا حکم ماننا ضروری ہے، جو بوس کی بات نہیں مانے گا وہ منہ کی کھائے گا، اللہ تعالیٰ تو بے نیاز ستودہ صفات ہیں، وہ

کسی کے ایمان کے محتاج نہیں، نہ کسی کے کفر سے ان کا کچھ نقصان ہوتا ہے، ساری خلقت مل کر ان کے کمال کا اعتراف کرے تو ان کے کمالات میں ذرہ بھر اضافہ نہیں ہوگا، اور معاذ اللہ! اساری مخلوق انکار پر اتر آئے تو ان کی شان میں ذرہ بھر کمی نہیں آئے گی، بلکہ ایمان وکفر کا فائدہ خود مخلوق کو پہنچتا ہے۔

پھر تمہید لوٹا کر فرمایا ہے کہ کائنات کی کارسازی کے لئے اللہ تعالیٰ کافی ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کائنات کے صرف خالق ومالک نہیں، بلکہ کارساز بھی ہیں، یعنی کائنات کی تدبیر وانتظام بھی وہی کر رہے ہیں، پس وہی معبود ہیں، دوسرا کوئی معبود نہیں۔

اور تقویٰ کا حکم یہاں اس لئے دیا ہے کہ گذشتہ پہلی اور دوسری آیتوں میں دونوں شوہروں کو اللہ سے ڈرنے کا حکم دیا ہے، اس کے بارے میں اس آیت میں فرمایا کہ یہ شریعتوں کا قدیم حکم ہے اور تاکیدی حکم ہے، اس کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

اور اللہ کی کارسازی کا مضمون اس لئے بیان کیا کہ تیسری آیت میں ہے کہ اگر میاں بیوی جدا ہو جائیں گے تو ان کی کارسازی اللہ تعالیٰ کریں گے، شوہر کو بھی جوڑا مہیا کریں گے اور عورت کو بھی شریک حیات سے ہم کنار کریں گے، جو ہستی اتنی وسیع کائنات کی کارسازی کر رہی ہے اس کے لئے زوجین کی کارسازی کیا مشکل ہے؟

پھر ایک آیت میں یہ مضمون ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہیں تو تمام انسانوں کو ختم کر دیں، اور ان کی جگہ دوسری مخلوق پیدا کر دیں، اللہ کی قدرت کے لئے یہ بات کچھ مشکل نہیں، اس بات میں اشارہ ہے کہ میاں بیوی میں جدائی کے بعد نئے جوڑے وجود میں لانا ان کے لئے کچھ بھی مشکل نہیں۔

پھر آخری آیت میں مصالحت کرنے والے شوہر کو نصیحت کی ہے کہ وہ صرف دنیا کا فائدہ پیش نظر نہ رکھے، آخرت کا بھی دھیان رکھے، اللہ کے پاس دارین کا صلہ ہے، اور وہ سمیع وبصیر ہیں، آخرت میں صلہ کا حقدار کون ہے، اس کو خوب جانتے ہیں۔

آیاتِ کریمہ: —— اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں وہ چیزیں جو آسمانوں میں ہیں اور وہ چیزیں جو زمین میں ہیں —— یہ اللہ کی صفتِ وسعت کا بیان ہے —— اور واقعہ یہ ہے کہ ہم نے زوردار حکم دیا ہے ان لوگوں کو جن کو تم سے پہلے آسمانی کتابیں دی گئی ہیں —— یعنی سابقہ شرائع والوں کو، یہود ونصاریٰ کی تخصیص نہیں —— اور تم کو بھی کہ اللہ سے ڈرو! —— پس دونوں شوہروں کو بھی حکم کی خلاف ورزی سے بچنا چاہئے۔

اور اگر تم انکار کرو گے تو آسمانوں میں جو کچھ ہے اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ کا ہے —— یہ تکرار نہیں، دلیل ہے کہ کارخانہ کے مالک کا حکم ماننا ضروری ہے —— اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ستودہ صفات ہیں۔

اور اللہ ہی کے لئے ہیں جو چیزیں آسمانوں میں ہیں اور جو چیزیں زمین میں ہیں —— یہ بھی تکرار نہیں، بلکہ تمہید

لوٹائی ہے، اور یہ قرآن کا اسلوب ہے، جب وہ دوسری بات کہنا چاہتا ہے تو تمہید لوٹاتا ہے، تا کہ کلام میں پیچیدگی پیدا نہ ہو، اور کہنا یہ ہے: ـــــ اور اللہ تعالیٰ کارسازی کے لئے کافی ہیں ـــــ یعنی وہ صرف کائنات کے خالق و مالک نہیں، کارساز بھی ہیں پس وہ زوجین کی بھی کارسازی کریں گے۔

اور اگر وہ چاہیں تو اے لوگو! تمہیں نابود کردیں اور دوسروں کو (تمہاری جگہ) لے آئیں، اور اللہ تعالیٰ اس پر پوری قدرت رکھتے ہیں ـــــ اس میں اشارہ ہے کہ یہ جوڑا ختم ہوجائے گا تو اللہ تعالیٰ نئے جوڑے وجود میں لائیں گے!

جو دنیا کا صلہ چاہتا ہے (وہ جان لے کہ) اللہ کے پاس دارین کا صلہ ہے اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والے خوب دیکھنے والے ہیں ـــــ اس میں مصالحت کرنے والے شوہر کو نصیحت کی ہے، کاش وہ سمجھے!

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۣ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۳۵﴾

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	وَلَوْ	گو	فَاللّٰهُ	تو اللہ تعالیٰ
اٰمَنُوْا	ایمان لائے ہو	عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ	اپنے خلاف ہو	اَوْلٰى (۲)	زیادہ نزدیک ہیں
كُوْنُوْا	ہوجاؤ	اَوِ الْوَالِدَيْنِ	یا ماں باپ کے	بِهِمَا (۳)	دونوں سے
قَوّٰمِيْنَ (۱)	اچھی طرح کھڑے ہونے والے	وَالْاَقْرَبِيْنَ	اور رشتہ داروں کے	فَلَا تَتَّبِعُوا	پس نہ پیروی کرو
بِالْقِسْطِ	انصاف کے ساتھ	اِنْ يَّكُنْ	اگر وہ ہو	الْهَوٰٓى	خواہش کی
شُهَدَآءَ	گواہی دینے والے	غَنِيًّا	مالدار	اَنْ (۴)	کبھی
لِلّٰهِ	اللہ کے لئے	اَوْ فَقِيْرًا	یا غریب	تَعْدِلُوْا (۵)	حق سے ہٹ جاؤ

(۱) قَوّام: مبالغہ کا صیغہ ہے (۲) أولی: اقرب، زیادہ حقدار، اور جب لام صلہ آتا ہے تو دھمکی کے معنی ہوتے ہیں، أولی لك: تیرا ناس ہو! (۳) بھما کا مرجع غنی اور فقیر ہیں، چونکہ اللہ کی اقربیت دونوں سے ایک ساتھ ہے، اس لئے تثنیہ کی ضمیر آئی ہے، ورنہ قاعدے سے أو سے عطف کی صورت میں ضمیر مفرد آنی چاہئے۔ (۴) أن کا ترجمہ 'کبھی' حضرت تھانویؒ نے کیا ہے، مفسرین أن سے پہلے لام اور أن کے بعد لا نافیہ مقدر مانتے ہیں أی لِئَلَّا۔ (۵) تعدِلوا: عُدول سے ہے، جس کے معنی ہیں: عدول کرنا یعنی حق سے ہٹ جانا، عدل سے نہیں۔

وَاِنْ تَلْوٗٓا (۱)	اور اگر کج بیانی کرو تم	فَاِنَّ اللّٰهَ	تو بے شک اللہ تعالیٰ	تَعْمَلُوْنَ	تم کرتے ہو
اَوْ تُعْرِضُوْا	یا پہلو تہی کرو	كَانَ بِمَا	ہیں ان سے جو	خَبِيْرًا	پورے باخبر

ماسبق سے ربط: گذشتہ سات آیتوں میں گھر کے بکھیڑوں کا ذکر تھا کہ میاں بیوی اپنے مسائل خود حل کرلیں تو آسانی سے حل ہوجائیں گے، مگر کبھی زوجین کے نزاع میں ان کے والدین اور رشتہ دار حصہ دار بن جاتے ہیں، پھر جانب داری شروع ہوجاتی ہے، شوہر اپنے والدین کی اور رشتہ داروں کی بولی بولتا ہے، جبکہ قصوروار خود ہوتا ہے اور عورت اپنے والدین اور رشتہ داروں کی سُر میں سُر ملاتی ہے، جبکہ نافرمانی اس کی ہوتی ہے، اس طرح جھگڑا بڑھتا ہے، اور گھر برباد ہوجاتا ہے، لیکن اگر دونوں انصاف کی بات کہیں، چاہے ان کے خلاف ہی کیوں نہ پڑے یا والدین اور رشتہ داروں کے خلاف کیوں نہ پڑے تو معاملہ آسانی سے نمٹ جائے گا۔

نکاح کے خطبہ میں سورۃ الاحزاب کی (آیات ۷۰ و ۷۱) اسی مقصد سے شامل کی گئی ہیں، ارشاد پاک ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝﴾: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور سیدھی بات کہو، اللہ تعالیٰ تمہارے لئے تمہارے اعمال سنواریں گے، اور تمہارے لئے تمہاری غلطیاں معاف کریں گے، اور جو اللہ کا اور اس کے رسول کا حکم مانے گا وہ بڑی کامیابی سے ہمکنار ہوگا۔

اس آیت میں یہی ہدایت ہے کہ میاں بیوی کے نزاع میں ہر شخص سیدھی سچی بات کہے تو گذشتہ معاملات سنور جائیں گے، اور گاڑی پٹری پر چڑھ جائے گی۔

اسی مناسبت سے یہاں ایک عام حکم بیان کیا ہے، جو درج ذیل ہے:

دنیا میں عدل وانصاف کا راج قائم کرنا کھرے مسلمانوں کی ذمہ داری ہے

یہ آیت بہت اہم ہے، عدل وانصاف کو بروئے کار لانا پکے مسلمانوں کا فریضہ ہے، اور پکے مسلمان کون ہیں؟ اس کا ذکر اگلی آیت میں ہے، نبوت اور آسمانی کتابوں کا ایک بنیادی مقصد دنیا میں عدل وانصاف قائم کرنا ہے، انسان اللہ کا زمین میں خلیفہ ہے، اور اللہ کی صفت العدل ہے، اس لئے انسان کی ذمہ داری عدل قائم کرنے کی ہے۔

جاننا چاہئے کہ نبوت کا سلسلہ پہلے انسان سے شروع ہوا ہے، اور وہی زمین میں اللہ کا پہلا خلیفہ ہے، پھر رسولوں پر اللہ

(۱) تَلْوٗٓا (دو واو کے ساتھ) لَوٰی یَلْوِیْ سے مضارع، جمع مذکر حاضر، لَوَی الشیئَ: موڑنا۔ رسّی بٹنا، مراد: کج بیانی کرنا ہے، قرآنی رسم الخط میں ایک واو الٹے پیش کی شکل میں لکھا گیا ہے۔

نے اپنی کتابیں نازل کیں، ان کی تعلیمات کا ایک اہم مقصد عدل وانصاف کو بروئے کار لانا ہے، مگر لوگ انبیاء پر ایمان لائیں گے، اور اللہ کے نازل کردہ احکام کی پیروی کریں گے جبھی یہ مقصد حاصل ہوگا، سورۃ الحدید کی (آیت ۲۵) ہے:

﴿ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ﴾:

بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل کے ساتھ مبعوث کیا، اور ان پر آسمانی کتابیں اور ترازو اتاری، تاکہ لوگ انصاف کو بروئے کار لائیں، ترازو سے مراد عدل وانصاف ہے، یعنی انصاف کا راج قائم کرنے کا حکم دیا۔

اور عدل وانصاف قائم کرنے کے لئے تین چیزوں کی ضرورت ہے:

اول: تمام نزاعات میں، خواہ گھریلو ہوں، شخصی ہوں یا قومی: دستاویزات اور کاغذات صحیح پیش کئے جائیں، اور گواہ اللہ کی خوشنودی کے لئے گواہی دیں، یعنی قاضی کو صحیح بات بتائیں، اگرچہ وہ بات گواہوں کے یا ان کے ماں باپ کے یا ان کے رشتہ داروں کے خلاف ہو، جبھی قاضی صحیح فیصلہ کرے گا اور انصاف قائم ہوگا ـــــ اس شرط کا ذکر اس آیت میں ہے۔

دوم: قاضی کاغذات اور شہادت کے مطابق انصاف سے فیصلہ کرے، کسی کی رورعایت نہ کرے، اس کا ذکر سورۃ المائدۃ کی آیت ۸ میں ہے، شروع کا مضمون یہاں اور وہاں ایک ہے کہ انصاف قائم کرنے کے لئے گواہی صحیح دو، پھر فرمایا ہے: ﴿ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ﴾: اور کسی خاص قوم کی عداوت تم کو اس پر نہ ابھارے کہ تم انصاف نہ کرو، یہ قاضی کے لئے ہدایت ہے، وہ فریقین میں سے کسی کے ساتھ عداوت کی وجہ سے انصاف کا خون نہ کرے، چنانچہ آگے فرمایا ہے: ﴿ اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ﴾: انصاف کرو، وہ تقوی سے زیادہ قریب ہے۔

سوم: انتظامیہ (پولیس) قاضی کے فیصلہ کو رورعایت کے بغیر نافذ کرے، جس کا حق ثابت ہوا ہے اس کو پہنچائے، سورۃ الحدید کی مذکورہ آیت میں ہے: ﴿ وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ ﴾: اور ہم نے لوہا پیدا کیا ہے، اس میں سخت ہیبت ہے، یعنی لوہے کا ایک مقصد تہدید (دھمکی) ہے، انتظامیہ قوت سے فیصلہ نافذ کرے گا جبھی انصاف بروئے کار آئے گا۔

آیتِ کریمہ کی تفسیر:

۱ـ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ ـــــ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ـــــ یہاں بھی اور سورۃ المائدۃ میں بھی مؤمنین سے خطاب ہے، دنیا میں عدل وانصاف قائم کرنا مؤمنین کی ذمہ داری ہے، جو اللہ کو مانتے ہیں وہی اللہ کا منشا پورا کرتے ہیں، دوسروں کو کیا پڑی ہے! وہ تو اپنی اغراض کے لئے دوسروں پر ظلم وستم ڈھاتے ہیں۔

البتہ مسلمان کھرے ہونے چاہئیں، نام نہاد مسلمانوں سے اس کی توقع کرنا فضول ہے کہ وہ اپنے نزاعات کا فیصلہ اللہ کے نازل کردہ دین کے مطابق کرائیں گے، اور کورٹوں کی زیر باری سے بچیں گے، آپ کسی سول کورٹ میں چلے جائیں، آپ کو وہاں مسلمانوں کی تعداد زیادہ ملے گی ـــــ رہی یہ بات کہ کھرا مسلمان کون ہے؟ اس کا تذکرہ اگلی آیت میں ہے۔

۲-﴿ کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ ﴾ ـــــ آپ لوگ اچھی طرح انصاف کو بروئے کار لاؤ، اللہ کی رضا کے لئے گواہی دینے والے بنو ـــــ دونوں جملوں کے درمیان واو عاطفہ نہیں، اس لئے دونوں جملوں کا مضمون متحد ہے، یعنی گواہی سچی اور اللہ کے حکم کے موافق دینی چاہئے، تاکہ قاضی صحیح فیصلہ کرسکے اور انصاف کا راج قائم ہو۔

ملحوظہ: یہاں ﴿ بِالْقِسْطِ ﴾ ﴿ قَوّٰمِیْنَ ﴾ کے ساتھ ہے، اور ﴿ لِلّٰهِ ﴾ ﴿ شُهَدَآءَ ﴾ کے ساتھ، اور سورۃ المائدہ میں اس کے برعکس ہے، اس لئے کہ یہاں آگے گواہی کے متعلقہ مسائل ہیں، اور وہاں انصاف کے ساتھ قاضی کے فیصلہ کا ذکر ہے، پس دونوں جگہ ایک مضمون ہے اور تقدیم و تاخیر تفنن ہے۔

۳-﴿ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ ﴾ ـــــ گو وہ گواہی اپنی ذات کے یا ماں باپ کے اور رشتہ داروں کے خلاف ہو ـــــ یعنی اس کی پرواہ مت کرو، کسی کی طرفداری مت کرو، نہ اپنی ذات کی رعایت کرو، نہ ماں باپ کی، نہ رشتہ داروں کی، جو بات کھری ہو اس کو صاف صاف قاضی کے سامنے رکھ دو، تاکہ وہ انصاف سے فیصلہ کرسکے۔

۴-﴿ اِنْ یَّكُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ﴾ ـــــ اگر وہ مالدار یا غریب ہے تو اللہ تعالیٰ دونوں سے زیادہ نزدیک ہیں ـــــ یعنی نہ مالدار کی وجاہت کا لحاظ کرو نہ غریب کی ہمدردی کرو، صحیح صحیح گواہی دو، اور جان لو کہ تمہاری بہ نسبت اللہ تعالیٰ ان دونوں سے اقرب ہیں، وہ یہ حکم دے رہے ہیں کہ تم دونوں میں سے کسی کا خیال مت کرو، انصاف کا تقاضا پورا کرو، اگر ان میں سے کسی کا نقصان ہوگا تو اللہ اس کی تلافی کریں گے۔

۵-﴿ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا ﴾ ـــــ پس تم خواہشِ نفس کی پیروی مت کرو کبھی تم حق سے ہٹ جاؤ ـــــ یعنی اپنی چاہت کو درمیان میں لاؤ گے، مالدار کی رعایت کرو گے، یا غریب کی ہمدردی کرو گے، اور تم غلط گواہی دو گے تو تم حق سے ہٹ جاؤ گے۔

۶-﴿ وَاِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ﴾ ـــــ اور اگر تم کج بیانی کرو یا پہلو تہی کرو تو اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں سے پوری طرح باخبر ہیں ـــــ یعنی غلط گواہی تو نہیں دی، مگر کج بیانی کی، زبان دبا کر اس طرح بولا کہ بات صاف سمجھ میں نہیں آئی، یا کورٹ میں حاضری سے پہلو تہی کی، جس سے حقدار کا حق مارا گیا تو اس کی سزا تمہیں آخرت میں ملے گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال سے بخوبی واقف ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	عَلٰي رَسُوْلِهٖ	اپنے رسول پر	وَكُتُبِهٖ	اور اس کی کتابوں کا
اٰمَنُوْٓا	ایمان لائے	وَالْكِتٰبِ	اور ان کتابوں کا	وَرُسُلِهٖ	اور اس کے رسولوں کا
اٰمِنُوْا	یقین کرو	الَّذِيْٓ اَنْزَلَ	جو اتاری اس نے	وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ	اور قیامت کے دن کا
بِاللّٰهِ	اللہ کا	مِنْ قَبْلُ	قبل ازیں	فَقَدْ	تو واقعہ یہ ہے
وَرَسُوْلِهٖ	اور اس کے رسول کا	وَمَنْ يَّكْفُرْ	اور جو انکار کرے	ضَلَّ	بہک گیا وہ
وَالْكِتٰبِ	اور اس کی کتاب کا	بِاللّٰهِ	اللہ کا	ضَلٰلًۢا	بہکنا
الَّذِيْ نَزَّلَ	جو اتاری اس نے	وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ	اور اس کے فرشتوں کا	بَعِيْدًا	دور کا

مؤمنین کا تذکرہ

ایمان کو بڑھایا بھی جاسکتا ہے، اور گھٹایا بھی جاسکتا ہے

سورۃ التین میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ انسان بہترین مستوی (لیول) پر پیدا کیا گیا ہے، پھر وہ خود کو گرا بھی سکتا ہے، پس وہ بدترین خلائق ہو کر رہ جائے گا، اور اٹھا بھی سکتا ہے، پس کرّوبی (مقرب فرشتے) اس کا دامن دھو کر پئیں گے (ہدایت القرآن ۵۵۹:۸) یہی حال ایمان کا ہے، مؤمن اپنے ایمان کو قوی بھی کر سکتا ہے، ایمان بڑھے گا تو ما عَرَفْنَاكَ حَقَّ معرفتك: ہم نے آپ کو نہیں پہچانا جیسا آپ کو پہچاننے کا حق ہے: کے اعتراف تک پہنچائے گا، اور گھٹائے گا تو کفر کی وادی میں پہنچ جائے گا۔

فائدہ: ایمان دو طرح بڑھتا ہے: ایک: ایمانیات پر یقین بڑھا کر، صدیق کا ایمان اسی وجہ سے دوسروں سے بڑھا ہوا ہوتا ہے کہ اس کا یقین بڑھا ہوا ہوتا ہے دوسرے: اعمالِ صالحہ کی پابندی کر کے اور اعمالِ سیۂ سے بچ کر، اہل حق کے نزدیک: اعمال: ایمانِ کامل کا جزء ہیں، یعنی اعمال کی پابندی سے ایمان میں کمال پیدا ہوتا ہے، اور حدیث میں ہے کہ جب تم کسی کو دیکھو کہ وہ مسجد کا ملازم ہے تو اس کے ایمان کی گواہی دو، ملازم یعنی پابندی سے مسجد میں نماز پڑھنے والا۔

اسی طرح ایمان گھٹتا بھی دو طرح ہے: ایک: ایمانیات پر یقین کمزور ہے، جیسے منافق کا حال ہوتا ہے۔ دوسرے اعمالِ صالحہ چھوڑنے سے اور اعمالِ طالحہ کا ارتکاب کرنے سے ایمان کمزور پڑتا ہے۔ حدیث میں ہے: جو بے عذر نماز نہیں پڑھتا وہ کافر ہے یعنی ضعیف الایمان ہے، معلوم ہوا: ترک نماز سے ایمان گھٹتا ہے۔

اور یہ مضمون یہاں اس لئے بیان کیا ہے کہ کامل مؤمنین ہی دنیا میں عدل وانصاف کا راج قائم کرتے ہیں، نام نہاد مسلمانوں (منافقوں) اور کافروں سے اس کی توقع فضول ہے، اسی لئے آگے منافقین کا مفصل تذکرہ ہے۔

آیتِ کریمہ: اے ایمان والو! اپنا یقین بڑھاؤ اللہ پر، اور اس کے رسول پر، اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری — یعنی قرآنِ کریم پر — اور ان کتابوں پر جو اس نے قرآن سے پہلے اتاری ہیں — ان چیزوں کا یقین بڑھے گا تو ایمان کامل ہوگا۔

اور جو شخص نہیں مانتا اللہ کو، اور اس کے فرشتوں کو، اور اس کی کتابوں کو، اور اس کے رسولوں کو، اور دنیا کے آخری دن کو — یعنی قیامت کے دن کو — تو وہ بالیقین ہدایت کے راستے سے بہت دور جا پڑا! — یعنی وہ شخص ایمان لایا ہی نہیں یا لایا تو تھا مگر مؤمَن بہ کا انکار کر کے کفر کی گھاٹی میں پہنچ گیا!

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيلًا ﴿١٣٧﴾ بَشِّرِ الْمُنَافِقِينَ بِأَنَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٣٨﴾ الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ أَيَبْتَغُونَ عِندَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ﴿١٣٩﴾ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۚ إِنَّكُمْ إِذًا مِّثْلُهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا ﴿١٤٠﴾ الَّذِينَ يَتَرَبَّصُونَ بِكُمْ فَإِن كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللَّهِ قَالُوا أَلَمْ نَكُن مَّعَكُمْ وَإِن كَانَ لِلْكَافِرِينَ نَصِيبٌ قَالُوا أَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُم مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ۚ فَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ وَلَن يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا ﴿١٤١﴾

ع ۲۰

إِنَّ الَّذِينَ	بے شک جو لوگ	الْمُؤْمِنِينَ	مسلمانوں کو	إِنَّكُمْ إِذًا	بے شک تم تب تو
آمَنُوا	ایمان لائے	أَيَبْتَغُونَ	کیا چاہتے ہیں وہ	مِّثْلُهُمْ	ان کے جیسے ہوگے
ثُمَّ كَفَرُوا	پھر انکار کیا انھوں نے	عِندَهُمُ	ان کے پاس	إِنَّ اللَّهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
ثُمَّ آمَنُوا	پھر ایمان لائے	الْعِزَّةَ	عزت	جَامِعُ	اکٹھا کرنے والے ہیں
ثُمَّ كَفَرُوا	پھر انکار کیا انھوں نے	فَإِنَّ الْعِزَّةَ	پس بے شک عزت	الْمُنَافِقِينَ	منافقوں کو
ثُمَّ ازْدَادُوا	پھر بڑھ گئے	لِلَّهِ جَمِيعًا (۲)	اللہ کے لئے ہے ساری	وَالْكَافِرِينَ	اور کافروں کو
كُفْرًا	کفر میں	وَقَدْ نَزَّلَ	اور تحقیق اتارا اس نے	فِي جَهَنَّمَ	دوزخ میں
لَّمْ يَكُنِ اللَّهُ	نہیں ہیں اللہ تعالیٰ	عَلَيْكُمْ	تم پر	جَمِيعًا	سبھی کو
لِيَغْفِرَ لَهُمْ	کہ بخشیں ان کو	فِي الْكِتَابِ	قرآن میں	الَّذِينَ (۱)	وہ لوگ جو
وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ	اور نہیں دکھلائیں گے ان کو	أَنْ إِذَا	کہ جب	يَتَرَبَّصُونَ	انتظار کرتے ہیں
سَبِيلًا	راہ ہدایت	سَمِعْتُمْ	سنو تم	بِكُمْ	تمہارے حق میں
بَشِّرِ	خوش خبری سنائیں آپ	آيَاتِ اللَّهِ	اللہ کی آیتیں	فَإِن كَانَ	پس اگر ہوتی ہے
الْمُنَافِقِينَ	منافقوں کو	يُكْفَرُ بِهَا (۳)	انکار کیا جاتا ہو ان کا	لَكُمْ فَتْحٌ	تمہارے لیے کوئی کامیابی
بِأَنَّ لَهُمْ	کہ ان کے لئے ہے	وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا	اور ٹھٹھا کیا جاتا ہو ان کا	مِّنَ اللَّهِ	اللہ کی طرف سے
عَذَابًا أَلِيمًا	دردناک عذاب	فَلَا تَقْعُدُوا	پس نہ بیٹھو تم	قَالُوا	کہا انھوں نے
الَّذِينَ (۱)	وہ لوگ جو	مَعَهُمْ	ان کے ساتھ	أَلَمْ نَكُن	کیا نہیں تھے ہم
يَتَّخِذُونَ	بناتے ہیں	حَتَّىٰ يَخُوضُوا (۴)	یہاں تک کہ مشغول	مَّعَكُمْ	تمہارے ساتھ
الْكَافِرِينَ	کافروں کو		ہوجائیں وہ	وَإِن كَانَ	اور اگر ہوتا ہے
أَوْلِيَاءَ	دوست	فِي حَدِيثٍ	کسی بات میں	لِلْكَافِرِينَ	کافروں کے لئے
مِن دُونِ	چھوڑ کر	غَيْرِهِ	اس کے علاوہ	نَصِيبٌ	کوئی حصہ

(۱) دونوں الذین: المنافقین کی صفتیں یا بدل ہیں، اور انہی دو مذموم حرکتوں کا آیات میں ذکر ہے۔ (۲) جمیعا: للہ میں ضمیر مستکن سے حال ہے (جمل) (۳) یکفر بها: جملہ فعلیہ حال ہے آیات اللہ کا (۴) خاض (ن) خَوْضًا: مشغول ہونا، خاض الماء: گھسنا۔

قَالُوْٓا	(تو) کہا انھوں نے	مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ	مسلمانوں سے	وَلَنْ يَّجْعَلَ	اور ہرگز نہیں بنائیں گے
اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ (۱)	کیا نہیں قابض ہوگئے تھے ہم	فَاللّٰهُ	پس اللہ تعالیٰ	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
عَلَيْكُمْ	تم پر	يَحْكُمُ	فیصلہ کریں گے	لِلْكٰفِرِيْنَ	کافروں کے لئے
وَنَمْنَعْكُمْ (۲)	اور (کیا نہیں) بچایا	بَيْنَكُمْ	تمہارے درمیان	عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ	مسلمان پر
	ہم نے تم کو	يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے دن	سَبِيْلًا	کوئی راہ

منافقین کا تذکرہ

مؤمنین کا ایک آیت میں ذکر کیا، اب منافقین کا لمبا تذکرہ کرتے ہیں، یہ لوگ آستین کے سانپ ہیں، ان سے ہوشیار رہنا بہت ضروری ہے، مسلمانوں کو یہی لوگ نقصان پہنچاتے ہیں، شیخ سعدی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: با من ہر چہ کرد آں آشنا کرد: مجھے جو نقصان پہنچایا ہے اس متعارف نے پہنچایا ہے، اور منافقوں کے دلوں کی کیفیت تو معلوم نہیں ہوسکتی، ان کو علامات ہی سے پہچانا جاسکتا ہے، اس لئے ان کا مفصل تذکرہ کیا ہے۔ سورۃ البقرۃ کے شروع میں بھی ایک لمبے رکوع میں ان کا مفصل تذکرہ گذر چکا ہے۔

مدینہ کے منافق گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے تھے

مدینہ شریف میں منافقین کی بڑی تعداد تھی، مشرکین میں بھی اور یہود میں بھی، اور ان کا سردار عبداللہ بن اُبی تھا:

۱- جب جنگِ بدر میں مسلمانوں کو نمایاں کامیابی ملی تو مشرکین پر ان کی دھاک بیٹھی، اس وقت عبداللہ نے اپنے مشرک ساتھیوں سے کہا: **هذا أمر قد توجه، فبايعوا الرسول على الإسلام**: یہ معاملہ (اسلام) یقیناً تمہاری طرف متوجہ ہوا ہے، پس اسلام پر رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرلو، چنانچہ وہ مسلمان ہوگئے (بخاری شریف حدیث ۴۵۶۶ تحفۃ القاری ۹: ۱۶۳) یہ پہلا ﴿اٰمَنُوْا﴾ ہے۔

۲- پھر ایک سال کے بعد غزوۂ احد میں وہ اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ عین محاذ سے لوٹ گیا یہ ﴿ثُمَّ كَفَرُوْا﴾ ہے۔

۳- پھر غزوۂ احد کے بعد جب غزوۂ حمراء الاسد کے لئے چلنے کا وقت آیا، تو عبداللہ نے ساتھ چلنے کی درخواست کی — یہ دوسرا ﴿اٰمَنُوْا﴾ ہے، مگر اس کی درخواست منظور نہیں ہوئی۔

(۱) اِسْتَحْوَاذ: قابو میں کرنا، غالب ہونا، جیسے استحوذ علیهم الشیطان: شیطان ان پر غالب آگیا (۲) نمنعکم: معطوف ہے نستحوذ پر، پس ألم یہاں بھی آئے گا۔

۴- پھر غزوۂ بنی المصطلق میں اس نے وہ گندی بات کہی جس کا ذکر سورۃ المنافقین میں ہے: ﴿ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ﴾: اگر ہم لوٹ کر مدینہ پہنچے تو ضرور نکال باہر کرے گا نہایت عزت دار بڑے ذلیل کو —— یہ دوسرا ﴿ كَفَرُوْا ﴾ ہے۔

۵- پھر مدینہ پہنچ کر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی، اس کا ذمہ دار بھی یہی عبداللہ اور اس کے ساتھی تھے —— یہ ﴿ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا ﴾ ہے۔

بہر حال اس کا (عبداللہ کا) حال آخر تک درست نہیں ہوا، نفاق میں پیر پسارتا رہا، اس لئے فرماتے ہیں کہ ہم اس کی بخشش نہیں کریں گے، وہ نفاق سے توبہ نہیں کرے گا، اس لئے اس کو ہدایت نصیب نہیں ہوگی، البتہ اس کے ساتھی دیر سویر مخلص مسلمان ہوگئے، آخر میں مدینہ میں صرف بارہ منافق رہ گئے تھے۔

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ﴿۱۳۷﴾ ﴾

ترجمہ: بے شک جو لوگ ایمان لائے، پھر انھوں نے کفر کیا، پھر وہ لوگ ایمان لائے، پھر انھوں نے کفر کیا، پھر وہ کفر میں بڑھتے چلے گئے: ان کو نہ تو اللہ تعالیٰ معاف کریں گے، اور نہ ان کو سیدھا راستہ دکھائیں گے!

منافقوں کی دو مذموم حرکتیں

اب منافقوں کی دو مذموم حرکتوں کا تذکرہ کرتے ہیں، اور بات یہاں سے شروع کی ہے کہ منافقوں کو دردناک عذاب کی خوش خبری سنادو، ہر شخص اپنے مستقبل کے لئے خوش کن خبر سننے کا منتظر ہوتا ہے، منافقین کے لئے یہی خوش خبری ہے، پھر دو ﴿ الَّذِيْنَ ﴾ آئے ہیں، ان میں ان کی دو حرکتوں کا ذکر ہے، اور تمہید کی آیت میں اشارہ ہے کہ ان کی یہ دونوں حرکتیں نہایت مذموم ہیں، جن کی ان کو دردناک سزا ملے گی۔

۱- منافقین مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں

اور جب ان کی کافروں سے دوستی ہوگی تو وہ ان کو مسلمانوں کے جنگی راز پہنچائیں گے، جو جنگ میں مسلمانوں کی ناکامی کا سبب بنے گا، پس سوچو! یہ کتنی بری حرکت ہے!

اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتے ہیں: بتاؤ! کافروں سے دوستی کا کیا مقصد ہے؟ کیا کافروں کے درمیان اپنا وقار بڑھانا چاہتے ہو؟ اگر ان کا یہ مقصد ہے تو سن لو: عزت تو اللہ کے لئے ہے، وہ جس کو عزت دیں وہی باعزت ہے، سورۃ المنافقین

(آیت ۸) میں ہے: ﴿ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾: اور عزت اللہ کے لئے ہے، اور اس کے رسول اور مؤمنین کے لئے ہے، مگر منافقین جانتے نہیں! اگر ان کو عزت چاہئے تو مسلمانوں سے دوستی رکھیں، کافروں کے پاس عزت کہاں رکھی ہے؟ وہاں تو دارین میں ان کے لئے ذلت ہی ذلت ہے!

اور کافروں کے ساتھ دوستی میں قباحت یہ ہے کہ جب ان کے پاس اٹھنا بیٹھنا ہوگا تو ان کی باتیں سننی پڑیں گی، اور ان کی باتیں کیا ہونگی؟ اسلام اور اللہ کی باتوں کا مذاق! پس منافقین اس کو سنیں گے، جبکہ سورۃ الانعام کی (آیت ۶۸) میں — جو مکی سورت ہے اور سورۃ النساء سے پہلے نازل ہوچکی ہے — یہ حکم نازل کیا جاچکا ہے: ﴿ وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ ﴾: اور جب آپ ان لوگوں کو دیکھیں جو ہماری باتوں میں گھستے ہیں، یعنی اسلام اور قرآن کی باتوں میں کیڑے نکالتے ہیں، ان کی عیب جوئی کرتے ہیں تو آپ ان لوگوں سے کنارہ کش ہوجائیں، منافقین سوچیں: وہ اپنے دوستوں سے کیسے کنارہ کش ہونگے؟ ان سے تو دوستی گانٹھ رکھی ہے! لامحالہ ان کو اسلام کی برائیاں سننی ہونگی، پس وہ بھی ان کی طرح ہوجائیں گے، برائی کرنا جس طرح برا ہے برائی سننا بھی برا ہے، پس وہ ایک تھیلے کے چٹے بٹے ہوکر رہ جائیں گے، چنانچہ اللہ تعالیٰ منافقوں اور کافروں کو اکٹھا دوزخ میں ڈالیں گے!

﴿ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا ۝ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۝ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَا ۝ ﴾

ترجمہ: آپ منافقوں کو خوش خبری سنادیں کہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے — اس تمہید میں ان کی حرکتوں کی شدید مذمت ہے — یہ (منافق) وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں — اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتے ہیں: — کیا وہ ان کے پاس عزت کے خواہاں ہیں؟ — (ایسا ہے تو سنیں:) عزت تو ساری کی ساری اللہ کے لئے ہے!

اور (ان سے دوستی کا بڑا نقصان یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ قرآن میں تم پر یہ حکم نازل کرچکے ہیں کہ جب تم سنو کہ اللہ کی باتوں کا انکار کیا جارہا ہے، اور ان کا مذاق اڑایا جارہا ہے تو تم ان کے پاس مت بیٹھو، یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ بات میں مشغول ہوجائیں — قاعدہ: نہی سے استثناء اباحت کے لئے ہوتا ہے یعنی اب ان کے پاس بیٹھنا جائز ہے — بےشک تب تو تم بھی ان ہی جیسے ٹھہروگے — یعنی ان کے ہم جنس شمار کئے جاؤگے، اس لئے — اللہ تعالیٰ یقیناً

منافقوں اور کافروں کو سبھوں کو دوزخ میں اکٹھا کریں گے!

۲۔منافقین ہر وقت مسلمانوں کے نقصان کی تاک میں رہتے ہیں

جب اسلام اور کفر کی آویزش ہوتی ہے تو منافقین: مسلمانوں کے نقصان کی تاک میں رہتے ہیں، پھر اگر کامیابی اللہ کے فضل سے مسلمانوں کے قدم چومتی ہے تو وہ کہتے ہیں: کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے؟ یعنی کامیابی کا سہرا اپنے سر باندھتے ہیں کہ تمہیں کامیابی ہماری وجہ سے ملی، اور اگر خدانخواستہ کافر گول (Goal) کرتے ہیں تو ان سے کہتے ہیں: کیا ہم تم پر غالب نہیں آگئے تھے؟ پھر جنگ کا پانسہ کیسے پلٹا! ہم نے مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کیا، اس لئے تم جیت گئے! اس طرح وہ کافروں سے بھی بنائے رکھتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ دین حق پر ہو کر گمراہوں سے بنائے رکھنا بھی نفاق کی علامت ہے!

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: تمہارے (مسلمانوں کے) اور ان کے درمیان فیصلہ قیامت کے دن ہوگا، تم جنت میں جاؤ گے اور وہ جہنم میں! اور منافقین یہ بات جان لیں کہ مسلمانوں کی بیخ کنی کافر کبھی نہ کرسکیں گے جو منافقوں کی دلی تمنا ہے۔

﴿ اَلَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۫ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿۱۴۱﴾ ﴾

ترجمہ: یہ (منافقین) وہ لوگ ہیں جو تمہارے بارے میں منتظر رہتے ہیں ــــ کہ تمہیں کسی طرح نقصان پہنچے ــــ پھر اگر تمہیں اللہ کی طرف سے کوئی کامیابی حاصل ہوتی ہے تو وہ کہتے ہیں: کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے؟ اور اگر کافروں کی کچھ جیت ہوتی ہے تو (کافروں سے) کہتے ہیں: کیا ہم تم پر غالب نہیں آگئے تھے؟ اور کیا ہم نے تم کو مسلمانوں سے بچایا نہیں؟ ــــ پس اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان قیامت کے دن فیصلہ کریں گے ــــ اور اللہ تعالیٰ کافروں کے لئے مسلمانوں پر ہرگز کوئی راہ نہیں بنائیں گے ــــ یعنی کفار: مسلمانوں کی بیخ کنی کبھی نہیں کرسکیں گے۔

فائدہ: آیت کے آخر میں جو ارشاد فرمایا ہے: ﴿ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴾ کے عموم سے چند مسائل مستنبط کئے گئے ہیں: (۱) کافر: مسلمان کا ولی نہیں ہوسکتا (۲) کافر کی گواہی مسلمان کے خلاف معتبر نہیں (۳) شوہر مرتد ہوجائے تو اس کی بیوی نکاح سے نکل جائے گی (۴) بیوی مسلمان ہوجائے اور شوہر کافر رہے تو دونوں کے درمیان جدائی واقع ہوجائے گی۔

إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَإِذَا قَامُوْٓا إِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۴۲﴾ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ إِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ إِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۱۴۳﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ أَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ أَتُرِيْدُوْنَ أَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۴۴﴾ إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿۱۴۵﴾ إِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَأَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَأَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَأُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۖ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ أَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۴۶﴾ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾ لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظُلِمَ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۸﴾ إِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا أَوْ تُخْفُوْهُ أَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَإِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿۱۴۹﴾

إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ	بے شک منافقین	وَإِذَا قَامُوْٓا	اور جب کھڑے ہوتے	يُرَآءُوْنَ	دکھلاتے ہیں وہ
يُخٰدِعُوْنَ	دھوکہ دیتے ہیں		ہیں وہ	النَّاسَ	لوگوں کو
اللّٰهَ	اللہ کو	إِلَى الصَّلٰوةِ	نماز کے لئے	وَلَا يَذْكُرُوْنَ	اور نہیں یاد کرتے
وَهُوَ	اور وہ	قَامُوْا	کھڑے ہوتے ہیں	اللّٰهَ	اللہ کو
خَادِعُهُمْ (۱)	دھوکہ دینے والے ہیں ان کو	كُسَالٰى (۲)	سست (ہارے جی سے)	إِلَّا قَلِيْلًا	مگر تھوڑا

(۱) عربی میں مشاکلت (ہم شکلی) کا قاعدہ ہے، جیسے: ﴿وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۖ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ﴾: اور انھوں نے (یہود نے) سازش کی، اور اللہ نے خفیہ تدبیر کی، اور اللہ تعالیٰ بہترین تدبیر کرنے والے ہیں [آل عمران ۵۴] یعنی برائی کے جواب کے لئے بھی برائی کا لفظ استعمال کرتے ہیں، مگر اردو میں یہ قاعدہ نہیں، اس لئے خادعھم کا لفظی ترجمہ تو ہے: وہ ان کو دھوکہ دینے والے ہیں، مگر مراد ہے: ان کو دھوکہ دہی کی سزا دینے والے ہیں (۲) کُسالی: کَسْلان کی جمع: سست، کاہل،

مُذَبْذَبِيْنَ[1]	ڈانواں ڈول	مِنَ النَّارِ	دوزخ کے	بِعَذَابِكُمْ	تم کو سزا دے کر
بَيْنَ ذٰلِكَ[2]	ان کے درمیان	وَلَنْ تَجِدَ	اور ہرگز نہیں پائے گا تو	اِنْ شَكَرْتُمْ	اگر حق گذار بنو تم
لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ	نہ اِن کی طرف	لَهُمْ	ان کے لئے	وَاٰمَنْتُمْ	اور ایمان لاؤ تم
وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ	اور نہ اُن کی طرف	نَصِيْرًا	کوئی مددگار	وَكَانَ اللّٰهُ	اور ہیں اللہ تعالیٰ
وَمَنْ يُّضْلِلِ	اور جسے گمراہ کریں	اِلَّا الَّذِيْنَ	مگر جنھوں نے	شَاكِرًا	بڑے قدرداں
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	تَابُوْا	توبہ کی	عَلِيْمًا	سب کچھ جاننے والے
فَلَنْ تَجِدَ	پس ہرگز نہیں پائے گا تو	وَاَصْلَحُوْا	اور سنوار لیا	لَا يُحِبُّ	نہیں پسند کرتے
لَهٗ سَبِيْلًا	اس کے لئے کوئی راہ	وَاعْتَصَمُوْا	اور مضبوط پکڑا	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	بِاللّٰهِ	اللہ کو	الْجَهْرَ	زور سے کہنے کو
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	وَاَخْلَصُوْا	اور خالص کیا انھوں نے	بِالسُّوْٓءِ	بری بات
لَا تَتَّخِذُوا	مت بناؤ تم	دِيْنَهُمْ	اپنا دین	مِنَ الْقَوْلِ	
الْكٰفِرِيْنَ	کافروں کو	لِلّٰهِ	اللہ کے لئے	اِلَّا مَنْ	مگر جو شخص
اَوْلِيَآءَ	دوست	فَاُولٰٓئِكَ	تو وہ لوگ	ظُلِمَ	ظلم کیا گیا
مِنْ دُوْنِ	مسلمانوں کو چھوڑ کر	مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ	مؤمنین کے ساتھ ہیں	وَكَانَ اللّٰهُ	اور ہیں اللہ تعالیٰ
الْمُؤْمِنِيْنَ		وَسَوْفَ	اور عنقریب	سَمِيْعًا	خوب سننے والے
اَتُرِيْدُوْنَ	کیا چاہتے ہو تم	يُؤْتِ	دیں گے	عَلِيْمًا	سب کچھ جاننے والے
اَنْ تَجْعَلُوْا	کہ بناؤ	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	اِنْ تُبْدُوْا	اور ظاہر کرو تم
لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ	اللہ کے لئے اپنے اوپر	الْمُؤْمِنِيْنَ	مؤمنین کو	خَيْرًا	کوئی بھلی بات
سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا	واضح غلبہ	اَجْرًا	ثواب	اَوْ تُخْفُوْهُ	یا چھپاؤ اس کو
اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ	بے شک منافقین	عَظِيْمًا	بڑا	اَوْ تَعْفُوْا	یا معاف کرو
فِى الدَّرْكِ	طبقہ میں	مَا يَفْعَلُ	کیا کریں گے	عَنْ سُوْٓءٍ	کوئی بھی برائی
الْاَسْفَلِ	نچلے (ہونگے)	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	فَاِنَّ اللّٰهَ	پس بے شک اللہ

(۱) مُذَبْذَب: اسم مفعول: ڈانواں ڈول ذَبْذَبَۃ: ہلنا۔ (۲) ذلک کا مشار الیہ: مسلمان اور کافر ہیں۔

كَانَ	ہیں	عَفُوًّا	بڑے معاف کرنے والے	قَدِيْرًا	بڑی قدرت والے

منافقوں کی پانچ نشانیاں

ان آیات پر منافقوں کا تذکرہ پورا ہوجائے گا، پھر یہود کا تذکرہ شروع ہوگا، یہود میں بھی منافقوں کی بڑی تعداد تھی۔ جاننا چاہئے کہ دورِ نبوی میں بھی منافقوں کے نام عام طور پر ظاہر نہیں کئے گئے تھے، حالانکہ وحی کا سلسلہ جاری تھا، کیونکہ یہ بات دعوت کے مقصد کے خلاف ہے، جیسا کہ ان آیات کی آخری دو آیتوں میں یہ بات آرہی ہے۔

البتہ منافقوں کو علامتوں اور طرزِ کلام سے پہچانا جاسکتا ہے، سورۃ محمدؐ کی (آیت ۳۰) ہے: ﴿ وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۭ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ﴾: اور اگر ہم چاہیں تو آپؐ کو ان کا پورا پتہ بتادیں، پس آپؐ نے ان کو ان کی علامتوں سے تو پہچان لیا ہے، اور آپؐ آئندہ ان کو ان کے طرزِ کلام سے پہچان لیں گے۔

اس لئے اب ایک آیت میں ان کی پانچ علامتیں ذکر فرماتے ہیں، تاکہ ان کی شناخت ہوسکے:

۱— منافقین: اللہ تعالیٰ سے فریب کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے ساتھ تو کوئی فریب نہیں کرسکتا، دھوکہ بے خبر کو دیا جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ پوری طرح باخبر ہیں، اس لئے آیت کی مراد نبی ﷺ اور مسلمان ہیں، منافق ان کے ساتھ فریب کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ فریب کو اپنے ساتھ فریب قرار دیا ہے، اور اس کی مثال گذشتہ آیت میں آئی ہے، جب کسی جنگ میں مسلمانوں کا غلبہ ہوجاتا تو منافق: مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کرتے، جس سے جنگ کا پانسہ پلٹ جاتا، یہی مسلمانوں کے ساتھ فریب کرنا ہے —— اللہ تعالیٰ ان کو اس دھوکہ دہی کی سزا ضرور دیں گے، وہ غافل نہ رہیں۔

۲— منافقین نماز میں شامل ہوتے ہیں تو ہارے جی کھڑے ہوتے ہیں، جیسے کسی نے ستر جوتے مار کر کھڑا کیا ہو۔ ایسی نماز سے ان کو کیا حاصل ہوگا؟

۳— منافقین انہی نمازوں میں آتے ہیں جن میں مسلمان ان کو دیکھیں، عشاء اور فجر میں چونکہ اندھیرا ہوتا ہے اس لئے غائب رہتے ہیں، یہ دو نمازیں ان پر بہت بھاری ہیں، ابوداؤد اور نسائی کی روایت ہے: ایک مرتبہ فجر کی نماز کے بعد نبی ﷺ نے دریافت کیا: کیا فلاں حاضر ہے؟ بتایا گیا: نہیں، پوچھا: اور کیا فلاں موجود ہے؟ جواب دیا گیا: نہیں! پس آپؐ نے فرمایا: **إن هاتين الصلاتين أثقلُ الصلوات على المنافقين**: یہ دو نمازیں (عشاء اور فجر) منافقین پر بہت بھاری ہیں (مشکات حدیث ۱۰۶۶ باب الجماعۃ) کیونکہ ان کا مقصد دکھلاوا کرنا ہے جو حاصل نہیں ہوتا۔

۴— منافقین نماز کے علاوہ بھولے سے بھی اللہ کو یاد نہیں کرتے، جبکہ سورۃ الجمعہ میں ہے: ﴿ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾: اور (نمازِ جمعہ سے فارغ ہوکر کاروبار کرتے ہوئے بھی) اللہ تعالیٰ کو بکثرت یاد کرتے رہو، تاکہ تم

کامیاب ہوں ـــــ مگر منافقین کو اس کی توفیق نہیں ہوتی۔

۵ــمنافق کبھی مسلمانوں کے پاس آتے ہیں کبھی کافروں کے پاس جاتے ہیں، وہ نہ اِدھر کے نہ اُدھر کے، دونوں کے درمیان آوارہ جانور کی طرح مذبذب رہتے ہیں، اِدھر بھی بنائے رکھنی ہے، اور اُدھر بھی کو لگائے ہوئے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ منافقوں کے یہ احوال کیوں ہیں؟ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی استعداد کی خرابی کی وجہ سے راہ راست سے ان کو بہکا دیا ہے، اور جسے اللہ تعالیٰ بے راہ کر دیں اس کے لئے آپ کوئی راہ نہیں پائیں گے۔

﴿إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَإِذَا قَامُوْآ إِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيْلًا ﴿١٤٢﴾ مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ إِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ إِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿١٤٣﴾﴾

ترجمہ: (۱) بے شک منافقین اللہ تعالیٰ کو چکما دیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان کو اس کی سزا دینے والے ہیں (۲) اور جب وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو ہارے جی کھڑے ہوتے ہیں (۳) لوگوں کے سامنے دکھلاوا کرتے ہیں (۴) اور اللہ تعالیٰ کو بہت ہی کم یاد کرتے ہیں (۵) اور وہ دونوں فریقوں کے درمیان مذبذب رہتے ہیں، نہ اِدھر کے نہ اُدھر کے ـــــ اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کریں آپ ہرگز اس کے لئے کوئی راستہ نہیں پائیں گے۔

مسلمانوں کو تنبیہ کہ وہ کافروں سے دوستی نہ رکھیں، ورنہ وہ بھی منافق ثابت ہونگے!

گذشتہ آیت میں منافقوں کی پانچویں علامت یہ بیان ہوئی ہے کہ وہ کافروں کے پاس آمد ورفت رکھتے ہیں، کیونکہ ان سے دوستی ہے، اب ایک آیت میں مسلمانوں کو تنبیہ فرماتے ہیں کہ وہ کافروں سے دوستی نہ رکھیں، کیا دوستی کے لئے مسلمان کافی نہیں؟ اگر وہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں سے دوستی کریں گے تو وہ ان کے نفاق کی دلیل ہوگی، اور اللہ تعالیٰ کی صریح حجت ان پر قائم ہو جائے گی، اور وہ اس کی سزا سے بچ نہ سکیں گے۔

﴿يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ أَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ أَتُرِيْدُوْنَ أَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿١٤٤﴾﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست مت بناؤ، کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ کے لئے اپنے خلاف صریح حجت قائم کرو!

منافقوں کا آخرت میں بھیانک انجام

جنت کے سات طبقات ہیں اور جہنم کے بھی، جنت کے طبقات کے لئے درجات اور جہنم کے طبقات کے لئے درکات

استعمال کرتے ہیں، جنت کے درجات خوبی اور عمدگی میں نیچے سے اوپر کو چڑھتے ہیں، جنت کا سب سے اعلیٰ درجہ فردوس (بہشتِ بریں) ہے، جو سب سے اوپر کا ساتواں درجہ ہے۔ اور جہنم کے طبقات عذاب کی شدت میں اوپر سے نیچے کو اترتے ہیں، سب سے تیز آگ ساتویں طبقہ میں ہے، وہ سب سے نچلا طبقہ ہے، وہ منافقوں کا ٹھکانہ ہے، کیونکہ وہ مسلمانوں کی آستین کے سانپ ہیں، وہ مسلمانوں کے حق میں کافروں سے زیادہ نقصان رساں ہیں، دوزخ میں ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا جو ان کو وہاں سے نکالے، یا عذاب میں کچھ تخفیف کرادے، پس مسلمانوں کو نفاق سے کوسوں دور رہنا چاہئے۔

﴿ إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴾

ترجمہ: بے شک منافقین دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہونگے، اور تم (وہاں) ان کے لئے ہرگز کوئی مددگار نہیں پاؤگے!

توبہ کا دروازہ منافقوں کے لئے بھی کھلا ہے

منافق اپنا بھیانک انجام سن کر مایوس نہ ہوں، ان کے لئے بھی توبہ کا دروازہ کھلا ہے، نفاق سے توبہ کریں، اپنے اعمال درست کریں، اللہ کے دین کو مضبوطی سے تھامیں اور ریاء وسمعہ وغیرہ خرابیوں سے دین کو پاک صاف رکھیں تو وہ مخلص مسلمان سمجھے جائیں گے، اور دارین میں مسلمانوں کے ساتھ ہونگے، اور ایمان والوں کو بڑا ثواب ملنے والا ہے، منافق بھی اس سے محروم نہیں رہیں گے۔

﴿ إِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴾

ترجمہ: ہاں مگر جنھوں نے توبہ کرلی، اور اپنے احوال کو سنوار لیا، اور اللہ (کے دین) کو مضبوطی سے تھام لیا، اور اپنے دین کو اللہ کے لئے خالص کرلیا: تو وہ لوگ مؤمنین کے ساتھ ہونگے، اور اللہ تعالیٰ مؤمنین کو عنقریب بڑا اجر عطا فرمائیں گے۔

اللہ پاک نے انسانوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ اس کی مہربانی کے حقدار بنیں

اللہ پاک نے دنیا کا یہ کارخانہ دوزخ بھرنے کے لئے قائم نہیں کیا، وہ تو بہرحال بھر جائے گی، اللہ نے یہ جہاں جنت کو آباد کرنے کے لئے قائم کیا ہے، جیسے دار العلوم اور یونیورسٹی طلبہ کو فیل کرنے کے لئے قائم نہیں کی جاتی، فیل ہونے والے تو بہرحال فیل ہونگے، بلکہ ادارہ اس لئے قائم کیا جاتا ہے کہ ہر طالب علم پہلی پوزیشن سے کامیاب ہو، اسی طرح یہ عالم رنگ وبو اسی لئے وجود میں لایا گیا ہے کہ ہر انسان بہترین عمل کرکے جنت کا اعلیٰ درجہ حاصل کرے، اور یہ بات قرآنِ

کریم میں دو جگہ بیان کی گئی ہے، سورۃ الکہف کی آیت سات میں اور سورۃ الملک کی دوسری آیت میں، یہاں بھی ایک آیت میں یہی مضمون ہے، اور سورہ ہود (آیت ۱۱۹) میں صراحت ہے: ﴿ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ﴾ ذلك کا مشار الیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے رحمت کو قرار دیا ہے، یعنی اللہ نے لوگوں کو اپنی مہربانی حاصل کرنے کے لئے پیدا کیا ہے، اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ اللہ کی اطاعت کرکے جنت کے حقدار بنیں، یہاں بھی عجیب انداز سے یہی بات فرمائی ہے کہ اگر تم اللہ کے حق شناس بندے بنو اور ایمان لاؤ تو اللہ تعالیٰ کو تمہاری سزا سے کیا دلچسپی ہے؟ رہی یہ بات کہ کون شکر گذار بندہ اور مؤمن ہے؟ اس کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں۔

﴿ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ۞ ﴾

ترجمہ: اگر تم اللہ کا حق مانو اور ایمان لاؤ تو اللہ تعالیٰ تمہیں سزا دے کر کیا کریں گے؟! ـــــ یعنی ان کو تمہاری سزا سے کوئی دلچسپی نہیں، وہ تو تمہیں جنت نشیں بنانا چاہتے ہیں ـــــ اور اللہ تعالیٰ بڑے شکر گذار اور سب کچھ جاننے والے ہیں۔

منافقین کی بھی پردہ دری پسندیدہ نہیں

کبھی سربستہ راز کھولنے سے نقصان ہوتا ہے، دبلی اور لنگڑی بکری سے بھی ریوڑ بڑھتا ہے، پس کسی کا کوئی عیب معلوم ہوتو اس کا افشا نہیں کرنا چاہئے، البتہ مظلوم مستثنیٰ ہے، وہ قاضی سے فریاد کرسکتا ہے، کیونکہ اس کے بغیر انصاف کا حصول مشکل ہے، اور یہ بات قاعدہ کلیہ کی شکل میں بیان کی ہے۔ اور قاعدہ کلیہ کا منشأ یہ ہے کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ منافقوں کے نام مشہور نہ کریں، کسی کی برملا برائی کرنے میں اندیشہ ہے کہ وہ بگڑ جائے، اور بے باک ہوکر کھلا مخالف ہوجائے، پس عام پیرایہ میں نصیحت کرنی چاہئے، منافق خود سمجھ جائے گا، یا تنہائی میں نصیحت کی جائے، اس میں اصلاح کی زیادہ امید ہے، نبی ﷺ بھی کسی منافق کا نام لے کر مشہور نہیں کرتے تھے، آیات واحادیث بھی منافقین کے بارے میں عام ہیں، بلکہ جب منافقوں کے سردار عبداللہ نے وہ بات کہی جو سورۃ المنافقین میں آئی ہے کہ اگر ہم مدینہ لوٹے تو نہایت عزت والا ضرور نہایت ذلیل کو مدینہ سے نکال دے گا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: کیا ہم اس خبیث کو یعنی عبداللہ کو قتل نہ کردیں؟ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے زمانہ میں جلاّد تھے، یعنی سزا دینے کے لئے مقرر تھے) آپؐ نے فرمایا: نہیں! لوگ باتیں کریں گے کہ محمدؐ اپنے ساتھیوں کو بھی قتل کرتے تھے، یعنی رہتی دنیا تک لوگ پروپیگنڈہ کریں گے کہ محمدؐ نے تو اپنے ساتھیوں کو بھی نہیں چھوڑا، ان کو بھی قتل کیا، ان کو ایسا پروپیگنڈہ کرنے کا موقع کیوں دیا جائے؟

اور اب تو اعتقادی نفاق کا پتہ ہی نہیں چل سکتا، اس لئے اگر کوئی کسی کو اعتقادی منافق قرار دیتا ہے تو وہ بہتان اور محض الزام ہوگا، اور منافق عملی کو بھی عام پیرایہ میں نصیحت کی جائے، اسی میں اصلاح کی امید ہے۔

﴿ لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۸﴾ ﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ بری بات زور سے کہنے کو پسند نہیں کرتے، البتہ جس پر ظلم کیا گیا ـــــ وہ قاضی سے فریاد کرسکتا ہے ـــــ اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والے اور ہر چیز جاننے والے ہیں۔

منافقوں کی اصلاح کا طریقہ ان کی شرارتوں سے درگذر کرنا ہے

پھر ایک دوسرا قاعدہ کلیہ بیان کیا ہے، اس میں اشارہ ہے کہ منافقوں کی اصلاح چاہتے ہو تو ان کی حرکتوں سے درگذر کرو، ان کی ایذا رسانیوں پر صبر کرو، پردہ سے ان کو سمجھاؤ، ظاہری لعن طعن سے بچو، اور ان کو اپنا کھلا مخالف نہ بناؤ۔

اور قاعدہ یہ بیان کیا ہے کہ تم جو بھی اچھا کام برملا کرو یا چھپا کر کرو یا کسی کی کوئی برائی معاف کرو، مثلاً: مظلوم: ظالم کو معاف کرے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کو معاف کریں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے، بڑی قدرت والے ہیں، وہ قادر ہو کر معاف کرتے ہیں تو تم بھی ان کی صفت اپناؤ۔

﴿ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿۱۴۹﴾ ﴾

ترجمہ: اگر تم کوئی اچھا کام ظاہر کر کے کرو، یا اس کو چھپا کر کرو یا کسی برائی سے درگذر کرو تو اللہ تعالیٰ یقیناً بڑے معاف کرنے والے، بڑی قدرت والے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿۱۵۰﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۵۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۵۲﴾ ع ۲۱

اِنَّ الَّذِيْنَ	بے شک جو لوگ	وَ رُسُلِهٖ	اور اس کے رسولوں کا	بَيْنَ اللّٰهِ	اللہ کے درمیان
يَكْفُرُوْنَ	انکار کرتے ہیں	وَ يُرِيْدُوْنَ	اور چاہتے ہیں	وَ رُسُلِهٖ	اور اس کے رسولوں کے درمیان
بِاللّٰهِ	اللہ کا	اَنْ يُّفَرِّقُوْا (۱)	جدائی کرنا	وَ يَقُوْلُوْنَ	اور کہتے ہیں وہ

(۱) أن: مصدریہ ہے اور أن یفرقوا: مفعول بہ ہے، أی یریدون التفریق۔

نُؤْمِنُ	مانتے ہیں ہم	الْكٰفِرُوْنَ	کافر ہیں	وَلَمْ يُفَرِّقُوْا	اور نہیں جدا کیا انھوں نے
بِبَعْضٍ	بعض کو	حَقًّا	پکے	بَيْنَ اَحَدٍ	کسی کے درمیان
وَّنَكْفُرُ	اور نہیں مانتے	وَاَعْتَدْنَا	اور تیار کیا ہم نے	مِّنْهُمْ	ان میں سے
بِبَعْضٍ	بعض کو	لِلْكٰفِرِيْنَ	کافروں کے لئے	اُولٰٓئِكَ سَوْفَ	وہ لوگ عنقریب
وَّيُرِيْدُوْنَ	اور چاہتے ہیں وہ	عَذَابًا مُّهِيْنًا	رسواکن عذاب	يُؤْتِيْهِمْ	دیں گے ان کو
اَنْ يَّتَّخِذُوْا (۱)	کہ بنائیں وہ	وَالَّذِيْنَ	اور جو لوگ	اُجُوْرَهُمْ	ان کا ثواب
بَيْنَ ذٰلِكَ	اس کے درمیان	اٰمَنُوْا	ایمان لائے	وَكَانَ اللّٰهُ	اور ہیں اللہ تعالیٰ
سَبِيْلًا	کوئی راہ	بِاللّٰهِ	اللہ پر	غَفُوْرًا	بڑے بخشنے والے
اُولٰٓئِكَ هُمُ	یہی لوگ	وَرُسُلِهٖ	اور اس کے رسولوں پر	رَّحِيْمًا	بڑے مہربان

یہود کا تذکرہ

اب یہود کا تذکرہ شروع ہوتا ہے، یہود میں نفاق بہت تھا، بہت سے یہودی منافقانہ مسلمان ہوئے تھے، ان کا مقصد دین اسلام کو بگاڑنا تھا، مگر جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے! عیسائیت کو بھی یہودیوں نے منافقانہ عیسائیت قبول کر کے بگاڑا ہے، اور شیعیت کا بانی ابن سبا بھی یہودی تھا، منافقانہ مسلمان ہوا اور اسلام کے متوازی شیعیت کو وجود میں لایا، اسی طرح مشرکین میں سے جو منافق تھے: ان کا بھی یہود سے محبت کا تعلق تھا، وہ ان کے مشورہ پر چلتے تھے، اس لئے منافقین کے تذکرہ کے بعد اب یہود کا تذکرہ شروع کیا ہے۔

یہود پکے کافر ہیں، وہ تمام رسولوں کو نہیں مانتے!

یہود کا دعوی ہے کہ وہی پکے ایماندار ہیں، موسیٰ علیہ السلام اور تورات کو مانتے ہیں، وہ تورات کو اللہ کی آخری کتاب مانتے ہیں، اور بنی اسرائیل میں موسیٰ علیہ السلام کے بعد چار ہزار انبیاء مبعوث ہوئے ہیں، یہود ان میں سے بعض کو مانتے ہیں، بعض کو نہیں مانتے، جن کو نہیں مانتے تھے ان کے سخت دشمن ہو جاتے تھے، اور ان کے قتل سے بھی گریز نہیں کرتے تھے، سورۃ البقرۃ (آیت ۶۱) میں ہے: ﴿ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ﴾: وہ پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے ہیں، چنانچہ دور آخر میں انھوں نے زکریا اور یحییٰ علیہما السلام کو شہید کیا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دجال قرار دے کر ان کے قتل کے درپے ہوئے، مگر اللہ نے ان کی حفاظت کی، اور ان کو زندہ آسمان پر اٹھالیا، جیسا کہ ابھی آرہا ہے۔

(۱) یہ أن بھی مصدر یہ ہے اور أن یتخذوا: مفعول بہ ہے۔

پھر جب خاتم النبیین ﷺ مبعوث ہوئے تو کعب بن اشرف یہودی نے آپؐ کے قتل کی سازش کی، مگر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی حفاظت کی، اور وہ کیفر کردار تک پہنچ گیا۔

اس صورتِ حال میں یہود کا دعوی کہ وہی سچے مؤمن ہیں: کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟ پہلی دو آیتوں میں اس کی تردید ہے کہ جو لوگ اللہ کے بھیجے ہوئے تمام انبیاء کو نہیں مانتے، بلکہ رسولوں میں تفریق کرتے ہیں، بعض کو مانتے ہیں بعض کو نہیں مانتے، یہ انھوں نے اپنے لئے نیا مذہب نکالا ہے، اس لئے وہ پکے کافر ہیں، ان کے لئے آخرت میں ذلت وخواری کا عذاب تیار ہے!

فائدہ: جو لوگ اللہ کے بھیجے ہوئے تمام انبیاء اور تمام آسمانی کتابوں کو نہیں مانتے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کو بھی نہیں مانتے، جو شخص کسی ایک سچے نبی کی بھی تکذیب کرتا ہے وہ اللہ کی اور اس کے تمام رسولوں کی تکذیب کرتا ہے۔

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ وَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ وَ یَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَکْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلًا ۝۱۵۰ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الْکٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّہِیْنًا ۝۱۵۱ ﴾

ترجمہ: بے شک جو لوگ اللہ کا اور ان کے (بعض) رسولوں کا انکار کرتے ہیں، وہ اللہ اور ان کے رسولوں کے درمیان تفریق کرنا چاہتے ہیں ــــ یعنی اللہ کے بھیجے ہوئے بعض رسولوں کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے ــــ اور وہ کہتے ہیں: ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے ــــ یہ پہلے ارشاد کی وضاحت ہے ــــ اور وہ کوئی (ایمان وکفر کا) درمیانی راستہ نکالنا چاہتے ہیں ــــ یعنی انھوں نے نیا مذہب کھڑا کیا ہے ــــ وہی پکے کافر ہیں، اور ہم نے کافروں کے لئے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے!

سچے مؤمنین وہ ہیں جو نبی ﷺ پر ایمان لائے ہیں

نبی آخر الزماں ﷺ پر ایمان لانے والے ہی سچے مؤمن ہیں، اس لئے کہ وہ اللہ کے بھیجے ہوئے تمام نبیوں کو، اور ان پر نازل کی ہوئی تمام کتابوں کو مانتے ہیں، ان میں کوئی تفریق نہیں کرتے، ان کھرے مؤمنین کو اللہ تعالیٰ آخرت میں اپنی رحمت سے بڑا ثواب عنایت فرمائیں گے، اور ان کی کوتاہیوں سے درگذر فرمائیں گے، بے شک وہ ارحم الراحمین ہیں!

﴿ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَلَمْ یُفَرِّقُوْا بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْہُمْ اُولٰٓئِکَ سَوْفَ یُؤْتِیْہِمْ اُجُوْرَہُمْ وَکَانَ اللّٰہُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝۱۵۲ ﴾

ترجمہ: اور جو لوگ اللہ کو، اور ان کے (تمام) رسولوں کو مانتے ہیں، اور ان میں سے کسی کو بھی جدا نہیں کرتے: انہیں لوگوں کو اللہ تعالیٰ ان کا ثواب عنایت فرمائیں گے، اور اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بڑے مہربان ہیں!

يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۵۳﴾ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِى السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۱۵۴﴾

يَسْـَٔلُكَ	مطالبہ کرتے ہیں آپ سے	فَاَخَذَتْهُمُ	پس پکڑا ان کو	فَوْقَهُمُ	ان کے اوپر
اَهْلُ الْكِتٰبِ	آسمانی کتاب والے	الصّٰعِقَةُ	کڑک نے	الطُّوْرَ	طور کو
	(یہود)	بِظُلْمِهِمْ	ان کی گستاخی کی وجہ سے	بِمِيْثَاقِهِمْ	ان سے قول وقرار لینے کیلئے
اَنْ تُنَزِّلَ	کہ اتاریں آپ؛	ثُمَّ اتَّخَذُوا	پھر بنایا انھوں نے	وَقُلْنَا	اور کہا ہم نے
عَلَيْهِمْ	ان پر	الْعِجْلَ	بچھڑا	لَهُمُ	ان سے
كِتٰبًا	کوئی خط	مِنْۢ بَعْدِ	بعد	ادْخُلُوا	داخل ہوؤ
مِّنَ السَّمَآءِ	آسمان سے	مَا جَآءَتْهُمُ	ان کے پاس آنے	الْبَابَ	دروازے میں
فَقَدْ	پس واقعہ یہ ہے	الْبَيِّنٰتُ	واضح دلائل کے	سُجَّدًا	جھکتے ہوئے
سَاَلُوْا	مطالبہ کرچکے ہیں وہ	فَعَفَوْنَا	پس درگذر کیا ہم نے	وَّقُلْنَا لَهُمْ	اور کہا ہم نے ان سے
مُوْسٰٓى	موسیٰ سے	عَنْ ذٰلِكَ	اس سے	لَا تَعْدُوْا	حد سے مت بڑھو
اَكْبَرَ	بڑی بات کا	وَاٰتَيْنَا	اور دیا ہم نے	فِى السَّبْتِ	بار کے دن میں
مِنْ ذٰلِكَ	اس سے	مُوْسٰى	موسیٰ کو	وَاَخَذْنَا	اور لیا ہم نے
فَقَالُوْٓا	سو کہا انھوں نے	سُلْطٰنًا	غلبہ (رعب)	مِنْهُمْ	ان سے
اَرِنَا اللّٰهَ	دکھلایئے ہمیں اللہ کو	مُّبِيْنًا	واضح	مِّيْثَاقًا	قول وقرار
جَهْرَةً	عیاں (کھلا)	وَرَفَعْنَا	اور اٹھایا ہم نے	غَلِيْظًا	گاڑھا (مضبوط)

یہود کا گستاخانہ مطالبہ کہ ہمارے نام آسمان سے خط لایئے!

ناچنا نہ جانے آنگن ٹیڑھا! یہود کو نبی ﷺ پر ایمان تولانا نہیں تھا، اس لئے مطالبہ کیا کہ آپ آسمان سے ہمارے نام

لیٹر لایئے، اس میں اطلاع ہو کہ اللہ نے آپ کو مبعوث فرمایا ہے، اور قرآن اللہ کا کلام ہے، اور سب لوگوں کو آپ پر ایمان لانا ضروری ہے، تب ہم آپ پر ایمان لائیں گے۔

جواب: یہ منہ اور مسور کی دال! تم اللہ سے بڑے ہو گئے کہ اللہ تمہیں خط لکھیں، سبحان اللہ! چھوٹا منہ بڑی بات! آپ ان کی اس گستاخی کو نظر انداز کریں، انھوں نے اس سے بھی بڑی بات کا موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کیا تھا، جس سے اللہ نے درگذر کیا، آپ بھی یہی کریں۔

یہود کا موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ: یہ واقعہ سورۃ البقرۃ (آیت ۵۵) میں بھی آیا ہے۔ جب اللہ نے طور پر موسیٰ علیہ السلام کو تورات عنایت فرمائی، موسیٰ علیہ السلام اس کو لے کر قوم کے پاس آئے، اور قوم سے کہا: یہ اللہ کی کتاب ہے، اس کو قبول کرو، اور اس پر عمل کرو، قوم نے کہا: یہ کتاب اللہ نے دی ہے: اس کی کیا دلیل ہے؟ آپ چالیس دن طور پر رہے، ممکن ہے آپ خود لکھ لائے ہوں! موسیٰ علیہ السلام نے کہا: تم اپنے نمائندے منتخب کرو، میں اللہ تعالیٰ سے کہلوادوں کہ یہ کتاب اللہ نے عنایت فرمائی ہے، انھوں نے ستر آدمے منتخب کئے، موسیٰ علیہ السلام ان کو طور پر لے گئے، وہاں انھوں نے اللہ کا کلام سنا، موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا: سن لیا؟ انھوں نے کہا: سنا تو سہی، مگر کون بولا؟ یہ معلوم نہیں! اللہ پاک ہمارے روبرو ظاہر ہوں، اور ہم سر کی آنکھوں سے ان کو دیکھیں، پھر فرمائیں تو ہم مانیں! اس گستاخی پر بجلی چمکی، کڑک ہوئی اور سب کھیت رہے! موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی: پروردگارِ عالم! قوم کہے گی: موسیٰ نے ہمارے ستر معزز آدمیوں کو لے جا کر مار دیا! چنانچہ اللہ نے ان کو دوبارہ زندہ کر دیا، اور ان کی گستاخی سے درگذر کیا، پس نبی ﷺ بھی ان کی گستاخی کو نظر انداز کریں۔

﴿ يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ﴾

ترجمہ: اہل کتاب (یہود) آپ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ آپ اُن پر آسمان سے کوئی خط اتاریں! پس انھوں نے موسیٰ سے اس سے بھی بڑی بات کا مطالبہ کیا تھا، چنانچہ انھوں نے کہا: ہمیں اللہ تعالیٰ کو کھلی آنکھوں سے دکھایئے! پس ان کی گستاخی کی وجہ سے کڑک نے ان کو پکڑ لیا!

یہود کی دوسری شرارتیں جن سے اللہ نے درگذر کیا

مذکورہ گستاخی کے علاوہ یہود کی دوسری شرارتوں سے بھی اللہ نے درگذر کیا ہے، ان کی چار شرارتیں ملاحظہ فرمائیں:

پہلا واقعہ: قرآنِ کریم میں کئی جگہ (مثلاً سورۃ البقرۃ آیت ۵۴ میں) یہ واقعہ آیا ہے: جب موسیٰ علیہ السلام طور پر تشریف لے گئے تو پیچھے سامری نے زیورات سے بچھڑا ڈھالا، کچھ لوگ اس کو خدا مان کر پوجنے لگے، حالانکہ ان کے پاس

توحید کے واضح دلائل آچکے تھے، جب موسیٰ علیہ السلام طور سے لوٹے تو قوم سے کہا: تم نے یہ کیا غضب ڈھایا! توبہ کرو، جنھوں نے بچھڑے کو نہیں پوجا وہ پوجنے والوں کو قتل کریں، جب کچھ لوگ قتل ہوگئے تو باقی کو اللہ تعالیٰ نے معاف کردیا۔

سوال: کوئی کہہ سکتا ہے کہ مرتدین نے موسیٰ علیہ السلام کی بات کیوں مان لی؟ وہ چپ چاپ کان دبا کر گردنیں جھکا کر قتل کے لئے کیسے بیٹھ گئے؟ انھوں نے بغاوت کیوں نہیں کی؟ وہ تو بہت لوگ تھے؟

جواب: موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے رعب عطا فرمایا تھا، اس لئے مرتدین چوں نہ کرسکے، اور قتل ہونے کے لئے تیار ہوگئے، جیسے ہمارے نبی ﷺ کو بھی اللہ نے رعب عطا فرمایا تھا، ایک ماہ کی مسافت تک مشرکین لرزہ براندام رہتے تھے، اسی طرح بہت سے اکابر کو بھی اللہ تعالیٰ اس نعمت سے نوازتے ہیں، جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ نعمت حاصل تھی، کوئی ان کے سامنے چوں نہیں کرسکتا تھا، مکھی تیل میں گر جاتی تھی، اور خواہی نخواہی ان کی بات ماننی پڑتی تھی۔

دوسرا واقعہ: سورۃ البقرۃ (آیت ۶۳) اور سورۃ الاعراف (۱۷۱) میں یہ واقعہ آیا ہے: جب ستّر منتخب نمائندوں نے براہِ راست اللہ تعالیٰ سے سن لیا کہ تورات اللہ نے عنایت فرمائی ہے تو قوم کہنے لگی: اس کے احکام سخت ہیں، ہمارے لئے ان پر عمل کرنا مشکل ہے! تو اللہ تعالیٰ نے ان پر کوہِ طور کا ایک حصہ معلق کیا، اور کہا: تورات کو قبول کرو، ورنہ سب دب مروگے! مرتے کیا نہ کرتے، مان تو لیا مگر بعد میں اس پر عمل نہ کیا، جیسے آج امت مسلمہ قرآن کو مانتی تو ہے مگر اس پر عمل نہیں کرتی، مگر اللہ نے ان کو معاف کردیا، وہ بے عملوں بلکہ بدعملوں کو بھی کوئی سزا نہیں دیتے۔

تیسرا واقعہ: سورۃ البقرۃ (آیت ۵۸) اور سورۃ الاعراف (آیت ۱۶۱) میں یہ واقعہ ہے: میدانِ تیہ کی اسارت کے زمانہ میں یہود کو ایک بستی میں جانے کی اجازت ملی، تاکہ وہاں جو چاہیں آسودہ ہوکر کھائیں، مگر ساتھ ہی حکم دیا کہ بستی میں عاجزی سے سر جھکائے ہوئے اور منہ سے توبہ! توبہ! پکارتے ہوئے داخل ہونا، مگر وہ ناہنجار سینہ تان کر گیہوں گیہوں! پکارتے ہوئے داخل ہوئے، اس کی سزا میں ان پر پلیگ مسلط کیا گیا، جس سے ایک دن میں ستّر ہزار آدمی مرگئے، باقی کو معاف کردیا۔

چوتھا واقعہ: سورۃ البقرۃ (آیت ۶۵) اور سورۃ الاعراف (آیت ۱۶۳) میں یہ واقعہ آیا ہے: حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں سمندر کے کنارے یہودیوں کی ایک بستی تھی، وہ لوگ ماہی گیر تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو آزمایا، ہفتہ کے دن مچھلیوں کی کثرت ہوتی، دوسرے دنوں میں غائب ہوجاتیں، انھوں نے حیلہ کیا، حوض بنائے اور ان کو سمندر سے جوڑ دیا، اللہ نے ان حیلہ گروں کو سزا دی، ان کی صورتیں مسخ ہوگئیں، وہ ذلیل بندر بنادئے گئے، اور تین دن کے بعد مرگئے، باقی لوگوں کو معاف کردیا۔

یہود سے تورات پر عمل کرنے کا پختہ عہد و پیمان لیا گیا

ہر صاحبِ شریعت قوم سے ان کی شریعت پر عمل کرنے کا پختہ قول وقرار لیا جاتا ہے کہ ان کو جو شریعت دی جارہی ہے وہ اس پر مضبوطی سے عمل کریں، حسبِ دستور یہود سے بھی یہ عہد لیا گیا، مگر انھوں نے عہد و پیمان کی دھجیاں اڑائیں، اللہ کی نازل کردہ شریعت پر عمل نہیں کیا، آیت کا یہ آخری ٹکڑا اگلی آیات سے مربوط ہے۔

دونوں آیتوں کا خلاصہ: یہود نے مطالبہ کیا کہ نبی ﷺ آسمان سے یہود کے نام لیٹر لائیں، جواب دیا کہ ان کی اس گستاخی کو نظر انداز کریں، اللہ تعالیٰ نے ان کی اس سے بڑی گستاخی اور ان کی دوسری چار شرارتوں کو معاف کیا ہے، آپؐ بھی یہی راہ اختیار کریں۔

﴿ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۝ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝ ﴾

ترجمہ: (۱) پھر انھوں نے بچھڑے کو (معبود) بنایا، ان کے پاس (توحید کی) واضح دلیلیں آجانے کے بعد، پس ہم نے ان سے درگذر کیا (اعتراض کا جواب:) اور ہم نے موسیٰ کو واضح غلبہ دیا (۲) اور ہم نے ان کے سروں پر طور پہاڑ کو اٹھایا، ان سے (تورات پر عمل کا) قول وقرار لینے کے لئے (۳) اور ہم نے ان کو حکم دیا کہ دروازے میں جھکتے ہوئے داخل ہونا (۴) اور ہم نے ان کو منع کیا تھا کہ بار کے دن کی حرمت پامال مت کرنا (آخری بات) اور ہم نے ان سے (تورات پر عمل کرنے کا) مضبوط عہد و پیمان لیا۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ۝ وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۭ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ

الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴿۱۵۹﴾ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿۱۶۰﴾ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶۱﴾

فَبِمَا نَقْضِهِمْ (۱)	پس ان کے توڑنے کی وجہ سے	بِكُفْرِهِمْ	ان کے کفر کی وجہ سے	قَتَلُوْهُ	قتل کیا انھوں نے اس کو
مِّيْثَاقَهُمْ	اپنے قول وقرار کو	فَلَا يُؤْمِنُوْنَ	پس نہیں ایمان لائیں گے وہ	وَمَا	اور نہیں
وَكُفْرِهِمْ	اور ان کے انکار کرنے	اِلَّا قَلِيْلًا	مگر تھوڑے سے	صَلَبُوْهُ	سولی دی انھوں نے اس کو
	کی وجہ سے	وَّبِكُفْرِهِمْ (۲)	اور ان کے کفر کی وجہ سے	وَلٰكِنْ	لیکن
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ	اللہ کی باتوں کا	وَقَوْلِهِمْ	اور ان کے کہنے کی وجہ سے	شُبِّهَ	مشتبہ کردیا گیا (معاملہ)
وَقَتْلِهِمُ	اور ان کے خون کرنے	عَلٰى مَرْيَمَ	مریم پر	لَهُمْ	ان کے لئے
	کی وجہ سے	بُهْتَانًا	بہتان (الزام)	وَاِنَّ الَّذِيْنَ	اور بیشک جن لوگوں نے
الْاَنْۢبِيَاۗءَ	پیغمبروں کا	عَظِيْمًا	بڑا	اخْتَلَفُوْا	اختلاف کیا
بِغَيْرِ حَقٍّ	ناحق	وَّقَوْلِهِمْ	اور ان کے کہنے کی وجہ سے	فِيْهِ	اس (معاملہ) میں
وَّقَوْلِهِمْ	اور ان کے کہنے کی وجہ سے	اِنَّا قَتَلْنَا	بیشک ہم نے قتل کیا	لَفِيْ شَكٍّ	یقیناً شک میں ہیں
قُلُوْبُنَا	ہمارے دل	الْمَسِيْحَ	مسیح (مبارک)	مِّنْهُ	اس (معاملہ) سے
غُلْفٌ	پیک (غلاف میں) ہیں	عِيْسَى	عیسیٰ کو	مَا لَهُمْ	نہیں ہے ان کو
بَلْ طَبَعَ	بلکہ مہر کردی ہے	ابْنَ مَرْيَمَ	بیٹے مریم کے	بِهٖ	اس بارے میں
اللّٰهُ	اللہ نے	رَسُوْلَ اللّٰهِ (۳)	اللہ کے رسول!	مِنْ عِلْمٍ	کچھ بھی خبر
عَلَيْهَا	ان پر	وَمَا	اور نہیں	اِلَّا اتِّبَاعَ	سوائے پیروی کرنے

(۱) فَبِمَا: میں باء سببیہ ہے، اور ما زائدہ ہے، نَقْض: خود مصدر ہے، اس لئے ما مصدریہ کی ضرورت نہیں، اور باء کا متعلق محذوف ہے أي: فبما نقضهم لعنّاهم (۲) بكفرهم: میں باء اس لئے دوبارہ لائی گئی ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان فصل ہوگیا ہے، اور کفر سے مراد عیسیٰ علیہ السلام کا انکار ہے (۳) رسولَ الله: أَمْدَحُ کا مفعول بہ ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، یہود کا کلام نہیں ہے۔

الظَّنِّ	گمان (اٹکل) کی	وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ	اور قیامت کے دن	كَثِيْرًا	بہت زیادہ
وَمَا	اور نہیں	يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ	ہوگا وہ ان کے خلاف	وَّ اَخْذِهِمُ	اور ان کے لینے کی وجہ سے
قَتَلُوْهُ	قتل کیا انھوں نے اس کو	شَهِيْدًا	گواہ	الرِّبٰوا	سود
يَقِيْنًا	بالیقین	فَبِظُلْمٍ	پس ظلم (زیادتی) کی	وَقَدْ	اور بالتحقیق
بَلْ رَّفَعَهُ	بلکہ اٹھالیا اس کو		وجہ سے	نُهُوْا	روکے گئے وہ
اللّٰهُ	اللہ نے	مِّنَ الَّذِيْنَ	ان لوگوں کی جنھوں نے	عَنْهُ	اس سے
اِلَيْهِ	اپنی طرف	هَادُوْا	یہودیت اختیار کی	وَ اَكْلِهِمْ	اور ان کے کھانے کی
وَكَانَ اللّٰهُ	اور ہیں اللہ تعالیٰ	حَرَّمْنَا	حرام کیں ہم نے		وجہ سے
عَزِيْزًا	زبردست	عَلَيْهِمْ	ان پر	اَمْوَالَ	اموال
حَكِيْمًا	بڑی حکمت والے	طَيِّبٰتٍ	ستھری چیزیں	النَّاسِ	لوگوں کے
وَاِنْ (۱)	اور نہیں ہے	اُحِلَّتْ (۳)	(جو) حلال کی گئی تھیں	بِالْبَاطِلِ	ناحق
مِّنْ اَهْلِ	اہل کتاب میں سے	لَهُمْ	ان کے لئے	وَ اَعْتَدْنَا	اور تیار کیا ہم نے
الْكِتٰبِ	(کوئی)	وَبِصَدِّهِمْ (۴)	اور ان کے روکنے کی	لِلْكٰفِرِيْنَ	منکروں کے لئے
اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ	مگر ضرور ایمان لائے گا		وجہ سے	مِنْهُمْ	ان میں سے
بِهٖ	اس پر	عَنْ سَبِيْلِ	راستے سے	عَذَابًا	عذاب
قَبْلَ مَوْتِهٖ (۲)	اس کی موت سے پہلے	اللّٰهِ	اللہ کے	اَلِيْمًا	دردناک

یہود کی خباثتیں جن سے درگذر نہیں کیا گیا

۱- انھوں نے نقض عہد کیا، انبیاء کو قتل کیا اور اپنے دلوں کو محفوظ بتایا

یہود کی شرارتوں سے تو اللہ نے درگذر کیا، جیسا کہ گذرا، مگر ان کی خباثتوں کا وبال ان پر اترا، ان کو اللہ نے اپنی رحمت

---

(۱) إنْ: نافیہ ہے، اور من أهل الكتاب کے بعد أحدٌ محذوف ہے، اور اس کی صفت من أهل الكتاب موصوف کے قائم مقام ہے (۲) موته: کی ضمیر کا مرجع عیسیٰ علیہ السلام ہیں، وہی به کا مرجع ہیں، أهل كتاب کو مرجع بنائیں گے تو انتشار ضمائر لازم آئے گا۔ (۳) جملہ أحلت: طیبات کی صفت ہے (۴) بصدهم: میں باء مکرر آئی ہے، جملہ کو ماسبق سے علاحدہ کرنے کے لئے، پھر تینوں معطوفات کی سزا محذوف ہے اور قرینہ آیت کا آخری حصہ ہے جو چوتھا معاملہ ہے أی لهم في الآخرة عذاب أليم۔

سے محروم کردیا،لعنت کا یہی مفہوم ہے، ان آیات میں ان کی شیطنت کے واقعات ہیں، پہلی آیت میں ان کی تین بری حرکتوں کا ذکر ہے:

۱-گذشتہ آیت کے آخر میں فرمایا تھا کہ اللہ نے یہود سے پختہ قول وقرار لیا تھا کہ وہ تورات کے احکام پر عمل کریں گے، مگر انھوں نے اس عہد کو توڑ دیا، تورات کو پس پشت ڈال دیا اور اللہ کے احکام کا انکار کردیا۔

۲-یہود نے انبیاء کا ناحق خون کیا، حضرات زکریا و یحییٰ علیہما السلام کو شہید کیا، اور نہ معلوم کتنے انبیاء کو قتل کیا۔

۳-جب نبی ﷺ نے یہود کو ایمان کی دعوت دی تو انھوں نے کہا: ”ہمارے دل محفوظ ہیں!“ یعنی ان میں آپؐ کی باتیں نہیں اترتیں! —— یہی وہ باتیں ہیں جن کی وجہ سے اللہ نے ان پر لعنت کی۔

اوران کی آخری بات محض بکواس ہے، ان کے قلوب پیک نہیں، اوپن ہیں، ہر برائی ان میں گھستی ہے، خیر کی بات ہی نہیں گھستی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مسلسل انکار کی وجہ سے ان کو سیل کردیا ہے، اس لئے ان میں سے معدودے چند کے علاوہ کوئی ایمان نہیں لائے گا!

﴿ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾۱۵۵

ترجمہ: پس (اللہ نے یہود کو اپنی رحمت سے دور کردیا) (۱) ان کے عہد و پیمان توڑنے کی وجہ سے، اوران کے اللہ کے احکام کا انکار کرنے کی وجہ سے (۲) اوران کے انبیاء کو ناحق قتل کرنے کی وجہ سے (۳) اوران کے اس قول کی وجہ سے کہ ہمارے دل (ڈبوں میں) محفوظ ہیں! —— نہیں! بلکہ اللہ نے ان کے (مسلسل) اسلام کا انکار کرنے کی وجہ سے ان پر مہر کردی ہے، پس وہ چند کے علاوہ ایمان نہیں لائیں گے —— جن چند کا استثناء ہے ان کا ذکر آگے (آیت ۱۶۲) میں آرہا ہے۔

۲-یہود نے عیسیٰ علیہ السلام کو جھٹلایا، ان کی والدہ پر بدکاری کا الزام لگایا، اور فخریہ کہا کہ ہم نے عیسیٰ مسیح کو قتل کردیا!

یہود کی تین بدرات جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق ہیں: درج ذیل ہیں، ان کی وجہ سے بھی وہ ملعون ٹھہرے!

۱-جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے تو یہود نے ان کو نبی ماننے سے انکار کردیا، انھوں نے آپ کو مسیح ضلالت (دجال) قرار دیا، اور ان کے قتل کے درپے ہوئے، اور وہ آج بھی اپنے مسیح ہدایت (دجال) کے منتظر ہیں، چنانچہ جب دجال نکلے گا تو سب سے پہلے یہودی ہی اس کی پیروی کریں گے۔

۲-جب کنواری عفیفہ حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے بطن سے محض قدرتِ خداوندی سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو یہود نے ان کی والدہ پر بدکاری کا الزام لگایا، جبکہ تو مولود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ حضرت مریم کی براءت کی شہادت بھی دلوادی تھی، مگر یہود نے اس کو نہیں مانا، اور پاک دامن، گناہ سے بے خبر عورت پر زنا کا الزام لگانا سنگین جرم ہے، اس کی وجہ سے بھی یہود ملعون ٹھہرے۔

۳-یہود فخریہ دعوی کرتے ہیں کہ انھوں نے مریم کے بیٹے مسیح کو قتل کر کے تماشہ کے لئے سولی پر لٹکادیا، کون مسیح؟ وہی مسیح جو اللہ کے سچے رسول تھے، جبکہ عام مؤمن کا قتلِ عمد سنگین جرم ہے: نبی کا قتل تو بڑا جرم ہوگا؟ مگر وہ فخریہ اس کا جھوٹا دعوی کرتے ہیں، اس کی وجہ سے بھی وہ ملعون ٹھہرے!

﴿ وَبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ۙ وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ ﴾

ترجمہ: (۱) اور ان (یہود) کے (عیسیٰ علیہ السلام کا) انکار کرنے کی وجہ سے (۲) اور ان کے مریمؑ پر بہتان باندھنے کی وجہ سے (۳) اور ان کے (فخریہ) کہنے کی وجہ سے کہ ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ مسیح کو قتل کر دیا! یعنی اللہ کے (سچے) رسول! ـــــ یہ اللہ کا کلام ہے، یہود کا قول نہیں یعنی دیکھو! چوری اور سینہ زوری!

عیسیٰ علیہ السلام کو یہود نے قتل نہیں کیا، ان کو دھوکہ لگا ہے

عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے اپنی قدرت سے زندہ آسمان پر اٹھالیا ہے

اللہ تعالیٰ یہود کی تکذیب فرماتے ہیں، یہود نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کیا، نہ سولی پر چڑھایا، ان کو دھوکہ لگا ہے، اور جو لوگ ان کے بارے میں مختلف باتیں کرتے ہیں وہ اٹکل کی اڑا رہے ہیں، خبر کسی کو کچھ نہیں، یقینی بات یہ ہے کہ انھوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو نہ قتل کیا نہ سولی پر لٹکایا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی قدرت سے زندہ آسمان پر اٹھالیا، اللہ تعالیٰ زبردست ہیں، ان کے لئے یہ کام کچھ مشکل نہیں، اور وہ بڑی حکمت والے ہیں، ان کی حکمت کا تقاضا ہوا کہ ان کو زندہ اٹھالیا جائے: چنانچہ اٹھالیا۔

قصہ یہ ہوا کہ جب یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کا ارادہ کیا تو ان کو گرفتار کرنے کے لئے ان کے گھر پر دھاوا بول دیا، سب سے پہلے شمعون کرینی نامی شخص گھر میں گھسا، اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو تو آسمان پر اٹھالیا، اور اس شخص کی صورت عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ کردی، جب باقی لوگ گھر میں گھسے تو اس کو مسیح سمجھ کر پکڑ لیا، اور قتل کر کے سولی پر

لٹکا دیا، پھر بعض کہنے لگے کہ اس کا چہرہ تو مسیح کا چہرہ ہے اور باقی بدن ہمارے آدمی کا معلوم ہوتا ہے، اور بعض نے کہا: یہ مقتول مسیح ہے تو ہمارا آدمی کہاں گیا؟ اور یہ ہمارا آدمی ہے تو مسیح کہاں گیا؟ اس طرح اٹکل سے کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ، علم کسی کو بھی نہیں تھا، صحیح بات اللہ تعالیٰ نے کھولی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہرگز مقتول نہیں ہوئے، بلکہ ان کو اللہ نے آسمان پر اٹھالیا اور یہود کو شبہ میں ڈال دیا (از فوائد)

﴿ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۚ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۚ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ ﴾

ترجمہ: اور انھوں نے ان کو قتل نہیں کیا، اور نہ انھوں نے ان کو سولی دی، بلکہ معاملہ ان کے لئے گڈمڈ کر دیا گیا، اور جو لوگ ان کے معاملہ میں مختلف باتیں کرتے ہیں وہ ان کے معاملہ میں شک میں مبتلا ہیں، ان کو اس معاملہ کی کچھ بھی خبر نہیں، وہ محض اٹکل کی اڑاتے ہیں، اور انھوں نے ان کو یقیناً قتل نہیں کیا (اور نہ ان کو سولی پر لٹکایا) بلکہ ان کو اللہ نے اپنی طرف اٹھالیا، اور اللہ تعالیٰ زبردست، بڑی حکمت والے ہیں!

یہود ونصاری کو عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سے پہلے ان کے زندہ آسمان پر اٹھائے جانے کا یقین آجائے گا

آج تو یہود ونصاری: دونوں غلط فہمی کا شکار ہیں، یہود فخریہ کہتے ہیں کہ ہم نے عیسیٰ کو قتل کر کے سولی پر لٹکا دیا۔ اور نصاری یہ سمجھتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام مصلوب ہوکر اپنی امت کے گناہوں کا کفارہ بن گئے، حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں، جب دجال ظاہر ہوگا وہ زمین پر اتریں گے، اور اس کو قتل کریں گے۔ اس وقت یہود ونصاری: دونوں کو یقین آجائے گا کہ وہ قتل نہیں کئے گئے، نہ سولی دیئے گئے، بلکہ آسمان پر زندہ اٹھالئے گئے ہیں۔

پھر قیامت کے دن عیسیٰ علیہ السلام دونوں کے خلاف گواہی دیں گے، یہود کے خلاف یہ گواہی دیں گے کہ انھوں نے ان کی نبوت کا انکار کیا، اور عیسائیوں کے خلاف یہ گواہی دیں گے کہ انھوں نے ان کو خدائی میں شریک گردانا، حالانکہ معبود تنہا اللہ تعالیٰ ہیں، خدائی میں ان کا کوئی شریک نہیں۔

﴿ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ۝ ﴾

ترجمہ: اور اہل کتاب (یہود ونصاری) میں سے کوئی نہیں، مگر وہ ضرور عیسیٰ کی موت سے پہلے اس پر (ان کے زندہ

اٹھائے جانے پر) ایمان لائے گا ـــــ اور وہ قیامت کے دن ان (دونوں) کے خلاف گواہ ہونگے!

یہود کے پانچ بڑے جرائم

ایک کی جزا دنیا میں، چار کی سزا آخرت میں

اب دو آیتوں میں نہایت جامعیت کے ساتھ یہود کے پانچ جرائم بیان فرماتے ہیں، ایک نسبۂ ہلکا جرم ہے، اس کا بدلہ ان کو دنیا میں مل گیا، اور چار سنگین جرائم ہیں، ان کی سزا ان کو آخرت میں ملے گی، آیت میں وہ سزا محذوف ہے، اور اس پر آیت کا آخری حصہ دلالت کرتا ہے، اور وہ **ولهم عذاب أليم في الآخرة** ہے۔

پہلا جرم: جس کا بدلہ یہود کو دنیا میں ملا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو عرق النساء کی بیماری تھی، اس بیماری میں اونٹ کا گوشت اور دودھ مضر ہوتا ہے، چنانچہ آپ نے یہ دونوں چیزیں چھوڑ دیں، پس ان کی اولاد نے بھی چھوڑ دیں، پھر چار سو سال بعد موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں تورات نازل ہوئی تو یہ دونوں چیزیں بنی اسرائیل کے لئے حرام کر دیں، اس لئے کہ وہ ان کے ترک کے خوگر ہو گئے تھے، اور قومی تصورات کا تشریع (قانون سازی) میں اعتبار ہوتا ہے ـــــ اور اس کا تذکرہ سورۃ آلِ عمران (آیت ۹۳) میں آیا ہے۔

اور ظلم کے معنی ہیں: اپنا نقصان کرنا، اپنے پیروں پر کلہاڑی مارنا، وہ بے ہودے بلا وجہ اپنے پُرکھ (بڑے) کی پیروی کرنے لگے، اس لئے مذکورہ دو طیب چیزیں ان پر حرام کر دی گئیں، ایسا ان کے جرم کے نتیجہ میں ہوا، جیسے حدیث میں بھی ہے کہ بڑا مجرم وہ ہے جس کے بے ضرورت سوال کرنے سے کوئی شئ سب کے لئے حرام ہو جائے، یعنی زمانۂ وحی میں، **كذا في المشكاة عن الشيخين** (بیان القرآن)

علاوہ ازیں: سورۃ الانعام (آیت ۱۴۶) میں ہے کہ یہود پر تمام ناخن والے جانور حرام کئے گئے تھے، اور گائے بکری کی خالص چربی جو پیٹ میں سے نکلتی ہے: حرام کی گئی تھی، پھر فرمایا: ﴿ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ﴾: یہ ہم نے ان کو ان کی شرارت کی سزا دی، بَغْیٌ کے معنی ہیں: زیادتی، پس بغی اور ظلم ایک ہیں، اور یہ کس سرکشی کی سزا تھی؟ اس کی تفصیل اپنی جگہ آئے گی۔

باقی چار جرائم: جن کی سزا ان کو آخرت میں ملے گی: یہ ہیں:

۱- نبی ﷺ کے زمانہ میں بے ہودوں کا دلچسپ مشغلہ لوگوں کو ایمان لانے سے روکنا تھا، وہ طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کرتے تھے، اور ایک مخلوق کو انھوں نے اللہ کے راستہ پر پڑنے سے روک دیا۔

۲- یہود بڑی سود خور قوم ہے، نزولِ قرآن کے وقت بھی ان کا یہی حال تھا اور آج بھی یہی حال ہے، اور سود خوری

نہایت سنگین جرم ہے، قرآنِ کریم میں اس پر سخت وعید آئی ہے، تورات میں بھی سود کی ممانعت کا حکم آج بھی موجود ہے، خروج (۲۲:۲۵) اور احبار (۳۵:۳۷) میں یہ حکم ہے، مگر یہود کہاں مانتے ہیں!

۳- یہودی ناحق لوگوں کے مال کھاتے تھے، رشوتیں لے کر فیصلے کرتے تھے، جھوٹی گواہیاں دیتے تھے اور جادو ٹونکوں کے ذریعہ بھی پیسے بٹورتے تھے، یہ بھی ان کا سنگین جرم تھا۔

۴- یہود کی اکثریت نبی ﷺ پر ایمان نہیں لائی تھی، حالانکہ وہ آپ ﷺ کو بیٹوں کی طرح پہچانتے تھے، چہ دلاور است دُزدے کہ بکف چراغ دارد! اندھا کنواں میں گرے تو ہوسکتا ہے، بینا گرے تو کتنی تعجب کی بات ہے!

ان چاروں جرائم کی سزا یہودیوں کو آخرت میں ملے گی، ان کو دوزخ کے دردناک عذاب سے واسطہ پڑے گا!

﴿فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۝ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝﴾

ترجمہ: (۱) پس یہود کی زیادتی کی وجہ سے: ہم نے ان پر حرام کردیں (کچھ) ستھری چیزیں جو ان کے لئے حلال کی گئی تھیں —— (۲) اور ان کے بہت زیادہ روکنے کی وجہ سے اللہ کے راستہ سے —— یعنی نبی ﷺ پر ایمان لانے سے —— (۳) اور ان کے سود لینے کی وجہ سے، جبکہ ان کو اس سے روکا گیا تھا (۴) اور ان کے لوگوں کے اموال ناحق کھانے کی وجہ سے —— ان کو آخرت میں دردناک سزا ملے گی، اور اس حذف کا قرینہ ہے: —— اور ہم نے ان میں سے —— نبی ﷺ پر —— ایمان نہ لانے والوں کے لئے دردناک عذاب تیار کیا ہے!

لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ ع

لٰكِنِ	لیکن	مِنْهُمْ	یہود میں سے	يُؤْمِنُوْنَ (۲)	ایمان لائے ہیں
الرّٰسِخُوْنَ	پختہ کار	وَالْمُؤْمِنُوْنَ (۱)	اور ایمان لانے والے	بِمَآ اُنْزِلَ	اس پر جو اتارا گیا
فِي الْعِلْمِ	علم دین میں		(دونوں ایک ہیں)	اِلَيْكَ	آپ کی طرف

(۱) المؤمنون: کا عطف الراسخون پر، اور معطوف معطوف علیہ ایک ہیں، عطف تفسیری ہے۔ (۲) یؤمنون خبر ہے۔

وَمَآ اُنۡزِلَ	اوراس پر جو اتارا گیا ہے	وَ الۡمُؤۡتُوۡنَ (۲)	اور دینے والے	اُولٰٓئِكَ (۳)	یہی لوگ
مِنۡ قَبۡلِكَ	آپؐ سے پہلے	الزَّكٰوةَ	زکات کے	سَنُؤۡتِيۡهِمۡ	جلد دیں گے ہم ان کو
وَالۡمُقِيۡمِيۡنَ (۱)	اور (شاباش!) قائم	وَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ	اور یقین کرنے والے	اَجۡرًا	ثواب
	کرنے والے	بِاللّٰهِ	اللہ کا	عَظِيۡمًا	بڑا
الصَّلٰوةَ	نماز کے	وَ الۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ	اور قیامت کے دن کا	۞	۞

یہود میں سے ایمان لانے والوں کے لئے بشارت

گذشتہ آیت کے آخر میں فرمایا تھا کہ جو یہودی نبی ﷺ پر ایمان لانے کے لئے تیار نہیں: ان کے لئے آخرت میں دردناک عذاب ہے، اب جو حضرات ان میں سے ایمان لائے ہیں ان کو خوش خبری سناتے ہیں:

فرماتے ہیں: جو حضرات علم دین میں پختہ کار ہیں، جو دینی بات سمجھتے ہیں اور صحیح سمجھتے ہیں، جو نبی ﷺ پر ایمان لائے ہیں، جیسے حضرات عبداللہ بن سلام، اُسید اور ثعلبہ وغیرہ رضی اللہ عنہم، یہ حضرات قرآنِ کریم کو بھی اللہ کی کتاب مانتے ہیں، اور سابقہ آسمانی کتابوں کو بھی مانتے ہیں، اور بدنی اور مالی عبادتیں بجالاتے ہیں، اور اعراب بدل کر نماز کی اہمیت ظاہر کی ہے، اور وہ اللہ پر اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں، آخرت کا یقین ہی احکام کی تعمیل کراتا ہے، ان حضرات کو اللہ تعالیٰ جلدی اجر عظیم عطا فرمائیں گے، جنت میں ان کو داخل فرمائیں گے۔

آیتِ کریمہ: لیکن یہود میں سے علم دین میں پختہ کار اور ایمان لانے والے: ایمان لائے ہیں اس کتاب پر جو آپؐ کی طرف اتاری گئی ہے، اور ان کتابوں پر جو آپؐ سے پہلے اتاری گئی ہیں، اور نماز کا اہتمام کرنے والوں (کا تو کیا کہنا!) اور زکات دینے والے، اور اللہ کا اور آخرت کا یقین کرنے والے: انہی لوگوں کو اللہ تعالیٰ جلدی بڑا ثواب عنایت فرمائیں گے!

اِنَّآ اَوۡحَيۡنَآ اِلَيۡكَ كَمَآ اَوۡحَيۡنَآ اِلٰى نُوۡحٍ وَّ النَّبِيّٖنَ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ ۚ وَ اَوۡحَيۡنَآ اِلٰٓى اِبۡرٰهِيۡمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ وَ الۡاَسۡبَاطِ وَعِيۡسٰى وَ اَيُّوۡبَ وَ يُوۡنُسَ وَهٰرُوۡنَ وَسُلَيۡمٰنَ ۚ وَاٰتَيۡنَا دَاوٗدَ زَبُوۡرًا ﴿۱۶۳﴾ وَ رُسُلًا قَدۡ قَصَصۡنٰهُمۡ عَلَيۡكَ مِنۡ قَبۡلُ

(۱) المقیمین: أمدحُ محذوف کا مفعول بہ ہے، وھو أولیَ الأعاریب (جمل) (۲) المؤتون: المؤمنون پر معطوف ہے (۳) أولئك: مستقل جملہ ہے۔

وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ؕ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴿۱۶۴﴾ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۶۵﴾ لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۱۶۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۱۶۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ﴿۱۶۸﴾ اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۶۹﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷۰﴾

اِنَّآ	بے شک ہم نے	وَاِسْحٰقَ	اور اسحاق	وَرُسُلًا[1]	اور (بھیجا ہم نے)
اَوْحَيْنَآ	وحی بھیجی ہے	وَيَعْقُوْبَ	اور یعقوب		رسولوں کو
اِلَيْكَ	آپ کی طرف	وَالْاَسْبَاطِ	اور نبیروں (اولاد)	قَدْ	تحقیق
كَمَآ	جس طرح	وَعِيْسٰى	اور عیسیٰ	قَصَصْنٰهُمْ	بیان کیا ہم نے ان کو
اَوْحَيْنَآ	وحی بھیجی ہے ہم نے	وَاَيُّوْبَ	اور ایوب	عَلَيْكَ	آپ کے سامنے
اِلٰى نُوْحٍ	نوح کی طرف	وَيُوْنُسَ	اور یونس	مِنْ قَبْلُ	اس سے پہلے
وَّالنَّبِيّٖنَ	اور نبیوں کی طرف	وَهٰرُوْنَ	اور ہارون	وَرُسُلًا[1]	اور رسولوں کو
مِنْۢ بَعْدِهٖ	ان کے بعد	وَسُلَيْمٰنَ	اور سلیمان (کی طرف)	لَّمْ نَقْصُصْهُمْ	نہیں بیان کیا ہم نے ان کو
وَاَوْحَيْنَآ	اور وحی بھیجی ہے ہم نے	وَاٰتَيْنَا	اور دی ہے ہم نے	عَلَيْكَ	آپ کے سامنے
اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ	ابراہیم کی طرف	دَاوٗدَ	داؤد کو	وَكَلَّمَ	اور بات چیت کی
وَاِسْمٰعِيْلَ	اور اسماعیل	زَبُوْرًا	زبور	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ نے

(۱) تینوں جگہ رسلاً کا عامل أرسلنا محذوف ہے۔

مُوْسٰى	موسیٰ سے	وَكَفٰى بِاللّٰهِ	اور کافی ہیں اللہ تعالیٰ	خٰلِدِيْنَ	رہنے والے
تَكْلِيْمًا	بات چیت کرنا	شَهِيْدًا	گواہ	فِيْهَا اَبَدًا	اس میں سدا
رُسُلًا	(بھیجا ہم نے) پیغمبروں کو	اِنَّ الَّذِيْنَ	بے شک جنھوں نے	وَكَانَ ذٰلِكَ	اور ہے یہ بات
مُّبَشِّرِيْنَ (۱)	خوشخبری سنانے والے	كَفَرُوْا	انکار کیا	عَلَى اللّٰهِ	اللہ پر
وَمُنْذِرِيْنَ	اور ڈرانے والے	وَصَدُّوْا	اور روکا انھوں نے	يَسِيْرًا	آسان
لِئَلَّا يَكُوْنَ	تاکہ نہ ہو	عَنْ سَبِيْلِ	راستے سے	يٰاَيُّهَا النَّاسُ	اے لوگو!
لِلنَّاسِ	لوگوں کے لئے	اللّٰهِ	اللہ کے	قَدْ	تحقیق
عَلَى اللّٰهِ	اللہ پر	قَدْ ضَلُّوْا	تحقیق گمراہ ہوگئے وہ	جَآءَكُمُ	آئے ہیں تمہارے پاس
حُجَّةٌ	کوئی حجت (عذر)	ضَلٰلًا	گمراہ ہونا	الرَّسُوْلُ	اللہ کے رسول
بَعْدَ الرُّسُلِ	رسولوں کے بعد	بَعِيْدًا	دور کا	بِالْحَقِّ	دین حق کے ساتھ
وَكَانَ اللّٰهُ	اور ہیں اللہ تعالیٰ	اِنَّ الَّذِيْنَ	بے شک جنھوں نے	مِنْ رَّبِّكُمْ	تمہارے پروردگار کی طرف سے
عَزِيْزًا	زبردست	كَفَرُوْا	انکار کیا	فَاٰمِنُوْا	پس ایمان لاؤ
حَكِيْمًا	بڑی حکمت والے	وَظَلَمُوْا	اور اپنا نقصان کیا	خَيْرًا لَّكُمْ (۲)	بہتر ہوگا تمہارے لئے
لٰكِنِ اللّٰهُ	لیکن اللہ تعالیٰ	لَمْ يَكُنِ	نہیں ہیں	وَاِنْ تَكْفُرُوْا	اور اگر انکار کروگے تم
يَشْهَدُ	گواہی دیتے ہیں	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	فَاِنَّ لِلّٰهِ (۳)	تو بیشک اللہ ہی کیلئے ہے
بِمَآ اَنْزَلَ	اُس کی جو اتارا اس نے	لِيَغْفِرَ لَهُمْ	کہ بخشیں ان کو	مَا	جو کچھ
اِلَيْكَ	آپؐ کی طرف	وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ	اور نہیں ہیں کہ دکھلائیں	فِى السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں
اَنْزَلَهٗ	اتارا ہے اس کو		ان کو	وَالْاَرْضِ	اور زمین (میں ہے)
بِعِلْمِهٖ	اپنے علم پر مشتمل	طَرِيْقًا	کوئی راہ	وَكَانَ اللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ ہیں
وَالْمَلٰٓئِكَةُ	اور فرشتے	اِلَّا طَرِيْقَ	بجز راہ	عَلِيْمًا	سب کچھ جاننے والے
يَشْهَدُوْنَ	گواہی دیتے ہیں	جَهَنَّمَ	دوزخ کی	حَكِيْمًا	بڑی حکمت والے

(۱) مبشرین اور منذرین: رسلا کے احوال ہیں۔ (۲) خیرا لکم کا عامل یکُنْ محذوف ہے (۳) للہ: خبر مقدم ہے، اس لئے حصر پیدا ہوا ہے۔

سابقہ وحیاں اور موجودہ وحی سب اللہ کی طرف سے ہیں

ان آیات پر یہود کا تذکرہ مکمل ہوجائے گا، آگے نصاری کا تذکرہ شروع ہوگا، اور گذشتہ آیت میں فرمایا تھا کہ جو پختہ علم رکھنے والے یہودی مسلمان ہوئے ہیں وہ قرآنِ کریم کو بھی مانتے ہیں، اور سابقہ کتابوں کو بھی مانتے ہیں، اس لئے کہ سب کتابیں ایک سرچشمہ سے نکلی ہوئی نہریں ہیں، اور ایک سرکار کے بھیجے ہوئے احکام ہیں، پس بعض کو ماننا اور بعض کو نہ ماننا اللہ تعالیٰ کو نہ ماننا ہے، جیسے مرکزی حکومت ایک گورنر کو کوئی حکم بھیجے، پھر دوسرے گورنر کو دوسرا حکم بھیجے، پھر آخری گورنر کو آخری حکم بھیجے تو سب کو ماننا ہوگا، سابقہ احکام کو ماننا اور موجودہ حکم کو نہ ماننا سرکار کی بغاوت سمجھا جائے گا۔

اور نبی ﷺ چونکہ اللہ کے رسول ہیں، اس لئے ان کی وحی کو نوح علیہ السلام کی وحی سے تشبیہ دی ہے، نوح علیہ السلام پہلے رسول ہیں، ان سے پہلے نبی مبعوث ہوتے تھے، اور ان کے بعد انبیاء بھی مبعوث ہوئے ہیں اور رسول بھی، اس لئے أوحینا مکرر لائے ہیں۔

نبی اور رسول میں فرق: رسول: اللہ کے بڑے نمائندے ہوتے ہیں، ان پر نئی کتاب اور نئی شریعت نازل ہوتی ہے، اور ان کی وحی کے پہلے مخاطب کفار و مشرکین ہوتے ہیں، پھر جو ایمان لاتے ہیں ان کے لئے بھی احکام نازل ہوتے ہیں، اور نبی پر غیر تشریعی وحی آتی ہے، اور اس کے مخاطب مؤمنین ہوتے ہیں، اور وہ سابق رسول کی شریعت کی تبلیغ کرتے ہیں، جیسے انبیائے بنی اسرائیل: موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی خدمت کرتے تھے۔

اور یہود سلیمان علیہ السلام اور داؤد علیہ السلام کو نبی نہیں مانتے، صرف بادشاہ مانتے ہیں، اس لئے صراحت کی کہ داؤد علیہ السلام کو اللہ نے زبور عطا فرمائی ہے، پس ثابت ہوا کہ دونوں حضرات نبی ہیں، اور یہود کا خیال غلط ہے۔

﴿اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۱۶۳﴾﴾

ترجمہ: بے شک ہم نے آپؐ کی طرف اُس طرح وحی کی جس طرح ہم نے نوح اور ان کے بعد انبیاء کی طرف وحی کی ہے، اور ہم نے ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب، ان کی اولاد عیسیٰ، ایوب، یونس، ہارون اور سلیمان کی طرف وحی کی، اور ہم نے داؤد کو زبور عطا فرمائی۔

رسول بہت مبعوث ہوئے ہیں، اور وحی کی مختلف صورتیں

اللہ کے رسولوں اور نبیوں کی صحیح تعداد معلوم نہیں، قرآنِ کریم میں پچیس انبیاء ورسل کا ذکر آیا ہے، بعض کے تو صرف

نام آئے ہیں، جیسے حضرت ذوالکفل علیہ السلام، ان کے احوال مذکور نہیں، مگر یہ بات قطعی ہے کہ انبیاؤرسل بہت مبعوث ہوئے ہیں، اور قرآن تاریخ کی کتاب نہیں، کتابِ دعوت ہے، اس لئے انبیاء کے حالات بیان کرنا قرآنِ کریم کا موضوع نہیں، پس تعیین کے بغیر تمام انبیاؤرسل پر ایمان لانا ضروری ہے۔

اسی طرح اللہ کی کتابیں بھی متعدد نازل ہوئی ہیں، مگر ان کی تعداد بھی معلوم نہیں، صرف چار کتابوں کا قرآن میں ذکر آیا ہے، ان کے علاوہ ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں کا بھی ذکر آیا ہے، اس لئے بالاجمال سبھی کتابوں پر ایمان لانا ضروری ہے۔

اور رسولوں پر اللہ کی وحی مختلف طرح سے آئی ہے:

وحی کی پہلی صورت: اللہ تعالیٰ نے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بلاواسطہ بول کر کلام فرمایا ﴿ تَكْلِيْمًا ﴾: مفعولِ مطلق بیانِ نوعیت کے لئے ہے، یعنی بول کر کلام فرمایا، پس ﴿ كَلَّمَ ﴾ میں کچھ مجاز نہیں، مگر یہ کلام فرمانا صرف نبوت سے سرفراز کرنے کے سلسلہ میں تھا، پوری تورات اس طرح نازل نہیں ہوئی تھی، بلکہ وہ آئندہ آنے والی دوسری صورت میں نازل ہوئی تھی۔

وحی کی دوسری صورت: اللہ کا پیغام فرشتہ (جبرئیل علیہ السلام) نبی کو پہنچاتا ہے، نبی اس کو لکھ لیتا ہے، یا لکھوالیتا ہے، اس صورت میں الفاظ فرشتے کے یا نبی کے ہوتے ہیں، اور کبھی مضمون نبی کے قلب پر وارد ہوتا ہے، نبی اس کو بھی اپنے الفاظ میں لکھ لیتا ہے یا بیان کردیتا ہے، اسی لئے سابقہ کتابوں کو قرآن میں اللہ کی کتابیں کہا ہے، اللہ کا کلام نہیں کہا، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ نے براہینِ قاسمیہ (جواب ترکی بہ ترکی) میں یہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ تورات وانجیل وغیرہ کتب من جانب اللہ ہونے کے باوجود قرآنِ کریم کی طرح فصیح وبلیغ کیوں نہیں؟ فرماتے ہیں:

> "ہاں خدا کی کتاب مثل تورات وانجیل اور زبانوں میں بھی نازل ہوئیں، مگر ظاہر ہے کہ کسی کی کوئی کتاب ہو تو یہ لازم نہیں کہ اس کا کلام بھی ہو، کیونکہ عربی زبان میں کتاب خط کو کہتے ہیں، اور خط اوروں سے بھی لکھواسکتے ہیں، سو اگر مضمون الہامی ہو، اور عبارت ملائکہ کی ہو، یا فرض کرو کہ عبارت انبیاء کی ہو، جیسے اہلِ کتاب کا بہ نسبت تورات وانجیل خیال ہے تو تورات وانجیل کتاب اللہ تو ہونگی، پر کلام اللہ نہ ہونگی۔

شاید یہی وجہ ہے کہ قرآنِ کریم میں جہاں تورات وانجیل کا ذکر ہے وہاں ان کو کتاب اللہ کہا ہے، کلام اللہ نہیں کہا، اور ایک آدھ جگہ (سورۃ البقرۃ آیت ۷۵) سوائے قرآن اور کلام کو 'کلام اللہ' کہا ہے تو وہاں نہ تورات کا ذکر ہے نہ انجیل کا، بلکہ بدلالتِ قرآن اس کلام کا ذکر معلوم ہوتا ہے جو ہم راہیانِ موسیٰ علیہ السلام نے سنا تھا، اور پھر یہ کہا تھا: ﴿ لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً ﴾ (سورۃ البقرۃ آیت ۵۵) یعنی فقط کلام سن کر ایمان نہ لائیں گے،

خدا کو دیکھ لیں گے تو ایمان لائیں گے۔ اور یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ اور کتابوں کے اعجاز بلاغت وفصاحت کا دعوی نہیں کیا گیا یعنی خدا کا کلام ہوتیں تو وہ بھی معجزہ ہوتیں، کیونکہ ایک آدمی کے کلام کا ایک انداز ہوتا ہے" الی آخرہ۔

(براہین قاسمیہ ص:۱۱۵)

جاننا چاہئے کہ نبی ﷺ پر بھی اس طرح وحی آتی تھی، اور اسی کا نام احادیث شریفہ ہے، احادیث اللہ کا کلام نہیں، ان کا مضمون فرشتہ کے ذریعہ آیا ہے یا آپؐ کے قلب پر وارد ہوا ہے، آپؐ نے اس کو اپنے الفاظ میں بیان فرمایا ہے ﴿ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ ﴾ میں یہی تشبیہ مراد ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے بخاری شریف کے شروع میں اسی آیت سے احادیث شریفہ کی حجیت پر استدلال کیا ہے، اور اسی وجہ سے احادیث نماز میں پڑھنا جائز نہیں، اگرچہ وہ وحی جلی ہیں، مگر وہ اللہ کا کلام نہیں، اور نماز اللہ کے لئے پڑھی جاتی ہے، اس لئے نماز میں اللہ کا کلام ہی پڑھنا ضروری ہے، اور اسی وجہ سے اہل کتاب (یہود ونصاری) اپنی نمازوں میں اپنی کتابیں (تورات وانجیل) نہیں پڑھتے، کیونکہ وہ اللہ کا کلام نہیں ہیں۔

وحی کی تیسری صورت: اللہ کا کلام ازل میں لوح محفوظ میں ریکارڈ ہوا، پھر جب نزولِ قرآن کا وقت آیا تو پورا قرآن یکبارگی لوحِ محفوظ سے بیتِ معمور میں جو پہلے آسمان پر ہے نازل کیا گیا، اس لئے کہ تشریعی وحی جبرئیل علیہ السلام اتارتے ہیں، اس لئے پورا قرآن بیتِ معمور میں اتارا گیا، تاکہ حسبِ حکم وہاں سے آیات لے کر جبرئیل علیہ السلام نبی ﷺ کو پہنچائیں۔ پھر جب جبرئیل علیہ السلام نبی ﷺ کو قرآن پہنچاتے تھے تو آپؐ اس کو صحابہ کے سامنے پڑھتے تھے، پھر وحی لکھنے والے صحابہ کو بلا کر لکھوا لیتے تھے۔

پس قرآنِ کریم اللہ کا کلام ہے، واسطوں کا اس میں کچھ دخل نہیں، نہ لوحِ محفوظ کا، نہ بیتِ معمور کا، نہ جبرئیل علیہ السلام کا، نہ نبی ﷺ کا، نہ کاتبین وحی کا، اسی لئے قرآن کلام معجز ہے، اس جیسا کلام کوئی نہیں بنا سکتا، قرآن اللہ کی صفتِ کلام کا پَرتو ہے، اور اللہ کی صفات کے مماثل کوئی چیز نہیں ﴿ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴾ میں وحی کی پہلی قسم کا ذکر ہے، اور اس کی تفصیل آگے (آیت ۱۶۴) میں آرہی ہے۔

﴿ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۭ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴿۱۶۴﴾ ﴾

ترجمہ: اور (بھیجا ہم نے) ایسے رسولوں کو جن کا حال ہم پہلے آپ سے (قرآن میں مختلف جگہ) بیان کر چکے ہیں، اور (بھیجا ہم نے) ایسے رسولوں کو جن کا حال ہم نے آپؐ سے بیان نہیں کیا (یعنی قرآن میں ان کا ذکر نہیں آیا) اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے براہِ راست کلام فرمایا۔

بعثتِ انبیاء کا مقصد اتمامِ حجت

پہلا انسان پہلا نبی ہے، پھر وقتاً فوقتاً اللہ تعالیٰ انبیاء بھیجتے رہے، تاکہ وہ لوگوں کو نتائج اعمال سے آگاہ کریں، اور اللہ کی پسندیدہ زندگی اپنانے والوں کو جنت کی خوش خبری سنائیں، اور اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کرنے والوں کو دوزخ سے ڈرائیں، تاکہ کل قیامت کے دن لوگ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہم نتائج اعمال سے بے خبر تھے، اگر ہمیں آپ کی مرضی نامرضی معلوم ہوجاتی تو ہم ضرور اس پر عمل کرتے، مگر اب جب کہ اللہ نے پیغمبروں کو بھیج کر لوگوں کو آگاہ کردیا تو اب ان کے لئے عذر کا کوئی موقع نہ رہا! ویسے اللہ تعالیٰ زبردست ہیں، وہ بعثتِ رسل کے بغیر بھی داروگیر کرسکتے تھے، مگر وہ حکیم بھی ہیں، ان کی حکمت کا تقاضا ہوا کہ پہلے لوگوں کو خبردار کیا جائے، پھر خلاف ورزی کرنے والوں کی پکڑ کی جائے۔

﴿ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿١٦٥﴾ ﴾

ترجمہ: (ہم نے بھیجا) رسولوں کو خوش خبری سنانے والے، اور ڈرانے والے بنا کر، تاکہ لوگوں کے لئے بعثتِ رسل کے بعد اللہ کے سامنے کوئی عذر باقی نہ رہے، اور اللہ تعالیٰ زبردست، بڑی حکمت والے ہیں۔

قرآنِ کریم اللہ کا کلام گنجینۂ علوم ہے، جو فرشتوں کی معرفت اتارا گیا ہے

نوح علیہ السلام سے نبی ﷺ تک جو وحی آتی رہی ہے: قرآنِ کریم کی وحی اس سے مختلف ہے، سابقہ وحیاں فرشتہ کا کلام ہوتی تھیں یا انبیاء کا، اور قرآنِ کریم اللہ کا کلام ہے، اللہ کی گواہی کا یہی مطلب ہے، اور وہ اللہ کا کلام ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ گنجینۂ علوم ہے، حدیث میں ہے: لَا تَنْقَضِي عَجَائِبُهُ: اس کی حیرت زا باتیں کبھی ختم نہ ہونگی، البتہ اللہ کا یہ کلام بلا واسطہ نازل نہیں ہوا، جیسے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے بلا واسطہ کلام فرمایا، بلکہ فرشتوں کے توسط سے نازل ہوا ہے، فرشتوں کی گواہی کا یہی مطلب ہے، پیغام لانے والا پیغام کا گواہ ہوتا ہے، ویسے اللہ کی گواہی کافی ہے، فرشتوں کی گواہی کی ضرورت نہیں، کلام کا اعجاز اور اس کا خزانۂ معارف ہونا کافی شہادت ہے، مشک آنست کہ خود ببوید، نہ کہ عطار بگوید: مشک تو خود مہکتا ہے، عطار کی ستائش کی کیا ضرورت ہے؟

﴿ لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿١٦٦﴾ ﴾

ترجمہ: لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتے ہیں اس قرآن کے بارے میں جو اللہ نے آپؐ کی طرف نازل کیا ہے، اللہ نے اس کو اپنے علم کے ساتھ نازل کیا ہے —— یعنی قرآن علوم کا خزانہ ہے اور وہی اس کے کلام اللہ ہونے کی دلیل ہے

ـــــ اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں ـــــ کیونکہ وہی لائے ہیں ـــــ اور اللہ کی گواہی کافی ہے!

یہودیوں کی آخری درجہ کی گمراہی

اکثر یہود نے نہ صرف یہ کہ اسلام قبول نہیں کیا، بلکہ وہ تورات میں جو نبی ﷺ کے اوصاف وحالات تھے، ان کو چھپاتے بھی تھے، اور لوگوں کو کچھ کا کچھ بتاتے تھے، اس طرح مشرکین کو اسلام سے روکتے تھے، یہ لوگ پرلے درجہ کے گمراہ ہیں، اور جو شخص گمراہی میں آخری درجہ تک پہنچ جاتا ہے اس کے دل پر مہر لگ جاتی ہے، اور اس کی ہدایت کی راہیں مسدود ہو جاتی ہیں۔

﴿ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ قَدْ ضَلُّوا ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿١٦٧﴾ ﴾

ترجمہ: بے شک جن لوگوں نے اسلام کو قبول نہیں کیا، اور لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکا، وہ بالیقین گمراہی میں بہت دور نکل گئے!

یہود کا برا انجام

جن یہودیوں نے اسلام کو قبول نہیں کیا انھوں نے نبی ﷺ کا کیا بگاڑا؟ اپنے ہی پیروں پر کلہاڑی ماری! ان کی آخرت میں ہرگز بخشش نہیں ہوگی، اللہ تعالیٰ ان کو جنت کے راستہ پر نہیں ڈالیں گے، ہاں ان کو دوزخ کا راستہ دکھائیں گے، جہاں وہ ہمیشہ سڑیں گے، اور یہ بات یعنی دوزخ میں ان کو ہمیشہ کے لئے ڈال دینا اللہ تعالیٰ کے لئے نہایت آسان ہے!

﴿ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَظَلَمُوا لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيقًا ﴿١٦٨﴾ إِلَّا طَرِيقَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ﴿١٦٩﴾ ﴾

ترجمہ: بے شک جن لوگوں نے اسلام کو قبول نہیں کیا، اور انھوں نے اپنا نقصان کیا: اللہ تعالیٰ ان کو معاف کرنے والے نہیں، اور نہ ان کو راہِ ہدایت دکھائیں گے، البتہ دوزخ کی راہ! وہ اس میں سدا رہیں گے، اور یہ بات اللہ کے لئے آسان ہے!

سبھی لوگوں کو ایمان کی دعوت

یہ یہود کے تذکرہ کی آخری آیت ہے، اس میں سب لوگوں کو بشمول یہود دعوت دی جاتی ہے کہ اسلام کو قبول کرو، ہمارا رسول ہماری سچی کتاب لے کر تمہارے پاس پہنچ چکا ہے، اس پر ایمان لانے ہی میں تمہاری خیریت ہے، اور اگر ایمان نہیں لاؤ گے تو جان لو کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے، تمہارے ایمان نہ لانے سے ان کا کچھ نہیں بگڑے گا، نہ تم ان کی گرفت سے بچ سکتے ہو، وہ تمہارے جملہ احوال واعمال سے واقف ہیں، وہ تمہیں اس کی قرار واقعی سزا دیں

گے، انھوں نے تم کو اپنی حکمت سے چندے مہلت دے رکھی ہے، اس سے دھوکہ مت کھاؤ!

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝﴾

ترجمہ: اے لوگو! تمہارے پاس اللہ کے رسول تمہارے پروردگار کی طرف سے دین حق لے کر آچکے ہیں، پس ان پر ایمان لاؤ، تمہاری بہتری اسی میں ہے، اور اگر تم اس کو نہیں مانو گے تو (جان لو) اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے بڑی حکمت والے ہیں۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۭ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۡ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ڟ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ۭ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ	اے آسمانی کتاب والو!	ابْنُ مَرْيَمَ	بیٹے مریم کے	وَرُسُلِهٖ	اور اس کے رسولوں پر
لَا تَغْلُوْا (۱)	غلومت کرو	رَسُوْلُ اللّٰهِ	اللہ کے رسول ہیں	وَلَا تَقُوْلُوْا	اور مت کہو
فِيْ دِيْنِكُمْ	اپنے دین میں	وَكَلِمَتُهٗ	اور اس کا حکم ہیں	ثَلٰثَةٌ (۲)	(معبود) تین (ہیں)
وَلَا تَقُوْلُوْا	اور مت کہو	اَلْقٰىهَآ	دیا حکم اللہ نے	اِنْتَهُوْا	باز آجاؤ
عَلَى اللّٰهِ	اللہ پر	اِلٰى مَرْيَمَ	مریم کو	خَيْرًا لَّكُمْ	بہتر ہوگا تمہارے لئے
اِلَّا الْحَقَّ	مگر سچی بات	وَرُوْحٌ	اور معزز روح ہیں	اِنَّمَا	اس کے سوا نہیں کہ
اِنَّمَا	علاوہ ازیں نیست کہ	مِّنْهُ	اللہ کی طرف سے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
الْمَسِيْحُ	مسیح (مبارک)	فَاٰمِنُوْا	پس ایمان لاؤ	اِلٰهٌ وَّاحِدٌ	ایک معبود ہیں
عِيْسَى	عیسیٰ	بِاللّٰهِ	اللہ پر	سُبْحٰنَهٗ	ان کی ذات پاک ہے

(۱) غلو کے معنی ہیں: حد سے بڑھنا، بشر کی ایک حد ہے، اس سے کسی بشر کو بڑھانا غلو ہے، جیسا کچھ لوگ نبی ﷺ کی شان میں غلو کرتے ہیں، اور آپ کو جمیع ما کان و ما یکون کا جاننے والا مانتے ہیں: یا جیسے اب دیوبندی بھی اکابر کے القاب میں حد سے بڑھنے لگے ہیں (۲) ثلاثة: أي الآلهة ثلاثة۔

أَنْ يَّكُوْنَ	اس سے کہ ہو	فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں ہے	وَكَفٰى	اور کافی ہیں
لَهٗ وَلَدٌ	ان کے لئے اولاد	وَمَا	اور جو	بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ
لَهٗ مَا	ان کی ملک ہے جو	فِي الْاَرْضِ	زمین میں	وَكِيْلًا	کارساز

عیسائیوں کا تذکرہ

عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا اور 'تین میں کا ایک' مت کہو، وہ خدا کے بندے اور اس کے رسول تھے

یہود کا تذکرہ پورا ہوا، بنی اسرائیل کی آخری امت عیسائی ہیں، اب ان کا تذکرہ آخر میں کرتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام انبیائے بنی اسرائیل کی آخری کڑی ہیں، عیسائیوں کا بنیادی عقیدہ تثلیث کا ہے، وہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا قرب خاص حاصل ہے، پس ان کا رتبہ تمام مخلوق سے بلند ہے، قرآن میں ان کو کلمۃ اللہ (اللہ کا بول) کہا گیا ہے، اس لئے ان کو 'اللہ کا بندہ' نہیں کہنا چاہئے، ایسا کہنے سے ان کو دوسرے بندوں کے برابر کرنا لازم آئے گا، اور اس میں ان کی کسر شان ہے، اور ان کے مقام قرب خاص کو نظر انداز کرنا ہے۔

پھر عیسائیوں میں اختلاف ہوا کہ آپ کی اس خصوصیت کی تعبیر کس لفظ سے کی جائے؟ ایک جماعت: آپ کو 'اللہ کا بیٹا' کہنے لگی، اور دوسری جماعت نے آپ کو 'خدا' کہنا شروع کر دیا، تفصیل رحمۃ اللہ الواسعہ (۵۹۶:۱) میں ہے۔

اللہ پاک فرماتے ہیں: یہ عیسائیوں کا غلو ہے عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، مریم رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے ہیں، دونوں کھانا کھاتے تھے، اور اللہ وحدہ لاشریک لہ ہیں، وہ کھانے پینے سے مبرا ہیں، لہٰذا اللہ کے حق میں وہی بات کہو جو اللہ کے شایانِ شان ہے۔

البتہ ان کی پیدائش عام انسانوں کے برخلاف صرف عورت سے ہوئی ہے، وہ براہِ راست (مرد کے توسط کے بغیر) اللہ کے حکم سے پیدا ہوئے ہیں، یہی حکم کلمۃ اللہ (اللہ کا بول) ہے، حضرت مریمؑ کو حکم ہوا اور ان کے بطن میں عیسیٰ علیہ السلام کا جسم تیار ہو گیا، پھر اللہ نے اپنی طرف سے اس میں معزز روح ڈالی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام وجود پذیر ہو گئے۔

لہٰذا اللہ پر اور اس کے تمام رسولوں پر (بشمول عیسیٰ علیہ السلام) ایمان لاؤ، اور عیسیٰ علیہ السلام کو تہائی خدا کہنے سے باز آجاؤ، اسی میں تمہاری نجات ہے۔ اللہ تعالیٰ تو ایک ہیں، ان کی اولاد ہو نہیں سکتی، ان کی اولاد ہو گی تو ہم جنس ہو گی، پس اللہ ایک کہاں رہے؟ اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ کی ملک ہے، اور بیٹا مملوک نہیں ہوتا، وہ برابر کے درجہ میں ہوتا ہے، اور جہاں کی کارسازی کے لئے اللہ تعالیٰ کافی ہیں، ان کو بیٹے کی مدد کی ضرورت نہیں!

آیتِ کریمہ: اے آسمانی کتاب کے ماننے والو! اپنے دین میں حد سے مت بڑھو، اور اللہ کے حق میں سچی بات کے سوا مت کہو عیسیٰ مسیح مریم کے بیٹے اللہ کے رسول ہیں، اور ان کا حکم ہیں، جو انھوں نے مریم کو دیا، اور اللہ کی طرف سے معزز روح ہیں، پس اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ، اور مت کہو کہ خدا تین ہیں، اس سے باز آجاؤ، اسی میں تمہاری بھلائی ہے، اللہ تعالیٰ تو ایک ہی معبود ہیں، ان کی ذات اولاد سے پاک ہے، آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ ان کی ملکیت ہے، اور اللہ تعالیٰ جہاں کی کارسازی کے لئے کافی ہیں!

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ۭ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ﴿۱۷۲﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ڏ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷۳﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاۗءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿۱۷۴﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۱۷۵﴾

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ	ہرگز عار نہیں کرتے	عَنْ عِبَادَتِهٖ	اس کی عبادت سے	فَيُوَفِّيْهِمْ	پس پورا دے گا وہ ان کو
الْمَسِيْحُ	مسیح	وَيَسْتَكْبِرْ	اور گھمنڈ کرے	اُجُوْرَهُمْ	ان کی اجرتیں
اَنْ يَّكُوْنَ	(اس بات سے) کہ	فَسَيَحْشُرُهُمْ	تو جلد جمع کرے گا وہ ان کو	وَيَزِيْدُهُمْ	اور زیادہ دے گا وہ ان کو
	ہوں وہ	اِلَيْهِ	اپنے پاس	مِّنْ فَضْلِهٖ	اپنے فضل سے
عَبْدًا لِّلّٰهِ	اللہ کے بندے	جَمِيْعًا	سبھی کو	وَاَمَّا الَّذِيْنَ	اور رہے وہ جنھوں نے
وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ	اور نہ فرشتے	فَاَمَّا الَّذِيْنَ	پس رہے وہ جو	اسْتَنْكَفُوْا	عار سمجھا
الْمُقَرَّبُوْنَ	نزدیک کیے ہوئے	اٰمَنُوْا	ایمان لائے	وَاسْتَكْبَرُوْا	اور گھمنڈ کیا
وَمَنْ	اور جو شخص	وَعَمِلُوْا	اور کیے انھوں نے	فَيُعَذِّبُهُمْ	پس سزا دے گا وہ ان کو
يَّسْتَنْكِفْ	عار کرے	الصّٰلِحٰتِ	نیک کام	عَذَابًا اَلِيْمًا	دردناک سزا

وَلَا يَجِدُوْنَ	اور نہیں پائیں گے وہ	وَ اَنْزَلْنَآ	اور اتاری ہے ہم نے	فَسَيُدْخِلُهُمْ	پس عنقریب داخل
لَهُمْ	اپنے لئے	اِلَيْكُمْ	تمہاری طرف		کرے گا وہ ان کو
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ سے ورے	نُوْرًا	واضح	فِيْ رَحْمَةٍ	بڑی مہربانی میں
وَلِيًّا	کوئی کارساز (حمایتی)	مُّبِيْنًا	روشنی	مِّنْهُ	اپنی طرف سے
وَّلَا نَصِيْرًا	اور نہ کوئی مددگار	فَاَمَّا الَّذِيْنَ	پس رہے وہ جو	وَفَضْلٍ	اور فضل میں
يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ	اے لوگو	اٰمَنُوْا	ایمان لائے	وَّيَهْدِيْهِمْ	اور دکھائے گا وہ ان کو
قَدْ جَآءَكُمْ	تحقیق پہنچی ہے تم کو	بِاللّٰهِ	اللہ پر	اِلَيْهِ	اپنی طرف
بُرْهَانٌ	دلیل	وَاعْتَصَمُوْا	اور مضبوط پکڑا انھوں نے	صِرَاطًا	راہ
مِّنْ رَّبِّكُمْ	تمہارے رب کی طرف سے	بِهٖ	اس کو	مُّسْتَقِيْمًا	سیدھی

حضرت مسیح علیہ السلام اللہ کا بندہ بننے میں ننگ وعار محسوس نہیں کرتے

(مدعی سست گواہ چست!)

عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کے بندہ ہونے کو ان کی کسر شان سمجھتے ہیں، وہ ان کو ’اللہ کا بیٹا‘ کہتے ہیں، بیٹا باپ کی برابر کی پوزیشن میں ہوتا ہے، وہ باپ کی بندگی نہیں کر سکتا، جبکہ عیسیٰ علیہ السلام کے لئے اللہ کا بندہ ہونا، ان کی عبادت کرنا اور ان کے احکام کی تعمیل کرنا طرۂ امتیاز ہے، وہ اس میں فخر وعزت محسوس کرتے ہیں، یہی حال کرّ وبیوں (مقرب فرشتوں) کا ہے، وہ بھی اللہ کی بندگی سے ناک نہیں چڑھاتے، مگر عیسائی مسیح علیہ السلام کو خدائی میں حصہ دار بنا کر شرک کے مرتکب ہوتے ہیں، اور مشرکین فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں مان کر ان کی عبادت کرتے ہیں، یہ مدعی سست گواہ چست والا معاملہ ہے۔

پھر وعید ہے کہ جو اللہ کی عبادت میں ننگ وعار محسوس کرے گا، اور تکبر سے اپنا سر اللہ کے سامنے نہیں جھکائے گا، اس کو اور دوسروں کو بھی اپنے پاس جمع کریں گے، پھر جو مؤمن ہے اور اس نے نیک کام کئے ہیں: اس کو اس کے کاموں کی پوری مزدوری دیں گے، اور اپنے فضل سے زائد بھی دیں گے، اور جو لوگ اللہ کی عبادت سے ناک چڑھاتے ہیں اور تکبر کرتے ہیں: ان کو دردناک سزا دیں گے، آخرت میں ان کا نہ کوئی حمایتی ہوگا نہ مددگار جو ان کو عذاب سے بچائے۔

﴿ لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ۭ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ۝ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ

أُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَأَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا أَلِيْمًا ۙ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷۳﴾

ترجمہ: مسیح ہرگز اس بات میں عار محسوس نہیں کرتے کہ وہ اللہ کے بندے ہوں، اور نہ مقرب فرشتے (عار محسوس کرتے ہیں) اور جو لوگ اللہ کی بندگی میں عار محسوس کرتے ہیں، اور (بندگی سے) گھمنڈ کرتے ہیں: عنقریب ان سب کو اللہ تعالیٰ اپنے پاس جمع کریں گے، پھر جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور انھوں نے نیک کام کئے ہیں: اللہ تعالیٰ ان کو بھرپور ثواب عنایت فرمائیں گے، اور ان کو اپنے فضل وکرم سے زیادہ بھی دیں گے، اور رہے وہ لوگ جنھوں نے بندگی کو عار خیال کیا ہے اور تکبر کیا ہے: ان کو دردناک سزا دیں گے، اور وہ اللہ سے وَرے اپنے لئے نہ کوئی حمایتی پائیں گے نہ کوئی مددگار!

اعلانِ عام

ایمان لاؤ، رسول کی قدر پہچانو اور قرآن کی روشنی سے فائدہ اٹھاؤ

اس آیت پر عیسائیوں کا تذکرہ پورا ہوگا، اس آیت میں اعلان عام ہے، یہود اور نصاریٰ بھی مخاطب ہیں، تمام لوگوں کے پاس ان کے پروردگار کی طرف سے برہان آچکا ہے، برہان سے نبی ﷺ کی ذات مراد ہے، اور واضح نور بھی نازل کیا ہے، واضح نور سے مراد قرآنِ کریم ہے، پس جو اللہ پر ایمان لائے گا، اور اللہ کے دین کو مضبوط تھامے گا اس کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل کریں گے، اور اپنی ذات تک پہنچنے کا سیدھا راستہ دکھائیں گے۔

فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہدایت کے لئے رسول اور کتاب دونوں ضروری ہیں، رسول کو محض ڈاکیہ سمجھنا اور یہ کہنا کہ رسول کی ہدایات وارشادات کی ضرورت نہیں، صرف قرآن مجید کافی ہے، غلط ہے اور جو لوگ ایسا کہتے ہیں، وہ گمراہی میں ہیں (آسان تفسیر)

﴿ يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَأَنْزَلْنَآ إِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿۱۷۴﴾ فَأَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ إِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۱۷۵﴾ ﴾

ترجمہ: اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے مضبوط دلیل آچکی ہے —— رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ مبارک مراد ہے —— اور ہم نے تمہاری طرف واضح روشنی اتاری ہے —— مراد قرآنِ کریم ہے —— پس رہے وہ لوگ جو اللہ پر ایمان لائے، اور انھوں نے اللہ (کے دین) کو مضبوط پکڑا تو عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت اور اپنے فضل (جنت) میں داخل کریں گے، اور وہ ان کو اپنی طرف پہنچنے کا سیدھا راستہ دکھائیں گے۔

يَسْتَفْتُوْنَكَ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ۭ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ۭ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ۭ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَاۗءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١٧٦﴾ ع

يَسْتَفْتُوْنَكَ (1)	لوگ آپؐ سے مسئلہ	وَهُوَ	اور وہ (بھائی)	رِّجَالًا	مرد
	پوچھتے ہیں	يَرِثُهَآ	وارث ہوگا اس (بہن) کا	وَّنِسَاۗءً	اور عورتیں
قُلِ اللّٰهُ	آپ کہیں: اللہ تعالیٰ	اِنْ لَّمْ يَكُنْ	اگر نہ ہو	فَلِلذَّكَرِ	تو مرد کے لئے
يُفْتِيْكُمْ	تمہیں مسئلہ بتاتے ہیں	لَّهَا وَلَدٌ	اس (بہن) کی کوئی اولاد	مِثْلُ	مانند
فِي الْكَلٰلَةِ (2)	کلالہ کا	فَاِنْ كَانَتَا	پس اگر ہوں بہنیں	حَظِّ	حصہ
اِنِ امْرُؤٌا	اگر کوئی شخص	اثْنَتَيْنِ	دو	الْاُنْثَيَيْنِ	دو عورتوں کے ہے
هَلَكَ	مرگیا	فَلَهُمَا	تو دونوں کے لئے	يُبَيِّنُ	کھول کر بیان کرتے ہیں
لَيْسَ لَهٗ	نہیں ہے اس کی	الثُّلُثٰنِ	دو تہائی ہے	اللّٰهُ لَكُمْ	اللہ تعالیٰ تمہارے لئے
وَلَدٌ	کوئی اولاد	مِمَّا	اس میں سے جو	اَنْ تَضِلُّوْا	تاکہ تم گمراہ نہ ہوؤ
وَّلَهٗٓ اُخْتٌ	اور اس کی بہن ہے	تَرَكَ	چھوڑا میت نے	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
فَلَهَا نِصْفُ	تو اس کیلئے آدھا ہے	وَاِنْ كَانُوْٓا	اور اگر ہوں وہ	بِكُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز کو
مَا تَرَكَ	اس کا جو چھوڑا اس نے	اِخْوَةً	بھائی بہن	عَلِيْمٌ	خوب جاننے والے ہیں

(۱) سوال کی تفصیل جواب سے معلوم ہوگی، میراث کے مسائل میں سوال مجمل نقل کیا جاتا ہے (۲) الکلالۃ: اسم بھی ہے اور مصدر بھی، تَكَلَّلَهُ النسبُ سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ہیں: نسب سے کنارہ پر آگیا، ایک طرف ہوگیا، اور مجرد باب ضرب سے ہے كَلَّ يَكِلُّ كَلًّا وَكَلَالَةً: کمزور ہونا، اور اصطلاحی معنی ہیں: بے پسر وپدر ہونا، جس کے نہ بیٹے پوتے ہوں، نہ باپ دادا، ایسا شخص کمزور ہوتا ہے، اور یہ معنی عصوبت (عصبہ ہونے) کے تعلق سے ہیں، سب سے پہلے عصبہ بیٹے ہیں، دوسرے نمبر پر باپ دادا ہیں، اور تیسرے نمبر پر حقیقی اور علاتی بھائی (بالترتیب) اور ان کی مذکر اولاد ہے، اور مطلق کلالہ کے معنی ہیں: جس کی اولاد لڑکے لڑکیاں اور پوتے پوتیاں نہ ہوں اور نہ ماں باپ ہوں۔

حقیقی اور علاتی بھائی بہنوں کی میراث

ربطِ خاص: گذشتہ آیت میں قرآنِ کریم کو واضح روشنی فرمایا ہے، اب اس کی ایک مثال دیتے ہیں، اور وہ کلالہ کی میراث کا مسئلہ ہے، اگر کسی کے اول نمبر کے عصبہ نہ ہوں، نہ دوسرے نمبر کے عصبہ ہوں تو تیسرے نمبر کے عصبہ: میت کی اصل قریب کی مذکر اولاد ہے یعنی حقیقی اور علاتی بھائی اور بھتیجے ذوی الفروض سے بچے ہوئے مال کے وارث ہونگے، اخیافی بھائی بہن ذوی الفروض ہیں، اور حقیقی بھائی علاتی سے مقدم ہے۔ یہ مسائل ایسے ہیں کہ اگر قرآن بیان نہ کرتا تو شاید لوگ ان کو نہ پاتے! اسی لئے آخر آیت میں فرمایا:﴿ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ﴾: اللہ نے یہ حکم کھول کر بیان کیا تا کہ تم غلطی میں نہ پڑو۔

ربطِ عام: سورت یتامی کے حقوق کے بیان سے شروع ہوئی ہے، پھر اسی ذیل میں میراث کے احکام بیان ہوئے ہیں، پھر باتیں پھیلتی گئیں، پھر آیت ۱۲۷ سے شروع سورت کی طرف لوٹے ہیں، اور احکام کا بیان شروع ہوا ہے، اب پھر شروع سورت کی طرف لوٹتے ہیں، اور احکام میراث مکمل کرتے ہیں، پس سورت کی ابتداء اور انتہاء ہم آہنگ ہو گئے۔

کلالہ کی تعریف: کلالہ کا ذکر سورۃ النساء کی آیت ۱۲ میں بھی آیا ہے، اور یہاں بھی، آیت ۱۲ سردیوں میں نازل ہوئی ہے، اور یہ آیت بعد میں گرمیوں میں نازل ہوئی ہے، آیت ۱۲ میں اخیافی بھائی بہن کی میراث کا ذکر ہے، اور یہاں حقیقی اور علاتی بھائی بہنوں کا، آیت ۱۲ میں اور یہاں کلالہ کی یہ تعریف ہے:﴿ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ ﴾یعنی میت کی اولاد نہ ہو، اور یہ آدھی بات ہے، باقی آدھی: ولا والد ہے یعنی اس کا باپ بھی نہ ہو تو وہ کلالہ ہے اور یہ آدھا مضمون فہم سامع پر اعتماد کر کے چھوڑ دیا گیا ہے، جس کی وضاحت مراسیل ابی داؤد میں ابوسلمۃ بن عبدالرحمٰن کی روایت میں ہے کہ ایک شخص خدمتِ نبوی میں حاضر ہوا اور اس نے کلالہ کے بارے میں پوچھا تو آپؐ نے فرمایا: کیا تم نے وہ آیت نہیں سنی جو گرمیوں میں نازل کی گئی ہے:﴿ يَسْتَفْتُوْنَكَ ط قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ﴾؟ **فمن لم يترك ولداً ولا والداً فورثته كلالة**: جس نے نہ اولاد چھوڑی نہ باپ تو اس کے ورثہ کلالہ ہیں، اور حاکم نے اس روایت کو **عن أبي هريرة** سے موصول کیا ہے (درمنثور ۲: ۲۴۹) اور دارمی وغیرہ میں یہی تعریف حضرت ابوبکرؓ سے مروی ہے، اور مصنف عبدالرزاق میں عمرو بن شرحبیل نے اس پر صحابہ کا اجماع نقل کیا ہے (درمنثور ۲: ۲۵۰)

فائدہ: کلالہ کی تعریف تو وہی ہے جو اوپر گذری یعنی **من لا وَلَدَ له ولا والد**: جس کی نہ اولاد ہو، نہ باپ، مگر دو مسئلوں میں اختلاف ہے:

پہلا مسئلہ: لفظ **ولد** لغت میں عام ہے، اس کے معنی ہیں: اولاد، خواہ مذکر ہو یا مؤنث، اور خواہ صلبی ہو یا نیچے کی (پوتا، پوتی) مگر باب میراث میں اگر میت کی مذکر اولاد ہو یا مذکر اولاد کی مذکر اولاد (پوتے) ہو تب تو ہر طرح کے بھائی بہن (اخیافی، علاتی اور حقیقی) بالاتفاق محروم رہتے ہیں، لیکن اگر میت کی صرف مؤنث اولاد (بیٹیاں) ہو تو بالاتفاق بھائی بہن

وارث ہوتے ہیں، بھائی تیسرے نمبر میں عصبہ بنفسہ ہوتے ہیں اور بہنیں: اپنے بھائیوں کے ساتھ عصبہ بالغیر ہوتی ہیں، اور اگر صرف بہنیں (لڑکیوں کے ساتھ) ہوں تو وہ عصبہ مع الغیر ہوتی ہیں۔ حدیث میں ہے: اجعلوا الأخوات مع البنات عصبة: بہنوں کو بیٹیوں کے ساتھ عصبہ بناؤ، یہ حدیث ان لفظوں سے اگرچہ ثابت نہیں، مگر اس کا مضمون صحیحین کی حدیث سے ثابت ہے۔ بخاری شریف میں دو حدیثیں (حدیث ۶۷۴۱ و ۶۷۴۲) ہیں: (۱) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے زمانہ میں بیٹی کے لئے نصف کا اور بہن کے لئے نصف کا فیصلہ کیا (۲) اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مسئلہ میں فرمایا: میں اس میں نبی ﷺ کا فیصلہ کرتا ہوں: بیٹی کے لئے نصف ہے، اور پوتی کے لئے سدس اور باقی بہن کے لئے ہے ...... اس لئے کلالہ کی تعریف میں ولد سے عام معنی مراد نہیں، بلکہ مذکر اولاد مراد ہے۔

دوسرا مسئلہ: والد کا لفظ بھی لغت میں عام ہے، باپ دادا سب کو شامل ہے، مگر بابِ میراث میں اگر میت کا باپ ہو تو ہر طرح کے بھائی بہن بالاتفاق محروم ہوتے ہیں، اور اگر میت کا دادا ہو تو اختلاف ہے: امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک: دادا کی وجہ سے بھی ہر طرح کے بھائی بہن محروم ہوتے ہیں، ان کے نزدیک لفظ "والد" عام ہے، اور باپ کے ساتھ خاص کرنے کی کوئی وجہ نہیں اس لئے فتوی اسی پر ہے ...... اور صاحبین کے نزدیک: دادا کے ساتھ بھائی بہن وارث ہوتے ہیں، وہ لفظ والد کو باپ کے ساتھ خاص کرتے ہیں، کیونکہ لفظ ولد جب مذکر اولاد کے ساتھ خاص ہے تو لفظ والد بھی باپ کے ساتھ خاص ہوگا۔

حقیقی اور علاتی بھائی بہنوں کی میراث: اگر میت کے لڑکے لڑکیاں، پوتے پوتیاں نہ ہوں تو حقیقی اور علاتی بہنیں بیٹیوں کی جگہ لیتی ہیں، ایک بہن کو آدھا ترکہ ملتا ہے، اور دو یا زیادہ ہوں تو دو تہائی ملتا ہے، اور اگر کلالہ عورت ہو تو اسی طرح اس کے بھائی بہن وارث ہوتے ہیں، اور ان کے ساتھ ان کا بھائی ہو تو پھر وہ عصبہ بالغیر ہو جاتی ہیں، اور ذوی الفروض سے بچا ہوا ترکہ ان کو مل جاتا ہے، پھر بھائی دوہرا اور بہن اکہرا حصہ پاتی ہے۔

فائدہ (۱): جب دو بہنوں کو دو تہائی ملتا ہے تو دو بیٹیوں کو بدرجۂ اولی دو تہائی ملے گا پس یہ مسئلہ یہاں سے آیت ۱۲ میں جائیگا۔

فائدہ (۲): اخیافی بھائی بہن ذوی الفروض ہیں، اور ان کی میراث آیت ۱۳ میں بیان ہوئی ہے۔

آیتِ کریمہ: لوگ آپ سے مسئلہ دریافت کرتے ہیں؟ آپ بتلائیں کہ اللہ تعالیٰ تمھیں کلالہ کے بارے میں فتوی دیتے ہیں: اگر کسی ایسے شخص کا انتقال ہوا جس کی اولاد (بیٹیاں) نہیں ہیں، اور اس کی ایک بہن ہے تو اس کو آدھا ترکہ ملے گا اور وہ بھائی اس بہن کا وارث ہوگا، اگر بہن کی کوئی اولاد (لڑکیاں) نہ ہوں —— پس اگر دو بہنیں ہوں تو ان کے لئے ترکہ کا دو تہائی ہے —— اور اگر بھائی بہن چند ہوں: مرد بھی اور عورتیں بھی، تو مرد کے لئے دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے —— اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کھول کر بیان کرتے ہیں، تاکہ تم غلطی میں نہ پڑو! اور اللہ تعالیٰ ہر چیز سے خوب واقف ہیں۔

﴿۱۳ رمحرم الحرام ۱۴۳۹ھ = ۴ ر اکتوبر ۲۰۱۷ء کو سورۃ النساء کی تفسیر بحمد للہ مکمل ہوئی﴾

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بے حد مہربان بڑے رحم والے ہیں

سورۃ المائدۃ

نمبر شمار	۵	نزول کا نمبر	۱۱۲	آیات	۱۲۰	رکوع	۱۶

مائدۃ: کے معنی ہیں: کھانا چنا ہوا دستر خوان، بھرا ہوا خوان، خالی دستر خوان کو عربی میں سُفْرَۃ کہتے ہیں، عورتیں گھر میں ہوتی ہیں تو بھرا ہوا دستر خوان بچھتا ہے، اس لئے سورۃ النساء کے بعد اب سورۃ المائدۃ آئی ہے، اور یہ جزء سے کل کا نام رکھا گیا ہے، سورت کے آخر میں حواریوں کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ایک درخواست کا ذکر آیا ہے، انھوں نے درخواست کی تھی کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے کھانے کا بھرا ہوا خوان نازل فرمائیں، چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا کی اور مائدۃ نازل ہوا، اس واقعہ سے سورت کا نام المائدۃ رکھا گیا ہے۔

سورۃ النساء کا بڑا حصہ احکام پر مشتمل تھا، اور آخر میں حقیقی اور علاتی بھائی بہنوں کی میراث کا ذکر ہے، یہ سورت بھی احکام سے شروع ہو رہی ہے، اس کا بھی بڑا حصہ احکام پر مشتمل ہے، یہ سورت کا سورت سے ارتباط ہے۔

اور اس سورت کے شروع میں ایک قاعدہ کلیہ بیان فرمایا ہے: ﴿ اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ﴾: معاہدوں کو پورا کرو، حقیقی اور علاتی بھائیوں کے ساتھ عصوبت کا تعلق ہے، یہ مضبوط خاندانی رشتہ ہے، اس کی پاسداری ضروری ہے، اس لئے میراث میں ان کا بھی حق رکھا گیا ہے، یہ گذشتہ سورت کے آخر کا اس سورت کے آغاز سے ارتباط ہے۔

آیاتہا ۱۲۰ (۵) سُوْرَةُ الْمَآئِدَةِ مَدَنِيَّةٌ (۱۱۲) رکوعاتہا ۱۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۥ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ①

بِسْمِ اللّٰهِ	اللہ کے نام سے	الرَّحِيْمِ	نہایت رحم والے	اٰمَنُوْٓا	ایمان لائے
الرَّحْمٰنِ	بے حد مہربان	يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے لوگو جو	اَوْفُوْا (۱)	پورا کرو

(۱) اَوْفٰی اِیْفَاءً: پورا کرنا۔

بِالْعُقُوْدِ(۱)	معاہدوں کو	يُتْلٰى	پڑھے جائیں	حُرُمٌ	احرام میں ہو
اُحِلَّتْ	حلال کئے گئے	عَلَيْكُمْ	تم پر (آگئے)	اِنَّ	بے شک
لَكُمْ	تمہارے لئے	غَيْرَ(۴)	نہ	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ
بَهِيْمَةُ(۲)	چرنے والے	مُحِلِّي(۵)	جائز کرنے والے	يَحْكُمُ	فیصلہ کرتے ہیں
الْاَنْعَامِ(۳)	پالتو جانور	الصَّيْدِ	شکار کو	مَا يُرِيْدُ	جو چاہتے ہیں
اِلَّا مَا	مگر جو	وَاَنْتُمْ(۶)	جبکہ تم	۞	۞

سورت کی پہلی آیت نہایت اہم ہے، ایک ضابطہ کلیہ سے شروع ہوئی ہے:

جو معاہدہ کیا جائے اسے پورا کیا جائے

ارشاد فرماتے ہیں: اے مسلمانو! معاہدوں کو پورا کرو، تم نے جس کسی سے کوئی قول وقرار کیا ہے اس کی تکمیل کرو، اس کی خلاف ورزی مت کرو، عقود: عَقْد کی جمع ہے، عقد کے معنی ہیں: باندھنا، ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ گرہ لگا کر مضبوط باندھنا، اس کا ترجمہ عہد و پیمان اور قول وقرار کیا جاتا ہے، اس میں تمام تکالیفِ شرعیہ اور احکام دینیہ آجاتے ہیں جن کی تعمیل بندوں کے لئے ضروری ہے، نیز امانات اور معاملات کے جملہ عہد و پیمان بھی اس میں شامل ہیں، جن کا پورا کرنا شرعاً اور اخلاقاً ضروری ہے۔

ایک مثال: لوگ جانور پالتے ہیں، ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا مامور بہ ہے، گھاس پانی کا خیال رکھنا ضروری ہے، نبی ﷺ ایک اونٹ کے پاس سے گذرے، جس کی پیٹھ (بھوک کی وجہ سے) اس کے پیٹ سے مل گئی تھی، پس آپ ﷺ نے فرمایا: **اتقوا اللّٰه فی هذه البهائم المعجمة، فاركبوها صالحة، واتركوها صالحة**: ان بے زبان جانوروں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، ان پر ٹھیک طرح سواری کرو، اور ان کو ٹھیک طرح (چرنے کے لئے) چھوڑو! (مشکات حدیث ۳۳۷۰)

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ﴾

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! معاہدوں کو پورا کرو! —— خواہ معاہدوں کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہو یا مخلوق سے،

(۱) العقود: عَقْد کی جمع ہے: قول وقرار، عہد و پیمان، مضبوط معاملات، (۲) بهيمة: بے زبان جانور، جن کی آواز میں ابہام ہو، مگر عرف میں چوپایوں کو کہتے ہیں (درندوں کے علاوہ) (۳) الأنعام: نَعَم کی جمع: مویشی، پالتو جانور، جن میں اونٹ شامل ہو (۴) غیر: لکم کی ضمیر سے حال ہے (۵) مُحِلِّي: اصل میں مُحِلين تھا، اضافت کی وجہ سے نون گرا ہے، إحلال: مصدر: حلال بنانا، جائز قرار دینا (۶) وأنتم: مُحِلّي میں پوشیدہ ضمیر سے حال ہے۔

جسمانی تربیت سے تعلق ہو یا روحانی اصلاح سے، دنیوی مفاد سے تعلق ہو یا اخروی فلاح سے، شخصی زندگی سے تعلق ہو یا اجتماعی زندگی سے، صلح سے تعلق ہو یا جنگ سے: سب عہد و پیمان کو پورا کرنا ایک مسلمان کی ذمہ داری ہے، خلاف ورزی کی صورت میں سخت مؤاخذہ ہوگا۔

غذا کی ضرورت سے پالتو جانوروں کو ذبح کرنا جائز ہے

جاننا چاہئے کہ اردو میں حلال کرنا: شریعت کے مطابق ذبح کرنے کو کہتے ہیں، اور عربی میں أحلَّ الشیئَ إحلالاً کے معنی ہیں: مباح و جائز کرنا، قرآنِ پاک میں ہے: ﴿ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ﴾: اللہ نے خرید و فروخت کو جائز کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے، پس آیت کریمہ میں ﴿ اُحِلَّتْ ﴾ کے عربی معنی ہیں۔

دوسری بات: یہ جاننی چاہئے کہ علم نحو میں استثناء إلاَّ اور اس کی بہنوں کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔ إلا کی بہنیں خلا، عَدَا، لیس، لایکون، غیر، سِوی، سواءٌ اور حاشا وغیرہ ہیں، مگر قرآن و حدیث اور کلامِ عرب میں کلماتِ استثناء کے بغیر بھی استثناء کیا جاتا ہے، مثال آگے ذکر کروں گا، یہاں آیت پاک میں حروفِ استثناء کے بغیر مذکورہ حکم کلی سے استثناء کیا ہے۔ فرمایا ہے کہ لوگ جو جانور پالتے ہیں: ان کے ساتھ بھی اگرچہ اخلاقی معاہدہ ہے کہ ان کو تکلیف نہ پہنچائی جائے، مگر غذا کی ضرورت سے ان کو اللہ کے نام پر ذبح کر کے کھانا جائز ہے، البتہ آیت تین میں جن حرام جانوروں کا ذکر آرہا ہے وہ مستثنیٰ ہیں۔

اور نَعَم کے اصل معنی اونٹ کے ہیں، اونٹ عربوں کے نزدیک قیمتی مال تھا، اس لئے اس کو نَعَمٌ (نعمت) کہتے تھے، پھر اس کا اطلاق پالتو جانوروں پر ہونے لگا، بھیڑ بکری، گائے بھینس اور اونٹ سب انعام (مویشی) ہیں، مگر ان کو انعام اس وقت تک نہیں کہا جاتا جب تک ان میں اونٹ شامل نہ ہو، اس لئے تعمیم کرنے کے لئے الأنعام کے ساتھ بھیمة بڑھایا ہے، بھیمة وہ جانور کہلاتے ہیں جن کی آواز میں ابہام ہوتا ہے، جن کی بات واضح طور پر سمجھ میں نہیں آتی۔

اور سورۃ الانعام (آیت ۱۴۳) میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آٹھ نر و مادہ پیدا کئے ہیں، یہی مویشی حلال ہیں، گدھا اور خچر (جو گدھے اور گھوڑی کے ملاپ سے پیدا ہوتا ہے) حرام ہیں، اگرچہ وہ بھی پالتو جانور ہیں، اور یہ حرمت حدیث سے ثابت ہے، اور حلت و حرمت اور قربانی میں مادہ کا اعتبار ہے، اگر خچر کی ماں گھوڑی ہے تو حلال ہے۔

حروفِ استثناء کے بغیر استثناء کی مثال

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک قاعدہ کلیہ بیان کیا کہ جو شخص کسی کی پیروی کرنا چاہے وہ اس شخص کی پیروی کرے جس کا ہدایت پر انتقال ہوا ہے، اس لئے کہ زندہ فتنہ کا شکار ہو سکتا ہے، پس اگر وہ گمراہ ہو گیا تو اپنے مقلد کو بھی لے

ڈوبے گا، پھر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس ضابطہ سے أولئك کے ذریعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا استثناء کیا، فرمایا: وہ گمراہی سے محفوظ ہیں، اس لئے زندہ صحابی کی پیروی کی جاسکتی ہے۔

پھر آپؓ نے صحابہ کرام کی خصوصیات بیان فرمائیں: (۱) صحابہ امت میں سب سے افضل ہیں یعنی وہ گمراہ ہوجائیں تو بدیگراں چہ رسد؟ (۲) صحابہ کے دل امت میں سب سے زیادہ نیک ہیں، یعنی گمراہ وہ ہوتا ہے جس کا دل خراب ہو (۳) ان کا علم امت میں سب سے زیادہ گہرا ہے، یعنی سطحی علم والا گمراہ ہوتا ہے (۴) وہ امت میں سب سے کم تکلف (بناوٹ) کرنے والے ہیں یعنی بہ تکلف باتیں بنانے والے ہی گمراہ ہوتے ہیں اور گمراہ کرتے ہیں (۵) اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے نبی ﷺ کی صحبت (رفاقت) کے لئے چنا ہے، یعنی وہ گمراہ ہوجائیں تو اللہ کے انتخاب پر حرف آئے گا (۶) ان کو سارے عالم میں اپنا دین برپا کرنے کے لئے منتخب کیا ہے، یعنی وہ دنیا میں پھیلیں گے اور لوگوں کو اللہ کا دین پہنچائیں گے، اور کسی ملک میں وہ اکیلے بھی جائیں گے، پس اگر لوگ ان کی بات پر اعتماد نہیں کریں گے تو وہ راہِ راست کیسے پائیں گے؟ لہٰذا ان کی فضیلت پہچانو، اور ان کے نشانِ قدم کی پیروی کرو، اور ان کے اخلاق اور ان کی سیرت کو جہاں تک تمہارے بس میں ہو اپناؤ، اس لئے کہ وہ دین کے سیدھے راستہ پر ہیں (روایت پوری ہوئی)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے قاعدہ کلیہ سے صحابہ کا استثناء لفظ أولئك سے کیا ہے، معروف کلماتِ استثناء استعمال نہیں کئے، اسی طرح زیر تفسیر آیت کریمہ میں بھی حرفِ استثناء کے بغیر استثناء کیا ہے۔

اور یہ روایت مشکات (حدیث ۱۹۳ باب الاعتصام) میں رزین کے حوالے سے ہے، اور ابن عبد البر رحمہ اللہ کی کتاب جامعُ بيان العلم وفضله کی جلد دوم صفحہ ۱۱۹ میں بھی ہے، مشکات میں اس کے الفاظ درج ذیل ہیں، اس روایت کو عام طور پر طلباء سمجھتے نہیں، اس لئے نقل کررہا ہوں۔

عن ابن مسعود، قال: من كان مُسْتَنًّا فَلْيَسْتَنَّ بمن قدمات، فإن الحيَّ لا تُؤْمَنُ عليه الفتنةُ، أولئك أصحابُ محمد صلى الله عليه وسلم: كانوا أفضلَ هذه الأمة، أَبَرَّهَا قلوبا، وَأَعْمَقَهَا علما، وَأَقَلَّهَا تكلفا، اختارهم اللّٰهُ لصحبة نبيه، ولإقامةِ دينه، فاعرفوا لهم فضلَهم، واتبعوهم على آثارهم، وتمسكوا بما استطعتم من أخلاقهم وسِيَرِهم، فإنهم كانوا على الهدى المستقيم.

لغت: اِسْتَنَّ بِسُنَّتِه: کسی کے راستہ پر چلنا، اتباع کرنا۔

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جسے کسی کی پیروی کرنی ہے وہ اس شخص کی پیروی کرے جس کا (ہدایت پر) انتقال ہوگیا ہے، کیونکہ زندہ آدمی فتنہ کا شکار ہوسکتا ہے (پھر اس ضابطہ سے استثناء فرمایا کہ) یہ نبی ﷺ کے

صحابہ اس امت میں سب سے افضل تھے، ان کے دل نہایت پاکیزہ تھے، ان کا علم نہایت گہرا تھا، ان میں بناوٹ نام کو بھی نہیں تھی، ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی رفاقت کے لئے اور اپنے دین کو (سارے جہاں میں) برپا کرنے کے لئے چن لیا ہے، لہٰذا ان کی برتری پہچانو، اور ان کے اقوال وافعال کی پیروی کرو، اور ان کے اخلاق اور ان کی سیرت کو جہاں تک ہوسکے مضبوط پکڑو، اس لئے کہ وہ دین کے سیدھے راستہ پر تھے۔

﴿اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ﴾

ترجمہ: تمہارے لئے پالتو چوپایے حلال کئے گئے ہیں، علاوہ ان کے جن کا ذکر آگے آئے گا۔

غذا کی ضرورت سے شکار حلال کیا گیا ہے

پالتو جانوروں کی طرح غذا ہی کی ضرورت سے جنگلی جانور (شکار) حلال کئے گئے ہیں، چرندبھی اور پرندبھی، دو شرطوں کے ساتھ:

پہلی شرط: اس جانور کی کُچلیاں (نوکیلے دانت) نہ ہوں، نہ وہ درندے ہوں یعنی اپنے شکار کو پھاڑ کر کھاتے نہ ہوں، اور پرندوں میں پنجے نہ ہوں، یعنی وہ پنجوں سے شکار کو پھاڑ کر کھاتے نہ ہوں، اور یہ بات حدیث سے ثابت ہے، مسلم شریف کی روایت ہے: نَهٰى رسولُ الله صلى الله عليه وسلم عن كل ذى ناب من السباع، وكل ذى مِخْلَبٍ من الطير: رسول اللہ ﷺ نے ممانعت فرمائی ہر کچلی والے درندے کی اور ہر پنجے والے پرندے کی (مشکات حدیث ۴۱۰۵)

دوسری شرط: یہ ہے کہ وہ حرم کا شکار نہ ہو، حرم کا شکار مطلقاً حرام ہے، اور احرام کی حالت میں شکار نہ کیا گیا ہو، اگرچہ وہ غیر حرم کا شکار ہو، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حرم اور احرام شعائر اللہ سے ہیں، پس ان کی حرمت کی پامالی جائز نہیں۔

پس آیتِ کریمہ سے دو مسئلے ثابت ہونگے، ایک مسئلہ آیت کے منطوق سے ثابت ہوگا، اور دوسرا مسئلہ آیت کے ایماء (اشارے) سے ثابت ہوگا، آیت کا منطوق (ماسیق لاجلہ الکلام) یہ ہے کہ حالتِ احرام میں کیا ہوا شکار حرام ہے، اور حرم کے شکار کی حرمت دلالت النص سے ثابت ہوگی، یعنی بدرجۂ اولیٰ ثابت ہوگی، اور آیت کے ایماء سے معلوم ہوگا کہ غیر حرم اور غیر احرام کا شکار حلال ہے۔ اور یہ انداز بیان اس لئے اختیار کیا گیا ہے کہ مسئلہ کی دلیل بھی ساتھ ہی آجائے، اور آئندہ آیت کے شروع میں جو حکم کلی بیان کیا ہے: اس سے مضمون مربوط ہوجائے۔

﴿غَيْرَ مُحِلِّى الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ﴾

ترجمہ: درانحالیکہ تم شکار کو جائز کرنے والے نہ ہوؤ، جبکہ تم احرام میں ہوؤ۔

مسئلہ (۱): محرم نے اگر شکار کرنے میں تعاون کیا، ذبح کیا، اشارہ کیا، راہ نمائی کی یا کسی بھی طرح مدد کی اور حلال نے شکار کیا تو بھی شکار مردار ہو جائے گا، اس کو کوئی نہیں کھا سکتا، اور اس کی جزاء واجب ہے۔

مسئلہ (۲): حرم شریف میں پالتو جانور مرغی بکری وغیرہ محرم اور غیر محرم ذبح کرسکتے ہیں۔

ایک خلجان کا جواب

جین مت والے (پارسی) غذا کی ضرورت سے بھی جانور کے ذبح کے روادار نہیں، اور آرین ہندو گائے کے ذبح کی اجازت نہیں دیتے، اس لئے آیت کے آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں فیصلہ کرتے ہیں، تمام مخلوقات انھوں نے پیدا کی ہیں، اور سب کی روزی کا انتظام بھی انھوں نے کیا ہے، پس جس طرح درندوں کی غذا کے لئے شکار کو جائز کیا ہے، انسانوں کی غذا کے لئے بھی پالتو جانوروں اور شکار کو حلال کیا ہے، انسان کے آخری دانت بھی گول ہیں، پس وہ بھی گوشت خور ہے، اس لئے انھوں نے انسان کی غذائی ضرورت سے اللہ کے نام پر ذبح کیا ہوا جانور حلال کیا ہے، اور جن جانوروں کے گوشت میں مضرت تھی ان کو حرام کیا ہے۔

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ۝ ﴾

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں فیصلہ کرتے ہیں ــــــ ان کے فیصلہ میں کون عیب نکال سکتا ہے؟

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَ لَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ اٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ۭ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ۭ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	اے وہ لوگو جو ایمان لائے	لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ (۱)	بے حرمتی مت کرو نشانیوں کی	اللّٰهِ وَ لَا الشَّهْرَ (۲)	اللہ (کے دین) کی اور نہ مہینوں

(۱) شعائر: شعیرۃ کی جمع: وہ خاص نشانی جس سے کوئی چیز پہچانی جائے، جیسے مسجد کے منارے (۲) الشهر: میں الف لام جنسی ہے، مراد اشہر حرام ہیں۔

الْحَرَامَ	محترم کی	فَاصْطَادُوْا	تو شکار کرو	وَالتَّقْوٰی	اور پرہیزگاری کے
وَلَا الْهَدْیَ (۱)	اور نہ حرم کی قربانی کی	وَلَا یَجْرِ (۴)	اور ہرگز جرم نہ کرائے		کاموں میں
وَلَا الْقَلَآئِدَ (۲)	اور نہ قربانی کے اونٹوں کی	مَنَّكُمْ	تم سے	وَلَا تَعَاوَنُوْا	اور ایک دوسرے کی
وَلَآ آٰمِّیْنَ (۳)	اور نہ قصد کرنے والوں کی	شَنَاٰنُ	عداوت		مدد مت کرو
الْبَیْتَ	خانہ	قَوْمٍ	کسی قوم کی	عَلَی الْاِثْمِ	گناہ کے کاموں میں
الْحَرَامَ	محترم کی	اَنْ صَدُّوْكُمْ (۵)	بایں وجہ کہ روکا انھوں	وَالْعُدْوَانِ	اور ظلم وزیادتی میں
یَبْتَغُوْنَ	چاہتے ہیں وہ		نے تم کو	وَاتَّقُوا	اور ڈرو
فَضْلًا	فضل وکرم	عَنِ الْمَسْجِدِ	مسجد سے	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ سے
مِّنْ رَّبِّهِمْ	ان کے پروردگار کا	الْحَرَامِ	محترم	اِنَّ	بیشک
وَرِضْوَانًا	اور خوشنودی (ان کی)	اَنْ تَعْتَدُوْا (۶)	کہ زیادتی کرو تم	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ
وَاِذَا حَلَلْتُمْ	اور جب تمہارا احرام	وَتَعَاوَنُوْا	اور ایک دوسرے کی مدد کرو	شَدِیْدُ	سخت
	کھل جائے	عَلَی الْبِرِّ	نیکی کے کاموں میں	الْعِقَابِ	سزا دینے والے ہیں

شعائر اللہ کی بے حرمتی کی ممانعت اور چار شعائر کا ذکر

گذشتہ آیت میں احرام کی حالت میں شکار کرنے کی ممانعت آئی ہے، یہ ممانعت شعائر اللہ کی تعظیم کی وجہ سے ہے، احرام بھی منجملۂ شعائر ہے، اب باقاعدہ شعائر اللہ کی حرمت پامال کرنے کی ممانعت فرماتے ہیں، اور حج سے تعلق رکھنے والے چار شعائر کا تذکرہ فرماتے ہیں، پھر جب احرام کھل جائے تو شکار کرنے کی اجازت ہے، پس یہ دوسری آیت پہلی آیت کا تتمہ ہے۔

شعائر: شَعِیْرة یا شِعَارَة کی جمع ہے، اس کے لغوی معنی ہیں: علامت، اور اصطلاحی معنی ہیں: وہ نشانی جو اس چیز کو

(۱) **هَدْی**: حرم میں قربانی کا چھوٹا جانور، بھیڑ بکری، قلائد سے تقابل کی وجہ سے تخصیص ہوئی ہے (۲) **قلائد**: **قِلَادَة** کی جمع: وہ چیز جو گردن میں لٹکائی جائے، رسّی، پٹّہ، مراد اونٹ ہیں (۳) **آمین**: اسم فاعل، جمع مذکر، آمٌّ واحد، أَمَّ الشيئَ وإليه أَمًّا: قصد کرنا، رخ کرنا، خرجوا یؤمون البلدَ: شہر کے ارادے سے نکلے (۴) **لَایَجْرِمَنَّ**: فعل نہی بانون تاکید ثقیلہ، صیغہ واحد مذکر غائب، جَرَمَ (ض) الرجلَ: مجرم بنانا، گنہ گار بنانا، جرم کرانا (۵) **أن صدوکم**: أن سے پہلے لام محذوف ہے، أی لأن (۶) **أن تعتدوا**: لایجرمنکم کا مفعولِ ثانی ہے، اور یہی اعتداء جرم ہے۔

بتائے جس کے لئے وہ مقرر کی گئی ہے، جیسے منارہ مسجد کی مخصوص علامت ہے، اور شرعی ڈاڑھی مسلمان کا یونیفارم ہے، اسی طرح وہ اعمال، اماکن اور احکام جو دین اسلام کی علامتیں اور پہچان ہیں وہ سب شعائر اللہ ہیں، اور سورۃ الحج آیت ۳۰ میں شعائر اللہ کو حُرُمَات اللہ بھی کہا گیا ہے، یعنی اللہ کے قابل احترام احکام، پس تمام وہ چیزیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے نشان بندگی ٹھہرایا ہے اور تمام محترم احکام شعائر اللہ ہیں، اور بڑے شعائر چار ہیں: قرآن، کعبہ، نبی اور نماز، تفصیل رحمۃ اللہ الواسعہ (۱:۷۰۹) میں ہے۔

حج کے تعلق سے چار شعائر: پہلی آیت میں احرام کا ذکر آیا ہے، جس کا تعلق حج اور عمرہ سے ہے، اس لئے حج کے تعلق سے چار شعائر کا تذکرہ فرماتے ہیں:

۱-محترم مہینوں کی حرمت پامال کرنے کی ممانعت: اشہر حج تین ہیں: شوال، ذی قعدہ اور سارا ذی الحجہ یا شروع کے دس دن، یہ حج کے مہینے اس لئے کہلاتے ہیں کہ شوال کا چاند نظر آنے سے پہلے حج کا احرام باندھنا مکروہ ہے۔

اور اشہر حرام (محترم مہینے): چار ہیں: ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم الحرام (مسلسل تین ماہ) اور رجب المرجب یہ قبیلۂ مضر کا رجب کہلاتا ہے، حجاج کرام ذی قعدہ میں حج کے لئے روانہ ہوتے ہیں، اور ذی الحجہ میں حج کرتے ہیں، اور محرم میں واپس لوٹتے ہیں، اس لئے جاہلیت میں ان مہینوں میں لڑائی موقوف رہتی تھی، اور مضر قبائل رجب میں عمرہ کرتے تھے، اس لئے اس میں بھی لڑائی موقوف رہتی تھی، اسلام میں ان چاروں مہینوں میں بھی جنگ جائز ہے، مگر ان کا احترام باقی ہے، جیسے جمعہ کو جنگ جائز ہے، مگر جمعہ قابلِ احترام ہے۔ پس آیتِ کریمہ میں الشہر الحرام سے تین ماہ ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم مراد ہیں، ان میں زیادہ سے زیادہ عبادت کرنی چاہئے، گناہوں سے بچنا چاہئے، ان محترم مہینوں میں گناہ کرنا ان کی حرمت کو پامال کرنا ہے، جیسے مسجد میں بیڑی اور جمعہ کے دن شراب پینا جگہ اور زمانہ کی حرمت کی پامالی ہے۔

۲-ہدی کے چھوٹے جانور کی بے حرمتی نہ کرنا: ہدی: ہر قربانی کے جانور کو کہتے ہیں جس کو حج یا عمرہ کرنے والے مکہ معظّمہ لے جاتے ہیں، مگر یہاں چھوٹا جانور بھیڑ بکری مراد ہے، اس لئے کہ آگے قلائد کا ذکر آرہا ہے، اس تقابل کی وجہ سے تخصیص ہوئی ہے، ورنہ ہدی عام ہے، حج کرنے والے اور عمرہ کرنے والے حرم شریف میں قربانی کرنے کے لئے گھر کی پلی ہوئی بھیڑ بکریاں لے کر جاتے تھے، سنہ نو ہجری میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حج کرانے کے لئے گئے تھے، نبی ﷺ نے ان کے ساتھ سو بکریاں قربانی کے لئے بھیجی تھیں، ان ہدایا کا احترام کیا جائے، ان کی خدمت کی جائے، ان کو ستایا نہ جائے، یہ ان کی حرمت کی پامالی ہے۔

۳-ہدی کے بڑے جانور (اونٹ) کی بے حرمتی نہ کرنا: عرب میں بھینس تو ہوتی نہیں، اور گائے بہت نادر ہے،

البتہ اونٹوں کی فراوانی ہے، بڑے لوگ حج اور عمرہ میں اونٹ قربانی کے لئے لے جاتے تھے، نبی ﷺ بھی عمرۃ القضاء میں اونٹ لے گئے تھے، اور حجۃ الوداع میں سو اونٹ قربانی کے لئے ساتھ تھے، اونٹ کے گلے میں پرانا چپل رسّی میں باندھ کر لٹکایا جاتا تھا، یہ اس کے ہدی ہونے کی علامت ہوتی تھی، راستے میں لوگ ان کو لوٹتے نہیں تھے، خدمت کرتے تھے، اور گلے کا یہ ہار ٹوٹ بھی سکتا ہے، اس لئے نبی ﷺ نے اونٹوں کا اشعار بھی کیا تھا، اشعار کے لغوی معنی ہیں: اطلاع دینا، اور اصطلاحی معنی ہیں: کوہان کی ایک طرف ذرا سا چیر دینا، یہاں تک کہ خون نکل آئے، یہ اس امر کی نشانی ہوتی تھی کہ یہ قربانی کا اونٹ ہے، اگر گلے کا ہار ٹوٹ بھی جائے تو اس لازمی نشانی سے پہچان لیا جائے گا کہ یہ ہدی کا اونٹ ہے۔

پھر فقہاء میں اختلاف ہوا کہ اشعار سنت ہے یا صرف حدیث ہے، یعنی خاص وجہ سے یہ عمل کیا گیا تھا، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ سنت نہیں، قرآنِ کریم نے صرف قلادہ کا ذکر کیا ہے، اگر اشعار سنت ہوتا تو اس کا بھی ذکر کیا جاتا، جیسے کھڑے ہو کر پیشاب کرنا سنت نہیں، عذر کی صورت میں جواز کے لئے نبی ﷺ نے ایک مرتبہ یہ عمل کیا ہے، اسی طرح حیض کی حالت میں بیوی کو ساتھ لٹانا سنت نہیں، بلکہ اعتزالِ مطلوب کی وضاحت کے لئے دو تین بار آپؐ نے ازواج کو ساتھ لٹایا ہے۔

اور ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ اشعار کو سنت کہتے ہیں، ایسا اختلاف بہت سے مسائل میں ہوا ہے: ﴿ وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ﴾: اور ہر شخص کا ایک قبلہ رہا ہے، وہ اس کی طرف منہ کرنے والا ہے، پس تم نیک کاموں میں تگاپو کرو، خواہ مخواہ امام اعظم رحمہ اللہ کی پگڑی مت اچھالو، ان کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے، اس میں صرف گلے میں ہار ڈالنے کا ذکر ہے، اشعار کا ذکر نہیں۔

سوال: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اشعار کو بدعت کہا ہے، جبکہ نبی ﷺ سے اشعار ثابت ہے، پھر اگر اشعار سنت نہیں تو جواز تو ثابت ہوگا؟ پھر اس کو بدعت کہنا کیسے صحیح ہے؟

جواب: امام اعظمؒ نے مطلق اشعار کو بدعت نہیں کہا بلکہ ان کے زمانہ میں جس طرح لوگ بے دردی سے اشعار کرتے تھے اس کو بدعت کہا ہے۔ آنحضور ﷺ نے تو اپنے دستِ مبارک سے اشعار فرمایا تھا اور ذرا سی کھال کاٹی تھی اور خون پونچھ ڈالا تھا اور عرب کا ملک گرم خشک ہے دو چار دن میں زخم خشک ہو جائے گا اور اشعار کی علامت کوہان پر باقی رہ جائے گی، بعد میں لوگ شیخ (سیٹھ) بن گئے، نوکروں کو اشعار کرنے کا حکم دیتے تھے، ان کو کیا پڑی تھی وہ بے دردی سے اشعار کرتے تھے، جس میں کھال کے ساتھ گوشت بھی کاٹ دیتے تھے اور عراق کا علاقہ مرطوب تھا، چنانچہ زخم میں کیڑے پڑ جاتے تھے۔ امام اعظمؒ نے اس اشعار کو بدعت کہا ہے، مطلق اشعار کو بدعت نہیں کہا۔ اور امام اعظمؒ کے قول کا یہ مطلب

امام طحاوی رحمہ اللہ نے بیان فرمایا ہے جو مذہبِ حنفی کے سب سے زیادہ واقف کار تھے۔

۴- حجاج کرام کی بے حرمتی نہ کرنا: وہ اللہ کا فضل وکرم اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے بیت اللہ کے قصد سے جا رہے ہیں، پس وہ بھی شعائر اللہ ہیں، ان کی تعظیم اور خدمت کرو، ان کی حرمت پامال مت کرو۔

پھر جب حاجی یا معتمر مکہ مکرمہ پہنچ گیا، اور ارکان ادا کر چکا، اور احرام سے نکل آیا تو احرام میں شکار کرنے کی جو ممانعت تھی وہ ختم ہوگئی، اب غیر حرم کا شکار کرنا چاہے تو کر سکتا ہے، اصطادوا کا امر اباحت کے لئے ہے، کیونکہ جس طرح نہی سے استثناء اباحت کے لئے ہوتا ہے: نہی کے بعد امر بھی اباحت کے لئے ہوتا ہے، جیسے کہیں: یہاں کوئی نہ بیٹھے، مگر زید مستثنیٰ ہے تو زید کے لئے بیٹھنے کا جواز ثابت ہوگا، اور حکیم: مریض سے کہے: کھٹا نہ کھانا، پھر ایک وقت کے بعد کہے: کھٹا کھاؤ تو یہ امر اباحت کے لئے ہوگا، وجوب ثابت نہ ہوگا۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ اٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ۚ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ۚ ﴾

ترجمہ: اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ (کے دین) کی خاص علامتوں کی بے حرمتی مت کرو ــــــ یہ ضابطہ کلیہ ہے، اس کے ماتحت چار چیزیں بیان کی ہیں جو سب شعائر اللہ ہیں ــــــ (۱) اور نہ محترم مہینوں کی (۲) اور نہ حرم میں قربان ہونے کے لئے جانے والی بھیڑ بکریوں کی (۳) اور نہ گلوں میں پٹے پڑے ہوئے اونٹوں کی (۴) اور نہ محترم گھر کا قصد کرنے والوں (حاجیوں اور معتمرین) کی، وہ لوگ اپنے پروردگار کا فضل وکرم اور خوشنودی کے خواستگار ہیں، اور جب تم احرام کھول لو تو شکار کرو۔

حجاج اور معتمرین مقامی لوگوں کے ساتھ زیادتی نہ کریں

جو لوگ حج یا عمرہ کا احرام باندھ کر، اللہ کے فضل وکرم اور خوشنودی کے طالب بن کر مکہ مکرمہ جا رہے ہیں ان کو شعائر اللہ میں داخل کیا ہے، پس وہ لوگ مکہ مکرمہ پہنچ کر اس بات کا خیال رکھیں کہ وہ مقامی لوگوں کے ساتھ زیادتی نہ کریں، مالک مکان کے ساتھ یا ڈرائیور کے ساتھ نہ الجھیں، صبر سے کام لیں، سورۃ البقرۃ (آیت ۱۹۷) میں ہے: ﴿ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ﴾: حج میں کسی سے جھگڑا نہ کریں، جھگڑتے ہوئے کبھی آدمی آپے سے باہر ہو جاتا ہے، اور زیادتی ہو جاتی ہے۔

شانِ نزول: یہ آیت صلح حدیبیہ کے بعد عمرۂ قضا سے پہلے نازل ہوئی ہے، مکہ والوں نے مسلمانوں کو عمرہ کرنے سے روک دیا تھا، اس وجہ سے مسلمان بپھرے ہوئے تھے، اندیشہ تھا کہ جب عمرۂ قضا کے لئے جائیں گے تو مکہ والوں کے ساتھ ترکی بہ ترکی معاملہ کریں گے، پس یہ آیت نازل ہوئی، اور مسلمانوں کو ہدایت دی کہ وہ مقامی لوگوں کے ساتھ جواباً

بھی زیادتی نہ کریں، وہ یاد رکھیں کہ وہ اللہ کا فضل وکرم اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے گئے ہیں، اگر وہ مقامی لوگوں کے ساتھ بدمعاملگی کریں گے تو وہ مجرم سمجھے جائیں گے، جبکہ حجاج اور معتمرین کو گناہ سے بچنا چاہئے۔

سوال: اس سورت کا نزول کا نمبر ۱۱۲ ہے، یعنی یہ سورت آخری دور کی ہے، پس اس آیت کے بارے میں یہ کہنا کہ صلح حدیبیہ کے بعد عمرۂ قضاء سے پہلے نازل ہوئی ہے: کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟ صلح حدیبیہ تو ۶ ہجری میں ہوئی ہے۔

جواب: نزول کا نمبر مجموعہ سورت کے اعتبار سے ہوتا ہے، اور بعض آیتیں پہلے نازل شدہ ہوتی ہیں، مگر لوحِ محفوظ کی ترتیب میں بعد کی سورت میں ہوتی ہیں، جیسے اگلی آیت میں: ﴿ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ ﴾ بالکل آخر میں نازل ہوئی ہے، مگر ترتیب سماوی میں اس جگہ ہے۔

﴿ وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْکُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا م ﴾

ترجمہ: اور تم سے ہرگز گناہ نہ کرائے کسی قوم کی عداوت اس وجہ سے کہ انھوں نے تم کو مسجد حرام سے روکا ہے کہ تم زیادتی کرو ـــــ یعنی تمہاری یہی زیادتی تمہارا گناہ ہوگی۔

ظلم وزیادتی نہ ابتداءً جائز ہے نہ ردعمل کے طور پر

دو عام ضابطے

۱- نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو

۲- گناہ اور ظلم وزیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مذمت کرو

ان دونوں ضابطوں کا تعلق گذشتہ سبھی مسائل سے ہے، یعنی جو ان احکام پر عمل کرنا چاہے اس کی مدد کرو، اور ان کے خلاف کرنے لگے اس کی مذمت کرو، اور دوسرے ضابطہ کے بعد جو وعید ہے اس کا مقابل پہلے ضابطہ کے بعد محذوف ہے، یعنی نیکی کے کاموں میں مدد کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ بے حساب اجر عطا فرمائیں گے۔

اور ان دونوں ضابطوں سے معلوم ہوا کہ جو حکم اصل کا ہوتا ہے وہی ذرائع کا ہوتا ہے، اور جو بات دین میں مطلوب ہو اس میں تعاون بھی اسی درجہ مطلوب ہوگا، اور جو بات گناہ کی ہو اس میں تعاون بھی اسی درجہ کا گناہ ہوگا، اسی لئے حدیث میں سودی معاملہ میں تعاون کرنے والوں کو، اور شراب پینے میں تعاون کرنے والوں کو برابر کے درجہ کا گنہگار قرار دیا ہے۔

﴿ وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی ص وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ص وَاتَّقُوا اللّٰہَ ط اِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ

الْعِقَابِ ﴿۲﴾

ترجمہ: (۱) اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو ــــ اللہ تعالیٰ اجر جزیل عطا فرمائیں گے ــــ (۲) اور گناہ کے کاموں میں اور ظلم وزیادتی میں ایک دوسرے کی مددمت کرو، اور اللہ سے ڈرو ــــ تقوی سے سب احکام کی پابندی سہل ہوجاتی ہے ــــ بےشک اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں!

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۣ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ۭ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ۭ اَلْيَوْمَ يَىِٕسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ۭ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۭ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳﴾

حُرِّمَتْ	حرام کیا گیا	لِغَيْرِ اللّٰهِ	غیر اللہ کے لئے	السَّبُعُ	درندے نے
عَلَيْكُمُ	تم پر	بِهٖ	اس کے ذریعہ	اِلَّا مَا	مگر جو
الْمَيْتَةُ	مرا ہوا جانور	وَالْمُنْخَنِقَةُ (۲)	اور دم گھٹ کر مرنے والا	ذَكَّيْتُمْ	ذبح کرلیا تم نے
وَالدَّمُ	اور (بہنے والا) خون	وَالْمَوْقُوْذَةُ (۳)	اور چوٹ مارا ہوا	وَمَا ذُبِحَ	اور جو ذبح کیا گیا
وَلَحْمُ	اور گوشت	وَالْمُتَرَدِّيَةُ (۴)	اور اوپر سے گرنے والا	عَلَى النُّصُبِ (۶)	اَستھان پر
الْخِنْزِيْرِ	سور کا	وَالنَّطِيْحَةُ (۵)	اور سینگ مارا ہوا	وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا (۷)	اور بانٹنا
وَمَآ اُهِلَّ (۱)	اور جو آواز بلند کی گئی	وَمَآ اَكَلَ	اور جو کھایا	بِالْاَزْلَامِ (۸)	پانسوں کے ذریعہ

(۱) ما: موصولہ ہے، بھینٹ چڑھا ہوا جانور اور حلوہ وغیرہ مراد ہے (۲) المنخنقة: اسم فاعل: سانس گھٹ کر مرنے والا (۳) الموقوذة: اسم مفعول: لاٹھی پتھر کی چوٹ سے مارا ہوا، وَقْذٌ: مصدر باب ضرب (۴) المتردية: اسم فاعل: اوپر سے نیچے کھائی یا کنویں میں گرنے والا (۵) النطيحة: صیغۂ صفت، بمعنی منطوحة، مصدر نَطْحٌ: سینگ مارنا (۶) نُصُب: مفرد، جمع أنصاب: اَستھان: مندر، مزار، آستانہ، اصل معنی ہیں: جھنڈا، نشان، شکاری کا جال جس کی طرف شکاری تیزی سے دوڑتا ہے، تاکہ پھنسا ہوا شکار نکل نہ جائے (۷) أن: ناصبہ مصدریہ، استقسام کے دو معنی ہیں: (۱) بانٹنا، حصہ چاہنا (۲) قسمت معلوم کرنا (۸) أزلام: زَلَم کی جمع: پانسا: فال کے تیر۔

ذٰلِكُمْ	یہ	اَكْمَلْتُ	مکمل کردیا میں نے	دِيْنًا [1]	دین کے طور پر
فِسْقٌ	حد اطاعت سے نکلنا ہے	لَكُمْ	تمہارے لئے	فَمَنِ	پس جو شخص
اَلْيَوْمَ	آج	دِيْنَكُمْ	تمہارا دین	اضْطُرَّ	سخت لاچار ہوگیا
يَئِسَ	مایوس ہوگئے	وَ اَتْمَمْتُ	اور پوری کردی میں نے	فِيْ مَخْمَصَةٍ [2]	شدید بھوک میں
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	منکرین اسلام	عَلَيْكُمْ	تم پر	غَيْرَ مُتَجَانِفٍ [3]	نہیں مائل ہونے والا
مِنْ دِيْنِكُمْ	تمہارے دین سے	نِعْمَتِيْ	میری نعمت	لِّاِثْمٍ	گناہ کی طرف
فَلَا تَخْشَوْهُمْ	پس نہ ڈرو ان سے	وَ رَضِيْتُ	اور پسند کرلیا میں نے	فَاِنَّ اللّٰهَ	پس بے شک اللہ تعالیٰ
وَ اخْشَوْنِ	اور ڈرو مجھ سے	لَكُمُ	تمہارے لئے	غَفُوْرٌ	بڑے بخشنے والے
اَلْيَوْمَ	آج	الْاِسْلَامَ	اسلام کو	رَّحِيْمٌ	بڑے مہربان ہیں

حرام جانوروں وغیرہ کا تذکرہ

پہلی آیت میں فرمایا تھا: ﴿ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ ﴾: مگر جن کا ذکر آگے آئے گا، اب اس آیت میں ان حرام جانوروں وغیرہ کا ذکر ہے، پس یہ آیت پہلی آیت کا ضمیمہ ہے۔

گیارہ حرام جانور وغیرہ:

۱- مردہ جانور حرام ہے: جو جانور خود بخود مر جائے، ذبح کی نوبت نہ آئے، یا غیر شرعی طریقہ پر ذبح یا شکار کیا جائے تو وہ حرام ہے۔

۲- ذبح کے وقت رگوں سے نکلنے والا خون حرام ہے، وہ نجاستِ غلیظہ ہے، عرب اس کو کھاتے تھے، البتہ جو خون گوشت پر لگا رہتا ہے یا پیٹ میں آنتوں وغیرہ پر لگا ہوا ہوتا ہے وہ پاک ہے، پس اگر گوشت کو دھوئے بغیر پکا لیا جائے تو اس کا کھانا درست ہے، مگر نظافت کے خلاف ہے۔

۳- خنزیر کا گوشت، پوست (چمڑا) چربی، ناخن، بال، ہڈی، پٹھا وغیرہ سب ناپاک اور حرام ہیں، اور گوشت کی تخصیص اعظم منافع کی وجہ سے کی ہے، عرب خنزیر کھاتے تھے۔

۴- غیر اللہ کے نامزد کیا ہوا جانور، جیسے شیخ سدّو کا بکرا (شیخ سدّو: جاہل عورتوں کا ایک فرضی ولی یا جنّ) اور پیرانِ پیر

(۱) دینا: تمیز ہے، نسبت کے ابہام کو دور کرتی ہے (۲) مخمصة: اسم: ایسی بھوک جس سے پیٹ لگ جائے (۳) متجانف: اسم فاعل، تجانُف: (گناہ کی طرف) مائل ہونا۔

(شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ) کا مرغا، ایسا جانور اگر تکبیر پڑھ کر ذبح کیا جائے تو بھی حرام ہے، مردار سے بھی اخبث ہے، البتہ نامزد کرنے والا توبہ کرے، پھر اللہ کے نام پر ذبح کرے تو حلال ہے۔
یہ ایسا ہی ہے جیسے مشرکین بتوں کے نام پر جانور چھوڑتے تھے (بحیرہ، سائبہ وغیرہ) اسی طرح جو بت یا مزار پر چڑھاوا چڑھایا جاتا ہے: اس کا کھانا بھی حرام ہے، البتہ چڑھانے سے پہلے ناذر توبہ کرلے تو جائز ہے۔
۵- دَم گھٹ کر مرنے والا جانور بھی حرام ہے، وہ مردار ہے، کبھی ہوا رک جاتی ہے یا کمرے میں دھواں بھر جاتا ہے تو انسان اور جانور سانس گھٹنے سے مر جاتا ہے۔
۶- لاٹھی پتھر وغیرہ سے مارا ہوا جانور بھی مرا ہوا ہے اور حرام ہے۔
۷- کبھی جانور کھائی میں یا کنویں میں گر جاتا ہے اور مر جاتا ہے: یہ بھی مردار اور حرام ہے۔
۸- سینگ مارا ہوا جانور کبھی دو جانور لڑتے ہیں، ایک جانور دوسرے کو سینگ سے مار دیتا ہے یہ بھی مردار ہے اور حرام ہے۔
۹- جانور کو درندے نے پھاڑ دیا، بلّی نے مرغی کو پھاڑ دیا، مگر زندہ پکڑ لی اور مرنے سے پہلے ذبح کرلی تو جائز ہے۔
۱۰- کسی اَستھان پر ذبح کیا ہوا جانور بھی مردار ہے، کسی جن بھوت کو راضی کرنے کے لئے یا ولی پیر کا تقرب حاصل کرنے کے لئے اس کے خاص مقام پر جانور لے جا کر ذبح کرتے تھے، یہ بھی حرام ہے، اگرچہ بسم اللہ پڑھ کر ذبح کیا گیا ہو۔
۱۱- فال کے تیروں سے حصہ لینا یا قسمت معلوم کرنا حرام ہے، پس اس کی دو صورتیں ہیں اور دونوں حرام ہیں:
(الف) جاہلیت میں ایک طریقہ یہ تھا کہ ایک مشترک اونٹ ذبح کرکے اس کا گوشت قرعہ اندازی کے ذریعہ تقسیم کرتے تھے، اور قرعہ اندازی کا طریقہ یہ تھا کہ مختلف تیروں پر حصے لکھ کر ایک تھیلے میں ڈال دیتے تھے، پھر ہر شریک ایک تیر نکالتا تھا، جس کے نام جو تیر نکل آیا، اس کو گوشت میں سے اتنے حصے دیئے جاتے تھے، جو اس پر لکھے ہوئے ہوتے تھے، اور جس کے ہاتھ میں ایسا تیر آتا جس پر کوئی حصہ لکھا ہوا نہیں اس کو کچھ بھی نہیں ملتا تھا، بلکہ آئندہ اونٹ لانا اس کے ذمہ ہوتا تھا، یہ سٹہ بازی تھی، جس کو اسلام نے حرام کردیا۔
(ب) کعبہ کے مجاور کے پاس تین تیر تھے، ایک پر لکھا ہوا تھا: أمرنی ربی: مجھے میرے پروردگار نے حکم دیا، دوسرے پر لکھا تھا: نہانی ربی: مجھے میرے پروردگار نے منع کیا، تیسرے پر کچھ لکھا ہوا نہیں ہوتا تھا، جب کسی کو کسی اہم کام کے کرنے میں تردد اور اشکال ہوتا تو وہ ان تیروں سے فیصلہ کرتا، پہلا تیر ہاتھ میں آتا تو کام کرتا، دوسرا تیر ہاتھ میں آتا تو کام نہ کرتا، اور تیسرا تیر ہاتھ میں آتا تو فال دوبارہ نکالتا، یہ اٹکل پچو کے تیر تھے، ان سے قسمت کا حال معلوم کرتے تھے، اسلام نے اس

تو ہم پرستی کا خاتمہ کردیا۔ بلکہ اس گیارھویں بات پر سخت نکیر کی کہ یہ فسق (حد اطاعت سے نکل جانا) ہے، یعنی سخت کبیرہ گناہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی مروی ہے کہ ذلکم کا مشار الیہ صرف استقسام بالازلام ہے۔ مذکورہ سبھی گیارہ باتیں مراد نہیں، اور اسم اشارہ بعید انتہائی برائی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے لایا گیا ہے (روح)

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۣ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ۭ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ۭ﴾

ترجمہ: حرام کیا گیا تم پر: (۱) مردہ جانور (۲) اور (بوقت ذبح رگوں سے نکلنے والا) لہو (۳) اور سور کا گوشت (۴) اور وہ جانور جس کے ذریعہ غیر اللہ کی شہرت کی گئی ہو ـــــ یعنی وہ غیر اللہ کے نامزد کیا گیا ہو، نام پکارنے کا مطلب شہرت کرنا ہے ـــــ (۵) اور دَم گھٹنے سے مرنے والا جانور (۶) اور (لاٹھی پتھر وغیرہ سے) مارا ہوا جانور (۷) اور (اوپر سے کھائی کنویں وغیرہ میں) گر کر مرا ہوا جانور (۸) اور سینگ سے مارا ہوا جانور (۹) اور جسے درندے نے پھاڑ ڈالا، مگر جس کو تم نے (مرنے سے پہلے) ذبح کرلیا (۱۰) اور جو جانور کسی تھان پر ذبح کیا گیا (۱۱) اور فال کے تیروں سے حصہ/قسمت معلوم کرنا یہ (آخری بات) سخت گناہ کا کام ہے۔

ربط: گیارہ ناجائز امور کا ذکر کیا، یہ شریعت کے منفی احکام ہیں، اور جس طرح مثبت احکام پر عمل ضروری ہے منہی امور سے بچنا بھی ضروری ہے، یعنی جس طرح نماز وزکات اور صوم وحج کی تعمیل ضروری ہے: ناجائز کاموں اور گناہوں سے بچنا بھی ضروری ہے، بلکہ تحلیہ سے تخلیہ مقدم ہے، پہلے چہرہ دھوتے ہیں پھر غازہ ملتے ہیں، اس لئے منہیات کا ترک مامورات کی تعمیل سے پہلے ہے۔ چنانچہ اب بطور نصیحت تین باتیں ذکر فرماتے ہیں۔

۱- احکام شرعیہ پر بے خوف ہو کر عمل کرو

اب اسلام بڑھ چلا ہے، لوگ جوق جوق اسلام میں داخل ہونے لگے ہیں، اب اسلام کو کفار زک (شکست) نہیں دے سکتے، لہٰذا اب کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں، اللہ ہی سے ڈرو، اور بے خوف ہو کر احکامِ شرعیہ پر عمل کرو، مثبت احکام پر بھی اور منفی احکام پر بھی!

﴿اَلْيَوْمَ يَىِٕسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ۭ﴾

ترجمہ: اب کافر تمہارے دین (کی ترقی روکنے) سے ناامید ہوگئے ہیں، لہٰذا ان سے مت ڈرو، اور مجھ سے ڈرو!

۲-(الف) مثبت و منفی جملہ احکام قرآنِ کریم میں ہیں

(ب) قرآنِ کریم انسانیت پر اللہ کا بڑا احسان ہے

(ج) قیامت تک کے لئے پسندیدہ دین اسلام ہے

آیت کا زمانہ نزول اور مقام نزول: یہ آیت ۱۰ھ میں عرفہ کے دن نازل ہوئی ہے، اور اتفاق سے وہ دن جمعہ کا تھا، اور یہ آیت میدانِ عرفات میں جبلِ رحمت کے پاس عصر کی نماز کے بعد نازل ہوئی ہے، جو قبولیتِ دعا کی گھڑی ہے۔ اور اس وقت مسلمانوں کا سب سے بڑا اجتماع ہو رہا تھا جس میں ڈیڑھ لاکھ پروانے شمع نبوت کے گرد جمع تھے، یہ اجتماع ہر سال اسی جگہ ہوتا ہے، پس جگہ بھی بابرکت، وقت بھی بابرکت، دن بھی بابرکت اور دو عیدوں کے اجتماع کا دن تھا۔

حدیث (۱): طارق بن شہابؒ کہتے ہیں: ایک یہودی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: اے امیر المؤمنین! اگر یہ آیت: ﴿ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ ﴾ ہم پر نازل کی جاتی، یعنی ہمارے دین و شریعت کو کامل و مکمل قرار دیا جاتا تو ہم اس دن میں (جس دن میں یہ آیت نازل کی جاتی) عید (خوشی) منایا کرتے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: "مجھے بالیقین معلوم ہے کہ یہ آیت کس دن میں اتاری گئی ہے: عرفہ کے دن میں، جمعہ کے دن میں یہ آیت نازل کی گئی ہے (یہ اعلی درجہ کی صحیح حدیث ہے)

تشریح: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جواب کی وضاحت یہ ہے کہ ہم اس آیت کی غیر معمولی اہمیت سے ناواقف نہیں ہیں، مگر ہمیں اس کے نزول کے دن میں کوئی تقریب منعقد کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ یہ آیت دو عیدوں کے اجتماع کے موقعہ پر نازل کی گئی ہے۔ پھر ان میں سے جمعہ کا دن تو اِدھر اُدھر ہو جاتا ہے، مگر عرفہ کا دن اسی جگہ ہے، اور ہر سال جہاں یہ آیت نازل ہوئی ہے: لاکھوں کا اجتماع ہوتا ہے، وہی اجتماع ہمارے لئے کافی ہے، کوئی دوسری تقریب منعقد کرنے کی ضرورت نہیں۔

﴿ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ ﴾

ترجمہ: آج میں نے ــــ اللہ تعالیٰ نے ــــ تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا ــــ یعنی جملہ احکام قرآنِ کریم میں نازل کر دیئے گئے ــــ اور میں نے تم پر اپنا احسان تمام کر دیا، اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لئے پسند کر لیا ــــ یعنی اب قیامت تک تمہارا دین یہی رہے گا، اس کو منسوخ کر کے دوسرا دین نازل نہیں کیا جائے گا۔

تفسیر: اکمال کا مطلب ہے کہ نزولِ قرآن سے جو مقصود تھا وہ پورا ہو گیا، اور وہ مقصود انسانوں کو دین و شریعت عطا فرمانا

تھا...... اور اتمام کا مطلب ہے کہ اب کسی دوسری چیز کی ضرورت باقی نہیں رہی...... اور اس آیت میں دین کی نسبت مسلمانوں کی طرف کی ہے، کیونکہ دین کا ظہور وغلبہ اُن کی محنت سے ہوتا ہے۔ اور نعمت کی نسبت اپنی طرف کی ہے، کیونکہ دین کی تکمیل براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوئی ہے...... اور اکمالِ دین کا یہ مطلب نہیں ہے کہ پہلے انبیاء علیہم السلام کا دین ناقص تھا۔ دین تو ہر نبی کا اس کے زمانے کے اعتبار سے کامل تھا، مگر جو دین ان کے زمانے اور ان کی قوم کے اعتبار سے کامل تھا، وہ اگلے زمانے اور اگلی قوموں کے اعتبار سے نامکمل تھا۔ جیسے بچپن کا کرتا: اُس عمر کے اعتبار سے کامل ہوتا ہے، مگر جوانی کے زمانے کے اعتبار سے چھوٹا ہوتا ہے۔ اسی طرح اب زمانے کے شباب کے زمانے میں جو شریعت سب سے آخر میں نازل کی گئی ہے: وہ ہر جہت اور ہر لحاظ سے کامل و مکمل ہے، اس لئے اب رہتی دنیا تک نئی شریعت کی ضرورت باقی نہیں رہی، یہی دین تاقیامت لوگوں کی نجات کے لئے کافی ہے۔

احکام شرعیہ میں اعذار کا لحاظ رکھا گیا ہے

آخر آیت میں ایک خلجان کا جواب ہے: کوئی سوچ سکتا ہے کہ پوری شریعت پر ہر شخص کے لئے عمل کیسے ممکن ہے؟ آدمی کے ساتھ اعذار لگے ہوئے ہیں! اس کا جواب: دیتے ہیں کہ اعذار کا احکام میں لحاظ رکھا گیا ہے، نابالغ پر نماز فرض نہیں، حالت حیض اور طویل بیہوشی کی نمازیں معاف ہیں، کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکے تو بیٹھ کر پڑھے، بیٹھ بھی نہ سکے تو لیٹ کر پڑھے، زکات ہر مال میں فرض نہیں، نصاب تجویز کیا ہے، اور مال نامی (بڑھنے والے مال) میں زکات فرض کی ہے، اور بیماری اور سفر میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی ہے، اور حج کے لئے زاد (توشہ) اور راحلہ (سواری) شرط کی ہے۔

اسی طرح اگر بھوک مری کی نوبت آجائے یا اکراہ ملجی ہو اور جان کا خطرہ ہو تو مردار وغیرہ حرام چیزیں استعمال کرنے کی گنجائش ہے، بشرطیکہ لطف اندوز ہونا مقصود نہ ہو، نہ ضرورت سے زیادہ کھائے، بس جان بچالے!

ملحوظہ: مَن: موصولہ متضمن معنی شرط کا جواب محذوف ہے، سورۃ البقرۃ (آیت ۱۷۳) میں مذکور ہے، اور وہ ہے: ﴿ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ﴾: یعنی اس شخص پر کچھ گناہ نہیں، گنجائش کا یہی مفہوم ہے، اور یہاں حذف کا قرینہ: ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ ہے۔

﴿ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾

ترجمہ: پس جو شخص بھوک کی شدت سے بے قرار ہو جائے، اِس کے بغیر کہ گناہ کی طرف مائل ہونے والا ہو، تو اللہ تعالیٰ یقیناً بڑے بخشنے والے بڑے مہربان ہیں۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۫ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝۴ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۫ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۡ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۵ ع

يَسْـَٔلُوْنَكَ	لوگ آپ سے پوچھتے ہیں	عَلَّمْتُمْ	سکھلایا تم نے	اَمْسَكْنَ	روکا انھوں نے
مَاذَآ	کیا چیزیں	مِّنَ الْجَوَارِحِ (۲)	زخمی کرنے والوں سے	عَلَيْكُمْ	تمہارے لئے
اُحِلَّ	حلال کی گئی ہیں	مُكَلِّبِيْنَ (۳)	چھوڑنے والے	وَاذْكُرُوا	اور لو تم
لَهُمْ	ان کے لئے	تُعَلِّمُوْنَهُنَّ (۴)	سکھلاتے ہو تم ان کو	اسْمَ اللّٰهِ	اللہ کا نام
قُلْ	آپ کہیں	مِمَّا	اس میں سے جو	عَلَيْهِ (۵)	اس پر
اُحِلَّ	حلال کی گئی ہیں	عَلَّمَكُمُ	سکھلایا تم کو	وَاتَّقُوا	اور ڈرو
لَكُمُ	تمہارے لئے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ نے	اللّٰهَ	اللہ سے
الطَّيِّبٰتُ	پاکیزہ چیزیں	فَكُلُوْا	پس کھاؤ تم	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
وَمَا (۱)	اور (شکار اس کا) جس کو	مِمَّآ	اس میں سے جو	سَرِيْعُ	جلد لینے والے ہیں

(۱) وما: کا عطف الطیبات پر ہے، اور مضاف صید محذوف ہے (جلالین) (۲) الجوارح: الجارحة کی جمع ہے: زخمی کرنے والا شکاری جانور، جَرْحٌ سے مشتق ہے، جس کے معنی ہیں: زخمی کرنا (۳) مکلبین: علمتم کی ضمیر سے حال ہے، اور مُكَلِّب: اسم فاعل کی جمع ہے، مصدر تکلیب کے دو معنی ہیں: (۱) شکار پر چھوڑنا (۲) شکار کی تعلیم دینا، پہلے معنی راجح ہیں، اس لئے کہ دوسرے معنی کے لئے آگے حال متداخلہ آرہا ہے (۴) تعلمونهن: جملہ حال متداخلہ ہے، یعنی پہلے حال مکلبین میں ضمیر مستتر سے حال در حال ہے، پس یہ مستقل شرط ہے۔ (۵) علیه کی ضمیر کا مرجع ما علمتم میں ما موصولہ ہے، مراد شکاری جانور ہے۔

الْحِسَابِ	حساب	حِلٌّ لَّهُمْ	حلال ہے ان کے لئے	غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ (۲)	نہ مستی نکالنے والے
اَلْيَوْمَ	آج	وَالْمُحْصَنٰتُ	اور پاک دامن عورتیں	وَلَا مُتَّخِذِيْٓ	اور نہ بنانے والے
اُحِلَّ	حلال کی گئیں	مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ	مسلمانوں سے	اَخْدَانٍ (۳)	خفیہ دوست
لَكُمُ	تمہارے لئے	وَالْمُحْصَنٰتُ	اور پاک دامن عورتیں	وَمَنْ يَّكْفُرْ	اور جو شخص انکار کرے
الطَّيِّبٰتُ	پاکیزہ چیزیں	مِنَ الَّذِيْنَ	ان کی جو	بِالْاِيْمَانِ	ایمان کا
وَطَعَامُ (۱)	اور کھانا	اُوْتُوا الْكِتٰبَ	کتاب دیئے گئے	فَقَدْ حَبِطَ	تو یقیناً اکارت گیا
الَّذِيْنَ	ان کا جو	مِنْ قَبْلِكُمْ	تم سے پہلے	عَمَلُهٗ	اس کا عمل
اُوْتُوا الْكِتٰبَ	دیئے گئے کتاب	اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ	جبکہ دو تم ان کو	وَهُوَ	اور وہ
حِلٌّ لَّكُمْ	حلال ہے تمہارے لئے	اُجُوْرَهُنَّ	ان کی اجرت	فِي الْاٰخِرَةِ	آخرت میں
وَطَعَامُكُمْ (۱)	اور کھانا تمہارا	مُحْصِنِيْنَ	پاک دامن رہنے والے	مِنَ الْخٰسِرِيْنَ	ٹوٹا پانے والوں سے ہے

ربط: (گذشتہ آیت کے شروع کے مضمون کے تعلق سے) حرام چیزوں کے تذکرہ کے بعد حلال چیزوں کا تذکرہ شروع کرتے ہیں، دونوں میں تقابل تضاد ہے، اور یہ تقابل بھی ایک طرح کا ربط ہے، جیسے شرابی پر جنت کی شراب حرام ہے، اور فیشن پرست عورت آخرت میں ننگی ہوگی، یہ جزاء بالمثل ہے، اسی طرح حرام وحلال بھی تقابل تضاد کی وجہ سے ایک ہیں۔

دوسرا ربط: (گذشتہ آیت کے آخری مضمون کے اعتبار سے) احکامِ شرعیہ میں اعذار کا لحاظ رکھا گیا ہے: اس کی ایک مثال: شکاری جانور سے کیا ہوا شکار ہے، اگر شکاری جانور سے شکار کیا جائے، اور اس میں پانچ شرائط کا لحاظ رکھا جائے تو مرا ہوا شکار بھی حلال ہے، اس میں ذبح اضطراری کافی ہے، اگر شکار میں بھی ذبح اختیاری ضروری ہوگا تو شکاری کی محنت ضائع جائے گی، شکار ہاتھ میں آنے سے پہلے مر جائے گا اور شکاری کا نقصان ہوگا، پس شکار میں ذبح اضطراری کا اعتبار: احکام شرعیہ میں اعذار کے اعتبار کی ایک مثال ہے ــــ پھر یہ بیان ہے کہ ذبح اضطراری کا اعتبار صرف مسلمان کے شکار میں نہیں، بلکہ اہل کتاب کے شکار میں بھی اس کا اعتبار ہے، یہود ونصاری کا ذبیحہ، خواہ اختیاری ہو یا اضطراری، مسلمانوں کے لئے حلال ہے ــــ جیسے مسلمان عورتوں کی طرح کتابی عورتوں سے بھی نکاح جائز ہے، اس طرح تیسرا مسئلہ شروع ہوگا ــــ پھر یہ مضمون ہے کہ معاملات کی طرح عبادات (وضوء وغسل) میں بھی اعذار کا اعتبار ہے، پانی میسر نہ ہو تو تیمّم جائز

---

(۱) طعام سے دونوں جگہ ذبیحہ مراد ہے، عربوں کے نزدیک گوشت ہی کھانا ہے (۲) متخذی میں نونِ جمع اضافت کی وجہ سے محذوف ہے (۳) أخدان: خِدْنٌ کی جمع: چھپے یار۔

ہے، یہ وضوء وغسل میں عذر کی وجہ سے تخفیف کی ہے ـــــ اس طرح دور تک آیات میں ربط ہے۔

تمام پاکیزہ چیزیں حلال ہیں

اصل اشیاء میں اباحت ہے، پس حلال کا دائرہ وسیع ہے، چند چیزوں کو چھوڑ کر جن میں کوئی دینی یا بدنی نقصان ہے: دنیا کی تمام ستھری اور پاکیزہ چیزیں حلال ہیں، سورۃ الاعراف (آیت ۱۵۷) میں نبی ﷺ کے فرائض منصبی کے بیان میں فرمایا ہے: ﴿ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ ﴾: نبی ﷺ لوگوں کے لئے پاکیزہ چیزوں کی حلت بیان فرماتے ہیں، اور گندی چیزوں کی حرمت بیان فرماتے ہیں۔

یہاں بھی لوگوں نے پوچھا کہ ان کے لئے کیا چیزیں حلال ہیں؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لوگوں کو بتادو کہ تمہارے لئے تمام پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں، پھر اسی قاعدہ کلیہ کو دوسری آیت میں بطور تمہید لوٹایا ہے، اور دونوں آیتوں میں تین پاکیزہ چیزوں کی حلت کا بیان ہے۔

۱- شکاری جانور کے ذریعہ پانچ شرائط کا لحاظ کر کے کیا ہوا مرا ہوا شکار بھی حلال وطیب ہے۔

۲- اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کا ذبیحہ مسلمان کے ذبیحہ کی طرح حلال وطیب ہے۔

۳- پاک دامن کتابی عورت سے نکاح پاک دامن مسلمان عورت کی طرح جائز ہے۔

یہ تینوں باتیں ایسی ہیں کہ کسی کو خلجان ہوسکتا تھا کہ یہ حلال وطیب کیسے ہیں؟ اس لئے پہلے قاعدہ کلیہ بیان کیا، پھر اس کے ذیل میں یہ تین باتیں بیان کیں۔

۱- شکاری کتے یا باز وغیرہ سے شکار کیا ہوا جانور مرا ہوا بھی حلال ہے

جانور سے شکار کرنے کے لئے چار شرطیں ہیں: (۱) شکاری جانور شکار کو زخمی کرے جس سے خون بہے (یہ شرط لفظ جوارح سے مفہوم ہوتی ہے، اس کا مادّہ جرح ہے، جس کے معنی زخمی کرنے کے ہیں) (۲) جانور کو شکار پر چھوڑا گیا ہو (مکلبین) (۳) شکاری جانور معلّم ہو، اسے اس طریقہ سے تعلیم دی گئی ہو جس کو شریعت نے معتبر رکھا ہے، یعنی کتے کو سکھایا جائے کہ وہ شکار کو مار کر کھائے نہیں، اور باز کو تعلیم دی جائے کہ وہ بلانے پر واپس آجائے، اگرچہ وہ شکار کے پیچھے جا رہا ہو ﴿ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ ﴾ (۴) چھوڑتے وقت بسم اللہ کہہ کر چھوڑا ہو ﴿ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ﴾۔

جب یہ شرائط پائی جائیں تو شکاری جانور سے کیا ہوا شکار حلال ہے، اگرچہ وہ ہاتھ میں آنے سے پہلے مرجائے، البتہ

اگر زندہ ہاتھ میں آجائے تو ذبح اختیاری ضروری ہے، اگر ذبح کا وقت ملا اور ذبح نہیں کیا اور جانور مر گیا تو وہ حرام ہے۔

ذبح کی دو قسمیں: ذبح اختیاری اور ذبح اضطراری، اگر جانور قابو میں ہو تو ذبح اختیاری ضروری ہے، اور ذبح اختیاری کا محل حلق اور لبّہ ہے، اور اس میں ذبیحہ پر تسمیہ ضروری ہے، پس اگر ذبح کرنے کے لئے ایک بکری لٹائی، اور اس پر بسم اللہ پڑھی، پھر وہ بکری چھوڑ کر دوسری بکری ذبح کی، اور اس پر بسم اللہ نہیں پڑھی تو یہ دوسری بکری حرام ہے، اور اگر بکری تو وہی رہی لیکن چھری بدل دی، دوسری چھری سے ذبح کیا تو وہ حلال ہے۔

اور اگر جانور بے قابو ہو، جیسے شکار تو ذبح اضطراری کافی ہے، اور اس کا محل جانور کا سارا جسم ہے، حدیث میں ہے: ایک صحابی نے دریافت کیا: کیا ذبح حلق اور لبّہ ہی میں ہوتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''اگر تم جانور کی ران میں نیزہ مارو تو بھی تمہارے لئے کافی ہے'' (مشکات حدیث ۴۰۸۲) یہ ذبح اضطراری کا بیان ہے، شکار میں چونکہ جانور اختیار میں نہیں ہوتا: اس لئے تسمیہ ذبیحہ پر ضروری نہیں، بلکہ آلہ پر ضروری ہے، پس اگر بسم اللہ پڑھ کر کسی شکار پر تیر چلایا یا جانور چھوڑا اور وہ تیر دوسرے شکار کو لگ گیا یا کتے نے دوسرے خرگوش کو پکڑ کر مار دیا تو وہ حلال ہے، اور اگر شکار پر چلانے کے لئے ایک تیر نکالا، اور اس پر بسم اللہ پڑھی، پھر وہ تیر چھوڑ کر دوسرا تیر چلایا اور از سر نو بسم اللہ نہیں پڑھی، یا ایک معلَّم کتے کو چھوڑنے کے لئے اس پر بسم اللہ پڑھی، پھر دوسرا معلَّم کتا چھوڑا اور اس پر بسم اللہ نہیں پڑھی تو شکار حرام ہے۔

فائدہ (۱): شکار میں ذبح کا اس کی تمام شرطوں کے ساتھ پایا جانا ضروری ہے، مگر دو باتوں میں تخفیف کی گئی ہے:

ایک: تسمیہ جانور کے بجائے آلہ پر مقرر کیا گیا ہے، کیونکہ شکار میں جانور قابو میں نہیں ہوتا، آلہ ہی اختیار میں ہوتا ہے۔

دوم: ذبح کے لئے گلا اور لبّہ شرط نہیں، شکار کا سارا ہی جسم محل ذبح ہے، کسی بھی جگہ کتے وغیرہ نے زخم کیا اور خون بہا تو ذبح متحقق ہو گیا، ورنہ وہ منخنقة (دم گھٹ کر مرنے والا جانور) ہوگا اور حرام ہوگا۔

فائدہ (۲): شکاری جانور سے کئے ہوئے شکار کی حلت کے لئے دو شرطیں بڑھائی گئی ہیں:

ایک: شکاری جانور کو بالقصد جانور پر چھوڑنا، تاکہ اصطیاد (مشکل سے شکار کرنا) متحقق ہو، ورنہ وہ ظفر مندی (فتح یاب ہونا) ہوگا۔

دوم: شکاری جانور شکار کو روکے رکھے، خود نہ کھائے، تاکہ اس کا معلَّم (سکھلایا ہوا) ہونا متحقق ہو۔

شکاریوں میں دو کوتاہیاں: جو لوگ شکار کے دھنی ہوتے ہیں ان میں دو کوتاہیاں ہوتی ہیں:

ایک: وہ فرائض سے بھی غافل ہو جاتے ہیں، اسی لئے حدیث میں فرمایا: ''جو شکار کے پیچھے پڑا وہ غافل ہوا۔

(ابوداؤد حدیث ۲۸۵۹)

دوم: وہ جانور یا تیر سے شکار کے جواز کی شرائط کا کچھ زیادہ خیال نہیں کرتے، ان کی یہی خواہش رہتی ہے کہ شکار ہاتھ

سے نہ جائے! اس لئے آیت کے آخر میں تنبیہ کی ہے کہ اللہ سے ڈرو، اللہ جلد حساب لینے والے ہیں، یعنی حساب کا دن کچھ دور نہیں!

﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ۭ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۡ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ ﴾

ترجمہ: لوگ آپؐ سے پوچھتے ہیں: کیا چیزیں ان کے لئے حلال کی گئی ہیں؟ آپؐ بتائیں: تمام پاکیزہ چیزیں تمہارے لئے حلال کی گئی ہیں، اور ان زخمی کرنے والے جانوروں کا شکار حلال کیا گیا ہے جن کو تم نے سکھلایا ہے —— یہ ﴿ مَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ ﴾ کا ترجمہ ہوا —— جبکہ تم اس کو شکار پر چھوڑو —— یہ ﴿ مُكَلِّبِيْنَ ﴾ کا ترجمہ ہے، اور جبکہ حال کا ترجمہ ہے —— تم ان کو اس علم سے سکھلاتے ہو جو اللہ نے تم کو سکھلایا ہے —— یعنی کتے اور باز کی تعلیم کا جو طریقہ شریعت میں معتبر ہے، اس طریقہ سے سکھلاتے ہو —— پس تم کھاؤ اس شکار میں سے جو انھوں نے تمہارے لئے روکا ہے —— یہ بھی معتبر طریقہ سکھانے میں شامل ہے —— اور اس جانور پر اللہ کا نام لو —— یہ چوتھی شرط ہے، پھر تنبیہ ہے: —— اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اللہ تعالیٰ جلد حساب کرنے والے ہیں!

۲- اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہے

کبھی یہودی یا عیسائی اپنے شکاری جانور سے شکار کرتا ہے، پس اگر وہ شرائط معتبرہ سے کیا گیا ہے تو وہ مرا ہوا شکار اس کا مذبوحہ ہے، اور اہل کتاب کا ذبح خواہ اختیاری ہو یا اضطراری، معتبر ہے، مگر شرط یہ ہے کہ کتابی واقعی کتابی ہو، نام کا کتابی نہ ہو، ہمارے زمانہ کے اکثر اہل کتاب نام کے کتابی ہیں، ان کا ذبیحہ حلال نہیں، اور اصلی کتابی شرائط ذبح میں مسلمان کی طرح ہے، ہدایہ میں ہے: المسلم و الکتابی فی ترك التسمیة سواء (کتاب الذبائح) پس اگر کتابی نے بالقصد اللہ کا نام نہیں لیا، جیسا مشینی ذبح میں ہوتا ہے تو وہ حلال نہیں۔

﴿ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۭ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۠ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ﴾

ترجمہ: آج تمہارے لئے تمام پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں —— یہ تمہید لوٹائی ہے —— اور ان لوگوں کا کھانا (ذبیحہ) حلال کیا گیا ہے جو آسمانی کتابیں دیئے گئے ہیں، اور تمہارا کھانا (ذبیحہ) ان کے لئے حلال کیا گیا ہے۔

سوال: اس آخری بات کی کہ تمہارا کھانا (ذبیحہ) ان کے لئے حلال کیا گیا ہے: کیا ضرورت تھی؟ قرآنِ کریم میں تو مسلمانوں کے لئے احکام ہیں، اہل کتاب کے لئے قرآن میں احکام نہیں، پھر یہ بات کیوں بڑھائی ہے؟

جواب: یہ بات صرف مشاکلۃً بے ضرورت نہیں بڑھائی، بلکہ آئندہ تیسری بات میں اس سے استدلال کیا جائے گا!

۳-پاک دامن کتابی عورت سے نکاح: شرائط و مقاصدِ نکاح کا لحاظ کر کے جائز ہے

اہل کتاب کا ذبیحہ جائز ہے: اب اس کی نظیر بیان کرتے ہیں: اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح بھی جائز ہے، جبکہ عورت عفیفہ ہو، اوراس کو مہر دیا جائے، اور نکاح کا مقصد عفت (پاک دامنی) ہو، زنا کرنے والا اور خفیہ آشنائی کرنے والا نہ ہو، بلکہ باقاعدہ پیام دے کر نکاح کرے، جس طرح مسلمان عورت سے کیا جاتا ہے، اور یہ ترجیحی (لگژری) شرطیں ہیں، جیسے سورۃ النور کے شروع میں زانی اور زانیہ سے نکاح کی ممانعت ہے، مگر نکاح ہو جاتا ہے، اسی طرح کتابی عورت سے لو (محبت) کا نکاح کیا جائے تو بھی ہو جاتا ہے، البتہ مسلمان عورت کا نکاح کتابی مرد سے درست نہیں، اس لئے اس کا تذکرہ نہیں کیا، خاموشی اختیار کی، کیونکہ محلِ بیان میں خاموشی دلیلِ نفی ہوتی ہے، جیسے تعدد ازدواج کی اجازت چار پر روک دی، معلوم ہوا کہ بیک وقت پانچ عورتوں سے نکاح درست نہیں، اور اسی وجہ سے دوسری بات میں بے ضرورت بھی مشاکلۃ: ﴿ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ﴾ بڑھایا تھا، اور اس تیسرے مسئلہ میں خاموشی اختیار کی، یہ دلیلِ نفی ہے کہ مسلمان عورت کا نکاح مسلمان مرد کے سوا کسی سے نہیں ہو سکتا۔

اور کتابی کے ذبیحہ کی حلت اور کتابی عورت سے نکاح کا جواز: یہود و نصاریٰ کے ساتھ رواداری اور تعلقات کی استواری کے لئے ہے، اور اسی مقصد سے نبی ﷺ نے غزوۂ خیبر کے بعد حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تھا، تاکہ یہود قریب آئیں، مگر وہ بے بہود اور دور ہو گئے!

اور عورت مرد کے زیر اثر ہوتی ہے، پس کتابی عورت سے نکاح کے جواز میں عورت کی اخروی مصلحت بھی پیش نظر ہے، اور مسلمان عورت کے کتابی سے نکاح کے جواز میں اس کے دین کا خطرہ ہے، اس لئے جائز نہیں۔

محبت اور خفیہ آشنائی کا نکاح خطرہ سے خالی نہیں

جہاں عورتیں مردوں کے زیر اثر نہیں، جیسے مغربی ممالک میں، وہاں اگر محبت کی بنیاد پر نکاح ہوگا یا خفیہ آشنائی نکاح کا سبب ہوگی تو خطرہ ہے، اولاد تو ماں کے ساتھ چرچ میں جائے گی، اور ممکن ہے شوہر بھی مرتد ہو جائے، اس لئے آخر آیت میں تنبیہ کی ہے کہ اگر شوہر نے ایمان چھوڑ دیا یا اولاد کو برباد کیا تو وہ آخرت میں ماخوذ ہوگا، اور اس کا سب کیا کرایا اکارت جائے گا۔

زنا اور نکاح میں فرق: معشوقہ (Girl Friend) سے بڑھاپے میں تعلق ٹوٹ جاتا ہے، اور بیوی سے بڑھ جاتا ہے، اور مرنے کے بعد تو وہ دل سے نہیں نکلتی، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہمیشہ نبی ﷺ کے دل میں رہیں

﴿ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور (تمہارے لئے حلال کی گئی ہیں) پاک دامن مسلمان عورتیں —— مسلمان عورتوں کا تذکرہ اُس مقصد سے کیا ہے، جس مقصد سے مالِ فَیْ اور مالِ غنیمت کے مصارف میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا ہے، یعنی کتابی عورت سے نکاح کو گوارہ بنانے کے لئے مسلمان عورتوں سے نکاح کا تذکرہ کیا ہے —— اور ان لوگوں کی پاک دامن عورتیں (بھی حلال ہیں) جن کو تم سے پہلے آسمانی کتابیں دی گئی ہیں، جب تم ان کو ان کے مہر دو (اور نکاح) پاک دامن رہنے کی نیت سے ہو —— اسلام میں نکاح کا بنیادی مقصد یہی ہے، حدیث میں ہے: ''جس نے نکاح کرلیا اس کا آدھا دین محفوظ ہوگیا یعنی وہ شرمگاہ کے گناہ سے بچ گیا، پس وہ باقی آدھے میں اللہ سے ڈرے یعنی پیٹ کے گناہ سے بچے، مال میں حرام وحلال کا خیال رکھے —— نکاح کا مقصد مستی نکالنا نہ ہو، اور نہ خفیہ یارانہ کیا گیا ہو۔

تنبیہ: —— اور جو شخص ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے: اس کا کیا کرایا اکارت گیا، اور وہ آخرت میں ٹوٹا پانے والوں میں سے ہوگا!

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	اِذَا قُمْتُمْ	جب اٹھو تم	فَاغْسِلُوْا[1]	تو دھوؤ
اٰمَنُوْٓا	ایمان لائے	اِلَى الصَّلٰوةِ	نماز کے لئے	وُجُوْهَكُمْ	اپنے چہروں کو

(۱) غَسْل کے معنی ہیں: إسَالَة یعنی پانی ٹپکانا

وَ اَیۡدِیَکُمۡ	اور اپنے ہاتھوں کو	اَحَدٌ مِّنۡکُمۡ	تم میں سے کوئی	مِّنۡهُ (٦)	اس (مٹی) سے
اِلَی الۡمَرَافِقِ	کہنیوں تک	مِّنَ الۡغَآئِطِ (٣)	نشیبی وسیع میدان سے	مَا یُرِیۡدُ	نہیں چاہتے
وَ امۡسَحُوۡا (١)	اور بھیگا ہوا ہاتھ پھیرو	اَوۡ لٰمَسۡتُمُ (٤)	یا پکڑا تم نے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
بِرُءُوۡسِکُمۡ	اپنے سروں پر	النِّسَآءَ	عورتوں کو	لِیَجۡعَلَ	کہ گردانیں
وَ اَرۡجُلَکُمۡ	اور (دھوؤ) اپنے پیروں کو		(اور پکڑا عورتوں نے تم کو)	عَلَیۡکُمۡ	تم پر
اِلَی الۡکَعۡبَیۡنِ	دونوں ٹخنوں تک	فَلَمۡ تَجِدُوۡا	پس نہیں پایا تم نے	مِّنۡ حَرَجٍ	کچھ تنگی
وَ اِنۡ کُنۡتُمۡ	اور اگر ہو تم	مَآءً	پانی	وَّلٰکِنۡ یُّرِیۡدُ	بلکہ چاہتے ہیں
جُنُبًا	حالتِ جنابت میں	فَتَیَمَّمُوۡا	تو قصد کرو	لِیُطَهِّرَکُمۡ	کہ پاک کریں تم کو
فَاطَّهَّرُوۡا (٢)	تو خوب پاک ہوو	صَعِیۡدًا (٥)	سطحِ زمین کا	وَلِیُتِمَّ	اور پورا کریں
وَ اِنۡ کُنۡتُمۡ	اور اگر ہو تم	طَیِّبًا	پاک	نِعۡمَتَهٗ	اپنا احسان
مَّرۡضٰۤی	بیمار	فَامۡسَحُوۡا	پس ہاتھ پھیرو	عَلَیۡکُمۡ	تم پر
اَوۡ عَلٰی سَفَرٍ	یا سفر میں	بِوُجُوۡهِکُمۡ	اپنے چہروں پر	لَعَلَّکُمۡ	تاکہ تم
اَوۡ جَآءَ	یا آیا	وَ اَیۡدِیۡکُمۡ	اور اپنے ہاتھوں پر	تَشۡکُرُوۡنَ	شکر بجالاؤ

ربط: پہلے یہ عنوان آیا ہے کہ احکام شرعیہ میں اعذار کا لحاظ کیا گیا ہے: یہ لحاظ صرف معاملات میں نہیں کیا گیا، بلکہ عبادات میں بھی کیا گیا ہے، اگر وضوء وغسل کے لئے پانی میسر نہ ہو تو تیمّم جائز ہے، یہ اجازت عذر کی وجہ سے ہے اور یہ اجازت وضوء وغسل کے بیان سے شروع ہوئی ہے پس یہ اصل مضمون کی تمہید ہے۔

وضوء میں چار فرائض:

۱- چہرہ دھونا۔ چہرہ: سر کے بالوں سے ٹھوڑی کے نیچے تک اور ایک کان کی کو سے دوسرے کان کی کو تک ہے۔

(۱) مسح کے معنی ہیں: إصابة یعنی بھیگا ہوا ہاتھ پہنچانا (۲) اِطَّهَّرُوْا: امر، جمع مذکر حاضر، از باب تفعل، اصل میں تَطَهَّرُوْا تھا، تعلیل ہوئی ہے اور ابتدا میں ہمزۂ وصل بڑھایا ہے۔ (۳) الغائط: نشیبی وسیع میدان، مراد بیت الخلاء ہے، عرب وسیع میدانوں میں بڑے استنجاء کے لئے جاتے تھے (۴) لٰمَسْتُم: از باب مفاعلہ، ماضی معروف، صیغہ جمع مذکر حاضر، اس باب میں اشتراک ہوتا ہے، پس آدھی بات فہم سامع پر اعتماد کرکے چھوڑ دی گئی ہے، اور وہ ہے: لَمَسْنَكُم: عورتوں نے تم کو چھویا ہو، یہ کیفیت بوقتِ انزال ہوتی ہے، پس جماع کرنا مراد ہے (۵) صعید: روئے زمین، زمین کا اوپر کا ظاہری حصہ (۶) منه کی ضمیر صعید کی طرف لوٹتی ہے۔

۲-دونوں ہاتھ کہنیوں کے اوپر تک دھونا، کہنی: کلائی اور بازو کی ہڈیوں کے سنگم کا نام ہے، اس کا دھونا بھی فرض ہے۔
۳-ہاتھ بھیگا کر سر پر پھیرنا، چوتھائی سر کا مسح فرض ہے، نبی ﷺ نے ایک مرتبہ صرف ناصیہ پر مسح کیا ہے۔
ناصیہ: سر کے اگلے حصہ کے بال، جو چوتھائی سر کے بقدر ہوتے ہیں، اور پورے سر کا مسح کرنا سنت ہے، نبی ﷺ ہمیشہ پورے سر کا مسح کیا کرتے تھے، اور مسح کا طریقہ: علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ نے فتح القدیر میں یہ لکھا ہے کہ دونوں ہاتھ تر کر کے سر کے اگلے حصہ پر رکھے، اور پورے سر کو گھیرتے ہوئے گدی تک لے جائے، پھر دونوں ہاتھوں کو واپس پیشانی تک لائے، پھر دونوں کانوں کا مسح کرے۔

۴-دونوں پیر ٹخنوں تک دھونا، ٹخنہ: پیر کی دونوں جانب میں ابھری ہوئی ہڈی کا نام ہے، اس کا دھونا بھی فرض ہے۔
فائدہ: ایک ایک مرتبہ اعضائے مغسولہ کا دھونا فرض ہے، اور دھونا یہ ہے کہ سارا عضو بھیگ جائے اور دو چار قطرے ٹپک جائیں، اور دو دو مرتبہ دھونا چھوٹی سنت ہے، اور تین تین مرتبہ دھونا کامل سنت ہے، اور سر کے مسح میں چوتھائی سر کا مسح فرض ہے، اور سارے سر کا مسح سنت ہے۔
جنابت کا حکم: اگر آدمی جنبی ہے تو غسل فرض ہے یعنی سارے بدن کا ایک مرتبہ دھونا ضروری ہے، اور جسم کا جو حصہ من وجہٍ ظاہر اور من وجہٍ باطن ہے، جیسے منہ کے اندر کا حصہ اور ناک کے اندر کا حصہ: اس کا دھونا بھی فرض ہے، یہی خوب پاک ہونا ہے، البتہ جس کے دھونے میں ضرر ہے، جیسے آنکھ کے اندر کا دھونا: وہ فرض نہیں۔
تیمّم کا حکم: اگر آدمی بیمار ہے یعنی سماوی عذر ہے یا سفر میں ہے یعنی اختیاری عذر ہے، اور آدمی بیت الخلاء ہو کر آیا ہے یعنی ناقض وضوء پیش آیا ہے یا بیوی سے مقاربت کی ہے یعنی ناقض غسل پیش آیا ہے، جنابت لاحق ہوئی ہے اور پانی حقیقۃً یا حکماً نہیں ہے تو زمین کے اوپر کا قصد کرے پس تیمّم میں نیت ضروری ہے، اور زمین کھود کر نیچے سے مٹی نکالنا تیمّم کے لئے ضروری نہیں، البتہ روئے زمین کا پاک ہونا شرط ہے، پس مٹی پر دونوں ہاتھ مارے اور پورے چہرے پر پھیرے، پھر دوبارہ ہاتھ مارے اور دونوں ہاتھوں پر کہنیوں سمیت پھیرے، تیمّم ہو گیا، وضوء کا تیمّم بھی یہی ہے اور غسل کا تیمّم بھی یہی ہے۔
آخر میں فرمایا کہ تیمّم کی یہ اجازت اس لئے ہے کہ تنگی رفع ہو، احکام شرعیہ میں اعذار کا اعتبار ہے، نماز کے لئے طہارت شرط ہے، مگر پانی نہ ہونے کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے طہارت کی یہ صورت تجویز کی ہے، یہ امت مسلمہ پر اللہ کا بڑا احسان ہے، گذشتہ امتوں کے لئے یہ سہولت نہیں تھی، پس مسلمانوں کو اللہ کے احسان کا شکر گذار ہونا چاہئے۔

آیتِ کریمہ: اے مسلمانو! جب تم نماز کے لئے اٹھو تو اپنے چہروں کو دھوؤ، اور اپنے دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک، اور اپنے سروں پر بھیگا ہوا ہاتھ پھیرو، اور اپنے پیروں کو ٹخنوں تک (دھوؤ) اور اگر تم حالتِ جنابت میں ہوؤ تو خوب پاک

ہوؤ، اور اگر تم بیمار یا سفر میں ہوؤ، یا تم میں سے کوئی جائے ضرورت سے ہو آیا، یا تم نے عورتوں کو چھویا (اور عورتوں نے تم کو چھویا) پس تم (حقیقۃً یا حکماً) پانی نہ پاؤ تو پاک روئے زمین کا قصد کرو، پس اپنے چہروں پر اور ہاتھوں پر اس (مٹی) سے ہاتھ پھیرو۔

اللہ تعالیٰ تم پر ذرا تنگی کرنا نہیں چاہتے، بلکہ وہ تم کو پاک صاف کرنا چاہتے ہیں، اور تم پر اپنا احسان مکمل کرنا چاہتے ہیں، تاکہ تم شکر بجالاؤ!

مسئلہ: جب نماز پڑھنے کا ارادہ کرے اور وضوء نہ ہو تو وضوء کرنا فرض ہے، اور وضوء ہو تو ہر فرض نماز کے لئے نیا وضوء کرنا مستحب ہے، نبی ﷺ ہر فرض نماز کے لئے نیا وضوء کرتے تھے، اور صحابہ ایک وضوء سے کئی کئی نمازیں پڑھتے تھے اور آپ ﷺ نے بھی بعض مرتبہ ایک وضوء سے کئی نمازیں پڑھی ہیں۔

فائدہ: بیت الخلاء سے آنے کا مطلب ہے: جسم میں سے کثیر ناپاکی نکلے، اتنی کہ بہہ سکے، خواہ خون ہو یا پیپ وغیرہ، اور سبیلین میں نجاست کا ظہور کافی ہے۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاۗءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓي اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝

وَاذْكُرُوْا	اور یاد کرو	الَّذِيْ	جو	سَمِعْنَا	سنا ہم نے
نِعْمَةَ اللّٰهِ	اللہ کا احسان	وَاثَقَكُمْ [1]	باندھا اس نے تم سے	وَاَطَعْنَا	اور مانا ہم نے
عَلَيْكُمْ	تم پر	بِهٖٓ [2]	اس کے ساتھ	وَاتَّقُوا	اور ڈرو
وَمِيْثَاقَهُ	اور اس کا پختہ وعدہ	اِذْ قُلْتُمْ	جب کہا تم نے	اللّٰهَ	اللہ سے

(۱) وَاثَقَ: از باب مفاعلہ، مصادر مُوَاثَقَةٌ اور وِثَاقٌ ہیں: ایک چیز کو دوسری چیز سے باندھنا (۲) بہ کی ضمیر الذی کی طرف عائد ہے

اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ	عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا	کہ نہ انصاف کرو تم	الَّذِيْنَ	ان لوگوں سے جو
عَلِيْمٌۢ	خوب جانتے ہیں	اِعْدِلُوْا	انصاف کرو	اٰمَنُوْا	ایمان لائے
بِذَاتِ الصُّدُوْرِ	سینوں کے بھیدوں کو	هُوَ اَقْرَبُ	وہ قریب تر ہے	وَعَمِلُوا	اور کئے انھوں نے
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	لِلتَّقْوٰى	پرہیزگاری سے	الصّٰلِحٰتِ	نیک کام
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	وَاتَّقُوا	اور ڈرو	لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ	ان کے لئے بخشش ہے
كُوْنُوْا	ہو جاؤ	اللّٰهَ	اللہ سے	وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ	اور بڑا ثواب ہے
قَوّٰمِيْنَ	کھڑے ہونے والے	اِنَّ	بے شک	وَالَّذِيْنَ	اور جنھوں نے
لِلّٰهِ	اللہ کے لئے	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ	كَفَرُوْا	اسلام کو قبول نہیں کیا
شُهَدَآءَ	گواہی دینے والے	خَبِيْرٌۢ	باخبر ہیں	وَكَذَّبُوْا	اور انھوں نے جھٹلایا
بِالْقِسْطِ	انصاف کے ساتھ	بِمَا	ان کاموں سے جو	بِاٰيٰتِنَآ	ہماری باتوں کو
وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ (۱)	اور نہ گنہگار بنائے تم کو	تَعْمَلُوْنَ	تم کرتے ہو	اُولٰٓئِكَ	وہی لوگ
شَنَاٰنُ قَوْمٍ (۲)	کسی قوم کی نفرت	وَعَدَ اللّٰهُ	وعدہ فرمایا اللہ نے	اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ	دوزخ والے ہیں

تیمّم کی رخصت کی طرح دولتِ ایمان بھی اللہ کا ایک احسان ہے

گذشتہ آیت میں اعذار کی صورت میں تیمّم کی اجازت کو مسلمانوں پر اللہ کا ایک احسان قرار دیا تھا، اب ایک اور احسان کا ذکر فرماتے ہیں، اور وہ دولتِ ایمان ہے، یہ اللہ کا مسلمانوں پر بڑا انعام واحسان ہے، دنیا میں دو تہائی انسان اس نعمت سے محروم ہیں، وہ کچھ بے عقل نہیں، فرزانے ہیں، آسمان زمین کے قلابے ملاتے ہیں، اور چاند پر کمندیں پھینکتے ہیں، مگر اپنے خالق و مالک کو نہیں پہچانتے، اور مسلمانوں کو یہ دولت خاص محنت کے بغیر مل گئی، اس لئے ان کو یاد کرنے کا حکم دیا یعنی اس کا شکر بجالانا چاہئے، اور ایمان کے تقاضوں کو پورا کرنا چاہئے۔

پھر جو لوگ ایمان لائے، اور انھوں نے 'سنا اور مانا' ان سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ ان کو سزا نہیں دیں گے، حدیث میں ہے: نبی ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: جانتے ہو بندوں پر اللہ کا کیا حق ہے؟ اور اللہ تعالیٰ پر بندوں کا کیا حق ہے؟ حضرت معاذؓ نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں! آپ ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) لَايَجْرِمَنَّ: فعل نہی بانون تاکید ثقیلہ، صیغہ واحد مذکر غائب، جَرَمَ الرجلَ: جرم کرانا، مجرم بنانا (۲) شَنَآن: مصدر شَنَأَہٗ شَنْئًا وَشَنَآنًا: نفرت کرنا۔

''بندوں پر اللہ کا حق یہ ہے کہ بندے اسی کی عبادت کریں، اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں، اور بندوں کا اللہ تعالیٰ پر حق یہ ہے کہ وہ اس شخص کو سزا نہ دیں جوان کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے'' (مشکات حدیث ۲۴)

پھر آخر میں تنبیہ کی ہے کہ جب ایمان لائے ہو تو اس کے تقاضوں کو پورا کرو، دل میں خلاف ورزی کا خیال بھی مت لاؤ، اللہ تعالیٰ دلوں کے بھیدوں سے بھی واقف ہیں۔

﴿ وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ ﴾

ترجمہ: اور یاد کرو اللہ کا احسان تم پر — احسان سے مراد دولت ِایمان ہے، اور یاد کرنے سے مراد اس کا شکر بجالانا اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنا ہے — اور (یاد کرو) اس کا وہ عہد جس کو اس نے تمہارے ساتھ باندھا ہے جب تم نے کہا: ہم نے سنا اور ہم نے مانا — اللہ کا وہ عہد یہ ہے کہ اگر مؤمن ایمان کے تقاضے پورے کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو آخرت میں سزا نہیں دیں گے، اس احسان کو یاد کرکے احکام کی تعمیل کرو — اور اللہ سے ڈرو — یعنی ایمان کے تقاضوں کے خلاف مت کرو — بے شک اللہ تعالیٰ سینوں کے رازوں سے بھی خوب واقف ہیں — پس دل میں بھی خلاف ورزی کا خیال مت لاؤ۔

گواہوں اور قاضیوں سے عہد کی خلاف ورزی ممکن ہے

جب مؤمنین نے عہد کیا کہ سمعنا و أطعنا، یعنی ہم اللہ کے احکام کو سنیں گے، اور ان کی فرماں برداری کریں گے، ایمان لانے کا یہی مطلب ہے: تاہم دو شخصوں سے اس عہد میں کوتاہی ممکن ہے: ایک: مقدمہ کے گواہوں سے: وہ گواہی میں گڑبڑ کرسکتے ہیں۔ دوم: قاضیوں سے: وہ انصاف سے فیصلہ نہ کریں: ایسا ممکن ہے، اس لئے ایک آیت میں دونوں کو تنبیہ کی ہے کہ گواہ اللہ کی خوشنودی کے لئے کھڑے ہوں، اور انصاف کے ساتھ گواہی دیں، تاکہ کسی کی حق تلفی نہ ہو، اور قضات بھی انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں، تعلقات کا خیال رکھیں نہ عداوت کا، رورعایت کے بغیر فیصلہ کریں، یہی پرہیزگاری سے اقرب ہے، اور دونوں اللہ سے ڈریں، اور جان لیں کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے تمام اعمال سے پوری طرح باخبر ہیں!

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاۗءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓي اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اے وہ لوگو جو ایمان لائے، اللہ کے لئے کھڑے ہونے والے، انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بنو

—— درمیان میں واو عاطفہ نہیں، پس دونوں باتیں ایک ہیں، اور یہ گواہوں کو تنبیہ ہے —— اور کسی قوم کی دشمنی —— اسی طرح محبت وتعلق —— تم سے یہ جرم نہ کرائے کہ تم انصاف نہ کرو —— یہ قضات کو تنبیہ ہے —— انصاف کرو یہی تقوی سے قریب تر ہے —— یعنی یہی پرہیزگاری کا تقاضہ ہے —— اور اللہ سے ڈرو، اللہ تعالیٰ یقیناً باخبر ہیں ان کاموں سے جو تم کرتے ہو۔

وہ وعدہ جو اللہ نے نیک مؤمنین سے کیا ہے

اب ایک آیت میں اس عہد وپیمان کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ نے نیک مؤمنین سے کیا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی بخشش کریں گے، یعنی ان کی کوتاہیاں معاف کریں گے، اور ان کو بڑا ثواب (جنت) عطا فرمائیں گے۔

پھر ان کے بالمقابل ایک آیت میں دوسرے فریق کا ذکر کیا ہے، یہ قرآن کا اسلوب ہے، جن لوگوں نے اسلام قبول نہیں کیا، اور اللہ کی باتوں (قرآنِ کریم) کو جھٹلایا: ان کا ابدی ٹھکانہ دوزخ ہے!

﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝ ﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے ان لوگوں سے جو ایمان لائے، اور انھوں نے نیک کام کئے کہ ان کے لئے بخشش اور بڑا ثواب ہے —— اور جن لوگوں نے اسلام کو قبول نہیں کیا، اور ہماری آیتوں (قرآن) کو جھٹلایا وہی لوگ دوزخی ہیں!

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَعَلَي اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ ع

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے لوگو جو	قَوْمٌ	کچھ لوگوں نے	عَنْكُمْ	تم سے
اٰمَنُوا	ایمان لائے	اَنْ يَّبْسُطُوْٓا	کہ لمبے کریں	وَاتَّقُوا	اور ڈرو
اذْكُرُوْا	یاد کرو	اِلَيْكُمْ	تمہاری طرف	اللّٰهَ	اللہ سے
نِعْمَتَ اللّٰهِ	اللہ کا احسان	اَيْدِيَهُمْ	اپنے ہاتھ	وَعَلَي اللّٰهِ	اور اللہ پر
عَلَيْكُمْ	تم پر	فَكَفَّ	پس روک دیا اس نے	فَلْيَتَوَكَّلِ	پس چاہئے کہ بھروسہ کریں
اِذْ هَمَّ	جب ارادہ کیا	اَيْدِيَهُمْ	ان کے ہاتھوں کو	الْمُؤْمِنُوْنَ	ایمان والے

اعدائے مسلمین کا تذکرہ

۱-اللہ تعالیٰ مشرکوں کی دست درازی سے مسلمانوں کی حفاظت کرتے ہیں

اب اعدائے اسلام و مسلمین کا تذکرہ شروع فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا مسلمانوں پر ایک احسان یہ ہے کہ وہ مشرکوں کی دست درازی سے ان کی حفاظت کرتے ہیں، دورِ اول میں اور بعد کے ادوار میں سینکڑوں واقعات اس کے شاہد ہیں، کسی معین واقعہ کا تذکرہ ضروری نہیں، مشرکین کی عداوت طشت از بام ہے، وہ ضرر رسانی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے، مگر جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے! مشرکین جب بھی مسلمانوں کو کوئی نقصان پہنچانا چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی اسکیم کو خاک میں ملا دیتے ہیں، مگر شرط یہ ہے کہ مسلمان اللہ سے ڈریں، اور اس کے احکام کی تعمیل کریں، اور اللہ پر بھروسہ کریں، آج مسلمانوں کی زبوں حالی کا سبب ان کا اللہ سے نہ ڈرنا، احکامِ الٰہی کی تعمیل نہ کرنا اور اعدائے اسلام سے دوستی کرنا ہے۔

آیتِ کریمہ: اے وہ لوگو جو ایمان لائے! اپنے اوپر اللہ کا احسان یاد کرو، جب کچھ لوگوں نے تم پر دست درازی کرنی چاہی تو اللہ نے تم سے ان کے ہاتھوں کو روک دیا، اور اللہ سے ڈرو، اور ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْھٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۲﴾ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰي خَاۗىِٕنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳﴾

وَلَقَدْ	اور بخدا واقعہ یہ ہے	وَبَعَثْنَا	اور مقرر کیے ہم نے	وَقَالَ	اور فرمایا
اَخَذَ اللّٰهُ	اللہ نے لیا	مِنْهُمُ	ان میں سے	اللّٰهُ	اللہ نے
مِيْثَاقَ	عہد و پیمان	اثْنَيْ عَشَرَ	بارہ	اِنِّىْ	بے شک میں
بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ	اولادِ یعقوبؑ سے	نَقِيْبًا	سردار	مَعَكُمْ	تمہارے ساتھ ہوں

لَئِنْ اَقَمْتُمُ	بخدا! اگر اہتمام کیا تم نے	مِنْ تَحْتِهَا	ان میں	وَ نَسُوْا	اور بھول گئے وہ
الصَّلٰوةَ	نماز کا	الْاَنْهٰرُ	نہریں	حَظًّا	بڑا حصہ
وَ اٰتَيْتُمُ	اور دی تم نے	فَمَنْ كَفَرَ	پس جس نے انکار کیا	مِّمَّا	اس میں سے جو
الزَّكٰوةَ	زکات	بَعْدَ ذٰلِكَ	اس (عہد) کے بعد	ذُكِّرُوْا	نصیحت کئے گئے تھے وہ
وَ اٰمَنْتُمْ	اور ایمان لائے تم	مِنْكُمْ	تم میں سے	بِهٖ	اس کے ذریعہ
بِرُسُلِيْ	میرے رسولوں پر	فَقَدْ ضَلَّ	تو یقیناً کھودیا اس نے	وَلَا تَزَالُ	اور آپؐ برابر
وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ	اور مدد کی تم نے ان کی	سَوَآءَ السَّبِيْلِ	سیدھا راستہ	تَطَّلِعُ	واقف ہوتے رہتے ہیں
وَ اَقْرَضْتُمُ	اور قرض دیا تم نے	فَبِمَا نَقْضِهِمْ (۱)	پس ان کے توڑنے کی	عَلٰى خَآئِنَةٍ (۳)	کسی نہ کسی خیانت پر
اللّٰهَ	اللہ کو		وجہ سے	مِّنْهُمْ	ان کی
قَرْضًا حَسَنًا	اچھا قرض	مِّيْثَاقَهُمْ	اپنا عہد	اِلَّا قَلِيْلًا	مگر تھوڑے مستثنیٰ ہیں
لَاُكَفِّرَنَّ	(تو) ضرور مٹاؤں گا میں	لَعَنّٰهُمْ	پھٹکار دیا ہم نے ان کو	مِّنْهُمْ	ان میں سے
عَنْكُمْ	تم سے	وَ جَعَلْنَا	اور بنادیا ہم نے	فَاعْفُ	پس معاف کریں آپ
سَيِّاٰتِكُمْ	تمہاری برائیاں	قُلُوْبَهُمْ	ان کے دلوں کو	عَنْهُمْ	ان کو
وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ	اور ضرور داخل کروں گا	قٰسِيَةً	سخت	وَاصْفَحْ	اور درگزر کریں (آپؐ)
	میں تم کو	يُحَرِّفُوْنَ (۲)	پھیرتے ہیں وہ	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
جَنّٰتٍ	باغات میں	الْكَلِمَ	باتوں کو	يُحِبُّ	پسند کرتے ہیں
تَجْرِيْ	بہتی ہیں	عَنْ مَّوَاضِعِهٖ	ان کی جگہوں سے	الْمُحْسِنِيْنَ	نیکوکاروں کو

یہود کا تذکرہ

عہد و پیمان کے باوجود یہود میں سے چند کے علاوہ آخری پیغمبر پر کوئی ایمان نہیں لایا

گذشتہ آیت میں تھا کہ مشرکین مسلمانوں کے دشمن ہیں، وہ بار بار مسلمانوں پر دست درازی کرنا چاہتے ہیں، مگر ہر

(۱) نَقْض: خود مصدر ہے، اس لئے ما مصدریہ کی ضرورت نہیں، صرف تحسین کلام کے لئے بڑھایا گیا ہے (۲) حَرَّفَ الكلامَ: ردوبدل کر کے کلام کو اصل جگہ سے ہٹادینا، مختلف کردینا (۳) خائنة: عافية اور عاقبة کی طرح مصدر ہے، اور الخيانة کے معنی میں ہے، اور تنوین تنکیر کے لئے ہے۔

بار اللہ تعالیٰ ان کی اسکیم کو خاک میں ملا دیتے ہیں، اور مسلمانوں کی حفاظت کرتے ہیں، یہ مسلمانوں پر اللہ کا بڑا احسان ہے، مسلمان اس کو یاد کریں اور شکر بجالائیں۔

اب دو آیتوں میں یہود کا تذکرہ کرتے ہیں، وہ بھی اسلام دشمنی میں مشرکوں سے کم نہیں، وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف خفیہ سازشیں کرتے رہتے ہیں، اور نام نہاد مسلمان ان کی سازشوں کا شکار بھی ہو جاتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ ان کی اسکیموں کو گاؤ خورد کر دیتے ہیں، اور مسلمان محفوظ رہتے ہیں، یہ بھی اللہ کا مسلمانوں پر احسانِ عظیم ہے، مسلمان اس کی قدر کریں۔

پہلی آیت: میں بنی اسرائیل کے ابتدائی احوال کا ذکر ہے، جب وہ ہدایت پر تھے: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جب ان کو تورات دی گئی تو ان سے عہد و پیمان لیا گیا، اور اس پیمان کی حفاظت کے لئے ان میں سے بارہ سردار مقرر کئے، بنی اسرائیل کے بارہ خاندان تھے، اس لئے کہ یعقوب علیہ السلام کے بارہ صاحبزادے تھے، ہر لڑکے کی اولاد ایک خاندان تھا، اور اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، یعنی میری نصرت و حمایت تمہارے ساتھ رہے گی: اگر تم نے چار کام کئے:

۱- اگر تم نے نماز کا اہتمام کیا، نماز بدنی عبادات میں سب سے اہم ہے، اس لئے اس کی تخصیص کی۔

۲- اگر تم نے زکات دی، زکات مالی عبادات میں سب سے اہم ہے، اس لئے اس کی تخصیص کی، مراد لوجہ اللہ سارے انفاقات ہیں۔

۳- اگر تم اللہ کے تمام انبیاء پر ایمان لاتے رہے اور ان کی مدد کرتے رہے، اس عہد کی رو سے ان پر ضروری تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد مبعوث ہونے والے تمام انبیاء پر ایمان لائیں اور ان کی مدد کریں، مگر انھوں نے عیسیٰ علیہ السلام اور آخری نبی ﷺ کے زمانہ میں یہ عہد پورا نہیں کیا۔

۴- اور وہ اللہ تعالیٰ کو اچھی طرح قرض دیں، یعنی وہ حلال مال سے وجوہِ خیر میں خرچ کرتے رہیں، یہ اچھا قرض دینا ہے، اور اس کو قرض اس لئے نام دیا کہ وہ ثواب کی شکل میں لامحالہ واپس آئے گا، اگر واپس نہ کیا جائے تو وہ صدقہ/ ہدیہ کہلائے گا۔

مذکورہ چار کاموں پر اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ان کی برائیوں کو مٹائیں گے، اور ان کو ایسی بہشتوں میں داخل کریں گے جن میں نہریں رواں دواں ہیں، جن کی وجہ سے وہ سدا بہار ہیں!

اور ان کو تورات میں یہ بھی بتلا دیا تھا کہ جو اس عہد کی خلاف روزی کرے گا یعنی بعد کے تمام انبیاء پر ایمان نہیں لائے گا

وہ راہ راست کھودے گا!

پھر دوسری آیت: میں یہ مضمون ہے کہ یہود نے اپنا عہد توڑ دیا جس کی وجہ سے: (۱) وہ مستحق لعنت ہوئے، اللہ نے ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا (۲) اور ان کے دلوں کو پتھر کر دیا، اب ان میں حق بات کو قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رہی، اور ان دو باتوں کا نتیجہ درج ذیل دو باتیں نکلیں:

۱- انھوں نے خاتم النّبیین ﷺ کے بارے میں جو بشارات تورات میں تھیں ان میں تحریف کردی، یا تو ان باتوں کو تورات سے نکال دیا، یا ان کا مطلب کچھ سے کچھ گھڑ دیا، تاکہ عام لوگ نبی ﷺ کو پہچان نہ سکیں اور ایمان نہ لائیں۔

۲- اور تورات میں عہد وپیمان کی پاسداری کے سلسلہ میں ان کو جو نصیحتیں کی گئی تھیں ان کا بڑا حصہ انھوں نے بھلا دیا، وہ نصیحتیں اب بھی تورات میں ہیں، مگر وہ اس کا کچھ خیال نہیں کرتے، یہ بھول جانا ہے۔

یہود کی دھوکہ دہی اب بھی جاری ہے: یہود نبی ﷺ کے زمانہ میں بھی برابر خیانتیں کرتے رہتے تھے، دھوکہ دہی کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے، ہر دن ان کی نئی خیانت سامنے آتی تھی، البتہ چند نیک فطرت یہودی مستثنیٰ ہیں، جو ایمان لے آئے تھے۔

ان دغابازوں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے؟ آخر میں نبی ﷺ کو حکم دیا ہے کہ جب بھی ان کی کوئی خیانت سامنے آئے تو ان سے درگذر کریں، ان کو معاف کریں، الڑھ جانور کے ساتھ نرمی بہتر ہے، اور ظالم کو معاف کرنا اچھا کام ہے، اور اللہ تعالیٰ اچھے کام کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں۔

آیاتِ کریمہ: اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے عہد وپیمان لیا —— یہ اس زمانہ کی بات ہے جب ان کو تورات دی گئی تھی، اور عہد وپیمان تورات پر عمل کرنے کے سلسلہ میں لیا تھا —— اور ہم نے ان میں سے بارہ ذمہ دار مقرر کئے —— جو اپنے خاندانوں کے احوال کی خبر رکھیں اور ان کو پیمان کا پابند رکھیں —— اور اللہ نے فرمایا: میں تمہارے ساتھ ہوں —— یعنی میری نصرت اور حمایت تمہیں حاصل رہے گی، بشرطے کہ تم اگلی چار باتوں پر عمل کرو —— (۱) بخدا!! اگر تم نے نماز کا اہتمام کا (۲) اور تم نے زکات ادا کی (۳) اور میرے (آئندہ آنے والے تمام) رسولوں پر ایمان لائے، اور ان کی مدد کی (۴) اور تم نے اللہ کو اچھا قرض دیا —— یہ زکات کے علاوہ وجوہِ خیر میں انفاق ہے، جو مستحب ہے —— تو میں ضرور تمہاری برائیاں مٹاؤں گا، اور تمہیں ایسے باغات میں داخل کروں گا جن میں نہریں بہتی ہیں —— ایمان صحیح اور اعمالِ صالحہ کا آخرت میں یہی صلہ ہے۔

پس اس (عہد) کے بعد جس نے تم میں سے کفر کیا اس نے یقیناً سیدھا راستہ کھودیا!

(دوسری آیت:) پس ان کے اپنا عہد توڑنے کی وجہ سے: ہم نے ان کو رحمت سے دور کر دیا، اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا ــــ ان دو باتوں کا نتیجہ دو باتیں نکلیں: ــــ (۱) وہ (تورات کی) باتوں کو ان کی جگہ سے پھیرتے ہیں ــــ یعنی نبی ﷺ کے بارے میں تورات میں جو بشارات تھیں: ان کو یا تو تورات سے نکال دیا، یا ان کی غلط تاویل کر ڈالی ــــ (۲) اور وہ اس نصیحت کا بڑا حصہ بھول گئے جو ان کو (تورات میں) کی گئی تھی!

ان کا آج کا حال: اور آپؐ برابر ان کی کسی نہ کسی خیانت سے واقف ہوتے رہتے ہیں ــــ یعنی روز ان کی کوئی دھوکہ دہی آپؐ کے سامنے آتی رہے گی ــــ بجز ان میں سے چند حضرات کے ــــ جنھوں نے یہود میں سے اسلام قبول کر لیا ہے ــــ لہٰذا آپؐ ان کو معاف کیجئے، اور ان سے درگذر کیجئے ــــ یہ اچھا کام ہے ــــ بے شک اللہ تعالیٰ اچھے کام کرنے والوں کو دوست رکھتے ہیں!

وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۠ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۴﴾

وَمِنَ الَّذِيْنَ (۱)	اور جن لوگوں نے	مِّمَّا	اس کا جو	اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے دن تک
قَالُوْٓا	کہا	ذُكِّرُوْا	نصیحت کئے گئے وہ	وَسَوْفَ	اور عنقریب
اِنَّا نَصٰرٰٓى	بیشک ہم عیسائی ہیں	بِهٖ	اس کے ذریعہ	يُنَبِّئُهُمُ	آگاہ کریں گے ان کو
اَخَذْنَا	لیا ہم نے	فَاَغْرَيْنَا (۲)	پس ڈالی ہم نے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
مِيْثَاقَهُمْ	ان کا عہد و پیمان	بَيْنَهُمُ	ان کے درمیان	بِمَا	ان کاموں سے جو
فَنَسُوْا	پس بھول گئے وہ	الْعَدَاوَةَ	دشمنی	كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ	کیا کرتے تھے وہ
حَظًّا	بڑا حصہ	وَالْبَغْضَاۗءَ	اور کینہ	۞	۞

نصاریٰ کا تذکرہ

بڑے میاں سو بڑے میاں: چھوٹے میاں سبحان اللہ!

بڑے میاں یعنی یہود تو دشمن تھے ہی، چھوٹے میاں یعنی عیسائی ان سے بڑھ کر نکلے، کبھی عیسائیوں میں علماء اور

(۱) مِن: جارہ: أخذنا سے متعلق ہے (۲) أغری العداوةَ بينهم: دشمنی پیدا کرنا، لڑائی کی آگ بھڑکانا۔

درویش ہوتے تھے، اس وقت وہ مسلمانوں کے حق میں نرم گوشہ رکھتے تھے، مگر اب ان میں یہ صنف نایاب ہے، اب وہ مسلم دشمنی میں یہود کے برابر یا بڑھ کر ہیں، فلسطین میں یہودی حکومت کا کھونٹا عیسائیوں ہی نے گاڑا ہے، مگر اللہ تعالیٰ ان کے شرور سے مسلمانوں کی حفاظت فرماتے ہیں، یہ بھی مسلمانوں پر ایک بڑا احسان ہے، مسلمان اس کا شکر ادا کریں، کاش! مسلم سربراہاں ان کی زلفوں کے اسیر نہ ہوتے۔

جب عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ نصاریٰ کو انجیل دی گئی تو ان سے عہد و پیان لیا تھا کہ وہ آنے والے رسول پر ایمان لائیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں واضح پیشین گوئیاں آج بھی انجیل میں موجود ہیں، مگر عیسائیوں نے ان کو پس پشت ڈال دیا، اور عہد و پیان کی پاسداری کے سلسلہ میں انجیل میں ان کو جو نصیحتیں کی گئی تھیں ان کو بھلا دیا اور وہ مختلف فرقوں میں بٹ گئے، بڑے فرقے پروٹسٹنٹ اور رومن کیتھولک ہیں، ان میں مذہب کی بنیادی باتوں میں بھی اتفاق نہیں، اور باہم تشدد، ظلم و ستم اور انسان سوزی کے واقعات سے مذاہبِ عالم کی تاریخ کا ہر طالب علم واقف ہے، ان کو جان لینا چاہئے کہ دنیا ایک دن ختم ہونے والی ہے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کو ان کی حرکتیں جتلائیں گے، وہ غافل نہ رہیں۔

آیتِ کریمہ: اور جنھوں نے کہا: ہم نصاریٰ ہیں: ہم نے ان سے (بھی) عہد لیا ہے —— کہ آنے والے نبی پر ایمان لائیں —— پھر جو ان کو نصیحت کی گئی تھی اس کا بڑا حصہ وہ بھلا بیٹھے —— اور عام طور پر ایمان نہیں لائے —— پس ہم نے ان کے درمیان قیامت تک کے لئے —— یعنی عرصۂ دراز تک کے لئے —— دشمنی اور کینہ کی آگ بھڑکا دی —— یعنی وہ باہم لڑتے رہیں گے —— اور عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو ان کاموں سے آگاہ کریں گے جو وہ کرتے رہے ہیں۔

يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِّمَّا كُنتُمْ تُخْفُونَ مِنَ ٱلْكِتَٰبِ وَيَعْفُوا۟ عَن كَثِيرٍ ۚ قَدْ جَآءَكُم مِّنَ ٱللَّهِ نُورٌ وَكِتَٰبٌ مُّبِينٌ ﴿١٥﴾ يَهْدِى بِهِ ٱللَّهُ مَنِ ٱتَّبَعَ رِضْوَٰنَهُۥ سُبُلَ ٱلسَّلَٰمِ وَيُخْرِجُهُم مِّنَ ٱلظُّلُمَٰتِ إِلَى ٱلنُّورِ بِإِذْنِهِۦ وَيَهْدِيهِمْ إِلَىٰ صِرَٰطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿١٦﴾

يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ	اے آسمانی کتاب والو!	جَآءَكُمْ	پہنچے ہیں تمہارے پاس	يُبَيِّنُ (۱)	درانحالیکہ واضح کرتے ہیں
قَدْ	تحقیق	رَسُولُنَا	ہمارے پیغمبر	لَكُمْ	تمہارے لئے

(۱) یبین: جملہ فعلیہ رسولنا کا حال ہے (جمل)

كَثِيْرًا	بہت سی باتیں	نُوْرٌ	بڑی روشنی	السَّلٰمِ	سلامتی کی
مِّمَّا	ان میں سے جو	وَّكِتٰبٌ (۱)	اور کتاب	وَيُخْرِجُهُمْ	اور نکالتے ہیں ان کو
كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ	چھپایا کرتے تھے تم	مُّبِيْنٌ	واضح کرنے والی	مِّنَ الظُّلُمٰتِ	تاریکیوں سے
مِنَ الْكِتٰبِ	آسمانی کتاب سے	يَّهْدِيْ	دکھاتے ہیں	اِلَى النُّوْرِ	روشنی کی طرف
وَيَعْفُوْا	اور درگذر کرتے ہیں	بِهِ اللهُ	اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ	بِاِذْنِهٖ	اپنے حکم سے
عَنْ كَثِيْرٍ	بہت سی باتوں سے	مَنِ اتَّبَعَ	اس کو جس نے پیروی کی	وَيَهْدِيْهِمْ	اور چلاتے ہیں ان کو
قَدْ جَآءَكُمْ	تحقیق پہنچی ہے تم کو	رِضْوَانَهٗ	اللہ کی خوشنودی کی	اِلٰى صِرَاطٍ	راستے کی طرف
مِّنَ اللهِ	اللہ کی طرف سے	سُبُلَ	راہیں	مُّسْتَقِيْمٍ	سیدھے

اہل کتاب (یہود ونصاری) کو اسلام کی دعوت

اللہ کے رسول قرآن کی روشنی کے ساتھ تمہارے پاس پہنچ چکے ہیں: ان پر ایمان لاؤ تمہارا بھلا ہوگا

اب اہل کتاب کو اسلام کی دعوت دیتے ہیں، اور دو باتیں بیان فرماتے ہیں:

پہلی بات: ہمارے سچے رسول تمہارے پاس آچکے ہیں، اور ان کی صداقت کی دلیل یہ ہے کہ تم جن بشارات کو چھپاتے رہے ہو: ان میں سے جن کا اظہار ضروری ہے: ان کو وہ کھول کر بیان کرتے ہیں، یہ ان کی نبوت کی صداقت کی دلیل ہے، کیونکہ ان کے پاس وحی کے علاوہ کوئی اور ذریعہ علم نہیں، اور صاحبِ وحی سچا رسول ہوتا ہے، اور جن باتوں کی اب چنداں ضرورت نہیں ان کو چھوڑتے ہیں، بیان نہیں کرتے۔

دوسری بات: اللہ کا رسول خالی ہاتھ نہیں آیا، ایک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا ہے، ایک روشنی اور واضح کتاب لے کر آیا ہے، اللہ تعالیٰ اس روشنی اور کتاب کے ذریعہ ان بندوں کو سلامتی کی راہیں دکھاتے ہیں جو اللہ کی خوشنودی چاہتے ہیں، اور جن کے حق میں ان کا فیصلہ ہوتا ہے: ان کو کفر وضلالت کی تاریکیوں سے ہدایت کی روشنی میں لاتے ہیں، اور اس کے ذریعہ ایمان لانے والوں کو سیدھے راستے پر چلاتے ہیں، لہٰذا ہمارے رسول اور ہماری کتاب پر ایمان لاؤ تمہارا بھلا ہوگا!

فائدہ: ﴿قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللهِ نُوْرٌ﴾ مستقل جملہ ہے، اور واو عاطفہ نہیں، پس پہلے ﴿قَدْ جَآءَكُمْ﴾ میں اور اس ﴿قَدْ جَآءَكُمْ﴾ میں غایتِ ارتباط ہے، گویا دونوں ایک ہیں —— اور نور اور کتاب مبین میں عطف تفسیری ہے، یہ دونوں بھی ایک ہیں، جن کی تین دلیلیں ہیں:

(۱) کتاب مبین: عطف تفسیری ہے، نور اور کتاب مبین ایک ہیں، اور مبین: أبان سے اسم فاعل ہے۔

۱-اگر نور سے نبی ﷺ کو مراد لیں گے تو تکرار ہوگی، کیونکہ ﴿رَسُوْلُنَا﴾ سے بھی آپ ہی مراد ہیں۔
۲-آگے ﴿يَّهْدِيْ بِهِ﴾ میں مفرد ضمیر آئی ہے، اگر نور اور کتاب مبین دو چیزیں ہوتی تو بھما تثنیہ کی ضمیر آتی۔
۳-قرآنِ کریم میں اللہ کی کتابوں کو تو 'نور' کہا گیا ہے، مگر اللہ کے کسی رسول کو نور نہیں کہا گیا۔ آگے اسی سورت (آیت ۴۴) میں تورات کے بارے میں ہے: ﴿فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ﴾: اس میں ہدایت اور روشنی ہے پھر (آیت ۴۶ میں) یہی بات انجیل کے تعلق سے فرمائی ہے، اور سورۃ النساء (آیت ۱۷۴) میں قرآنِ کریم کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا﴾: اور ہم نے تمہاری طرف واضح کرنے والی روشنی اتاری، اور قرآنِ کریم میں کسی بھی نبی، رسول کو نور نہیں کہا گیا، اور جس حدیث میں یہ بات آئی ہے وہ بے اصل روایت ہے، اور مواہب لدنیہ میں جو حوالہ ہے: اُس میں وہ حدیث نہیں ملی، اور سورۃ الکہف (آیت ۱۱۰) میں نبی ﷺ کی بشریت کی صراحت ہے، پس ایسا خیال کرنا کہ نبی ﷺ کا مادہ تخلیق نور ہے: قرآن کے منافی ہے۔

آیتِ کریمہ: اے آسمانی کتاب والو! تمہارے پاس ہمارے رسول پہنچ چکے ہیں، درانحالیکہ وہ کھول کر بیان کرتے ہیں آسمانی کتابوں کی بہت سی وہ باتیں جن کو تم چھپاتے رہے ہو، اور بہت سی باتوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں، بالتحقیق تمہارے پاس اللہ کی طرف سے بڑی روشنی اور واضح کرنے والی کتاب آچکی ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اس شخص کو سلامتی کی راہیں دکھاتے ہیں جو اللہ کی خوشنودی چاہتا ہے، اور جن کے لئے منظور ہوتا ہے: ان کو تاریکیوں سے روشنی کی طرف نکالتے ہیں، اور ان کو سیدھے راستہ پر چلاتے ہیں۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾

لَقَدْ	بخدا! واقعہ یہ ہے	هُوَ	ہی	فَمَنْ يَّمْلِكُ	پس کون مالک ہے
كَفَرَ	کافر ہوگئے	الْمَسِيْحُ	مسیح ہیں	مِنَ اللّٰهِ	اللہ (کی گرفت) سے
الَّذِيْنَ قَالُوْٓا	جنھوں نے کہا:	ابْنُ مَرْيَمَ	بیٹے مریم کے	شَيْـًٔا	ذرا بھی
اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ	قُلْ	پوچھیں:	اِنْ اَرَادَ	اگر وہ چاہیں

اَنْ يُّهْلِكَ	کہ ہلاک کریں	جَمِيْعًا	سب کو؟	بَيْنَهُمَا	دونوں کے درمیان ہے
الْمَسِيْحَ	مسیح کو	وَ لِلّٰهِ	اور اللہ کے لئے	يَخْلُقُ	پیدا کرتا ہے
ابْنَ مَرْيَمَ	بیٹے مریم کے	مُلْكُ	حکومت ہے	مَا يَشَآءُ	جو چاہتا ہے
وَ اُمَّهٗ	اور اس کی ماں کو	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں	وَ اللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
وَ مَنْ	اور ان کو جو	وَ الْاَرْضِ	اور زمین کی	عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز پر
فِي الْاَرْضِ	زمین میں ہیں	وَ مَا	اور اس کی جو	قَدِيْرٌ	پوری قدرت والے ہیں

عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں عیسائیوں کا عقیدہ بھی ان کے ایمان کی راہ کا روڑا!

عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی یونٹ (UNIT، وحدت) کا تہائی حصہ ہیں، یقولون: هو ثالث ثلاثة، اور جو حکم کل کا ہوتا ہے وہی جزء کا ہوتا ہے، پس عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ ہیں، اب وہ اپنے مزعومہ اللہ کو چھوڑ کر اسلام کے اللہ پر جو حقیقی اللہ ہے اور وحده لا شريك له ہے: کیسے ایمان لائیں؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ان کا یہ عقیدہ کفریہ عقیدہ ہے، یہ اللہ کو ماننا نہ ماننے کے مترادف ہے، اس سے توبہ کریں۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدا نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مریم رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے: مسیح عیسیٰ کو، اور ان کی والدہ مریم کو اور زمین کی ساری مخلوقات کو ہلاک کرنا چاہیں تو ان کو کون روک سکتا ہے؟ اور کیا کل اپنے جزء کو ختم کرسکتا ہے؟ جو اپنی ناک کاٹ لے وہ نکٹا (عیب دار) ہوجائے گا، پھر وہ خدا کہاں ہوگا؟ —— رہا مسیح علیہ السلام کا غیر معروف طریقہ پر صرف کنواری مریم رضی اللہ عنہا سے پیدا ہونا: تو اللہ تعالیٰ ہر طرح پیدا کرنے پر قادر ہیں، کیا آدم وحواء علیہما السلام کو بغیر ماں باپ کے مٹی سے پیدا نہیں کیا؟ بے شک اللہ تعالیٰ ہر طرح پیدا کرنے پر قادر ہیں، پس عیسائی اپنے کفریہ عقیدہ سے باز آئیں، اور حقیقی اللہ پر ایمان لائیں، جن کا نہ کوئی جزء ہے نہ شریک وسہیم!

آیتِ کریمہ: بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے کفر کا ارتکاب کیا، جنھوں نے کہا: ''بے شک مریم کے بیٹے: مسیح ہی اللہ ہیں'' —— پوچھو: اللہ کے مقابلہ میں کس کی کچھ چل سکتی ہے: اگر وہ مریم کے بیٹے: مسیح کو، اور ان کی ماں کو، اور زمینی تمام مخلوقات کو ہلاک کرنا چاہیں؟ وہ جو چاہیں پیدا کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں۔

وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ وَ النَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ لِلّٰهِ

مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۡ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾

وَقَالَتِ	اور کہا	بِذُنُوْبِكُمْ	تمہارے گناہوں کی وجہ سے	مَنْ يَّشَآءُ	جسے چاہیں گے
الْيَهُوْدُ	یہود	بَلْ اَنْتُمْ	بلکہ تم	وَلِلّٰهِ	اور اللہ کے لئے
وَالنَّصٰرٰى	اور نصاریٰ نے	بَشَرٌ (۲)	انسان ہو	مُلْكُ	حکومت ہے
نَحْنُ	ہم	مِّمَّنْ	ان میں سے جن کو	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں
اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ	اللہ کے بیٹے	خَلَقَ	اس نے پیدا کیا	وَالْاَرْضِ	اور زمین کی
وَاَحِبَّآؤُهٗ (۱)	اور اس کے پیارے ہیں	يَغْفِرُ	بخشیں گے وہ	وَمَا	اور ان چیزوں کی جو
قُلْ	پوچھو	لِمَنْ يَّشَآءُ	جسے چاہیں گے	بَيْنَهُمَا	دونوں کے درمیان ہیں
فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ	پس کیوں سزا دیں گے تم کو	وَيُعَذِّبُ	اور سزا دیں گے	وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ	اور اسی کی طرف لوٹنا ہے

یہود ونصاریٰ کی خوش خیالی بھی ان کے ایمان کی راہ کا روڑا!

یہود ونصاریٰ کو یہ خوش فہمی ہے کہ وہ اللہ کے بیٹے یعنی اس کے پیارے ہیں: پھر ان کو آخری نبی پر ایمان لانے کی کیا ضرورت! —— حالانکہ وہ مانتے ہیں کہ ان کو بھی آخرت میں سزا ملے گی، سورۃ البقرۃ (آیت ۸۰) میں ان کا قول آیا ہے: ﴿ لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ﴾: ہمیں جہنم کی آگ ہرگز نہیں چھوئے گی، مگر چند روز، بعض نے کہا: سات دن، اور بعض نے کہا: چالیس دن، جتنے دن بچھڑے کی پوجا کی ہے، اور بعض نے کہا: چالیس سال، جتنی مدت میدانِ تیہ میں سرگرداں رہے تھے، اور بعض نے کہا: مدت العمر، جتنی مدت دنیا میں زندہ رہے تھے —— پس ان سے پوچھو: اگر تم اللہ کے چہیتے ہو تو اللہ تعالیٰ تم کو سزا کیوں دیں گے؟ پیارے کو کوئی سزا نہیں دیا کرتا!

بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ یہود ونصاریٰ بھی منجملہ مخلوقات ایک مخلوق ہیں، اور اللہ کا اختیار ہے: آخرت میں جس کو چاہیں بخشیں، اور جس کو چاہیں سزا دیں، وہی ساری کائنات کے مالک وحاکم ہیں، کوئی ذرہ ان کے اختیار سے باہر نہیں، اور سب کو ان کے روبرو حاضر ہونا ہے۔ لہٰذا اپنی خوش فہمی کے خول سے باہر آئیں، اور اللہ کے آخری رسول پر ایمان لائیں، اور نیک کام کریں، تاکہ آخرت کی سزا سے بچ جائیں!

آیتِ کریمہ: اور یہود ونصاریٰ نے کہا: ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں! —— پوچھو: پھر اللہ تمہیں

(۱) وأحباؤہ: عطف تفسیری ہے، بیٹوں سے نسبی بیٹے مراد نہیں، مجازی بیٹے مراد ہیں۔ (۲) انسان کو بشر اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی کھال بھیڑ بکری کی طرح بالوں سے ڈھکی ہوئی نہیں، بَشَرۃ کے معنی ہیں: کھلی کھال۔

تمہارے گناہوں کی سزا کیوں دیں گے؟ —— بلکہ تم منجملہ مخلوقات انسان ہی ہو، اللہ تعالیٰ جسے چاہیں گے معاف کریں گے، اور جسے چاہیں گے سزا دیں گے، آسمانوں پر، زمین پر، اور ان کے درمیان کی چیزوں پر حکومت اللہ ہی کی ہے، اور ہر چیز کو اس کی طرف لوٹنا ہے۔

يَاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۹﴾

ع ۴

يَاَهْلَ الْكِتٰبِ	اے آسمانی کتاب والو!	عَلٰى فَتْرَةٍ (۱)	درمیانی وقفہ کے بعد	جَآءَكُمْ	آ گیا تمہارے پاس
قَدْ	تحقیق	مِّنَ الرُّسُلِ	رسولوں کے	بَشِيْرٌ	خوش خبری سنانے والا
جَآءَكُمْ	آیا ہے تمہارے پاس	اَنْ تَقُوْلُوْا (۲)	کبھی تم کہنے لگو	وَّنَذِيْرٌ	اور ڈرانے والا
رَسُوْلُنَا	ہمارا رسول	مَا جَآءَنَا	نہیں آیا ہمارے پاس	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
يُبَيِّنُ	درانحالیکہ کھول کر بیان	مِنْ بَشِيْرٍ	کوئی خوشخبری سنانے والا	عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز پر
	کررہا ہے	وَّلَا نَذِيْرٍ	اور نہ کوئی ڈرانے والا	قَدِيْرٌ	پوری قدرت رکھنے
لَكُمْ	تمہارے لئے	فَقَدْ	سو تحقیق		والے ہیں

یہود ونصاریٰ ایمان نہیں لائیں گے تو حجت تو تام ہوگی!

بنی اسرائیل میں مسلسل انبیاء مبعوث ہوتے تھے، حدیث میں ہے: كلما هلك نبي خلفه آخر: جب بھی کسی نبی کی وفات ہوتی تو دوسرا نبی اس کی جگہ لے لیتا (بخاری شریف حدیث ۳۴۵۵) یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام: بنی اسرائیل کے آخری نبی مبعوث ہوئے، ان کے بعد نبوت کا سلسلہ رک گیا، پھر تقریباً چھ سو سال کے بعد کامل آخری نبی مبعوث ہوئے، درمیانی زمانہ فترت کا زمانہ کہلاتا ہے، یہ لمبا عرصہ تھا، اس عرصہ میں دنیا جہل وغفلت اور شک واوہام میں مبتلا ہوگئی، ہدایت کے چراغ گل ہو گئے، ظلم وزیادتی کی گھٹا چھا گئی تو آفتابِ نبوت طلوع ہوا، اللہ نے اس کے منہ میں اپنا کلام ڈالا، اور اس کی قیامت تک کے لئے حفاظت کی ذمہ داری لے لی، اس لئے اب نئی نبوت کی ضرورت نہیں رہی۔

(۱) فَترة: اسم مصدر: کسی نبی کی شریعت کا دھیما پڑ جانا اور آئندہ نبی کا مبعوث نہ ہونا: زمانہ فترت کہلاتا ہے (۲) أن: أي لئلا تقولوا: کبھی ایسا نہ ہو کہ تم کہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: زمانۂ فترت کے بعد اب آخری رسول مبعوث ہوئے ہیں، وہ احکام شرع کھول کر بیان کر رہے ہیں، تاکہ لوگ قیامت کے دن یہ بہانہ نہ بناسکیں کہ ہمارے پاس کوئی رسول نہیں آیا، آتا تو ہم اس پر ایمان لاتے، اور اس کی پیروی کرتے، اور جہنم سے بچ جاتے، مگر اب جبکہ بشیر ونذیر آگیا تو کسی کے لئے عذر کا موقع نہ رہا۔

اب اگر اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) ایمان نہیں لاتے تو انہیں کا نقصان ہوگا، اللہ پاک نے حجت تام کردی ہے، اور وہ ایمان نہیں لائیں گے تو اللہ تعالیٰ دوسری قوم کو کھڑا کردیں گے، وہ پیغمبر کی مدد کرے گی، اور ان کا دین پھیلائے گی، اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں، اللہ کا کام کچھ اہل کتاب کے ایمان اور نصرت پر موقوف نہیں!

آیتِ کریمہ: اے آسمانی کتاب والو! تمہارے پاس ہمارے رسول آئے ہیں، درانحالیکہ وہ تمہارے لئے کھول کر احکام بیان کرتے ہیں: (اور وہ) رسولوں کے درمیانی وقفہ کے بعد آئے ہیں، تاکہ تم (قیامت کے دن) یہ کہہ نہ سکو کہ ہمارے پاس نہ کوئی خوش خبری سنانے والا آیا نہ کوئی ڈرانے والا! اب تمہارے پاس خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا آپہنچ چکا ہے! اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں!

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۰﴾ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۲۱﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۥ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَاَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۶﴾

ع ۸

وَاِذْ قَالَ	اور (یاد کرو) جب کہا	وَلَا تَرْتَدُّوْا	اور مت پلٹو	عَلَیْهِمَا	دونوں پر
مُوْسٰی	موسیٰ نے	عَلٰٓی اَدْبَارِكُمْ	اپنی پیٹھوں پر	ادْخُلُوْا	جا گھسو
لِقَوْمِهٖ	اپنی قوم سے	فَتَنْقَلِبُوْا	پس پلٹ جاؤ گے تم	عَلَیْهِمُ	ان پر
یٰقَوْمِ	اے میری قوم!	خٰسِرِیْنَ (۱)	ٹوٹا پاتے ہوئے	الْبَابَ	دروازے میں
اذْكُرُوْا	یاد کرو	قَالُوْا	جواب دیا انھوں نے	فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ	پس جب داخل ہو جاؤ
نِعْمَةَ اللّٰهِ	اللہ کا احسان	یٰمُوْسٰٓی	اے موسیٰ!		گے تم اس میں
عَلَیْكُمْ	تم پر	اِنَّ فِیْهَا	بے شک اس میں	فَاِنَّكُمْ	تو بے شک تم
اِذْ جَعَلَ	جب بنائے اس نے	قَوْمًا	لوگ ہیں	غٰلِبُوْنَ	غالب ہونے والے ہو
فِیْكُمْ	تم میں	جَبَّارِیْنَ	زبردست	وَعَلَی اللّٰهِ	اور اللہ ہی پر
اَنْۢبِیَآءَ	انبیاء	وَاِنَّا	اور بے شک ہم	فَتَوَكَّلُوْٓا	پس بھروسہ کرو
وَجَعَلَكُمْ	اور بنایا تم کو	لَنْ نَّدْخُلَهَا	ہرگز نہیں داخل ہونگے	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم
مُّلُوْكًا	بادشاہ	حَتّٰی یَخْرُجُوْا	یہاں تک کہ نکلیں وہ	مُّؤْمِنِیْنَ	ایماندار
وَّاٰتٰىكُمْ	اور دیا تم کو	مِنْهَا	اس آبادی سے	قَالُوْا	کہا انھوں نے
مَّا لَمْ یُؤْتِ	جو نہیں دیا	فَاِنْ یَّخْرُجُوْا	پس اگر نکلے وہ	یٰمُوْسٰٓی	اے موسیٰ!
اَحَدًا	کسی کو	مِنْهَا	اس جگہ سے	اِنَّا	بے شک ہم
مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ	جہانوں سے	فَاِنَّا	تو بے شک ہم	لَنْ نَّدْخُلَهَآ	ہرگز داخل نہیں ہونگے
یٰقَوْمِ	اے میری قوم!	دٰخِلُوْنَ	داخل ہونے والے ہیں	اَبَدًا	کبھی بھی
ادْخُلُوا	داخل ہوؤ	قَالَ	کہا	مَّا دَامُوْا	جب تک ہونگے وہ
الْاَرْضَ	زمین	رَجُلٰنِ	دو شخصوں نے	فِیْهَا	اس بستی میں
الْمُقَدَّسَةَ	پاکیزہ میں	مِنَ الَّذِیْنَ	ان میں سے جو	فَاذْهَبْ	پس جائیں
الَّتِیْ كَتَبَ	جو لکھی ہے	یَخَافُوْنَ	ڈرتے ہیں (اللہ سے)	اَنْتَ	آپ
اللّٰهُ لَكُمْ	اللہ نے تمہارے لئے	اَنْعَمَ اللّٰهُ	احسان فرمایا ہے اللہ نے	وَرَبُّكَ	اور آپ کے پروردگار

(۱) خاسرین: ضمیر جمع سے حال ہے۔

فَقَاتِلَاۤ	پس لڑو تم دونوں	وَاَخِیۡ	اور میرے بھائی کا	عَلَیۡهِمۡ	ان پر
اِنَّا هٰهُنَا	بے شک ہم یہاں	فَافۡرُقۡ	پس جدائی کردیں آپ	اَرۡبَعِیۡنَ	چالیس
قٰعِدُوۡنَ	بیٹھنے والے ہیں	بَیۡنَنَا	ہمارے درمیان	سَنَةً	سال
قَالَ	کہا (موسیٰ نے)	وَبَیۡنَ الۡقَوۡمِ	اور لوگوں کے درمیان	یَتِیۡهُوۡنَ [1]	بھٹکتے پھریں گے وہ
رَبِّ	اے میرے پروردگار	الۡفٰسِقِیۡنَ	حد اطاعت سے نکلنے والے	فِی الۡاَرۡضِ	زمین میں
اِنِّیۡ	بے شک میں	قَالَ	فرمایا (اللہ نے)	فَلَا تَاۡسَ [2]	پس نہ افسوس کریں آپ
لَاۤ اَمۡلِكُ	نہیں مالک ہوں	فَاِنَّهَا	پس بے شک وہ بستی	عَلَی الۡقَوۡمِ	لوگوں کے بارے میں
اِلَّا نَفۡسِیۡ	مگر میری ذات کا	مُحَرَّمَةٌ	حرام کی ہوئی ہے	الۡفٰسِقِیۡنَ	حد اطاعت سے نکلنے والے

یہود نبی ﷺ کے ساتھ بدمعاملہ کرتے ہیں تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟

وہ تو اپنے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اس سے بھی زیادہ بدمعاملہ کرچکے ہیں!

پیچھے سے گفتگو یہ چل رہی ہے کہ مشرکین، یہود اور نصاریٰ مسلمانوں کے دشمن ہیں، وہ ہمیشہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے پلان بناتے رہتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان کی دست درازی سے بچاتے ہیں، اسلام کا چراغ بجھنے نہیں دیتے۔

اب یہ بیان ہے کہ یہود کی تو فطرت ہی کج واقع ہوئی ہے، وہ آخری نبی کے ساتھ بدمعاملگی کرتے ہیں تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں، وہ تو اپنے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھی اس سے زیادہ برامعاملہ کرچکے ہیں، ایک آئینہ (واقعہ) دکھاتے ہیں، اس میں ان کی سچی تصویر سامنے آئے گی۔

واقعہ: حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں یعقوب علیہ السلام کی اولاد مصر میں جابسی تھی، ان کا اصلی وطن کنعان (فلسطین کا علاقہ) تھا، مصر میں یوسف علیہ السلام سے چار سو سال کے بعد موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے، بنی اسرائیل کو قبطیوں نے غلام بنا رکھا تھا، اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ ان کو غلامی سے نجات بخشی، جب وہ دریا عبور کرکے میدانِ سینا میں پہنچے تو سوال پیدا ہوا کہ اب وہ کہاں جابسیں؟ ان کے وطن فلسطین پر عمالقہ نے قبضہ کرلیا تھا، چنانچہ اللہ کا حکم آیا کہ بنی اسرائیل عمالقہ سے لوہا لیں، جہاد کریں اور ان کو وہاں سے نکال دیں اور وہاں جابسیں۔

(۱) تَاهَ (ض) تَیۡهًا فی الأرض: بھٹکنا، سرگرداں پھرنا، وھو تائهٌ (۲) أَسِیَ (س) علیه وله: رنجیدہ ہونا، غم کرنا، فھو آسٍ۔

مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ بنی اسرائیل کی تعداد چھ لاکھ تھی، ان میں دو لاکھ عورتیں ہونگی، دو لاکھ بچے ہونگے، ایک لاکھ بوڑھے ہونگے، تو ایک لاکھ جنگ کے قابل جوان ہونگے، اتنی بڑی تعداد کے لئے عمالقہ سے نبرد آزما ہونا کیا مشکل تھا؟

چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے قوم سے خطاب کیا، پہلے ان کو اللہ کے احسانات یاد دلائے کہ اللہ تعالیٰ ماضی میں تم میں انبیاء مبعوث فرماتے رہے ہیں، اور مستقبل میں تمہارے لئے بادشاہت مقدر کردی ہے، اور تم کو ایسی نعمتیں دینے کا وعدہ فرمایا ہے جو جہانوں میں کسی کو نہیں دیں، جیسے عظیم المرتبت کتاب تورات شریف عنایت فرمائی، اور غذا کے لئے منّ وسلوی اتارا۔

پھر موسیٰ علیہ السلام مطلب پر آئے، اور فرمایا: تم بابرکت زمین فلسطین پر قابض عمالقہ سے جہاد کرو، اور اس سرزمین کو فتح کرکے وہاں جا بسو، اللہ تعالیٰ نے ازل سے وہ سرزمین تمہارے لئے لکھ دی ہے، اس لئے وہ تمہیں ضرور ملے گی، جہاد سے منہ مت موڑو، ورنہ نقصان اٹھاؤ گے!

قوم نے آپ کو جواب دیا: وہاں کے لوگ بہت طاقتور ہیں، بڑے ڈیل ڈول کے مالک ہیں، ہم ان سے مقابلہ نہیں کرسکتے، اور جب تک وہ وہاں ہیں ہم وہاں نہیں جائیں گے، ہاں اگر وہ وہاں سے ہٹ جائیں تو ہم وہاں ضرور جائیں گے۔

اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے بارہ قبائل کے سرداروں کو دشمن کے ملک کا جائزہ لینے کے لئے روانہ کیا، جہاد کے لئے یہ کام ضروری ہے، سردار گئے، انھوں نے وہاں خوش حالی دیکھی، باغ و بہار دیکھی، زرخیز زمین دیکھی، اور لوگوں کو توانا تنومند پایا، انھوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ قوم کے سامنے یہاں کی برکات بیان کی جائیں، اور لوگوں کے طاقتور ہونے کی بات بیان نہ کی جائے، تاکہ قوم کے حوصلے پست نہ ہو جائیں، مگر ان میں سے دس نے عہد کی پابندی نہیں کی، اور عمالقہ سے قوم کو ڈرا دیا، صرف یوشع اور کالب نے عہد کی پابندی کی، یہی دو حضرات بعد میں پیغمبر بنے ہیں، انھوں نے قوم سے کہا: عمالقہ کھوکھلے تنے ہیں، تم ہمت کرکے ایک مرتبہ شہر پناہ کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ، وہ بھاگتے نظر آئیں گے، مگر قوم کی بزدلی ٹس سے مس نہ ہوئی۔ انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کو ٹکا سا جواب دیدیا کہ ہم تو وہاں جب تک وہ لوگ وہاں ہیں قدم ہی نہیں رکھیں گے، آپ اور آپ کا ربّ جائیں اور جنگ کریں، اور ان کو وہاں سے نکالیں، ہم یہاں بیٹھے انتظار کرتے ہیں، جب علاقہ خالی ہو جائے تو ہمیں آ کر لے جائیں، ہم ضرور وہاں جائیں گے۔

اس جواب سے موسیٰ علیہ السلام کا دل ٹوٹ گیا، ہاتھ اٹھائے اور دعا کی: الٰہی! میرا اختیار صرف اپنی ذات پر اور میرے بھائی پر ہے، ہمیں ان ناہنجاروں سے جدا کردیجئے، اب ہم ان کے ساتھ رہنا نہیں چاہتے!

یہ دعا تو قبول نہیں ہوئی، دونوں کو بنی اسرائیل کے ساتھ رہنا پڑا، البتہ بابرکت زمین بنی اسرائیل پر چالیس سال کے لئے حرام کردی گئی، اس عرصہ میں ان کو وہاں جانا نصیب نہ ہوا، میدانِ تیہ میں بھٹکتے پھرے، اور موسیٰ علیہ السلام کو دلاسا دیا

کہ آپ اس نالائق قوم پر کچھ افسوس نہ کریں! انھوں نے خود ہی اپنے پیروں پر کلہاڑی ماری ہے!

پھر میدانِ تیہ کی اسارت کے زمانہ میں موسیٰ وہارون علیہما السلام دنیا سے چل بسے اور یوشع علیہ السلام نبی بنے، قوم نے ان سے درخواست کی کہ ان پر بادشاہ مقرر کیا جائے، جس کی سرکردگی میں وہ عمالقہ سے جہاد کریں، چنانچہ طالوت کو بادشاہ مقرر کیا، انھوں نے جہاد کیا اور ملک فتح کر کے عمالقہ کو وہاں سے نکال دیا اور بنی اسرائیل کو وہاں بسایا۔

اس واقعہ میں غور کرو، یہود نے اپنے پیغمبر کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ اگر وہ آج آخری نبی ﷺ کے ساتھ برا معاملہ کرتے ہیں تو تعجب کی بات نہیں، کتے کی دُم ہمیشہ ٹیڑھی رہتی ہے، لہٰذا مسلمان سمجھ جائیں کہ وہ ان کے دشمن ہیں، وہ ان سے ہمیشہ چوکنا رہیں۔

آیاتِ کریمہ: اور (یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! تم اپنے اوپر اللہ کے انعام کو یاد کرو ــــــ آگے انہی احسانات کا ذکر ہے ــــــ جب اس نے تم میں سے انبیاء بنائے، اور تم کو بادشاہ بنایا ــــــ یعنی تمہارے لئے آئندہ بادشاہت مقدر کی ہے، جو جہاد ہی سے حاصل ہوگی، پس یہ آگے کی تمہید ہے ــــــ اور تمہیں وہ چیزیں عنایت فرمائیں جو جہانوں میں سے کسی کو نہیں دیں ــــــ جیسے فرعون کی غلامی سے نجات دی، اور تمہاری نجات کے لئے بحر قلزم کو پھاڑ دیا، اور کھانے کے لئے منّ وسلویٰ اتارا، اور تمہاری ہدایت کے لئے تورات شریف عنایت فرمائی۔

اے میری قوم! تم بابرکت زمین میں پہنچ جاؤ، جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دی ہے ــــــ اللہ نے ابراہیم علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام سے اس کا وعدہ کیا تھا ــــــ اور تم (جہاد سے) اپنی پیٹھیں مت پھیرو، ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔

ان لوگوں نے جواب دیا: اے موسیٰ! وہاں طاقتور لوگ ہیں، جب تک وہ وہاں سے نہ نکل جائیں ہم وہاں ہرگز نہیں جائیں گے، البتہ اگر وہ وہاں سے نکل جائیں تو ہم وہاں ضرور جائیں گے۔

دو آدمیوں (یوشع اور کالب) نے کہا، جو اللہ سے ڈرتے ہیں، جن پر اللہ نے فضل فرمایا ہے ــــــ یعنی بعد میں ان کو نبوت سے سرفراز فرمایا ہے، دونوں نے قوم کو سمجھایا: ــــــ تم ان پر (شہر پناہ کے) دروازے میں داخل ہو جاؤ، پس جب تم اس میں داخل ہو جاؤ گے تو ضرور تم ہی غالب ہو جاؤ گے ــــــ اور وہ بھاگتے نظر آئیں گے ــــــ اور اللہ ہی پر بھروسہ کرو، اگر تم ایمان والے ہو!

انھوں نے کہا: اے موسیٰ! جب تک وہ لوگ وہاں موجود ہیں ہم وہاں قدم بھی نہ رکھیں گے، لہٰذا آپ اور آپ کے پروردگار جائیں اور جنگ کریں، ہم یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔

موسیٰ نے دعا کی: اے میرے پروردگار! میں صرف اپنا اور اپنے بھائی کا مالک ہوں، لہٰذا آپ ہمارے اور نافرمان قوم

کے درمیان جدائی کردیجیے!

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ سرزمین ان پر چالیس سال تک کے لئے حرام کردی گئی ہے، وہ وادیٔ سینا میں بھٹکتے پھریں گے، لہٰذا آپ نافرمان قوم کا کچھ افسوس نہ کریں!

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ۭ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ۭ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۷﴾ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْۗاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ۭ قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿۳۱﴾

وَاتْلُ	اور پڑھیے	مِنْ اَحَدِهِمَا	دونوں میں سے ایک کی	مِنَ الْمُتَّقِيْنَ	پرہیزگاروں سے
عَلَيْهِمْ	ان کے سامنے	وَلَمْ يُتَقَبَّلْ	اور نہیں قبول کی گئی	لَئِنْۢ بَسَطْتَّ	بخدا! اگر لمبا کیا تو نے
نَبَاَ ابْنَيْ	دو بیٹوں کی خبر	مِنَ الْاٰخَرِ	دوسرے کی طرف سے	اِلَيَّ يَدَكَ	میری طرف اپنا ہاتھ
اٰدَمَ	آدم کے	قَالَ	کہا اس نے	لِتَقْتُلَنِيْ	تاکہ قتل کرے تو مجھے
بِالْحَقِّ (۱)	برحق	لَاَقْتُلَنَّكَ	ضرور قتل کروں گا تجھ کو	مَآ اَنَا	نہیں ہوں میں
اِذْ قَرَّبَا	جب دونوں نے قربانی	قَالَ	کہا اس نے	بِبَاسِطٍ	لمبا کرنے والا
	پیش کی	اِنَّمَا	اس کے سوا نہیں کہ	يَّدِيَ اِلَيْكَ	میرا ہاتھ تیری طرف
قُرْبَانًا	کوئی قربانی	يَتَقَبَّلُ	قبول فرماتے ہیں	لِاَقْتُلَكَ	کہ قتل کروں میں تجھے
فَتُقُبِّلَ	پس قبول کی گئی	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	اِنِّيْٓ اَخَافُ	بیشک میں ڈرتا ہوں

(۱) بالحق: نبأ کا حال ہے، جو اُتل کا مفعول بہ ہے۔

اللهَ	الله سے	لَهٗ نَفْسُهٗ	اس کو اس کے جی نے	سَوْءَةَ	لاش
رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ	جو تمام جہانوں کے رب ہیں	قَتْلَ اَخِيْهِ	اپنے بھائی کے قتل پر	اَخِيْهِ	اپنے بھائی کی
اِنِّيْٓ اُرِيْدُ	بیشک میں چاہتا ہوں	فَقَتَلَهٗ	پس قتل کردیا اس کو	قَالَ	کہا اس نے
اَنْ تَبُوْٓاَ (۱)	کہ لوٹے تو	فَاَصْبَحَ	پس ہوگیا	يٰوَيْلَتٰٓى	ہائے میری کم بختی!
بِاِثْمِيْ	میرے گناہ کے ساتھ	مِنَ الْخٰسِرِيْنَ	ٹوٹا پانے والوں سے	اَعَجَزْتُ	کیا عاجز رہ گیا میں
وَاِثْمِكَ	اور اپنے گناہ کے ساتھ	فَبَعَثَ	پس بھیجا	اَنْ اَكُوْنَ	اس سے کہ ہوؤں میں
فَتَكُوْنَ	پس ہوجائے تو	اللّٰهُ	اللہ نے	مِثْلَ	مانند
مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ	دوزخ والوں میں سے	غُرَابًا	ایک کوّا	هٰذَا الْغُرَابِ	اس کوّے کے
		يَّبْحَثُ	کرید رہا ہے وہ	فَاُوَارِيَ	پس چھپاؤں میں
وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا (۲)	اور یہ بدلہ ہے	فِي الْاَرْضِ	زمین میں	سَوْءَةَ اَخِيْ (۴)	لاش میرے بھائی کی
الظّٰلِمِيْنَ	ستم ڈھانے والوں کا	لِيُرِيَهٗ	تاکہ دکھائے اس کو	فَاَصْبَحَ	پس ہوگیا وہ
فَطَوَّعَتْ (۳)	پس آمادہ کیا	كَيْفَ يُوَارِيْ	کیسے چھپائے وہ	مِنَ النّٰدِمِيْنَ	پشیمانوں سے

دشمن ہمیشہ غیر نہیں ہوتا، اپنے بھی دشمن ہوتے ہیں، بھائی بھائی کا گلا کاٹتا ہے

مضمون یہ چلا آرہا ہے کہ مشرکین، یہود اور نصاریٰ تمہارے دشمن ہیں، وہ ہر وقت تمہارے نقصان کے درپے رہتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت کرتے ہیں، یہ تم پر اللہ کا بڑا احسان ہے۔ اب ایک واقعہ کے ضمن میں یہ بتاتے ہیں کہ دشمن ہمیشہ غیر نہیں ہوتا، کبھی اپنے بھی دشمن ہوتے ہیں، بھائی بھائی کا گلا کاٹتا ہے!

واقعہ: آدم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے: ہابیل اور قابیل، ہابیل اچھا لڑکا تھا، اور قابیل نا قابل تھا، دونوں نے بھینٹ دی، دونوں کا مقصد اللہ کی نزدیکی حاصل کرنا تھا ـــــ دونوں نے کس مقصد سے قربانی دی تھی؟ اور کس چیز کی قربانی دی تھی؟ یہ بات کسی حدیث میں نہیں آئی، اور آثار کے درپے ہونا بے فائدہ ہے ـــــ ہابیل نے اخلاص سے قربانی پیش کی تھی، اس لئے قبول ہوئی، آسمان سے سفید آگ آئی اور قربانی کو خاکستر کرگئی، اور قابیل کے دل میں کھوٹ تھا، اس کی قربانی قبول نہیں ہوئی، پڑی رہ گئی، اس پر وہ جل بھن گیا، اس نے ہابیل کو دھمکی دی کہ میں تجھ کو قتل کر کے رہونگا!

---

(۱) بَاءَ بِالشیئِ و إلیه (ن) بَوْءً ا: لوٹنا (۲) ذلك: اللہ کا اضافہ ہے (۳) طَوَّعَ (تفعیل) له نفسُه كذا: کسی بات پر دل کا آمادہ ہونا، رضامند ہونا، کسی کے نفس کا کسی چیز کو پسندیدہ بنادینا (۴) سَوْءَ ة: بری چیز، شرمگاہ، یہاں لاش مراد ہے، وہ بری لگتی ہے۔

ہابیل نے کہا: اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کی بھینٹ قبول کرتے ہیں، تیری قربانی عدم اخلاص کی وجہ سے قبول نہیں ہوئی، اس میں میرا کیا قصور؟ اور سن لے! اگر تو نے مجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو میں تجھے قتل کرنے کی ہرگز کوشش نہیں کروں گا، قتل سنگین گناہ ہے، مجھے اللہ رب العالمین کا ڈر لگتا ہے، اور تو یہ حرکت کرے گا تو اپنے گناہوں کے ساتھ میرے گناہ بھی ڈھوئے گا، اور جہنم میں جائے گا ـــــ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ستم گاروں کی یہی سزا ہے!

پھر کیا ہوا؟ قابیل کے نفس نے اس کو آمادہ کیا کہ وہ اپنے بھائی کو قتل کردے، چنانچہ وہ یہ حرکت کر گذرا، اور بڑے خسارہ میں پڑ گیا، حدیث میں ہے کہ جو بھی ناحق قتل ہوتا ہے: اس کے گناہ کا ایک حصہ قابیل کو پہنچتا ہے، کیونکہ اس نے ناحق قتل کی طرح ڈالی!

قتل تو کردیا، مگر اب اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ بھائی کی لاش کو کیا کرے؟ پس اللہ تعالیٰ نے ایک کوا بھیجا، جس نے قابیل کے سامنے زمین کریدی، قابیل سمجھ گیا کہ لاش کو زمین میں گاڑ دیا جائے، اس وقت اس نے افسوس کیا کہ میرے پاس تو کوے جتنی بھی عقل نہیں! مگر اب اس بے وقوفی کا علاج کیا!

عبادت اگر اخلاص سے خالی ہو تو عامل کے منہ پر ماردی جاتی ہے

فائدہ: آیت میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ شروع ہی سے مردہ کو زمین میں دفن کرنے کا طریقہ رہا ہے، نہ کہ لاش کو جلانے کا، دفن کرنے میں مردہ کا احترام بھی ہے اور ماحولیاتی آلودگی سے حفاظت بھی، جلانے میں انسان کی بے حرمتی بھی ہے، عام طور پر کپڑے پہلے جل جاتے ہیں، اس لئے بے پردگی بھی ہوتی ہے، نیز اس سے فضائی آلودگی پیدا ہوتی ہے، جب کہ مٹی میں آلودگی کو جذب کرنے اور تحلیل کرنے کی قدرتی صلاحیت ہوتی ہے، اس لئے دفن کرنے سے آلودگی پیدا نہیں ہوتی (آسان تفسیر)

آیاتِ کریمہ: اور آپ لوگوں کو آدم کے دو بیٹوں کا بالکل سچا واقعہ پڑھ کر سنائیے، جب دونوں نے بھینٹ دی اللہ کی نزدیکی حاصل کرنے کے لئے تو ان میں سے ایک کی نیاز قبول کرلی گئی، اور دوسرے کی قبول نہیں کی گئی، اِس دوسرے نے کہا: میں تجھ کو قتل کرکے رہونگا، پہلے نے کہا: اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں ہی کی طرف سے قبول کرتے ہیں، بخدا! اگر تو نے مجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو میں تجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ نہیں بڑھاؤں گا، میں یقیناً اللہ سے ڈرتا ہوں جو تمام جہانوں کے پالنہار ہیں، بے شک میں چاہتا ہوں کہ تو اپنے گناہ کے ساتھ میرے گناہ کا بھی بوجھ اٹھالے، پس تو دوزخیوں میں سے ہوجائے ـــــ اور یہی ستم گاروں کی سزا ہے!

پس اس کو اس کے جی نے اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کیا، چنانچہ اس کو قتل کرڈالا، پس وہ نقصان اٹھانے والوں میں

سے ہوگیا ـــــ پس اللہ نے ایک کوّا بھیجا، جو زمین کریدر ہا ہے، تا کہ اس کو دکھلائے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کو کس طرح چھپائے؟ ـــــ اس نے کہا: ہائے میری کم بختی! کیا میں اس کوّے سے بھی گیا گذرا ہو گیا کہ اپنے بھائی کی لاش کو چھپا تا! چنانچہ وہ پشیمان ہو کر رہ گیا!

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚۛ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَلَقَدْ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ۡ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ۝۳۲

مِنْ اَجْلِ	بایں وجہ	فِي الْاَرْضِ	زمین میں	جَمِيْعًا	ساروں کو
ذٰلِكَ		فَكَاَنَّمَا	تو گویا	وَلَقَدْ	اور بخدا! واقعہ یہ ہے
كَتَبْنَا	لکھا ہم نے	قَتَلَ	قتل کیا اس نے	جَاۗءَتْهُمْ	پہنچے ان کے پاس
عَلٰى بَنِيْٓ	بنی اسرائیل پر	النَّاسَ	لوگوں کو	رُسُلُنَا	ہمارے رسول
اِسْرَآءِيْلَ		جَمِيْعًا	سب کو	بِالْبَيِّنٰتِ	واضح دلائل کے ساتھ
اَنَّهٗ	کہ شان یہ ہے	وَمَنْ	اور جس نے	ثُمَّ اِنَّ	پھر بے شک
مَنْ قَتَلَ	جس نے قتل کیا	اَحْيَاهَا	زندہ کیا کسی نفس کو	كَثِيْرًا مِّنْهُمْ	بہت سے ان میں سے
نَفْسًا	کسی شخص کو	فَكَاَنَّمَآ	تو گویا	بَعْدَ ذٰلِكَ	اس کے بعد
بِغَيْرِ نَفْسٍ	کسی شخص کے بغیر	اَحْيَا	زندہ کیا اس نے	فِي الْاَرْضِ	زمین میں
اَوْ فَسَادٍ	یا فساد (کے بغیر)	النَّاسَ	لوگوں کو	لَمُسْرِفُوْنَ	حد سے بڑھنے والے ہیں

انسانی زندگی کا احترام

بلا وجہ کسی انسان کا قتل سنگین گناہ ہے

یہ ضمنی مضمون ہے، قابیل کے قتل پر متفرع ہے، اور ﴿ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ﴾ میں معانقہ ہے، معانقہ عُنُق (گردن) سے باب مفاعلہ ہے، اس میں اشتراک ہوتا ہے، اگر دائیں گردن دائیں گردن سے ملائی جائے تو آدھا معانقہ ہے، پھر

بائیں گردن بائیں گردن سے ملائی جائے تو پورا معانقہ ہے، بس، تیسری مرتبہ گردن ملانے کی ضرورت نہیں۔

اور قرآنِ کریم میں معانقہ یہ ہے کہ کسی ٹکڑے کا دونوں طرف کے مضمون سے تعلق ہو، جیسے سورۃ البقرۃ کی دوسری آیت ﴿ فِيۡهِ ﴾ میں معانقہ ہے، اس کا تعلق ﴿ لَا رَيۡبَ ﴾ کے ساتھ بھی ہوسکتا ہے، اور ﴿ هُدًى ﴾ کے ساتھ بھی، پہلی صورت میں مطلب ہوگا: قرآن میں ادنی شک نہیں، اور دوسری صورت میں مطلب ہوگا: قرآن میں پرہیزگاروں کے لئے راہ نمائی ہے، اور قرآن میں معانقہ کی علامت پہلے اور بعد میں تین تین نقطے ہیں۔

اور یہاں ﴿ مِنۡ اَجۡلِ ذٰلِكَ ﴾ میں معانقہ ہے، اس کا تعلق ﴿ فَاَصۡبَحَ مِنَ النّٰدِمِيۡنَ ﴾ کے ساتھ بھی ہوسکتا ہے، اور ﴿ كَتَبۡنَا ﴾ کے ساتھ بھی، پہلی صورت میں ﴿ ذٰلِكَ ﴾ کا مشار الیہ کوّے کی راہ نمائی ہوگی، اور دوسری صورت میں قتل کا واقعہ مشار الیہ ہوگا، پہلی صورت میں مطلب ہوگا: کوے کی راہ نمائی کی وجہ سے قابیل پشیمان ہوا کہ میرے پاس اس پرندے جتنی بھی عقل نہیں! اور دوسری صورت میں مطلب ہوگا کہ انسانوں میں قتل شروع ہوگیا، اس لئے تورات میں وعید نازل ہوئی۔

سوال: قتلِ ناحق کی سنگینی تو ہمیشہ سے ہے، پھر تورات کی تخصیص کیوں کی؟

جواب: تورات سے پہلے کے صحیفے موجود نہیں، آج اللہ کی کتابوں میں سے تورات ہی موجود ہے، اس لئے اس کا حوالہ دیا، پس سابقہ کتابوں کی نفی نہیں کی کہ ان میں یہ مضمون نہیں تھا۔

تفسیر: بایں وجہ: یعنی قابیل نے بھائی کو ناحق قتل کیا اور انسانوں میں ناحق قتل کا سلسلہ شروع ہوا تو تورات میں یہ مضمون اتارا کہ جو شخص کسی کو ناحق قتل کرتا ہے وہ انسانی زندگی کا احترام نہیں جانتا، پس وہ بہت سے انسانوں کو قتل کرسکتا ہے، حدیث شریف میں ایک اسرائیلی کا واقعہ ہے، اس نے ننانوے قتل کئے تھے، پھر توبہ کرنی چاہی، ایک بزرگ سے مسئلہ پوچھا کہ میری توبہ قبول ہوگی؟ اس نے جواب دیا: نہیں، ایک قتل بخشا نہیں جاتا، ننانوے کیسے بخشے جائیں گے؟ اس نے اس بزرگ کو بھی قتل کردیا، اور سو کی تعداد پوری کرلی (بخاری شریف حدیث ۳۴۷۰) اسی طرح قاتل جیل سے نکلتے ہی قتل کرتا ہے، اس کے نزدیک انسانی زندگی کا کوئی احترام نہیں —— اور جو شخص انسانی زندگی کی اہمیت اور حرمت سمجھتا ہے وہ لوگوں کی جانیں بچاتا ہے، خود کو خطرہ میں ڈالتا ہے اور ڈوبتے کو بچاتا ہے، یہ سب کو زندہ کرنا ہے۔

یہ بلیغ مضمون تورات میں نازل کیا، پھر بنی اسرائیل میں مسلسل انبیاء مبعوث ہوتے رہے، ان کے پاس نبوت کے واضح دلائل ہوتے تھے، وہ لوگوں کو یہ بات یاد دلاتے رہتے تھے، مگر افسوس! اکثر لوگ یاد دہانی کے باوجود ایک دوسرے پر زیادتی کرتے رہے، انبیاء کو قتل کرتے رہے، اور آخر میں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا پلان بنایا، مگر اللہ نے اپنے حبیب کی حفاظت کی! —— البتہ قتلِ عمد کے قصاص میں یا باغیوں اور ڈاکوؤں کو قتل کرنا جائز ہے۔

فائدہ: گذشتہ شریعتوں کی کوئی بات بغیر نکیر کے قرآن وحدیث میں نقل کی جائے تو وہ حکم ہمارے لئے بھی ہوتا ہے۔
آیتِ پاک: بایں وجہ: ہم نے بنی اسرائیل پر لکھا کہ جس نے کسی شخص کو قتل کیا ــــ بغیر کسی کو قتل کیے ہوئے، اور بغیر زمین میں فساد کرتے ہوئے ــــ تو گویا اس نے سبھی انسانوں کو قتل کیا، اور جس نے کسی کی جان بچائی تو گویا اس نے سبھی انسانوں کی جان بچائی! ــــ اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ان کے پاس ہمارے رسول پہنچے، کھلی دلیلوں کے ساتھ، پھر بھی ان کی اکثریت بعثتِ انبیاء کے بعد بھی زمین میں حد سے بڑھتی رہی!

إِنَّمَا جَزَٰٓؤُا الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَن يُقَتَّلُوٓا أَوْ يُصَلَّبُوٓا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم مِّنْ خِلَافٍ أَوْ يُنفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ۚ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا ۖ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٣٣﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِن قَبْلِ أَن تَقْدِرُوا عَلَيْهِمْ ۖ فَاعْلَمُوٓا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٣٤﴾ ع

إِنَّمَا	اس کے سوانہیں کہ	أَوْ تُقَطَّعَ	یا کاٹے جائیں	عَذَابٌ	سزا ہے
جَزَٰٓؤُا	سزا	أَيْدِيهِمْ	ان کے ہاتھ	عَظِيمٌ	بڑی
الَّذِينَ	ان کی جو	وَأَرْجُلُهُم	اور ان کے پاؤں	إِلَّا الَّذِينَ	مگر جنھوں نے
يُحَارِبُونَ	لڑتے ہیں	مِّنْ خِلَافٍ	مخالف جانب سے	تَابُوا	توبہ کرلی
اللَّهَ	اللہ	أَوْ يُنفَوْا (۲)	یا دور کردیئے جائیں وہ	مِن قَبْلِ أَن (۳) تَقْدِرُوا	تمہارے قابو پانے سے پہلے
وَرَسُولَهُ	اور اس کے رسول سے	مِنَ الْأَرْضِ	زمین سے		
وَيَسْعَوْنَ	اور دوڑتے ہیں	ذَٰلِكَ لَهُمْ	یہ ان کے لئے	عَلَيْهِمْ	ان پر
فِي الْأَرْضِ	زمین میں	خِزْيٌ	رسوائی ہے	فَاعْلَمُوٓا	تو جان لو
فَسَادًا (۱)	فساد مچاتے ہوئے	فِي الدُّنْيَا	دنیا میں	أَنَّ اللَّهَ	کہ اللہ تعالیٰ
أَن يُقَتَّلُوٓا	کہ قتل کیے جائیں وہ	وَلَهُمْ	اور ان کے لئے	غَفُورٌ	بڑے بخشنے والے
أَوْ يُصَلَّبُوٓا	یا سولی دیئے جائیں	فِي الْآخِرَةِ	آخرت میں	رَّحِيمٌ	بڑے مہربان ہیں

(۱) فسادًا: یسعون کی ضمیر سے حال ہے اور مفعول لہٗ بھی ہوسکتا ہے، ترجمہ حال کا کیا ہے (۲) نَفَی الشيءَ (ض) نَفْيًا: ہٹانا۔ دور کرنا۔ (۳) أن: مصدریہ ہے۔

اپنے بھی دشمن ہوتے ہیں: اس کی ایک مثال

باغیوں اور راہ زنوں کی سزائیں

کچھ لوگ حکومت کے خلاف بغاوت کرتے ہیں، اور مسلمانوں کا قتل شروع کرتے ہیں، اور کچھ لوگ راہ زنی کا پیشہ اختیار کرتے ہیں، اور لوگوں کو مارتے کاٹتے اور لوٹتے ہیں: ان باغیوں اور راہ زنوں سے سختی کے ساتھ نمٹا جائے، یہ اپنے ہیں یعنی مسلمان ہیں، مگر مسلمانوں کو پریشان کرتے ہیں، اس لئے وہ دشمن ہیں، ان کے لئے چار سزائیں ہیں، یا تو ان کو تہہ تیغ کردیا جائے، یا ان کو سولی پر لٹکا دیا جائے، یا مخالف جانب سے ان کے ہاتھ پیر کاٹ کر ان کا علاج کرلیا جائے، یا ان کو پابند سلاسل کردیا جائے، تاکہ زمین ان کے شر وفساد سے محفوظ ہوجائے، البتہ جو لوگ قابو میں آنے سے پہلے توبہ کرلیں ان کو سزا نہ دی جائے۔

اور باغیوں اور راہ زنوں کے لئے سخت سزا اس لئے ہے کہ وہ چور کی طرح تنہا نہیں ہوتے، ان کا بڑا اجتماع ہوتا ہے، اور ان میں دلیری اور بے باکی ہوتی ہے، اس لئے وہ بے پرواہ ہوکر مار دھاڑ کرتے ہیں، اور لوگوں کے اموال لوٹتے ہیں، اس لئے ان کا فساد چوروں کے فساد سے زیادہ سخت ہے، اس لئے ضروری ہوا کہ ان کی سزائیں چوروں کی سزا سے بھاری ہوں۔

پھر مجتہدین میں دو باتوں میں اختلاف ہوا:

ایک: آیت میں حرفِ أو کیسا ہے؟ تقسیم کے لئے ہے یا تخییر کے لئے؟ جمہور کے نزدیک تقسیم کے لئے ہے، پس اگر باغیوں اور راہ زنوں نے صرف قتل کیا ہے، مال نہیں لوٹا تو ان کو قتل کیا جائے، اور مال بھی لوٹا ہے تو ان کو سولی دی جائے، اور صرف مال لوٹا ہے تو مخالف جانب سے ہاتھ پیر کاٹے جائیں، یعنی دایاں ہاتھ پہنچے سے اور بایاں پیر ٹخنہ سے کاٹ دیا جائے، اور پہلے دورانِ خون روک لیا جائے، پھر علاج کر کے دونوں کو ٹھیک کرلیا جائے، اور اگر صرف ڈرایا دھمکایا ہے، نہ قتل کیا ہے نہ مال لوٹا ہے تو امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک اس کو قید میں ڈال دیا جائے، تاآنکہ وہ سچی توبہ کرے، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس کو جلاوطن کردیا جائے۔

اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک أو تخییر کے لئے ہے، یعنی چند چیزوں میں اختیار دینے کے لئے ہے، پس امیر المؤمنین کو اختیار ہے: باغیوں اور ڈاکوؤں کی قوت وشوکت اور جرم کی شدت وخفت پر نظر کر کے جو سزا مناسب سمجھے دے۔

دوم: چوتھی سزا ازمین سے دور کرنا ہے، اس کا مطلب امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک قید کرنا ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ملک بدر کرنا ہے۔

آیتِ کریمہ: ان لوگوں کی سزا یہی ہے جو اللہ اور اس کے رسول سے برسرِ پیکار ہیں ـــــ یعنی مسلمانوں سے لڑتے

ہیں ـــــ اور زمین میں فساد مچاتے پھرتے ہیں کہ وہ قتل کئے جائیں، یا سولی پر لٹکائے جائیں، یا مخالف جانب سے ان کے ہاتھ پیر کاٹے جائیں، یا وہ زمین سے دور کئے جائیں، یہ دنیا میں ان کے لئے رسوائی ہے، اور آخرت میں ان کے لئے بڑا عذاب ہے!

مگر جن لوگوں نے تمہارے ان پر قابو پانے سے پہلے توبہ کرلی تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بڑے مہربان ہیں ـــــ یعنی ان کو کوئی سزا مت دو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۳۵﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ أَنَّ لَهُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لِيَفْتَدُوا بِهِ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۳۶﴾ يُرِيدُونَ أَنْ يَخْرُجُوا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنْهَا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُقِيمٌ ﴿۳۷﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ	اے وہ لوگو جو	فِي سَبِيلِهِ	اس کی راہ میں	جَمِيعًا	سارا
آمَنُوا	ایمان لائے	لَعَلَّكُمْ	تاکہ تم	وَمِثْلَهُ	اور اس کے مانند
اتَّقُوا اللَّهَ	ڈرو اللہ سے	تُفْلِحُونَ	کامیاب ہوؤ	مَعَهُ	اس کے ساتھ
وَابْتَغُوا	اور ڈھونڈو	إِنَّ الَّذِينَ	بےشک جنھوں نے	لِيَفْتَدُوا (۲)	تاکہ فدیہ دیں وہ
إِلَيْهِ	ان سے	كَفَرُوا	اسلام قبول نہیں کیا	بِهِ	اس کے ذریعہ
الْوَسِيلَةَ (۱)	قرب (نزدیکی)	لَوْ أَنَّ لَهُمْ	اگر ہو ان کے لئے	مِنْ عَذَابِ	عذاب سے
وَجَاهِدُوا	اور لڑو	مَا فِي الْأَرْضِ	جو کچھ زمین میں ہے	يَوْمِ الْقِيَامَةِ	قیامت کے دن

(۱) الوسیلة: مصدر اور اسم، وَسَلَ يَسِلُ وَسْلاً: پہنچنا، نزدیکی حاصل کرنا، الوسیلة: ذریعہ، جیسے کنویں میں پانی تک پہنچنے کا ذریعہ ڈول رسّی ہے، پس وہ وسیلہ ہے، جملہ طاعات بھی اللہ کے قرب کا ذریعہ ہیں اس لئے وہ وسیلہ ہیں، اور شفاعتِ کبریٰ کا مقام بھی اللہ کے قرب کا خاص مقام ہے اس لئے اس کو وسیلہ کہا گیا ہے۔ (۲) افتَدَى الأسيرَ: قیدی کو مال دے کر چھڑانا، الفِدَاء: جان بچانے یا آزاد کرانے کے لئے دیا جانے والا مال وغیرہ، فدیہ، بدل تقصیر، عبادت میں کوتاہی یا غلطی کا بدل جو اللہ کو پیش کیا جائے، جیسے روزے کا فدیہ یا حج میں جنایت کا کفارہ۔

مَا تُقُبِّلَ	نہیں قبول کیا جائے گا	يُرِيْدُوْنَ	چاہیں گے وہ	بِخٰرِجِيْنَ	نکلنے والے
مِنْهُمْ	ان سے	اَنْ يَّخْرُجُوْا	نکلنا	مِنْهَا وَلَهُمْ	اس سے اور ان کیلئے
وَلَهُمْ	اور ان کے لئے	مِنَ النَّارِ	دوزخ سے	عَذَابٌ	عذاب ہے
عَذَابٌ اَلِيْمٌ	دردناک سزا ہے	وَمَا هُمْ	اور نہیں ہونگے	مُّقِيْمٌ	دائمی

فتنہ ختم کرنے کے لئے جہاد ضروری ہے

دشمن: خواہ کوئی ہو، مشرک ہو، یہودی ہو، عیسائی ہو، باغی ہوں، یا چور ڈاکو ہوں: اگر فتنہ پیدا کریں اور مسلمانوں کا جینا حرام کردیں تو ان سے لوہا لینا ضروری ہے، فتنہ پردازوں کا زور توڑا جائے تاکہ مسلمان سکون کا سانس لیں، اور جہاد نیک مسلمان کریں، جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور گناہوں سے بچتے ہیں، تقوی: گناہوں سے بچنے کا نام ہے، اور جہاد کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے، وسیلہ تمام طاعات ہیں، ان کا ایک فرد جہاد ہے، نیک مسلمان جہاد کرکے اللہ کی نزدیکی حاصل کریں، اور جہاد کا دوسرا فائدہ کامیابی ہے، فتنہ ختم ہوجاتا ہے اور مسلمانوں کو چین نصیب ہوتا ہے۔

اور سب سے بڑا فتنہ کفر وشرک ہے، جہاد کے نتیجہ میں بہت سے بندوں کو دولتِ ایمان نصیب ہوتی ہے، حدیث میں ہے کہ اللہ کو وہ بندے پسند ہیں جو بیڑیوں میں جنت میں جاتے ہیں، یعنی جہاد میں گرفتار ہوکر آئے اور دولتِ ایمان مل گئی اور جنت میں پہنچ گئے!

اور اگر جہاد میں منکرینِ اسلام کا ہاتھ اونچا ہوگیا تو کیا ہوا؟ دنیا چند روزہ ہے، جھاگ پانی پر چھاتا ہے تو کیا وہ قیمتی چیز بن جاتا ہے؟ آخرت میں ان کے لئے کوئی کامیابی نہیں، دوزخ کی آگ ان کے لئے تیار ہے، آخرت میں اگر ان کے پاس زمین بھر کر دولت ہو، بلکہ دوگنی ہو، اور وہ عذابِ دوزخ سے بچنے کے لئے اس کو فدیہ میں دینا چاہیں تو ان سے ہرگز قبول نہیں کی جائے گی، اور ان کو دردناک عذاب سے سابقہ پڑے گا، وہ بار بار دوزخ سے نکلنے کی کوشش کریں گے، مگر ہر بار اندر دھکیل دیئے جائیں گے، کبھی وہاں سے نکلنا نصیب نہ ہوگا، وہ وہاں دائمی عذاب میں رہیں گے۔

آیتِ کریمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو! —— یعنی گناہوں سے بچو —— اور اس کی نزدیکی حاصل کرو —— یعنی طاعات اور فرماں برداری کے ذریعہ اس کا قرب ڈھونڈو —— اور اس کی راہ میں لڑو —— یہ طاعات کا ایک اعلی فرد ہے —— تاکہ تم (دارین میں) کامیاب ہوؤ!

بے شک جو لوگ ایمان نہیں لائے، اگر ان کے پاس تمام وہ چیزیں ہوں جو زمین میں ہیں، اور اتنی ہی اور بھی، تاکہ وہ ان کے ذریعہ قیامت کے دن عذاب سے بچ جائیں تو وہ ان سے ہرگز قبول نہیں کی جائے گی، اور ان کو دردناک عذاب

سے سابقہ پڑے گا ـــــ وہ چاہیں گے کہ دوزخ سے نکل جائیں، مگر وہ اس سے نکلنے والے نہیں، اور ان کے لئے دائمی عذاب ہے!

وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۳۸﴾ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَ اَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۹﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۰﴾

وَ السَّارِقُ	اور چوری کرنے والا مرد	فَمَنْ تَابَ	پس جس شخص نے توبہ کرلی	لَهٗ مُلْكُ	کے لئے حکومت ہے
وَ السَّارِقَةُ	اور چوری کرنے والی عورت	مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ	اس کے حق تلفی کرنے	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں
فَاقْطَعُوْٓا	پس کاٹو تم		کے بعد	وَ الْاَرْضِ	اور زمین کی
اَيْدِيَهُمَا	دونوں کے ہاتھ	وَ اَصْلَحَ (۲)	اور سنور گیا	يُعَذِّبُ	سزا دیتے ہیں
جَزَآءًۢ	سزا کے طور پر	فَاِنَّ اللّٰهَ	تو بے شک اللہ تعالیٰ	مَنْ يَّشَآءُ	جسے چاہتے ہیں
بِمَا كَسَبَا	ان کی کمائی کی	يَتُوْبُ عَلَيْهِ	توجہ فرمائیں گے اس کی طرف	وَ يَغْفِرُ	اور معاف کرتے ہیں
نَكَالًا (۱)	عبرت کے طور پر	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	لِمَنْ يَّشَآءُ	جسے چاہتے ہیں
مِّنَ اللّٰهِ	اللہ کی طرف سے	غَفُوْرٌ	بڑے بخشنے والے	وَ اللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
وَ اللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	رَّحِيْمٌ	بڑے مہربان ہیں	عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز پر
عَزِيْزٌ	زبردست	اَلَمْ تَعْلَمْ	کیا آپ جانتے نہیں	قَدِيْرٌ	پوری قدرت رکھنے
حَكِيْمٌ	بڑے حکمت والے ہیں	اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ تعالیٰ		والے ہیں

چوری کی سزا

بغاوت اور ڈکیتی کی سزا کے بعد اب چوری کی سزا بیان فرماتے ہیں، چوری کی سزا پہنچے سے دایاں ہاتھ جدا کرنا ہے، پہلے دورانِ خون بند کردیا جائے گا، پھر ہاتھ سُن کرلیں گے، پھر کاٹ دیں گے، پھر علاج کریں گے، جب ہاتھ درست ہوگا

(۱) النکال: اسم: عبرتناک سزا (۲) أصلح: لازم: سنور گیا، متعدی: خود کو سنوار لیا۔

تو رخصت کریں گے، اور چوری کی تمام صورتوں میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، بلکہ یہ سزا اس صورت میں نافذ کی جاتی ہیں جب چوری کی حقیقت اور شرائط متحقق ہوں، اور وہ یہ ہیں:

۱-چرایا ہوا مال کسی فرد یا جماعت کی ذاتی ملکیت ہو، چرانے والے کی نہ اس میں ملکیت ہو، نہ ملکیت کا شبہ۔

۲-مال محفوظ ہو، مقفل ہو، یا ایسی جگہ ہو جہاں نہ آنے کی اجازت ہو نہ مال لینے کی۔

۳-بے اجازت لے، اگر اجازت کا شبہ بھی پیدا ہو جائے گا تو حد جاری نہیں ہوگی۔

۴-چپکے سے لے، علانیہ لینا سرقہ نہیں، غصب ہے۔

۵-قیمتی چیز لے، شرعاً یا عرفاً جو چیزیں معمولی سمجھی جاتی ہیں: ان کا لینا سرقہ نہیں۔

۶-بقدر نصاب چرائے، اس سے کم میں ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

نوٹ: جن صورتوں میں حد جاری نہیں ہوتی ان میں بھی قاضی اپنی صوابدید سے تعزیر کرے گا، کیونکہ کسی کا مال بے اجازت لینا حرام ہے۔

نصابِ سرقہ: کتنی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا؟ اس میں اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک نصابِ سرقہ چوتھائی دینار یا تین درہم ہیں، اور حنفیہ کے نزدیک ایک دینار یا دس درہم ہیں۔

جاننا چاہئے کہ نبی ﷺ سے اس سلسلہ میں کہ کتنی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے؟ کوئی تقدیر (اندازہ) مروی نہیں، صرف یہ مروی ہے کہ ایک شخص نے ڈھال چرائی تو آپؐ نے اس کا ہاتھ کاٹا، پھر اس ڈھال کی قیمت کا اندازہ کرنے میں صحابہ میں اختلاف ہوا، چوتھائی دینار بھی اس کا اندازہ کیا گیا، تین درہم بھی اور اس کے علاوہ بھی۔ اور ابن عباس اور عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم نے دس درہم اندازہ کیا، علاوہ ازیں ایک ضعیف روایات میں یہ ارشاد نبوی مروی ہے: لَاقَطْعَ اِلَّا فِيْ عَشْرَةِ دراهم یعنی دس درہم ہی میں ہاتھ کاٹا جائے، حنفیہ نے اس روایت کو اور ابن عباس وغیرہ نے جو ڈھال کی قیمت کا اندازہ کیا ہے: اس کو لیا ہے، یہ روایت اگرچہ کمزور ہے اور چوتھائی دینار اور تین درہم والی روایات اصح ما فی الباب ہیں مگر احناف نے یہ روایت دو وجہ سے لی ہے: ایک: چوتھائی دینار اور تین درہم والی روایات دس درہم والی روایت کے ضمن میں خود بخود آجاتی ہیں اس لئے ان پر بھی عمل ہو جاتا ہے۔ دوم: حدود میں احتیاط ضروری ہے اور احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ جو صورت حد کو ہٹانے والی ہو اس کو اختیار کیا جائے، مثلاً ایک شخص نے پانچ درہم چرائے، پس اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا، اب فرض کرو: نفس الامر میں قطع ید کی سزا لازم نہیں تھی اس وجہ سے کہ نصاب سرقہ دس درہم ہے تو یہ حد جاری کرنے میں غلطی ہوئی اور اگر نفس الامر میں قطع ید کی سزا لازم تھی پھر بھی ہاتھ نہ کاٹا گیا تو یہ حد

جاری نہ کرنے میں غلطی ہوئی، اور یہی بہتر ہے۔ پہلے یہ حدیث گذری ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جہاں تک ممکن ہو مسلمانوں سے حدود کو ہٹاؤ، اگر مجرم کے لئے کوئی بچنے کی راہ ہو تو اس کو چھوڑ دو، کیونکہ حاکم معاف کرنے میں غلطی کرے یہ بہتر ہے اس سے کہ سزا دینے میں غلطی کرے'' اس لئے احناف نے دس درہم نصاب سرقہ تجویز کیا ہے۔

سوال: ہاتھ کی دیت پانچ سو دینار ہے، پھر دس درہم یا ایک دینار چرانے میں ہاتھ کیوں کاٹا جاتا ہے؟

جواب: جو ہاتھ امین تھا وہ قیمتی تھا، جب چوری کرکے خائن ہوا تو بے قیمت ہوگیا!

سزا سے سزا کا ہوا بہتر ہے: حدّ: وہ شرعی سزا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے، جس میں رورعایت یا تبدیلی کا کسی کو کوئی حق نہیں۔ ایسی سزائیں صرف چار ہیں: زنا کی سزا، چوری کی سزا، تہمت لگانے کی سزا اور شراب پینے کی سزا، اول تین کا ذکر قرآنِ کریم میں ہے اور چوتھی کا حدیثوں میں، ان چار جرائم کے علاوہ دیگر جرائم کی سزائیں قاضی کی صوابدید پر موقوف ہیں، یہی وہ چار سزائیں ہیں جن کے بارے میں اغیار اور دانشور شور مچاتے ہیں کہ اسلام میں سخت سزائیں ہیں، بے شک یہ سخت سزائیں ہیں، مگر ان کو جاری کرنے کی نوبت بہت کم آتی ہے، کیونکہ ان سزاؤں کا ہوّا ایسا ہے کہ شیطان صفت لوگ سہمے رہتے ہیں، اور سزا سے بہتر سزا کا ہوّا ہے، پھر جو سزا جتنی مشکل ہے اس کا ثبوت بھی اتنا ہی مشکل ہے، زنا کے ثبوت کے لئے چار عینی گواہ ضروری ہیں، جبکہ زنا برسرِ عام نہیں کیا جاتا، پس اس کا ثبوت بھی مشکل ہے، اس لئے سزا جاری کرنے کی نوبت بہت کم آتی ہے، آپ سعودیہ اور یورپ و امریکہ کے جرائم کا تناسب دیکھیں، آپ حیرت میں رہ جائیں گے، یہ ہلکی سزاؤں اور سخت سزاؤں کے خوف کا اثر ہے، تفصیل کے لئے تحفۃ الالمعی (۳۵۴:۴) دیکھیں۔

چور کی گواہی: چور سزا جاری ہونے کے بعد توبہ کرلے تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی، اسی طرح ہر حد جاری کیا ہوا: جب توبہ کرلے تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی، البتہ حنفیہ کے نزدیک محدود در قذف کی گواہی توبہ کے بعد بھی مقبول نہیں، کیونکہ اس کی گواہی قبول نہ کرنا اس کی سزا کا جزء ہے۔

آیاتِ کریمہ: چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت: پس دونوں کے ہاتھ کاٹو، ان کی بدکرداری کے بدلہ میں، اللہ کی طرف سے عبرتناک سزا کے طور پر، اور اللہ تعالیٰ زبردست بڑی حکمت والے ہیں —— وہ زبردست ہیں جو چاہیں سزا تجویز کریں، اور اس سزا میں بڑی حکمت ہے، جو بھی کٹا ہوا ہاتھ دیکھے گا چوری کی ہمت نہیں کرے گا، اور لوگ کٹے ہوئے ہاتھ والے کو دیکھ کر اپنے سامان کی حفاظت کریں گے۔

پس جو شخص اپنی غلط کاری کے بعد توبہ کرلے، اور اپنی اصلاح کرلے تو بے شک اللہ تعالیٰ اس کی طرف توجہ فرمائیں گے، بے شک اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے، بڑے مہربان ہیں —— معلوم ہوا کہ حدود زواجر ہیں، کفارات نہیں، گناہ کی معافی کے لئے توبہ ضروری ہے۔

کیا آپ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ہی کی حکومت ہے آسمانوں اور زمین میں؟ سزا دیتے ہیں جسے چاہتے ہیں، اور بخشتے ہیں جسے چاہتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں!

يَاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ۭ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ۭ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ۭ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ښ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ۭ فَاِنْ جَاۗءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـــًٔا ۭ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۭ وَمَآ اُولٰۗىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ع

يَاَيُّهَا الرَّسُوْلُ	اے پیغمبر	مِنَ الَّذِيْنَ (۳)	ان لوگوں سے جنھوں نے	قُلُوْبُهُمْ	ان کے دل
لَا يَحْزُنْكَ (۱)	نہ رنجیدہ کریں آپ کو	قَالُوْٓا	کہا	وَمِنَ الَّذِيْنَ (۴)	اور ان لوگوں میں سے
الَّذِيْنَ	وہ لوگ جو	اٰمَنَّا	ایمان لائے ہم		جنھوں نے
يُسَارِعُوْنَ (۲)	دوڑ کر گرتے ہیں	بِاَفْوَاهِهِمْ	اپنے مونہوں سے	هَادُوْا	یہودیت اختیار کی
فِي الْكُفْرِ	کفر میں	وَلَمْ تُؤْمِنْ	جبکہ نہیں ایمان لائے	سَمّٰعُوْنَ (۵)	وہ بہت زیادہ سننے والے ہیں

(۱) حَزَنَ (ن) حزناً: غمگین کرنا، رنجیدہ کرنا (۲) سَارَعَ إلی کذا: سبقت کرنا، لپکنا، دوڑ کر پہنچ جانا، فی صلہ یقعون کے معنی کی تضمین کی وجہ سے آیا ہے، الذین یسارعون: لایحزنک کا فاعل ہے (۳) من الذین: مِن: بیانیہ ہے، یسارعون کے فاعل کا بیان ہے، یعنی دوڑ کر کفر میں گرنے والے منافقین ہیں (۴) یہ دوسرا من الذین: پہلے من الذین پر معطوف ہے (۵) سمعون: ھادوا کی پہلی صفت ہے ھم مبتدا محذوف کی خبر ہو کر۔

لِلْكَذِبِ	جھوٹی باتوں کو	لَهٗ	اس کے لئے	جَآءُوْكَ	آئیں وہ آپ کے پاس
سَمّٰعُوْنَ (۱)	بہت زیادہ سننے والے ہیں	مِنَ اللّٰهِ (۴)	اللہ کے بدل	فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ	تو آپ ان کے درمیان
لِقَوْمٍ	ایک دوسری جماعت	شَيْـًٔا	کسی چیز کے		فیصلہ کریں
اٰخَرِيْنَ	کی باتوں کو	اُولٰٓئِكَ	وہی لوگ	اَوْ اَعْرِضْ	یا آپ ٹلائیں
لَمْ يَاْتُوْكَ (۲)	جو آپ کے پاس نہیں آئی	الَّذِيْنَ	جو	عَنْهُمْ	ان کو
يُحَرِّفُوْنَ (۳)	بدلتے ہیں وہ	لَمْ يُرِدِ	نہیں چاہا	وَاِنْ تُعْرِضْ	اور اگر ٹلائیں آپ
الْكَلِمَ	باتوں کو	اللّٰهُ	اللہ نے	عَنْهُمْ	ان کو
مِنْۢ بَعْدِ	ان کے مواقع کے بعد سے	اَنْ يُّطَهِّرَ	پاک کرنا	فَلَنْ	تو ہرگز نہیں
مَوَاضِعِهٖ		قُلُوْبَهُمْ	ان کے دلوں کو	يَّضُرُّوْكَ	نقصان پہنچائیں گے
يَقُوْلُوْنَ	کہتے ہیں وہ	لَهُمْ	ان کے لئے		وہ آپ کو
اِنْ اُوْتِيْتُمْ	اگر دیئے جاؤ تم	فِي الدُّنْيَا	دنیا میں	شَيْـًٔا	کچھ بھی
هٰذَا	یہ (سزا)	خِزْيٌ	رسوائی ہے	وَاِنْ حَكَمْتَ	اور اگر فیصلہ کریں آپ
فَخُذُوْهُ	تو لو اس کو	وَّلَهُمْ	اور ان کے لئے	فَاحْكُمْ	تو فیصلہ کریں
وَاِنْ لَّمْ	اور اگر نہ	فِي الْاٰخِرَةِ	آخرت میں	بَيْنَهُمْ	ان کے درمیان
تُؤْتَوْهُ	دیئے جاؤ تم وہ	عَذَابٌ عَظِيْمٌ	بڑی سزا ہے	بِالْقِسْطِ	انصاف سے
فَاحْذَرُوْا	تو بچو تم	سَمّٰعُوْنَ	بہت زیادہ سننے والے	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
وَمَنْ يُّرِدِ	اور جو شخص چاہیں	لِلْكَذِبِ	جھوٹی باتوں کو	يُحِبُّ	پسند کرتے ہیں
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	اَكّٰلُوْنَ	بہت زیادہ کھانے والے	الْمُقْسِطِيْنَ	انصاف کرنے والوں کو
فِتْنَتَهٗ	اس کی گمراہی	لِلسُّحْتِ (۵)	حرام مال کو	وَكَيْفَ (۶)	اور کیسے
فَلَنْ تَمْلِكَ	تو ہرگز مالک نہیں آپ	فَاِنْ	پس اگر	يُحَكِّمُوْنَكَ	فیصلہ کراتے ہیں وہ آپ سے

(۱) دوسرا سمعون: هادوا کی دوسری صفت ہے (۲) لم یأتوك: قوم کی دوسری صفت ہے (۳) یحرفون بھی قوم کی تیسری صفت ہے۔ (۴) من الله: مِن: عوض کا ہے بمعنی بدل، جیسے: ﴿ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ﴾: کیا تم نے آخرت کے بدل دنیوی زندگی کو پسند کرلیا ہے؟ (۵) سُحت: حرام مال جو دین کو مونڈ دیتا ہے (۶) کیف: استفہام انکاری ہے۔

وَعِنْدَهُمُ	جبکہ ان کے پاس	حُكْمُ اللّٰهِ	اللہ کا حکم ہے	مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ	اس کے بعد
التَّوْرٰىةُ	تورات ہے	ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ	پھر روگردانی کرتے	وَمَآ اُولٰٓئِكَ	اور نہیں ہیں وہ
فِيْهَا	اس میں		ہیں وہ	بِالْمُؤْمِنِيْنَ	ایمان دار

تحریف بھی معنوی چوری ہے، جس کی سزا آخرت میں ملے گی (پہلی مثال)

ربط: گذشتہ آیات میں اموال کی چوری کی دنیوی سزا بیان کی تھی، یہ حسّی چوری تھی، جو جرم ہے، مگر آخری درجہ کا جرم نہیں، اب ان آیات میں معنوی چوری کا ذکر ہے، یعنی اللہ کی کتابوں کے احکام کو بدل دینا، تحریف کرنا، یہ بڑی بھاری چوری ہے، اس لئے اس کی سزا آخرت میں ملے گی۔

جو گناہ بھاری ہوتے ہیں ان کی سزا آخرت میں ملتی ہے، اس لئے کہ دنیا کی سزا ہلکی ہے، وہ ہلکے گناہوں کے مناسب ہے، دنیا فانی ہے، پس اس کی سزا بھی ختم ہو جانے والی ہے، اور آخرت ابدی ہے، پس اس کی سزا بھی دائمی ہے، اس لئے وہ بھاری سزا ہے، جو بھاری گناہوں کے مناسب ہے۔

مثلاً: کفر وشرک کی سزا آخرت میں دائمی جہنم ہوگی، یمین غموس بھاری گناہ ہے، حنفیہ کے نزدیک کفارہ سے وہ گناہ نہیں مٹ سکتا، یا توبہ کرے یا آخرت میں سزا پائے گا، اسی طرح تفسیر بالرائے بھاری گناہ ہے، یعنی نظریہ قائم کرکے نصوص کو توڑ مروڑ کر اس کے مطابق کرنا بھی تحریف ہے، جو سنگین گناہ ہے، اس کی سزا ہے: فَلْيَتَبَوَّأْ مقعده من النار: وہ اپنی سیٹ جہنم میں ریزرو کرالے!

اور قرآنِ کریم کا اسلوب یہ ہے کہ جب وہ کوئی مضمون بیان کرنا شروع کرتا ہے تو اس کو ضروری حد تک پھیلاتا ہے، ضمنی باتیں بھی بیان کرتا ہے، اور قرآن فہمی کے لئے عام طور پر شانِ نزول کی ضرورت نہیں ہوتی، مگر جہاں آیت میں کسی واقعہ کی طرف اشارہ ہو وہاں شانِ نزول کا جاننا ضروری ہے، ان آیات میں ایک واقعہ کی طرف اشارات ہیں، اس لئے پہلے وہ واقعہ پڑھ لیں۔

واقعہ: خیبر کے ایک یہودی اور یہودیہ نے زنا کیا، دونوں شادی شدہ تھے، اس کی سزا تورات میں سنگساری تھی، مگر یہود میں ان کو سزا دینے کے بارے میں اختلاف ہوا، وہ لوگ شریف کو کچھ سزا دیتے تھے اور رذیل کو کچھ، زانی زانیہ بڑے لوگ تھے یا معمولی؟ اس میں اختلاف ہوا، انھوں نے سوچا کہ نبی ﷺ کی شریعت میں آسانی ہے اس لئے اس کا فیصلہ ان سے کرایا جائے، تاکہ وہ اللہ کے سامنے یہ عذر کرسکیں کہ یہ آپ کے نبی ﷺ کا فیصلہ تھا، پس آپ جانیں اور وہ جانیں!

پھر ان کے بڑے تو آئے نہیں، چھوٹوں کو زانی زانیہ کے ساتھ مدینہ بھیج دیا، مدینہ کے یہودی منافق بھی ان کے ساتھ

ہوگئے، ان عوام کو ان کے بڑوں نے سمجھا دیا تھا کہ اگر نبی ﷺ کالا منہ کرکے تشہیر کرنے کا فیصلہ کریں تو اس پر عمل کرنا، اور سنگساری کا فیصلہ کریں تو اس پر عمل مت کرنا۔

یہ مقدمہ آپؐ کے پاس آیا، آپؐ نے پوچھا: تمہاری شریعت میں شادی شدہ کے زنا کی کیا سزا ہے؟ انھوں نے کہا: زانی زانیہ کا منہ کالا کرکے ان کی تشہیر کی جاتی ہے، آپؐ کو وحی سے معلوم ہوگیا تھا کہ اس کی سزا تورات میں سنگساری ہے، یہ آیات نازل ہوچکی تھیں، چنانچہ آپؐ نے فرمایا: تورات لاؤ! تورات لائی گئی، اور خیبر میں فدک نامی گاؤں کے ایک بڑے یہودی عالم عبداللہ بن صوریا کو بلایا گیا، اس نے پڑھنا شروع کیا، وہ رجم کی آیت چھوڑ گیا، حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے چوری پکڑی کہ بیچ کی ایک آیت کیوں چھوڑی؟ عبداللہ بن صوریا کو مجبوراً وہ آیت پڑھنی پڑی، اس میں سنگسار کرنے کا حکم تھا، ابن صوریا نے کہا: ہم نے اس حکم میں تبدیلی کردی ہے، جب یہود میں بڑے لوگ زنا کرنے لگے تو بڑے لوگوں نے سزا میں تخفیف کردی، اب ہم زانی زانیہ کا منہ کالا کرکے گدھے پر الٹا بٹھا کر شہر میں گھماتے ہیں! —— پس نبی ﷺ نے حکم دیا کہ تورات کے حکم کے مطابق دونوں کو سنگسار کردیا جائے، اور فرمایا: ''میں پہلا وہ شخص ہوں جس نے اس حکم کو زندہ کیا جس کو تم نے مار دیا تھا!''

تفسیر: مدینہ کے یہود میں نفاق بہت تھا، اور کٹر کافر بھی بہت تھے، اور خیبر کے یہودی تو سارے کافر تھے، ان کا ذکر ہے کہ جو لوگ بگ ٹٹ دوڑ کر کفر میں گرتے ہیں، یعنی کافر یہودیوں سے پینگیں لڑاتے ہیں، ان سے راہ و رسم رکھتے ہیں، اگرچہ وہ زبان سے کہتے ہیں: ''ہم ایمان لائے ہیں!'' یعنی خود کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں، مگر وہ دل سے ایمان نہیں لائے جبکہ مدار دل پر ہے، یہ منافق اور خیبر کے عام یہودی، جو اپنے بڑوں کی جھوٹی باتیں یعنی تحریفات (ہیر پھیر کی ہوئی باتیں) خوب کان لگا کر سنتے ہیں اور ان کے دل ان کی جھوٹی باتوں کو قبول کرتے ہیں، وہ آپؐ کے پاس زانی زانیہ کا مقدمہ لے کر آئے ہیں، مگر ان کے بڑے نہیں آئے، ان بڑوں نے تورات میں موجود حکم میں تبدیلی کردی ہے، اور عوام کو یہ پٹی پڑھا کر بھیجا ہے کہ اگر نبی ﷺ یہ تبدیل کردہ حکم دیں تو اس پر عمل کرلینا، اور تورات کے حکم کے مطابق سنگساری کا حکم دیں تو اس پر عمل مت کرنا۔

مگر نبی ﷺ نے از خود کوئی فیصلہ نہیں کیا، ان کے پرسنل لا کے مطابق فیصلہ کیا، اس لئے ان کو خواہی نخواہی اس پر عمل کرنا پڑا اور زانی زانیہ مسجد نبوی کے سامنے سنگسار کردیئے گئے۔

فائدہ (۱): رجم کے لئے احصان شرط ہے، اور احصان دو ہیں (۱): احصانُ الرجم اور احصانُ القذف۔ احصان الرجم

---

(۱) احصان کی دو قسمیں ہیں: احصانُ الرجم اور احصانُ القذف۔ احصان الرجم: یہ ہے کہ مرد اور عورت: دونوں عاقل، بالغ، آزاد اور مسلمان ہوں اور نکاح صحیح کرکے ہم بستر ہوچکے ہوں تو وہ مُحصِن (بکسر الصاد) اور مُحصَنہ (بفتح الصاد) ہیں۔ اور زنا میں ان ←

میں مسلمان ہونا شرط ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مسلمان ہونا شرط نہیں۔ پس اگر کوئی غیر مسلم مرد وعورت زنا کریں اور ان کا مقدمہ اسلامی عدالت میں آئے تو ان کو رجم کیا جائے گا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے ایک یہودی مرد اور ایک یہودی عورت کو جنھوں نے زنا کیا تھا رجم کیا ہے۔ اور حنفیہ کے نزدیک: احصان الرجم کے لئے مسلمان ہونا شرط ہے، پس غیر مسلموں کو رجم نہیں کیا جائے گا؛ بلکہ ان کے قانون کے مطابق سزا دی جائے گی۔

فائدہ (۲): سورۃ النساء (آیت ۴۶) میں ہے: ﴿ یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ﴾: یہودی اللہ کے کلام کو اس کی جگہوں سے پھیرتے ہیں، یعنی جن آیات میں نبی ﷺ کی بشارتیں تھیں ان کو تورات سے غائب کر دیا، اور تورات میں ان کا نام ونشان باقی نہیں چھوڑا، اور یہاں ہے: ﴿ یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ﴾: یعنی یہودی اللہ کے کلام کو اس کی جگہوں کے بعد بدلتے ہیں، یعنی آیت غائب نہیں کرتے، اس کا حکم باطل کر دیتے ہیں اور اس کی جگہ دوسرا حکم رائج کر دیتے ہیں۔

فائدہ (۳): مصلح: جو لوگوں کی بھلائی کے لئے کام کرتا ہے: اگر اس کے ساتھ چال چلی جائے یا اس کو کسی معاملہ میں دھوکہ دیا جائے تو اس کو سخت تکلیف پہنچتی ہے، لوگ اس کو دھوکہ دیتے ہیں، پھر اس کے خلاف پروپیگنڈہ بھی کرتے ہیں، مگر انبیاء علیہم السلام کا معاملہ دوسرا ہے، اللہ تعالیٰ فریب کاروں کی اسکیم کو کامیاب نہیں ہونے دیتے، وحی سے ان کو آگاہ کر دیتے ہیں، ﴿ لَا یَحْزُنْكَ ﴾ سے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہود آپؐ کے ساتھ فریب کریں گے آپ ہوشیار رہیں، ان کی اس حرکت سے متاثر نہ ہوں۔

﴿ یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ لَا یَحْزُنْكَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی الْكُفْرِ مِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛۚ وَمِنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا ۛۚ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِیْنَ لَمْ یَاْتُوْكَ ؕ یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ یَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِیْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ؕ ﴾

ترجمہ: اے اللہ کے پیغامبر! آپؐ کو رنجیدہ نہ کریں وہ لوگ جو دوڑ کر کفر میں گرتے ہیں ــــــ یعنی کفار کے ساتھ ان کا گٹھ جوڑ ہے ــــــ یعنی وہ لوگ جو زبان سے کہتے ہیں: ''ہم ایمان لائے!'' حالانکہ ان کے دل ایمان نہیں لائے

← کی سزا رجم ہے، اور احصان القذف یہ ہے کہ جس پر زنا کا الزام لگایا گیا ہے وہ عاقل، بالغ، آزاد، مسلمان اور عفیف (پاک دامن) ہو یعنی پہلے کبھی اس پر زنا کا الزام نہ لگا ہو، ایسا مرد اور ایسی عورت جن پر الزام زنا لگایا گیا ہے باب قذف میں محصن اور محصنہ ہیں ایسے لوگوں پر اگر کوئی زنا کا الزام لگائے تو شرعی ثبوت پیش کرے ورنہ تہمت لگانے والے کو حد قذف لگے گی، اور اگر کوئی شخص پاگل، بچے، غلام، غیر مسلم یا غیر عفیف پر تہمت لگائے تو حد قذف جاری نہ ہوگی (رحمۃ اللہ الواسعہ ۵: ۳۱۲)

ــــ یعنی مدینہ کے یہودی منافقین جو خیبر کے یہودیوں کی ہموائی میں خدمتِ نبوی میں آئے ہیں ــــ اور وہ لوگ جنھوں نے یہودیت اختیار کی ــــ یعنی خیبر کے یہودی جو زانی زانیہ کو لے کر فیصلہ کرانے آئے ہیں ــــ وہ جھوٹی باتوں کو بہت زیادہ سننے والے ہیں ــــ یہ یہود کے عوام کا عام حال ہے، اور جھوٹی باتوں سے مراد خاص طور پر تحریفات ہیں، عوام ان کو گوش ہوش سے سن کر قبول کر لیتے ہیں، یہ بہت زیادہ سننا ہے، اور ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دینا محض سننا ہے ــــ اور کچھ دوسرے لوگوں کی باتوں کو بہت زیادہ سننے والے ہیں جو آپؐ کے پاس نہیں آئے ــــ یہ خاص معاملہ کا ذکر ہے، زانی زانیہ کے معاملہ میں ان کے بڑوں نے ان کو جو پٹی پڑھائی ہے اس کو بھی دل سے قبول کر کے آئے ہیں ــــ وہ (یہود کے بڑے جو نہیں آئے) وہ اللہ کی باتوں کو ان کے موقع محل سے ہٹا دیتے ہیں ــــ یعنی تورات میں موجود حکم کو خود ساختہ حکم سے بدل دیتے ہیں ــــ وہ کہتے ہیں: اگر تم یہ (بدلا ہوا) حکم دیئے جاؤ تو اس کو لے لو ــــ یعنی اس پر عمل کرو ــــ اور اگر تم یہ نہ دیئے جاؤ ــــ بلکہ دوسرا حکم سنگساری کا دیئے جاؤ ــــ تو بچو ــــ یعنی اس پر عمل مت کرنا! ــــ یہ وہ پٹی ہے جو بڑوں نے چھوٹوں کو پڑھائی تھی، مگر ان کے بڑوں کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوا، آپؐ نے فیصلہ ان کے پرسنل لا کے مطابق کیا جس پر ان کو خواہی نخواہی عمل کرنا پڑا۔

تحریف کرنے والوں کو، اور اس کو قبول کرنے والوں کو آخرت میں سخت سزا ملے گی!

جب کوئی حقیقت اپنے جلو میں دو متضاد پہلو رکھتی ہے تو موقع محل کے لحاظ سے اس کو ایک پہلو سے تعبیر کیا جاتا ہے، مگر درحقیقت اس کے وجود پذیر ہونے میں دونوں پہلوؤں کا دخل ہوتا ہے، جیسے مکلف مخلوقات کے اختیاری افعال بندوں کے کسب اور اللہ کے خلق سے وجود پذیر ہوتے ہیں، بندے اپنے جزئی اختیار سے اس کی ابتدا کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ اس کا خلق کرتے ہیں، کیونکہ خالق ہر چیز کے اللہ تعالیٰ ہی ہیں، اور کوئی خالق نہیں!

اس کی مثال سورۃ النساء کی (آیت ۷۹) ہے: ﴿ مَا اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ؗ وَمَا اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ﴾: اے انسان! تجھ کو جو کوئی خوش حالی پیش آتی ہے: وہ اللہ کی جانب سے ہوتی ہے، اور تجھ کو جو کوئی بدحالی پیش آتی ہے: وہ تیرے ہی سبب سے ہوتی ہے ــــ جبکہ دونوں ہی حالتوں کا کسب بندہ کرتا ہے، اور خلق اللہ تعالیٰ کرتے ہیں، مگر خوش حالی کو اللہ کی طرف منسوب کیا کہ یہ تعریف کے مناسب ہے، اور بدحالی کو بندے کی طرف منسوب کیا کہ وہ اس کے کرتوت کا نتیجہ ہے، اللہ کی طرف اس کی نسبت شانِ حمد کے خلاف ہے۔

اور یہاں یہود کی آزمائش (گمراہی کے خلق) کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے، اس میں ان کی گمراہی کی شدت کی طرف اشارہ ہے، اور اس کو دو طرح سے تعبیر کیا ہے: ایک: اللہ تعالیٰ کو جس کی آزمائش (گمراہی) منظور ہوتی ہے:

اس کو اللہ کے سوا کوئی راہ راست پر نہیں ڈال سکتا، مگر اس کی گمراہی اس کی حرکتوں (تحریف) کی وجہ سے ہوتی ہے، خواہ مخواہ نہیں ہوتی۔ دوم: یہی وہ لوگ ہیں جن کے قلوب کو پاک کرنا اللہ کو منظور نہیں، کیونکہ انھوں نے حرکتیں (تحریفات) ایسی کی ہیں کہ ان کے دل ہمیشہ گندے ہی رہیں گے، ان کے لئے دنیا میں رسوائی، اور آخرت میں بڑا عذاب (دوزخ) تیار ہے!

﴿ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ۭ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ښ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴾

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کو جس کی آزمائش (گمراہی) منظور ہوتی ہے: آپ اس کے لئے اللہ کے عوض ـــــ یعنی اللہ کو چھوڑ کر ـــــ کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتے ـــــ یعنی کوئی دوسرا اس کو راہ راست پر نہیں لاسکتا ـــــ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو پاک کرنا اللہ کو منظور نہیں ـــــ یہ پہلی ہی حقیقت کی دوسری تعبیر ہے ـــــ ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے ﴿ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ﴾ ـــــ اور آخرت میں ان کے لئے (دوزخ کا) بڑا عذاب ہے!

ایک شبہ: کوئی کہہ سکتا ہے کہ خدا تو اس پر بھی قادر ہے کہ ان کی غلط کاریوں (تحریفات) کو جبراً روک دے، یعنی مجبور کردیں کہ وہ اللہ کی کتاب میں کوئی تحریف نہ کرسکیں!

جواب: خدا کی قدرت کے لئے یہ کچھ مشکل نہیں، لیکن اللہ نے اس دنیا کا نظام ایسا بنایا ہے کہ بندے خیر وشر کے اکتساب میں مجبور محض نہ ہوں، اگر خیر کے اختیار کرنے پر سب کو مجبور کردیا جاتا تو تخلیقِ عالم کی حکمت ومصلحت پوری نہ ہوتی، اس لئے مکلف مخلوقات کو کسب کا جزوی اختیار دیا ہے، اور اسی پر جزاؤ سزا مرتب ہوگی: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاۗءُ ﴾: اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے جو چاہیں کریں [الحج ۱۸]

علمائے سوء دنیوی مفاد کے لئے شریعت میں تحریف کرتے ہیں

اور جاہل عوام بخوشی اس کو قبول کرلیتے ہیں

حرام کھانا: علمائے یہود کی خاص صفت تھی، وہ نذرانے لے کر لوگوں کے حق میں فتوی دیا کرتے تھے، اور رشوتیں لے کر فیصلے کیا کرتے تھے، اور غلط باتیں سننا اور ان کو قبول کرنا یہود کے عوام کا مزاج بن گیا تھا، یہی دو باتیں قوموں کی گمراہی کا بنیادی سبب ہوتی ہیں: ایک: علماء کا حرص وہوس میں مبتلا ہونا۔ دوم: عوام کا جھوٹی باتیں یعنی تحریفات سننا اور ان کو قبول کرنا ملتِ اسلامیہ کے علمائے سوء بھی یہی وتیرہ اختیار کرتے ہیں، اور عوام کا بھی یہی مزاج ہے!

﴿ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ۭ ﴾

ترجمہ: وہ جھوٹی باتوں کو بہت زیادہ سننے والے، حرام مال کو بہت زیادہ کھانے والے ہیں!

یہود جو مقدمہ لے کر آئیں اس کا فیصلہ کرنے نہ کرنے کا اختیار ہے اور فیصلہ کریں تو انصاف سے کریں

جاننا چاہئے کہ غیر مسلم چار طرح کے ہیں: ذمی، مُستأمن مُعاہد اور حربی:

۱- ذمی: جس کو اسلامی ملک کی شہریت حاصل ہے۔۲- مستأمن: امن طلب کرنے والا، یعنی وہ غیر مسلم جو ویزا لے کر اسلامی ملک میں آیا ہے۔۳- مُعاہد: عہد و پیان باندھنے والا، یعنی دار الحرب کا وہ غیر مسلم جس کے ساتھ اسلامی ملک نے ناجنگ معاہدہ کر رکھا ہے۔۴- حربی: اس دار الحرب کا باشندہ جس کے ساتھ ناجنگ معاہدہ نہیں۔

اسلامی مملکت میں ذمیوں کو ان کے پرسنل مسائل میں فیصلہ کے لئے حکومت الگ کورٹ بنا کر دے گی، اس میں انہی کا قاضی مقرر کیا جائے گا، اس کے مصارف اسلامی حکومت برداشت کرے گی، غیر مسلموں کے پرسنل مقدمات اس میں ان کے پرسنل لا کے مطابق فیصل ہونگے، اور ان کے عام معاملات اسلامی کورٹ میں آئیں گے، اور شریعت اسلامی کے مطابق فیصل ہونگے، اور اگر وہ ان مقدمات کا اسلامی کورٹ میں فیصلہ کرائیں تو اسلامی قانون کے مطابق ان کا فیصلہ کیا جائے گا، اور اگر مقدمہ کا ایک فریق مسلمان ہو تو وہ معاملہ لامحالہ اسلامی کورٹ میں آئے گا، اور قانونِ اسلامی کے مطابق فیصل ہوگا۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ خیبر کے یہودی پوری طرح ذمی نہیں تھے، ان سے جزیہ نہیں لیا جاتا تھا، ان کے ساتھ وقتی معاہدہ کر کے بطور مزارع ان کو خیبر میں باقی رکھا گیا تھا، پس گویا وہ معاہد تھے، وہ اپنا ایک مقدمہ لے کر اسلامی کورٹ میں آنے والے تھے، چنانچہ نبی ﷺ کو اختیار دیا کہ آپؐ چاہیں تو اس مقدمہ کا فیصلہ کریں، اور چاہیں تو ان کو ٹلا دیں، کہہ دیں: جاؤ اپنے قاضی سے فیصلہ کراؤ، اگر آپؐ ایسا کریں گے تو یہود آپؐ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے، اور اگر آپؐ وہ مقدمہ لے لیں تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں، یعنی اسلامی احکام کے مطابق فیصلہ کریں، شریعتِ اسلامی میں شادی شدہ زانی زانیہ کی سزا رجم ہے، مگر احصان کے لئے اسلام شرط ہے، غیر مسلم محصن نہیں، پس اس کو سنگسار نہیں کیا جائے گا، مگر نبی ﷺ نے یہود کی شریعت کے مطابق فیصلہ کیا، اتفاق سے تورات میں بھی ان کے لئے رجم کی سزا تھی، چنانچہ تورات منگوا کر پڑھی گئی، اور اس کا فیصلہ ان پر نافذ کیا گیا، پس نہ سانپ بچا نہ لاٹھی ٹوٹی!

﴿ فَإِنْ جَاءُوكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَإِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَضُرُّوكَ شَيْئًا ۖ وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴿٤٢﴾ ﴾

ترجمہ: پس اگر وہ آپؐ کے پاس آئیں تو آپؐ ان کے درمیان فیصلہ کریں یا ان کو ٹلا دیں، اور اگر آپؐ ان کو ٹلا دیں تو وہ آپؐ کو ذرہ بھر نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، اور اگر آپؐ ان کے درمیان فیصلہ کریں تو ان کے درمیان انصاف سے فیصلہ

کریں، اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو بالیقین پسند کرتے ہیں!

گود میں لڑکا گاؤں میں ڈھنڈورا!

خیبر کے یہودی کس منہ سے نبی ﷺ کے پاس زانی زانیہ کا فیصلہ کرانے آرہے ہیں؟ کیا ان کے پاس اللہ کی کتاب نہیں ہے؟ اور کیا اس میں اس واقعہ کا حکم نہیں ہے؟ مگر وہ اس سے روگردانی کر کے آپؐ کے پاس آرہے ہیں! ان سے کیا امید ہے کہ وہ آپؐ کا فیصلہ مانیں گے؟ پس آپ کو اختیار ہے، خواہ آپؐ اس قضیہ کا تصفیہ کریں یا ان کو ٹلا دیں، وہ ایمان لانے والے نہیں!

﴿ وَكَيْفَ يُحَكِّمُونَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ وَمَآ أُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ﴿٤٣﴾ ﴾

ترجمہ: اور وہ آپؐ سے کیسے فیصلہ کراتے ہیں: جبکہ ان کے پاس تورات ہے، اس میں اللہ کا حکم ہے؟ پھر وہ (اس سے) روگردانی کرتے ہیں، ان کے پاس فیصلہ موجود ہوتے ہوئے، اور وہ ایمان لانے والے نہیں!

إِنَّآ أَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيهَا هُدًى وَّنُورٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا وَالرَّبّٰنِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوا بِاٰيٰتِي ثَمَنًا قَلِيلًا ۚ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُونَ ﴿٤٤﴾ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ ۚ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُونَ ﴿٤٥﴾

إِنَّآ أَنْزَلْنَا	بے شک اتاری ہم نے	هُدًى وَّنُورٌ	راہ نمائی اور روشنی ہے	النَّبِيُّونَ	وہ انبیاء
التَّوْرٰىةَ	تورات	يَحْكُمُ	حکم کرتے ہیں	الَّذِينَ	جو
فِيهَا	اس میں	بِهَا	اس کے ذریعہ	أَسْلَمُوا	فرمان بردار ہوئے

لِلَّذِيْنَ	ان کے لئے جنھوں نے	بِمَآ اَنْزَلَ	اللہ کے اتارے ہوئے	وَالْجُرُوْحَ (۳)	اور زخم
هَادُوْا	یہودیت اختیار کی	اللّٰهُ	احکام کے موافق	قِصَاصٌ	برابر ہیں
وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ (۱)	اور درویش (بزرگ)	فَاُولٰٓئِكَ	پس وہ لوگ	فَمَنْ	پس جو شخص
وَالْاَحْبَارُ	اور بڑے علماء	هُمُ	ہی	تَصَدَّقَ	خیرات کردے
بِمَا اسْتُحْفِظُوْا (۲)	بایں وجہ کہ نگہبان	الْكٰفِرُوْنَ	منکرین ہیں	بِهٖ	اس (جنایت) کو
	ٹھہرائے گئے ہیں وہ	وَكَتَبْنَا	اور لکھا ہم نے	فَهُوَ	تو وہ
مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ	اللہ کی کتاب کے	عَلَيْهِمْ فِيْهَآ	ان پر تورات میں	كَفَّارَةٌ	گناہوں کی معافی ہے
وَكَانُوْا عَلَيْهِ	اور تھے وہ اس پر	اَنَّ النَّفْسَ	کہ جان	لَّهٗ	اس کے لئے
شُهَدَآءَ	گواہ	بِالنَّفْسِ	جان کے بدلے	وَمَنْ	اور جس نے
فَلَا تَخْشَوُا	پس مت ڈرو تم	وَالْعَيْنَ	اور آنکھ	لَّمْ يَحْكُمْ	حکم نہیں کیا
النَّاسَ	لوگوں سے	بِالْعَيْنِ	آنکھ کے بدلے	بِمَآ اَنْزَلَ	اللہ کے اتارے ہوئے
وَاخْشَوْنِ	اور ڈرو مجھ سے	وَالْاَنْفَ	اور ناک	اللّٰهُ	احکام کے موافق
وَلَا تَشْتَرُوْا	اور نہ مول لو	بِالْاَنْفِ	ناک کے بدلے	فَاُولٰٓئِكَ	تو وہ
بِاٰيٰتِيْ	میری آیتوں کے بدل	وَالْاُذُنَ	اور کان	هُمُ	ہی
ثَمَنًا قَلِيْلًا	پونجی تھوڑی	بِالْاُذُنِ	کان کے بدلے	الظّٰلِمُوْنَ	ظالم (حق تلفی کرنے
وَمَنْ	اور جس نے	وَالسِّنَّ	اور دانت		والے) ہیں
لَّمْ يَحْكُمْ	حکم نہیں کیا	بِالسِّنِّ	دانت کے بدلے	۞	۞

تحریف بھی معنوی چوری ہے، جس کی سزا آخرت میں ملے گی (دوسری مثال)

ان آیات کا پس منظر بھی ایک واقعہ ہے: مدینہ میں یہود کے دو قبیلے آباد تھے، بنو نضیر اور بنو قریظہ، اول: مالدار تھے، اور دوم: مالی اعتبار سے کمزور تھے، بنو نضیر نے بنو قریظہ کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر یہ ظالمانہ اصول طے کرالیا تھا کہ اگر بنو نضیر کا کوئی آدمی بنو قریظہ کے کسی شخص کو قتل کرے تو قصاص میں قاتل کو قتل نہیں کیا جائے گا، بلکہ خون بہا کے طور پر ستر وسق کھجوریں

(۱) الربانیون: کا النبیون پر عطف ہے (۲) بما: یحکم سے متعلق ہے (۳) الجروح: کا النفس پر عطف ہے اور قصاص کا حمل زید عدل کی طرح مبالغۃ ہے۔

دے گا (ایک وسق: ساٹھ صاع کا ہوتا تھا، اور ایک صاع سوا تین کلو کا) اور اگر بنوقریظہ کا کوئی آدمی بنونضیر کے کسی آدمی کو قتل کرے تو قاتل کو قصاص میں قتل کیا جائے گا، اور اس سے خون بہا بھی لیا جائے گا، اور وہ بھی دوگنا! ــــ پھر جب نبی ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو ایک واقعہ پیش آیا، بنوقریظہ کے کسی شخص نے بنونضیر کے ایک آدمی کو قتل کردیا، بنونضیر نے حسب قرارداد قصاص اور خون بہا کا مطالبہ کیا بنوقریظہ نے اس کو انصاف کے خلاف قرار دیا، اور کہا: جاؤ، وہ زمانہ گیا جب ہم نے تمہاری قوت کے پیش نظر یہ ظلم منظور کیا تھا، اب محمدؐ مدینہ میں آچکے ہیں، اب یہ ممکن نہیں کہ تم دوگنی دیت لو، اور تجویز پیش کی کہ فیصلہ آنحضرت ﷺ سے کرایا جائے، بنونضیر نے کچھ منافقین کو مقرر کیا جو غیر رسمی طور پر آپؐ کا عندیہ معلوم کریں، اگر آپؐ کی رائے بنونضیر کے حق میں ہو تو آپؐ سے فیصلہ کرایا جائے، ورنہ ان سے فیصلہ نہ کرایا جائے۔

غرض: قصاص (برابری) کا حکم تورات میں موجود تھا، یہود نے اس کے خلاف تعامل قائم کرلیا تھا، جیسے رجم کا حکم تورات میں موجود تھا، مگر یہود نے منہ کالا کرکے تشہیر کرنے کو اس کی جگہ رکھ دیا تھا، پس یہ ﴿ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ﴾ کی دوسری مثال ہے، یہ بھی تحریف معنوی اور بڑی چوری ہے، جس کی سزا آخرت میں ملے گی۔

تورات منارۂ نور اور شمع ہدایت ہے

بات یہاں سے شروع کی ہے کہ تورات منارۂ نور اور شمع ہدایت ہے، اور یہی حال اللہ کی تمام کتابوں کا ہوتا ہے، ہر کتاب بابرکت ہوتی ہے ظلمتِ دنیا میں روشنی اور راہ نما ہوتی ہے، خواہ وہ اللہ کا کلام ہو یا فرشتہ کا یا نبی کا، بہر حال وہ اللہ کی راہ نمائی ہوتی ہے، اس لئے وہ شمع ہدایت ہوتی ہیں۔

اور قرآنِ کریم سے پہلے جو کتابیں نازل ہوئی ہیں وہ سب اللہ کی کتابیں تھیں، اللہ کا کلام نہیں تھیں، اللہ کا کلام صرف آخری کتاب (قرآنِ کریم) ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سابقہ کتابوں کے لئے بقاء مقدر نہیں تھا، اور آخری کتاب کو قیامت تک باقی رہنا ہے، اس لئے اللہ نے اپنا کلام نازل کیا ہے، اس کو نہ کوئی بدل سکتا ہے نہ کوئی اس کا مقابلہ کرسکتا ہے، اس لئے وہ نبی ﷺ کا دائمی معجزہ ہے۔

اور سابقہ کتابوں کی نظیر: احادیث شریفہ ہیں، وہ بھی اللہ کی راہ نمائی ہیں، مگر کلام نبی ﷺ کا ہے، پس احادیث بھی سابقہ کتابوں کی طرح منارۂ نور اور ہدایت ہیں، ان کی اتباع بھی سابقہ کتابوں کی طرح ضروری ہے، اسی وجہ سے منکرین حدیث کو کافر کہا گیا ہے۔

اور هدی اور نور: ایک ہیں، عطف تفسیری ہے، عقائد واحکام کا مجموعہ مراد ہے، اور صرف اللہ کی کتابوں کو قرآنِ کریم

میں نور کہا گیا ہے، اس آیت میں تورات کو، اور آئندہ آیت کے بعد والی آیت میں انجیل کو، اور سورۃ النساء (آیت ۱۷۴) میں قرآنِ کریم کو نور فرمایا ہے، اور قرآن میں اور کسی صحیح حدیث میں کسی نبی کو نور نہیں کہا گیا، سب کو بَشَر کہا گیا ہے۔

﴿ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰىةَ فِيۡهَا هُدًى وَّنُوۡرٌ ﴾

ترجمہ: بے شک ہم نے تورات اتاری، اس میں راہ نمائی اور روشنی ہے!

موسیٰ علیہ السلام کی ملت کے اکابر تورات کے ذمہ دار تھے

موسیٰ علیہ السلام کی ملت کے اکابر تین تھے:

(۱) انبیائے بنی اسرائیل: کہتے ہیں: موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان بنی اسرائیل میں چار ہزار انبیاء مبعوث ہوئے ہیں، جو تورات اور دین موسوی کی نشر واشاعت کے ذمہ دار تھے، ان کی صفت: ﴿ الَّذِيۡنَ اَسۡلَمُوۡا ﴾ آئی ہے، یعنی وہ فرمان بردار تھے، اس میں ان کی عصمت کا بیان ہے، یہ حضرات ملتِ موسوی میں گڑبڑ کر ہی نہیں سکتے تھے، یہ بات عصمت کے منافی ہے، یہ حضرات تورات کے احکام ﴿ لِلَّذِيۡنَ هَادُوۡا ﴾ یعنی یہود کے لئے نافذ کرتے تھے، اس لئے کہ تورات کی شریعت انہیں کے لئے خاص تھی، تمام جہاں والوں کے لئے وہ ہدایت اور روشنی نہیں تھی، اور اس وقت تک عیسائی وجود میں نہیں آئے تھے، اس لئے بنی اسرائیل تقسیم نہیں ہوئے تھے، سب بنی اسرائیل یہودی تھے، اس لئے تورات کے احکام انہیں پر نافذ ہوتے تھے۔

(۲و۳) اولیائے کرام اور علمائے عظام: یہ انبیاء کی طرح معصوم نہیں تھے، اس لئے ان کے تعلق سے چار باتیں بیان کی ہیں:

(الف) یہ حضرات بھی تورات کے احکام یہود ہی پر نافذ کرتے تھے، اور ان کو تورات کی حفاظت کی ذمہ داری سونپی گئی تھی، قرآنِ کریم کی طرح تورات کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے نہیں لی تھی، چنانچہ جب تک انھوں نے اپنی ذمہ داری نبھائی تورات محفوظ رہی، اور جب انھوں نے اپنی اغراض کے لئے تحریفات شروع کردیں تو تورات ضائع ہوگئی۔

(ب) علماء اور اولیاء کو یہ ذمہ داری بھی سپرد کی گئی تھی کہ بنی اسرائیل میں سے جو لوگ تورات کے کتابِ الٰہی ہونے کا انکار کریں: ان کے سامنے علماء اور مشائخ گواہی دیں، یعنی دلائل سے ثابت کریں کہ تورات اللہ کی کتاب ہے، اور فیصلہ کرتے وقت اور فتوی دیتے وقت لوگوں سے نہ ڈریں، اللہ سے ڈریں، اور جو فریضہ ان کو اوڑھایا گیا ہے اس کو پورا کریں، مخالفین کیا کریں گے؟ زیادہ سے زیادہ ان کو شہید کردیں گے، اس سے داعی کا کیا نقصان ہوگا؟ یہ تو اس کی آخری آرزو ہے!

(ج) ملت کے اکابر: علماء و مشائخ رشوتیں لے کر تورات کے احکام میں تبدیلی نہ کریں، چند ٹکوں کی خاطر غلط فتوے نہ دیں۔

(د) آخر میں وعید ہے کہ جو تورات کے احکام کے موافق مسئلہ نہیں بتائے گا وہ کافر ہوگا، اس کو آخرت میں انکار شریعت کی سزا ملے گی۔

﴿ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۚ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اس (تورات) کے ذریعہ وہ انبیاء حکم کرتے ہیں جو فرماں بردار ہیں ـــــ اس میں ان کی عصمت کی طرف اشارہ ہے کہ وہ تورات میں گڑبڑ نہیں کرسکتے ـــــ ان لوگوں کے لئے جنھوں نے یہودیت اختیار کی ـــــ اس میں صراحت ہے کہ تورات کی شریعت صرف بنی اسرائیل کے لئے تھی ـــــ اور اللہ والے اور کبار علماء ـــــ بھی تورات کے موافق یہودیوں کے لئے حکم کرتے ہیں ـــــ بایں وجہ کہ وہ اللہ کی کتاب کی حفاظت کے ذمہ دار بنائے گئے ہیں ـــــ جب اللہ کی کتاب پر عمل ہوگا تو اس کی حفاظت ہوگی، ورنہ ضائع ہوجائے گی ـــــ اور وہ اس (تورات) پر گواہ تھے ـــــ کہ وہ اللہ کی کتاب ہے ـــــ پس (فیصلہ اور فتوی کے وقت) لوگوں سے مت ڈرو، اور مجھ سے ڈرو، اور میرے احکام کو معمولی قیمت کے بدل مت بدلو، اور جن لوگوں نے اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق حکم نہیں کیا وہی لوگ (تورات کے) منکر ہیں!

تورات کا وہ حکم جس کو یہود نے نظر انداز کردیا

اللہ کی کتاب میں تحریف (ہیر پھیر) کی تین صورتیں ہیں:

(۱) تحریفِ لفظی: جیسے تورات میں ذبح اسماعیل علیہ السلام کا واقعہ ہے، اس میں اسماعیل کی جگہ اسحاق کردیا، یہ تحریف لفظی ہے۔

(۲) تحریف معنوی: اللہ کے کلام کی مراد بدل دینا، جیسے یہ عقیدہ کہ یہودی چند دن جہنم میں رہیں گے، پھر وہ انبیاء کی سفارش سے بخشے جائیں گے، یا جیسے یہ اعتقاد کہ یہودیت ابدی مذہب ہے، یہ تحریف معنوی ہے، تفصیل الفوز الکبیر اور اس کی شرح الخیر الکثیر میں ہے۔

(۳) تحریف عملی: تورات میں موجودہ حکم کے خلاف رواج چلادینا، جیسے سنگساری کی جگہ کالا منہ کرنے کا رواج چلانا، اور قصاص کی جگہ بنونضیر کا بنوقریظہ سے معاہدہ کرنا۔

اب ایک آیت میں تحریف عملی کا بیان ہے، گذشتہ آیت میں تورات کا عظیم الشان اللہ کی کتاب ہونے کا، اس کا یہود کی شریعت ہونے کا اور اس میں ہر طرح کی تحریف کی ممانعت کا بیان تھا۔ اب اس آیت کا پس منظر وہ واقعہ ہے جو گذشتہ آیت

کے شروع میں بیان کیا ہے، تورات میں آج بھی قتلِ عمد میں قصاص کا حکم موجود ہے، اور مادون النفس جنایات کا بھی حکم موجود ہے (دیکھیں: خروج ۲۱: ۲۳-۲۵ احبار ۲۴ ۲۰۲۲ استثناء ۱۹: ۲۱ بحوالہ تفسیر ماجدی) مگر بنو نضیر نے بنو قریظہ سے ان احکام کے خلاف معاہدہ کیا تھا، جس کا قضیہ نبی ﷺ کی خدمت میں آنے والا تھا، اس لئے آپ کو اس کی قبل از وقت اطلاع کردی، تاکہ آپؐ اس کے مطابق فیصلہ فرمائیں۔

اور یہی احکام ہمارے لئے بھی ہیں، تفصیل کتبِ فقہ میں ہے، قاعدہ ہے کہ سابقہ شرائع کے احکام بلانکیر قرآن وحدیث میں نقل کئے جائیں تو وہ ہمارے لئے بھی ہوتے ہیں، قتلِ عمد میں قصاص (برابری) کا حکم سورۃ البقرۃ (آیت ۱۷۹) میں بیان ہوا ہے، اور مادون النفس جنایات کا حکم یہاں ہے، اور تفصیل کتب فقہ میں ہے۔

مجرم کو معاف کرنا بڑا ثواب کا کام ہے

نفس اور مادون النفس کی جنایات کا برابر بدلہ (قصاص) لینا جائز ہے، اور معاف کرنا بڑا ثواب کا کام ہے، قتلِ عمد میں مقتول کے ورثاء قصاص معاف کریں اور دیت لیں یا دیت بھی معاف کریں تو عظیم ثواب کے مستحق ہونگے، اور مادون النفس جنایت میں خود وہ شخص جانی کو معاف کرے گا جس پر جنایت کی گئی ہے تو یہ معافی اس کے گناہوں کا کفارہ ہوگی، حدیث میں ہے: جو شخص اپنے بدن کی کوئی تکلیف معاف کردے تو اللہ تعالیٰ اس کے اتنے ہی گناہ معاف کریں گے (رواہ الطبرانی)

﴿ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝﴾

ترجمہ: اور ہم نے تورات میں ان پر فرض کیا تھا کہ جان کے بدلے جان لی جائے، اور آنکھ کے بدلے آنکھ پھوڑی جائے، اور ناک کے بدلے ناک کاٹی جائے، اور کان کے بدلے کان کاٹا جائے، اور دانت کے بدلے دانت اکھاڑا جائے، اور زخموں میں بھی برابر کا بدلہ ہے ـــــ پس جو شخص اس (جنایت) کو خیرات کردے ـــــ یعنی معاف کردے ـــــ تو وہ اس کے لئے اس کے گناہوں کی معافی بن جائے گی ـــــ اور جس نے اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق حکم نہ کیا ـــــ بلکہ باہم طے کردہ بات کا مطالبہ کیا ـــــ تو وہی لوگ ظالم (ناحق مطالبہ کرنے والے) ہیں۔

وَقَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِمْ بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ وَآتَيْنَاهُ الْإِنْجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ وَمُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ

وَهُدًى وَّ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

وَ قَفَّيْنَا(1)	اور پیچھے بھیجا ہم نے	فِيْهِ	اس میں	بِمَا	اس کے موافق جو
عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ	نبیوں کے نقشِ قدم پر	هُدًى وَّ نُوْرٌ	راہ نمائی اور روشنی ہے	اَنْزَلَ اللّٰهُ	اتارا اللہ نے
بِعِيْسَى	عیسیٰ کو	وَّ مُصَدِّقًا	اور سچا بتانے والی ہے	فِيْهِ	اس (انجیل) میں
ابْنِ مَرْيَمَ	بیٹے مریم کے	لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ	اس کو جو اسکے سامنے ہے	وَمَنْ	اور جس نے
مُصَدِّقًا	سچا بتانے والا	مِنَ التَّوْرٰىةِ(2)	یعنی تورات کو	لَّمْ يَحْكُمْ	حکم نہیں کیا
لِّمَا بَيْنَ	اس کو جو اس کے	وَهُدًى	اور راہ نمائی	بِمَا	اس کے موافق جو
يَدَيْهِ	آگے ہے	وَّ مَوْعِظَةً	اور نصیحت ہے	اَنْزَلَ اللّٰهُ	اتارا اللہ نے
مِنَ التَّوْرٰىةِ(2)	یعنی تورات کو	لِّلْمُتَّقِيْنَ	ڈرنے والوں کے لئے	فَاُولٰٓئِكَ هُمُ	تو وہی لوگ
وَ اٰتَيْنٰهُ	اور دی ہم نے اس کو	وَلْيَحْكُمْ	اور چاہئے کہ حکم کریں	الْفٰسِقُوْنَ	حد اطاعت سے
الْاِنْجِيْلَ	انجیل	اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ	انجیل والے		نکلنے والے ہیں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام خاتم انبیائے بنی اسرائیل ہیں

اور انجیل تورات کا ضمیمہ ہے

تورات کے تذکرہ کے بعد اب انجیل کا تذکرہ فرماتے ہیں، انجیل: تورات اور قرآنِ کریم کے درمیان کی کڑی ہے، آگے قرآنِ کریم کا تذکرہ آئے گا، جو درحقیقت مقصود ہے۔

کہتے ہیں: موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان دو ہزار سال کا فصل ہے، اور اس عرصہ میں بنی اسرائیل میں چار ہزار انبیاء مبعوث ہوئے ہیں، کلما هلك نبي خلفه آخر: جب ایک نبی کی وفات ہوجاتی تو دوسرا نبی مبعوث ہوتا، اور بعض زمانوں میں ایک سے زیادہ انبیاء بھی جمع ہوئے ہیں، جن پر کوئی کتاب نازل نہیں ہوئی، سب تورات کی تبلیغ کرتے تھے۔

---

(۱) قفّینا: ماضی معروف، جمع متکلم، تَقْفِيَة: مصدر باب تفعیل: پیچھے بھیجنا، پیچھے کردینا، اس کے مفعول ثانی پر کبھی باء آتی ہے اور مصدقا: عیسیٰ کا حال ہے (۲) من: ماموصولہ کا بیان ہے۔

اس طویل عرصہ میں جب حالات بدلے تو بنی اسرائیل کے آخری نبی پر انجیل نازل ہوئی، اس میں اصل ملت کو باقی رکھ کر بعض احکام میں تبدیلی کی گئی، سورۃ آلِ عمران (آیت ۵۰) میں عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے: ﴿ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ ﴾: اور (میں آیا ہوں) اس تورات کو سچا بتانے والا بن کر جو مجھ سے پہلے نازل ہو چکی ہے، اور (میں آیا ہوں) تاکہ بعض وہ چیزیں تمہارے لئے حلال کروں جو تم پر حرام کی گئی تھیں، یعنی اصل ملت کو باقی رکھ کر اس میں ضروری اصلاح کروں، یہ جزوی نسخ ہے، اس سے تورات کی تصدیق پر اثر نہیں پڑتا، جیسے قرآنِ کریم گذشتہ کتابوں کا مصدق ہے، پھر ان کے بعض احکام کو بدلتا ہے، یہ بھی جزوی نسخ ہے، اس سے سابقہ کتابوں کی تردید نہیں ہوتی۔

غرض: انجیل بھی اللہ کی نازل کی ہوئی سچی کتاب ہے، وہ بھی شمع ہدایت اور منارۂ نور ہے، تورات کی تصدیق کرتی ہے، اور اللہ کا خوف کھانے والے بندوں کے لئے راہ نما اور نصیحت ہے!

اور سورۃ الصّف میں صراحت ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی طرف مبعوث کئے گئے تھے، پس ضروری تھا کہ سب بنی اسرائیل آپ پر ایمان لاتے، اور انجیل میں جن احکام میں تبدیلی کی گئی ہے ان کے موافق احکام نافذ کرتے اور ان پر عمل کرتے پس جو اس کی خلاف ورزی کرے گا وہ نافرمان ہوگا۔

آیاتِ کریمہ: اور ہم نے اُن (انبیائے بنی اسرائیل) کے نشانِ قدم پر مریم کے بیٹے عیسیٰ کو بھیجا، جو سچا بتانے والے ہیں اس کتاب کو جو ان سے پہلے نازل ہو چکی ہے یعنی تورات کو اور ہم نے ان کو انجیل عطا کی، اس میں راہ نمائی اور روشنی ہے، اور وہ سچا بتانے والی ہے اس کتاب کو جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہے، یعنی تورات کو جو (انجیل) اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے راہ نما اور نصیحت ہے۔

اور چاہئے کہ انجیل والے حکم کریں اس کے موافق جو اللہ نے انجیل میں نازل کیا ہے، اور جس نے اس کے موافق حکم نہیں کیا جس کو اللہ نے نازل کیا ہے: وہی لوگ حد اطاعت سے نکلنے والے ہیں!

فائدہ: قرآن پاک نے بار بار شہادت دی ہے کہ انجیل اللہ کی کتاب ہے، اب یہ کتاب دنیا کی نظروں سے غائب ہے، عہد نامہ جدید میں جو چار انجیلیں ہیں، ان کے کتابِ الٰہی ہونے کا دعویدار کوئی بھی نہیں، وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ملفوظات اور کچھ حالات ہیں، جو آپ کے بعد مجہول الحال لوگوں نے جمع کئے ہیں، اصل انجیل غائب ہے (از تفسیر ماجدی)

وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَ مُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ

مِنَ الْحَقِّ ؕ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ؕ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۵۰﴾

ع ۷

وَاَنْزَلْنَآ	اور اتاری ہم نے	فَاحْكُمْ	پس آپ فیصلہ کریں	جَعَلْنَا	بنائی ہم نے
اِلَيْكَ	آپ کی طرف	بَيْنَهُمْ	ان کے درمیان	مِنْكُمْ	تم میں سے
الْكِتٰبَ (۱)	یہ کتاب	بِمَآ	اس کے موافق جو	شِرْعَةً (۷)	ایک شاہ راہ
بِالْحَقِّ (۲)	برحق	اَنْزَلَ اللّٰهُ	اتارا اللہ نے	وَّمِنْهَاجًا (۸)	اور کشادہ راستہ
مُصَدِّقًا	سچا بتانے والی	وَلَا تَتَّبِعْ	اور نہ پیروی کریں آپ	وَلَوْ شَآءَ	اور اگر چاہتے
لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ	اس کو جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہے	اَهْوَآءَهُمْ	ان کی خواہشات کی	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
		عَمَّا (۶)	(ہٹتے ہوئے) اس سے جو	لَجَعَلَكُمْ	تو بناتے تم کو
مِنَ الْكِتٰبِ (۳)	کتابوں میں سے	جَآءَكَ	آیا آپ کے پاس	اُمَّةً	امت
وَمُهَيْمِنًا (۴)	اور نگہداشت کرنے والی	مِنَ الْحَقِّ	برحق بات سے	وَّاحِدَةً	ایک
عَلَيْهِ (۵)	ان کتابوں کی	لِكُلٍّ	ہر ایک کے لئے	وَّلٰكِنْ	لیکن

(۱) الکتاب: میں الف لام عہدی ہے، مراد قرآنِ کریم ہے (۲) بالحق: متلبسا سے متعلق ہو کر الکتاب کا پہلا حال ہے، اور مصدقا: دوسرا حال ہے۔ (۳) الکتاب: میں الف لام جنسی ہے، مراد سب آسمانی کتابیں ہیں۔ (۴) مُھَیمِنٌ: اسم فاعل، ھیمنة مصدر: نگہبان، آخری محافظ، مشاہد، یہ اللہ کا صفاتی نام بھی ہے (۵) علیه کا مرجع الکتاب ہے، وہ لفظاً مفرد ہے (۶) عما: جار مجرور کا متعلق عادلاً (ہٹتے ہوئے، اعراض کرتے ہوئے) محذوف ہے، اور عادلاً: لاتتبع کے فاعل کا حال ہے (۷) شرعة: شارعِ اعظم، بڑا راستہ (۸) منھاج: چھوٹا مگر واضح راستہ۔

لِّيَبْلُوَكُمْ	تاکہ وہ آزمائیں تم کو	اَنْزَلَ	اتارا ہے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
فِيْ مَآ	اس میں جو	اللّٰهُ	اللہ نے	اَنْ يُّصِيْبَهُمْ	کہ پہنچ جائے ان کو
اٰتٰكُمْ	دیا تم کو	وَلَا تَتَّبِعْ	اور نہ پیروی کریں آپؐ	بِبَعْضِ	کچھ حصہ
فَاسْتَبِقُوا	پس ریس کرو	اَهْوَآءَهُمْ	ان کی خواہشات کی	ذُنُوْبِهِمْ	ان کے گناہوں کا
الْخَيْرٰتِ	خوبیوں میں	وَاحْذَرْهُمْ	اور چوکنا رہیں آپؐ ان سے	وَ اِنَّ كَثِيْرًا	اور یہ کہ بیشتر
اِلَى اللّٰهِ	اللہ ہی کی طرف	اَنْ	کبھی	مِّنَ النَّاسِ	لوگ
مَرْجِعُكُمْ	تمہارا لوٹنا ہے	يَّفْتِنُوْكَ	بچلادیں وہ آپؐ کو	لَفٰسِقُوْنَ	یقیناً نافرمان ہیں
جَمِيْعًا	سبھی کا	عَنْۢ بَعْضِ	کچھ حصے سے	اَفَحُكْمَ	کیا تو فیصلہ
فَيُنَبِّئُكُمْ	پس آگاہ کریں گے وہ تم کو	مَآ اَنْزَلَ	جو اتارا ہے	الْجَاهِلِيَّةِ	جاہلیت کا
بِمَا كُنْتُمْ	ان باتوں سے جو تھے تم	اللّٰهُ	اللہ نے	يَبْغُوْنَ	چاہتے ہیں وہ؟
فِيْهِ	اس میں	اِلَيْكَ	آپؐ کی طرف	وَمَنْ اَحْسَنُ	اور کون بہت اچھا ہے
تَخْتَلِفُوْنَ	اختلاف کرتے	فَاِنْ تَوَلَّوْا	پس اگر روگردانی کریں وہ	مِنَ اللّٰهِ	اللہ کے نزدیک
وَ اَنِ احْكُمْ	اور یہ کہ فیصلہ کریں آپؐ	فَاعْلَمْ	تو آپؐ جان لیں	حُكْمًا	فیصلہ کے اعتبار سے
بَيْنَهُمْ	ان کے درمیان	اَنَّمَا (۱)	سوائے اس کے نہیں کہ	لِّقَوْمٍ	ان لوگوں کے لئے
بِمَآ	اس کے موافق جو	يُرِيْدُ	چاہتے ہیں	يُّوْقِنُوْنَ	جو یقین رکھتے ہیں

اہل کتاب اپنا دین بگاڑ چکے اب اسلام کو خراب کرنا چاہتے ہیں!

ربط: مال کی چوری کے بعد معنوی چوری یعنی تحریف کی دو مثالیں بیان کی تھیں، اسی کے ساتھ تورات کی اہمیت بھی بیان کی تھی، پھر تورات کے ضمیمہ انجیل کا تذکرہ کیا، اب اللہ کی تمام کتابوں کی محافظ کتاب: قرآنِ کریم کا تذکرہ کرتے ہیں، مُہیمن کے یہی معنی ہیں، یہ اللہ کی صفت ہے، اللہ تعالیٰ مخلوقات سے بالا محافظ ہیں، ان سے اوپر کوئی محافظ نہیں، اسی طرح قرآنِ کریم تمام آسمانی کتابوں کا آخری محافظ ہے، اس کے بعد کوئی کتاب نہیں۔

اور ان آیات کے پیچھے بھی ایک واقعہ ہے، جو ان کا شانِ نزول ہے: یہود کے چار بڑے علماء: عبداللہ بن صوریا، کعب بن اسد، ابن صلوبا اور شاس بن عدی: آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ آپؐ جانتے ہیں: ہم

(۱) اَنّما: أنّ حرف مشبہ بالفعل اور ما کافہ، تحقیق کے لئے بھی آتا ہے اور حصر کے لئے بھی، ترجمہ حصر کا کیا ہے۔

یہود کے علماء اور پیشوا ہیں، اگر ہم مسلمان ہوجائیں تو سب یہود مسلمان ہوجائیں گے، مگر ہماری شرط یہ ہے کہ ہمارا ایک مقدمہ آپ کی قوم کے لوگوں کے ساتھ ہے (فرضی یا حقیقی)، ہم یہ مقدمہ آپ کے پاس فیصلہ کے لئے لائیں گے، اگر آپ اس کا فیصلہ ہمارے حق میں کریں تو ہم مسلمان ہوجائیں گے۔

ایسی صورت میں ایک داعی کی لالچ یہ ہوسکتی ہے کہ فیصلہ میں ذرا اونچ نیچ ہوجائے تو کیا حرج ہے؟ ایک قوم حلقہ بگوشِ اسلام ہوجائے تو کچھ مضائقہ نہیں! اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں، اور آپ کو متنبہ کیا کہ آپ یہود کے مسلمان ہونے کے لالچ میں عدل وانصاف کا خون نہ کریں، اور اللہ کے نازل کردہ قوانین کے خلاف ہرگز فیصلہ نہ کریں، نہ کلی خلاف ورزی ہو نہ جزوی، اور آپ اس کی پرواہ نہ کریں کہ وہ مسلمان ہوتے ہیں یا نہیں۔

یہود کج فطرت واقع ہوئے ہیں، انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کو ستانے میں کمی نہیں چھوڑی، انھوں نے تورات جیسی عظیم الشان کتاب میں ہیر پھیر کردیا، پھر عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا کچھ نہیں کیا! اور ان کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد ایک یہودی منافقانہ عیسائی بنا، اور اس نے عیسائیت کا حلیہ بگاڑ دیا، پھر جب اسلام کا دور آیا تو پہلے وہ نبی ﷺ کے پیچھے پڑے، اللہ نے آپ کی حفاظت کی، اور ان کی طرف مائل نہیں ہونے دیا۔ مگر بہت جلد عبداللہ بن سبا یہودی منافقانہ مسلمان ہوا، اور اس نے اسلام کے متوازی شیعیت کی داغ بیل ڈالی، مگر وہ اسلام کو نقصان نہیں پہنچا سکا، اس لئے کہ یہ آخری دین ہے، اور قیامت تک کے لئے اس کا بقاء مقدر ہے۔

پھر قرونِ متوسطہ میں مسلسل وہ مسلمانوں کے خلاف چالیں چلتے رہے، خلافت کو ختم کرکے عربوں کے ٹکڑے کردیئے، اور ان کو بے حیثیت کرکے رکھ دیا، بلکہ ان کو ان کی عورتوں کے کرتے پہنا دیئے، اور آج بھی نام نہاد مسلمانوں کو بڑھاوا دینے میں لگے ہوئے ہیں، اور مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کرنا ان کا محبوب مشغلہ ہے، اللہ تعالیٰ ان کی ریشہ دوانیوں سے مسلمانوں کی حفاظت فرمائیں (آمین) پس ضرورت اس کی ہے کہ مسلمان ان کی چالوں کو خاک میں ملادیں، ان آیات کا یہی سبق ہے۔

قرآنِ کریم

برحق تعلیمات پر مشتمل، سابقہ کتابوں کا مصدق اور دینی مضامین کا آخری محافظ ہے

بات قرآنِ کریم کی اہمیت کے بیان سے شروع کی ہے، انجیل تو تورات کا تتمہ تھی، مستقل کتاب نہیں تھی، مگر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آخری نبی پر اپنی آخری مستقل کتاب نازل کی جو قیامت تک باقی رہے گی، اس لئے کہ وہ اللہ کی کتاب ہی

نہیں، اللہ کا کلام بھی ہے، پس اس میں تحریف اور تبدیلی ناممکن ہے، اور اس میں تین خوبیاں ہیں:

۱- وہ برحق تعلیمات پر مشتمل ہے، اس کی ہر بات باون تولہ پاؤرتی ہے، اس سے ہر دینی ضرورت کی تکمیل ہوتی ہے۔

۲- وہ گذشتہ آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے، اس لئے کہ جو کتابیں اور جو قوانین ایک سرچشمہ اور ایک اتھارٹی سے آتے ہیں وہ سب برحق ہوتے ہیں، بعض بعض کی تغلیط نہیں کرتے۔

۳- قرآنِ کریم: آسمانی کتابوں کے مضامین کا آخری محافظ ہے، وہ مہیمن ہے، اب کوئی دوسری ناسخ کتاب نہیں آئے گی، جیسے اللہ تعالیٰ مہیمن ہیں، وہ مخلوقات کے آخری محافظ ہیں، ان سے بالا کوئی محافظ نہیں۔

﴿ وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَ مُهَیْمِنًا عَلَیْهِ ﴾

ترجمہ: اور ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب نازل کی، جو برحق تعلیمات پر مشتمل ہے، جو ان کتابوں کو سچا بتاتی ہے جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں، جو آسمانی کتابوں کے مضامین کی محافظ ہے!

قاضی اپنے فیصلوں میں شریعت کے احکام سے سرِمو انحراف نہ کریں

جب قرآنِ کریم برحق تعلیمات پر مشتمل ہے تو اس پر پوری طرح عمل ضروری ہے، اللہ کا دین برائے عمل نازل کیا جاتا ہے، پس قاضی خواہ فیصلہ مسلمانوں کے لئے کریں یا غیروں کے لئے کریں: شریعتِ اسلامیہ سے بال برابر بھی انحراف نہ کریں، رشوت لے کر یا رعایت کر کے فیصلہ کر کے اپنا دامن داغ دار نہ کریں، انصاف ہی سے جہاں کی رونق ہے۔

شانِ نزول کے واقعہ میں یہود کے اکابر نے چاہا تھا کہ نبی ﷺ کے پاؤں پھسلا دیں، مگر ان آیات نے چوکنا کر دیا، اور غلط فیصلہ کی نوبت نہ آئی، اور یہ بھی معلوم نہیں کہ کوئی نزاع تھا بھی یا محض فرضی بات تھی؟ مگر قضات کے لئے ہدایت آ گئی!

﴿ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ؕ ﴾

ترجمہ: پس —— یعنی جب قرآنِ کریم برحق تعلیمات پر مشتمل ہے تو —— آپ لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں اس کے مطابق جو اللہ نے نازل کیا ہے، اور لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کریں، اس سے (ہٹتے ہوئے) جو برحق بات آپ کے پاس آ چکی ہے!

اختلافِ شرائع کی ایک حکمت ابتلاء

یہود و نصاریٰ جو دعوتِ اسلام قبول نہیں کرتے تھے اس کی ایک وجہ شریعتوں کا اختلاف تھا، اسلامی شریعت ان کی

شریعت سے قدرے مختلف تھی، عبادت کے طریقے اور بعض دوسرے احکام موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کی شریعتوں میں بھی مختلف ہیں، حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام خاتم انبیائے بنی اسرائیل ہیں، اور انجیل تورات کا ضمیمہ ہے، مگر شریعتوں میں قدرے اختلاف ہے جو ان کو ایک نہیں ہونے دیتا، اور شریعتِ محمدی تو مستقل شریعت ہے، اس کا سابقہ شریعتوں سے اختلاف ناگزیر ہے، اس لئے ان کو اسلام کے نئے احکام پر عمل کرنا بھاری معلوم ہوتا تھا۔

لوگ جب کسی ایک طریقہ کے عادی ہو جاتے ہیں، اور وہ اس کو بالذات دین سمجھ لیتے ہیں تو نئی بات قبول کرنے کے لئے طبیعت آمادہ نہیں ہوتی، اگرچہ وہ نئی بات برحق ہوتی ہے، جیسے بدعات و رسوم جب کسی قوم میں جڑ پکڑ لیتی ہیں تو ان کو اکھاڑنا سخت دشوار ہو جاتا ہے، کبھی جھگڑوں اور لڑائیوں کی نوبت آجاتی ہے، مگر یہ سب جھگڑے نیکی کے کاموں میں شمار کئے جاتے ہیں، ان کا مردانہ وار مقابلہ کرنا بھی ایک طرح کا جہاد ہے۔

اس لئے اب اہل کتاب کو سمجھاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ سے رسولوں کو الگ الگ شریعتیں دی ہیں، اس کی ایک حکمت تو یہ ہے کہ زمانے کے تقاضے الگ الگ ہوتے ہیں، انسانوں کی طبائع مختلف ہوتی ہیں، اگر سب کے لئے ایک شریعت ہوتی تو مشکلات پیش آتیں، اس لئے حکمت کا تقاضا ہوا کہ زمانہ اور مزاج کی رعایت رکھ کر مختلف احکام دیئے جائیں، جیسے حکیم نسخہ بدلتا ہے تو اس میں مریض کی مصلحت ملحوظ ہوتی ہے۔

اور اختلافِ شرائع کی دوسری وجہ جو یہاں بیان فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ عبادت کا کوئی ایک طریقہ بالذات دین نہیں، اور کسی خاص قانون میں تقدس نہیں، تقدس اللہ کے حکم سے پیدا ہوتا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ جس زمانہ میں جو حکم دیں وہی اس زمانہ میں مقدس ہے، اس لئے مختلف امتوں کے لئے مختلف آئین و دستور بنائے گئے، اور ایسا لوگوں کے امتحان کے لئے کیا گیا ہے، دیکھنا یہ ہے کہ کون بدلے ہوئے احکام کو قبول کرتا ہے؟ مریض کو مزاج کی تبدیلی کے بعد جو نیا نسخہ دیا جاتا ہے اس کو وہ قبول کرتا ہے یا پہلے نسخہ پر اصرار کرتا ہے؟ جو نیا نسخہ استعمال کرے گا وہ شفا پائے گا اور جو سابقہ نسخہ استعمال کرتا رہے گا وہ شفایاب نہیں ہوگا۔

اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو سب امتوں کے لئے ایک آئین اور ایک دستور ہوتا، لیکن انھوں نے مختلف امتوں کے لئے مختلف شریعتیں رکھی ہیں تاکہ لوگوں کا امتحان کریں کہ کون نئی شریعت کو قبول کرتا ہے؟ جو قبول کرے گا وہ مؤمن ہوگا، اور جو انکار کرے گا وہ کافر ہوگا۔

لہٰذا ہر امت کو اس کے زمانہ میں جو شریعت دی گئی ہے اس پر عمل کرنے میں تگ و پو کرنی چاہئے، آج کی شریعت اسلام ہے، اب اسی راستہ سے اللہ تک پہنچا جا سکتا ہے، جو لوگ یہ بات تسلیم نہیں کریں گے، اور برابر اختلاف کرتے رہیں

گے وہ سب اللہ کے پاس جمع کئے جائیں گے، اور اس وقت حق و باطل کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔

﴿ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۚ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ؀ ﴾

ترجمہ: ہر ایک کے لئے ہم نے تم میں سے آئین اور دستور بنایا ہے — حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے دونوں لفظوں کی تفسیر بڑے راستہ اور چھوٹے راستہ سے کی ہے (بخاری شریف) مگر بہتر دونوں کو ہم معنی قرار دینا ہے، اس لئے کہ شرعۃ سے عقائد اور منہاج سے احکام مراد لینا درست نہیں، عقائد سب انبیاء کے ایک ہیں، احکام ہی میں اختلاف ہے — اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو تم کو ایک امت بناتے — یعنی سب امتوں کا آئین و دستور ایک ہوتا، طریق عبادت اور احکام ایک ہوتے — لیکن اس لئے کہ وہ تمہیں آزمائے اس شریعت میں جو تم کو دی ہے — کہ کون اس کو قبول کرتا ہے، اور کون ناک منہ چڑھاتا ہے؟ — لہٰذا تم نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے سے سبقت کیا کرو — یعنی اب جو تم کو شریعتِ اسلامیہ دی ہے: اب وہی برحق ہے، پس اس پر عمل کر کے اللہ کا قرب حاصل کرو — تمہارا سبھی کا لوٹنا اللہ کی طرف ہے، پھر وہ تم کو آگاہ کریں گے ان باتوں سے جن میں تم اختلاف کرتے ہو — یعنی تم پرانی لکیر پیٹے جا رہے ہو، نئی شریعت کو قبول نہیں کر رہے، اس کی حقیقت قیامت کے دن کھلے گی، اور منسوخ شریعت پر اصرار کرنے کی سزا ملے گی۔

یہود و نصاریٰ سے چوکنا رہو، وہ شریعت کے کسی حصہ سے تم کو ہٹا نہ دیں

یہود و نصاریٰ پہلے دن سے مسلمانوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں، سب سے پہلے انھوں نے نبی ﷺ کو بچلانا چاہا، شانِ نزول کے واقعہ میں ہے کہ انھوں نے آپؐ سے شریعت کے خلاف جاہلیت والا فیصلہ کرانا چاہا، اور لالچ یہ دی کہ سب یہودی مسلمان ہو جائیں گے، بعد کی صدیوں میں بھی ان کا یہ مکر جاری رہا، اور اب بھی وہ اسی کوشش میں لگے ہوئے ہیں، امت مرحومہ کو کلی طور پر تو وہ شریعت سے ہٹا نہیں سکتے: جزوی طور پر سہی، مسلمان دین سے ہٹ جائیں تو ان کا کلیجہ ٹھنڈا ہو، چنانچہ وہ نام کے مسلمانوں کو بڑھاوا دیتے ہیں، ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں، کہتے ہیں: اگر سارے مسلمان اپ ٹو ڈیٹ ہو جائیں یعنی نام کے مسلمان رہ جائیں تو جھگڑا ختم ہو جائے!

چنانچہ اللہ تعالیٰ نبی ﷺ سے خطاب فرماتے ہیں، مگر مقصود امت کو ہوشیار کرنا ہے کہ آپؐ ان کے مقدمہ میں شریعت کے مطابق فیصلہ کریں، اور ان کی امیدوں پر پانی پھیر دیں، آپؐ چوکنا رہیں، وہ اپنی چال میں کامیاب نہ ہوں، ایک خاص معاملہ میں بھی وہ آپؐ کو شریعت سے ہٹانے نہ پائیں، اس لئے کہ رسّی جب ڈھیلی پڑتی ہے تو کبھی سرا ہاتھ سے نکل جاتا ہے! اس لئے رسّی مضبوط تھامے رہنا ہی بہتر ہے۔

﴿وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ﴾

ترجمہ: اور یہ کہ —— یعنی بایں وجہ کہ قرآن سابقہ کتابوں کا محافظ ہے —— آپؐ فیصلہ کریں ان کے درمیان اس کے موافق جو اللہ نے اتارا ہے، اور آپؐ ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں —— یہ تمہید لوٹائی ہے اگلی بات کہنے کے لئے —— اور آپؐ ان سے چوکنا رہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ آپؐ کو بچلادیں —— پھسلادیں —— اُس (وحی) کے کچھ حصہ سے جو اللہ نے آپؐ کی طرف نازل کی ہے۔

اگر یہود شرعی فیصلہ قبول نہ کریں تو دو باتیں واضح ہیں

یہود: مشرکین کے ساتھ اپنا مقدمہ اگر اسلامی کورٹ میں لائیں تو قاضی اسلامی شریعت کے مطابق فیصلہ کرے گا، ان کی شریعت کے مطابق فیصلہ نہیں کرے گا، ان کی شریعت اور اسلامی شریعت تو ایک ہیں، لامحالہ جاہلی ریت کے مطابق فیصلہ کرنا ہوگا، پس دو باتیں واضح ہیں:

ایک: یہود کو اللہ تعالیٰ ان کی اس حرکت کی سزا ضرور دیں گے، اس لئے کہ انھوں نے اللہ کے فیصلہ سے روگردانی کی ہے، اور شیطان کی شریعت کے سامنے سر جھکایا ہے۔ چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد ان کی عہد شکنی اور سازشوں کی سزا جلاوطنی اور قتل کی صورت میں دنیا ہی میں مل گئی!

دوم: یہ روگردانی ان کی نافرمانی کی دلیل بن گئی، دنیا میں بیشتر لوگ اطاعت شعار نہیں ہوتے، یہود بھی فرمان بردار نہیں۔

وضعی قوانین اور شرعی قوانین یکساں نہیں ہوسکتے!

مسلمانوں کی جو حکومتیں اسلامی قانون کے بجائے پارلیمنٹری قوانین کو اپنائے ہوئے ہیں، اور جو مسلمان حقیر مفادات کے لئے شریعت کے قانون کو چھوڑ کر غیر اسلامی عدالتوں کا رخ کرتے ہیں وہ جان لیں کہ وضعی قوانین شرعی قوانین کے برابر کبھی نہیں ہوسکتے، پس کیا وہ گھوڑے کو چھوڑ کر گدھے پر سواری کرنا چاہتے ہیں؟!

﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ۝ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ؕ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: پس اگر وہ (یہود آپؐ کے فیصلہ سے) روگردانی کریں تو آپؐ سمجھ لیں کہ (۱) اللہ تعالیٰ ان کو ان کی بعض حرکتوں کی سزا دینا چاہتے ہیں (۲) اور یہ کہ بیشتر لوگ نافرمان ہیں۔

تو کیا وہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں؟ اور یقین کرنے والوں کے لئے اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کون ہے؟ ـــــ کوئی نہیں!

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِىَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِىْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ؕ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۵۳﴾

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	مِنْهُمْ	ان میں سے ہے	اَنْ تُصِيْبَنَا	کہ پہنچے ہمیں
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	دَآئِرَةٌ	گردش زمانہ
لَا تَتَّخِذُوا	نہ بناؤ تم	لَا يَهْدِى	راہ نہیں دیتے	فَعَسَى	پس قریب ہیں
الْيَهُوْدَ	یہود	الْقَوْمَ	لوگوں کو	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
وَ النَّصٰرٰٓى	اور نصاریٰ کو	الظّٰلِمِيْنَ	ناانصاف	اَنْ يَّاْتِىَ	کہ لے آئیں
اَوْلِيَآءَ	دوست	فَتَرَى	پس دیکھتا ہے تو	بِالْفَتْحِ	کامیابی
بَعْضُهُمْ	ان کے بعض	الَّذِيْنَ	ان کو جو	اَوْ اَمْرٍ	یا کوئی دوسری بات
اَوْلِيَآءُ	دوست ہیں	فِىْ قُلُوْبِهِمْ	ان کے دلوں میں	مِّنْ عِنْدِهٖ	اپنے پاس سے
بَعْضٍ	بعض کے	مَّرَضٌ	بیماری ہے	فَيُصْبِحُوْا	پس ہو کر رہ جائیں وہ
وَمَنْ	اور جو شخص	يُّسَارِعُوْنَ	دوڑتے ہیں	عَلٰى مَآ	اس پر جو
يَّتَوَلَّهُمْ	دوستی کرے گا ان سے	فِيْهِمْ	ان میں	اَسَرُّوْا	چھپایا انھوں نے
مِّنْكُمْ	تم میں سے	يَقُوْلُوْنَ	کہتے ہیں	فِىْٓ اَنْفُسِهِمْ	اپنے دلوں میں
فَاِنَّهٗ	پس بے شک وہ	نَخْشٰى	ڈر ہے ہمیں	نٰدِمِيْنَ	پشیمان

وَيَقُوْلُ	اور کہیں گے	اَقْسَمُوْا	قسمیں کھائی تھیں	لَمَعَكُمْ	البتہ تمہارے ساتھ ہیں
الَّذِيْنَ	وہ لوگ جو	بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کی	حَبِطَتْ	برباد ہوئے
اٰمَنُوْٓا	ایمان لائے	جَهْدَ	بھاری	اَعْمَالُهُمْ	ان کے کام
اَهٰٓؤُلَاۗءِ	کیا یہ ہیں وہ لوگ	اَيْمَانِهِمْ	اپنی قسمیں	فَاَصْبَحُوْا	پس ہوکر رہ گئے وہ
الَّذِيْنَ	جنھوں نے	اِنَّهُمْ	کہ وہ	خٰسِرِيْنَ	نقصان اٹھانے والے

براچاہنے والوں سے دور کی بھلی!

گذشتہ آیت سے جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ یہود ونصاری مسلمانوں کا دین خراب کرنا چاہتے ہیں تو براچاہنے والوں سے دور کی بھلی! ان سے یارانہ مت کرو، جوان سے دوستی کرے گا وہ انہیں میں شمار ہوگا، ہرچہ درکانِ نمک رفت نمک شد! اور ظالموں (اپنے پیروں پر کلہاڑی مارنے والوں) کا اللہ تعالیٰ ہاتھ نہیں پکڑتے!

غیر مسلموں سے موالات (مودت، دلی دوستی) جائز نہیں، اس لئے کہ دلی دوستی رنگ لاتی ہے، اور نتیجہ ہمیشہ ارذل کے تابع ہوتا ہے، اس لئے دینی ضرر کا اندیشہ ہے، اور دین کی حفاظت ضروری ہے، اور موالات کے علاوہ مدارات، مواسات اور معاملات کے احکام ہدایت القرآن (۳۹۴:۱) میں ہیں۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰٓى اَوْلِيَاۗءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۵۱ ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! یہود ونصاری کو دوست مت بناؤ، وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں —— منکرین اسلام سب ایک تھیلے کے چٹے بٹے ہیں —— اور تم میں سے جوان کے ساتھ دوستی کرے گا وہ انہیں میں سے ہوگا، اللہ تعالیٰ ظالموں کو راہ نہیں دیتے!

نفاق کا کرشمہ اور اس کا جواب

ظالموں کو، یعنی منافقوں کو اللہ تعالیٰ ہدایت سے ہم کنار نہیں کرتے، جب تک بندہ ہدایت کا ارادہ نہ کرے اللہ تعالیٰ اس کی دستگیری نہیں کرتے، اب ایک آیت میں نفاق کی کرشمہ سازی اور اس کا جواب ملاحظہ فرمائیں:

شانِ نزول: انصار کے قبیلہ خزرج میں دو بڑے آدمی تھے، حضرت سعد بن عبادہؓ مخلص مسلمان اور قبیلہ کے سردار تھے، اور عبداللہ بن ابی منافقوں کا سردار تھا۔ دونوں میں گفتگو ہوئی، حضرت سعدؓ نے عبداللہ سے کہا: تو یہود کی طرف پینگ

کیوں بڑھاتا ہے؟ مخلص مسلمان کیوں نہیں بنتا؟ نجات کے لئے یہ نفاق والا اسلام کافی نہیں!

عبد اللہ نے جواب دیا: مسلمانوں میں اور ان کے مخالفین میں جو کش مکش برپا ہے: معلوم نہیں یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے، اس لئے اگر ہم مسلمانوں ہی کے ہو کر رہ گئے، اور فتح مخالفین کی ہوئی تو ہم سخت مصیبت میں پھنس جائیں گے، پس بہتر یہی ہے کہ دونوں طرف راہ ورسم باقی رہے۔

اللہ تعالیٰ جواب ارشاد فرماتے ہیں: بہت جلدی اسلام کی فتح ہوگی، اس میں فتح مکہ کی طرف اشارہ ہے، یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی اور بات پیش آئے گی، اور تمہارے حلیفوں (دوستوں) کو یعنی یہود کو عہد شکنی اور سازشوں کے نتیجہ میں جلاوطن کیا جائے گا یا قتل کیا جائے گا، پس تمہارے ہاتھوں کے طوطے اڑ جائیں گے، اور تم نے دلوں میں جو نفاق چھپایا ہے اس پر سخت پشیمان ہوؤ گے!

﴿ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰۤى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَاۤ اَسَرُّوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ۟ؕ ﴾

ترجمہ: پس آپ دیکھتے ہیں ان لوگوں کو جن کے دلوں میں (نفاق کا) روگ ہے، وہ دوڑ دھوپ کرتے ہیں ان (یہود) میں، کہتے ہیں: ہمیں گردش زمانہ کا ڈر ہے! —— (جواب) سو جلد اللہ تعالیٰ فتح (کامیابی) یا اپنی طرف سے کوئی اور بات (جلاوطنی اور قتل) لے آئیں، پس وہ (منافقین) اپنے دلوں میں چھپائی ہوئی باتوں پر پشیمان ہو کر رہ جائیں۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم، نہ اُدھر کے رہے نہ اِدھر کے!

جب اسلام کی فتح ہوگی یا مخالفین اسلام (یہود) ذلیل وخوار ہونگے تو یہ منافقین دوراہے پر کھڑے رہ جائیں گے، اور چہ می کنم؟ میں مبتلا ہونگے۔ افسوس سے انگلیاں کاٹیں گے کہ مسلمان کیوں کامیاب ہو گئے! —— حالانکہ وہ بظاہر مسلمان تھے، ان کو چاہئے تھا کہ مسلمانوں کی کامیابی پر گھی کے چراغ جلاتے! —— جب مسلمان ان کی مکھی تیل میں گری ہوئی دیکھیں گے تو تعجب سے کہیں گے: یہی وہ لوگ ہیں جو کڑی کڑی قسمیں کھا کر کہا کرتے تھے کہ ہم مسلمانوں کے ساتھ ہیں، اب پردہ ہٹا کہ وہ مخالفین اسلام کے ساتھ تھے، اس لئے ان کی رسوائی پر مگر مچھ کے آنسو بہا رہے ہیں —— اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ان کی سب پینترے بازیاں گاؤ خورد ہو گئیں، اور گھاٹے کے سوا ان کے ہاتھوں میں کچھ باقی نہ رہا!

﴿ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ۟ ﴾

ترجمہ: اور کہیں گے ایمان والے: کیا یہی ہیں وہ لوگ جو بڑے زور کی قسمیں کھاتے تھے کہ بے شک وہ تمہارے (مسلمانوں) کے ساتھ ہیں، ان کے اعمال برباد ہوئے، اور وہ گھاٹا پانے والوں میں سے ہو کر رہ گئے!

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَي الْكٰفِرِيْنَ ۡ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَاۗىِٕمٍ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿٥٤﴾ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿٥٥﴾ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿٥٦﴾ ع

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے لوگو جو	عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ	مسلمانوں کے حق میں	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	اَعِزَّةٍ (۲)	تیز طرار	وَاسِعٌ	کشائش والے
مَنْ يَّرْتَدَّ	جو پھر جائے گا	عَلَي الْكٰفِرِيْنَ	کافروں کے حق میں	عَلِيْمٌ	خوب جاننے والے ہیں
مِنْكُمْ	تم میں سے	يُجَاهِدُوْنَ	لڑیں گے وہ	اِنَّمَا	اس کے سوا نہیں کہ
عَنْ دِيْنِهٖ	اپنے دین سے	فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	راہِ خدا میں	وَلِيُّكُمُ	تمہارا دوست
فَسَوْفَ	پس عنقریب	وَلَا يَخَافُوْنَ	اور نہیں ڈریں گے وہ	اللّٰهُ	اللہ ہے
يَاْتِي اللّٰهُ	لائیں گے اللہ	لَوْمَةَ	ملامت سے	وَرَسُوْلُهٗ	اور اس کا رسول ہے
بِقَوْمٍ	ایسے لوگوں کو	لَاۗىِٕمٍ	ملامت کرنے والے کی	وَالَّذِيْنَ	اور وہ لوگ ہیں جو
يُّحِبُّهُمْ	جن سے وہ محبت کرتے ہونگے	ذٰلِكَ	یہ	اٰمَنُوْا	ایمان لائے
وَيُحِبُّوْنَهٗٓ	اور جس سے وہ محبت کرتے ہونگے	فَضْلُ اللّٰهِ	اللہ کی مہربانی ہے	الَّذِيْنَ	جو لوگ
		يُؤْتِيْهِ	دیں گے وہ اس کو	يُقِيْمُوْنَ	اہتمام کرتے ہیں
اَذِلَّةٍ (۱)	نرم دل	مَنْ يَّشَاۗءُ	جسے چاہیں گے	الصَّلٰوةَ	نماز کا

(۱) أذلة: ذلیل کی جمع قلت ہے، یہاں اس کے معنی متواضع اور نرم دل کے ہیں (۲) أعزة: عزیز کی جمع: زبردست۔

وَ يُؤْتُوْنَ	اور دیتے ہیں	وَمَنْ	اور جو شخص	اٰمَنُوْا	ایمان لائے ہیں
الزَّكٰوةَ	زکات	يَّتَوَلَّ اللّٰهَ	دوستی کرتا ہے اللہ سے	فَاِنَّ حِزْبَ	تو بے شک جماعت
وَهُمْ (۱)	درانحالیکہ وہ	وَ رَسُوْلَهٗ	اور اس کے رسول سے	اللّٰهِ	اللہ کی
رٰكِعُوْنَ	جھکنے والے ہیں	وَ الَّذِيْنَ	اور ان لوگوں سے جو	هُمُ الْغٰلِبُوْنَ	ہی غالب رہنے والی ہے

منافقین اپنی سیرت کا مسلمانوں کی سیرت سے موازنہ کریں اور تفاوت دیکھیں

ربط: گذشتہ آیت میں ان منافقین کا ذکر تھا جو اہل کتاب (یہود ونصاری) کی طرف پینگ بڑھاتے ہیں، اب ان آیات میں ان کو کھرے مسلمانوں کا آئینہ دکھاتے ہیں، تاکہ وہ اپنے احوال کا ان مخلص مسلمانوں کے احوال کے ساتھ موازنہ کریں، اور دیکھیں کہ تفاوت راہ از کجا است تا بکجا!

منافق بھی بظاہر مسلمان تھے، اس لئے ان سے خطاب ہے کہ اگر تم نے اسلام کو چھوڑ دیا تو اللہ کے دین کا کیا نقصان ہوگا؟ اللہ تعالیٰ کسی اور قوم کو کھڑا کردیں گے، جو اللہ کی محبوب قوم ہوگی، اور وہ اللہ سے محبت کرتی ہوگی، اور ان میں چھ خوبیاں ہونگی جن سے تم خالی ہو:

۱—وہ مسلمانوں کے حق میں نرم، اور کافروں کے حق میں گرم ہونگے، اور تمہارا معاملہ برعکس ہے، تم مسلمانوں کے بدخواہ، اور کافروں کے خیرخواہ ہو!

۲—وہ اللہ کے دین کے لئے سرفروش ہونگے، اور تم جہاد سے کنّی کاٹتے ہو!

۳—وہ کسی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ نہیں کریں گے، اور تم کانوں کے کچّے ہو! ملامت گر کی سنتے ہو!

۴—ان کی دوستی اللہ سے، اور ان کے رسول سے اور مسلمانوں سے ہوگی، اور تمہارا غیروں کے ساتھ سنگت ہے!

۵—وہ بدنی عبادت میں سے اہم عبادت: نماز خشوع وخضوع کے ساتھ پڑھیں گے، اور تم ہارے جی نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہو!

۶—وہ مالی عبادت میں سے اہم عبادت: زکات خوشی خوشی دیں گے، اور تمہاری خرچ کرتے وقت جان نکلتی ہے!

یہ خوبیاں اللہ کا فضل ہیں، جسے چاہتے ہیں عطا فرماتے ہیں، اور بے حساب دیتے ہیں، وہ بڑی گنجائش والے ہیں، اور اس کو جانتے ہیں جو اس کا مستحق ہے، اور ان صفات کے حامل حزب اللہ (اللہ کی جماعت) ہیں، انہیں کے لئے خوش انجامی ہے، تم بھی خیر چاہتے ہو تو اس جماعت میں شامل ہوجاؤ! اور یہود ونصاری سے کٹ جاؤ!

---

(۱) وھم راکعون: یقیمون اور یؤتون کے فاعل کا حال ہے (جمل)

یہ آیات کا ماسبق سے ربط ہے، اب تفسیر پڑھیں:

پہلی آیت میں اسلام کی بقا اور حفاظت کے متعلق پیشین گوئی ہے، پچھلی آیات میں کفار کی موالات کی ممانعت تھی، یہاں کوئی سوچ سکتا ہے کہ اگر کوئی شخص یا کوئی قوم کفار کے ورغلانے سے اسلام سے پھر جائے گی تو کیا ہوگا؟ اسلام کا نقصان ہوگا! پس کفار سے بنائے رکھنے میں فائدہ ہے۔

جواب: ایسے لوگ اپنا ہی نقصان کریں گے، اسلام کو کوئی ضرر نہیں پہنچے گا، اللہ تعالیٰ مرتدین کی جگہ ایسی قوم لے آئیں گے جن کو اللہ پسند کرتے ہیں، اور وہ اللہ کے عاشق ہونگے، وہ باہم نرم دل اور غیروں کے ساتھ گرم زباں ہونگے، وہ اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے ان سے لوہا لیں گے، اور کسی ملامت گر کی نہیں سنیں گے۔

اللہ کی یہ پیشین گوئی ہر قرن میں پوری ہوتی رہی، کعبہ کو صنم خانہ سے محافظ ملتے رہے، آج بھی مشاہدہ ہے: جب اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف کوئی کیچڑ اچھالتا ہے تو اسلام قبول کرنے والوں کی نفری بڑھ جاتی ہے، اور مرتدین کی سرکوبی کے لئے ایسے حضرات کھڑے ہوجاتے ہیں جن کی طرف خیال بھی نہیں جاتا، اللہ تعالیٰ جن بندوں کو چاہتے ہیں اپنے فضل سے نوازتے ہیں، ان کا فضل غیر محدود ہے، اور وہ خوب جانتے ہیں کہ کون بندہ اس کا اہل اور مستحق ہے۔

جب یہود و نصاریٰ کی دوستی سے مسلمانوں کو منع کیا گیا تو سوال پیدا ہوا کہ پھر دوستی کس سے کی جائے؟ اگلی دو آیتوں میں اس کا جواب ہے کہ مسلمان مسلمانوں کی رفاقت پر اکتفا کریں، اور مسلمان بھی دیندار: نماز، زکات ادا کرنے والے، وہی دین کے سچے وفادار ہیں، اور آخر میں انہیں کا پلّہ بھاری رہے گا۔

آیاتِ کریمہ: اے وہ لوگو جو (بظاہر) ایمان لائے ہو! جو تم میں سے اپنے دین (اسلام سے) پھر جائے گا تو جلد ہی اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو لے آئیں گے جن سے اللہ محبت کرتے ہیں، اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں —— دوطرفہ محبت مثمر ہوتی ہے، یک طرفہ محبت لاحاصل ہوتی ہے —— جو مسلمانوں کے حق میں نرم (دل) اور منکرین اسلام کے ساتھ گرم (زباں) ہونگے، جو اللہ کے راستہ میں لڑیں گے، اور ملامت گر کی ملامت سے نہیں ڈریں گے، یہ فضل الٰہی ہے، اللہ جسے چاہتے ہیں عطا فرماتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ بڑی گنجائش والے، خوب جاننے والے ہیں۔

تمہارے دوست تو اللہ تعالیٰ، اور اس کے رسول اور مسلمان ہی ہیں، جو نماز کا اہتمام کرتے ہیں اور زکات دیتے ہیں، درانحالیکہ وہ اللہ کے سامنے جھکنے والے ہیں —— یعنی دکھاوے کی نماز نہیں پڑھتے، نہ ناموری کے لئے خرچ کرتے ہیں، بلکہ عاجزی کے ساتھ یہ کام کرتے ہیں —— اور جو شخص اللہ کو، اور ان کے رسول کو اور مسلمانوں کو دوست بنائے گا تو اللہ کی جماعت ہی غالب ہو کر رہے گی!

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّ لَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ الْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۵۸﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۵۹﴾ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿۶۰﴾ وَ اِذَا جَاۗءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۲﴾ لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۶۳﴾

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	هُزُوًا	ٹھٹھا	اَوْلِيَآءَ	دوست
اٰمَنُوْا	ایمان لائے ہو	وَّ لَعِبًا	اور کھیل	وَ اتَّقُوا اللّٰهَ	اور ڈرو اللہ سے
لَا تَتَّخِذُوا	مت بناؤ تم	مِّنَ الَّذِيْنَ (۲)	ان لوگوں میں سے جو	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم
الَّذِيْنَ (۱)	ان لوگوں کو جنھوں نے	اُوْتُوا الْكِتٰبَ	دیئے گئے آسمانی کتاب	مُّؤْمِنِيْنَ	ایمان والے
اتَّخَذُوْا	بنایا	مِنْ قَبْلِكُمْ	تم سے پہلے	وَاِذَا نَادَيْتُمْ	اور جب پکارتے ہو تم
دِيْنَكُمْ	تمہارے دین کو	وَ الْكُفَّارَ (۳)	اور کافروں کو	اِلَى الصَّلٰوةِ	نماز کے لئے

(۱) الذين اتخذوا: لاتتخذوا کا مفعول اول ہے، اور أولياء: مفعول ثانی (۲) من الذين: میں مِن بیانیہ الذين اتخذوا کا بیان ہے (۳) والكفار: الذين اتخذوا مفعول اول پر معطوف ہے۔

اتَّخَذُوْهَا	تو بناتے ہیں وہ اس	قُلْ	کہو	وَ اِذَا	اور جب
	(عبادت) کا	هَلْ اُنَبِّئُكُمْ	کیا آگاہ کروں میں تم کو	جَآءُوْكُمْ	آتے ہیں تمہارے پاس
هُزُوًا	ٹھٹھا	بِشَرٍّ	زیادہ برے سے	قَالُوْٓا	کہتے ہیں:
وَّ لَعِبًا	اور کھیل	مِّنْ ذٰلِكَ	اس سے بھی	اٰمَنَّا	ایمان لائے ہم
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ	یہ بات بایں وجہ ہے کہ وہ	مَثُوْبَةً	بدلہ کے اعتبار سے	وَقَدْ دَّخَلُوْا	حالانکہ آئے ہیں وہ
قَوْمٌ	ایسے لوگ ہیں	عِنْدَ اللّٰهِ	اللہ کے نزدیک؟	بِالْكُفْرِ	کفر کے ساتھ
لَّا يَعْقِلُوْنَ	جو سمجھتے نہیں ہیں	مَنْ لَّعَنَهُ	جس کو پھٹکارا	وَهُمْ	اور وہ
قُلْ	کہو	اللّٰهُ	اللہ نے	قَدْ خَرَجُوْا	تحقیق نکلے ہیں
يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ	اے آسمانی کتاب والو!	وَ غَضِبَ	اور غضبناک ہوئے وہ	بِهٖ	اس کے ساتھ
هَلْ تَنْقِمُوْنَ (۱)	نہیں عیب پاتے ہو تم	عَلَيْهِ	اس پر	وَ اللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
مِنَّآ	ہمارے اندر	وَ جَعَلَ	اور بنائے	اَعْلَمُ	خوب جانتے ہیں
اِلَّآ اَنْ	مگر یہ کہ	مِنْهُمُ	ان میں سے	بِمَا كَانُوْا	ان باتوں کو جو
اٰمَنَّا	ایمان لائے ہیں ہم	الْقِرَدَةَ	بندر	يَكْتُمُوْنَ	چھپایا کرتے تھے وہ
بِاللّٰهِ	اللہ پر	وَالْخَنَازِيْرَ	اور سور	وَتَرٰى	اور دیکھتے ہیں آپ
وَمَآ اُنْزِلَ	اور اس پر جو اتارا گیا	وَعَبَدَ	اور پوجا اس نے	كَثِيْرًا مِّنْهُمْ	ان میں سے بہتوں کو
اِلَيْنَا	ہماری طرف	الطَّاغُوْتَ	شیطان کو	يُسَارِعُوْنَ	دوڑ رہے ہیں
وَمَآ اُنْزِلَ	اور اس پر جو اتارا گیا	اُولٰٓئِكَ	وہی لوگ	فِي الْاِثْمِ	گناہ میں
مِنْ قَبْلُ	قرآن سے پہلے	شَرٌّ مَّكَانًا	برے درجہ میں ہیں	وَ الْعُدْوَانِ	اور ظلم وزیادتی میں
وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ (۲)	اور یہ کہ تم میں سے بیشتر	وَّ اَضَلُّ	اور زیادہ گمراہ ہیں	وَ اَكْلِهِمُ	اور ان کے کھانے میں
فٰسِقُوْنَ	حد اطاعت سے نکلنے	عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ	سیدھے راستہ سے	السُّحْتَ	حرام مال کو
	والے ہیں			لَبِئْسَ مَا	یقیناً برا ہے جو

(۱) نقم الشیئَ: کسی چیز میں عیب نکالنا، ناپسند کرنا، اور منا میں من صلہ کا نہیں، ابتدائیہ ہے (۲) أن أكثركم، أن آمنا پر معطوف ہے۔

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ	کیا کرتے تھے وہ	وَ الْاَحْبَارُ	اور بڑے علماء	السُّحْتَ	حرام مال
لَوْلَا	کیوں نہیں	عَنْ قَوْلِهِمُ	ان کے کہنے سے	لَبِئْسَ مَا	البتہ برا ہے جو
يَنْهٰىهُمُ	روکتے ان کو	الْاِثْمَ	گناہ کی بات	كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ	وہ کیا کرتے تھے
الرَّبّٰنِيُّوْنَ	اللہ والے	وَ اَكْلِهِمُ	اور ان کے کھانے سے	۞	۞

اہل کتاب اور ہر منکر اسلام کو دوست بنانے کی ممانعت اور اس کی وجہ

گذشتہ آیات میں اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) کو دوست بنانے کی ممانعت تھی، اب حکم عام کرتے ہیں کہ خواہ اہل کتاب ہوں جن کو قرآنِ کریم سے پہلے آسمانی کتابیں دی گئی ہیں، خواہ دیگر منکرینِ اسلام ہوں، ہندو ہوں، بدھسٹ ہوں، کمیونسٹ ہوں یا مسلمانوں کے وہ فرقے جو دائرۂ اسلام سے نکل چکے ہیں: ان سب کو دوست (رازدار) بنانا ممنوع ہے۔

وجہ: یہ سب لوگ اسلام کا یا مذہب حق کا مذاق اڑاتے ہیں، دین حق کا کھیل تماشہ بناتے ہیں، اور گمراہ فرقے بھی اہل حق کو برا کہنے میں کسر نہیں چھوڑتے: ایسے لوگوں سے دوستی کے کیا معنی؟ آدمی دوست کا اثر قبول کرتا ہے، گندگی میں جو گھستا ہے گندہ ہوتا ہے، پس مسلمان اپنا دین کیوں خراب کریں؟ جو سچے مؤمنین ہیں وہ اللہ سے ڈریں! اور اس کے حکم کی خلاف ورزی نہ کریں، اور بدقماش (بددین) لوگوں سے دوستی نہ کریں، ورنہ وہ بھی شرابی اور بے نمازی ہو جائیں گے۔

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّ لَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ الْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! جن کو تم سے پہلے آسمانی کتابیں دی گئی ہیں، جو تمہارے دین کا ٹھٹھا مذاق اڑاتے ہیں: ان کو اور منکرینِ اسلام کو دوست مت بناؤ، اور اللہ سے ڈرو اگر تم ایماندار ہو!

اہل کتاب اور کفار مسلمانوں کی عبادت کا مذاق اڑاتے ہیں

جب اذان پکاری جاتی ہے تو غیر مسلم مسلمانوں کی عبادت کا مذاق اڑاتے ہیں، حالانکہ اذان کیا ہے؟ اللہ کی کبریائی اور یکتائی کا اعلان، نبی ﷺ کی رسالت کا اقرار، نماز کی دعوت، جو سبھی سماوی ملتوں کی مشترک عبادت ہے، اور اس پر کامیابی کا مژدہ، اور آخر میں دوبارہ اللہ کی بڑائی اور توحید کا اعلان! اور اذان کے بعد جو نماز پڑھی جاتی ہے: اس کے ذریعہ اللہ کے سامنے آخری درجہ کی عاجزی اور نیازمندی کا اظہار ہوتا ہے۔

مگر یہود ونصاریٰ اور مشرکین کو اذان اور نماز سے چڑ ہے، جہاں ان کی حکومتیں ہیں مساجد بنانے کی اجازت مشکل

سے دیتے ہیں، اور منارہ اور گنبد بنانے کے تو ہرگز روادار نہیں ہوتے، نہ آلۂ مکبر الصوت سے اذان دینے کی اجازت دیتے ہیں، یہ سب کیا ہے؟ مسلمانوں کی عبادت کی ناپسندیدگی!

اور آیت کا شانِ نزول چند واقعات ہیں:

۱- مدینہ میں ایک عیسائی تھا، وہ جب اذان میں أشهد أن محمداً رَّسولُ الله سنتا تو کہتا: جھوٹے کو اللہ تعالیٰ جلادیں! —— پھر اتفاق یہ ہوا کہ وہ اور اس کا خاندان سویا ہوا تھا، ایک چھوکرا آگ لے کر گھر میں آیا، اس میں سے ایک چنگاری گرگئی، جس سے آگ بھڑکی، اور وہ اور اس کا سارا خاندان جل گیا!

۲- جب اذان ہوتی، اور مسلمان نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو یہود کہتے: یہ کھڑے ہوئے ہیں، خدا کرے کبھی ان کو کھڑا ہونا نصیب نہ ہو! اور جب مسلمان رکوع سجدہ کرتے تو ٹھٹھا مخول کرتے، کیونکہ ان کی نماز میں رکوع سجدہ نہیں تھا۔

۳- مکہ سے حنین جاتے ہوئے جب لشکر ایک بستی کے پاس اترا اور نماز کا وقت ہوا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دینی شروع کی، گاؤں کے جوان جو تماشہ دیکھنے آئے تھے انھوں نے مؤذن کی آواز میں آواز ملا کر مذاق شروع کیا، نبی ﷺ کے حکم سے سب پکڑ لئے گئے، ان میں سے ابومحذورہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے اور ان کو مکہ کا مؤذن مقرر کیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: یہ لوگ اذان اور نماز کا مذاق کیوں اڑاتے ہیں؟ اس لئے اڑاتے ہیں کہ یہ بے عقل ہیں، عقلِ معاش تو ان کے پاس ہے، مگر عقلِ معاد نہیں، بھلا اللہ کی بندگی اور اس کی صورتیں بھی قابلِ تمسخر ہیں!

﴿ وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور جب تم نماز کے لئے آواز دیتے ہو تو وہ (اہل کتاب اور کفار) اس کا ٹھٹھا مخول کرتے ہیں، یہ بات اس وجہ سے ہے کہ وہ ناسمجھ لوگ ہیں!

کیا مسلمانوں کا سچا ایمان اور ان کی اطاعت شعاری اہل کتاب کے نزدیک عیب ہے، جس کی وجہ سے وہ ان کا استہزاء کرتے ہیں؟

کسی کام کی ہنسی اڑانا دو وجہ سے ہوتا ہے: ایک: اس وجہ سے کہ کام قابل استہزاء ہے۔ دوم: اس وجہ سے کہ کام کرنے والے کی حالت قابل استہزاء ہے —— اب غور کرو! اذان اور نماز تو قابل استہزاء نہیں، وہ تو بہترین کام ہیں، لامحالہ مسلمانوں کی حالت ہی اہل کتاب کے نزدیک قابل استہزاء ہوگی، مسلمانوں کے حالات کیا ہیں؟

۱- وہ اللہ پر، اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب قرآن پر، اور قرآن سے پہلے جو کتابیں نازل ہو چکی ہیں: ان سب پر ایمان

رکھتے ہیں، اور وہ کتابیں جن رسولوں پر نازل ہوئی ہیں ان کو سچا مانتے ہیں، مگر اہل کتاب کا نہ سب کتابوں پر ایمان ہے، نہ سب رسولوں پر! یہود: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور نبی ﷺ کو نہیں مانتے، اور انجیل اور قرآن کو بھی اللہ کی کتابیں نہیں مانتے، اور عیسائی: نبی ﷺ کو اور آپ پر نازل شدہ قرآن کو نہیں مانتے، جبکہ سب انبیاء ایک اتھارٹی کے بھیجے ہوئے ہیں، اور سب کتابیں ایک سرچشمہ سے نکلی ہوئی نہریں ہیں، پس بتاؤ! قابل استہزاء حالت مسلمانوں کی ہے یا اہل کتاب کی؟

۲- مسلمان ہر طرح اللہ کے اطاعت شعار اور فرمان بردار ہیں، وہ اللہ کی نازل کی ہوئی ساری شریعت پر عمل کرتے ہیں، اور اہل کتاب کا حال یہ ہے کہ ان میں سے اکثر دائرۂ اطاعت سے باہر ہیں، فاسق ہیں، جو احکام ان کو پسند ہیں ان پر عمل کرتے ہیں، اور جو احکام ان کی مرضی کے خلاف ہیں ان کو پس پشت ڈال دیتے ہیں، یہ کیسی اطاعت ہے؟ —— پس بتاؤ! کس کی حالت قابل تمسخر ہے؟ مسلمانوں کی یا اہل کتاب کی؟ مگر چور الٹا کوتوال کو ڈانٹے! اہل کتاب مسلمانوں کا ٹھٹھا کرتے ہیں!

فائدہ: اور اکثر اس لئے کہا کہ ان میں کچھ ایسے بھی تھے جو ہر حال میں اطاعت شعار تھے، وہی نبی ﷺ پر ایمان لائے تھے، اور قرآنِ کریم کی متابعت کرنے لگے تھے۔

قرآنِ کریم ضدین میں سے ایک کو بیان کر کے دوسری ضد بھی مراد لیتا ہے

قرآنِ کریم کا ایک خاص اسلوب ہے: وہ کبھی ضدین میں سے ایک کو بیان کرتا ہے، اور فہم سامع پر اعتماد کر کے دوسری ضد کو چھوڑ دیتا ہے، سامع تقابل سے دوسری ضد کو خود ہی سمجھ لے گا، جیسے سورۃ آلِ عمران (آیت ۲۶) میں: ﴿بِيَدِكَ الْخَيْرُ﴾ کے بعد اس کی ضد شر کو چھوڑ دیا ہے، جبکہ وہ بھی مراد ہے، شر کے مالک بھی اللہ تعالیٰ ہیں۔ اور سورۃ الاحزاب کی (آیت ۷۲) میں: ﴿ظَلُوْمًا جَهُوْلًا﴾ کی ضد عادل و علیم کو چھوڑ دیا ہے، انسان نے بار امانت اٹھایا، بے شک وہ بڑا ظالم بڑا نادان ہے، سوال یہ ہے کہ انسان نے کام وہ کیا جو کوئی مخلوق نہیں کر سکی، اور صلہ یہ ملا کہ وہ ظلوم و جہول ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ضدین میں سے ایک کو بیان کیا ہے، اور مراد دوسری ضد بھی ہے، پس یہ صرف صفاتِ ذم نہیں، ان میں صفاتِ مدح بھی مضمر ہیں، یعنی انسان چاہے تو علیم و عدول بھی بن سکتا ہے، انسان میں اس کی وافر صلاحیت ہے، اور نہ چاہے تو ظلوم و جہول ہوگا۔

اسی طرح یہاں اہل کتاب کا فسق (عدم اطاعت) اور مسلمانوں کی اطاعت شعاری ضدین ہیں، ان میں سے ایک کو یعنی اہل کتاب کے فسق کو بیان کیا ہے، اور وہ مراد بھی ہے، اور اس کی ضد: مسلمانوں کی اطاعت شعاری بھی مراد ہے۔

﴿قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَا

أُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۵۹﴾

ترجمہ: پوچھو! اے اہل کتاب! تم ہم میں یہی عیب تو پاتے ہو کہ ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر، اور اس کتاب پر جو ہماری طرف اتاری گئی ہے، اور ان کتابوں پر جو قرآن سے پہلے اتاری گئی ہیں، اور (یہ عیب پاتے ہو) کہ تم میں سے اکثر حد اطاعت سے نکلنے والے ہیں ــــ یعنی ہم تو اطاعت شعار ہیں، پس کیا تمہارے نزدیک مسلمانوں کا یہ عیب ہے جس کی وجہ سے تم ان کا مذاق اڑاتے ہو؟

استہزاء اور ملامت کے قابل لوگ کون ہیں؟

اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا، اللہ کی طرف سے نازل شدہ تمام کتابوں کی تصدیق کرنا اور اللہ کے تمام احکامات کی پیروی کرنا مسلمانوں کا ہنر ہے، مگر اہل کتاب کے خیال میں یہ ان کی برائی ہے، اس لئے وہ مسلمانوں سے ٹھٹھا کرتے ہیں، ان کا الو بناتے ہیں، جبکہ یہ باتیں قابلِ تعریف ہیں، قابل الزام چار لوگ ہیں:

۱- کچھ یہودی مچھیرے تھے، انھوں نے حیلہ کرکے ہفتہ کے دن مچھلیاں پکڑیں، اور فہمائش کے باوجود باز نہیں آئے، اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی رحمت سے دور کردیا، ان پر سخت غصہ ہوئے، ان میں سے کچھ کو بندر اور سور بنادیا، اور انھوں نے شیطان کی اطاعت کی، اس کے ورغلانے میں آگئے: یہ لوگ ہیں قابل ملامت اور موردطعن! یہ بدترین یہودی تھے اور راہِ راست سے بھٹک گئے تھے ــــ نہ کہ مسلمان!

۲- وہ منافق یہودی قابل ملامت ہیں جو نبی ﷺ کی مجلس میں آتے ہیں اور اپنا مؤمن ہونا ظاہر کرتے ہیں، جبکہ وہ کافر ہی آتے ہیں، اور کافر ہی جاتے ہیں، پس کیا اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کے کفر سے بے خبر ہیں؟ یہی منافق یہودی استہزاء کے لائق ہیں ــــ نہ کہ مسلمان!

۳- وہ عام یہودی قابل ملامت ہیں جو شوق سے گناہوں کی طرف جھپٹتے ہیں، لازمی گناہ بھی کرتے ہیں اور متعدی بھی، لازمی گناہ وہ ہیں جن کا اثر ان کی ذات تک محدود رہتا ہے، یہی اِثم ہیں، اور متعدی گناہ وہ ہیں جن کا اثر دوسروں تک پہنچتا ہے، یہ ظلم وعدوان ہیں، اور حرام خوری ان کا شیوہ ہے، ان لوگوں کی برائی میں کیا شبہ ہے؟ یہود ان پر طعن وتشنیع کیوں نہیں کرتے؟

۴- یہود کے خواص: درویش اور کبار علماء: اپنے عوام کی بری حالت دیکھتے ہیں اور گونگے شیطان بنے رہتے ہیں، ان کے عوام دنیوی لذات میں مشغول ہوکر اللہ کے احکام بھلا بیٹھے ہیں، اور ان کے خواص امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ترک کرچکے ہیں، کیا ان خواص کا یہ عمل قابل ملامت نہیں؟

یہی چار یہودی قابل سرزنش ہیں، یہود کو چاہئے کہ ان کو برا کہیں، مسلمانوں میں جو دو باتیں ہیں ـــــ ان کا صحیح ایمان اور اطاعت شعاری ـــــ وہ قابل گرفت نہیں، وہ تو ان کی خوبیاں ہیں، یہود کو چاہئے کہ وہ ان خوبیوں کا اعتراف کریں، مسلمانوں کو اعتراضات کا نشانہ نہ بنائیں۔

﴿ قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللهِ ۚ مَنْ لَّعَنَهُ اللهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ۚ أُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّأَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ۝ ﴾

ترجمہ: کہو: کیا میں تمہیں آگاہ کروں ان لوگوں سے ـــــ مسلمانوں سے ـــــ بدتر لوگوں سے اللہ کے نزدیک بدلہ کے اعتبار سے؟ ـــــ ۱- جن کو اللہ نے رحمت سے دور کردیا، اور جن پر وہ غضبناک ہوئے، اور جن میں سے کچھ کو اللہ نے بندر اور سور بنادیا، اور جنھوں نے سرکش (شیطان) کی عبادت کی ـــــ یعنی اس کے ورغلانے میں آئے ـــــ وہی لوگ مرتبہ میں برے اور راہِ راست سے بہت زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں!

﴿ وَإِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ۚ وَاللهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: ۲- اور جب وہ ـــــ منافق یہودی ـــــ آپؐ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں: ''ہم ایمان لائے!'' حالانکہ وہ آئے ہیں کفر کے ساتھ، اور نکلے ہیں کفر کے ساتھ، اور اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں اس بات کو جو وہ چھپاتے ہیں!

﴿ وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: ۳- اور آپؐ دیکھتے ہیں ان کے اکثر کو دوڑ کر گر رہے ہیں گناہ کے کاموں میں اور ظلم زیادتی کے کاموں میں اور ان کے حرام مال کھانے میں، بے شک برے ہیں وہ کام جو وہ کرتے ہیں!

﴿ لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْأَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: ۴- کیوں نہیں روکتے ان ـــــ عوام ـــــ کو اللہ والے اور بڑے علماء: ان کی گناہ کی باتوں سے، اور ان کے حرام مال کھانے سے، یقیناً برا ہے جو وہ کیا کرتے ہیں ـــــ یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا چھوڑنا۔

فائدہ: عربی میں 'فعل' ہر کام کو شامل ہے، خواہ بالقصد ہو یا بلا قصد، اور 'عمل' وہ کام ہے جو بالقصد کیا جائے، اور 'صنعت'

اس کام کے لئے ہے جو بالقصد ہو، بار بار کیا جائے اور اس کو درست بھی سمجھا جائے، عوام کی بے راہ روی کے لئے لفظ 'عمل' استعمال کیا، اور خواص کے لئے لفظ 'صنع' اس میں اشارہ ہے کہ خواص کا عمل عوام کے عمل سے زیادہ برا ہے (معارف القرآن)

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ۭ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاۗءُ ۭ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۭ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ اِلٰي يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۶۵﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ۭ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَاۗءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۶﴾

وَقَالَتِ	اور کہا	بَلْ يَدٰهُ	بلکہ ان کے دونوں ہاتھ	طُغْيَانًا	سرکشی کو
الْيَهُوْدُ	یہود نے	مَبْسُوْطَتٰنِ	کھلے ہیں	وَّكُفْرًا	اور انکار کو
يَدُ اللّٰهِ	اللہ کا ہاتھ	يُنْفِقُ	خرچ کرتے ہیں وہ	وَاَلْقَيْنَا	اور ڈالی ہم نے
مَغْلُوْلَةٌ	گردن سے بندھا ہوا ہے	كَيْفَ يَشَاۗءُ	جس طرح چاہتے ہیں	بَيْنَهُمُ	ان کے درمیان
غُلَّتْ	گردن سے باندھ	وَلَيَزِيْدَنَّ	اور یقیناً بڑھائے گا	الْعَدَاوَةَ	دشمنی
	دیئے جائیں	كَثِيْرًا (۱)	بہتوں کا	وَالْبَغْضَاۗءَ	اور انتہائی نفرت
اَيْدِيْهِمْ	ان کے ہاتھ	مِّنْهُمْ	ان میں سے	اِلٰي يَوْمِ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے دن تک
وَلُعِنُوْا	اور رحمت سے دور کئے گئے	مَّآ اُنْزِلَ	جو اتارا گیا		
بِمَا	اس بات کی وجہ سے جو	اِلَيْكَ	آپ کی طرف	كُلَّمَآ	جب جب
قَالُوْا	کہی انھوں نے	مِنْ رَّبِّكَ	آپ کے رب کی جانب سے	اَوْقَدُوْا	سلگاتے ہیں وہ

(۱) كثيرا منهم: ليزيدن کا مفعول اول ہے، اور طغيانا و كفرا مفعول ثانی ہے، اور ما أنزل فاعل ہے۔

نَارًا	آگ	وَاتَّقَوْا	اور (اللہ سے) ڈرتے	اِلَيْهِمْ	ان کی طرف
لِلْحَرْبِ	لڑائی کی	لَكَفَّرْنَا	(تو) ضرور مٹاتے ہم	مِّنْ رَّبِّهِمْ	ان کے پروردگار کی طرف سے
اَطْفَاَهَا	بجھادیتے ہیں اس کو	عَنْهُمْ	ان سے	لَاَكَلُوْا	(تو) ضرور کھاتے وہ
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	سَيِّاٰتِهِمْ	ان کی برائیاں	مِنْ فَوْقِهِمْ	اپنے اوپر سے
وَيَسْعَوْنَ	اور دوڑ دھوپ کرتے ہیں وہ	وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ	اور ضرور ہم ان کو داخل کرتے	وَمِنْ تَحْتِ	اور نیچے سے
فِي الْاَرْضِ	زمین میں			اَرْجُلِهِمْ	ان کے پیروں کے
فَسَادًا (۱)	بگاڑ کے لئے	جَنّٰتِ	باغات میں	مِنْهُمْ	ان میں سے
وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	النَّعِيْمِ	نعمتوں کے	اُمَّةٌ	ایک جماعت
لَا يُحِبُّ	نہیں پسند کرتے	وَلَوْ اَنَّهُمْ	اور اگر بالیقین وہ	مُّقْتَصِدَةٌ	سیدھے راستہ پر ہے
الْمُفْسِدِيْنَ	بگاڑ پیدا کرنے والوں کو	اَقَامُوا	سیدھا کرتے	وَكَثِيْرٌ	اور بہت سے
وَلَوْ اَنَّ (۲)	اور اگر بلاشبہ	التَّوْرٰىةَ	تورات کو	مِّنْهُمْ	ان میں سے
اَهْلَ الْكِتٰبِ	اہل کتاب	وَالْاِنْجِيْلَ	اور انجیل کو	سَاۗءَ مَا	برے ہیں وہ کام جو
اٰمَنُوْا	ایمان لاتے	وَمَا اُنْزِلَ	اور اس کو جو اتارا گیا	يَعْمَلُوْنَ	وہ کرتے ہیں

یہود: مسلمانوں کو کیا بخشیں گے: وہ تو اللہ تعالیٰ میں بھی عیب نکالتے ہیں، جو ہر طرح بے عیب ہیں

مسلمانوں کے دو کمال: (۱) اللہ تعالیٰ پر اور ان کی تمام کتابوں اور تمام رسولوں پر ایمان لانا (۲) اور ان کی کامل اطاعت شعاری: یہود کے نزدیک عیب تھے، اس لئے وہ اذان اور نماز وغیرہ عبادات کا مذاق اڑاتے تھے، جیسا کہ گذشتہ آیات میں بیان ہوا، چشم عداوت کو ہنر بھی عیب نظر آتا ہے، وہ مسلمانوں کو کیا بخشیں گے! وہ تو اللہ تعالیٰ میں بھی عیب نکالتے ہیں، جو ہر طرح بے عیب ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کو بخیل بتاتے ہیں، جبکہ بخل بڑا عیب ہے، اور اللہ پاک تو سخیوں کے سخی ہیں!

ہوا یہ تھا کہ مدینہ کے یہودی معاشی اعتبار سے بہت مضبوط تھے، ان کے پاس کھیت، باغات اور تجارت تھی، اور مدینہ کے مشرکین ان کے دست نگر تھے، ان سے سود پر قرض لیتے تھے، جو یہود کی مستقل آمدنی تھی، جب نبی ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو سختیوں میں مبتلا کیا، ان کی آمدنی گھٹنے لگی، پس انھوں نے اللہ تعالیٰ پر ردّہ رکھا، اور کہا: اللہ تعالیٰ بخیل ہوگئے ہیں، اس لئے ہم پر ان کے افضال کم ہوگئے ہیں! ایسے نالائق جو بے عیب اللہ تعالیٰ میں بھی

(۱) فسادًا: مفعول لہ ہے (۲) أنَّ: إن کی طرح حرف مشبہ بالفعل برائے تحقیق ہے۔

عیب نکالیں وہ مسلمانوں کو کیا بخشیں گے؟ ان کے کمالات کا مذاق اڑائیں تو کیا بعید ہے؟

سورۃ الاعراف (آیت ۹۴) میں اللہ کی ایک سنت کا بیان ہے کہ جب وہ کسی بستی میں کسی نبی کو مبعوث فرماتے ہیں تو اس کے باشندوں کو سختی اور تکلیف سے دوچار کرتے ہیں، تاکہ وہ ڈھیلے پڑیں، اکڑفوں چھوڑیں اور ایمان لائیں، چنانچہ حسب سنت یہود پر معاشی تنگی کی گئی، تاکہ وہ ایمان لائیں اور مشرکین کے لئے ایمان کی راہ کھلے لیکن اے بسا آرزو کہ خاک شدہ!

اللہ تعالیٰ ان پر رد فرماتے ہیں کہ بخیل تو وہ خود ہیں، کسی کو ایک کوڑی نہیں دیتے، بخل بڑا عیب ہے اور اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہیں، اور سخاوت بڑا کمال ہے، اور تمام کمالات اللہ تعالیٰ کی ذات میں جمع ہیں، ان سے بڑا کوئی سخی نہیں، ان کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں، وہ جس طرح چاہتے ہیں خرچ کرتے ہیں، بتاؤ! ابتدائے کائنات سے انھوں نے مخلوقات پر کتنا خرچ کیا ہے؟ پس کیا ان کے خزانے میں کچھ کمی آئی؟

البتہ یہود کی اس بکواس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا، اور بددعا کے رنگ میں پیشین گوئی کی یا ان کی واقعی حالت بیان کی کہ بخل نے ان کے ہاتھ بالکل ہی بند کر دیئے ہیں!

﴿ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ۭ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاۗءُ ۭ ﴾

ترجمہ: اور یہود نے کہا: اللہ کا ہاتھ گردن سے بندھا ہوا ہے! ——— یعنی العیاذ باللہ وہ بخیل ہو گئے ہیں، اس لئے ہم پر ان کی مہربانیاں کم ہو گئی ہیں ——— ان کے ہاتھ گردن سے باندھ دیئے گئے! ——— یہ بددعا یا ان کی واقعی حالت کا بیان ہے کہ بڑے بخیل تو وہ خود ہیں! ——— اور وہ اپنی بات کی وجہ سے رحمت سے دور کر دیئے گئے ——— یہ ان کی بکواس کی سزا ہے ——— بلکہ ان کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں، وہ جس طرح چاہتے ہیں خرچ کرتے ہیں ——— یعنی وہ اعلیٰ درجہ کے سخی ہیں، مگر حسب مصلحت دیتے ہیں۔

فائدہ: ید (ہاتھ) اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے، اور صفاتِ متشابہات سے ہے، یعنی مخلوقات کی صفات کے قبیل سے ہے، مگر اللہ تعالیٰ بے مثال ہیں، سورۃ الشوریٰ (آیت ۱۱) میں ہے: ﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴾: اللہ کے مانند جیسی بھی کوئی چیز نہیں، مگر وہ خوب سننے اور ہر چیز دیکھتے ہیں، یعنی ان کا سمیع وبصیر ہونا مخلوقات کے سمیع وبصیر ہونے کی طرح نہیں، بلکہ اس سے قریب تر بھی نہیں!

اور صفاتِ متشابہات کے بارے میں سلف کا مذہب تنزیہ مع التفویض ہے، یعنی اللہ کے لئے یہ صفت مانی جائے، اور اس کی کیفیت کو اللہ کے حوالے کیا جائے، اس میں غور وخوض نہ کیا جائے، اس میں غور وفکر سے کچھ حاصل نہ ہوگا، اور حدیث

میں ہے کہ اللہ کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں، بایاں ہاتھ کمزور ہوتا ہے اور اللہ کا کوئی ہاتھ کمزور نہیں، دونوں ہاتھ دائیں ہونے کا یہ مطلب ہے۔

مسلمانوں سے یہود کی دشمنی کی اصل وجہ

مذہبی اختلاف خواہ اندرونِ خانہ ہو یا باہر کا، باہمی دشمنی اور نفرت کا سبب ہوتا ہے

چراغِ مصطفوی اور شرارِ بولہبی میں ہمیشہ ستیزہ (جنگ، جھگڑا) رہا ہے، اختلاف خواہ فی المذہب ہو یا بین المذاہب: نزاع، انتشار اور عداوت کا سبب ہوتا ہے، یہود کو مسلمانوں سے دشمنی کیوں ہے؟ ان کے ہنر بھی ان کو عیب کیوں نظر آتے ہیں؟ مذہبی اختلاف کی وجہ سے! وہ لوگ نبی آخر الزماں ﷺ پر، اور ان پر نازل شدہ قرآنِ کریم پر ایمان نہیں لائے، یہ ایمان نہ لانا ان کے طغیان وکفر کا سبب ہے۔

اختلاف دوری پیدا کرتا ہے، خود یہود میں فرقہ بندی ہے، عیسائیوں میں بھی، اور مسلمانوں میں بھی، اس سے باہمی دشمنی اور آخری درجہ کی نفرت جنم لیتی ہے، بار بار تلواریں نکل آتی ہیں، مگر اللہ تعالیٰ جنگ نہیں ہونے دیتے، مگر دلوں میں میل باقی رہتا ہے، اور پروپیگنڈہ مشینری کام کرتی رہتی ہے، لوگوں کے عقائد خراب ہوتے ہیں، زمین میں بگاڑ پھیلتا ہے، اور بگاڑ پیدا کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے، اس لئے اہل حق کو ان کی تردید کرنی پڑتی ہے، جو ان کو کھلتی ہے!

ایک واقعہ: میں ایک مرتبہ حیدرآباد گیا، جامعہ اشرف العلوم میں میرا قیام تھا، وہاں مسائل کی مجلس میں کسی نے مودودی فکر کے بارے میں سوال کیا، میں نے ان کی گمراہی تفصیل سے بیان کی، دوسرے دن صبح میرے پاس ایک وفد آیا، ان حضرات نے کہا: ''ہم اس شہر میں اتفاق سے رہتے ہیں، آپ کی باتوں سے اختلاف ہوگا!''

میں نے ان سے دو باتیں عرض کیں:

ایک: اگر اہل حق خاموش رہیں تو اہل باطل خاموش نہیں بیٹھیں گے، وہ اپنا کام کرتے رہیں گے، پس نقصان کس کا ہوگا؟ اہل حق کا یا اہل باطل کا؟ باطل بڑھتا رہے گا، اور حق دب کر دفن ہوجائے گا!

دوسری بات: جب انبیاء مبعوث ہوتے ہیں اور کام شروع کرتے ہیں تو اختلاف ہوتا ہے، تو کیا یہ اختلاف برا ہے؟ ہر اختلاف برا نہیں ہوتا، بعض اختلافات رحمت ہوتے ہیں، باطل کی حقیقت واشگاف کرنا اور حق کا بول بالا کرنا ہرگز برا نہیں، بلکہ ضروری ہے، اور میں نے از خود بات نہیں چھیڑی تھی، مجھ سے سوال ہوا تھا، اس کا جواب دینا میرے لئے ضروری تھا ـــــ وہ حضرات یہ سن کر خاموش چلے گئے۔

﴿ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّا أُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ، وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ

وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۶۴﴾

ترجمہ: اور ضرور بڑھائے گا ان میں سے بہتوں کی سرکشی اور انکار: وہ قرآن جو آپؐ کی طرف آپؐ کے پروردگار کی طرف سے اتارا گیا ہے ـــــ ﴿ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ ﴾ کہہ کر اہل کتاب صحابہ کو مستثنیٰ کیا ہے، جو چند تھے، ان کی اکثریت ایمان نہیں لائی تھی، یہ ایمان نہ لانا ان کے عناد وانکار کا سبب ہے ـــــ اور ہم نے ان کے درمیان قیامت تک کے لئے دشمنی اور انتہائی نفرت ڈال دی ہے ـــــ یہ بات بطور دلیل فرمائی ہے، اور قیامت تک کے لئے: یعنی ہمیشہ کے لئے، یہود میں جو مذہبی گروہ بندی ہوئی ہے: اس میں غور کرو: وہ اختلاف کس درجہ عداوت، اور دشمنی کا سبب بنا ہے؟ پس بین المذاہب (اسلام اور یہودیت کے درمیان) جو اختلاف ہے تو وہ اس سے زیادہ منافرت کا سبب ہوگا ـــــ وہ جب جب لڑائی کی آگ سلگاتے ہیں: اللہ تعالیٰ اس کو بجھا دیتے ہیں ـــــ یہ فرقوں کے درمیان دشمنی اور انتہائی نفرت کی دلیل ہے، ان کے درمیان بار بار تلواریں نکل آتی ہیں، مگر اللہ تعالیٰ جنگ نہیں ہونے دیتے، یہ اللہ کی حکمت اور مصلحت ہے، ورنہ دشمنی میں کوئی کمی نہیں ـــــ اور وہ زمین میں بگاڑ کے لئے دوڑ دھوپ کرتے ہیں ـــــ یعنی ان میں باہم جنگ تو نہیں ہوتی، مگر پروپیگنڈہ مشینری برابر اپنا کام کرتی رہتی ہے ـــــ اور اللہ تعالیٰ بگاڑ پیدا کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے ـــــ اس میں اشارہ ہے کہ حق کے لئے محنت کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں ـــــ یہود میں تو سبھی فرقے گمراہ تھے، اس لئے سبھی مبغوض ہیں، مگر اسلام میں ہمیشہ ایک جماعت (سوادِ اعظم) حق پر برقرار رہے گی، اور وہ جو دین حق کے لئے محنت کرے گی وہ اصلاح کی کوشش ہوگی، اس لئے اللہ تعالیٰ ان کے کام کو پسند کریں گے۔

یہود: دارین کی بھلائی چاہتے ہیں تو اس کا صرف ایک راستہ ہے: ایمان لائیں اور نیک کام کریں

یہود کے جرائم اور شرارتیں اگرچہ سخت ہیں، مگر توبہ کا دروازہ کھلا ہے، اگر وہ نبی ﷺ پر اور قرآنِ کریم پر ایمان لائیں، اور تقوی اختیار کریں ـــــ تقوی کے دو بازو ہیں: گناہوں سے بچنا اور نیک کام کرنا ـــــ تو اللہ تعالیٰ ان کو اخروی اور دنیوی: دونوں نعمتوں سے نوازیں گے، ان کی رحمت بے پایاں ہے، مجرم شرمسار ہو کر ان کے در پر آئے تو اس کو دھکا نہیں دیتے، گلے سے لگاتے ہیں۔

﴿ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۶۵﴾ ﴾

ترجمہ: اور اگر بالیقین اہل کتاب ایمان لاتے اور اللہ سے ڈرتے ـــــ یعنی اخلاص سے ایمان لاتے اور اعمالِ صالحہ کرتے، کیونکہ فرائض وواجبات کا ترک کبیرہ گناہ ہے ـــــ تو ہم ضرور ان کی برائیاں مٹاتے، اور ہم ضرور ان کو

نعمتوں کے باغات میں داخل کرتے! ـــــ یہ آخرت کا فائدہ ہے، اور دنیا کی برکات کا ذکر اگلی آیت میں ہے۔

﴿ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۶﴾ ﴾

ترجمہ: اور اگر وہ بالیقین تورات وانجیل اور اس قرآن کو قائم کرتے ـــــ یعنی ان پر صحیح طرح عمل کرتے ـــــ جو ان کی طرف ان کے پروردگار کی جانب سے نازل کیا گیا ہے ـــــ اللہ کی کتابیں درحقیقت لوگوں کی طرف نازل کی جاتی ہیں، انبیاء واسطہ ہوتے ہیں، تاکہ وہ کتابیں لوگوں تک پہنچائیں اور ان کو سمجھائیں ـــــ تو وہ اپنے اوپر سے اور اپنے پیروں کے نیچے سے کھاتے ـــــ یہ محاورہ ہے یعنی دنیا میں بھی وہ نہال ہوجاتے، مگر صورتِ حال یہ ہے: ـــــ ان میں سے کچھ لوگ سیدھے راستہ پر چلنے والے ہیں ـــــ یہ ایمان لانے والے اہل کتاب صحابہ ہیں: جیسے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور حضرت نجاشی رحمہ اللہ ـــــ اور ان میں سے بیشتر برے کام کرنے والے ہیں ـــــ یعنی اسلام کا انکار کرتے ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۷﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۸﴾

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ	اے پیغامبر!	وَاِنْ	اور اگر	مِنَ النَّاسِ	لوگوں سے
بَلِّغْ	پہنچایئے آپ	لَّمْ تَفْعَلْ	نہیں کیا آپ نے	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
مَاۤ اُنْزِلَ	جو اتارا گیا	فَمَا بَلَّغْتَ	تو نہیں پہنچایا آپ نے	لَا يَهْدِي	راہ نہیں دیتے
اِلَيْكَ	آپ کی طرف	رِسَالَتَهٗ	اس کا پیغام	الْقَوْمَ	انکار پر مصر لوگوں کو
مِنْ رَّبِّكَ	آپ کے رب کی جانب	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	الْكٰفِرِيْنَ	
	سے	يَعْصِمُكَ	حفاظت کریں گے آپ کی	قُلْ	کہیں آپ

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ	اے اہل کتاب:	اِلَيْكُمْ	تمہاری طرف	مِنْ رَّبِّكَ	آپ کے پروردگار کی
لَسْتُمْ	نہیں ہو تم	مِّنْ رَّبِّكُمْ	تمہارے پروردگار کی		جانب سے
عَلٰى شَيْءٍ	کسی چیز پر		جانب سے	طُغْيَانًا	سرکشی کو
حَتّٰى تُقِيْمُوا	تا آنکہ قائم کرو تم	وَلَيَزِيْدَنَّ	اور یقیناً بڑھائے گا	وَّكُفْرًا	اور انکار کو
التَّوْرٰىةَ	تورات	كَثِيْرًا مِّنْهُمْ	ان میں سے بہت سوں کا	فَلَا تَاْسَ	پس نہ افسوس کریں آپ
وَالْاِنْجِيْلَ	اور انجیل	مَّآ اُنْزِلَ	وہ قرآن جو اتارا گیا ہے	عَلَى الْقَوْمِ	اسلام کا انکار کرنے
وَمَآ اُنْزِلَ	اور اس کو جو اتارا گیا	اِلَيْكَ	آپ کی طرف	الْكٰفِرِيْنَ	والے لوگوں پر

یہود کا قطعاً خوف نہ کھائیں، بے دھڑک ان کو بات پہنچائیں

گذشتہ آیت کے آخر میں فرمایا ہے کہ یہود میں سے بیشتر برے کام کرنے والے ہیں، دور کوع سے اہل کتاب (یہود ونصاری) کی کج روی، بدراہی، ہٹ دھرمی اور ان کی اسلام مخالف حرکتوں کا تذکرہ ہو رہا ہے، اہل کتاب میں سے یہودیوں نے خاص طور پر سازشی فطرت پائی تھی، وہ دو مرتبہ مکہ کے مشرکین کو مدینہ پر چڑھا لائے تھے، کعب بن اشرف وغیرہ نے دو مرتبہ نبی ﷺ کو نمٹانے کی خفیہ سازش کی تھی، لبید یہودی نے اپنی لڑکیوں کے ساتھ مل کر آپؐ پر سحر کیا تھا، لیکن جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے!

مگر ان واقعات کا طبعی اثر یہ ہو سکتا تھا کہ اہل کتاب کے تعلق سے جو باتیں نازل کی جارہی ہیں وہ ان تک نہ پہنچائی جائیں، آدمی یہ سوچے کہ بھاڑ میں جائیں اہل کتاب! میں مصیبت کیوں مول لوں!

اس لئے ایک آیت میں نبی ﷺ کو خطاب فرماتے ہیں کہ جو باتیں آپؐ کی طرف نازل کی جارہی ہیں ان کو بے دھڑک اہل کتاب کو پہنچائیں، اگر آپؐ ایسا نہیں کریں گے تو یہ سمجھا جائے گا کہ آپؐ نے فریضۂ رسالت ادا نہیں کیا، جبکہ یہ بات معصوم سے ناممکن ہے۔

رہا ان کی ایذا رسانی کا خطرہ تو اللہ تعالیٰ آپؐ کی حفاظت کریں گے، وہ آپؐ کا بال بیکا نہیں کرسکیں گے، اللہ تعالیٰ ان منکرین اسلام کو آپؐ تک پہنچنے کی کوئی راہ نہیں دیں گے!

فائدہ: یہ تو آیت کا سیاق کے اعتبار سے مطلب ہے، اور عموم الفاظ کے اعتبار سے ایک بات تو صریح ہے اور ایک بات کی طرف اشارہ ہے۔

صریح بات: اللہ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ پر جو احکام نازل ہوئے: وہ آپؐ نے بے کم وکاست امت تک

پہنچادیئے، وحی کا کوئی حصہ نہیں چھپایا، حجۃ الوداع کے خطبہ میں آپؐ نے ایک بڑے مجمع سے سوال کیا: بتاؤ! میں نے تم کو سارا دین پہنچادیا؟ سب نے بیک زبان جواب دیا: کیوں نہیں! اس پر آپؐ نے اللہ کو گواہ بنایا، اور مجمع سے فرمایا: موجودین غائبین تک پیغام پہنچائیں، چنانچہ وفاتِ نبوی کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چار دانگ عالم میں پھیل گئے، اور معلوم دنیا تک اللہ کا پیغام پہنچادیا۔

اور اشارہ: یہ ہے کہ امت اگر دعوت کا کام کرے گی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی حفاظت کا انتظام ہوگا، جس طرح آنحضرت ﷺ کی اللہ نے حفاظت کی، پہلے صحابہ آپؐ کا سفر وحضر میں پہرہ دیتے تھے، جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپؐ نے سب کو رخصت کر دیا، اور فرمایا: کسی پہرے کی ضرورت نہیں، اللہ نے میری حفاظت کا ذمہ لے لیا! چنانچہ زندگی بھر آپؐ کو کوئی گزند نہیں پہنچا سکا، اور کسی جنگ میں کوئی معمولی تکلیف کا پہنچنا اس کے منافی نہیں۔

﴿ يَاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۞ ﴾

ترجمہ: اے پیغامبر! جو باتیں آپؐ کی طرف آپؐ کے پروردگار کی جانب سے اتاری گئی ہیں ان کو پہنچائیں، اور اگر آپؐ نے ایسا نہیں کیا تو آپؐ نے اپنے پروردگار کا پیغام نہیں پہنچایا! اور اللہ تعالیٰ آپؐ کی لوگوں سے حفاظت کریں گے، بے شک اللہ تعالیٰ اسلام کا انکار کرنے والوں کو راہ نہیں دیتے!

اللہ کی بات سن کر بھی اہل کتاب ایمان نہ لائیں تو آپؐ ان کا غم نہ کھائیں

ہدایت وضلالت کا سرا اللہ کے ہاتھ میں ہے، اور رسول کی انتہائی آرزو ہوتی ہے کہ لوگ اللہ کا دین قبول کرلیں، مگر یہ بات اس کے بس کی نہیں: ﴿ اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴾ آپ جس کو چاہیں راہ پر نہیں لا سکتے، بلکہ اللہ جس کو چاہیں راہ پر لاتے ہیں، اور وہی خوب جانتے ہیں کہ راہ پانے والے کون ہیں؟ (قصص ۵۶) اس لئے اب ایک آیت میں نبی ﷺ کو تسلی دیتے ہیں کہ اگر اہل کتاب اللہ کی باتیں سن کر بھی ایمان نہ لائیں تو آپ دل برداشتہ نہ ہوں، اللہ کو یہی منظور ہے، جب کوئی قوم انکار پر کمر باندھ لیتی ہے تو اللہ تعالیٰ زبردستی ہدایت اس کے سر نہیں منڈھتے! پس آپؐ مایوس ہو کر اپنا فرضِ تبلیغ ترک نہ کریں۔

البتہ اہل کتاب کے کان کھول دیں کہ اب تمہارا دین کچھ بھی نہیں! اب وہ منسوخ ہو چکا ہے، خود تورات وانجیل نے خبر دی ہے کہ ان پر عمل درآمد نبی آخر الزماں کی بعثت تک ہوگا، لہٰذا ان کی بات پر عمل کرو، اور قرآن پر ایمان لاؤ۔

لیکن پہلے بھی بتایا ہے کہ اہل کتاب کی اکثریت ضد سے بھر جائے گی، اور قرآن پر ایمان نہیں لائے گی، بلکہ ان کی

سرکشی اور کفر میں قرآنِ کریم کا انکار اضافہ کرے گا۔

﴿ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۸﴾ ﴾

ترجمہ: کہو: اے اہل کتاب! تمہارا دین کچھ بھی نہیں! جب تک تورات اور انجیل (کی بات) پر عمل نہ کرو، اور اس کتاب پر ایمان نہ لاؤ جو تمہارے پروردگار کی جانب سے اتاری گئی ہے! اور ضرور بڑھائے گا وہ جو آپؐ کی طرف آپؐ کے پروردگار کی جانب سے اتارا گیا ہے، ان میں سے بہت سوں کی سرکشی اور انکار کو، لہٰذا آپؐ اسلام کا انکار کرنے والوں پر افسوس نہ کریں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۹﴾ لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۷۱﴾

اِنَّ الَّذِيْنَ	بے شک جو لوگ	وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ	اور قیامت کے دن پر	اَخَذْنَا	لیا ہم نے
اٰمَنُوْا	ایمان لائے	وَعَمِلَ صَالِحًا	اور کیا اس نے نیک کام	مِيْثَاقَ	پختہ اقرار
وَالَّذِيْنَ هَادُوْا	اور جو یہودی ہوئے	فَلَا خَوْفٌ	تو کوئی ڈر نہیں	بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ	بنی اسرائیل سے
وَالصّٰبِئُوْنَ	اور صبات	عَلَيْهِمْ	ان پر	وَاَرْسَلْنَآ	اور بھیجے ہم نے
وَالنَّصٰرٰى	اور عیسائی	وَلَا هُمْ	اور نہ وہ	اِلَيْهِمْ	ان کی طرف
مَنْ اٰمَنَ	جو ایمان لایا	يَحْزَنُوْنَ	غمگین ہونگے	رُسُلًا	رسول
بِاللّٰهِ	اللہ پر	لَقَدْ	بخدا! واقعہ یہ ہے	كُلَّمَا	جب بھی

جَآءَهُمْ	ان کے پاس آیا	يَقْتُلُوْنَ	قتل کرتے ہیں وہ	عَلَيْهِمْ	ان پر
رَسُوْلٌ	کوئی رسول	وَحَسِبُوْٓا	اور گمان کیا انھوں نے	ثُمَّ عَمُوْا	پھر اندھے ہوگئے وہ
بِمَا	اس حکم کے ساتھ جو	اَلَّا تَكُوْنَ	کہ نہیں ہوگی	وَصَمُّوْا	اور بہرے ہوگئے
لَا تَهْوٰٓى	نہیں بھایا	فِتْنَةٌ	کوئی پکڑ	كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ	ان میں بہت سے
اَنْفُسُهُمْ	ان کے دلوں کو	فَعَمُوْا	پس اندھے ہوگئے وہ	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
فَرِيْقًا	ایک جماعت کو	وَصَمُّوْا	اور بہرے ہوگئے	بَصِيْرٌ	خوب دیکھ رہے ہیں
كَذَّبُوْا	جھٹلایا انھوں نے	ثُمَّ تَابَ	پھر توجہ فرمائی	بِمَا	ان حرکتوں کو جو
وَفَرِيْقًا	اور ایک جماعت کو	اللّٰهُ	اللہ نے	يَعْمَلُوْنَ	وہ کر رہے ہیں

یہود کی ایک غلط فہمی کا ازالہ

نجات: ایمان واعمالِ صالحہ سے ہوگی، نسل ومذہب سے نہیں

تمام مذاہب کے لوگ — خاص طور پر یہود — یہ سمجھتے ہیں کہ وہی اللہ کے پیارے ہیں، انہی کی نجات ہوگی، دوسرا کوئی آخرت میں اللہ کے انعامات کا مستحق نہیں ہوگا، اب مسلمان بھی اسی غلط خیال میں مبتلا ہوگئے ہیں، وہ کہتے ہیں: ''ہم محبوب کی امت ہیں، اس لئے ضرور بخشے جائیں گے!'' جبکہ عمل میں صفر ہوتے ہیں، اور ایمان کا حال اللہ بہتر جانتے ہیں۔

یہی حال اہل کتاب کا ہے، وہ کہتے ہیں: ہم اللہ کے بیٹے اور اللہ کے پیارے ہیں، اس لئے نجات ہماری ہی ہوگی، سورۃ البقرۃ کی (آیت ۶۲) میں اور یہاں اس خیال کی تردید کی گئی ہے کہ اللہ کے نزدیک مقبولیت کسی مذہب اور نسل میں محدود نہیں، قبولیت کا مدار ایمان وعمل صالح پر ہے۔

تمام مذاہب والے — جب تک ان کا مذہب برحق تھا — اگر ان کا اللہ پر، اور اُس زمانہ کے رسول پر، اور اس کی لائی ہوئی شریعت پر اور آخرت کے دن پر ایمان تھا، اور اس زمانہ کی شریعت پر عمل تھا تو ضرور ان کی نجات ہوگی، مگر محض اس وجہ سے کہ اس کا فلاں مذہب اور فلاں نسل سے تعلق تھا نجات نہیں ہوگی، آج مسلمان بھی اس گھمنڈ میں مبتلا ہوگئے ہیں، اس لئے ان کو بھی ان آیات میں لیا گیا ہے۔

اس کے بعد جاننا چاہئے کہ مشہور آسمانی کتابیں چار ہیں: قرآن، تورات، زبور اور انجیل، قرآن کا تعلق مسلمانوں سے ہے، باقی تین کا تعلق اہل کتاب سے ہے، ان میں اصل کتاب تورات ہے، جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی ہے، پھر

حضرت داؤد علیہ السلام کو زبور دی گئی، جو محامد پر مشتمل تھی، اصل شریعت تورات تھی، زبور اس میں اضافہ تھا، مگر کچھ لوگ تورات کو چھوڑ کر زبور کو لے بیٹھے، زبور میں احکام نہیں تھے، اس طرح ان کو تورات کے احکام سے چھٹی مل گئی، اس طرح یہود میں سے نئی امت وجود میں آئی، جو صابی کہلائے، صابی کے معنی ہیں: ایک دین چھوڑ کر دوسرے دین کو اختیار کرنا، اسی لئے مشرکین مکہ: مسلمانوں کو صابی کہتے تھے، کیونکہ انھوں نے آبائی دین چھوڑ کر اسلام کو اختیار کیا تھا۔

صُبات کا وطن شام اور عراق تھا، مگر اب ان کا وجود باقی نہیں رہا، اس لئے ان کی تعیین میں مفسرین کرام میں بہت اختلاف ہوا ہے، معارف القرآن شفیعی میں جو بات ہے وہ میں نے لی ہے۔

پھر جب تورات کی شریعت کے ختم ہونے کا وقت آیا تو بنی اسرائیل میں آخری رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے، اور ان پر انجیل نازل ہوئی جو تورات کا تتمہ تھی، اس میں تورات کے بعض احکام کو بدلا گیا، پھر تقریباً چھ سو سال کے بعد نبی ﷺ مبعوث ہوئے، اور آپؐ پر قرآن کریم نازل ہوا، پس تورات کی شریعت موقوف ہوگئی، اور شریعتِ اسلامیہ کا دور شروع ہوا۔

غرض: اُن تینوں کتابوں کے ماننے اور شریعتِ تورات کی پیروی کرنے پر نجات موقوف تھی، جبکہ وہ شریعت باقی تھی، مگر جب وہ شریعت موقوف ہوگئی، اور اس کی جگہ دوسری شریعت آگئی، تو اب جو اسلام کی شریعت کی پیروی کرے گا اسی کی نجات ہوگی۔

جیسے تعلیم گاہوں میں اسباق کے پیریڈ (Period) ہوتے ہیں، جب ایک استاذ کا پیریڈ ختم ہو کر دوسرے استاذ کا پیریڈ شروع ہوتا ہے تو دوسرے استاذ سے پڑھنا ضروری ہوتا ہے، اب بھی پہلے استاذ کو پکڑے رہنا نظام سے اختلاف ہے!

پس یہ خیال قطعاً غلط ہے کہ قیامت تک سب ادیان ایک ساتھ برحق ہیں، کسی بھی مذہب کو ماننے والے اور اس کے مطابق نیک کام کرنے والے ناجی ہونگے، بلکہ مختلف زمانوں میں جو جو مذاہب برحق تھے ان پر عمل کرنے سے نجات ہوگی۔

آیت کی تفسیر میں درازنفسی کی وجہ: سورۃ البقرۃ (آیت ۶۲) میں مفصل کلام نہیں کیا، یہاں مفصل بات اس لئے کہی ہے کہ آگے اس مضمون کی آیت نہیں آئے گی، اور سورۃ الحج میں (آیت ۱۷) اس سے ملتی جلتی آیت ہے، مگر اس کا موضوع الگ ہے، اس میں مجوس اور مشرکین کا بھی ذکر ہے، اللہ تعالیٰ سب کے درمیان قیامت کے دن عملی فیصلہ فرمائیں گے کہ کونسا مذہب صحیح تھا اور کونسا غلط؟ پس وہ آیت اس آیت سے مختلف ہے، اس لئے اشتباہ نہ ہو۔

سوال: اس آیت میں اور سابقہ آیت میں اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لانے کا ذکر تو ہے، مگر اس زمانہ کے رسول اور اس کی شریعت پر ایمان لانے کا ذکر نہیں، اس سے تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ رسول پر ایمان کی کوئی خاص اہمیت نہیں،

کسی بھی رسول کی شریعت پر عمل کرنے سے نجات ہوگی۔

جواب: ایسا سمجھنا صحیح نہیں، رسول کا تذکرہ چھوڑنے کی وجہ یہ ہے کہ مختلف زمانوں میں مختلف انبیاء مبعوث ہوئے ہیں: پھر کس کا ذکر کرتے اور کس کا ذکر چھوڑتے؟ اور قیامت کا تذکرہ اس لئے کیا ہے کہ یہ عقیدہ عمل کا باعث بنتا ہے، جو قیامت کو صحیح طرح مانتا ہے: وہی دین پر عمل کرتا ہے، پس اس عقیدہ کو مستقل حیثیت حاصل ہوگئی ہے۔

علاوہ ازیں: اللہ پر ایمان: ان کے بھیجے ہوئے رسولوں اور ان کی لائی ہوئی شریعتوں پر ایمان کو متضمن ہے، پس ایمان باللہ کے جلو میں ایمان بالرسول بھی آجاتا ہے، الگ سے اس کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

اس کی تفصیل: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ رب کائنات ہیں، مخلوقات کی ضروریات کا انتظام انھوں نے اپنے ذمہ لیا ہے، اور انسان مکلّف مخلوق ہیں، جہاں ان کی مادی ضروریات ہیں روحانی ضروریات بھی ہیں، یہ ضرورت اللہ تعالیٰ انبیاء کے ذریعہ اور ان کی نازل کردہ شریعت کے ذریعہ پوری کرتے ہیں، پس ایمان باللہ میں ایمان بالرسول بھی آجاتا ہے، اس لئے دونوں آیتوں میں ایمان بالرسول کا تذکرہ نہیں کیا، جیسے من كان آخر كلامه لا إله إلا الله دخل الجنة میں جو لا إله إلا اللہ ہے: وہ محمد رسول الله کو اپنے جلو میں لئے ہوئے ہے۔

فائدہ: ﴿ الصّٰبِئُوْنَ ﴾ کی اعرابی حالت پر اشکال ہے، اس کا عطف ﴿الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ﴾ پر ہے، جو اِنَّ کا اسم ہے، پس الصابئین (حالتِ نصبی) میں ہونا چاہئے، مگر یہاں نحو کے مشہور قاعدہ کے خلاف کیا ہے، اس لئے کہ مشہور تعبیرات ومحاورات کی خلاف ورزی بھی ایک تعبیر اور محاورہ ہے، یہ بات حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہ نے الفوز الکبیر میں فرمائی ہے، اور اس کی تفصیل مولانا مفتی محمد امین صاحب پالن پوری زید مجدہم کی شرح الخیر الکثیر (ص:۴۸۲) میں ہے۔

اور محاورہ کی خلاف ورزی اس لئے کی گئی ہے کہ قاری کا ماتھا ٹھنکے، جیسے مسند اور مسند الیہ کے حذف کا ایک فائدہ یہ ہے کہ ذہن ہر طرف دوڑے: لیذهب الذهن كلَّ مذهب، پس ﴿ الصّٰبِئُوْنَ ﴾ حالتِ رفعی میں آیا، اس سے ذہن اس طرح منتقل ہوگا کہ ﴿ الصّٰبِئُوْنَ ﴾ مبتدا ہے، اور اس کی خبر كذلك محذوف ہے، یعنی صُبات بھی یہود سے پھٹا ہوا ایک فرقہ ہے، نصاریٰ کا یہود سے علاحدہ فرقہ ہونا تو ہر کوئی جانتا ہے، مگر صابیوں کا یہود سے نکلا ہوا ہونا ہر کوئی نہیں جانتا، جب محاورہ کی خلاف ورزی قاری کے سامنے آئے گی تو اس کا ذہن لامحالہ منتقل ہوگا۔

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِیْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰی مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۶۹﴾﴾

ترجمہ: بے شک جو لوگ ایمان لائے ـــــ یعنی مسلمان ـــــ اور جن لوگوں نے یہودیت اپنائی، اور صابی فرقہ اور عیسائی: جو بھی اللہ پر اور دنیا کے آخری دن پر ـــــ یعنی قیامت کے دن پر ـــــ ایمان لایا، اور اس نے اچھے کام کئے ـــــ یعنی اپنی شریعت پر عمل کیا ـــــ ان پر (آخرت میں) نہ کوئی اندیشہ ہوگا، اور نہ وہ مغموم ہونگے!

یہود نے اپنے دور میں نہایت برے کام کئے ہیں: پھر وہ آخرت میں کیسے کامیاب ہونگے؟

اللہ تعالیٰ نے جب موسیٰ علیہ السلام کو تورات عنایت فرمائی تو بنی اسرائیل سے پختہ قول وقرار لیا تھا کہ وہ اللہ کی کتاب پر مضبوطی سے عمل کریں گے، پھر مسلسل ان میں رسول بھیجے جو تذکیر کا کام کرتے تھے، یہود کو سمجھاتے تھے کہ تورات کے احکام پر عمل کرتے رہو، اور اللہ کی رسّی کو مضبوط تھامے رہو۔

ان انبیاء پر وحی آتی تھی، اس کے ذریعہ تورات کے احکام میں جزوی تبدیلی کی جاتی تھی، جب تورات کے کسی حکم میں کوئی ایسی تبدیلی کی جاتی جو یہود کو پسند نہ آتی تو وہ اندھے بہرے ہو کر بعض انبیاء کی تکذیب کرتے اور بعض کو تہہ تیغ کردیتے اور بعض کو پابند سلاسل کردیتے، اور وہ ایسا خیال کرتے کہ اس سے کیا ہوگا؟ ہماری کوئی پکڑ نہیں ہوگی!

پھر جب صورتِ حال ناگفتہ بہ ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر بابل کے بادشاہ بخت نِصّر کو مسلط کیا، اس نے قدس کی اینٹ سے اینٹ بجادی، اور ستّر ہزار یہود کو قید کرکے بابل لے گیا، اور ان کو غلام باندیاں بنادیا، وہاں وہ تقریباً ایک صدی تک غلامی کی ذلت ورسوائی برداشت کرتے رہے، کہتے ہیں: اسی غلامی کے زمانہ میں حضرت عزیر علیہ السلام مبعوث ہوئے ہیں، جب یہود کو ہوش آیا تو انھوں نے اپنی حرکتوں سے توبہ کی، اور اصلاح حال کی طرف متوجہ ہوئے، چنانچہ اللہ نے ان کی توبہ قبول کی۔

پھر فارس کے بادشاہ سائرس نے بابل پر حملہ کیا، اور یہودیوں کو غلامی سے نجات دلائی، اور ان کو مال سامان دیا، تاکہ وہ بیت المقدس کو دوبارہ آباد کریں، لیکن کچھ ہی عرصہ گذرا تھا کہ ان کو پھر شرارتیں سوجھیں، اور اندھے بہرے ہو کر حضرت زکریا و یحییٰ علیہما السلام کو شہید کردیا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے درپے ہوئے، یہ تو اچھا ہوا کہ اللہ نے ان کو زندہ اٹھالیا، ورنہ یہود ان کو بھی قتل کردیتے!

اللہ تعالیٰ یہود کی یہ تمام حرکتیں دیکھ رہے ہیں، ایسے بدکردار آخرت میں کیسے کامیاب ہونگے؟ کامیابی تو کام سے ہوتی ہے نہ کہ نام سے! وہ خام خیالی میں مبتلا ہیں کہ ہم انبیاء کی اولاد ہیں، نوح علیہ السلام کا بیٹا نبی کی اولاد ہوتے ہوئے بھی غرقاب ہوگیا، اور یہ بھی ان کی خام خیالی ہے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں، اس لئے ہم ضرور بخشے جائیں

گے! اللہ کا کوئی بیٹا نہیں، اولاد ہونا ان کے لئے عیب ہے، اور وہ عیب سے پاک ہیں، اور ان کو محبت قوموں سے اور نسلوں سے نہیں، بلکہ ایمان و عمل صالح سے ہے۔

﴿ لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ۭ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ۝ وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ قول وقرار لیا، اور ان کی طرف رسول بھیجے، جب بھی ان کے پاس کوئی رسول ایسا حکم لے کر آیا جو ان کے دلوں کو نہیں بھایا تو انھوں نے کچھ رسولوں کو جھٹلایا، اور کچھ رسولوں کو قتل کر رہے ہیں! اور انھوں نے یہ خیال کیا کہ کوئی پکڑ نہیں ہوگی، چنانچہ وہ اندھے بہرے ہوگئے (اور جو کرنا تھا کر گذرے!) پھر اللہ تعالیٰ ان کی طرف متوجہ ہوئے ـــــ یعنی ان کو معاف کر دیا، اور ان کو غلامی سے نجات دی مگر ـــــ پھر ان میں سے اکثر اندھے بہرے ہوگئے ـــــ اور حضرات زکریا و یحیٰ علیہما السلام کو تو شہید کر دیا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے درپے ہوئے ـــــ اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھ رہے ہیں وہ جو کچھ کر رہے ہیں!

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ۭ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا

وَّلَا نَفْعًا ؕ وَ اللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۷۶

لَقَدْ	بخدا! واقعہ یہ ہے	النَّارُ	دوزخ ہے	اِلَى اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کے سامنے
كَفَرَ	کفر کیا	وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ	اور نہیں ہے ناانصافوں کے لئے	وَ يَسْتَغْفِرُوْنَهٗ (۳)	اور گناہ (نہیں) بخشواتے وہ ان سے؟
الَّذِيْنَ قَالُوْٓا	جنھوں نے کہا				
اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ	مِنْ (۲) اَنْصَارٍ	کوئی بھی مددگار	وَ اللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
هُوَ الْمَسِيْحُ	ہی مسیح ہیں	لَقَدْ	بخدا! واقعہ یہ ہے	غَفُوْرٌ	بڑے بخشنے والے
ابْنُ مَرْيَمَ	بیٹے مریم کے	كَفَرَ	کفر کیا	رَّحِيْمٌ	بڑے مہربان
وَ قَالَ	اور کہا	الَّذِيْنَ قَالُوْٓا	جنھوں نے کہا	مَا الْمَسِيْحُ	نہیں ہیں مسیح
الْمَسِيْحُ	مسیح نے	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ	ابْنُ مَرْيَمَ	بیٹے مریم کے
يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ	اے اولادِ یعقوب	ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ	تین میں کا تیسرا ہے	اِلَّا رَسُوْلٌ	مگر ایک رسول
اعْبُدُوا	بندگی کرو	وَمَا مِنْ اِلٰهٍ	اور نہیں ہے کوئی بھی معبود	قَدْ خَلَتْ	بالتحقیق گذر چکے
اللّٰهَ	اللہ کی	اِلَّآ اِلٰهٌ	مگر معبود	مِنْ قَبْلِهِ	ان سے پہلے
رَبِّيْ	میرا رب	وَّاحِدٌ	یگانہ (بے ہمہ)	الرُّسُلُ	رسول
وَ رَبَّكُمْ	اور تمہارا رب	وَ اِنْ	اور اگر	وَ اُمُّهٗ	اور ان کی ماں
اِنَّهٗ مَنْ (۱)	بے شک جو شخص	لَّمْ يَنْتَهُوْا	نہیں باز آئے وہ	صِدِّيْقَةٌ	ولیہ ہیں
يُّشْرِكْ	شریک ٹھہرائے گا	عَمَّا يَقُوْلُوْنَ	اس سے جو کہتے ہیں وہ	كَانَا يَاْكُلٰنِ	دونوں کھاتے تھے
بِاللّٰهِ	اللہ کے ساتھ	لَيَمَسَّنَّ	تو ضرور چھوئے گا	الطَّعَامَ	کھانا
فَقَدْ	تو واقعہ یہ ہے	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	ان کو جنھوں نے انکار کیا	اُنْظُرْ	دیکھ
حَرَّمَ اللّٰهُ	حرام کیا ہے اللہ نے	مِنْهُمْ	ان میں سے	كَيْفَ نُبَيِّنُ	کیسے بیان کرتے ہیں ہم
عَلَيْهِ الْجَنَّةَ	اس پر جنت کو	عَذَابٌ اَلِيْمٌ	دردناک عذاب	لَهُمُ الْاٰيٰتِ	ان کے لئے دلیلیں
وَمَاْوٰىهُ	اور اس کا ٹھکانہ	اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ	کیا پس توبہ نہیں کرتے وہ	ثُمَّ انْظُرْ	پھر دیکھ

(۱) إنه کی ضمیر: ضمیرِ شان ہے (۲) مِن: زائدہ، برائے تاکیدِ نفی ہے (۳) يستغفرون کا عطف يتوبون پر ہے، پس أفلا یہاں بھی آئے گا۔

اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ	کدھر بھٹکائے جاتے ہیں وہ	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ سے ورے	وَّلَا نَفْعًا	اور نہ کسی نفع کا
		مَا لَا يَمْلِكُ	اس کی جو نہیں مالک ہے	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
قُلْ	پوچھو	لَكُمْ	تمہارے لئے	هُوَ السَّمِيْعُ	ہی خوب سننے والے
اَتَعْبُدُوْنَ	کیا بندگی کرتے ہو تم	ضَرًّا	کسی نقصان کا	الْعَلِيْمُ	ہر بات جاننے والے ہیں

نصاری کا تذکرہ

نصاری نے توحید کا جنازہ ہی نکال دیا

دور سے یہود کا تذکرہ چل رہا ہے، ضمناً عیسائیوں کا تذکرہ بھی آتا رہا ہے، جہاں اہل کتاب کو خطاب فرمایا ہے: ان میں نصاری بھی شامل ہیں، اب ان آیات میں بالاستقلال عیسائیوں کا ذکر ہے۔

یہود: توحید میں تو کچھ ٹھیک ہیں، مگر مسئلۂ رسالت میں بالکل بہک گئے ہیں، نہ عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح ہدایت مانتے ہیں، نہ خاتم النبیین ﷺ پر ایمان لاتے ہیں، اور عیسائی توحید میں — جو ادیانِ سماوی کا بنیادی مسئلہ ہے — حق سے بہت دور جا پڑے ہیں، ان کے بنیادی فرقے تین ہیں:

ایک: فرقہ یعقوبیہ ہے: جو اتحاد کا قائل ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اور عیسیٰ علیہ السلام ایک ہیں، اللہ تعالیٰ ہی عیسیٰ علیہ السلام کے پیکر (صورت) میں دنیا میں آئے ہیں، ہندوؤں کا بھی اوتاروں کے بارے میں یہی اعتقاد ہے، وہ کہتے ہیں: جب دنیا شر و فساد سے بھر جاتی ہے تو بھگوان انسانی پیکر اختیار کر کے دنیا میں جنم لیتے ہیں، پس اوتار اور بھگوان ایک ہیں، اس لئے وہ اوتاروں کی پوجا کرتے ہیں۔

دوسرا فرقہ: نسطوریہ ہے، وہ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانتے ہیں، پس خدا دو ہوئے: باپ اور بیٹا، ایسا ہی عقیدہ مجوسیوں کا ہے، وہ بھی دو خدا مانتے ہیں: یزداں اور اہرمن۔

تیسرا فرقہ: ملکانیہ ہے، وہ تثلیث کا قائل ہے، یعنی خدا تین ہیں: باپ، بیٹا اور روح القدس (پاکیزہ روح) پھر وہ کہتے ہیں: یہ تینوں ایک ہیں، تینوں ایک کیسے ہیں؟ وہ کہتے ہیں اصل عنصر (Person) اللہ تعالیٰ ہیں، پھر ان کی صفتِ علم نے عیسیٰ علیہ السلام کا پیکر اختیار کیا، پس اصل 'باپ' ہیں، اور عیسیٰ علیہ السلام ان کے 'بیٹے' ہیں، اور اللہ کی صفتِ 'حیات' نے بھی پیکر اختیار کیا، پس وہ روح القدس ہے، مگر روح القدس کا مصداق کیا ہے؟ اس میں ان میں بڑا اختلاف ہے، کوئی حضرت جبرئیل علیہ السلام کو مصداق بتاتا ہے، کوئی حضرت مریم رضی اللہ عنہا کو، اور کوئی مصداق متعین نہیں کرتا، روح

القدس ہی کہتا ہے، اس طرح وہ تثلیث کے بھی قائل ہیں اور توحید کے بھی، آج کل کے عیسائیوں کا عمومی عقیدہ یہی ہے، قرآنِ کریم نے یہاں پہلے اور تیسرے عقیدوں کی تردید کی ہے۔

ان لوگوں کی تردید جو اللہ تعالیٰ کو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو متحد مانتے ہیں

اتحاد کا عقیدہ کفریہ عقیدہ ہے، جو لوگ اللہ تعالیٰ کو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایک مانتے ہیں: وہ کافر ہیں، اس لئے کہ خود عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے زمانہ میں بنی اسرائیل سے کہا تھا: ''اس اللہ کی بندگی کرو جو میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے'' انھوں نے رب اور مربوب کو یعنی خالق اور مخلوق کو جدا کیا، پس جیسے اللہ اور بنی اسرائیل ایک نہیں، اسی طرح اللہ اور عیسیٰ علیہ السلام بھی ایک نہیں، اللہ تعالیٰ خالق ہیں، اور حضرت مریم کے صاحبزادے عیسیٰ علیہ السلام مخلوق ہیں، جو دونوں کو متحد (ایک) مانتا ہے وہ مخلوق کو خالق میں شریک کرتا ہے، اور جو کسی کو خدا کی خدائی میں شریک کرتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے جنت حرام کردی ہے، وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا، وہاں اس ظالم کا کوئی مددگار نہ ہوگا، جو اس کو دوزخ سے نکال کر جنت میں پہنچائے۔

اور ظالم کے معنی ہیں: حق تلفی کرنے والا، حق دار کو اس کے حق سے محروم کرنے والا، معبود ہونا صرف اللہ کا حق ہے، اس لئے کہ وہی خالق و مالک ہیں، پس معبود ہونا انہی کا حق ہے، پس جو کوئی غیر اللہ کو معبودیت میں حصہ دار بناتا ہے وہ ظالم ہے، اور ظالموں کا دوزخ میں کوئی مددگار نہیں، کیونکہ جس کو شریک ٹھہرایا ہے وہ کوئی اختیار نہیں رکھتا، اختیار سارا اللہ کا ہے۔

﴿ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ ﴾

ترجمہ: بخدا! واقعہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہی مسیح ابن مریم ہیں: وہ لوگ کافر ہیں! جبکہ مسیح نے کہا: اے بنی اسرائیل! تم بندگی کرو اللہ کی، جو میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے، بے شک جس نے اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرایا، سو اس پر اللہ نے جنت حرام کردی، اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے، اور وہاں ظالموں کا کوئی بھی مددگار نہیں ہوگا!

ان لوگوں کی تردید جو تثلیث کا عقیدہ رکھتے ہیں

تثلیث کا عقیدہ بھی کفریہ عقیدہ ہے، جو لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک بٹا تین ہیں: وہ کافر ہیں، اللہ تعالیٰ تو کل معبود

ہیں، ان کی معبودیت میں کوئی حصہ دار نہیں، اور عیسائی متکلمین نے جو شوشہ چھوڑا ہے کہ اللہ کی صفتِ علم نے عیسیٰ علیہ السلام کا پیکر اختیار کیا ہے، اور اللہ کی صفتِ حیات نے حضرت مریم کا یا حضرت جبرئیل علیہ السلام کا پیکر اختیار کیا ہے، اس لئے تین ایک ہیں، اس لئے کہ ذات وصفات متحد ہوتے ہیں۔

یہ دور کی کوڑی ہے، اس لئے کہ صفات کا مفہوم ذات سے الگ ہوتا ہے، وجوداً الگ نہیں ہوتا، اور جب صفتِ علم اور صفتِ حیات کے پیکر مان لئے تو چند موجود ہو گئے، پس خدا ایک کہاں رہا؟ تعدد آلہہ لازم آیا، اور توحید گاؤ خورد ہو گئی!

اور عیسائی پادریوں کا تین کا ایک لڈو بنانا: ایسی چیستان ہے جو نہ سمجھنے کی ہے نہ سمجھانے کی! حالانکہ بنیادی عقائد کو ایسا واضح ہونا چاہئے جس کو جاہل سے جاہل بھی سمجھ سکے۔

اور جب عقیدۂ تثلیث کفر و شرک ٹھہرا تو جو سزا اوپر آئی ہے وہی سزا ان لوگوں کو بھی ملے گی، یعنی وہ بھی ہمیشہ جہنم میں سڑیں گے، اگر ان دونوں عقیدوں کے قائلین اپنے کفریہ اقوال سے باز نہ آئے تو آخرت میں ان کو دردناک سزا ملے گی، پس دونوں فریقوں کو چاہئے کہ اللہ کے سامنے توبہ کریں اور اس سے معافی مانگیں، اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بڑے مہربان ہیں! ان کی بارگاہ مایوسی کی بارگاہ نہیں، ہر چہ کردی باز آ!

﴿ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾

ترجمہ: بخدا! واقعہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تین میں کا تیسرا ہے: وہ لوگ بھی کافر ہو گئے، جبکہ ایک معبود کے علاوہ کوئی بھی معبود نہیں، اور اگر وہ لوگ اپنی باتوں سے باز نہ آئے تو ان میں سے منکرین توحید کو ضرور دردناک عذاب پہنچ کر رہے گا — کیا تو وہ اللہ کے سامنے توبہ نہیں کرتے، اور وہ اس سے گناہ نہیں بخشواتے؟ اور اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بڑے مہربان ہیں!

احتیاج الوہیت کے منافی ہے، اور نفع وضرر کا مالک ہونا الوہیت کے لئے ضروری ہے

اب دو دلیلوں سے عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کے معبود ہونے کی تردید فرماتے ہیں:

پہلی دلیل: احتیاج الوہیت کے منافی ہے، خدا کسی چیز کا محتاج نہیں ہو سکتا، وہ غنی (بے نیاز) ہوتا ہے۔

دوسری دلیل: خدا نفع وضرر کا مالک ہوتا ہے، جو نہ نفع کا اختیار رکھتا ہو نہ نقصان کا وہ خدا نہیں ہو سکتا۔

اور بات یہاں سے شروع کی ہے کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کی واقعی پوزیشن کیا تھی؟

۱۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے ایک رسول تھے، نہ خدا تھے نہ خدائی میں حصہ دار! کیونکہ آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول ہوئے ہیں، جو نہ خدا تھے نہ خدائی میں حصہ دار!

۲۔حضرت مریم رضی اللہ عنہا صدیقہ (ولیّہ، نیک بندی) تھیں، اور نیک بندیاں پہلے بھی بہت ہوئی ہیں، بعد میں بھی، اب بھی اور آگے بھی ہونگی، وہ خدائی میں حصہ دار نہیں، پھر حضرت مریم ہی حصہ دار کیوں؟

پھر پہلی دلیل: سے دونوں کی الوہیت کی تردید فرمائی ہے کہ دونوں کھانا کھاتے تھے، یعنی ان کو بھوک لگتی تھی، دونوں کھانے کے محتاج تھے، اور محتاج خدا نہیں ہوسکتا، احتیاج الوہیت کے منافی ہے، دیکھو! کیسی واضح بات ہے، مگر عیسائی پادری عوام کو دونوں کی الوہیت باور کراتے ہیں!

اور اس ایک دلیل میں کئی دلیلیں ہیں، اس لئے اس کو 'آیات' فرمایا ہے، جو کھانے کا محتاج ہوتا ہے: اس میں دوسرے بشری تقاضے بھی ہوتے ہیں، وہ سانس لینے کے لئے ہوا کا محتاج ہے، وہ گرمی حاصل کرنے کے لئے سورج کا محتاج ہے اور تھکن دور کرنے کے لئے نیند کا محتاج ہے، وقس علی ہذا!

علاوہ ازیں: جب کھانا پیٹ میں پہنچے گا تو گندگی سے بدل جائے گا، اور خدا میں گندگی نہیں ہوسکتی، اس کی ذات پاک ہے سبحانہ و تعالیٰ شانہ!

دوسری دلیل: خدا ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ نفع وضرر کا مالک ہو، اور عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ بالذات (اپنے طور پر) نہ کسی کو نفع پہنچا سکتے تھے نہ نقصان، پھر وہ خدا اور خدائی میں حصہ دار کیسے ہوسکتے ہیں؟

اور اللہ تعالیٰ تو مخلوقات کی پکاریں سنتے ہیں، اور سب کی حاجتیں جانتے ہیں، اور سب کی حاجتیں پوری بھی کرتے ہیں، پس وہ نفع وضرر کے مالک ہیں، اس لئے وہی خدا اور معبود ہیں، دوسرا کوئی عبادت کا حقدار نہیں۔

﴿مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ۚ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ۚ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ۚ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝﴾

ترجمہ: مریم کے بیٹے مسیح تو ایک رسول ہی ہیں، ان سے پہلے بالیقین رسول گذر چکے ہیں، اور ان کی والدہ صدیقہ (ولیّہ، نیک بندی) ہیں، دونوں کھانا کھاتے تھے، دیکھو! ہم کیسی (واضح) دلیلیں بیان کرتے ہیں، پھر دیکھو! وہ کدھر پھیرے جاتے ہیں — پوچھو: کیا تم اللہ کو چھوڑ کر اس کی بندگی کرتے ہو جو تمہارے لئے نہ کسی نقصان کا اختیار رکھتا ہے، نہ کسی نفع کا؟ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والے، خوب جاننے والے ہیں۔

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ غَیْرَ الْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَ اَضَلُّوْا كَثِیْرًا وَّ ضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ ۟۷۷ لُعِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا یَعْتَدُوْنَ ۟۷۸ كَانُوْا لَا یَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ۟۷۹ تَرٰی كَثِیْرًا مِّنْهُمْ یَتَوَلَّوْنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ؕ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ وَ فِی الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۟۸۰ وَ لَوْ كَانُوْا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ النَّبِیِّ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِیَآءَ وَ لٰكِنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۟۸۱

ع ۱۱ / ۱۴

قُلْ	آپ کہیں	وَ اَضَلُّوْا	اور گمراہ کیا انھوں نے	دَاوٗدَ	داؤد
يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ	اے آسمانی کتاب والو!	كَثِیْرًا	بہت سوں کو	وَ عِیْسَی	اور عیسیٰ
لَا تَغْلُوْا	حد سے نہ بڑھو	وَّ ضَلُّوْا	اور بہک گئے وہ	ابْنِ مَرْیَمَ	بیٹے مریم کے
فِیْ دِیْنِكُمْ	اپنے دین میں	عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ	سیدھے راستہ سے	ذٰلِكَ	یہ (لعنت)
غَیْرَ الْحَقِّ (۱)	ناحق طور پر			بِمَا عَصَوْا (۲)	ان کی نافرمانی کی وجہ سے ہے
وَ لَا تَتَّبِعُوْۤا	اور پیروی مت کرو	لُعِنَ	پھٹکارے گئے		
اَهْوَآءَ	خواہشات کی	الَّذِیْنَ كَفَرُوْا	جنھوں نے کفر کیا	وَّ كَانُوْا یَعْتَدُوْنَ (۳)	اور ان کے مسلسل حد سے گذرنے کی وجہ سے ہے
قَوْمٍ	ایسے لوگوں کی	مِنْۢ بَنِیْۤ	اولادِ یعقوب میں		
قَدْ ضَلُّوْا	جو بالیقین گمراہ ہوگئے	اِسْرَآءِیْلَ	سے	كَانُوْا لَا یَتَنَاهَوْنَ	وہ لوگ ایک دوسرے کو روکا نہیں کرتے تھے
مِنْ قَبْلُ	قبل ازیں	عَلٰی لِسَانِ	بذریعہ		

(۱) غیر الحق: یا تو مفعول مطلق برائے تاکید ہے، اس صورت میں غُلُوًّا: مصدر محذوف ہوگا، اور لاتغلوا کی ضمیر فاعل سے حال بھی ہوسکتا ہے۔ (۲) بما عصوا: ما: مصدریہ اور باء سببیہ ہے أی بسبب عصیانهم (۳) کانوا یعتدون کا عصوا پر عطف ہے، پس ما مصدریہ اور باء سببیہ یہاں بھی آئے گا۔

عَنْ مُّنْكَرٍ	ایسے ناجائز کام سے	لَهُمْ	ان کے لئے	بِاللّٰهِ	اللہ پر
فَعَلُوْهُ (۱)	جس کو انھوں نے کیا	اَنْفُسُهُمْ	ان کی ذاتوں نے	وَالنَّبِيِّ (۳)	اور اس پیغمبر پر
لَبِئْسَ مَا	البتہ بہت ہی برا ہے جو	اَنْ سَخِطَ (۲)	یعنی سخت ناراض ہوئے	وَمَآ اُنْزِلَ	اور اس پر جو اتارا گیا
كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ	وہ کیا کرتے تھے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	اِلَيْهِ	اس کی طرف
تَرٰى	دیکھتا ہے تو	عَلَيْهِمْ	ان پر	مَا اتَّخَذُوْهُمْ	(تو) نہ بناتے وہ ان کو
كَثِيْرًا مِّنْهُمْ	ان میں سے بہت سوں کو	وَفِي الْعَذَابِ	اور عذاب میں	اَوْلِيَآءَ	دوست
يَتَوَلَّوْنَ	دوستی کرتے ہیں	هُمْ	وہ	وَلٰكِنَّ	لیکن
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	ان سے جنھوں نے کفر کیا	خٰلِدُوْنَ	ہمیشہ رہنے والے ہیں	كَثِيْرًا مِّنْهُمْ	ان میں سے، بہت سے
لَبِئْسَ	البتہ بہت برا ہے	وَلَوْ	اور اگر	فٰسِقُوْنَ	حد اطاعت سے نکلنے
مَا قَدَّمَتْ	جو آگے بھیجا	كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ	ایمان لاتے وہ		والے ہیں

ملحوظہ: اہل کتاب کے ذریعہ خطاب یہود ونصاریٰ دونوں کو ہوتا ہے، گذشتہ آیات میں اصالۃً یہود سے خطاب تھا، عیسائی تبعاً اس میں شامل تھے، اب معاملہ برعکس ہے، اصالۃً خطاب عیسائیوں سے ہے، اور یہود تبعاً اس میں شامل ہیں۔

دین دو باتوں سے خراب ہوتا ہے: اکابر کی شان میں غلو سے اور گمراہوں کی پیروی سے

غلو: کے معنی ہیں: حد سے تجاوز کرنا، ہر چیز کی اور ہر مخلوق کی ایک حد ہے، اس کو اس سے آگے نہیں بڑھانا چاہئے، اگر مخلوق کے ڈانڈے خالق سے ملادیئے جائیں تو شرک ہوجائے گا، اور ملت کا ستیاناس ہوجائے گا، عیسائیوں نے اپنے رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں غلو کیا، ان کو اللہ کا بیٹا قرار دیا تو توحید کہاں باقی رہی؟ اسی لئے نبی ﷺ نے اپنی امت کو ہدایت دی کہ مجھے حد سے نہ بڑھانا، جیسا عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حد سے بڑھایا، میں اللہ کا بندہ ہوں، پس کہو: ''اللہ کے بندے اور اس کے رسول'' (بخاری حدیث ۳۴۶۲)

اس لئے اللہ تعالیٰ اہل کتاب کو مخاطب فرماتے ہیں کہ اپنے دین میں ناحق غلو مت کرو، ایسا کروگے تو تمہارا دین

---

(۱) **فعلوہ**: جملہ منکر کی صفت ہے (۲) **أن**: ما کا بیان ہے، اور ھو مبتدا محذوف کی خبر بھی ہوسکتا ہے اور تفسیر کے لئے بھی ہوسکتا ہے، جیسے: ﴿ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰاِبْرٰهِيْمُ ﴾: اور ہم نے اس کو پکارا کہ اے ابراہیم [الصافات ۱۰۴] مطلب تینوں صورتوں میں ایک ہے (۳) **النبی** کا الف لام عہدی ہے، مراد نبی ﷺ ہیں

خراب ہوجائے گا، اور غلو: ہمیشہ ناحق ہی ہوتا ہے، برحق کبھی نہیں ہوتا، پس ﴿غَیْرَ الْحَقِّ﴾ کونہی کی تاکید، اور صفت کاشفہ کی طرح سمجھنا چاہئے، حال بھی درحقیقت صفت ہی ہوتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں عیسائیوں کے غلو کی وجہ: ان سے ازحد محبت، جیسے مسلمانوں میں ایک جماعت نبی ﷺ کی محبت میں غلو کرتی ہے، اور آپؐ کے علم کو اللہ تعالیٰ کی صفتِ علم کے ساتھ ملاتی ہے، اور یہ عقیدہ بنالیا ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں وہ سب نبی ﷺ بھی جانتے ہیں، فرق صرف ذاتی اور عطائی کا ہے، اسی طرح انھوں نے اولیائے کرام کی محبت میں غلو کیا ہے، اور ان کو کائنات میں متصرف مان لیا ہے، حالانکہ ﴿یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ﴾ اللہ ہی کی شان ہے۔

اور ایک دوسری جماعت نے آلِ رسول کی محبت میں غلو کیا، اور اپنے بارہ اماموں کو صاحبِ وحی مان لیا، اس طرح انھوں نے بھی اپنا دین بگاڑ لیا، اور یہود نے اپنے دین اور تورات کے معاملہ میں یہ غلو کیا کہ اپنے دین کو آخری دین اور تورات کو آخری کتاب قرار دیدیا، حالانکہ ان کی شریعت خاتم انبیائے بنی اسرائیل (عیسیٰ علیہ السلام) کے زمانہ تک تھی، اور تورات پر عمل بھی اسی وقت تھا، پھر نبوت بنی اسماعیل کی طرف منتقل ہونے والی تھی، اور قرآنِ کریم کا زمانہ شروع ہونے والا تھا، اس طرح انھوں نے بھی اپنا دین بگاڑ لیا۔

اور دین میں خرابی کی دوسری وجہ: گمراہ لوگوں کی پیروی ہے، ملت میں ایک گمراہ شخص پیدا ہوتا ہے، پھر اس کی پارٹی بنتی ہے، اور وہ اس گمراہ شخص کے افکار کی تشہیر کرتی ہے تو لوگ اس کی پیروی کرنے لگتے ہیں، اس طرح گمراہ فرقہ وجود میں آجاتا ہے، اور ان کا دین بگڑ جاتا ہے، عیسائیت کو بھی ایک منافق عیسائی ساؤل نے بگاڑا ہے، عیسائیوں نے اس کی بات مان لی تو مذہب کا حلیہ بگڑ گیا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ نصاریٰ کا دعویٰ ہے کہ موجودہ نصرانیت کی بنیاد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے رکھی ہے، اور وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات پر قائم ہیں، اور ان کی ملت کے پیرو ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا تو آپ کے حواری شدید مخالفتوں کے باوجود نصرانیت کی تبلیغ کرتے رہے، اور پے درپے پیش آنے والی رکاوٹوں کے باوجود انھیں اچھی کامیابی ملتی رہی، مگر اسی دروان ایک واقعہ پیش آیا جس نے حالات کا رُخ بالکل موڑ دیا۔

واقعہ یہ ہے کہ ایک یہودی عالم جس کا نام 'ساؤل' تھا اور نصاریٰ پر شدید ظلم وستم ڈھاتا تھا، اچانک حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آیا، اور اس نے دعویٰ کیا کہ دمشق کے راستہ میں مجھ پر ایک نور چمکا، اور آسمان سے حضرت مسیح علیہ السلام کی آواز سنائی دی کہ "تو مجھے کیوں ستاتا ہے؟" اس واقعہ سے متاثر ہوکر میں حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان لے آیا،

اور دین عیسوی پر میرا دل مطمئن ہوگیا!

"ساؤل" نے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کے سامنے اپنے اس انقلاب کا اعلان کیا تو اکثر حواری اس کی تصدیق کرنے کے لئے تیار نہیں تھے، مگر سب سے پہلے "برناباس" حواری نے اس کی تصدیق کی، پھر اس کی تصدیق سے مطمئن ہوکر تمام حواریوں نے "ساؤل" کو اپنی برادری میں شامل کرلیا۔

اس کے بعد "ساؤل" نے اپنا نام بدل کر "پولس" رکھا، اور حواریوں کے دوش بدوش نصرانیت کی تبلیغ میں مشغول ہوگیا، اس کی انتھک کوشش سے، بہت سے ایسے لوگ بھی نصرانیت میں داخل ہوگئے جو یہودی نہیں تھے، ان خدمات کی وجہ سے نصاریٰ کے درمیان "پولس" کا اثر ورسوخ بڑھ گیا، جب اس نے دیکھا کہ نصاریٰ اس کی ہر بات تسلیم کرتے ہیں تو رفتہ رفتہ اس نے تثلیث، حلول، کفارہ اور مصلوبیت مسیح وغیرہ عقائد باطلہ کی کھل کر تبلیغ شروع کردی، اور نصرانیت کو مسخ کردیا، لہٰذا موجود نصرانیت کے بانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہیں، بلکہ "پولس" ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے بائبل سے قرآن تک کا مقدمہ)

﴿قُلْ يَآ أَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا أَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَأَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ﴾

ترجمہ: کہو: اے آسمانی کتاب والو! اپنے دین میں ناحق حد سے مت بڑھو —— یہ گمراہی کا پہلا سبب ہے —— اور ان لوگوں کے خیالات کی پیروی مت کرو جو قبل ازیں —— یعنی نزول قرآن سے پہلے —— بالیقین گمراہ ہوگئے ہیں —— یہ پاؤل اور اس کی جماعت کی گمراہی کی طرف اشارہ ہے —— اور انھوں نے بہت سوں کو گمراہ کیا، اور وہ سیدھے راستے سے بھٹک گئے۔

گمراہی جب گہری ہوجاتی ہے تو غضب ڈھاتی ہے!

تاریکی یکدم نہیں چھاتی، رفتہ رفتہ بڑھتی ہے، رات چھانے میں ڈیڑھ گھنٹہ لگتا ہے، اسی طرح روشنی بھی یکدم نہیں پھیلتی، اس کے لئے بھی وقت درکار ہوتا ہے، بیس سال کی محنت کے بعد مکہ مکرمہ فتح ہوا ہے، اور پچاس سال کی محنت کے بعد اس ملک میں سنت کی روشنی پھیلی ہے۔ غرض زوال میں بھی عرصہ لگتا ہے اور ترقی میں بھی۔

اور گمراہی اکابر کی شان میں غلو سے اور گمراہوں کی پیروی سے شروع ہوتی ہے، پھر غلو اور پیروی بڑھتی رہتی ہے اور گمراہی بن جاتی ہے، جیسے اب لوگ اکابر کو قطب الاقطاب اور غوثِ اعظم لکھنے لگے ہیں اور ان کو مسجدوں کے پاس یا مدارس میں دفن کرنے لگے ہیں، اور ان کی قبروں پر بڑے بڑے کتبے لگانے لگے ہیں، اور ان کی قبروں پر مراقبے کرتے ہیں،

سر جھکا کر بیٹھتے ہیں اور ذکر وفکر کرتے ہیں، یہی چیزیں رفتہ رفتہ اکابر پرستی میں بدل جائیں گی!

بنی اسرائیل میں بھی جب گمراہی شروع ہوئی تو بڑھ کر کفر تک پہنچ گئی، پس زبور وانجیل میں ان پر لعنت نازل ہوئی، اللہ تعالیٰ نے ان کو رحمت سے دور کردیا، اور اس کی دو وجہیں بنیں: اول: ان کی نافرمانی، یعنی احکام شرع کی خلاف ورزی۔ دوم: ان کا اعتداء، یعنی مسلسل غلو جو حد سے بڑھ گیا، جیسے مسلمان فرقوں میں جو دائرۂ اسلام سے نکل گئے ہیں: وہ ملعون ہیں، اللہ کی رحمت میں ان کا کوئی حصہ نہیں!

﴿ لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰي لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: جن لوگوں نے بنی اسرائیل میں سے کفر کیا، ان کو داؤد اور عیسیٰ ابن مریم کے ذریعہ پھٹکارا گیا، یہ بات ان کی نافرمانی کی وجہ سے اور ان کے مسلسل حد سے گذرنے کی وجہ سے تھی!

برائی روک ٹوک سے رکتی ہے

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض کفایہ ہیں، اگر سب لوگ اس فریضہ کو ترک کردیں گے تو گمراہی پھیل جائے گی، بنی اسرائیل میں جب گمراہی شروع ہوئی تو لوگ ایک دوسرے کو برائی سے روکتے تھے، مگر جب اس کا فائدہ ظاہر نہ ہوا تو یہ سلسلہ رک گیا، اور اچھے لوگ بھی برے لوگوں کے ہم پیالہ اور ہم نوالہ بن گئے پس اللہ کا عذاب آیا، یہاں اللہ تعالیٰ نے ان کے اس فعل پر نکیر فرمائی ہے کہ انھوں نے جو برائیوں پر نکیر چھوڑ دی وہ بہت ہی برا کیا۔

فائدہ: آج مسلمان بھی اس معاملہ میں بنی اسرائیل کے نقش قدم پر ہیں، برائی پر ٹوکنے کا مزاج ختم ہوگیا، اور علماء ومشائخ بھی خلافِ شرع امور کا ارتکاب کرنے والوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے میں کوئی مضائقہ محسوس نہیں کرتے (آسان تفسیر)

﴿ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: وہ لوگ ایک دوسرے کو روکا نہیں کرتے تھے اس ناجائز کام سے جو انھوں نے کیا، یقیناً بہت ہی بری ہے وہ بات جو وہ کیا کرتے تھے!

مدینہ کے یہود کا مکہ کے مشرکوں سے دوستی کرنا: بہت ہی برا ہے

اب یہود کے، بہت ہی برے عمل کی ایک مثال بیان فرماتے ہیں۔ یہود اہل کتاب تھے، وہ مسلمانوں سے اقرب تھے، مشرکوں سے ان کا کوئی جوڑ نہیں تھا، مگر اسلام کی مخالفت میں یہود کے بڑے مکہ کے مشرکین کے پاس جاتے تھے، دونوں کا

باہم گٹھ جوڑ تھا، وہ ان کو مدینہ پر چڑھا لاتے تھے، ان کا یہ فعل جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے، بہت ہی برا ہے، اس گناہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان سے سخت ناراض ہیں، اس لئے ان کو ہمیشہ کے لئے دوزخ کے عذاب میں سڑنا پڑے گا!

﴿ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭلَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: دیکھتے ہیں آپ ان میں سے، بہت سوں کو کہ وہ کافروں سے دوستی کرتے ہیں، بیشک بہت ہی برا ہے جو ان کی ذاتوں نے آگے بھیجا ہے کہ اللہ ان سے سخت ناراض ہوئے ہیں، اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہنے والے ہیں!

کافروں کی دوستی سے بچنے کی صورت ایمان لانا ہے، مگر افسوس! بسا آرزو خاک شد!

یہود: اس برائی سے، یعنی کفار کے ساتھ دوستی کرنے سے: اسی طرح بچ سکتے ہیں کہ وہ اللہ پر، نبی ﷺ پر اور قرآنِ کریم پر ایمان لائیں، پس وہ مشرکین کی طرف پینگیں نہیں بڑھائیں گے، مگر وہ ایسے خوش نصیب کہاں ہیں؟ ان کے بیشتر تو حد اطاعت سے نکلنے والے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی بات کیوں مانیں گے؟ اور ایمان کیوں لائیں گے؟

﴿ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَاۗءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اگر وہ ایمان لاتے اللہ پر، اور اس پیغمبر پر، اور اس قرآن پر جو اس کی طرف اتارا گیا ہے تو وہ ان (کفار) کو دوست نہ بناتے، لیکن ان میں سے بہت سے حد اطاعت سے نکلنے والے ہیں ——— "بہت سے": کہہ کر یہود میں سے ایمان لانے صحابہ کو مستثنیٰ کیا ہے، اور اس میں اشارہ ہے کہ وہ معدودے چند ہیں۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓي اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَاۗءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ۝ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۵﴾
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۸۶﴾ ع

لَتَجِدَنَّ	آپ ضرور پائیں گے	وَرُهْبَانًا	اور مشائخ (بزرگ) ہیں	مَعَ الشّٰهِدِيْنَ	گواہوں کے ساتھ
اَشَدَّ النَّاسِ	سب لوگوں سے سخت	وَّاَنَّهُمْ	اور (اس وجہ سے) کہ وہ	وَمَا لَنَا	اور کیا مانع ہے ہمارے لئے
عَدَاوَةً	دشمنی کے اعتبار سے	لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ	گھمنڈ نہیں کرتے	لَا نُؤْمِنُ	(کہ) ایمان نہ لائیں ہم
لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا	ان کیلئے جو ایمان لائے	وَاِذَا سَمِعُوْا	اور جب وہ سنتے ہیں	بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر
الْيَهُوْدَ(۱)	یہود کو	مَا اُنْزِلَ	اس کو جو اتارا گیا	وَمَا جَآءَنَا	اور اس پر جو پہنچا ہمیں
وَالَّذِيْنَ	اور ان لوگوں کو جنھوں نے	اِلَى الرَّسُوْلِ	اللہ کے رسول پر	مِنَ الْحَقِّ	دین حق سے
اَشْرَكُوْا	اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرایا	تَرٰٓى	(تو) دیکھتا ہے تو	وَنَطْمَعُ(۴)	اور امید (نہ) کریں ہم
وَلَتَجِدَنَّ	اور آپ ضرور پائیں گے	اَعْيُنَهُمْ	ان کی آنکھوں کو	اَنْ يُّدْخِلَنَا	کہ داخل فرمائیں گے ہمیں
اَقْرَبَهُمْ	لوگوں میں قریب تر	تَفِيْضُ	بہہ رہی ہیں	رَبُّنَا	ہمارے پروردگار
مَّوَدَّةً	محبت کے اعتبار سے	مِنَ الدَّمْعِ	آنسوؤں سے	مَعَ الْقَوْمِ	نیک لوگوں کے ساتھ
لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا	مسلمانوں کے ساتھ	مِمَّا عَرَفُوْا(۳)	اس کی وجہ سے جو	الصّٰلِحِيْنَ	
الَّذِيْنَ قَالُوْٓا	ان کو جنھوں نے کہا		پہچانی انھوں نے	فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ	پس صلہ دیا ان کو اللہ نے
اِنَّا نَصٰرٰى	بیشک ہم عیسائی ہیں	مِنَ الْحَقِّ	حق بات سے	بِمَا قَالُوْا	ان کی بات کی وجہ سے
ذٰلِكَ	یہ (فرق)	يَقُوْلُوْنَ	کہتے ہیں وہ	جَنّٰتٍ	باغات کا
بِاَنَّ مِنْهُمْ	بایں وجہ ہے کہ ان	رَبَّنَآ	اے ہمارے پروردگار	تَجْرِيْ	بہتی ہیں
	میں سے کچھ	اٰمَنَّا	ایمان لائے ہم	مِنْ تَحْتِهَا	ان میں
قِسِّيْسِيْنَ(۲)	علماء	فَاكْتُبْنَا	پس لکھ دیں آپ ہمیں	الْاَنْهٰرُ	نہریں

(۱) الیہود: مفعول ثانی ہے، اگر أشد: مفعول اول ہے، اور اس کا برعکس بھی ہوسکتا ہے (۲) قسیس اور قسّ: عیسائی عالم، ان کا سب سے بڑا دینی ذمہ دار اُسْقُفْ کہلاتا ہے، اس سے نیچے قِسیس ہے (۳) مما: تفیض سے متعلق ہے (۴) نطمع کا عطف نؤمن پر ہے، پس مالنا لا یہاں بھی آئے گا، اور بہت سے مفسرین نے لا نؤمن پر عطف مانا ہے۔

خٰلِدِيْنَ	سدا رہنے والے	الْمُحْسِنِيْنَ	نیکو کاروں کا	بِاٰيٰتِنَآ	ہماری باتوں کو
فِيْهَا	ان میں	وَالَّذِيْنَ	اور جنھوں نے	اُولٰٓئِكَ	وہ لوگ
وَذٰلِكَ	اور یہ (جنت)	كَفَرُوْا	اسلام کو قبول نہیں کیا	اَصْحٰبُ	دوزخ والے ہیں
جَزَآءُ	صلہ ہے	وَكَذَّبُوْا	اور انھوں نے جھٹلایا	الْجَحِيْمِ	

یہود کے مشرکین کے ساتھ ڈانڈے کیوں ملتے ہیں؟

اگر یہود: نبی ﷺ پر مخلصانہ ایمان لاتے تو مشرکین کے ساتھ ساز باز نہ کرتے، اور مشرکین کو مسلمانوں پر ترجیح نہ دیتے، مشرکوں کے دل تو پتھروں کو پوجتے پوجتے پتھر ہو گئے ہیں، اور یہود گھمنڈ میں بھر گئے ہیں، وہ مسلمانوں کے سامنے نرم نہیں پڑنا چاہتے، انھوں نے تو مشرکین سے یہ تک کہہ دیا ہے کہ تمہارا دین مسلمانوں کے دین سے بہتر ہے! یہ بات ان کی اسلام دشمنی کی آئینہ دار ہے، اس وجہ سے یہود کے مشرکین سے ڈانڈے ملتے ہیں، مسلمانوں کی عداوت کے تعلق سے دونوں ایک ہی تھیلے کے چھوٹے بڑے کھلونے ہیں ـــــ افسوس! آج نام نہاد مسلمانوں کا بھی یہی حال ہے، وہ مسلمانوں کو چھوڑ کر دنیوی مفادات کے لئے کفار سے دوستی کرتے ہیں، اور انہی کی حمایت ووکالت کرتے ہیں!

عیسائی: مسلمانوں سے زیادہ محبت کیوں کرتے ہیں؟

عیسائی بھی کفر میں مبتلا تھے، اسلام سے جلتے تھے، مسلمانوں کا عروج ان کو ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا، تاہم ان میں قبولِ حق کی استعداد: یہود و مشرکین کی بہ نسبت زیادہ تھی، اس لئے وہ مسلمانوں کے حق میں نرم دل تھے، نجاشی رحمہ اللہ نے اپنی نرم دلی کی وجہ سے مسلمانوں کو اپنے ملک میں پناہ دی تھی، اور مشرکین مکہ کے ہدایا واپس کر کے ان کو ٹکا سا جواب دیدیا تھا۔

اور اس کا سبب یہ تھا کہ اس وقت تک عیسائیوں میں علم دین کا چرچا تھا، اور ان کے مشائخ زاہدانہ زندگی اختیار کئے ہوئے تھے، اور تواضع ان کی خاص صفت تھی، اور جس قوم میں یہ باتیں ہوتی ہیں اس میں حق بات کو قبول کرنے کی صلاحیت اور سلامت روی دوسری اقوام سے زیادہ ہوتی ہے، حبشہ کے بادشاہ نجاشی رحمہ اللہ، اور قیصر روم اور مقوقس مصر نے نبی ﷺ کے والا نامہ کے ساتھ جو معاملہ کیا تھا وہ اس کا شاہد عدل ہے۔

ملت کی خوبی حق پرست علماء اور مشائخ کے وجود سے ہے

آیتِ مذکورہ کے بیان سے ایک اہم بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ قوم وملت کی اصلی روح حق پرست، خدا ترس، علماء ومشائخ ہیں، ان کا وجود پوری قوم کی حیات ہے، جب تک کسی قوم میں ایسے علماء ومشائخ موجود ہوں جو دنیوی خواہشات

کے پیچھے نہ چلیں، خدا ترسی ان کا مقام ہو تو وہ قوم خیر و برکت سے محروم نہیں ہوتی (معارف القرآن)

﴿ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴾

ترجمہ: آپ ضرور پائیں گے لوگوں میں دشمنی کے اعتبار سے سخت تر مسلمانوں کے ساتھ: یہود کو اور مشرکین کو! اور آپ ضرور پائیں گے مسلمانوں کے ساتھ محبت کے اعتبار سے قریب تر ان لوگوں کو جنھوں نے کہا: ہم نصاری ہیں! یہ فرق بایں وجہ ہے کہ عیسائیوں میں کچھ اپنے مذہب کے جاننے والے، اور کچھ درویش لوگ ہیں، اور اس وجہ سے فرق ہے کہ وہ گھمنڈ نہیں کرتے۔

زرخیز زمین ہی بابرکت بارش سے فیض یاب ہوتی ہے

عیسائیوں میں یہود و مشرکین کی بہ نسبت قبولِ حق کی صلاحیت زیادہ ہے، وہ نرم دل ہیں اور ان میں گھمنڈ نہیں، اس کی دلیل یہ واقعہ ہے کہ جب مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تو ان کو حبشہ سے واپس کرنے کا مطالبہ لے کر مشرکین مکہ کا ایک وفد نجاشی کے پاس گیا، بادشاہ نے مسلمانوں کو اپنے دربار میں بلایا، اور حقیقتِ حال جاننے کی کوشش کی، حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے دربار میں بڑی مؤثر تقریر کی، اور سورۃ مریم کی ابتدائی آیات تلاوت کیں، اس سے نجاشی کا دل نرم ہوگیا اور مسلمانوں کی عظمت و محبت اس کے دل میں بڑھ گئی، اس نے مشرکین کے ہدایا واپس کر دیئے، وفد کو ٹکا سا جواب دیدیا، اور مسلمانوں سے کہہ دیا کہ تم میرے ملک میں رہو، تمھیں یہاں کوئی گزند نہیں پہنچا سکتا۔

نجاشیؒ کو اندازہ ہوگیا تھا کہ آنحضرت ﷺ ہی وہ آخری نبی ہیں، جن کی تورات وانجیل نے خبر دی ہے، مگر وہ اس وقت مسلمان نہیں ہوئے، پھر جب نبی ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو نجاشی رحمہ اللہ نے اپنے علماء اور راہبوں کا ایک وفد مدینہ بھیجا، نبی ﷺ نے ان کے سامنے سورۃ یٰسٓ تلاوت فرمائی، وفد زار و قطار رونے لگا، اور انھوں نے اعتراف کیا کہ یہ کلام اس کلام کے بہت مشابہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا، چنانچہ وہ سب لوگ مسلمان ہوگئے، جب وہ لوگ واپس حبشہ گئے تو نجاشی رحمہ اللہ نے بھی اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔

عیسائیوں کو جو مسلمانوں سے قریب تر کہا گیا ہے وہ ہر زمانہ کے لئے عام ہے یا زمانہ نبوی کے عیسائیوں کے ساتھ خاص ہے!

فوائد عثمانی میں ہے:

''ان آیات میں اسی جماعت (وفد) کا حال بیان فرمایا ہے، قیامت تک کے لئے کوئی خبر نہیں دی گئی، کہ ہمیشہ عیسائیوں اور یہود و مشرکین وغیرہ کے تعلقات کی نوعیت اسلام و مسلمین کے ساتھ یہی رہے گی، آج جو لوگ عیسائی کہلاتے ہیں ان میں کتنے قسیس و رہبان اور متواضع و منکسر المزاج ہیں؟ اور کتنے ہیں جن کی آنکھوں سے کلام الٰہی سن کر آنسو ٹپک پڑتے ہیں؟ جب ﴿ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً ﴾ کی علت ہی جو ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ ﴾ سے بیان کی گئی ہے موجود نہیں تو معلول یعنی قرب مودت کیوں موجود ہوگا؟ بہر حال جو اوصاف عہد نبوی کے عیسائیوں اور یہود و مشرکین کے بیان ہوئے: وہ جب کبھی اور جہاں کہیں جس مقدار میں موجود ہونگے اس نسبت سے اسلام اور مسلمین کی محبت و عداوت کو خیال کر لیا جائے''

﴿ وَاِذَا سَمِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰۤى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور جب وہ (عیسائی) سنتے ہیں اس قرآن کو جو اللہ کے رسول پر نازل کیا گیا ہے تو آپ ان کو اشکبار دیکھیں گے، ان کے حق بات کو پہچاننے کی وجہ سے، وہ کہتے ہیں: ''اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لے آئے ہیں، پس ہمیں (توحید کی) گواہی دینے والوں میں شامل فرمالیں!

یہود نے وفد حبشہ کو طعنہ دیا تو انھوں نے ایمان افروز جواب دیا

جب حبشہ والوں کا وفد جو تقریباً ستر آدمیوں پر مشتمل تھا: مدینہ منورہ آیا، نبی ﷺ سے ملا، اور آپؐ نے ان کو یٰس شریف سنائی، تو وہ لوگ زار و قطار رونے لگے، اور سب مسلمان ہو گئے، جلالین میں ہے کہ یہود مدینہ نے ان کو طعنہ دیا کہ تم بے وقوف اور جلد باز ہو، سوچے سمجھے بغیر مسلمان ہو گئے! —— یہ ایسا ہی طعن تھا جیسا منافقین: مخلص مسلمانوں کو دیا کرتے تھے: ﴿ اَنُؤْمِنُ كَمَاۤ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ﴾: کیا ہم احمقوں کی طرح ایمان لے آئیں! یعنی ہم سوچ سمجھ کر ایمان لائیں گے، اندھا دھند ایمان لانے والے نہیں! یہود نے بھی وفد حبشہ کو یہی طعن دیا تھا، ان نومسلموں نے بڑا ایمان افروز جواب دیا: کہا: کیا ہم اللہ پر اور اس کی طرف سے جو برحق دین نازل ہوا ہے: اس پر ایمان نہ لائیں! اور یہ آرزو نہ کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں نیک بندوں (اہل جنت) میں شامل کریں، ایسی تمنائیں کرنے میں ہمارے لئے کیا مانع ہے؟

اور بعض مفسرین نے ﴿ نَطْمَعُ ﴾ کا عطف ﴿ لَا نُؤْمِنُ ﴾ پر مانا ہے، یعنی ہم ایمان لائے بغیر نیک بندوں میں شمولیت کی آرزو کیسے کر سکتے ہیں؟

ایمان لانے والے عیسائیوں کا بہترین صلہ، اور منکرین کا بدترین انجام

جو بھی ایمان لاتا ہے، خواہ عیسائی ہو یا کوئی اور، اس کو آخرت میں بہترین صلہ ملے گا، ایسے باغات ملیں گے جن میں نہریں بہہ رہی ہیں، اس لئے وہ سدا بہار ہیں، جنتی ان میں سدا رہیں گے، یہ مستقل نعمت ہے، دیکھو! ایمان لانے والوں کا کیسا اچھا صلہ ہے! اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے، اور اللہ کی باتوں کو (قرآنِ کریم کو) جھٹلاتے ہیں: وہ جہنم کی بھٹی میں جائیں گے، اور وہاں ہمیشہ جلیں گے (پناہ بخدا!)

یہاں تک اہل کتاب (یہود ونصاری) کا تذکرہ پورا ہوا، کچھ باقی باتیں آخر سورت میں آئیں گی، آگے اس امت کے لئے احکام ہیں۔

﴿ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ۝ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝ ﴾

ترجمہ: اور ہمارے لئے کیا مانع ہے کہ ہم اللہ پر، اور اُس دین حق پر ایمان نہ لائیں جو ہمیں پہنچا ہے! اور ہم کیوں آرزو نہ کریں کہ ہمارے پروردگار ہمیں نیک لوگوں میں شامل کریں! —— چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کی اس بات کی وجہ سے ایسے باغات عنایت فرمائیں گے جن میں نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں سدا رہیں گے، اور یہ نیکوکاروں کا صلہ ہے —— یعنی ایمان کے ساتھ نیک کام کرنا بھی جنت میں جانے کے لئے ضروری ہے —— اور جنھوں نے اسلام کا انکار کیا، اور ہماری باتوں کو جھٹلایا: وہ لوگ دوزخ والے ہیں!

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	اے وہ لوگو جو ایمان لائے!	لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ (۱)	مت حرام کرو ستھری چیزوں کو	مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ	جو حلال کی ہیں اللہ نے تمہارے لئے

(۱) طیبات کی مابعد کی طرف اضافت بیانیہ ہے، پھر مرکب اضافی مفعول بہ ہے۔

حلال پاکیزہ	حَلٰلًا طَيِّبًا[۲]	اور کھاؤ تم	وَ كُلُوْا	اور حد سے آگے مت بڑھو	وَلَا تَعْتَدُوْا
اور ڈرو اس اللہ سے	وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ	اس میں سے جو	مِمَّا[۱]	بے شک اللہ تعالیٰ	اِنَّ اللّٰهَ
جس پر تم ہو	الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ	بطور روزی دیا تم کو	رَزَقَكُمُ	نہیں پسند کرتے	لَا يُحِبُّ
ایمان رکھنے والے	مُؤْمِنُوْنَ	اللہ تعالیٰ نے	اللّٰهُ	حد سے آگے بڑھنے والوں کو	الْمُعْتَدِيْنَ

ربط بعید: سورت احکام کے بیان سے شروع ہوئی ہے، پھر اہل کتاب کا تذکرہ شروع ہوگیا، جو ضمنی مضمون تھا، اب پھر اصل موضوع کی طرف لوٹتے ہیں، اور اس امت کے لئے احکام بیان فرماتے ہیں۔

ربط قریب: آخر میں نصاریٰ کا ذکر ہے، انھوں نے رہبانیت شروع کردی تھی، رہبانیت: ترکِ لذات کا نام ہے، جو دینداری کا ہیضہ ہے، اور خلافِ فطرت ہے، اسلام اس کو قطعاً پسند نہیں کرتا، اس لئے کہ یہ اعتداء (حد شرعی سے بڑھنا) ہے، جس کی اوپر ممانعت آئی ہے۔

حلال چیزوں کو حرام کرنے کی ممانعت

رہبانیت: ترکِ لذات: اگرچہ باعتبار نیت اچھی بات ہے، مگر قانونِ فطرت کے خلاف ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے صاف منع کیا، اور فرمایا: کسی بھی حلال طیب چیز کو عملاً حرام کرنا درست نہیں، اگر کوئی ایسا کرے گا تو وہ چیز حرام تو نہیں ہوگی، مگر قسم کا کفارہ دینا ہوگا، اس لئے کہ اس نے ایسی جسارت/ حماقت کیوں کی؟

اور آیت کا شانِ نزول: ترمذی شریف کی درج ذیل (حدیث نمبر ۳۰۷۳) میں ہے:

حدیث: حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اور عرض کیا: یارسول اللہ! جب میں گوشت کھاتا ہوں تو میری عورتوں کی طرف رغبت بڑھ جاتی ہے، اور مجھ پر شہوت کا غلبہ ہوجاتا ہے، اس لئے میں نے اپنے اوپر گوشت کو حرام کرلیا ہے؟ پس اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیتیں نازل فرمائیں (جن میں ایسا کرنے کی ممانعت فرمائی)

تشریح: دو چیزوں میں فرق ہے: ایک: کسی حلال کو حرام کرلینا، یہ قطعاً جائز نہیں، یہ تشریع میں دخل اندازی ہے، اس لئے مذکورہ آیت میں اس کو "حدود کی خلاف ورزی" قرار دیا ہے۔ اور دوسری چیز ہے: ناموافق چیزوں سے پرہیز کرنا، یہ جائز ہے، کیونکہ ہر حلال چیز کو کھانا ضروری نہیں، پس اگر کسی کی بیوی نہ ہو، اور نکاح کے اسباب بھی نہ ہوں، اور وہ گوشت انڈا نہ کھائے تو اس میں کچھ حرج نہیں، یہ حدود کی خلاف روزی نہیں۔

مسئلہ: اگر کسی نے نادانی سے کسی حلال چیز کو حرام کرلیا، یا نہ کھانے کی قسم کھالی، تو اس کو استعمال کرنا ضروری ہے۔ اور

(۱) مما: من تبعیضیہ ہے، اور مفعول بہ ہے ای بعضاً مما (۲) حلالا طیبا: ما کا حال ہیں، اور طیب: صفتِ کاشفہ ہے۔

قسم توڑ دینا واجب ہے، اور دونوں صورتوں میں قسم توڑنے کا کفارہ دینا ہوگا۔ اور یہ مسئلہ سورۃ التحریم میں ہے۔

آیتِ کریمہ: اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! ان ستھری چیزوں کو حرام مت کرو، جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال کیا ہے اور حکم خداوندی سے آگے مت بڑھو، اللہ تعالیٰ حد شرعی سے آگے بڑھنے والوں کو قطعاً پسند نہیں کرتے، اور کھاؤ کچھ اس میں سے جو اللہ نے تم کو بطور روزی دیا ہے ـــــ یعنی مالک نہیں بنایا، بطور بھتا دیا ہے ـــــ جبکہ وہ حلال پاکیزہ ہو ـــــ ہر حلال پاکیزہ ہوتا ہے، اور ہر حرام رجس (گندگی) ہوتا ہے ـــــ اور اس اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان لائے ہو! ـــــ یعنی تحلیل وتحریم میں اللہ کے احکام کی پابندی کرو، خلاف روزی مت کرو۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾

لَا يُؤَاخِذُكُمْ	نہیں پکڑتے تمہیں	فَكَفَّارَتُهٗٓ (۲)	پس اس کا کفارہ (تلافی)	رَقَبَةٍ	ایک گردن کا
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	اِطْعَامُ	کھانا دینا ہے	فَمَنْ	پس جو شخص
بِاللَّغْوِ	بے فائدہ پر	عَشَرَةِ	دس	لَّمْ يَجِدْ	نہ پائے (یہ چیزیں)
فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ	تمہاری قسموں میں	مَسٰكِيْنَ	غریبوں کو	فَصِيَامُ	تو روزے ہیں
وَلٰكِنْ	لیکن	مِنْ اَوْسَطِ	درمیانی درجہ کا	ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ	تین دن کے
يُّؤَاخِذُكُمْ	پکڑتے ہیں تمہیں	مَا تُطْعِمُوْنَ	جو تم کھلاتے ہو	ذٰلِكَ	یہ
بِمَا عَقَّدْتُّمُ (۱)	تمہارے مضبوط	اَهْلِيْكُمْ	اپنے گھر والوں کو	كَفَّارَةُ (۳)	کفارہ (تلافی) ہے
	باندھنے کی وجہ سے	اَوْ كِسْوَتُهُمْ	یا ان کو کپڑا دینا ہے	اَيْمَانِكُمْ	تمہاری قسموں کا
الْاَيْمَانَ	قسموں کو	اَوْ تَحْرِيْرُ	یا آزاد کرنا ہے	اِذَا حَلَفْتُمْ	جب قسم کھاؤ تم

(۱) بما: ما مصدریہ ہے، اور موصولہ بھی ہوسکتا ہے (۲) ضمیر کا مرجع ما ہے، اگر وہ موصولہ ہے، ورنہ یمین مرجع ہے، اور وہ اگرچہ مؤنث سماعی ہے، مگر وہ بمعنی حنث ہے (۳) کفارۃ: وہ نیک کام (روزہ خیرات وغیرہ) جو گنہ گار اپنے گناہ کی تلافی کے لئے کرتا ہے، اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتا ہے۔

وَاحْفَظُوْٓا	اور نگہداشت کرو	یُبَیِّنُ	واضح کرتے ہیں	اٰیٰتِهٖ	اپنے احکام
اَیْمَانَکُمْ	اپنی قسموں کی	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	لَعَلَّکُمْ	تاکہ تم
کَذٰلِكَ	اس طرح	لَکُمْ	تمہارے لئے	تَشْکُرُوْنَ	شکر بجالاؤ

یمینِ منعقدہ میں کفارہ واجب ہے، اور کفارے کی تفصیل

گذشتہ آیت میں حلال کو حرام کرنے کی ممانعت تھی، حلال کو حرام کیسے کرے گا؟ قسم کھالے کہ وہ ٹماٹر نہیں کھائے گا یا ماں باپ سے نہیں بولے گا، تو اب کھانا اور بولنا ممنوع ہوجائے گا، کھائے گا یا بولے گا تو گناہ ہوگا، اس لئے کہ اس نے اللہ کے نام کی بے حرمتی کی، مگر اس گناہ کی تلافی کی صورت ہے، اور وہ کفارہ ادا کرنا ہے، یہ ماسبق سے ربط ہوا۔

قسم کی تعریف: اللہ کا یا اللہ کی صفات کا واسطہ لاکر کوئی ایسا عہد کرنا جس کی وجہ سے کسی ممکن کام کو کرنے یا نہ کرنے کا پختہ ارادہ ہوجائے، جیسے وہ کل روزہ رکھے گا یا نہیں رکھے گا۔

پھر یمین کی تین قسمیں ہیں:

۱- یمینِ لغو: (بے فائدہ قسم): اس کی دو صورتیں ہیں، ایک: لوگ بول چال میں جو قسم کے ارادے کے بغیر ہاں بخدا! نہیں بخدا! کہتے ہیں: وہ یمینِ لغو ہے، دوم: کسی گذشتہ یا موجودہ بات پر اپنی دانست کے مطابق قسم کھانا، جبکہ حقیقت میں ایسا نہ ہو، جیسے کسی ذریعہ سے معلوم ہوا کہ مہتمم صاحب آگئے، اس پر اعتماد کرکے قسم کھائی، پھر ظاہر ہوا کہ مہتمم صاحب نہیں آئے تو یہ یمینِ لغو ہے، اس میں نہ گناہ ہے نہ کفارہ، اس کا ذکر یہاں بھی ہے اور سورۃ البقرۃ (آیت ۲۲۵) میں بھی ہے۔

۲- یمینِ غموس (گناہ میں غوطہ دینے والی قسم): کورٹ میں جج کے سامنے جھوٹی قسم کھانا، تاکہ اپنے حق میں فیصلہ کراکر کسی مسلمان کا مال ہتھیالے، یہ سخت گناہ ہے، حدیث میں ہے: الیمینُ الغموس تَذَرُ الدِّیَارَ بَلَاقِعَ: جھوٹی قسم آبادیوں کو ویرانہ بنادیتی ہے، اس لئے احناف کے نزدیک: اس میں کفارہ نہیں، یہ سخت گناہ ہے، کفارہ سے معاف نہیں ہوسکتا، مسلسل توبہ کرے، شاید معاف ہوجائے، اس کا تذکرہ بھی سورۃ البقرۃ (آیت ۲۲۵) میں ہے اور وہاں کفارہ کا ذکر نہیں، اس لئے احناف کے نزدیک اس میں کفارہ نہیں، توبہ ہے۔

۳- یمینِ منعقدہ (پختہ قسم): اللہ کا یا اللہ کی صفات کا واسطہ لاکر آئندہ کسی ممکن کام کے کرنے یا نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرنا، جیسے آئندہ کل وہ روزہ رکھے گا یا نہیں رکھے گا ــــــ اس قسم میں خلاف ورزی کرنے کی صورت میں کفارہ واجب ہوگا، یہی اللہ کی گرفت ہے، اور کفارہ دیدے تو گناہ معاف ہوجائے گا، اس آیت میں اسی قسم کا ذکر ہے۔

قسم کا کفارہ: قسم کے کفارہ میں اولاً تین چیزوں میں اختیار ہے، جونسا چاہے کفارہ ادا کرے:

۱- دس غریبوں کو دو وقت پیٹ بھر کھانا کھلائے، کھانا اوسط درجہ کا ہونا چاہئے، پلاؤ قورمہ کھلانا ضروری نہیں، عام طور پر آدمی کے گھر میں جو کھانا پکتا ہے: ویسا ہونا چاہئے، یا صدقۂ فطر کے بقدر ہر غریب کو غلہ دے۔

۲- دس غریبوں کو کپڑوں کا جوڑا دے، اور غریب عورت کو دے تو اتنا بڑا دے کہ اس میں بدن کو ڈھانک کر نماز پڑھ سکے۔

۳- ایک غلام یا باندی آزاد کرے (مگر اب غلام باندی نہیں رہے، اس لئے پہلی دو صورتوں میں اختیار ہوگا)

اور اگر قسم توڑنے والا صاحب نصاب نہ ہو تو مسلسل تین روزے رکھے، اور قسموں کی حفاظت ضروری ہے، بات بات پر قسم کھانا بری عادت ہے، اور اگر قسم کھائی تو اس کو حتی الامکان پورا کرنا چاہئے، اور کسی وجہ سے ٹوٹ جائے تو کفارہ ادا کرے، یہ سب چیزیں حفاظتِ یمین میں داخل ہیں، اور یہ اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ پاکیزہ چیزوں کو حرام کرنے کی ممانعت فرمائی، اور اگر کسی نے غلطی سے کسی حلال چیز کو قسم کھا کر حرام کرلیا تو اس نے نکلنے کا راستہ رکھا، اور حدیث میں ہے کہ جب تم قسم کھاؤ، پھر اس کے علاوہ میں خیر دیکھو تو وہ کام کرو جو بہتر ہے اور قسم کا کفارہ دے دو (ترمذی حدیث ۱۵۱۷) مثلاً: قسم کھالی کہ ماں باپ یا بھائی بہن سے نہیں بولے گا، پھر جب غصہ اترا تو پچھتایا تو اس کو اس قسم پر برقرار نہیں رہنا چاہئے، قسم توڑ دے اور کفارہ دیدے، اور حنفیہ کے نزدیک قسم توڑنے سے پہلے کفارہ ادا کرنا درست نہیں، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک: قسم توڑنے سے پہلے بھی کفارہ دے سکتا ہے، اور اختلاف کی بنیاد تحفۃ الالمعی (۴۶۱:۴) میں بیان کی ہے۔

آیتِ کریمہ: اللہ تعالیٰ تمہاری بے فائدہ قسموں پر داروگیر نہیں فرماتے، ہاں ان قسموں پر داروگیر فرماتے ہیں جن کو تم نے مضبوط باندھا ہے، پس اس کی تلافی: دس غریبوں کو کھانا دینا ہے —— ایسے غریب کو جس کو زکات دینا جائز ہے —— درمیانی درجہ کے کھانے سے جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو، یا ان کو کپڑا پہنانا ہے، یا ایک غلام آزاد کرنا ہے، پس جس کو (یہ چیزیں) میسر نہ ہوں —— یعنی وہ نہ زکات کے بڑے نصاب کا مالک ہو، نہ صدقۂ فطر والے چھوٹے نصاب کا —— تو (مسلسل) تین روزے ہیں، یہ تمہاری قسموں کی تلافی ہے، اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو —— یعنی بے ضرورت قسمیں مت کھاؤ، اور کھاؤ تو ان کو مت توڑو، اور ٹوٹ جائے یا توڑنا مصلحت ہو تو کفارہ ادا کرو —— اس طرح اللہ تعالیٰ واضح طور پر تمہارے لئے اپنے احکامات بیان کرتے ہیں —— یہ اشارہ ہے طیبات کی تحریم کی ممانعت کی طرف، جس کا تذکرہ اوپر آیا ہے —— تا کہ تم شکر بجالاؤ —— اللہ کی اس نعمت پر کہ اس نے حلال پاکیزہ چیزوں کو حرام کرنے کی ممانعت فرمادی۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے لوگو جو	اِنَّمَا	اس کے سوا نہیں کہ	فَهَلْ اَنْتُمْ	پس کیا تم
اٰمَنُوْۤا	ایمان لائے	يُرِيْدُ	چاہتا ہے	مُّنْتَهُوْنَ	باز آنے والے ہو؟
اِنَّمَا	اس کے سوا نہیں کہ	الشَّيْطٰنُ	شیطان	وَاَطِيْعُوا	اور کہا مانو
الْخَمْرُ	شراب	اَنْ يُّوْقِعَ	کہ ڈالے	اللّٰهَ	اللہ کا
وَالْمَيْسِرُ	اور جوا (سٹہ)	بَيْنَكُمُ	تمہارے درمیان	وَاَطِيْعُوا	اور کہا مانو
وَالْاَنْصَابُ(۱)	اور مورتیاں	الْعَدَاوَةَ	دشمنی	الرَّسُوْلَ	اللہ کے رسول کا
وَالْاَزْلَامُ(۲)	اور فال کے تیر	وَالْبَغْضَآءَ	اور بیر (سخت دشمنی)	وَاحْذَرُوْا	اور بچو تم
رِجْسٌ	گندگی	فِي الْخَمْرِ	شراب میں	فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ	پس اگر روگردانی کی تم نے
مِّنْ عَمَلِ	کام سے	وَالْمَيْسِرِ	اور جوے میں	فَاعْلَمُوْۤا	تو جان لو
الشَّيْطٰنِ	شیطان کے ہیں	وَيَصُدَّكُمْ	اور روکے تم کو	اَنَّمَا(۴)	اس کے سوا نہیں کہ
فَاجْتَنِبُوْهُ(۳)	پس بچو تم اس سے	عَنْ ذِكْرِ	یاد سے	عَلٰى رَسُوْلِنَا	ہمارے پیغامبر کے ذمہ
لَعَلَّكُمْ	تاکہ تم	اللّٰهِ	اللہ کی	الْبَلٰغُ	پہنچانا ہے
تُفْلِحُوْنَ	کامیاب ہوؤ	وَعَنِ الصَّلٰوةِ	اور نماز سے	الْمُبِيْنُ	کھول کر

شراب، سٹہ، مورتیاں اور پانسے کے تیروں کی حرمت

ربط: پہلے مطلقاً حلال کو حرام کرنے کی ممانعت فرمائی تھی، پھر وقتی طور پر حلال کو حرام کرنے کا حکم بیان کیا، یعنی کوئی قسم

(۱) انصاب: نَصَب کی جمع: مورتی، استھان وغیرہ پوجا کی جگہ (۲) اَزلام: زَلَم کی جمع: فال کے تیر (دیکھیں اسی سورت کی آیت ۳ کی تفسیر) (۳) ضمیر: عَمَل کی طرف عائد ہے (۴) انما: حصر کے لئے بھی آتا ہے اور تحقیق کے لئے بھی۔

کھا کر کسی حلال کو حرام کرلے تو وہ چیز حرام نہیں ہوتی، مگر اب استعمال کرے گا تو کفارہ دینا ہوگا، اب اس کے بالمقابل قطعی حرام کا تذکرہ فرماتے ہیں، اس لئے کہ ضد سے ضد پہچانی جاتی ہے، حرام کو حلال کرنے کی بھی کوئی صورت نہیں، حرام ہمیشہ حرام رہتا ہے، اگر کوئی اس کو حلال کرنے کی حماقت کرے تو وہ حلال نہیں ہوگا، مگر کفارہ واجب ہوگا، یہ سزا ہے کہ اس نے حرام کو حلال کرنے کی جرأت کیوں کی؟ قسم کا کفارہ دے، تاکہ اس کا گناہ معاف ہوجائے۔

آیت میں مذکور چار حرام چیزوں کی وضاحت:

۱-خمر: لغت میں انگور کے کچے رس کو کہتے ہیں، جب اس میں جوش آئے، اور وہ اٹھے، اور اس میں جھاگ آئے تو امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک: وہ خمر (انگوری شراب) ہے، اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک جھاگ ڈالنا شرط نہیں، جب اس میں جوش آجائے اور ابھرے تو وہ خمر بن گیا۔ اور دیگر ائمہ کے نزدیک انگور کے کچے شیرے کی کوئی تخصیص نہیں، ان کے نزدیک ہر نشہ آور مشروب خمر اور حرام ہے، اور احناف کے یہاں بھی فتوی اسی پر ہے، ہر نشہ آور چیز خواہ سیال ہو، جیسے مختلف شرابیں، خواہ جامد ہو، جیسے افیون، حشیش، بھنگ اور ہیروئن وغیرہ سب حرام ہیں، البتہ نجاست غلیظہ خفیفہ ہونے میں، اور حد کب واجب ہوگی؟ اس میں ائمہ میں اختلاف رہے گا (تفصیل کے لئے تحفۃ الالمعی ۵:۲۰۲ دیکھیں)

۲-میسر: جوا، سٹہ: کسی چیز پر اس طرح رقم لگانا کہ اس کا انجام معلوم نہ ہو، جیسے کھیل وغیرہ میں شرط لگاتے ہیں، میسر کے معنی ہیں: سہولت، تموّل، سٹہ میں آسانی سے بہت مال مل جاتا ہے، اس لئے اس کا یہ نام ہے، میسر کو قمار بھی کہتے ہیں، قمار: باب مفاعلہ کا مصدر ہے، جس کے معنی ہیں: باہم بازی لگانا، سٹہ کھیلنا۔

۳-أنصاب: نَصَب کی جمع ہے: پوجا کے لئے کھڑی کی ہوئی چیز، خواہ وہ مورتی ہو، کوئی پتھر، درخت، قبر وغیرہ ہو جن کی مشرک قومیں اور جاہل مسلمان پرستش کرتے ہیں۔

۴-أزلام: زَلَم کی جمع ہے: فال کے تیر، زمانۂ جاہلیت میں عربوں میں یہ طریقہ تھا کہ چند آدمی مل کر اونٹ خرید کر لاتے تھے، جس میں سب کے پیسے برابر ہوتے تھے، پھر اس کو ذبح کرکے گوشت غیر مساوی تقسیم کرتے تھے، اس کے لئے قرعہ اندازی کرتے تھے، جس کے نام جو حصہ نکلتا وہ اس کو دیا جاتا، اور جس کے نام کوئی حصہ نہ نکلتا وہ محروم رہتا، یہ بھی سٹے کی ایک شکل تھی، اس سورت کی آیت ۳ کی تفسیر میں اس کی ایک دوسری صورت کا بھی بیان ہے۔

شراب کی حرمت تدریجاً نازل ہوئی ہے

شراب: عربوں کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، اس کو یکدم حرام کرتے تو لوگ مشکل میں پڑجاتے، اس لئے ذہن سازی کرکے چار مرحلوں میں قطعی حرام کی ہے؟ سب سے پہلے سورۃ النحل کی آیت ۶۷ نازل ہوئی، یہ سورت مکی ہے: ﴿وَمِنَ

ثَمَرٰتِ النَّخِيۡلِ وَالۡاَعۡنَابِ تَتَّخِذُوۡنَ مِنۡهُ سَكَرًا وَّ رِزۡقًا حَسَنًا ﴾:اور کھجور اور انگور کے پھلوں سے :تم لوگ اس سے سکر (کھجور کی شراب) اور کھانے کی عمدہ چیزیں بناتے ہو، اس آیت میں سکر کا تذکرہ تو کیا، مگر خمر (انگوری شراب) کا تذکرہ نہیں کیا، یہ بات بلا وجہ نہیں ہوسکتی، اس لئے صحابہ نے خمر کے بارے میں سوال کیا تو سورۃ البقرۃ کی (آیت ۲۱۹) نازل ہوئی: ﴿ يَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الۡخَمۡرِ وَالۡمَيۡسِرِ ﴾ اور لوگوں کو بتایا کہ شراب اور جوے میں بڑی خرابی ہے، اور لوگوں کے لئے کچھ فوائد ہیں، یعنی سنار کی سو اور لوہار کی ایک والا معاملہ ہے، مگر دونوں کو حرام اب بھی نہیں کیا، پھر کچھ وقت کے بعد سورۃ النساء کی (آیت ۴۳) نازل ہوئی، جس میں لوگوں کو نماز کے اوقات میں شراب پینے سے روک دیا، مگر حرام اب بھی نہیں ہوئی، البتہ اب پینا ظہر سے ایک گھنٹہ پہلے بند کرنا پڑے گا، پھر عشاء تک نہیں پی سکے گا، اس لئے کہ یکے بعد دیگرے نمازیں آئیں گی، اب پینے کے دو ہی وقت رہے، ایک: عشاء کے بعد سے فجر کے ایک گھنٹہ پہلے تک، دوسرا: فجر کے بعد سے زوال کے ایک گھنٹہ پہلے تک، گویا ۲۰ سگریٹ کے عادی ۵ پر آ گئے تب چوتھی آیت نازل ہوئی، جو اس وقت زیر تفسیر ہے اس کے ذریعہ شراب اور سٹے کو قطعی حرام کر دیا۔

شراب اور سٹے کی حرمت تاکید کے ساتھ نازل ہوئی

ان دو آیتوں میں شراب اور جوے کی حرمت دس تاکیدات کے ساتھ نازل ہوئی ہے:

۱-﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا ﴾ سے خطاب ہے، اس خطاب میں چاروں چیزوں سے بچنے کی ترغیب ہے، جیسے کسی سے کہیں: "پیارے! پانی پلا" تو وہ شوق سے پانی لائے گا، یا کہیں: "میرے لاڈلے! بیڑی مت پی" پس اگر وہ سعادت مند ہوگا تو کبھی بیڑی منہ میں نہیں ڈالے گا۔

۲-پھر لفظ ﴿ اِنَّمَا ﴾ استعمال کیا ہے، جو کلمہ حصر ہے، اور عربی زبان میں کسی بات کو قوت کے ساتھ بیان کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

۳-شراب اور جوے کی حرمت کو بت پرستی کے ساتھ ملایا ہے یعنی یہ برائیاں شرک کے ہم قول ہیں۔

۴-دونوں گناہوں کو ﴿ رِجۡسٌ ﴾ سے تعبیر کیا ہے، یعنی دونوں ناپاک اور گندی چیزیں ہیں۔

۵-چاروں چیزوں کو شیطانی عمل قرار دیا ہے، اور شیطان کی طرف نہایت بری چیز منسوب کی جاتی ہے۔

۶-﴿ فَاجۡتَنِبُوۡهُ ﴾ فرما کر واضح طور پر ان چیزوں سے بچنے کا حکم دیا ہے۔

۷-شراب اور سٹے کے دنیوی اور اخروی نقصانات بیان کئے ہیں: دنیوی نقصان: باہم عداوت اور سخت دشمنی پیدا ہونا ہے، اور اخروی نقصان: اللہ کی یاد سے اور نماز سے غافل ہو جانا ہے۔

۸- بیانِ حرمت کے بعد لوگوں سے سوال کیا ہے: ﴿فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ﴾: کیا تم ان چیزوں سے باز آؤ گے؟ اس میں ہلکی سی ڈانٹ ہے۔

۹- اللہ اور ان کے رسول کی اطاعت کا حکم دیا ہے، اس لئے کہ احکام پر عمل حکمت جاننے پر موقوف نہیں، اللہ اور رسول کا حکم ہی بڑی حکمت اور مصلحت ہے۔

۱۰- ﴿وَاحْذَرُوْا﴾ میں دوبارہ شراب اور سٹے سے بچنے کی تاکید ہے، اور نہایت سختی سے فرمایا ہے: اگر تم اللہ اور اس کے رسول کے حکم سے عدول کرو گے تو اپنا نقصان کرو گے، کیونکہ اللہ کے رسول کی ذمہ داری کھول کر بات پہنچا دینا ہے، اس کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں۔

احکام پر عمل حکمت جاننے پر موقوف نہیں

احکام میں حکمتیں اور حسن وقبح کا لحاظ ہوتا ہے، مگر امتثال حسن وقبح کے جاننے پر موقوف نہیں، مصالح وحکم کو جان کر عمل کرنا اتنی مضبوط بات نہیں جتنی اللہ ورسول کا حکم سمجھ کر عمل کرنا ہے، مؤمن کا اعتماد عقل پر نہیں ہوتا، اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر ہوتا ہے، عقل تو قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتی ہے، پس جب کوئی حکم اللہ ورسول کا سامنے آجائے تو اب مؤمن کو کسی اور دلیل کی حاجت نہیں رہتی (یہ بات حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہ نے حجۃ اللہ میں بیان کی ہے، دیکھیں رحمۃ اللہ الواسعہ ۱:۱۰۹)

آیاتِ کریمہ: اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! شراب اور جُوا، اور مورتیاں اور فال کے تیر گندگی شیطانی کام ہی ہیں، لہٰذا اس (گندگی) سے بچو، تاکہ تم کامیاب ہوؤ —— شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان شراب اور جُوے کے ذریعہ عداوت اور بیر ڈال دے، اور تم کو اللہ کے ذکر سے اور نماز سے روک دے، پس کیا تم باز آؤ گے؟ —— اور اللہ کا کہنا مانو، اور اللہ کے رسول کا کہنا مانو، اور بچے رہو، پس اگر تم نے روگردانی کی تو ہمارے رسول کے ذمہ صرف کھول کر پہنچانا ہے!

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۳﴾ ع

لَيْسَ	نہیں ہے	عَلَى الَّذِيْنَ	ان لوگوں پر جو	اٰمَنُوْا	ایمان لائے

وَعَمِلُوا	اور کیے انھوں نے	وَّ اٰمَنُوْا	اور ایمان لائے	ثُمَّ اتَّقَوْا	پھر ڈرے وہ
الصّٰلِحٰتِ	نیک کام	وَعَمِلُوا	اور کیے انھوں نے	وَّ اَحْسَنُوْا	اور عمدہ کام کیے انھوں نے
جُنَاحٌ	کچھ گناہ	الصّٰلِحٰتِ	نیک کام	وَ اللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
فِيْمَا طَعِمُوْٓا	اس میں جو کھایا انھوں نے	ثُمَّ اتَّقَوْا	پھر ڈرے وہ	يُحِبُّ	پسند کرتے ہیں
اِذَا مَا اتَّقَوْا	جبکہ وہ ڈرے	وَّ اٰمَنُوْا	اور ایمان لائے وہ	الْمُحْسِنِيْنَ	نیکوکاروں کو

جب شراب حلال تھی: اس وقت پینے میں کوئی گناہ نہیں تھا

یہ آیت ایک سوالِ مقدر کا جواب ہے، کچھ صحابہ شراب حرام ہونے سے پہلے وفات پاگئے، پھر جب فتح مکہ کے وقت شراب کی حرمت نازل ہوئی تو صحابہ نے عرض کیا: جو لوگ اس حال میں وفات پاگئے کہ وہ شراب پیتے تھے: ان کا کیا حال ہوگا؟ پس آیت نازل ہوئی، اور جواب دیا کہ جب شراب حلال تھی، اس وقت پینے میں کوئی گناہ نہیں تھا، جواب تو بس اتنا ہی ہے، مگر قرآن پڑھنے والے کو آیت میں تکرار محسوس ہوتا ہے، اور متجددین آیت سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ دین میں اصل اہمیت عمل کی ہے، کھانے پینے، پہننے اوڑھنے اور وضع قطع کی کوئی پابندی نہیں، ان کا قول مشہور ہے: در عمل کوش و ہر چہ خواہی پوش! عمل کرتے رہو اور جو چاہو پہنو! اس لئے آیت کریمہ کو اچھی طرح سمجھنا چاہئے:

سب سے پہلے یہ بات جان لیں کہ یہ آیت صرف وفات پانے والے صحابہ ہی کے حق میں نہیں ہے، بلکہ زندوں کے حق میں بھی ہے، ترمذی شریف میں اعلیٰ درجہ کی صحیح حدیث (نمبر ۳۰۷۸) ہے: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی ﷺ نے مجھ سے فرمایا: أنتَ منهم: آپ بھی ان لوگوں میں شامل ہیں جن کا اس آیت میں ذکر ہے، یعنی یہ آیت صرف وفات پائے ہوئے صحابہ کے بارے میں نہیں ہے، بلکہ جو حضرات ابھی زندہ ہیں ان کا بھی اس آیت میں ذکر ہے، پس آیت پاک میں تین باتیں ہیں:

پہلی بات: یہ آیت ان صحابہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو تحریم خمر سے پہلے وفات پاگئے تھے، شراب کی حرمت فتح مکہ کے سال نازل ہوئی ہے، صحابۂ کرام نے وفات یافتہ حضرات کے بارے میں سوال کیا کہ یا رسول اللہ! ان مسلمانوں کا کیا حال ہوگا جو تحریم خمر سے پہلے شراب پیتے تھے، اور وہ اسی حال میں دنیا سے رخصت ہوگئے، مثلاً جنگ احد میں متعدد صحابہ شراب پی کر میدان میں اترے تھے، اور وہ جنگ میں کام آگئے تھے، ان کا کیا حشر ہوگا؟ اس سوال کے جواب میں یہ آیت اتری، اور جواب کا حاصل یہ ہے کہ جب وہ حضرات مؤمن تھے، اور نیک کام کرتے تھے، اور اس وقت شراب حلال تھی تو اس کا پینا کوئی گناہ نہیں تھا، بس شرط یہ ہے کہ وہ تقوی کی زندگی اپنائے ہوئے ہوں یعنی ہر ناجائز

کام سے بچتے رہے ہوں اور ایماندار بھی ہوں اور نیک کام کرتے رہے ہوں تو اس زمانہ میں شراب پینے کی وجہ سے وہ ماخوذ نہیں ہونگے۔

دوسری بات: مذکورہ روایت سے معلوم ہوا کہ یہ آیت ان صحابہ کے حق میں بھی ہے جو تحریم خمر کے بعد زندہ رہے، ان کے بارے میں فرمایا کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں، اور اب شراب نہ پئیں اور ایماندار رہیں یعنی ایمان کے تقاضے پورے کریں اور نیک کام کریں تو وہ بھی کامیاب ہونگے۔

تیسری بات: ایمان وعمل ایک ترقی پذیر عمل ہے، اور اس کی نہایت مرتبہ احسان ہے، جس کو بعد میں تصوف سے تعبیر کیا جانے لگا، پس زندہ رہنے والے حضرات کو چاہئے کہ وہ اپنی ایمانی حالت اور نیک کاموں میں برابر ترقی کرتے رہیں، اور مرتبہ احسان تک پہنچیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسے بندوں سے خصوصی محبت رکھتے ہیں، اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے بننے کی کوشش برابر جاری رکھیں۔

تطبیق: پس آیت میں: ﴿إِذَا مَا اتَّقَوْا وَّآمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ تک پہلی بات ہے، اور: ﴿ثُمَّ اتَّقَوْا وَّآمَنُوْا﴾ میں دوسری بات ہے، اور ﴿ثُمَّ اتَّقَوْا وَّأَحْسَنُوْا ۔ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ میں تیسری بات ہے۔ پس آیت میں تکرار نہیں، اور آزاد فکر لوگوں کا استدلال بھی صحیح نہیں، کیونکہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہر زمانے اور ہر حال میں جو چیزیں حرام ہیں: ان سے بچنا ضروری ہے، اور یہی تقویٰ (پرہیزگاری) ہے۔

آیتِ کریمہ: کچھ بھی گناہ نہیں ان لوگوں پر جو ایمان لائے، اور انھوں نے نیک کام کئے، اُس میں جو انھوں نے کھایا، جبکہ وہ ڈرے اور ایمان لائے، اور نیک کام کئے ـــــ یہ صرف وفات یافتہ صحابہ کا ذکر ہوا ـــــ پھر وہ ڈرے اور ایمان لائے ـــــ یعنی وہ زندہ رہے، اور شراب حرام ہونے کے بعد نہیں پی، اور دوسرا بھی کوئی ناجائز کام نہیں کیا تو انھوں نے بھی حرمت سے پہلے جو شراب پی تھی اس میں کوئی گناہ نہیں ـــــ پھر وہ ڈرے اور انھوں نے عمدہ کام کئے ـــــ یعنی ان زندوں نے مراتب ایمان میں ترقی کی، اور مرتبہ احسان تک پہنچے تو وہ اعلیٰ درجہ کے حضرات ہیں ـــــ اور اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کو پسند کرتے ہیں! ـــــ زہد وتصوف، تزکیۂ باطن اور مراتب کمال کو قرآنِ کریم کی اصطلاح میں 'احسان' کہا جاتا ہے۔

يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۴﴾

يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	اٰمَنُوْا	ایمان لائے	لَيَبْلُوَنَّكُمُ	ضرور آزمائیں گے تمہیں

اللّٰہُ	اللہ تعالیٰ	وَرِمَا حُكُمْ	اور تمہارے نیزے	فَمَنِ	پس جو شخص
بِشَیْءٍ	کچھ چیز کے ذریعہ	لِیَعْلَمَ	تاکہ جان لیں	اعْتَدٰی	حد سے بڑھے
مِّنَ الصَّیْدِ	شکار سے	اللّٰہُ	اللہ تعالیٰ	بَعْدَ ذٰلِكَ	اس (حکم) کے بعد
تَنَالُهٗ	پہنچیں گے اس تک	مَنْ یَّخَافُهٗ	کون ڈرتا ہے ان سے	فَلَهٗ عَذَابٌ	تو اس کے لئے سزا ہے
اَیْدِیْكُمْ	تمہارے ہاتھ	بِالْغَیْبِ	بغیر دیکھے	اَلِیْمٌ	دردناک

احرام کی حالت میں خشکی کا شکار کرنا حرام ہے

ربط: پہلے مطلقاً حلال کو حرام کرنے کی ممانعت آئی تھی، پھر قسم کھا کر وقتی طور پر حلال کو حرام کرنے کا ذکر فرمایا تھا، پھر دائمی طور پر حرام شراب وغیرہ کا ذکر کیا، اب اس حرام کا ذکر ہے جو خاص حالت میں حرام ہے، اور وہ احرام کی حالت میں خشکی کے شکار کی ممانعت ہے، اور یہ ممانعت بندوں کے امتحان کے لئے ہے، دیکھنا یہ ہے کہ کون مؤمن حکم مانتا ہے اور کون خلاف ورزی کرتا ہے؟

محرم کے لئے خشکی کا شکار کرنا جائز نہیں، نہ حرم شریف کا نہ حلّ کا، اور غیر محرم حلّ کا شکار کرسکتا ہے مگر حرم کا شکار نہیں کرسکتا، اور سمندر کا شکار محرم بھی کرسکتا ہے اور غیر محرم بھی، اور محرم نے کوئی شکار مارا یا جنگلی جانور کو ذبح کیا تو وہ مردار ہے، اس کو کوئی نہیں کھا سکتا، چاہے اس کو اللہ کے نام پر ذبح کیا ہو، اور اس کی جزاء واجب ہے، جیسا کہ اگلی آیت میں آرہا ہے۔

اور آیت کریمہ حدیبیہ کے سال نازل ہوئی ہے، اس سفر میں راستہ میں شکار اس قدر زیادہ اور قریب آتے تھے کہ ہاتھ سے اور نیزے سے مار سکتے تھے، پس آیت نازل ہوئی، اور صحابہ کا امتحان کیا گیا، صحابہ اس امتحان میں کامیاب ہوئے، نزولِ آیت کے بعد کسی نے شکار کی طرف دیکھا بھی نہیں۔

اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے مچھیروں کا امتحان کیا، یہود کے لئے بار کے دن کاروبار ممنوع تھا، اور مچھلیاں بار کے دن سمندر میں کنارے تک پانی پر تیرتی تھیں، ہاتھ سے بھی پکڑ سکتے تھے، اور دوسرے دنوں میں غائب ہوجاتی تھیں، یہود نے مچھلیاں پکڑنے کے لئے حیلہ کیا، سمندر کے پاس بڑے بڑے حوض بنائے اور سمندر کی طرف راستہ کھول دیا، جب جوار بھاٹا ہوتا اور پانی چڑھتا تو پانی کے ساتھ مچھلیاں حوض میں آجاتیں، پھر جب پانی اترتا تو مچھلیاں حوضوں میں رہ جاتیں، اتوار میں ان کو پکڑ لیتے، ان حیلہ گروں کو اللہ تعالیٰ نے سور بندر بنادیا، وہ امتحان میں ناکام ہوئے اور صحابہ کامیاب ہوئے، انھوں نے احرام میں شکاروں کو مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔

حیلے حوالے کر کے اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کرنا ایسا ہی ہے جیسا سیدھا خلاف ورزی کرنا!

فائدہ: ﴿ لِيَعْلَمَ اللهُ ﴾: تا کہ اللہ تعالیٰ جانیں: اس سے حدوثِ علم کا شبہ ہوتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کی طرح صفتِ علم کے لئے بھی بندوں کی صفات کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، اس لئے سبھی صفات متشابہات ہیں، اور صفاتِ متشابہات کو ایک حد تک ہی سمجھ سکتے ہیں، جو ان کو آخر تک سمجھنے کی کوشش کرے گا وہ اللہ کی صفات کو بندوں کی صفات جیسی مان لے گا، جبکہ اللہ کی شان سورۃ الشوریٰ میں: ﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ﴾ بیان کی گئی ہے، یعنی اللہ کے مانند جیسی بھی کوئی چیز نہیں، اس لئے ان الفاظ سے جو درحقیقت بندوں کی صفات کے لئے ہیں: اللہ تعالیٰ کی صفات کو کما حقہ نہیں سمجھ سکتے۔

بہ الفاظِ دیگر: علم باری کی دو جانبیں ہیں، اللہ کی جانب قدیم ازلی ہے اور بندوں کی جانب حادث ہے، جیسے تقدیر الٰہی کی دو جانبیں ہیں: اللہ کی جانب مبرم (قطعی) ہے، اس جانب میں کوئی امر منتظر نہیں، اور بندوں کی جانب میں تقدیر معلق ہے، یعنی متردد ہے، کیا ہونا ہے؟ یہ بندوں کو معلوم نہیں، اسی طرح ﴿ إِلَّا لِنَعْلَمَ ﴾: مگر تا کہ ہم جانیں [البقرۃ ۱۴۳] میں بندوں کی جانب کا علم مراد ہے، بندے تو واقعہ رونما ہونے کے بعد جانیں گے۔

آیتِ کریمہ: اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ تعالیٰ تمہیں ضرور آزمائیں گے کچھ شکار کے ذریعہ جن تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے پہنچیں گے، تا کہ اللہ تعالیٰ جان لیں کہ دیکھے بغیر ان سے کون ڈرتا ہے؟ پس جو اس (حکم) کے بعد حد سے تجاوز کرے اس کے لئے دردناک سزا ہے!

يَاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۚ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ۚ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ۚ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ۚ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۹۵﴾

يَاَيُّهَا الَّذِينَ	اے وہ لوگو جو	الصَّيْدَ	شکار کو	وَمَنْ قَتَلَهٗ	اور جس نے مار ڈالا اس کو
اٰمَنُوا	ایمان لائے!	وَاَنْتُمْ	درانحالیکہ تم	مِنْكُمْ	تم میں سے
لَا تَقْتُلُوا	مت مار ڈالو	حُرُمٌ (۱)	احرام میں ہو	مُّتَعَمِّدًا	جان بوجھ کر

(۱) حُرُم: حرام کی جمع: احرام باندھنے والا، احرام میں بہت سی باتوں سے رکنا پڑتا ہے، اس لئے اس کو حرام کہتے ہیں، اور حرام کے ایک معنی محترم کے بھی ہیں، جیسے اشہر حُرُم: محترم مہینے، اور احرام کا بھی احترام ہے اس لئے بھی احرام باندھنے والے کو حرام کہتے ہیں۔

فَجَزَآءٌ(۱)	تو (اس کے ذمہ) بدلہ ہے	الْكَعْبَةِ	کعبہ تک	عَفَا اللّٰهُ	درگذر فرمایا اللہ نے
مِّثْلُ(۲)	مانند	اَوْ كَفَّارَةٌ(۷)	یا کفارہ	عَمَّا	اس (قتل) سے جو
مَا قَتَلَ	اس کے (جس کو) مارا اس نے	طَعَامُ(۸)	کھانا	سَلَفَ	پہلے ہو چکا
مِنَ النَّعَمِ(۳)	درانحالیکہ وہ مویشی سے ہو	مَسٰكِيْنَ	غریبوں کا	وَمَنْ عَادَ	اور جو شخص اب قتل کرے گا
يَحْكُمُ	فیصلہ کریں	اَوْ عَدْلُ(۹)	یا مساوی	فَيَنْتَقِمُ	تو بدلہ لیں گے
بِهٖ(۴)	اس (مانند) کا	ذٰلِكَ	اس کے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
ذَوَا عَدْلٍ	دو معتبر آدمی	صِيَامًا(۱۰)	روزے کے اعتبار سے	مِنْهُ	اس سے
مِّنْكُمْ	تم میں سے	لِّيَذُوْقَ	تاکہ چکھے وہ	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
هَدْيًا(۵)	نیاز کا جانور	وَبَالَ	وبال	عَزِيْزٌ	زبردست
بٰلِغَ(۶)	پہنچنے والا	اَمْرِهٖ	اپنے کام کا	ذُو انْتِقَامٍ	بدلہ لینے والے ہیں

احرام میں خشکی کے شکار کو مار ڈالنے کی جزاء

شکار: وہ وحشی جانور جو انسان سے بھاگتا ہے، دور رہتا ہے، اگرچہ اس کا کھانا حلال نہ ہو، جیسے لومڑی، بھیڑیا وغیرہ، گذشتہ آیت میں بیان کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا شکار کے ذریعہ امتحان کریں گے، اور امتحان میں کوئی فیل بھی ہوتا ہے، پس اس کی سزا کیا ہوگی؟ اس آیت میں اس کا بیان ہے، اور یہ آیت مشکل آیت سمجھی گئی ہے، اور اس میں تھوڑا اختلاف بھی ہوا ہے، اس لئے غور سے پڑھیں۔

اگر کوئی شخص حج یا عمرے کے احرام میں جان بوجھ کر یا احرام بھول کر یا چوک کر خشکی کا کوئی شکار مار ڈالے، اگرچہ اس شکار کا کھانا حلال نہ ہو تو بھی اس کی جزاء واجب ہے۔ اور اس کی جزاء یہ ہے کہ جہاں شکار کیا گیا ہے: وہاں اور جنگل ہو تو

---

(۱) اجزاء: أى فعليه جزاءٌ، اور فاء اس لئے آئی ہے کہ مَن معنی شرط کو متضمن ہے (۲) مثلُ ما قتل: مرکب اضافی جزاء سے بدل ہے اور اسم موصول کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے، أى قتله (۳) من النعم: مثلُ کا حال ہے، أى كائنا من النعم (۴) به کی ضمیر مثل کی طرف لوٹتی ہے، اور مماثلت میں اختلاف ہے کہ صوری مراد ہے یا معنوی؟ (۵) هديا: به کی ضمیر سے حال ہے (۶) بالغ الكعبة: هديا کی صفت ہے، چونکہ اضافت لفظی ہے، اس لئے نکرہ کے حکم میں ہے (۷) أو كفارة کا عطف مثلُ پر ہے، اور أو جمہور کے نزدیک تخییر کے لئے ہے (۸) طعام مسكين: هى (أى الكفارة) محذوف کی خبر ہے (۹) أو عدلُ کا عطف بھی مثلُ پر ہے اور أو تخییر کے لئے ہے، اور ذلك کا مشار الیہ طعام ہے (۱۰) صياماً: عدلُ ذلك کی تمیز ہے۔

قریبی بستی کے اعتبار سے اس کی قیمت لگائی جائے، اور یہ قیمت دو تجربہ کار دیندار آدمی لگائیں، پھر تین صورتیں ہیں، اور شکار مارنے والے کو اختیار ہے جونسی جزاء چاہے ادا کرے۔

۱- اس قیمت میں جو پالتو جانور آسکتا ہو: اس کو ہدی بنا کر حرم شریف میں لے جا کر ذبح کرے، اور اس کا گوشت غریبوں میں بانٹ دے۔ اور حرام جانور ہو تو اس کی قیمت ایک بکری سے زیادہ نہیں سمجھی جائے گی۔

۲- اس قیمت کا گیہوں وغیرہ غلہ خریدے، اور صدقۂ فطر کے بقدر ہر غریب کو دے، حرم ہی کے غریب کو دینا ضروری نہیں۔

۳- ہر فطرہ کے بدل روزہ رکھے، یہ روزے بھی حرم میں رکھنے ضروری نہیں۔

فائدہ: اور اس میں اختلاف ہے کہ دو معتبر دیندار آدمی جو شکار کے مانند کا فیصلہ کریں گے: وہ کس اعتبار سے کریں گے؟ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک مثل معنوی کا اعتبار ہے، یعنی شکار کی قیمت طے کریں گے، پھر اس قیمت میں ایک یا زیادہ مویشی آتے ہوں تو ان کو ہدی بنا کرلے جائے یا غلہ خریدے یا ہر فطرہ کے عوض روزہ رکھے۔

اور امام محمد اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک مثل صوری کا اعتبار ہے، یعنی شکار کی مویشی کے ساتھ خلقت اور صورت میں مماثلت دیکھیں، مثلاً: نیل گائے ماری ہے تو گائے اور ہرن مارا ہے تو بکری کا فیصلہ کریں، اور اگر مماثل جانور نہ ہو تو امام محمد رحمہ اللہ قیمت کا اعتبار کرتے ہیں، اور امام شافعی رحمہ اللہ صفات میں مماثلت دیکھتے ہیں، ان کے نزدیک کبوتر اور بکری مماثل ہیں، اس لئے کہ دونوں ایک طرح گھٹ گھٹ پانی پیتے ہیں، اور صفات میں بھی مماثل مویشی نہ ہو تو پھر قیمت کا اعتبار کرتے ہیں، بہر حال: سب کو بالآخر قیمت پر آنا پڑتا ہے، اس لئے شیخین شروع ہی سے قیمت کا اعتبار کرتے ہیں، اور جزاء کے مسائل کی بڑی تفصیل ہے، جو فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے، جامع تفصیل حضرت مولانا شیر محمد صاحب سندھی قدس سرہ کی جدید و مکمل زبدۃ المناسک میں ہے، بوقت ضرورت اس کی مراجعت کی جائے۔

آیتِ کریمہ: اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! شکار کو حالتِ احرام میں مت مار ڈالو ـــــ زخمی کرنے میں بھی جزاء واجب ہے ـــــ اور یہ مسئلہ کی تمہید ہے، یہ مضمون سورت کی پہلی آیت میں آچکا ہے، یہاں بطور تمہید لوٹایا ہے ـــــ اور جس نے تم میں سے اس کو جان بوجھ کر مار ڈالا تو جزاء واجب ہے ـــــ بھولنے اور چوکنے کا بھی یہی حکم ہے، البتہ آیت کے آخر میں جو اخروی سزا ہے وہ ان کو نہیں ملے گی، اس لئے متعمدًا کی قید لگائی ـــــ جزاء اس شکار کے مانند ہو جس کو مار ڈالا ہے: (۱) جو مویشی سے ہو، اس کا فیصلہ تم میں سے دو معتبر آدمی کریں، وہ کعبہ تک پہنچنے والی ہدی ہو (۲) یا کفارہ ہو، جو غریبوں کا کھانا ہو (۳) یا اس کھانے کے بقدر روزے ہوں ـــــ تاکہ وہ اپنے کئے کا وبال چکھے، اللہ تعالیٰ نے اس قتل سے درگذر کیا جو اس سے پہلے ہو چکا ـــــ حدیبیہ میں ایک صحابی نے نیل گائے ماری تھی، اس کے بعد یہ آیت نازل

ہوئی ہے ــــ اور جواب قتل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے بدلہ لیں گے ــــ یعنی توبہ نہیں کرے گا اور جزا نہیں دے گا تو آخرت میں سزا ملے گی ــــ اور اللہ تعالیٰ زبردست ہیں (اور) بدلہ لینے والے ہیں! ــــ ان کو سزا دینے سے کوئی روک نہیں سکتا، اور جو پیروں پر کلہاڑی مارے گا وہ زخمی تو ہوگا!

وقفہ برائے عمرہ: یہاں تک تفسیر لکھنے کے بعد عمرہ کا سفر پیش آیا ۱۴ربیع الاول ۱۴۳۹ھ مطابق ۳؍دسمبر ۲۰۱۷ء کو دو برخورداروں اور دو بہوؤں کے ساتھ عمرہ کے لئے سفر شروع ہوا، اور ۴؍ربیع الثانی کو واپسی ہوئی، پانچ ربیع الثانی سے سبق شروع کردیا، مگر قلم نہیں چلا، قلم جب رک جاتا ہے تو اینٹھ جاتا ہے (ناراض ہوجاتا ہے) آج ۸؍ربیع الثانی کو قلم پکڑا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو چلائیں اور چلاتے رہیں (آمین)

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۖ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٩٦﴾ جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَائِدَ ۚ ذَٰلِكَ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٩٧﴾ اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ وَأَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٩٨﴾ مَّا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ ﴿٩٩﴾ قُل لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ ۚ فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٠٠﴾ ع ۳

أُحِلَّ لَكُمْ	حلال کیا گیا تمہارے لئے	وَلِلسَّيَّارَةِ (۴)	اور قافلہ کے لئے	حُرُمًا	حالتِ احرام میں
صَيْدُ الْبَحْرِ (۱)	سمندر کا شکار کرنا	وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ	اور حرام کیا گیا تم پر	وَاتَّقُوا	اور ڈرو
وَطَعَامُهُ (۲)	اور اس کا کھانا	صَيْدُ الْبَرِّ	خشکی کا شکار کرنا	اللّٰهَ	اللہ تعالیٰ سے
مَتَاعًا لَّكُمْ (۳)	تمہارے فائدہ کے لئے	مَا دُمْتُمْ	جب تک رہو تم	الَّذِي إِلَيْهِ	جو اس کی طرف

(۱) صَیْد: مصدر بابِ ضرب: شکار کرنا، جال یا پھندا لگا کر شکار پکڑنا (۲) طعام: کھانا، بھات یعنی مچھلی (۳) متاع: چند روز برتنے کا سامان (۴) سیارۃ: قافلہ یعنی مسافرین۔

تُحْشَرُوْنَ	جمع کئے جاؤ گے تم	وَمَا فِی الْاَرْضِ	اور جو زمین میں ہے	يَعْلَمُ	جانتے ہیں
جَعَلَ اللّٰهُ	بنایا اللہ نے	وَ اَنَّ اللّٰهَ	اور یہ بات کہ اللہ	مَا تُبْدُوْنَ	جو ظاہر کرتے ہو تم
الْكَعْبَةَ	کعبہ کو	بِكُلِّ شَیْءٍ	ہر چیز سے	وَمَا تَكْتُمُوْنَ	اور جو چھپاتے ہو تم
الْبَيْتَ الْحَرَامَ (۱)	عزت والا گھر	عَلِيْمٌ	خوب واقف ہیں	قُلْ	کہو
قِيٰمًا (۲)	بقاء کا سامان	اِعْلَمُوْٓا	جان لو	لَا يَسْتَوِی	نہیں برابر
لِّلنَّاسِ	لوگوں کے لئے	اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ تعالیٰ	الْخَبِيْثُ	گندا
وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ	اور محترم مہینوں کو	شَدِيْدُ الْعِقَابِ	سخت سزا دینے والے ہیں	وَالطَّيِّبُ	اور ستھرا
وَالْهَدْیَ	اور نیاز کی بکری کو	وَ اَنَّ اللّٰهَ	اور یہ بات کہ اللہ تعالیٰ	وَلَوْ اَعْجَبَكَ	اگرچہ پسند آئے تجھے
وَالْقَلَآئِدَ	اور پٹے دار اونٹوں کو	غَفُوْرٌ	بڑے بخشنے والے	كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ	گندے کی زیادتی
ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا	یہ اس وجہ سے ہے کہ تم جانو	رَّحِيْمٌ	بڑے مہربان ہیں	فَاتَّقُوا اللّٰهَ	پس ڈرو اللہ سے
اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ تعالیٰ	مَا عَلَى الرَّسُوْلِ	نہیں ہے رسول پر	يٰٓاُولِی الْاَلْبَابِ	اے عقلمندو!
يَعْلَمُ	جانتے ہیں	اِلَّا الْبَلٰغُ	مگر پہنچانا	لَعَلَّكُمْ	تاکہ تم
مَا فِی السَّمٰوٰتِ	جو آسمانوں میں ہے	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	تُفْلِحُوْنَ	کامیاب ہوؤ

پانی کا ہر جانور شکار کرنا جائز ہے مگر کھانا صرف مچھلی کا جائز ہے

گذشتہ آیت میں خشکی کے شکار کو مار ڈالنے کی جزاء کا بیان تھا، احرام میں خشکی کا شکار اور حرم کا شکار مطلقاً مار ڈالنا ممنوع ہے، اس لئے اس کی جزاء واجب ہے، اب بطور استثناء پانی کے جانور کا حکم بیان فرماتے ہیں، دریائی جانور کا شکار کرنا جائز ہے، مگر کھانا صرف مچھلی کا جائز ہے، دیگر جانوروں سے انتفاع تو درست ہے مگر ان کو کھانا جائز نہیں، حدیث شریف میں ہے: اُحِلَّتْ لَنَا مَيْتَتَانِ وَدَمَانِ، المیتتان: الْحُوْتُ والجَرَادُ، وَالدَّمان: الْكَبِدُ والطِّحَالُ: ہمارے لئے دو مردار اور دو خون حلال کئے گئے ہیں: دو مردار: یعنی مچھلی اور ٹڈی، اور دو خون: یعنی کلیجی اور تلی ـــــ یہ حدیث مسند احمد، ابن ماجہ اور سنن دار قطنی کی ہے (مشکوۃ حدیث ۴۱۳۲) البانی صاحب نے حاشیہ مشکات میں اس کو حدیث جید قرار دیا ہے، اور

---

(۱) البیت الحرام: الکعبۃ سے بدل ہے، اور الکعبۃ: جعل کا مفعولِ اول ہے، اور قیاماً: مفعولِ ثانی (۲) قیامًا: مصدر بابِ نصر: کھڑا رہنا، یہاں معنی ہیں: وہ چیز جس کے ساتھ کسی چیز کا بقاء وابستہ ہو، سہارا، مال اور کعبہ لوگوں کے بقاء کا ذریعہ اور سہارا ہیں، سورۃ النساء (آیت ۵) میں مال کو قیام فرمایا ہے۔

قرآنِ کریم نے صید البحر کے بعد طعامہ کی تخصیص کی ہے، دریائی شکار عام ہے، مگر کھانا صرف مچھلی کا جائز ہے، اور بحر (سمندر) سے مراد پانی ہے، چاہے وہ ندی نالے کا یا تالاب حوض کا ہو۔

پانی کا جانور: وہ ہے جو پانی میں پیدا ہوتا ہے، اور پانی ہی میں رہتا ہے، جیسے مچھلی اور پانی کا مینڈک وغیرہ۔ اور جو جانور خشکی میں پیدا ہوتا ہے، اور پانی میں بھی رہتا ہے، جیسے بطخ، مرغابی، خشکی کا مینڈک اور خشکی کا سانپ وغیرہ: وہ پانی کے جانور نہیں، خشکی کے شکار ہیں، احرام میں ان کو مار ڈالنا جائز نہیں، اس میں جزاء واجب ہوگی، اور اس کا برعکس نہیں ہوسکتا، یعنی پانی میں پیدا ہوا اور خشکی میں بھی رہے، وہ خشکی میں مر جائے گا۔

اور پانی کا ہر جانور شکار تو کر سکتے ہیں، مگر کھانا صرف مچھلی کا جائز ہے: اس کی وجہ یہ ہے کہ جب مچھلی پکڑنے کے لئے جال کانٹا ڈالیں گے تو کوئی بھی جانور پھنس سکتا ہے، مچھلی ہی آئے یہ ضروری نہیں، اور وہ جانور خشکی میں آکر مر جائے گا، اس مجبوری میں مطلقاً دریا کا شکار کرنے کی اجازت دی، مگر کھانا یعنی بھات صرف مچھلی ہے، حدیث میں اس کی وضاحت ہے۔

اور حج یا عمرہ کا احرام باندھنے کے لئے پانچ میقات (مقررہ جگہیں) ہیں، آفاقی وہاں سے احرام باندھتے ہیں، ان سے تاخیر جائز نہیں، مگر تقدیم جائز ہے، اگرچہ مناسب نہیں، اور مواقیت سے حرم شریف تک کوئی سمندر نہیں، ہاں حوض تالاب ہوسکتے ہیں، اس لئے بحر سے مراد مطلق پانی ہے، شکار کرنے کی حلت سمندر کے ساتھ خاص نہیں، اور یہ مسئلہ اجماعی ہے۔

اور متاع کے معنی ہیں: برتنے کی چیز، چند روز فائدہ اٹھانے کی چیز، پس جب مواقیت سے پہلے احرام باندھ سکتے ہیں، اور سمندر کے راستے سفر کر کے آرہے ہوں تو مچھلی پکڑ کر کھا بھی سکتے ہیں، اور مسافر توشہ بنا کر ساتھ بھی لے سکتے ہیں، پکائی ہوئی مچھلی جلدی سڑتی نہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب حضرت خضر علیہ السلام سے علم حاصل کرنے کے لئے سفر کیا تو حسبِ ہدایت ربانی مچھلی پکا کر بطور علامت ساتھ رکھ لی تھی، اس لئے فرمایا: ﴿ مَتَاعًا لَّكُمْ ﴾: یعنی سمندر کے کھانے سے وقتی فائدہ بھی اٹھا سکتے ہو، اور مسافر اس کو سفر کا توشہ بنا کر ساتھ بھی لے سکتے ہیں، اس لئے ﴿ مَتَاعًا لَّكُمْ ﴾ کے بعد ﴿ وَلِلسَّيَّارَةِ ﴾ بڑھایا۔

یہاں یہ خیال پیدا ہوسکتا ہے کہ جیسے پانی کا شکار مطلقاً حلال ہے، خشکی کا شکار مطلقاً حرام ہو، اس لئے آگے فرمایا کہ خشکی کا شکار حالتِ احرام ہی میں حرام ہے، احرام کھلنے کے بعد حلال ہے، اور یہ مسئلہ اگرچہ اس سورت کی پہلی آیت میں آچکا ہے، مگر اس کو دوبارہ بیان کیا، اس لئے کہ احکام کی آیات میں اگرچہ تکرار نہیں ہوتا، مگر جہاں نسخ کا احتمال ہوتا ہے یا وہم پیدا ہوسکتا ہے وہاں حکم دوبارہ لایا جاتا ہے، اس لئے فرمایا کہ خشکی کا شکار حالتِ احرام ہی میں حرام ہے، احرام کھلنے کے بعد

جائز ہے، البتہ حرم شریف کا شکار مطلقاً حرام ہے۔

پھر فاصلہ (آیت کا آخری حصہ) ہے، اس میں یہ مضمون ہے کہ جس طرح تم جال کانٹا ڈال کر سمندر کے جانور کا شکار کرتے ہو، اور اپنے پاس سمیٹ لیتے ہو، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جو تم کو زمین میں پھیلا رکھا ہے: ایک دن سب کو سمیٹ کر اپنے پاس جمع کریں گے، اور تمہیں اچھے برے کا بدلہ دیں گے، پس اس اللہ سے ڈرو جس کے پاس تم جمع کئے جاؤ گے یعنی اس کے احکام کی خلاف ورزی مت کرو، ورنہ سزا پاؤ گے!

﴿ أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۖ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴾

ترجمہ: تمہارے لئے سمندر کا شکار کرنا، اور اس کا کھانا (بھات) حلال کیا گیا، تمہارے وقتی فائدہ اٹھانے کے لئے اور مسافروں کے (توشہ بنانے کے) لئے، اور تم پر خشکی کا شکار کرنا حرام کیا گیا، جب تک تم حالتِ احرام میں رہو، اور اس اللہ سے ڈرو جس کے پاس تم جمع کئے جاؤ گے!

کعبہ شریف تجلی گاہِ ربانی ہے، اور اس کی بقاء کے ساتھ انسانوں کا بقاء وابستہ ہے

اور کعبہ کے احترام میں خشکی کے شکار کے علاوہ تین اور چیزیں بھی محترم قرار دی گئی ہیں

احرام باندھنے کے بعد: یعنی کعبہ شریف کا قصد کرنے کے بعد خشکی کا شکار کعبہ کے احترام میں ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ کعبہ: اللہ کا محترم گھر ہے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس میں رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ لازمان ولامکان ہیں، بلکہ کعبہ تجلی گاہِ ربانی ہے، وہ لوگوں کے بقاء کا ذریعہ ہے، جب تک کعبہ شریف موجود ہے یا اس کا تصور قائم ہے، یہ دنیا آباد ہے، اور جب اس کا ظاہری وجود باقی نہیں رہے گا اور اس کا تصور بھی ذہنوں سے نکل جائے گا، اور اللہ کی بندگی موقوف ہوجائے گی تو قیامت قائم ہوجائے گی۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب تک کعبہ کی عمارت قائم رہے گی، یا اس کا ذہنوں میں تصور باقی رہے گا، اور اس کے واسطہ سے اللہ کی بندگی ہوتی رہے گی، نماز اور حج وعمرہ کا سلسلہ قائم رہے گا، انسانوں کی دنیا آباد رہے گی، پھر جب آخر زمانہ میں ایک بادشاہ کعبہ کی اینٹ سے اینٹ بجادے گا، اور مسلمان اس پوزیشن میں نہیں ہونگے کہ وہ دوبارہ کعبہ شریف کو تعمیر کریں تو بغیر عمارت کے حج اور نماز کا سلسلہ جاری رہے گا، پھر رفتہ رفتہ کعبہ کا تصور ماند پڑ جائے گا، اور اللہ کی عبادت موقوف ہوجائے گی، پس انسانوں کی یہ آباد دنیا ختم کردی جائے گی، اور قیامت کا صور پھونک دیا جائے گا۔

اور جس طرح بادشاہ کے محل کا ایریا (صحن) ہوتا ہے، جس کو'بارگاہ' اور'دربار' کہتے ہیں[1]: اسی طرح اللہ کے گھر کا بھی صحن ہے، اس کا نام حرم شریف ہے، جو کسی طرف کعبہ سے تین میل ہے، کسی طرف پانچ میل اور کسی طرف سات میل، حرم شریف کی یہ حدود اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قائم کی ہیں، پس سب سے زیادہ کعبہ شریف یعنی مسجد حرام کا احترام ضروری ہے، پھر اللہ کے گھر کے صحن کا یعنی حرم شریف کا احترام ضروری ہے، اس لئے اس کا شکار مطلقاً حرام کیا، اللہ کے گھر کے آنگن میں کسی جانور کو ستانا جائز نہیں، چہ جائیکہ انسان کو! جاہلیت میں بھی آدمی حرم شریف میں اپنے باپ کے قاتل سے ملتا تھا، مگر اس کا خون نہیں کھولتا تھا، اور اسی احترام کے لئے حرم شریف میں بغیر احرام کے داخلہ ممنوع ہے، لوگ ایک وضع (حالت) میں اللہ کے دربار میں آئیں، کالے گورے کا کوئی فرق باقی نہ رہے، سب اللہ کے بندے کنگھی کے دندانوں کی طرح یکساں ہیں، اس لئے سب احرام باندھ کر ایک حالت میں آتے ہیں، البتہ جو حرم شریف میں رہتے ہیں: وہ ہر وقت احرام میں نہیں رہ سکتے، اس لئے ان کے لئے رخصت ہے کہ بیت اللہ کی زیارت کے بعد احرام کھول دیں، اور مختلف لباس پہن لیں، جیسے حرم شریف میں پالتو جانور ذبح کر کے کھا سکتے ہیں، کیونکہ یہ ایک ضرورت ہے، اور حرم کے شکار میں اول تو کوئی خاص ضرورت نہیں، پھر جو اللہ کے گھر کے صحن میں پہنچ جاتا ہے وہ مامون ہو جاتا ہے ﴿وَمَنۡ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا﴾ اس لئے حرم کا شکار مطلقاً حرام رہا، اور پالتو جانوروں کو ذبح کر کے کھانا جائز ٹھہرا۔

غرض: احرام میں اور حرم میں شکار کی ممانعت اللہ کے گھر کے احترام میں ہے، اور یہی نہیں، اور بھی تین چیزیں قابل احترام قرار دی گئی ہیں، جن کا کعبہ شریف سے تعلق ہے۔

۱- چار محترم مہینے: ایک رجب الفرد: تنہا رجب کا مہینہ، اور تین مہینے مسلسل: ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم الحرام۔ ذی قعدہ میں لوگ حج کے لئے روانہ ہوتے تھے، ذی الحجہ میں حج کرتے تھے، اور محرم میں گھر لوٹتے تھے، اس لئے زمانۂ جاہلیت میں بھی ان مہینوں میں لڑائی بند ہو جاتی تھی، اور لوگ بے خوف ہو کر جبکہ بیت اللہ کا قصد کرتے تھے، اور رجب میں لوگ عمرہ کرتے تھے، خاص طور سے مضر قبائل، اس لئے رجب میں بھی جنگ موقوف ہو جاتی تھی، غرض: ان چار ماہ کا احترام بھی کعبہ شریف کی وجہ سے ہے۔

۲- ہدی: یعنی نیاز کی بکری، لوگ گھر کی پلی ہوئی بھیڑ بکری لے کر حرم شریف میں ذبح کرنے کی نیت سے حج کو جاتے

---

(۱) بارگاہ اور دربار ایک ہیں: بار: بوجھ، سامان، گاہ: جگہ، بارگاہ: بوجھ (سامان) اتارنے کی جگہ، جب مسافر گھر لوٹتا ہے تو گھر کے صحن میں سامان اتارتا ہے، اس لئے اس کو'بارگاہ' کہتے ہیں۔ اور دربار: حقیقت میں دال کے پیش کے ساتھ تھا، دُر کے معنی ہیں: موتی اور بار: باریدن کا امر ہے: برسانا، بادشاہ جب لوگوں پر داد و دہش کرتا ہے تو گھر میں سے مٹھی بھر بھر کر موتی صحن میں ڈالتا ہے، لوگ اس کو لوٹتے ہیں اور بادشاہ تماشا دیکھتا ہے، پس صحن موتی برسانے کی جگہ ہے۔

تھے،اس لئے اس کو بھی محترم قرار دیا،تاکہ راستہ میں کوئی اس کو نہ لوٹے، بلکہ گھاس چارہ اور پانی سے اس کی خدمت کرے،
اور ہدی کا لفظ اگرچہ عام ہے،نیاز کا اونٹ بھی ہدی ہے،مگر یہاں القلائد سے تقابل ہے،اس لئے چھوٹا جانور مراد ہے،جیسے
بدنۃ قربانی کا بڑا جانور ہے،جس میں سات حصے ہوسکیں،مگر جہاں اونٹ سے تقابل ہو،وہاں بھینس گائے مراد ہوتی ہے۔

۳-نیاز کا اونٹ:القلائد: قِلادۃ کی جمع ہے،اس کے معنی ہیں:ہار،گلے کا پٹہ،لوگ گھر کا پلا ہوا اونٹ لے کر بھی حرم شریف کا قصد کرتے تھے،تاکہ حرم میں اس کو ذبح کر کے غریبوں میں گوشت بانٹیں،اس کے گلے میں پٹہ باندھتے تھے،
اور اس میں پرانا جوتا چپل لٹکاتے تھے،تاکہ راستہ میں لوگ اس کا احترام کریں،اور اس کی خدمت کریں۔

ملحوظہ:اس سورت کی آیت ۲ میں اور یہاں بھی صرف قلادہ کا ذکر ہے،اشعار کا ذکر نہیں،اس سے امام اعظم رحمہ اللہ نے سمجھا ہے کہ نبی ﷺ نے حجۃ الوداع میں جو اونٹوں کا اشعار کیا تھا وہ وقتی ضرورت سے تھا،پس وہ حدیث ہے،سنت نہیں، نبی ﷺ نے ان اونٹوں کے گلوں میں ہار بھی ڈالے تھے،یہی سنت ہے،اس لئے کہ قرآنِ کریم نے اسی کا ذکر کیا ہے
اور اشعار کے معنی ہیں:علامت بنانا،کوہان کے قریب تھوڑی کھال کاٹ کر جو خون نکلا تھا اسے اس جگہ مل کر علامت قائم کی تھی کہ یہ اونٹ حرم میں ذبح کے لئے جارہے ہیں،اور گلے کا ہار راستہ میں ٹوٹ بھی جائے تو لوگ اس علامت سے پہچانیں۔

﴿ جَعَلَ اللهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ﴾

ترجمہ:اللہ تعالیٰ نے عزت والے گھر کعبہ کو لوگوں کے بقاء کا ذریعہ بنایا،اور محترم مہینوں کو،اور نیاز کی بکری کو،اور گلوں میں پٹے پڑے ہوئے اونٹوں کو۔

انسانوں کی بقاء کعبہ شریف کے ساتھ کیوں وابستہ ہے؟

اس کے بعد ایک سوال کا جواب ہے،ذلك:اسم اشارہ بعید ہے،مشارٌ الیہ﴿ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ ﴾ ہے﴿ الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ﴾ نہیں۔

سوال:اللہ تعالیٰ نے کعبہ شریف کے بقاء کے ساتھ انسانوں کا بقاء کیوں وابستہ کیا ہے؟

جواب:یہ اللہ کا فیصلہ ہے:﴿ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ﴾:وہ جو چاہیں فیصلہ کریں [المائدۃ ۲] ان کے فیصلوں میں کسی کو دخل دینے کا حق نہیں،نہ ان کے کاموں کی حکمتیں انسان پاسکتا ہے،لوگوں کو تو بس یہ بات جان لینی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں کو جانتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں،اور جو زمین میں ہیں،اور وہی یہ بات بھی جانتے ہیں کہ کس چیز کو کیسا ہونا چاہئے؟

سوچو!ہاتھوں پیروں میں پانچ پانچ انگلیاں کیوں بنائیں،چھ یا چار کیوں نہیں بنائیں؟ اور ہر انگلی میں دو نشان رکھ کر

تین حصے کیوں کئے، کم وبیش کیوں نہیں کئے؟ ناک: منہ کے قریب کیوں رکھی، ماتھے پر کیوں نہیں رکھی؟ دو جانبوں میں دو کان کیوں رکھے: گھوڑے کی طرح سر پر کیوں نہیں رکھے؟ سامنے دیکھنے کے لئے دو آنکھیں بنائیں، ایک آگے اور ایک پیچھے کیوں نہیں بنائی؟ حیوانات مختلف طرح کے اور نباتات مختلف نوعیت کی کیوں بنائی؟ —— سب کا ایک ہی جواب ہے کہ یہ اللہ کی حکمت کی کارفرمائی ہے، کائنات کے رموز واسرار کائنات کا خالق ومالک جانتا ہے، ہمارے لئے تو اس جگہ سپر ڈالنے کے علاوہ چارہ نہیں۔

ایک واقعہ: ایک نادان ایک آم کے درخت کے نیچے ستانے کے لئے رکا، درخت پر چھٹانک بھر کے آم لگ رہے تھے، اور قریب میں تربوز کا کھیت تھا، بیلوں پر دھڑی بھر کے تربوز لگے ہوئے تھے، وہ عقل کا اندھا سوچنے لگا: یہ کیسا انصاف ہے! اچانک ایک آم ٹوٹا اور سر پر گرا، بس ہوش آ گیا، کہنے لگا: اللہ میاں بڑے عقلمند ہیں، اگر یہ تربوز آم کے پیڑ پر ہوتے تو آج میرا کام تمام ہو گیا ہوتا!

﴿ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴾

ترجمہ: وہ بات بایں وجہ ہے کہ تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ خوب واقف ہیں ان چیزوں سے جو آسمانوں میں ہیں اور ان چیزوں سے جو زمین میں ہیں، اور یہ بات (بھی) کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں —— کہ وہ کیسی ہونی چاہئے!

انسانوں کا بقاء: کعبہ شریف کے بقاء کے ساتھ کیوں وابستہ ہے؟ اس کا راز بھی وہی جانتے ہیں!

جب لوگ اللہ کے پاس جمع کئے جائیں گے تو ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا؟

پھر پہلی آیت کے آخر میں جو مضمون ہے: اس کی تکمیل کرتے ہیں، جب لوگ قیامت کے دن اللہ کے پاس جمع کئے جائیں گے تو ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا؟ جو اللہ کے باغی ہیں وہ کیفر کردار کو پہنچیں گے، ان کو سخت سزا دی جائے گی، ہمیشہ کے لئے ان کو دوزخ میں ٹھونسا جائے گا —— اور جو وفادار ہیں، مگر بدکردار ہیں: ان کو اللہ تعالیٰ ابتداءً یا دُھلائی کے بعد نجات دیں گے، اس لئے کہ وہ بڑے بخشنے والے، بڑے مہربان ہیں —— اور وفادار نیکوکاروں کا تذکرہ نہیں کیا، وہ شروع ہی سے نہال کر دیئے جائیں گے، ان کو نعمتوں کے باغات میں داخل کیا جائے گا۔

فائدہ (۱): قرآنِ کریم کا ایک خاص اسلوب ہے، جب وہ مؤمنین کا اچھا انجام بیان کرتا ہے تو آمنوا کے ساتھ عملوا الصٰلحات کی قید لگاتا ہے، یعنی نیکوکار مؤمنین ہی کی جزائے خیر بیان کرتا ہے، اور بدکردار مؤمنین کا حال بیان نہیں کرتا، ان کو حدیثوں کے حوالے کرتا ہے۔

اور جب کفار اور باغیوں کی سزا بیان کرتا ہے تو گنہ گار مؤمنین کو رحمت ومغفرت کا مژدہ سناتا ہے، اس جگہ نیکوکار

مؤمنین کا تذکرہ نہیں کرتا، اس لئے کہ ﴿السّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ﴾ اگاڑی والے تو اگاڑی والے ہیں، ان کے تذکرہ کی کیا ضرورت ہے؟

فائدہ (۲): اللہ کی صفاتِ افعال متقابل (آمنے سامنے) ہیں، اور صفاتِ ذات کی اضداد کے ساتھ اللہ کو متصف کرنا جائز نہیں، صفاتِ ذات: سات یا آٹھ ہیں، حیات، علم، سمع، بصر، ارادہ، قدرت، کلام اور آٹھویں صفت تکوین میں اختلاف ہے کہ وہ صفتِ ذات ہے یا صفتِ فعل۔

اور صفاتِ افعال بہت ہیں، ان کو اسمائے حسنیٰ کہتے ہیں، یہ متقابل صفات ہیں، اللہ روزی رساں بھی ہیں اور روزی تنگ بھی کرتے ہیں، وہ زندہ بھی کرتے ہیں اور مارتے بھی ہیں، صفاتِ افعال میں اللہ پاک کو ضدین کے ساتھ متصف کرسکتے ہیں، چنانچہ آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کو سخت سزا دینے والا بھی فرمایا اور غفور رحیم بھی۔

﴿اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَ اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾

ترجمہ: جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں، اور یہ بات بھی جان لو کہ وہ بڑے بخشنے والے، بڑے رحم فرمانے والے ہیں۔

احکام پر عمل کرانا رسول کی ذمہ داری نہیں

حالتِ احرام میں خشکی کے شکار کی جو ممانعت فرمائی ہے: وہ اللہ کا ایک حکم ہے، اللہ کے رسول کا کام وہ حکم بندوں تک پہنچانا ہے، اور بس! جبراً اس پر عمل کرانا رسول کی ذمہ داری نہیں، آگے بندے جانیں اور ان کا مولیٰ!

﴿مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ﴾

ترجمہ: اللہ کے رسول کے ذمہ صرف حکم پہنچانا ہے!

اللہ تعالیٰ نے بھی تکوینی طور پر بندوں کو مجبور نہیں کیا

کائنات: اُس مقصد کی تکمیل میں لگی ہوئی ہے جس مقصد کے لئے وہ پیدا کی گئی ہے، انسان اور جنات اللہ کی بندگی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں، مگر ان کو اس پر تکوینی طور پر مجبور نہیں کیا گیا، ان کو جزوی اختیار دیا ہے، وہ اپنی مرضی سے عبادت کر بھی سکتے ہیں اور پہلو تہی بھی کرسکتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان تمام باتوں کو جانتے ہیں جو وہ ظاہر کرتے ہیں اور جو وہ اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں، یعنی کس نے حالتِ احرام میں شکار کیا، اور کس نے شکار کرنے کا پختہ ارادہ کیا، مگر کسی وجہ سے نہ کرسکا، اس سے اللہ تعالیٰ خوب واقف ہیں، وہ ان کو ان کے فعلِ ظاہری اور فعلِ قلبی کی سزا دیں گے۔

فائدہ: بعض قلبی اعمال پر بھی مؤاخذہ ہوتا ہے، کسی کام کا عزم مصمم ہو، پھر کسی عارض کی وجہ سے نہ کر سکے تو اس پر بھی مؤاخذہ ہوگا، حدیث میں ہے کہ اگر دو مسلمان تلواریں لے کر بھڑیں، اور ایک دوسرے کو قتل کر دے تو دونوں جہنم میں جائیں گے، اس لئے کہ مقتول مرنے نہیں آیا تھا، مارنے آیا تھا، مگر اتفاق سے مار نہ سکا، مارا گیا، پس وہ بھی قاتل ہے!

﴿ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں جو تم ظاہر کرتے ہو، اور جو تم چھپاتے ہو!

حرام وحلال یکساں نہیں، پس حرام کی زیادتی پر مت ریجھو!

آخر میں ذہن سازی کرتے ہیں، تاکہ حرام چیزوں کی قباحت ذہن نشیں ہو جائے، فرماتے ہیں: محرم کا کیا ہوا شکار حرام ہے، جس طرح شراب اور مردار وغیرہ خبیث چیزیں ہیں اسی طرح محرم کے شکار کو بھی سمجھنا چاہئے، اگرچہ وہ ہرن یا نیل گائے کا ہو، اس سے بہتر روٹی چٹنی پر گذارہ کرنا ہے، حرام: حرام ہے گو وہ ڈھیر سارا ہو، اور حلال حلال ہے، اگرچہ وہ مٹھی بھر ہو، پس اللہ سے ڈرو، اور حرام سے بچو، مگر بات خالص عقل والے ہی قبول کرتے ہیں، لُبّ کے معنی ہیں: گودا، جو چھلکے کے اندر ہوتا ہے، پس جو عقل خالص ہے، اس پر خواہشات کا چھلکا چڑھا ہوا نہیں ہے، وہی بات سمجھے گا اور قبول کرے گا اور اسی میں کامیابی ہے۔

﴿ قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: بتادو! گندی چیز اور ستھری چیز یکساں نہیں، چاہے تجھے گندی چیز کی زیادتی بھلی معلوم ہو، پس تم اے عقلمندو! اللہ سے ڈرو، تاکہ تم کامیاب ہوؤ!

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ۭ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ۝

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے لوگو جو	عَنْ اَشْيَآءَ	ان چیزوں کے بارے میں	لَكُمْ	تمہارے لئے
اٰمَنُوْا	ایمان لائے			تَسُؤْكُمْ	(تو) وہ تمہیں بری لگیں
لَا تَسْـَٔلُوْا	مت پوچھو	اِنْ تُبْدَ	اگر کھول دی جائیں وہ	وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا	اور اگر پوچھو گے تم

عَنْهَا	ان کے بارے میں	اللّٰهُ	اللہ نے	سَاَلَهَا	پوچھا ان کے بارے میں
حِيْنَ يُنَزَّلُ	جب اتارا جارہا ہے	عَنْهَا	ان (سوالات) سے	قَوْمٌ	کچھ لوگوں نے
الْقُرْاٰنُ	قرآن	وَ اللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ	مِّنْ قَبْلِكُمْ	تم سے پہلے
تُبْدَ لَكُمْ	(تو وہ) کھول دی جائیں	غَفُوْرٌ	بڑے بخشنے والے	ثُمَّ اَصْبَحُوْا	پھر ہو گئے وہ
	گی تمہارے لئے	حَلِيْمٌ	بڑے بردبار ہیں	بِهَا	ان (کے احکام) کا
عَفَا	درگذر فرمایا	قَدْ	بالتحقیق	كٰفِرِيْنَ	انکار کرنے والے

نزولِ شریعت کے وقت غیر ضروری سوالات کی ممانعت

اوپر یہ مضمون آیا ہے کہ کعبہ شریف کے احترام میں چار احکام دیئے گئے ہیں: احرام میں خشکی کا شکار ممنوع کیا، چار مہینوں کو محترم قرار دیا، اور نیاز کے چھوٹے بڑے جانوروں کو محترم ٹھہرایا، یہاں کوئی سوال کرسکتا ہے کہ کعبہ کے احترام میں اور کیا کیا چیزیں ممنوع یا محترم ہیں؟ ان دو آیتوں میں ایسے غیر ضروری سوال کی ممانعت ہے، مسلم شریف کی حدیث میں ہے: ''مسلمانوں کے حق میں سب سے بڑا مجرم وہ شخص ہے جس کے سوال کرنے کی وجہ سے وہ چیز حرام کی گئی جو حرام نہیں تھی'': **أعظم المسلمين فى المسلمين جرما من سأل عن أمر لم يحرم الحديث** (مسلم ۲/۲۶۲ حدیث:۶۱۱۶)

جیسے حج کی فرضیت کی آیت (سورۃ آلِ عمران آیت ۹۷) نازل ہوئی، اور نبی ﷺ نے وہ آیت لوگوں کو پڑھ کر سنائی تو ایک شخص نے سوال کیا: یارسول اللہ! کیا حج ہر سال فرض ہے؟ آپؐ خاموش رہے، پھر دوسری مجلس میں یہی سوال کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا: اللہ کے بندو! اگر میں 'ہاں' کہہ دوں تو ہر سال حج کرنا فرض ہو جائے گا، پھر تم اس کو کر نہ سکو گے، پس میں جس چیز سے تم کو آزاد رکھوں تم بھی مجھ کو آزاد رکھو، حج زندگی میں ایک ہی بار فرض ہے، جو ایک سے زیادہ کرے وہ نفل ہے۔

(مشکات حدیث ۲۵۲۰)

پھر دوسری آیت میں تشریع (نزولِ شریعت) کے وقت سوال کی ممانعت کی وجہ بیان کی ہے کہ ماضی میں انبیاء کی امتوں نے ایسے سوالات کئے، پھر جب ان کے احکام نازل ہوئے تو ان پر عمل نہیں کیا، بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے اللہ کی کتاب مانگی، پھر جب تورات ملی تو اس کو ماننے سے انکار کردیا، پہاڑ سروں پر لٹکا کر منوانا پڑا۔ لہٰذا تم بھی ایسے سوالات مت کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بھی بعد میں انکار کردو!

فائدہ: فضول سوالات بھی آیت کے عموم میں داخل ہیں، اگرچہ ماسیق لاجلہ الکلام میں تشریع کے وقت کی تخصیص ہے ﴿حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ﴾ جیسے کسی صحابی نے پوچھا کہ ان کے باپ کون ہیں؟ البتہ ضروری بات پوچھنے میں یا

دلیل سے ناشی شبہ کو دفع کرنے کے لئے سوال کرنا جائز ہے، صحابہ سے ایسے سوالات کرنا ثابت ہے (تفصیل تحفۃ الالمعی ۷:۲۲۳ میں ہے)

آیاتِ کریمہ: اے ایمان والو! تم ایسی باتیں مت پوچھو کہ اگر وہ تم پر کھول دی جائیں تو تمہیں ناگوار ہوں، اور اگر تم ایسی باتوں کے بارے میں نزولِ قرآن کے وقت پوچھو گے تو وہ تم پر ظاہر کردی جائیں گی، اللہ تعالیٰ نے (سابقہ) ایسے سوالات سے درگذر فرمایا! ــــــ آئندہ را احتیاط! ــــــ اور اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے، بڑے بردبار ہیں۔

(دوسری آیت) کچھ لوگوں نے تم سے پہلے ایسی چیزوں کے بارے میں (اپنے انبیاء سے) سوالات کئے، پھر (جب ان کے احکام نازل ہوئے تو) وہ ان (احکام کے) منکر ہوگئے! ــــــ عملی انکار مراد ہے۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَاۗءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَاۗؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَـيْــــًٔـا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

مَا جَعَلَ	نہیں بنایا	الْكَذِبَ	بہتان	قَالُوْا	تو جواب دیا انھوں نے
اللّٰهُ	اللہ نے	وَاَكْثَرُهُمْ	اور ان کے بیشتر	حَسْبُنَا	کافی ہے ہمارے لئے
مِنْ بَحِيْرَةٍ	کوئی بحیرہ	لَا يَعْقِلُوْنَ	سمجھتے نہیں	مَا وَجَدْنَا	جو پایا ہم نے
وَّلَا سَآئِبَةٍ	اور نہ کوئی سائبہ	وَاِذَا قِيْلَ	اور جب کہا گیا	عَلَيْهِ	اس پر
وَّلَا وَصِيْلَةٍ	اور نہ کوئی وصیلہ	لَهُمْ	ان سے	اٰبَاۗءَنَا	ہمارے باپ دادوں کو
وَّلَا حَامٍ	اور نہ کوئی حامی	تَعَالَوْا	آؤ	اَوَلَوْ كَانَ	کیا اگرچہ ہوں
وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ	لیکن جنھوں نے	اِلٰى مَآ	اس کی طرف جو	اٰبَاۗؤُهُمْ	ان کے باپ دادے
كَفَرُوْا	اسلام قبول نہیں کیا	اَنْزَلَ	اتارا	لَا يَعْلَمُوْنَ	نہ جانتے ہوں
يَفْتَرُوْنَ	وہ باندھتے ہیں	اللّٰهُ	اللہ نے	شَـيْــــًٔـا	کچھ بھی
عَلَى اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر	وَاِلَى الرَّسُوْلِ	اور اللہ کے رسول کی طرف	وَّلَا يَهْتَدُوْنَ	اور نہ راہ پاتے ہوں

نص شرعی کے بغیر محض تقلید آباء میں کسی چیز کو حرام کرنے کی ممانعت

جس طرح نزولِ شریعت کے وقت میں غیر ضروری سوال کر کے کسی چیز کو حرام کرانے کی ممانعت ہے: اسی طرح نص شرعی کے بغیر محض تقلید آباء میں کسی چیز کو حرام کرنا بھی ممنوع ہے، جیسے مشرکین نے چار قسم کے اونٹ حرام کرر کھے تھے: بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حامی، وہ لوگ ان کی حرمت کو شرعی قرار دیتے تھے، منجانب اللہ سمجھتے تھے، یہ ان کا اللہ پر افتراء تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کو حرام نہیں کیا، اور ان کے پاس اس تحریم کی کوئی دلیل عقلی بھی نہیں، محض بے عقلی کی بات تھی۔

اور جب ان کو قرآن وسنت کی پیروی کی دعوت دی جاتی تو وہ اکابر کا اسوہ پیش کرتے تھے کہ ہمارے باپ دادوں سے یہ تحریم چلی آرہی ہے، اور وہ ہمارے لئے کافی دلیل ہے۔

قرآن جواب دیتا ہے کہ تقلید آباء اس صورت میں جائز ہے: جب اسلاف کی بات قرآن وحدیث سے ثابت ہو، جہلاء اور گمراہ آباء کی ایجاد حجت نہیں، اور مشرکین کے اسلاف نے بے عملی اور دلیلِ شرعی کے بغیر یہ بات چلائی تھی، اس لئے وہ دلیل نہیں بن سکتی۔

ان چار قسم کے اونٹوں کی تفسیر میں بہت اختلاف ہے، ممکن ہے ان کی مختلف صورتیں رہی ہوں، حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ نے ان کی جو تفسیر کی ہے، اور جو بخاری شریف (حدیث ۴۶۲۳) میں آئی ہے وہ یہ ہے:

۱- بحیرۃ: وہ جانور ہے جس کا دودھ بتوں کے نام پر روک لیتے تھے، اس کو کوئی دوہتا نہیں تھا۔

۲- سائبہ: وہ جانور ہے جس کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے، اس سے کوئی کام نہیں لیتے تھے، جیسے ہمارے ملک میں لوگ سانڈ چھوڑ دیتے ہیں، اسی طرح عرب اونٹ چھوڑ دیتے تھے، اور اس کا رواج عمرو بن لحی نے ڈالا تھا، جیسا کہ حدیثِ مرفوع میں ہے۔

۳- وصیلہ: وہ اونٹنی ہے جو پہلی بار مادہ بچہ جنے، پھر دوسری بار بھی مادہ بچہ جنے، درمیان میں نر بچہ نہ جنے: اس کو بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔

۴- حامی: وہ نر اونٹ ہے جو خاص شمار سے جفتی کر چکا ہو، اس کو بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔

آیاتِ کریمہ: اللہ تعالیٰ نے تجویز نہیں کیا بحیرہ، اور نہ سائبہ، اور نہ وصیلہ، اور نہ حامی، بلکہ منکرینِ اسلام اللہ کے نام جھوٹ لگاتے ہیں — بہتان باندھتے ہیں کہ ان کی تحریم منجانب اللہ ہے — اور ان کے اکثر سمجھتے نہیں — یعنی ان کے پاس اس تحریم کی دلیل عقلی بھی نہیں۔

اور جب ان سے کہا جاتا ہے: آؤ، اس (قرآن) کی طرف جس کو اللہ نے نازل کیا ہے، اور اللہ کے رسول کی طرف

—— اس سے احادیث کا استناد ثابت ہوا —— تو وہ جواب دیتے ہیں: ہمارے لئے وہ کافی ہے، جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے! —— یعنی ہم اپنے اسلاف کی پیروی کرتے ہیں، ہمارے باپ دادوں سے یہ تحریم چلی آرہی ہے، اور یہ ہمارے لئے کافی دلیل ہے: جواب: —— کیا اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کچھ جانتے ہوں، نہ وہ راہ یاب ہوں!
—— یعنی آباء کی بات نص پر مبنی ہو تب ان کی پیروی جائز ہے، ان کی بات محض ایجاد بندہ ہو تو اس کی تقلید جائز نہیں۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے وہ لوگو جو	مَّنْ ضَلَّ (۳)	وہ شخص جو گمراہ ہوا	جَمِيْعًا	سبھی کا
اٰمَنُوْا	ایمان لائے!	اِذَا	جبکہ	فَيُنَبِّئُكُمْ	پس وہ تم کو آگاہ کرے گا
عَلَيْكُمْ (۱)	لازم پکڑو	اهْتَدَيْتُمْ	تم راہ یاب ہو	بِمَا	ان کاموں سے جو
اَنْفُسَكُمْ (۲)	اپنی ذاتوں کو	اِلَى اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کے پاس	كُنْتُمْ	تھے تم
لَا يَضُرُّكُمْ	تمہارا کچھ نقصان نہیں کرے گا	مَرْجِعُكُمْ (۴)	تمہارا لوٹنا ہے	تَعْمَلُوْنَ	کیا کرتے

اسلاف گمراہ ہوں اور اولا د راہِ حق پر ہو تو اسلاف کی مخالفت اولا د کو قطعاً مضر نہیں

اگر مشرکین اپنے اسلاف کی تقلید سے، باوجود فہمائش کے، باز نہ آئیں تو مسلمان ان کے پیچھے جان نہ کھپائیں، ان کا غم نہ کھائیں، ان کی گمراہی سے مسلمانوں کا کچھ نقصان نہیں ہوگا، جبکہ وہ سیدھی راہ پر چلیں! آیت کریمہ میں خطاب اگرچہ مسلمانوں سے ہے، مگر کفار کو تنبیہ مقصود ہے، پس آیت گفتہ آید در حدیثِ دیگراں کے قبیل سے ہے، کفار جو باپ دادا کی تقلید پر اڑے ہوئے ہیں ان سے کہا جارہا ہے کہ تمہارے باپ دادا راہِ حق سے ہٹے ہوئے تھے، وہ دین وشریعت سے ناواقف تھے، تم ان کی تقلید کر کے خود کو کیوں ہلاک کرتے ہو؟ انہیں چھوڑو، اپنی فکر کرو، باپ دادا اگر گمراہ ہوں، اور اولا دان کا طریقہ چھوڑ کر راہِ حق پر چلے تو آباؤ واجداد کی یہ مخالفت اولا د کو قطعاً مضر نہیں، نہ دنیا میں نہ آخرت میں، اور یہ خیال محض جاہلانہ ہے کہ کسی حال میں بھی اسلاف کے طریقہ کو نہیں چھوڑنا چاہئے، عقلمند کو چاہئے کہ اپنے انجام کی فکر کرے، سب اگلے پچھلے خدا کے حضور جمع کئے جائیں گے، اور ہر ایک کے عمل کا بھگتان کر دیا جائے گا، برے کو بری اور بھلے کو بھلی راہ

(۱) علیکم: اسم فعل بمعنی اَلزم ہے (۲) انفسکم: علیکم کا مفعول بہ ہے (۳) من ضل: فاعل ہے (۴) مرجع: مصدر ہے، اور باب ضرب سے مَفعِل کے وزن پر مصدر شاذ ہے (قاموس)

دکھائی جائے گی، پس آباء کی مخالفت آخرت میں بھی مضر نہیں، بلکہ مفید ثابت ہوگی۔

آیتِ کریمہ: اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! تم اپنی فکر کرو، وہ شخص تمہارا کچھ نہیں بگاڑے گا جو غلط راہ پر چل رہا ہے، جبکہ تم راہ یاب ہو، اللہ کے پاس تم سب کو لوٹ کر جانا ہے، پھر وہ تمہیں ان کاموں سے آگاہ کریں گے جو تم کیا کرتے تھے۔

اصلاحِ حال کی کوشش کے بعد آدمی معذور ہے

فائدہ: مذکورہ آیت اگر سرسری طور پر پڑھی جائے تو اس سے غلط فہمی ہو سکتی ہے کہ اصلاح حال کی کوشش ضروری نہیں، ہر شخص اپنے عمل کا ذمہ دار ہے، جو جیسا کرے گا ویسا بھرے گا! اگر ہم بذاتِ خود دین پر صحیح طرح عمل پیرا ہوں تو غلط قسم کے لوگوں کی ہم پر کوئی ذمہ داری نہیں، جائیں وہ جہنم کی بھاڑ میں!

آیت پاک کو اس طرح سمجھنا صحیح نہیں، اگر اصلاحِ حال کی ضرورت نہ ہوتی تو بعثتِ انبیاء کی کیا ضرورت تھی! اور حدیث میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: فرمایا: لوگو! تم یہ آیت پڑھتے ہو: ''اے مسلمانو! تم بس اپنی فکر کرو، جب تم راہِ راست پر ہو تو جو شخص گمراہ ہوا وہ تمہیں کوئی ضرر نہیں پہنچائے گا'' جبکہ میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اگر لوگ ظالم کو (ظلم کرتا ہوا) دیکھیں، اور اس کا ہاتھ نہ پکڑیں یعنی اس کو ظلم سے نہ روکیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی سزا سبھی کو عام کر دیں، یعنی بروں کے ساتھ اچھوں کو بھی عذاب میں دھر لیں (ترمذی حدیث ۲۱۶۵ و ۳۰۸۱)

حدیث: ابوامیہ شعبانی کہتے ہیں: میں حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے ان سے عرض کیا: آپ اس آیت میں کس طرح کریں گے؟ یعنی اس آیت کو سرسری پڑھنے سے جو اشکال پیش آتا ہے: اس کا جواب آپ کے پاس کیا ہوگا؟ حضرت ابوثعلبہ نے پوچھا: کونسی آیت؟ میں نے عرض کیا: ارشاد پاک: ﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ﴾ ابوثعلبہ نے فرمایا: سن! بخدا! تو نے اس آیت کے بارے میں اچھی طرح واقف ہی سے سوال کیا ہے، میں نے اس آیت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تھا، آپؐ نے فرمایا: ''بلکہ ایک دوسرے کو بھلائی کا حکم دو، اور ایک دوسرے کو برائی سے روکو، یہاں تک کہ جب تم دیکھو ایسی بخیلی کو جس کی پیروی کی جا رہی ہے، اور ایسی خواہش کو جس کے پیچھے چلا جا رہا ہے، اور ایسی دنیا کو جسے ترجیح دی جا رہی ہے، اور ہر صاحب رائے اپنی رائے پر اترا رہا ہے تو خاص اپنے آپ کو لازم پکڑو، اور عوام کا خیال چھوڑ دو، کیونکہ تمہارے آگے یقیناً ایسا زمانہ آ رہا ہے کہ اس میں دین پر جمنا چنگاری کو ہاتھ میں پکڑنے کی طرح ہو جائے گا، اس زمانہ میں دین پر عمل کرنے والے کے لئے ایسے پچاس آدمیوں کے ثواب کے بقدر ہوگا جو تمہارے جیسا عمل کرتے ہوں گے''......

حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن المبارک کہتے ہیں: عتبۃ بن ابی حکیم کے علاوہ دوسرے استاذ نے اس حدیث میں مجھ سے یہ زائد مضمون بھی بیان کیا ہے: پوچھا گیا: یارسول اللہ! ہم میں سے یعنی صحابہ میں سے پچاس آدمیوں کا اجر یا اس زمانہ کے لوگوں میں سے پچاس آدمیوں کا اجر؟ آپؐ نے فرمایا: "نہیں، بلکہ تم میں سے پچاس آدمیوں کا اجر" (اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی محنت کے بعد ﴿ عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ﴾ کا نمبر آتا ہے...... اور آیت کا یہ مطلب سمجھنا درست نہیں کہ اصلاح حال کی کوشش ضروری نہیں، بلکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ضروری ہے، یہاں تک کہ اصلاح سے مایوسی ہوجائے) (ترمذی شریف حدیث ۳۰۸۲)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ؕ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ فَاِنْ عُثِرَ عَلٰۤى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّاۤ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَاۤ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَاۤ ۖ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَاۤ اَوْ يَخَافُوْۤا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

ع ۱۴

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ	اے لوگو جو	اَحَدَكُمُ	تم میں سے کسی کے پاس	مِّنْكُمْ	تم میں سے
اٰمَنُوْا	ایمان لائے ہو	الْمَوْتُ	موت	اَوْ اٰخَرٰنِ	یا دوسرے دو کی
شَهَادَةُ (۱)	گواہی	حِيْنَ الْوَصِيَّةِ	وصیت کے وقت	مِنْ غَيْرِكُمْ	تمہارے علاوہ میں سے
بَيْنِكُمْ	تمہارے درمیان	اثْنٰنِ	دو کی ہے	اِنْ اَنْتُمْ	اگر تم
اِذَا حَضَرَ	جب حاضر ہو	ذَوَا عَدْلٍ	معتبر (دیندار) آدمی	ضَرَبْتُمْ	سفر کرو

(۱) ترکیب: شهادة بينكم: مبتدا...... إذا: شهادة کا ظرف...... حين: حضر کا ظرف...... اثنان خبر، أي شهادة اثنين ......ذوا عدل: اثنان کی صفت...... آخران: اثنان پر معطوف ہے۔

فِي الْاَرْضِ	زمین میں	فَاِنْ عُثِرَ (۱)	پھر اگر مطلع ہوا گیا	لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ	یقیناً حق مارنے والوں
فَاَصَابَتْكُمْ	پس پہنچے تم کو	عَلٰٓى اَنَّهُمَا	اس پر کہ دونوں		میں سے ہیں
مُّصِيْبَةُ	مصیبت	اسْتَحَقَّآ (۲)	حقدار ہوئے ہیں	ذٰلِكَ	یہ (دوسری گواہی)
الْمَوْتِ	موت کی	اِثْمًا	کسی گناہ کے	اَدْنٰٓى	قریب تر ہے
تَحْبِسُوْنَهُمَا	روکو تم ان کو	فَاٰخَرٰنِ	تو دوسرے دو	اَنْ يَّاْتُوْا	اس سے کہ آئیں وہ
مِنْ بَعْدِ	بعد	يَقُوْمٰنِ	کھڑے ہوں	بِالشَّهَادَةِ	گواہی کے ساتھ
الصَّلٰوةِ	نماز کے	مَقَامَهُمَا	اُن دو کی جگہ میں	عَلٰى وَجْهِهَآ	اس کے صحیح رخ پر
فَيُقْسِمٰنِ	پس قسمیں کھائیں دونوں	مِنَ الَّذِيْنَ	ان میں سے جو	اَوْ يَخَافُوْٓا	یا ڈریں وہ
بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کی	اسْتَحَقَّ	حقدار ہوا ہے وہ	اَنْ تُرَدَّ	کہ لوٹائی جائیں
اِنِ ارْتَبْتُمْ	اگر شک پڑے تمہیں	عَلَيْهِمُ	ان (پہلی گواہی دینے	اَيْمَانٌ	قسمیں
لَا نَشْتَرِيْ	(کہیں وہ) نہیں خریدتے ہم		والوں) پر	بَعْدَ	بعد
بِهٖ	قسم کے ذریعہ	الْاَوْلَيٰنِ (۳)	دو قریبی رشتہ دار	اَيْمَانِهِمْ	ان کی قسموں کے
ثَمَنًا	کچھ پونجی (نفع)	فَيُقْسِمٰنِ	پس قسمیں کھائیں وہ	وَاتَّقُوا	اور ڈرو تم
وَّلَوْ كَانَ	اگرچہ ہو وہ (مشہودلہ)	بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کی	اللّٰهَ	اللہ سے
ذَا قُرْبٰى	رشتہ دار	لَشَهَادَتُنَآ	البتہ ہماری گواہی	وَاسْمَعُوْا	اور حکم سنو (اللہ کا)
وَلَا نَكْتُمُ	اور نہیں چھپاتے ہم	اَحَقُّ	زیادہ حقدار (تحقیق) ہے	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
شَهَادَةَ اللّٰهِ	گواہی اللہ کی	مِنْ شَهَادَتِهِمَا	ان دونوں کی گواہی سے	لَا يَهْدِي	سیدھی راہ نہیں چلاتے
اِنَّآ اِذًا	بے شک ہم تب تو	وَمَا اعْتَدَيْنَآ	اور نہیں زیادتی کی ہم	الْقَوْمَ	ان لوگوں کو
لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ	یقیناً گنہ گاروں میں		نے	الْفٰسِقِيْنَ	جو حد اطاعت سے نکلنے
	سے ہونگے	اِنَّآ اِذًا	بے شک ہم تب تو		والے ہیں

(۱) عَثَرَ علیه (فعل معروف): وہ اس پر مطلع ہوا، عُثِرَ علیه (فعل مجہول): اس پر مطلع ہوا گیا۔ (۲) استحق إثما: وہ کسی گناہ کا حقدار ہوا، یعنی مرتکب ہوا، استحق علیه: اس کے خلاف یعنی اس کے مقابل میں حقدار ہونا (۳) الأَولیان، الأَولی بمعنی الأقرب کا تثنیہ، الآخران سے بدل ہے (ان آیات کی ترکیب ذرا مشکل ہے، بغور ملاحظہ فرمائیں)

وصی کی قسم پر کیا ہوا فیصلہ خیانت ظاہر ہونے پر ورثاء کی قسموں سے بدل جائے گا (پہلی مثال)

ارتباط: (آیات کا باہمی ربط) گذشتہ آیت میں یہ مضمون تھا کہ باپ دادا اگر گمراہ ہوں اور اولاد راہِ راست پر ہو تو اسلاف کی مخالفت سے اولاد کو ذرا ضرر نہیں پہنچے گا، اب اس کی تین مثالیں بیان فرماتے ہیں:

پہلی مثال: مسلمان یا غیر مسلم وصی: وصیت میں غلط بیانی کرے، اور کورٹ میں جھوٹی قسم کھائے، اور اس کے حق میں قاضی فیصلہ کردے، پھر اس کی خیانت پکڑی جائے تو موصی کے ورثاء کی قسموں سے فیصلہ بدل جائے گا، قاضی اپنے پہلے فیصلہ کی اصلاح کرے گا، اسی طرح باپ دادوں کے عقائد واعمال بھی اگر غلط ہوں، پھر نبی مبعوث ہو، اور اس پر احکام نازل ہوں تو اخلاف (اولاد) کو چاہئے کہ باپ دادوں کے عقائد واعمال چھوڑ دیں، اور نبی کی ہدایت کی پیروی کریں۔

دوسری مثال: جب بھی کوئی نبی مبعوث ہوتا ہے تو سب سے پہلے توحید کی دعوت دیتا ہے، لوگ شرک میں مبتلا ہوتے ہیں وہ انبیاء کو ٹکا سا جواب دیتے ہیں، کہتے ہیں: ہمارے باپ دادا مورتیوں کو پوجتے تھے، ہم ان کی روش پر چلیں گے، تمہاری بات نہیں مانیں گے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سب انبیاء سے سوال کریں گے کہ تمہاری قوموں نے تمہاری دعوت کا کیا جواب دیا؟ وہ عرض کریں گے: پروردگار! آپ سب کچھ جانتے ہیں! ہم کیا بتائیں؟ —— یہ ان قوموں کی غلطی تھی، اگر وہ اسلاف کی پیروی چھوڑ کر انبیاء کی دعوت قبول کرتے تو دارین میں ان کا بھلا ہوتا۔

تیسری مثال: حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے آخری رسول ہیں، انھوں نے اپنی قوم کی گمراہی کی اصلاح کرنی چاہی، مگر قوم نے اصلاح قبول نہیں کی، اپنی غلط روش پر اڑے رہے عیسیٰ علیہ السلام نے حیرت زا معجزے دکھائے، مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئے، الٹے ان کے قتل کے درپے ہوگئے، اگر وہ اپنے غلط خیالات سے باز آتے، اور اللہ کی نازل کردہ اصلاحات کو قبول کرتے تو ان کا کیا بگڑتا؟ نفع ہی ہوتا، مگر وہ آباء کی روش چھوڑنے کے لئے تیار نہ ہوئے!

پھر اس تیسری مثال کے متعلقات ہیں، ان کا سلسلہ آخر سورت تک چلا گیا ہے۔

زیر تفسیر آیات کا شانِ نزول:

دو شخص تمیم داری اور عدی بن بدّاء —— جو ابھی عیسائی تھے —— تجارت کے لئے ملکِ شام چلے، ان کے ساتھ قریش کے بنو سہم قبیلہ کا ایک آزاد کردہ مسلمان بھی تجارتی مال لے کر چلا، اس کا نام بُدیل بن ابی مریم تھا، اس کے ساتھ ایک چاندی کا پیالہ تھا، جو کھجور کے پتوں جیسے سونے کے پتروں سے آراستہ کیا ہوا تھا، وہ شام کے بادشاہ کے لئے لے گیا تھا، وہ جام اس کے مال میں سب سے قیمتی چیز تھا۔

شام پہنچ کر سہمی بیمار پڑا، اس نے اپنے عیسائی ساتھیوں کو وصیت کی کہ وہ اس کا مال سامان اس کے مولیٰ عمرو بن

العاص کو پہنچا دیں، اس نے سامان کی فہرست بنا کر سامان میں رکھ دی تھی، جس کا اس کے ساتھیوں کو پتہ نہیں تھا، جب موالی نے سامان کھولا تو فہرست نکلی، اس میں جام کا بھی ذکر تھا، مگر جام سامان میں نہیں تھا، موالی نے وصیوں سے پیالے کے بارے میں پوچھا، انھوں نے کہا: اس کے علاوہ مرحوم نے کچھ نہیں چھوڑا، اور ہمیں جام کے بارے میں کچھ علم نہیں!

یہ قضیہ خدمتِ نبوی میں آیا، چونکہ اسلامی اصول یہ ہے کہ گواہ مدعی کے ذمہ ہوتے ہیں، اور قسم منکر پر، اور مرحوم کا مولی عمرو بن العاص خیانت کا مدعی تھا، جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوا تھا، مگر اس کے پاس خیانت کے گواہ نہیں تھے، اور تمیم اور عدی خیانت کے منکر تھے، اس لئے ان سے قسمیں لے کر مقدمہ فیصل کر دیا گیا، اور منکرین پر کوئی ضمان واجب نہیں کیا۔

پھر وہ پیالہ مکہ میں ایک سنار کے پاس پایا گیا، اس نے بتایا کہ اس نے تمیم اور عدی سے ایک ہزار درہم میں خریدا ہے، اب پھر یہ مقدمہ خدمتِ نبوی میں آیا، آپؐ نے تمیم اور عدی سے حقیقتِ حال معلوم کی، انھوں نے کہا: ہم نے یہ جام بُدیل سے خرید لیا تھا، مگر چونکہ گواہ نہیں تھے، اس لئے ہم نے اظہار نہیں کیا تھا، مرحوم کا مولی اس کا منکر تھا، اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں، اور عمرو بن العاص اور ایک اور شخص نے قسمیں کھائیں، پس دوسرا فیصلہ کیا گیا، تمیم وعدی کو خائن قرار دیا گیا، اور ان سے پانچ پانچ سو درہم وصول کئے گئے۔

آیاتِ پاک کا ترجمہ وتفسیر:

اے ایمان والو! تمہارے درمیان کی گواہی —— جب تم میں سے کسی کے پاس موت آ کھڑی ہو، وصیت کرتے وقت (حین: شھادۃ کا بھی ظرف ہوسکتا ہے اور حضر کا بھی، اور دونوں صورتوں میں مطلب ایک ہوگا، یعنی وصیت پر گواہ بنائے یا موت کے قریب جب وصیت کرے اس وقت گواہ بنائے، اور یہ گواہ بنانا مستحب ہے، ضروری نہیں، وصیت گواہی کے بغیر بھی درست ہے، جیسے سورۃ الطلاق کی دوسری آیت میں رجعت پر گواہ بنانے کا حکم ہے، یہ حکم بھی استحبابی ہے —— دو شخصوں کی ہے (یہ شھادۃُ بینکم کی خبر ہے) —— تم میں سے —— یعنی مسلمانوں میں سے —— دو دیندار آدمیوں کی یا تمہارے علاوہ (غیر مسلموں) میں سے دو شخصوں کو (گواہ بنائے) اگر تم نے کسی سرزمین میں سفر کیا ہو (اور وہاں مسلمان موجود نہ ہوں) اور تمہیں موت کا حادثہ پیش آئے (تو دو گواہ بنائے یعنی وصیت کرے، پس یہ محض گواہ بھی ہوسکتے ہیں جبکہ وصیت تحریری شکل میں ہو، اور وصی یا وکیل بھی ہوسکتے ہیں) تم ان دونوں گواہوں کو روکو نماز (عصر) کے بعد (یا کسی بھی نماز کے بعد) پس وہ دونوں اللہ کی قسم کھائیں، اگر تمہیں شک پڑے —— یعنی اگر کسی وجہ سے تمہیں شبہ ہو کہ انھوں نے خیانت کی ہے، یا بیانِ وصیت میں یا موصی لہٗ کے بیان میں غلط بیانی کی ہے، جیسا کہ شانِ نزول کے واقعہ میں تمیم اور عدی نے جام نکال لیا تھا، اور سامان میں رکھی ہوئی لسٹ سے شبہ ہوا تھا پس قاضی قسم لے، اور گواہ غیر مسلم ہوں تو

ان کو مکلّف کرے کہ وہ مسجد میں آکر قسم کھائیں، روکنے کا یہی مطلب ہے، اور اگر ایسا کوئی شبہ نہ ہو تو قسم لینے کی ضرورت نہیں، اور جب وہ قسم کھائیں تو قسم کے ساتھ یہ بھی کہیں کہ —— ہم نہیں خریدتے (یعنی نہیں حاصل کرتے) قسم کے ذریعہ کچھ بھی عوض، اگرچہ وہ شخص (جس کے حق میں ہم گواہی دے رہے ہیں) رشتہ دار ہو، اور نہیں چھپاتے ہم اللہ کی گواہی کو —— یعنی بالکل صحیح اور بے لاگ گواہی دے رہے ہیں ﴿لَا نَشْتَرِیْ بِهٖ ثَمَنًا﴾ میں ثمن بمعنی نفع ہے، یعنی وہ جھوٹی قسم کھا کر کوئی نفع حاصل نہیں کر رہے، اور ﴿وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى﴾ کا تعلق اس صورت کے ساتھ ہے جب وہ موصی لہٗ کے حق میں غلط بیانی کر رہے ہوں، یعنی ہم نہ رشوت لے کر غلط قسم کھا رہے ہیں، نہ تعلق کی پاسداری میں جھوٹی قسم کھا رہے ہیں —— بے شک ہم اس حالت میں سخت گنہ گار ہوں گے —— یہ سارا مضمون بھی وہ قسم کے ساتھ ادا کریں، چنانچہ تمیم وعدی کو قسمیں کھلا کر مقدمہ فیصل کر دیا کہ سامان بس اتنا ہی تھا، اور ان دونوں پر وارث کا کوئی مطالبہ نہیں رہا۔

پھر جب خیانت کھلی، اور جام سنار کے پاس پایا گیا، اور اس نے کہا کہ میں نے جام تمیم وعدی سے خریدا ہے، اور تمیم وعدی نے خریدنے کا دعوی کیا، اور کہا: ہم نے گواہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کا اظہار نہیں کیا تھا، اور وارث کو ان کے بیان پر اطمینان نہ ہوا، اور مقدمہ دوبارہ بارگاہِ نبوت میں آیا تو یہ آیات نازل ہوئیں۔

دوسری آیت: پھر اگر اس بات کی اطلاع ہو جائے کہ وہ دونوں کسی گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں —— پس دوسرے دو شخص کھڑے ہوں پہلے دو کی جگہ میں، ان لوگوں میں سے جن کے مقابلہ میں گناہ کا ارتکاب ہوا ہے، اور وہ میت کے قریبی لوگ ہوں —— اِسْتَحَقَّ علیه: اس کے خلاف یعنی اس کے مقابلہ میں حقدار ہو جانا...... اور: الْأَوْلَیَانِ: الْأَوْلٰی بمعنی الأقرب کا تثنیہ ہے، اور حالتِ رفعی میں ہے، اس لئے کہ وہ الآخران سے بدل ہے —— پس وہ دونوں اللہ کی قسم کھائیں (اور قسم کے ساتھ یہ مضمون بھی ادا کریں کہ) ہماری گواہی یقیناً ان دونوں کی گواہی سے زیادہ راست ہے، اور ہم نے ذرا تجاوز نہیں کیا (اگر ہم نے تجاوز کیا ہو تو) ہم ایسی حالت میں یقیناً سخت ظالم ہوں گے —— (چنانچہ عمرو بن العاص جو بہی مرحوم کے آزاد کرنے والے تھے —— اور ایک اور شخص کھڑے ہوئے اور انھوں نے اس طرح قسم کھائی تو مقدمہ دوبارہ ان کے حق میں فیصل کیا گیا، اور تمیم وعدی کو جام کا ضامن بنایا گیا)

دوبارہ فیصلہ کرنے کی حکمت: (پھر تیسری آیت میں دوبارہ فیصلہ کرنے کی حکمت بیان کی:) —— یہ (یعنی مقدمہ کا دوبارہ فیصلہ کرنا) قریب ذریعہ ہے، اس امر کا کہ وہ (پہلے گواہ) واقعہ کو ٹھیک طور پر ظاہر کریں یا اس بات سے ڈریں کہ ان سے قسمیں لینے کے بعد پھر قسمیں (ورثاء کی طرف) متوجہ کی جائیں گی (اور پانسہ پلٹ جائے گا، اس خوف سے وہ پہلے ہی صحیح بات بیان کریں) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور (اللہ کا حکم) سنو، اور اللہ تعالیٰ حد اطاعت سے نکلنے

والوں کی صحیح راہ نمائی نہیں کرتے۔

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۰۹﴾

يَوْمَ (۱)	جس دن	فَيَقُوْلُ	پس دریافت کریں گے	لَا عِلْمَ لَنَا	ہمیں کچھ خبر نہیں!
يَجْمَعُ	جمع کریں گے	مَاذَآ	کیا	اِنَّكَ اَنْتَ	بے شک آپ ہی
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	اُجِبْتُمْ	جواب دیئے گئے تم؟	عَلَّامُ	خوب جاننے والے ہیں
الرُّسُلَ	رسولوں کو	قَالُوْا	وہ عرض کریں گے	الْغُيُوْبِ (۲)	چھپی باتوں کو

گذشتہ امتیں بھی آباء کی تقلید پر اڑی رہیں (دوسری مثال)

گذشتہ رسولوں نے بھی جب اپنی امتوں کو توحید کی دعوت دی تو انھوں نے جواب دیا: ﴿ حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ﴾: ہم کو کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا! یعنی ہم شرک ہرگز نہیں چھوڑیں گے، کاش وہ رسولوں کی بات مانتے، اور شرک چھوڑ کر کلمہ توحید پڑھتے تو آباء کی مخالفت سے ان کا کچھ نہ بگڑتا، نفع ہی ہوتا!

جاننا چاہئے کہ اس دنیا میں تو سب رسول الگ الگ زمانوں میں آئے ہیں، کوئی دو رسول ایک زمانہ میں اکٹھا نہیں ہوئے، مگر قیامت کے دن سب رسول اکٹھا ہونگے، اس وقت ان سبھی سے سوال ہوگا، معلوم ہوا کہ تمام رسولوں کو ان کی امتوں نے ایک ہی جواب دیا ہے۔

اور رسولوں کا لاعلمی ظاہر کرنا یا تو ادباً ہے، سورج کو چراغ دکھانے سے کیا فائدہ! یا نفسی نفسی کا عالم ہوگا، اس وقت رسول انتہائی خوف وخشیت کی وجہ سے کچھ بول نہ سکیں گے، پھر کبھی جب اللہ تعالیٰ ان پر رحمت کی نظر فرمائیں گے تو کچھ عرض کرسکیں گے۔

آیتِ کریمہ: جس دن اللہ تعالیٰ تمام رسولوں کو اکٹھا کریں گے، پس دریافت کریں گے کہ تم کیا جواب دیئے گئے؟ وہ عرض کریں گے: ہمیں کچھ خبر نہیں! آپ ہی سب چھپی باتوں کو خوب جاننے والے ہیں!

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۣ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ

(۱) یوم: یجمع کا مضاف ہے (۲) الغیوب: غیب کی جمع ہے: انسان کے علم واحساس سے بالاتر۔

الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ
فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ
الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۱۱۰ وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا
بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ۝۱۱۱ اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى
ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَاۗىِٕدَةً مِّنَ السَّمَاۗءِ ۭ قَالَ اتَّقُوا
اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۱۲ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَىِٕنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ
اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝۱۱۳ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ
رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَاۗىِٕدَةً مِّنَ السَّمَاۗءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ
وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝۱۱۴ قَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ
بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّىْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۱۵ ع

۱۵ ع ۷ ۵

اِذْ قَالَ	(یاد کرو) جب فرمایا	بِرُوْحِ الْقُدُسِ	پاکیزہ روح کے ذریعہ	وَالتَّوْرٰىةَ	اور تورات
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ نے	تُكَلِّمُ	بات کرتے ہیں آپ	وَالْاِنْجِيْلَ	اور انجیل
يٰعِيْسَى	اے عیسیٰ	النَّاسَ	لوگوں سے	وَاِذْ تَخْلُقُ	اور جب بناتے ہیں آپ
ابْنَ مَرْيَمَ	مریم کے بیٹے!	فِي الْمَهْدِ	پالنے میں	مِنَ الطِّيْنِ	مٹی سے
اذْكُرْ	یاد کرو	وَكَهْلًا	اور ادھیڑ عمر میں	كَهَيْئَةِ	جیسے صورت
نِعْمَتِيْ	میرے احسانات	وَاِذْ عَلَّمْتُكَ	اور جب سکھلایا میں	الطَّيْرِ	پرندے کی
عَلَيْكَ	اپنے اوپر		نے آپ کو	بِاِذْنِيْ	میرے حکم سے
وَعَلٰى وَالِدَتِكَ	اور اپنی والدہ پر	الْكِتٰبَ	قرآن کریم	فَتَنْفُخُ	پس پھونکتے ہیں آپ
اِذْ اَيَّدْتُّكَ	جب قوی کیا میں نے آپ کو	وَالْحِكْمَةَ	اور احادیث	فِيْهَا	اس میں

فَتَكُوْنُ	تو ہو جاتا ہے وہ	وَاِذْ اَوْحَيْتُ	اور جب دل میں ڈالا	قَالُوْا	کہا انھوں نے
طَيْرًا	اڑنے والا		میں نے	نُرِيْدُ	چاہتے ہیں ہم
بِاِذْنِيْ	میرے حکم سے	اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ	حواریوں کے	اَنْ نَّاْكُلَ	کہ کھائیں ہم
وَتُبْرِئُ	اور چنگا کرتے ہیں آپ	اَنْ اٰمِنُوْا	کہ ایمان لاؤ تم	مِنْهَا	اس سے
الْاَكْمَهَ	مادر زاد اندھے کو	بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ	مجھ پر اور میرے رسول پر	وَتَطْمَئِنَّ	اور مطمئن ہوں
وَالْاَبْرَصَ	اور کوڑھی کو	قَالُوْٓا	(تو) کہا انھوں نے	قُلُوْبُنَا	ہمارے دل
بِاِذْنِيْ	میرے حکم سے	اٰمَنَّا	ایمان لائے ہم	وَنَعْلَمَ	اور جانیں ہم
وَاِذْ تُخْرِجُ	اور جب نکالتے ہیں آپ	وَاشْهَدْ	اور گواہ رہیں آپ	اَنْ قَدْ	کہ بالیقین
الْمَوْتٰى	مردوں کو	بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ	کہ ہم فرماں بردار ہیں	صَدَقْتَنَا	سچ کہا آپ نے ہم سے
بِاِذْنِيْ	میرے حکم سے	اِذْ قَالَ	(یاد کرو) جب کہا	وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا	اور ہوں ہم اس پر
وَاِذْ كَفَفْتُ	اور جب روکا میں نے	الْحَوَارِيُّوْنَ	حواریوں نے	مِنَ الشّٰهِدِيْنَ	گواہی دینے والوں
بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ	بنی اسرائیل کو	يٰعِيْسَى	اے عیسیٰ		میں سے
عَنْكَ	آپ سے	ابْنَ مَرْيَمَ	بیٹے مریم کے	قَالَ	دعا کی
اِذْ جِئْتَهُمْ	جب پہنچے آپ ان	هَلْ يَسْتَطِيْعُ	کیا طاقت رکھتے ہیں	عِيْسَى	عیسیٰ
	کے پاس	رَبُّكَ	آپ کے پروردگار	ابْنُ مَرْيَمَ	بیٹے مریم نے
بِالْبَيِّنٰتِ	واضح معجزات کے ساتھ	اَنْ يُّنَزِّلَ	کہ اتاریں وہ	اللّٰهُمَّ	اے اللہ!
فَقَالَ	پس کہا	عَلَيْنَا	ہم پر	رَبَّنَآ	اے ہمارے پروردگار!
الَّذِيْنَ	جنھوں نے	مَاۗىِٕدَةً	بھرا ہوا خوان	اَنْزِلْ	اتاریے
كَفَرُوْا	انکار کیا	مِّنَ السَّمَاۗءِ	آسمان سے	عَلَيْنَا	ہم پر
مِنْهُمْ	ان میں سے	قَالَ	کہا اس نے	مَاۗىِٕدَةً	بھرا ہوا خوان
اِنْ هٰذَآ	نہیں ہے یہ	اتَّقُوا اللّٰهَ	ڈرو اللہ سے	مِّنَ السَّمَاۗءِ	آسمان سے
اِلَّا سِحْرٌ	مگر جادو	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم	تَكُوْنُ	ہو وہ
مُّبِيْنٌ	صریح	مُّؤْمِنِيْنَ	ایماندار	لَنَا	ہمارے لئے

عِيْدًا	خوشی کا دن	خَيْرُ	بہترین	مِنْكُمْ	تم میں سے
لِّاَوَّلِنَا	ہمارے پہلوں کیلئے	الرّٰزِقِيْنَ	روزی دینے والے ہیں	فَاِنِّيْٓ	پس بے شک میں
وَاٰخِرِنَا	اور ہمارے پچھلوں کیلئے	قَالَ اللّٰهُ	فرمایا اللہ نے	اُعَذِّبُهٗ	اس کو سزا دونگا
وَاٰيَةً	اور بڑی نشانی	اِنِّيْ	بے شک میں اس کو	عَذَابًا	ایسی سزا
مِّنْكَ	آپ کی طرف سے	مُنَزِّلُهَا	اتارنے والا ہوں	لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ	(کہ) میں نے ایسی سزا
وَارْزُقْنَا	اور روزی دیں آپ	عَلَيْكُمْ	تم پر		نہیں دی ہوگی
	ہمیں	فَمَنْ يَّكْفُرْ	پس جو انکار کرے گا	اَحَدًا	کسی کو
وَاَنْتَ	اور آپ	بَعْدُ	بعد میں	مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ	جہانوں میں سے

بنی اسرائیل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصلاحات قبول نہیں کیں (تیسری مثال)

کہتے ہیں: موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان دو ہزار سال کا فصل ہے، بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے بواسطہ موسیٰ علیہ السلام تورات عنایت فرمائی، ابتداء میں تو انھوں نے تورات پر ٹھیک طرح عمل کیا، مگر جب زمانہ دراز ہوگیا تو ان کے دل سخت ہوگئے، اور وہ تورات پر عمل میں سست پڑ گئے، اور رفتہ رفتہ ان کے اکثر بددین ہوگئے (سورۃ الحدید آیت ۱۶)

آخر میں بنی اسرائیل میں اللہ کے عظیم الشان رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے، انھوں نے بنی اسرائیل کی بے راہ روی کی اصلاح کرنی چاہی، مگر وہ اپنے آباء کی روش پر اڑے رہے، اور نہ صرف یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہیں لائے، بلکہ ان کے قتل کے درپے ہوگئے، اللہ تعالیٰ نے ان کو صحیح سلامت عنصری بدن کے ساتھ آسمان پر اٹھالیا، ان کے رفع سماوی کے بعد ان کی امت بھی جو یعقوب علیہ السلام کی اولاد تھی ان کے لائے ہوئے دین پر برقرار نہ رہ سکی، بنی اسرائیل تفریط میں مبتلا ہوئے تھے، یہ افراط میں مبتلا ہوگئے، بنی اسرائیل نے ان کو مسیح ضلالت یعنی دجال قرار دے کر قتل کرنا چاہا تھا، عیسائیوں نے ان کا ڈانڈا اللہ سے ملادیا، اور ان کو اللہ کا بیٹا قرار دیدیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اللہ کے عظیم احسانات

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے عظیم الشان رسول تھے، اللہ تعالیٰ نے ان پر بے شمار انعامات واحسانات فرمائے تھے، اللہ پاک نے یہاں ان پر اپنے پانچ احسانات اور اس کے بعد ان کے پانچ معجزات پھر ان پر تین انعامات کا تذکرہ فرمایا ہے، ایسے جلیل القدر پیغمبر کی اصلاحات بھی بنی اسرائیل نے قبول نہیں کیں، بلکہ وہ اپنے آباء کی تحریفات پر اڑے رہے:

۱-خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے یہ عظیم احسان فرمایا کہ ان کو بغیر باپ کے وجود بخشا، اور اللہ نے ان کو اپنی قدرت کی نشانی بنایا، پھر ان کو انبیائے بنی اسرائیل کا خاتم بنایا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! ——— یعنی میرے بیٹے نہیں، عفیفہ مریم کے بیٹے! ——— میں نے آپ پر جو احسانات کئے ہیں ان کو یاد کرو، اور ان کا شکر بجالاؤ ﴿اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ﴾۔

۲-حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ حضرت مریم بھی باکمال خاتون ہوئی ہیں، سورۃ آلِ عمران اور سورۃ التحریم میں ان کے چند امتیازات بیان فرمائے ہیں:

(الف) حضرت مریمؑ کی والدہ کے مانگے ہوئے لڑکے سے یہ لڑکی بدر جہا بہتر ہے: ﴿لَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى﴾۔

(ب) حضرت مریمؑ اور ان کے صاحبزادے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بوقت ولادت شیطانی اثرات سے محفوظ رکھا، وہ دونوں کو مس نہ کر سکا: ﴿اِنِّىْٓ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ﴾۔

(ج) خلافِ معمول حضرت مریمؑ کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے اللہ تعالیٰ نے بخوشی قبول فرمایا: ﴿فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ﴾

(د) اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو عمدہ طریقہ پر پروان چڑھایا: ﴿وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا﴾۔

(ھ) ان کی تربیت کے لئے بہترین ماحول مہیا کیا، نبی کے گھر میں ان کی پرورش کرائی: ﴿كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا﴾

(و) ان کے پاس بے موسم کے پھل آتے تھے: ﴿وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا﴾

(ز) ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ ظاہر کی، کسی مرد کے چھوئے بغیر ان کے بطن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے، یہ امتیاز کسی دوسری عورت کو حاصل نہیں ہوا: ﴿فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا﴾

(ح) وہ باکمال بندی تھیں، حدیث میں ہے: ”مرد تو بہت باکمال ہوئے ہیں، اور عورتوں میں سے چند ہی باکمال ہوئی ہیں، ان میں مریمؑ بھی ہیں“

اور اسلاف پر احسانات اولاد پر احسانات ہوتے ہیں، آدم علیہ السلام کو خلافت سے سرفراز کیا تو ان کی اولاد کو بھی یہ امتیاز حاصل ہوا، نزولِ قرآن کے وقت کے بنی اسرائیل کو ان کے آباء پر احسانات یاد دلائے ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی فرمایا: آپ کی والدہ پر میں نے جو احسانات کئے ہیں ان کو بھی یاد کریں: ﴿وَعَلٰى وَالِدَتِكَ﴾

۳-حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اللہ کا تیسرا احسان یہ ہوا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ہر وقت ان کے ساتھ رہتے تھے، ان کی پشت پناہی آپ کو حاصل تھی، تاکہ یہود باوجود سخت مخالفت کے آپ کو قتل نہ کر سکیں، ویسے ہر انسان کی فرشتے

حفاظت کرتے ہیں: ﴿ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ یَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ﴾: اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہیں وہ فرشتے جو انسان کے آگے اور پیچھے باری باری سے آنے والے ہیں جو امر الٰہی سے اس کی دیکھ بھال کرتے رہتے ہیں (سورۃ الرعد) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بلا واسطہ اللہ تعالیٰ حفاظت فرماتے تھے: ﴿ وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ﴾: اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھتے ہیں [المائدۃ ۶۷] اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حضرت جبرئیل علیہ السلام کے واسطہ سے حفاظت فرماتے تھے۔

۴- حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی جب وہ گود کے بچے تھے، لوگوں کو توحید و رسالت کی دعوت دی تھی، انھوں نے لوگوں سے فرمایا تھا: ''میں اللہ کا بندہ ہوں، اللہ تعالیٰ مجھے کتاب عنایت فرمائیں گے، اور مجھے بابرکت بنائیں گے''یعنی رسالت سے سرفراز فرمائیں گے (سورۃ مریم)

پھر ادھیڑ عمر میں یعنی چالیس سال میں، جب آپ کو نبوت سے سرفراز کیا گیا تو بھی لوگوں کو یہی توحید کی دعوت دی، اور اپنا بندہ ہونا لوگوں کے سامنے ظاہر کیا۔

۵- اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن وحدیث اور تورات وانجیل سکھلائی، انجیل: تورات کا تتمہ اور ضمیمہ ہے، اللہ نے پہلے زمانہ میں آپ کو تورات کا علم دیا، اور آپ پر انجیل نازل فرمائی، اور آخر زمانہ میں جب ان کا آسمان سے نزول ہوگا: قرآن وحدیث سکھلائیں گے، اس لئے کہ وہ نزول کے بعد شریعت محمدی کی پیروی کریں گے، اور اسی کے مطابق اس امت کی راہ نمائی فرمائیں گے، اور انبیاء کو اللہ تعالیٰ سکھلاتے ہیں، وہ کسی سے پڑھتے نہیں، یہی مضمون سورۃ آلِ عمران میں بھی ہے۔

﴿ اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِیْ عَلَیْكَ وَعَلٰی وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَیَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۟ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ وَ كَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ ۚ ﴾

ترجمہ: (یاد کرو) جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (۱و۲) اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! یاد کریں اپنے اوپر اور اپنی والدہ پر میرے احسانات (۳) جب میں نے آپ کو پاکیزہ روح کے ذریعہ قوی کیا (۴) آپ لوگوں سے گہوارے میں اور ادھیڑ عمر میں باتیں کرتے ہیں (۵) اور جب میں نے آپ کو قرآن وحدیث اور تورات وانجیل سکھلائی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات اور ان پر اللہ کے انعامات

حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے دعوتِ حق پر مامور ہوتے ہیں، ان کو اثباتِ دعوی کے لئے اور لوگوں کو قائل و مائل کرنے کے لئے بطور حجت معجزات عطا کئے جاتے ہیں، ہر پیغمبر کو اس کے زمانہ کے تقاضوں کے مطابق معجزات دیئے جاتے ہیں، موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادو کا زور تھا، اس لئے ان کو عصا اور ید بیضاء کے معجزات

عطا ہوئے، اور عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ طب وحکمت کا زمانہ تھا، اس لئے آپ کو مادرزاد نابینا کو بینا کرنے کا اور کوڑھی کو چنگا کرنے کے معجزات دیئے گئے، اور ساتھ ہی اللہ کی کتابیں تورات وانجیل بھی دی گئیں، جو دعوت پر مشتمل تھیں۔

اور ہر رسول کو بڑے معجزات کے ساتھ چھوٹے معجزات بھی دیئے جاتے ہیں، جو برکات واحسانات کے قبیل سے ہوتے ہیں، جیسے ہمارے نبی ﷺ کا زندۂ جاوید معجزہ تو قرآنِ کریم ہے، جو رہتی دنیا تک باقی رہے گا، اس کے علاوہ آپؐ کو دیگر بہت سے معجزات بھی دیئے گئے، جن کا تذکرہ روایتوں میں آیا ہے، وہ حدیثیں حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی ثم مدنی رحمہ اللہ نے ترجمان السنہ جلد چہارم میں جمع کردی ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پانچ معجزات کا تذکرہ فرمایا:

۱- آپ مٹی سے کوئی فرضی پرندہ بناتے تھے، آج تو آرٹ (فن) نے ترقی کرلی ہے، بچے بھی فرضی پرندوں کی تصویریں بناتے ہیں، کارخانے گڑیا بناتے ہیں، اور کمپیوٹر بھی ڈیزائن بناتا ہے، مگر چار ہزار سال پہلے لوگ آرٹ سے واقف نہیں تھے، اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام مٹی سے پرندہ کی صورت بناتے تھے، اور وہ یہ کام اللہ کے حکم سے کرتے تھے، تاکہ آگے ان کا معجزہ ظاہر ہو۔

۲- پھر وہ اس مٹی کے ڈھانچہ میں پھونک مارتے تھے تو وہ اڑ جاتا تھا، وہ اللہ کے حکم سے زندہ ہوتا تھا۔

۳و۴- پیدائشی اندھے کو آج بھی ڈاکٹری بینا نہیں کرسکتی، اور کوڑھی کی سفید کھال کو خوبصورت کھال میں نہیں بدل سکتی، مگر عیسیٰ علیہ السلام ہاتھ پھیرتے تھے تو مادرزاد اندھا بینا ہوجاتا تھا، اور کوڑھی چنگا ہوجاتا تھا، ایسا اللہ کے حکم سے ہوتا تھا۔

۵- آپ قبر میں مدفون مردے سے کہتے تھے: "زندہ ہوکر نکل آ" وہ نکل آتا تھا، یہ کام بھی آپ اللہ کے حکم سے کرتے تھے۔

ملحوظہ: ﴿بِإِذْنِي﴾ کی تکرار عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کی نفی کے لئے ہے، یعنی وہ یہ کام اپنے ذاتی اختیار سے نہیں کرتے تھے، بہ اذنِ الٰہی کرتے تھے، وہ محض واسطہ ہوتے تھے، درحقیقت اللہ تعالیٰ کے حکم سے کام ہوتے تھے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام پر اپنے تین احسانات کا تذکرہ فرمایا:

۱- یہودی آپ کے کٹر دشمن تھے، جب آپ مذکورہ واضح معجزات کے ساتھ ان کے پاس پہنچے تو انھوں نے ان معجزات کو کھلا جادو قرار دیا، اور ان کو دجالِ اکبر سمجھا، اور وہ آپ کے قتل کے درپے ہوئے، مگر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو آپ سے باز رکھا، ان کا ہاتھ آپ تک نہیں پہنچنے دیا، زندہ سلامت آپ کو آسمان پر اٹھالیا۔

۲- اللہ تعالیٰ مردہ سے زندہ نکالتے ہیں، مردہ دل بنی اسرائیل میں سے چند اشخاص کے دل میں یہ بات ڈالی کہ وہ اللہ پر اور اللہ کے رسول عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائیں، چنانچہ وہ مگرمچھ کے منہ میں اس کام کے لئے تیار ہوگئے، وہ ایمان لائے اور اللہ کے فرمان بردار بندے بنے، کہتے ہیں: وہ بارہ افراد تھے، جو حواری (خاص مددگار) کہلائے، انہیں کی محنت

سے بعد میں عیسائیت کو فروغ نصیب ہوا۔

۳-حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ دعا فرمائیں: اللہ تعالیٰ آسمان سے کھانوں سے بھرا ہوا دسترخوان نازل فرمائیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: توبہ! توبہ! تم ایماندار ہو کر کیسی درخواست کرتے ہو؟

انھوں نے کہا: ہم یہ درخواست چار وجوہ سے کرتے ہیں: اول: اس لئے کہ ہم آسمانی نعمتیں کھائیں، دوم: اس وجہ سے کہ ہمیں طمانینتِ قلبی حاصل ہو، سوم: اس وجہ سے کہ آپ پر ہمارا ایمان مضبوط ہو، چہارم: اس وجہ سے کہ دنیا کے سامنے ہم علی وجہ البصیرت آپ کی رسالت کی گواہی دیں۔

جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے درخواست کی تھی، جس کا تذکرہ سورۃ البقرۃ میں آیا ہے کہ پروردگار! مجھے دکھلایئے: آپ کس طرح مردوں کو زندہ کریں گے؟ اللہ نے پوچھا: کیا تمہارا اس پر ایمان نہیں؟ انھوں نے جواب دیا: کیوں نہیں! میری درخواست اس وجہ سے ہے کہ میرا دل اس صفت پر خوب مطمئن ہوجائے، چنانچہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی اس صفت کا مشاہدہ کرایا۔

عیسیٰ علیہ السلام نے بھی نزول مائدہ کے لئے دعا فرمائی، اور عرض کیا: یہ واقعہ ہمارے لئے یعنی موجودین کے لئے اور میری امت کے اگلوں پچھلوں کے لئے ایک خوشی کا دن ہو، وہ اس دن یادگار منائیں، اور وہ میرا معجزہ ہو، اور آپ کی کھانے کی دعوت ہو، آپ بہترین روزی رساں ہیں۔

اللہ کی طرف سے جواب آیا: میں نعمتوں سے بھرا ہوا خوان اتاروں گا، مگر مطلوبہ معجزہ دیکھنے کے بعد جو انکار کریگا اس کو ایسی سزا دونگا کہ نانی یاد آجائے گی!

یہی اللہ کی سنت ہے، وہ ازخود انبیاء کو معجزات عنایت فرماتے ہیں، پھر ان کو کوئی مانے یا نہ مانے: سزا نہیں دیتے، لیکن اگر کوئی قوم کسی خاص معجزہ کا مطالبہ کرے، اور وہ دکھلایا جائے اور لوگ نہ مانیں تو وہ ہلاک کئے جاتے ہیں، جیسے صالح علیہ السلام کی قوم نے ایک خاص چٹان سے اونٹنی نکالنے کا مطالبہ کیا، یہ معجزہ ان کو دکھلایا گیا، مگر قوم نے اس اونٹنی کو مار ڈالا تو پوری قوم تباہ کردی گئی، یہاں بھی اسی سنتِ قدیمہ کا ذکر ہے۔

پھر کیا ہوا؟ مائدہ اترا یا نہیں؟ قرآن وحدیث میں اس کی وضاحت ہے نہ اشارہ[1] بعض کہتے ہیں: چالیس روز تک مسلسل خوان اترتا رہا، اور حکم دیا کہ کھاؤ، مگر ذخیرہ مت کرو، عیسائیوں نے خلاف ورزی کی، ذخیرہ کیا، تو وہ سور بندر بنادیئے

(۱) ترمذی شریف میں ایک روایت (نمبر ۳۰۸۵) ہے کہ خوان: روٹی اور گوشت کی شکل میں نازل ہوتا تھا، اور ان کو حکم دیا گیا تھا کہ خیانت نہ کریں، مگر انھوں نے ذخیرہ کیا تو وہ سور اور بندر بنادیئے گئے، یہ مرفوع حدیث نہیں ہے، بلکہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے یعنی صحابی کا بیان ہے ۱۲

گئے، ایک مرتبہ پہلے بھی یہودی مچھیروں کو سور بندر بنایا جاچکا تھا، اور بعض حضرات کہتے ہیں: نہیں اترا، دھمکی سن کر مانگنے والوں نے درخواست واپس لے لی، واللہ اعلم! (تفصیل کے لئے دیکھیں تحفۃ الالمعی ۷: ۲۴۲)

﴿ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِىْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِىْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِىْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِىْ ۚ ﴾

ترجمہ: (عیسیٰ علیہ السلام کے پانچ معجزات: (۱) اور آپ مٹی سے پرندے کی صورت جیسی شکل بناتے تھے، میرے حکم سے (۲) پس پھونک مارتے ہیں آپ اس میں پس ہوجاتا ہے وہ اڑنے والا، میرے حکم سے (۳و۴) اور چنگا کرتے ہیں آپ مادر زاد اندھے کو اور کوڑھی کو میرے حکم سے (۵) اور جب آپ مردوں کو نکالتے ہیں، میرے حکم سے۔

﴿ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِىْۤ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۱۱۰ ﴾

ترجمہ: (عیسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کا پہلا انعام واحسان:) اور جب میں نے بنی اسرائیل کو آپ سے باز رکھا، جب آپ ان کے پاس واضح معجزات کے ساتھ پہنچے تو ان میں سے منکرین نے کہا: ''یہ کھلا جادو ہی ہے!''

﴿ وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِىْ وَبِرَسُوْلِىْ ۚ قَالُوْۤا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ۝۱۱۱ ﴾

ترجمہ: (عیسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کا دوسرا انعام واحسان:) اور (یاد کرو) جب میں نے حواریوں کے دل میں ڈالا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ، تو انھوں نے کہا: ہم ایمان لائے، اور آپ گواہ رہیں کہ ہم فرماں برداروں میں سے ہیں ــــــ یعنی شدید مخالفت کے ماحول میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے چند مخلص ساتھیوں (حواریوں) کو کھڑا کردیا، جنھوں نے قدم قدم پر آپ کا ساتھ دیا، اور آپ کے رفع سماوی کے بعد آپ کے دین کی اشاعت کی، یہ آپ پر اللہ کا فضل وکرم ہے۔

﴿ اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ۚ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۱۲ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝۱۱۳ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَاۤ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝۱۱۴ قَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّىْۤ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّاۤ اُعَذِّبُهٗۤ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۱۵ ﴾

ترجمہ: (عیسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کا تیسرا انعام واحسان:) (یاد کرو) جب حواریوں نے کہا: اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! کیا آپ کے پروردگار ایسا کر سکتے ہیں کہ ہم پر آسمان سے کھانوں سے بھرا ہوا خوان اتاریں؟ اس نے کہا: اللہ سے ڈرو، اگر تم ایماندار ہو! ـــــ انھوں نے کہا: (اول) ہم چاہتے ہیں کہ اس سے کھائیں (دوم) اور ہمارے دل مطمئن ہوں (سوم) اور ہم جان لیں کہ بالیقین آپ نے ہم سے سچ کہا (چہارم) اور ہم اس پر گواہی دینے والوں سے ہوں ـــــ عیسیٰ بن مریم نے دعا کی: الٰہی! اے ہمارے پروردگار! ہم پر آسمان سے نعمتوں سے بھرا ہوا خوان اتار، جو ہمارے لئے، اور ہمارے پہلوں اور پچھلوں کے لئے خوشی کا دن ہو، اور آپ کی طرف سے بڑی نشانی (معجزہ) ہو، اور ہمیں روزی عنایت فرمائیں، اور آپ ہی بہترین روزی رساں ہیں!

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں اس کو تم پر اتارنے والا ہوں، پس جو اس کے (نزول کے) بعد تم میں سے انکار کرے گا تو میں اس کو سزا دوں گا، ایسی سزا کہ کسی کو نہیں دی ہوگی میں نے وہ سزا جہاں والوں میں سے!

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۗ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ
فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۱۶﴾
مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ
شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ؕ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
شَهِيْدٌ ﴿۱۱۷﴾ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾
قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۹﴾
لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ؕ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۲۰﴾

وَاِذْ	اور (یاد کرو) جب	يٰعِيْسَى	اے عیسیٰ	ءَاَنْتَ قُلْتَ	کیا آپ نے کہا
قَالَ اللّٰهُ	فرمایا اللہ نے	ابْنَ مَرْيَمَ	بیٹے مریم کے	لِلنَّاسِ	لوگوں سے

اتَّخِذُوْنِيْ	بناؤ مجھے	مَاقُلْتُ لَهُمْ	نہیں کہا میں نے ان سے	عِبَادُكَ	آپ کے بندے ہیں
وَ اُمِّيَ	اور میری ماں کو	اِلَّا مَا	مگر جو	وَاِنْ تَغْفِرْ	اور اگر بخش دیں آپ
اِلٰهَيْنِ	دو معبود	اَمَرْتَنِيْ بِهٖ	حکم دیا آپ نے مجھے اس کا	لَهُمْ	ان کو
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ سے ورے	اَنِ اعْبُدُوا	کہ عبادت کرو	فَاِنَّكَ اَنْتَ	تو بے شک آپ ہی
قَالَ	جواب دیا اس نے	اللّٰهَ	اللہ کی	الْعَزِيْزُ	زبردست
سُبْحٰنَكَ	آپ کی ذات پاک ہے!	رَبِّيْ	میرے پروردگار	الْحَكِيْمُ	حکمت والے ہیں
مَا يَكُوْنُ لِيْٓ	نہیں زیبا تھا میرے لئے	وَ رَبَّكُمْ	اور تمہارے پروردگار	قَالَ	فرمایا
اَنْ اَقُوْلَ	کہ کہتا میں	وَ كُنْتُ عَلَيْهِمْ	اور تھا میں ان پر	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ نے
مَا لَيْسَ لِيْ	وہ جو نہیں تھا مجھے	شَهِيْدًا	گواہ	هٰذَا	یہ
بِحَقٍّ	کوئی حق (اس کے کہنے کا)	مَّا دُمْتُ	جب تک رہا میں	يَوْمُ	دن
اِنْ كُنْتُ	اگر تھا میں	فِيْهِمْ	ان میں	يَنْفَعُ	نفع پہنچائے گا
قُلْتُهٗ	کہا ہوتا میں نے اس کو	فَلَمَّا	پھر جب	الصّٰدِقِيْنَ	سچوں کو
فَقَدْ	تو بالیقین	تَوَفَّيْتَنِيْ (۱)	وصول کر لیا آپ نے مجھے	صِدْقُهُمْ	ان کا سچ
عَلِمْتَهٗ	آپ اس کو جانتے ہوتے	كُنْتَ اَنْتَ	(تو) تھے آپ ہی	لَهُمْ	ان کے لئے
تَعْلَمُ	آپ جانتے ہیں	الرَّقِيْبَ	نگہبان	جَنّٰتٌ	باغات ہیں
مَا فِيْ نَفْسِيْ	جو میرے جی میں ہے	عَلَيْهِمْ	ان پر	تَجْرِيْ	بہتی ہیں
وَلَآ اَعْلَمُ	اور میں نہیں جانتا	وَاَنْتَ	اور آپ	مِنْ تَحْتِهَا	ان میں
مَا فِيْ نَفْسِكَ	جو آپ کے جی میں ہے	عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز پر	الْاَنْهٰرُ	نہریں
اِنَّكَ اَنْتَ	بے شک آپ ہی	شَهِيْدٌ (۲)	گواہ ہیں	خٰلِدِيْنَ	ہمیشہ رہنے والے
عَلَّامُ	خوب جاننے والے ہیں	اِنْ تُعَذِّبْهُمْ	اگر سزا دیں آپ ان کو	فِيْهَآ	ان میں
الْغُيُوْبِ	چھپی باتوں کو	فَاِنَّهُمْ	پس بے شک وہ	اَبَدًا	سدا

(۱) تَوَفَّيْتَ: تَوَفِّيْ سے ماضی، صیغہ واحد مذکر حاضر، ن وقایہ، ی ضمیر واحد متکلم، تَوَفِّيْ کے اصل معنی: پورا لینا، رفع، موت اور نیند: تینوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے، تفصیل کے لئے دیکھیں: ہدایت القرآن ۱:۲۱۶) (۲) شہادت کے مفہوم میں واقف ہونا ہے۔

رَضِیَ	خوش ہوئے	الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ	بڑی کامیابی ہے	وَمَا فِیْهِنَّ	اور اس کی جو ان میں ہے
اللهُ	اللہ تعالیٰ	لِلّٰهِ	اللہ کے لئے ہے	وَهُوَ	اور وہ
عَنْهُمْ	ان سے	مُلْكُ	حکومت	عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ	ہر چیز پر
وَرَضُوْا عَنْهُ	اور خوش ہوئے وہ ان سے	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں کی	قَدِیْرٌ	پوری قدرت والے
ذٰلِكَ	یہ	وَالْاَرْضِ	اور زمین کی		ہیں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت بھی توحید پر قائم نہ رہ سکی

گذشتہ رکوع اس آیت سے شروع ہوا ہے: ﴿ یَوْمَ یَجْمَعُ اللهُ الرُّسُلَ ﴾: جب میدان قیامت میں تمام رسول اکٹھا ہونگے تو ان کی امتوں کو سنانے کے لئے اللہ تعالیٰ تمام رسولوں سے سوال کریں گے: "جب تم نے لوگوں کو توحید کی دعوت دی تو کیا جواب ملا؟" اس وقت کسی رسول میں ہمت نہیں ہوگی کہ جواب دے سکے، جیسے سورۃ المؤمن میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل محشر سے سوال کریں گے: ﴿ لِمَنِ الْمُلْكُ الْیَوْمَ ﴾: بتاؤ آج کس کی بادشاہت ہے؟ کوئی جواب دینے والا نہ ہوگا، خود ہی ارشاد فرمائیں گے: ﴿ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴾: ایک غالب اللہ ہی کی حکومت ہے! —— اسی طرح انبیائے کرام عرض کریں گے: "ہمیں کچھ خبر نہیں! آپ ہی سب چھپی باتوں کو خوب جانتے ہیں!" —— یہی سوال قیامت کے دن دوسرے انداز میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ہوگا کہ آپ نے لوگوں کو یہ تعلیم دی تھی کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ سے نیچے معبود بنالو، یعنی آپ نے لوگوں کو شرک کی تعلیم دی تھی، جس کو آج عیسائی اپنائے ہوئے ہیں؟ عیسیٰ علیہ السلام اس کا جواب دیں گے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے جواب ان کے سامنے کردیا ہے، یہ بات ترمذی شریف کی حدیث (نمبر ۳۰۸۶) میں آئی ہے، آخر زمانہ میں جب عیسیٰ علیہ السلام زمین پر اتریں گے، اور اللہ تعالیٰ ان کو قرآن وحدیث سکھلائیں گے تو یہ جواب ان کے علم میں آئے گا، اور وہ یہی جواب دیں گے۔

جاننا چاہئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت صرف بنی اسرائیل کے لئے ہوئی تھی، سورۃ الصف میں اس کی صراحت ہے، عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی گمراہیوں کی اصلاح کرنی چاہی، مگر کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا، صرف بارہ حواریوں نے ان کی دعوت قبول کی، پھر ان کی محنت سے عیسائیت کو فروغ نصیب ہوا، سورۃ الصّف کی آخری آیت میں اس کا بیان ہے، مگر کچھ ہی عرصہ بعد عیسائیوں میں توحید کی جگہ تثلیث نے لے لی، شروع میں تیسرا عنصر حضرت مریم تھیں، بعد میں اس کی جگہ روح القدس نے لے لی۔

چنانچہ میدانِ قیامت میں عیسیٰ علیہ السلام سے سوال ہوگا کہ کیا آپ نے لوگوں کو یہ تعلیم دی تھی کہ مجھے اور میری ماں کو خدا

کے سوا معبود مانو؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جواب دیں گے: آپ کی ذات پاک ہے یعنی خدائی میں آپ کا کوئی شریک وسہیم نہیں، پھر میں ایسی نازیبا بات کیسے کہہ سکتا ہوں؟ مجھ کو لائق نہیں کہ میں ایسی بات کہوں جس کے کہنے کا مجھے کوئی حق نہیں، اگر میں نے ایسی بات کہی ہوتی تو وہ آپ کے علم میں ہوتی، آپ جو کچھ میرے جی میں ہے اس کو جانتے ہیں، اور میں اس کو نہیں جانتا جو آپ کے جی میں ہے، بیشک آپ ہی چھپی باتوں کو خوب جاننے والے ہیں، میں نے تو ان سے بس یہ بات کہی تھی جس کے کہنے کا آپ نے مجھ کو حکم دیا تھا کہ اللہ کی بندگی کرو، جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی، اور میں ان کے احوال سے باخبر رہا جب تک میں ان میں رہا، یعنی میری دنیا میں موجودگی تک کسی نے مجھے اور میری ماں کو معبود نہیں بنایا، پھر جب آپ نے مجھے اٹھالیا تو آپ ہی ان کے نگہبان تھے، اور آپ تو ہر چیز کے نگہبان ہیں، اگر آپ ان کو سزا دیں تو وہ آپ کے بندے ہیں یعنی آپ کو سزا دینے کا پورا حق ہے، اور اگر آپ ان کو معاف فرمادیں تو آپ زبردست حکمت والے ہیں۔

یہ سوال و جواب قرآنِ کریم میں دو مقاصد سے نازل کئے گئے ہیں:

پہلا مقصد: جو ظاہر ہے کہ دنیا میں یہ سوال و جواب عیسائیوں کو سنائے گئے ہیں، تاکہ ان کو معلوم ہوجائے کہ وہ جس کو معبود مان رہے ہیں وہ تو خود قیامت کے دن اپنی بندگی کا اقرار کریں گے، اور ان کی بہتان تراشی سے براءت ظاہر کریں گے۔

دوسرا مقصد: جو دقیق ہے، اور وہ حدیث میں آیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے ان کا جواب دنیا ہی میں کردیا گیا تاکہ وہ اس کو لے لیں، اور قیامت کے دن جب انتہائی خوف ناک منظر ہوگا، وہ بے خوف ہوکر یہ جواب عرض کریں۔

فائدہ: اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزولِ قرآن کے بعد دنیا میں تشریف لائیں گے، جبھی ان کے سامنے ان کا یہ جواب آئے گا، آپ نزول کے بعد قرآنِ کریم پڑھیں گے، اور اپنے اس جواب سے واقف ہونگے، اور قیامت کے دن یہ جواب عرض کریں گے، ورنہ اللہ کے علاوہ کوئی عالم الغیب نہیں، پھر ان کو کیسے اپنے اس جواب کا علم ہوگا؟

دنیا سے تشریف بری کے بعد انبیاء علیہم السلام کو امت کے احوال کی خبر نہیں ہوتی

انبیاء علیہم السلام عالم الغیب نہیں، جب تک وہ دنیا میں رہتے ہیں امت کے احوال سے واقف رہتے ہیں، اسی لئے قیامت کے دن وہ اپنے زمانہ کے لوگوں پر گواہ بنیں گے، پھر جب وہ دنیا سے گذر جاتے ہیں تو امت کن احوال سے گذرتی ہے: اس کا انبیاء کو علم نہیں ہوتا ـــــ رہا عرضِ اعمال تو وہ اجمالاً ہوتا ہے، ہر ہر امتی کے احوال تفصیل سے نہیں بتائے جاتے ـــــ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی یہی عرض کریں گے کہ میں جب تک ان میں رہا ان کے احوال سے واقف رہا، پھر جب آپ نے مجھے اٹھالیا تو مجھے پیچھے کی کچھ خبر نہیں ـــــ اور حدیث میں ہے کہ فرشتے نبی ﷺ سے عرض کریں

گے: یہ لوگ برابر اپنی ایڑیوں پر پلٹتے رہے جب سے آپ ان سے جدا ہوئے، پس نبی ﷺ وہی بات کہیں گے جو عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے۔

انبیاء آخرت میں کفار و مشرکین کے حق میں کلمۂ خیر کہیں گے، مگر وہ قبول نہیں کیا جائے گا

﴿ اِنۡ تُعَذِّبۡهُمۡ فَاِنَّهُمۡ عِبَادُكَ ﴾ الآیۃ کلمۂ خیر ہے، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی تثلیث کی قائل امت کے حق میں کہیں گے، مگر وہ قبول نہیں کیا جائے گا، ہمارے نبی ﷺ بھی اپنی امتِ دعوت کے حق میں یہی کلمہ کہیں گے اور حوضِ کوثر سے جب مرتدین کو ہٹایا جائے گا تو آپ فرمائیں گے: یہ میرے صحابہ ہیں! ان کو آنے دو، مگر فرشتے نہیں آنے دیں گے، کلمہ خیر ان کے حق میں مفید نہیں ہوگا، عیسیٰ علیہ السلام کو جواب ملے گا: جو لوگ اہل ایمان ہیں، اعتقاداً، قولاً اور عملاً سچے ہیں ان کی سچائی کا پھل ان کو ملے گا، ان کو ایسے باغات میں داخل کیا جائے گا جن میں نہریں بہتی ہیں، اس لئے وہ سدا بہار ہیں، اہل ایمان ان میں ہمیشہ رہیں گے، کبھی وہاں سے نکلنا نہ ہوگا، اور وہاں سب سے بڑی نعمت رضائے الٰہی ہوگی، اور جنتی بھی اللہ کی رضا پر مگن ہونگے، یہی سب سے بڑی کامیابی ہے!

اللہ تعالیٰ شہنشاہِ مطلق ہیں

کائنات کی حکومت اللہ تعالیٰ ہی کی ہے، فی الحال لوگوں کی جو مجازی ملکیتیں ہیں جزاء کے دن سب ختم ہو جائیں گی: ﴿ مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ ﴾ جزاء کے دن اللہ ہی مالک رہ جائیں گے، اللہ تعالیٰ اس دن مکلف مخلوقات (جن وانس) کے ساتھ کیا معاملہ کریں گے؟ اس کا تذکرہ قرآنِ کریم میں بار بار آیا ہے، سورۃ النساء میں دو جگہ ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغۡفِرُ اَنۡ يُّشۡرَكَ بِهٖ وَيَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِكَ لِمَنۡ يَّشَآءُ ﴾: جس نے اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود بنایا ہے اس کی ہرگز بخشش نہیں ہوگی، اس کے حق میں کسی کا کلمۂ خیر (سفارش) نہیں سنا جائے گا، آیت الکرسی میں ہے: ﴿ مَنۡ ذَا الَّذِىۡ يَشۡفَعُ عِنۡدَهٗۤ اِلَّا بِاِذۡنِهٖ ﴾: کون ہے جو بے اجازت اللہ کے سامنے سفارش کرے؟ کوئی نہیں! اور کفار و مشرکین کے حق میں سفارش کی اجازت نہیں ملے گی، اور نیک مؤمنین نہال کر دیئے جائیں گے، اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں، وہ اپنی مخلوق کے حق میں جو چاہیں فیصلہ فرمائیں، کوئی ان کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں۔

﴿ وَاِذۡ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ ءَاَنۡتَ قُلۡتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوۡنِىۡ وَاُمِّىَ اِلٰهَيۡنِ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ﴾

ترجمہ: (اللہ پاک کا قیامت کے دن عیسیٰ علیہ السلام سے سوال:) اور (یاد کرو) جب اللہ تعالیٰ دریافت فرمائیں گے: اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! کیا آپ نے لوگوں سے کہا تھا: مجھے اور میری ماں کو اللہ سے نیچے دو معبود بنالو؟

﴿قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۗ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ؕ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝﴾

ترجمہ: (عیسیٰ علیہ السلام کا جواب:) وہ جواب دیں گے: آپ کی ذات (شرک سے) پاک ہے! میرے لئے زیبا نہیں کہ میں وہ بات کہوں جس کا مجھے کوئی حق نہیں! اگر میں نے وہ بات کہی ہوتی تو اس کو آپ جانتے ہوتے، آپ میرے دل کی باتیں جانتے ہیں، اور میں آپ کے جی کی باتیں نہیں جانتا، آپ ہی چھپی باتوں کو خوب جاننے والے ہیں، میں نے ان سے وہی بات کہی تھی، جس کے کہنے کا آپ نے مجھے حکم دیا تھا کہ اللہ کی عبادت کرو، جو میرے پروردگار ہیں اور تمہارے پروردگار ہیں! اور میں ان کے احوال سے باخبر رہا جب تک میں ان میں رہا، پھر جب آپ نے مجھے پورا لے لیا تو آپ ہی ان کے نگہبان رہے! اور آپ ہر چیز سے پوری طرح باخبر ہیں!

﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝﴾

ترجمہ: (عیسیٰ علیہ السلام کا قائلین تثلیث کے حق میں کلمۂ خیر:) اگر آپ ان کو سزا دیں تو وہ آپ کے بندے ہیں، اور اگر آپ ان کو بخش دیں تو آپ ہی یقیناً زبردست بڑی حکمت والے ہیں!

﴿قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝﴾

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ نے کلمۂ خیر قبول نہیں فرمایا:) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آج کے دن سچوں (نیک مؤمنوں) کو ان کا سچ (ایمان و عمل صالح) سودمند ہوگا، ان کے لئے ایسے باغات ہیں جن میں نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے، اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہونگے، اور وہ اللہ تعالیٰ سے خوش ہونگے، یہی بڑی کامیابی ہے!

﴿لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ؕ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝﴾

ترجمہ: (سفارش قبول نہ کرنا قادر مطلق کا فیصلہ ہے:) اللہ ہی کے لئے حکومت ہے آسمانوں کی اور زمین کی، اور ان چیزوں کی جو ان میں ہیں، اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں!

﴿بحمد اللہ تعالیٰ! آج ۱۴ / ربیع الثانی ۱۴۳۹ھ مطابق ۲ / جنوری ۲۰۱۸ء کو سورۃ المائدہ کی تفسیر پوری ہوئی﴾

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بے حد مہربان بڑے رحم والے ہیں

سورۃ الانعام

سورت نمبر ٦ رکوع ۲۰ آیتیں ١٦٥ نزول کی نوعیت مکی نزول کا نمبر ۵۵

الأنعام: النَّعَم کی جمع ہے، جس کے معنی ہیں: مویشی، پالتو چوپایے، اس سورت میں اَنعام کی حلت وحرمت کا بیان اور اہل مکہ کے بعض مشرکانہ خیالات اور ان کی خودساختہ رسموں کی تردید ہے: اس لئے اس کا نام الأنعام رکھا گیا ہے، پس یہ جزء سے کل کا نام رکھا ہے، اور متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ یہ پوری سورت ایک ساتھ نازل ہوئی ہے، اور اس کی اہمیت اس بات سے ظاہر ہے کہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام اس سورت کو لے کر اترے تو ان کے جلو میں ستر ہزار فرشتے تھے، جو سب تسبیح پڑھ رہے تھے۔

یہ پوری سورت مکی ہے، البتہ چند آیات مدینہ میں نازل ہوئی ہیں، جیسے آیت ۹۱ جس میں یہود سے خطاب ہے، اور یہ مکی دور کے وسط میں نازل ہوئی ہے، اس کا نزول کا نمبر ۵۵ ہے، مکی سورتیں کل ۸۵ ہیں، یہ دور سخت مخالفت کا تھا، مشرکوں نے مسلمانوں کے لئے مکہ مکرمہ میں جینا حرام کر رکھا تھا، مجبور ہو کر صحابہ حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے۔

اس سورت میں تسلسل اور غیر معمولی ارتباط پایا جاتا ہے، البتہ اس کا انداز دوسری سورتوں سے قدرے مختلف ہے، یہ سورت اسلام کے تین بنیادی عقائد: توحید، رسالت اور آخرت کے بیان سے شروع ہوئی ہے، سورۃ المائدۃ توحید کے بیان پر تمام ہوئی ہے، یہ سورت اسی مضمون سے شروع ہوئی ہے۔

اور حضرت الاستاذ شیخ محمود عبد الوہاب محمود مصری قدس سرہ (مبعوث الازہر) نے ایک کلمہ میں اس سورت کی خصوصیت بیان کی ہے، فرمایا: الأنعامُ فی الغدیر: مویشی تالاب میں! بھینس جب تالاب میں گھستی ہے تو نکلتی نہیں، اس سورت میں بھی اگر متشابہ لگ جائے یا حصر واقع ہو جائے تو جب تک لقمہ نہ ملے حافظ آگے نہیں چل سکتا، اسی طرح اس کی ہر آیت میں نیا مضمون ہوتا ہے، پس ربط بھی غور سے سمجھ میں آئے گا۔

"اس سورت کا قابل ذکر پہلو یہ ہے کہ اس میں ایمانیات اور عقائد پر خصوصی توجہ دی گئی ہے، اللہ کے وجود اور اللہ کی توحید وصفات پر ان نشانیوں سے استدلال کیا گیا ہے، جو انسان کے وجود میں چھپی ہوئی اور کائنات میں پھیلی ہوئی ہیں، نبوت اور وحی کے نظام کو عقل اور محسوسات سے ثابت کیا گیا ہے اور مشرکین کے شبہات کا رد کیا گیا ہے، اسی طرح آخرت پر بھی عقلی دلیلیں پیش کی گئی ہیں، اس سورت میں ایک بنیادی بات یہ کہی گئی ہے کہ دین حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر محمد ﷺ تک ایک ہی رہا ہے، یعنی اسلام 'وحدت دین' کا قائل ہے، نہ کہ 'وحدت ادیان' کا، غرض کہ یہ سورہ ایمانیات اور ان کے دلائل و براہین کے اعتبار سے امتیازی شان رکھتی ہے" (آسان تفسیر، مولانا خالد سیف اللہ)

آیاتہا ۱۶۵ (۶) سُوْرَةُ الْاَنْعَامِ مَكِّيَّةٌ (۵۵) رکوعاتہا ۲۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۬ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا ۭ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ۝ وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ۭ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ۝

اَلْحَمْدُ (۱)	تمام تعریفیں	كَفَرُوْا	اسلام کو قبول نہیں کیا	ثُمَّ اَنْتُمْ	پھر (بھی) تم
لِلّٰهِ	اللہ کے لئے ہیں	بِرَبِّهِمْ	اپنے پروردگار کے ساتھ	تَمْتَرُوْنَ (۳)	شک کرتے ہو!
الَّذِيْ	جس نے	يَعْدِلُوْنَ (۲)	برابر ٹھہراتے ہیں!	وَهُوَ اللّٰهُ	اور وہی اللہ (معبود) ہیں
خَلَقَ	پیدا کیا	هُوَ الَّذِيْ	وہی ہیں جنھوں نے	فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں
السَّمٰوٰتِ	آسمانوں کو	خَلَقَكُمْ	تم کو پیدا کیا	وَفِي الْاَرْضِ	اور زمین میں
وَالْاَرْضَ	اور زمین کو	مِّنْ طِيْنٍ	مٹی سے	يَعْلَمُ	جانتے ہیں وہ
وَجَعَلَ	اور بنایا	ثُمَّ قَضٰٓى	پھر فیصلہ کیا	سِرَّكُمْ	تمہارے چھپے کو
الظُّلُمٰتِ	اندھیروں (رات) کو	اَجَلًا	ایک مقررہ وقت (موت) کا	وَجَهْرَكُمْ	اور تمہارے کھلے کو
وَالنُّوْرَ	اور اجالے (دن) کو	وَاَجَلٌ مُّسَمًّى	اور ایک دوسرا مقررہ وقت ہے	وَيَعْلَمُ	اور جانتے ہیں وہ
ثُمَّ الَّذِيْنَ	پھر (بھی) جن لوگوں نے	عِنْدَهٗ	ان کے پاس	مَا تَكْسِبُوْنَ	جو کچھ تم کرتے ہو

اللہ کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

توحید کا بیان

عالَم: ما سوی اللہ: اللہ کے علاوہ جو کچھ بھی ہے اس کا نام عالَم ہے، اس کو کائنات بھی کہتے ہیں، اس کی بنیادی حصے

(۱) الحمد: پر الف لام استغراقی ہیں، اس کا ترجمہ ہے: سب، تمام (۲) یعدلون: عَدْل سے مضارع باب ضرب: برابر کرنا یعنی الوہیت میں کسی چیز کو اللہ کے برابر ٹھہرانا، یہی انصاف (آدھا آدھا) کرنا ہے (۳) تمترون: اِمْتِرَاءٌ: کسی ایسی چیز کے بارے میں جھگڑنا جس میں تردد ہو، المِرْیَة: جھگڑا، ما فیه مِرْیَة: اس میں کوئی جھگڑا/شک نہیں۔

دو ہیں: عالم بالا اور عالم زیریں، آسمانوں سے اوپر عالم بالا ہے، اس میں جنت وجہنم ہیں، اور عالم زیریں میں نظام شمسی ہے، جس کا ایک حصہ ہماری زمین ہے، اور اس میں انسان آباد ہیں۔

تقریباً تمام انسان متفق ہیں کہ کائنات اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے، ان کے سوا کوئی خالق نہیں، البتہ مجوسی (آتش پرست) یہ مانتے ہیں کہ خالق دو ہیں: یزداں اور اہرمن، اول خیر کا خالق ہے، اور ثانی شر کا، اور مسلمانوں میں معتزلہ انسان کو اپنے افعالِ اختیاریہ کا خالق مانتے ہیں، اور دہریئے (ملحد، لامذہب) عالم کو خودکار (Automatic) مانتے ہیں، باقی سب لوگ اللہ تعالیٰ ہی کو عالم کا خالق مانتے ہیں، اور جو خالق ہوگا وہی مالک ہوگا، اور جو مالک ہوگا وہی اپنی مخلوقات کی روزی روٹی کا انتظام کرے گا، اور جو پروردگار ہوگا وہی معبود ہوگا، یہ بالکل موٹی سی بات ہے، جس کا انکار بے عقلی کی بات ہے۔

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ﴾ میں توحید الوہیت کا بیان ہے، حمد (تعریف) کسی کمال پر کی جاتی ہے، اور تمام کمالات بالذات اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، دوسروں کو جو بھی کمال ملا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی دَین ہے، اور سب سے بڑا کمال الوہیت ہے، پس وہ بھی اللہ کے ساتھ خاص ہوگا، دوسرا کوئی ان کی الوہیت میں شریک وسہیم نہیں ہوگا۔

دلائل توحید:

اللہ تعالیٰ نے عالم زیریں میں آسمان وزمین بنائے، اس میں نظامِ شمسی رکھا، جس سے شب وروز کا نظام وابستہ ہے، اندھیرا یعنی رات مقدم ہے، اور اجالا یعنی دن مؤخر ہے، اسلامی کلینڈر میں اسی طرح ہے، سورج کے وجود میں آنے سے پہلے زمین پر اندھیرا تھا، پھر سورج کے پرتو سے زمین روشن ہوئی، اور رات دن کا نظام وجود میں آیا، سوچو! یہ اللہ تعالیٰ کا انسانوں پر کتنا بڑا احسان ہے! اگر رات سرمد ہوتی، رات کے بعد دن نہ آتا تو زمین کی ہر چیز ٹھٹھر جاتی، اور دھوپ سرمد ہوتی، اس کے بعد رات نہ آتی تو زمین کی ہر چیز تپش سے جل جاتی، یہی پروردگار اللہ کی معبودیت کی دلیل ہے، پھر جو لوگ دعوتِ اسلام قبول نہیں کرتے وہ اللہ کی مخلوقات کو اللہ کے 'ہم سر' قرار دیتے ہیں، اور ان کے سامنے نذرانہ عقیدت (عبادت) پیش کرتے ہیں، یہ کیسی بے انصافی کی بات ہے؟

پھر غور کرو! اللہ تعالیٰ نے انسان کو مٹی سے بنایا ہے، زمین کی ہر چیز مٹی سے بنی ہوئی ہے، تخلیق کی نوعیتیں مختلف ہیں، تمام حیوانات ونباتات مختلف طرح سے بنائے گئے ہیں، ہمارے جد امجد راست مٹی سے پیدا کئے گئے تھے، پھر ان کی ذریت کو مٹی کے ست (جوہر) سے پیدا کیا، اس طرح کہ زمین سے پیدا ہونے والی غذا انسان نے کھائی اس سے اس کے بدن میں خون بنا، یہ زمین کا ست (نچوڑ) ہے، پھر خون سے مادّہ بنا، مادہ رحم مادر میں پہنچ کر علقة: خونِ بستہ بنا، پھر وہ مضغة: گوشت کی بوٹی بنا، پھر گوشت میں ہڈیاں ابھریں، پھر ہڈیوں پر باقی گوشت چڑھا، تو اشرف المخلوقات انسان وجود

میں آ گیا، پھر اس کی دنیوی زندگی کے لئے ایک وقت مقرر کیا، جس پر اس کو دنیا سے چل دینا ہے، یہ فرد کی قیامت ہے، حدیث میں ہے: من مات فقد قامت قیامته: اسی طرح عالم زیریں کے خاتمہ کے لئے بھی ایک وقت مقرر کیا ہے، مگر اس کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں، البتہ لوگ قیامتِ صغری کا مشاہدہ کرتے ہیں، مگر قیامتِ کبری کو ماننے کے لئے تیار نہیں، پڑیں ایسی عقلوں پر پتھر!

پھر جب اس عالم کے ختم ہونے کا وقت آئے گا، اور تمام انسانوں کو عالم بالا میں منتقل کیا جائے گا تو کس کو کہاں رکھا جائے گا؟ اس دنیا میں تو سب رلے ملے ہیں، اللہ کے ماننے والے اور انکار کرنے والے ایک ساتھ آباد ہیں، مگر دوسری دنیا میں حکم ہوگا: ﴿ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴾: اے گنہ گارو! آج (اہل ایمان سے) جدا ہو جاؤ، کھیت تیار کر نکمی گھاس کوڑی پر ڈالی جاتی ہے، اور کار آمد کھیتی کھلیان میں پہنچادی جاتی ہے، اسی طرح بدکردار دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے، اور نیکوکار باغات میں عیش کریں گے، اور یہ فیصلے اللہ تعالیٰ اپنے علم کے مطابق کریں گے، وہ انسانوں کے کھلے چھپے سے واقف ہیں، اور لوگ جو کچھ کر رہے ہیں اس سے بھی واقف ہیں، بھلا جس نے پیدا کیا ہے وہ اپنی مخلوق کے احوال سے واقف نہیں ہوگا؟ یہی اللہ تعالیٰ عالم بالا میں بھی معبود ہیں، اور عالم زیریں میں بھی، پس لوگوں کو چاہئے کہ اسی ایک خدا کی بندگی کریں: لا إله إلا الله: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں!

آیاتِ پاک: تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جنھوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ـــــ یعنی عالم زیریں بنایا ـــــ اور اندھیرا اور اجالا بنایا ـــــ یعنی اس میں شب و روز کا نظام جاری کیا، یہ ماسیق لاجلہ الکلام ہے، مگر الفاظ عام ہیں، اس لئے علم وجہل، ہدایت وضلالت، موت وحیات: تمام متقابل کیفیات اور متضاد احوال بھی مراد ہیں ـــــ پھر (بھی) منکرین اسلام (مورتیوں کو) اپنے پروردگار کے برابر قرار دیتے ہیں! ـــــ وہی وہ ہیں جنھوں نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر (حیاتِ دنیوی کی) ایک مدت ٹھہرائی، اور ایک دوسری مقررہ مدت ان کے علم میں ہے، پھر (بھی) تم لوگ شک میں مبتلا ہو! ـــــ اور وہی اللہ (معبود) ہیں آسمانوں میں اور زمین میں، وہ تمہارے چھپے کھلے کو جانتے ہیں، اور تم جو کچھ کرتے ہو اس کو بھی جانتے ہیں! ـــــ اسی علم کے مطابق آخرت میں فیصلے ہونگے۔

وَمَا تَأْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۝ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاۗءَهُمْ ۭ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰۗؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ

وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا ۪ وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝۶ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۭ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۝۸ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝۹

وَمَا تَاْتِيْهِمْ	اور نہیں پہنچتی ان کو	مَا كَانُوْا بِهٖ	اس کی جو تھے وہ اس کا	الْاَنْهٰرَ	نہروں کو
مِّنْ اٰيَةٍ (۱)	کوئی آیت	يَسْتَهْزِءُوْنَ	ٹھٹھا کرتے	تَجْرِيْ	بہتی ہیں
مِّنْ اٰيٰتِ	آیات میں سے	اَلَمْ يَرَوْا	کیا نہیں دیکھا انھوں نے	مِنْ تَحْتِهِمْ (۵)	ان کے نیچے سے
رَبِّهِمْ	ان کے ربّ کی	كَمْ اَهْلَكْنَا	کتنی ہلاک کیں ہم نے	فَاَهْلَكْنٰهُمْ	پس برباد کیا ہم نے ان کو
اِلَّا كَانُوْا	مگر ہیں وہ	مِنْ قَبْلِهِمْ	ان سے پہلے	بِذُنُوْبِهِمْ	انکے گناہوں کی وجہ سے
عَنْهَا	اس سے	مِّنْ قَرْنٍ	صدیاں	وَاَنْشَاْنَا	اور پیدا کی ہم نے
مُعْرِضِيْنَ	منہ پھیرنے والے	مَّكَّنّٰهُمْ	جمایا ہم نے ان کو	مِنْۢ بَعْدِهِمْ	ان کے بعد
فَقَدْ	پس بالیقین	فِي الْاَرْضِ	زمین میں	قَرْنًا	صدی
كَذَّبُوْا	جھٹلایا انھوں نے	مَا لَمْ نُمَكِّنْ	وہ جو نہیں جمایا ہم نے	اٰخَرِيْنَ	دوسری
بِالْحَقِّ (۲)	دین حق کو	لَّكُمْ	تم کو	وَلَوْ نَزَّلْنَا	اور اگر اتارتے ہم
لَمَّا جَآءَهُمْ	جب پہنچا وہ ان کو	وَاَرْسَلْنَا	اور چھوڑا ہم نے	عَلَيْكَ	آپ پر
فَسَوْفَ	پس عنقریب	السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ	آسمان کو ان پر	كِتٰبًا	کوئی کتاب
يَاْتِيْهِمْ	پہنچیں گی ان کو	مِّدْرَارًا (۴)	موسلا دھار	فِيْ قِرْطَاسٍ	کاغذ میں
اَنْۢبٰٓؤُا (۳)	خبریں	وَّجَعَلْنَا	اور بنایا ہم نے	فَلَمَسُوْهُ	پس چھوتے وہ اس کو

(۱) آیۃ سے مراد اللہ کی بات ہے، خواہ کسی آسمانی کتاب کی ہو (۲) بالحق: ای بالدین الحق (۳) أنباء: نبأ کی جمع: خبر، یعنی پیشین گوئی (۴) مِدْرار: صیغۂ مبالغہ، دَرٌّ: مصدر واسم: بہت برسنے والا، اصل معنی ہیں: دودھ کی کثرت (۵) من تحتهم: ان کے علاقہ میں۔

بِاَیۡدِیۡهِمۡ	اپنے ہاتھوں سے	لَوۡلَاۤ اُنۡزِلَ	کیوں نہیں اتارا گیا	وَلَوۡ جَعَلۡنٰهُ	اور اگر بناتے ہم اس کو
لَقَالَ	تو کہتے	عَلَيۡهِ	اس پر	مَلَكًا	فرشتہ
الَّذِيۡنَ	وہ لوگ جنھوں نے	مَلَكٌ	کوئی فرشتہ	لَّجَعَلۡنٰهُ	تو ضرور بناتے ہم اس کو
كَفَرُوۡۤا	نہیں مانا	وَلَوۡ اَنۡزَلۡنَا	اور اگر اتارتے ہم	رَجُلًا	آدمی
اِنۡ هٰذَاۤ	نہیں ہے یہ	مَلَكًا	کوئی فرشتہ	وَّلَلَبَسۡنَا (۱)	اور ضرور مشتبہ کرتے ہم
اِلَّا سِحۡرٌ	مگر جادو	لَّقُضِىَ	ضرور فیصلہ کر دیا جاتا	عَلَيۡهِمۡ	ان پر
مُّبِيۡنٌ	کھلا	الۡاَمۡرُ	معاملہ کا	مَّا يَلۡبِسُوۡنَ	جس شبہ میں وہ پڑے
وَقَالُوۡا	اور کہا انھوں نے	ثُمَّ لَا يُنۡظَرُوۡنَ	پھر وہ ڈھیل نہ دیئے جاتے		ہوئے ہیں

لوگوں نے ہمیشہ توحید کی دعوت ٹھکرائی!

آج قریش توحید کی دعوت ٹھکرا رہے ہیں، یہ کوئی نئی بات نہیں، جب بھی کوئی رسول مبعوث ہوئے ہیں، اور ان پر وحی نازل ہوئی ہے، اور انھوں نے لوگوں کو ایک اللہ کی بندگی کی دعوت دی ہے تو لوگوں نے اس بات کو قبول نہیں کیا، اور اللہ کی آیات سے منہ موڑا، جبکہ ادیانِ سماوی کا بنیادی مسئلہ توحید ہے، اور یہی انسانوں کی روحانی ضرورت ہے، اور اللہ تعالیٰ پروردگارِ عالم ہیں، وہ مخلوقات کی ہر ضرورت پوری کرتے ہیں، دیگر مخلوقات کی تو صرف مادی ضروریات ہیں، جس کا اللہ نے انتظام کیا ہے، اور انسانوں کی مادی ضرورتیں بھی ہیں اور روحانی بھی، مادی ضروریات پوری کرنے کے لئے اس کو عقل دی ہے، جس سے وہ اپنی ضرورتیں پوری کرتے ہیں، اور روحانی ضرورت کی تکمیل کے لئے رسالت و نبوت کا سلسلہ قائم کیا ہے، انسان عقل سے اپنی یہ ضرورت پوری نہیں کرسکتا، ورنہ انسانوں میں مذاہب کا اختلاف نہ ہوتا، اللہ کی معرفت اور اللہ ہی کا معبود ہونا وحی کے ذریعہ ہی معلوم ہوسکتا ہے، مگر ہائے افسوس! رسولوں کی امتیں ہمیشہ اس دعوت سے منہ موڑتی رہی ہیں۔

﴿وَمَا تَاۡتِيۡهِمۡ مِّنۡ اٰيَةٍ مِّنۡ اٰيٰتِ رَبِّهِمۡ اِلَّا كَانُوۡا عَنۡهَا مُعۡرِضِيۡنَ ۝۴﴾

ترجمہ: اور نہیں پہنچتی لوگوں کو کوئی آیت ان کے پروردگار کی آیتوں میں سے، مگر وہ اس سے روگردانی کرنے والے ہیں۔

توحید کی دعوت ٹھکرانے والوں کو سزا مل کر رہے گی!

اللہ کی آیات جو دعوتِ توحید پر مشتمل ہیں: ان کی ہنسی اڑانے والوں کو سزا مل کر رہے گی، انکار توحید پر جو وعیدیں ان کو

(۱) لَبَسَ عليه: باب ضرب: معاملہ مشتبہ کرنا، مخلوط کرنا، گڑبڑ کرنا۔

سنائیں گئی ہیں، وہ واقعہ بن کر رہیں گی، اس وقت استہزاء کا انجام سامنے آجائے گا، آیت پاک میں 'حق' سے مراد دین حق ہے، اور دین حق کا بنیادی عقیدہ توحید ہے، اس کے منکرین کو بتلایا ہے کہ تم جس وعید (ہلاکت) پر ہنستے ہو، آوازے کستے ہو، وہ جب واقعہ بن کر تمہارے سامنے آئے گی تو تمہارے ہاتھوں کے طوطے اڑ جائیں گے، اور تم چہ می کنم؟ میں پڑ جاؤ گے، اس وقت افسوس سے کیا فائدہ ہوگا؟ آج بات مان لو تب بات ہے!

﴿فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۭ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰۗـؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: پس بالتحقیق انھوں نے (قریش نے) دین حق کو (جو دعوتِ توحید پر مشتمل ہے) جھٹلایا جب وہ ان کو پہنچا، پس عنقریب ان کو پہنچے گی اس (وعید) کی حقیقت جس کی وہ ہنسی اڑایا کرتے تھے!

ہمیشہ آیات اللہ کا استہزاء کرنے والے ہلاک کئے گئے ہیں

سنت اللہ یہ ہے کہ جب کوئی رسول مبعوث کئے جاتے ہیں، اور لوگ ان کی بات قبول نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ ان کو اولاً سخت حالات سے دوچار کرتے ہیں، تاکہ وہ ڈھیلے پڑیں، اور ایمان لائیں، مگر جب وہ سیدھے نہیں ہوتے تو بدحالی کی جگہ خوش حالی لے لیتی ہے، تاکہ وہ اللہ کا شکر بجالائیں، اور ایمان لائیں، پس لوگ خوب بڑھ جاتے ہیں، ان کی نفری زیادہ ہوجاتی ہے، اور وہ گذشتہ بدحالی کو زمانہ کا الٹ پھیر قرار دیتے ہیں، اور کتّے کی دُم ٹیڑھی ہی نکلتی ہے، تو اچانک عذاب ان کو آپکڑتا ہے، اور ان کو کیفر کردار تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ سورۃ الاعراف (آیت ۹۴و۹۵) میں اس سنت الٰہی کا تذکرہ ہے۔

مثلاً: زمانہ ماضی میں کتنی ہی امتیں: عاد وثمود وغیرہ: جن کو موجودہ کفار (قریش) سے زیادہ قوت وطاقت اور سازوسامان حاصل تھا، بارشیں خوب برستی تھیں، نہریں رواں دواں تھیں، کھیت اور باغ سرسبز وشاداب تھے، اور عیش وآرام اور خوش حالی کا دور دورہ تھا، مگر جب انھوں نے رسولوں کی دعوت توحید قبول نہ کی، اور اللہ کی باتوں کا مذاق اڑایا تو اللہ نے ان کو ان کے جرموں کی پاداش میں پکڑ لیا، اور ان کا نام ونشان مٹ گیا، اور ان کی جگہ دوسری امت نے لے لی، اللہ کا کچھ نقصان نہیں ہوا، دنیا آباد رہی۔

آج بھی اگر قریش شرک پر اڑے رہیں گے، آیات اللہ کا ٹھٹھا کریں گے تو مجرمین بتاہ ہونگے، اور دوسرے لوگ (انصار) ان کی جگہ لے لیں گے، اور رسول کی دعوت چار دانگِ عالم پھیل کر رہے گی۔

﴿اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَاۗءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا ۠ وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝۶﴾

ترجمہ: کیا نہیں دیکھا انھوں نے کتنی ہلاک کیں ہم نے ان سے پہلے امتیں، جن کو ہم نے زمین میں جمایا تھا جیسا ہم نے تم کو (اے قریش!) نہیں جمایا، اور ہم نے ان پر آسمان سے موسلا دھار پانی برسایا، اور ہم نے ان کے علاقے میں نہریں بہائیں، پس ہم نے ان کو ان کے گناہوں کی پاداش میں برباد کردیا، اور ہم نے ان کے بعد دوسری امت پیدا کردی۔

مانگا ہوا معجزہ کیوں نہیں دکھایا جاتا؟

جواب: اس لئے کہ اس کا دکھانا بے فائدہ ہے، مطالبہ کرنے والے ہلاک کئے جائیں گے! —— قریش نے یہ مطالبہ کیا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آسمان سے ان کے نام لیٹرز (خطوط) لائیں، جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے کی تصدیق ہو، اور ان کو ایمان لانے کی دعوت دی ہو —— اس کا جواب ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ معجزہ دکھانا بے سود ہے، قریش ایمان نہیں لائیں گے تو ہلاک کئے جائیں گے، جبکہ ان میں سے بیشتر ایمان لانے والے ہیں، علم الٰہی میں یہ بات طے ہے۔

پس اگر کاغذ میں لکھی ہوئی کوئی تحریر ان کے نام آتی اور وہ اس کو چھوکر دیکھ لیتے، اور اطمینان کر لیتے کہ نظر بندی نہیں ہے: پھر بھی وہ اس کو کھلا جادو کہتے، اور ایمان نہ لاتے، اور ہلاک کئے جاتے، اس لئے مطلوبہ معجزہ نہیں دکھایا جاتا، ورنہ اللہ تعالیٰ کے لئے یہ کام مشکل نہیں، مگر مطالبہ کرنے والوں کی مصلحت کے خلاف ہے۔

﴿ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ ﴾

ترجمہ: اور اگر ہم ان پر کسی کاغذ میں لکھی ہوئی کوئی تحریر اتارتے، پس وہ اس کو اپنے ہاتھوں سے چھوکر دیکھتے تو بھی منکرین اسلام کہتے: ''یہ کھلا ہوا جادو ہی ہے!''

رسول پر فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا؟

مشرکین کا ایک اعتراض یہ تھا کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) واقعی اللہ کے نمائندے ہیں تو ان پر فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا؟ دنیا کے بادشاہ جب سفیر بھیجتے ہیں تو باڈی گارڈ بھی بھیجتے ہیں۔

جواب: رسول پر فرشتہ اس وقت اتارا جاتا ہے جب جھگڑا اپنی نہایت کو پہنچ جاتا ہے، اور مہلت کی مدت ختم ہوجاتی ہے، اس وقت فرشتہ عذاب لے کر رسول پر اترتا ہے، جیسے لوط علیہ السلام کے پاس فرشتے عذاب لے کر پہنچے ہیں، پھر مخالفین کو ذرا مہلت نہیں دی جاتی، سب کو ملیامیٹ کردیا جاتا ہے۔

تبسیط: پھر بات آگے بڑھائی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ فرشتہ کو پیغامبر بنا کر بھیجتے تو فرشتہ انسانی شکل میں آتا، اس لئے کہ فرشتہ روحانی مخلوق ہے، اس کو انسان نہیں دیکھ سکتا، جیسے جنات اور زمینی فرشتے زمین میں آباد ہیں، مگر انسان ان کو نہیں

دیکھتے، اسی طرح رسول پر فرشتہ وحی لے کر آتا ہے، مگر وہ لوگوں کو نظر نہیں آتا، فرشتہ اسی وقت نظر آسکتا ہے جب وہ پیکر محسوس اختیار کرے، جیسے حدیث جبرئیل علیہ السلام میں صحابہ کو جبرئیل نظر آئے تھے، اس لئے کہ وہ انسانی شکل میں آئے تھے، اور ایک موقعہ پر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں دیکھا تھا، پس کفار کو بھی فرشتہ نظر آئے گا تو وہ انسانی شکل میں نظر آئے گا، اور وہ یہی خیال کریں گے کہ یہ کوئی انسان ہے، اور ان کو انسان کے رسول ہونے پر جو اعتراض ہے وہی فرشتہ کے رسول ہونے پر بھی ہوگا۔

﴿ وَ قَالُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَیْهِ مَلَكٌ ؕ وَ لَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِیَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا یُنْظَرُوْنَ ۝ وَ لَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّ لَلَبَسْنَا عَلَیْهِمْ مَّا یَلْبِسُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور انھوں نے کہا: کیوں نہیں اتارا گیا اس پر کوئی فرشتہ؟ (جواب:) اور اگر ہم کوئی فرشتہ اتارتے تو معاملہ نمٹا دیا جاتا، پھر وہ ڈھیل نہ دیئے جاتے —— (تبسیط:) اور اگر ہم رسول کو فرشتہ بناتے تو ہم اس کو آدمی بناتے، اور ان پر مشتبہ کرتے جس طرح وہ اب شبہ میں پڑے ہوئے ہیں۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِیْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِیْنَ ۝

وَلَقَدِ	اور بخدا! واقعہ یہ ہے	سَخِرُوْا	ٹھٹھا کیا	سِیْرُوْا	چلو پھرو
اسْتُهْزِئَ	ٹھٹھا کیا گیا	مِنْهُمْ	رسولوں سے	فِی الْاَرْضِ	سرزمین (عرب) میں
بِرُسُلٍ	رسولوں کے ساتھ	مَّا كَانُوْا	اس عذاب نے جو تھے وہ	ثُمَّ انْظُرُوْا	پھر دیکھو
مِّنْ قَبْلِكَ	آپ سے پہلے	بِهٖ	اس کا	كَیْفَ كَانَ	کیسا ہوا
فَحَاقَ	پس گھیر لیا	یَسْتَهْزِءُوْنَ	مذاق اڑاتے	عَاقِبَةُ	انجام
بِالَّذِیْنَ	ان کو جنھوں نے	قُلْ	آپ کہیں	الْمُكَذِّبِیْنَ	جھٹلانے والوں کا؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی اور ٹھٹھا کرنے والوں کو دھمکی

معاندین کی فرمائشوں کا جواب دینے کے بعد اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کی جاتی ہے، اور مخالفین کو دھمکاتے ہیں، فرماتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم مخالفین کے تمسخر سے دل گیر نہ ہوں، یہ کوئی نئی بات نہیں، گذشتہ رسولوں کو بھی ان حالات سے

گذرنا پڑا ہے، اور ان کی تکذیب کرنے والوں کا جو حشر ہوا ہے وہ قریش سرزمین عرب میں گھوم پھر کر دیکھ لیں، عاد وثمود، اصحابِ مدین اور قومِ لوط علیہ السلام کا کیا حشر ہوا؟ اسی طرح ان مجرموں کو بھی سزا مل سکتی ہے، تکذیب کرنے والوں کا جو حشر ہوا وہ استہزاء کرنے والوں کا بھی ہوگا۔

ترجمہ: اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ آپؐ سے پہلے (بھی) رسولوں کا ٹھٹھا کیا گیا، پس جنھوں نے ان کا ٹھٹھا کیا ان کو اس عذاب نے گھیر لیا جس کا وہ ٹھٹھا کیا کرتے تھے —— کہیں: سرزمین عرب میں چلو پھرو، پھر دیکھو کیسا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا؟

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑫ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ⑬

قُلْ	پوچھو	الرَّحْمَةَ	مہربانی	فَهُمْ	پس وہ
لِّمَنْ	کس کی ملک ہیں	لَيَجْمَعَنَّكُمْ	ضرور جمع کریں گے وہ تم کو	لَا يُؤْمِنُوْنَ	ایمان نہیں لائیں گے
مَّا	وہ چیزیں جو	اِلٰى يَوْمِ	قیامت کے دن	وَلَهٗ	اور اللہ ہی کے لئے ہیں
فِي السَّمٰوٰتِ	آسمانوں میں ہیں	الْقِيٰمَةِ		مَا سَكَنَ	وہ چیزیں جو ٹھمتی ہیں
وَالْاَرْضِ	اور زمین میں ہیں؟	لَا رَيْبَ	نہیں کچھ شک	فِي الَّيْلِ	رات میں
قُلْ	کہو	فِيْهِ	اس میں	وَالنَّهَارِ	اور دن میں
لِّلّٰهِ	اللہ کی ملک ہیں	اَلَّذِيْنَ	جن لوگوں نے	وَهُوَ	اور وہ
كَتَبَ	لکھی ہے انھوں نے	خَسِرُوْٓا	گھاٹے میں رکھا	السَّمِيْعُ	خوب سننے والے
عَلٰى نَفْسِهِ	اپنی ذات پر	اَنْفُسَهُمْ	اپنی جانوں کو	الْعَلِيْمُ	خوب جاننے والے ہیں

استہزاء کرنے والوں کو فوراً سزا کیوں نہیں ملتی؟

ان آیات میں مذکورہ سوال کا جواب ہے، مگر پہلے ایک مضمون تازہ کرلیں:

سورہ فاتحہ کے شروع میں یہ مضمون آیا ہے: ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ﴾ میں توحید الوہیت کا بیان ہے، پھر ﴿ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ میں توحید ربوبیت سے توحید الوہیت پر استدلال کیا ہے، تمام جہانوں کو یعنی ساری کائنات کو اللہ تعالیٰ نے وجود بخشا ہے،

پھر مخلوق کے بقاء کا سامان کیا ہے، پھر ہر چیز کو آہستہ آہستہ بڑھا کر اس کی نہایت کو لے جاتے ہیں، پس جو اللہ تعالیٰ یہ تین کام کرتے ہیں وہی مخلوق کی بندگی کے حقدار ہیں، دوسرا کوئی معبود نہیں ہوسکتا۔

پھر دوسری آیت میں اللہ کی دو صفتیں ہیں: ﴿ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴾ رحمان میں پانچ حروف ہیں، اور رحیم میں چار، اور دونوں رحمۃ سے مشتق ہیں، اور ایک مادّے سے جو دو لفظ بنتے ہیں اس میں قاعدہ یہ ہے کہ جس کلمہ میں حروف زائد ہوں اس میں معنی بھی زائد ہوتے ہیں، اس لئے رحمان میں معنی زائد ہیں، اور وہ عام ہے، اور رحیم میں معنی کم ہیں، اس لئے کہ وہ خاص ہے، رحمان کا تعلق فی الحال سارے جہانوں سے ہے، اللہ کی رحمت ہر کسی کو عام ہے، مؤمن و کافر سب کو رحمت سے حصہ پہنچتا ہے، اور رحیم کا تعلق آخرت سے ہے، وہاں مہربانی سے حصہ مؤمنین ہی کو ملے گا، اس لئے رحمان ﴿ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ سے متصل آیا ہے، اس لئے کہ عام رحمت کا تعلق اس وقت سارے جہانوں سے ہے اور رحیم: ﴿ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ﴾ سے متصل آیا ہے، اس لئے کہ خاص رحمت کا تعلق یوم جزاء سے ہے۔

اب عنوان میں مذکور سوال کا جواب سمجھیں: آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ کی ملک ہے، کافروں سے پوچھ دیکھیں: وہ اعتراف کریں گے کہ کائنات کے مالک اللہ تعالیٰ ہیں، اگر وہ اعتراف نہ کریں تو آپ جواب دیں کہ کائنات کے مالک اللہ ہی ہیں، پس اللہ ہی پروردگار ہیں، سارے جہانوں کو وہی پالنے والے ہیں، سب کے روزی رساں ہیں، انھوں نے کائنات پر مہربانی کرنے کو اپنے اوپر لازم کیا ہے، وہ جہانوں کے تعلق سے رحمان ہیں، منکرین کو بھی پال رہے ہیں، اس وجہ سے استہزاء کرنے والوں کو ابھی سزا نہیں دے رہے، فی الحال ڈھیل دے رکھی ہے۔

مگر جب اس دنیا کا آخری دن آئے گا: اس وقت اللہ تعالیٰ سب کو جمع کریں گے، اس وقت استہزاء کرنے والوں کو قرار واقعی سزا دیں گے، اس دن کے لئے سزا مؤخر کر رکھی ہے، اور قیامت کے دن میں ذرا شک نہیں، مگر غلط قسم کے لوگ قیامت کو نہیں مانتے، وہ لوگ قیامت کے دن گھاٹے میں رہیں گے۔

پھر وقوعِ قیامت پر ایک قاعدہ سے استدلال کیا ہے: رات دن میں جو مخلوقات چلتی پھرتی ہیں ان کے تمام احوال سے اللہ تعالیٰ واقف ہیں، اور جب ان کی چلت پھرت تھم جاتی ہے، خواہ دن میں پرسکون ہوجائے خواہ رات میں، اس وقت بھی وہ مخلوقات اللہ ہی کی ہے، اسی طرح جو لوگ ابھی اس دنیا میں چل پھر رہے ہیں وہ بھی اللہ کی ملک ہیں، اور جو مر کر عالم برزخ میں پہنچ گئے، جہاں ان کو قرار آگیا، وہ بھی اللہ کی ملک ہیں، اس لئے کہ انسان مر کر ختم نہیں ہوجاتا، عالم برزخ میں منتقل ہوجاتا ہے، قبر میں اس کو قرار آجاتا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی باتیں سنتے ہیں اور ان کے حالات سے واقف ہیں، اور قیامت کے دن سب کو زندہ کر کے میدانِ قیامت میں جمع کریں گے، اس وقت استہزاء کرنے والوں کو سزا ملے گی۔

آیاتِ کریمہ: پوچھو: جو چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں: کس کی ملک ہیں؟ —— اگر وہ جواب نہ دیں تو —— کہو: اللہ کی ملک ہیں! —— اس نے اپنی ذات پر مہربانی کرنا لازم کیا ہے —— یعنی اس وقت جہانوں کے ساتھ صفتِ رحمان کی کارفرمائی ہے —— وہ تم کو ضرور قیامت کے دن اکٹھا کریں گے —— اور اس دن صفتِ رحیم کی کارفرمائی ہوگی —— جس میں ذرا شک نہیں! —— جن لوگوں نے اپنی ذاتوں کو گھاٹے میں رکھا وہ (قیامت کے دن کو) نہیں مانتے —— نہیں مانتے اس لئے وہ خسارے میں رہیں گے —— اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں جو رات اور دن میں پرسکون ہو جاتے ہیں —— اسی طرح موت کے بعد جو پرسکون ہو جاتے ہیں وہ بھی اللہ کی ملک ہیں —— اور وہ خوب سننے والے اور خوب جاننے والے ہیں —— یعنی وہ برزخ میں پہنچنے والوں کی باتیں بھی سنتے ہیں، اور ان کے احوال سے بھی واقف ہیں۔

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ؕ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۴﴾ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾ مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۸﴾

قُلْ	کہو:	وَهُوَ يُطْعِمُ	اور وہ کھلاتے ہیں	وَلَا تَكُوْنَنَّ	اور ہرگز مت ہو تو
اَغَيْرَ اللّٰهِ	کیا اللہ کے علاوہ کو	وَلَا يُطْعَمُ	اور وہ کھلائے نہیں جاتے	مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ	مشرکوں میں سے
اَتَّخِذُ	بناؤں میں	قُلْ	کہہ دو	قُلْ	کہہ دو
وَلِيًّا	کارساز (دوست)	اِنِّيْٓ اُمِرْتُ	میں حکم دیا گیا ہوں	اِنِّيْٓ	بے شک میں
فَاطِرِ[1]	جو بنانے والے ہیں	اَنْ اَكُوْنَ	کہ ہوؤں میں	اَخَافُ	ڈرتا ہوں
السَّمٰوٰتِ	آسمانوں کو	اَوَّلَ	پہلا	اِنْ عَصَيْتُ	اگر حکم کے خلاف کروں
وَالْاَرْضِ	اور زمین کو	مَنْ اَسْلَمَ	جو فرمان بردار ہوا	رَبِّيْ	میرے پروردگار کے

(۱) فاطر: اللہ سے بدل ہے۔

عَذَابَ (۱)	سزا سے	الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ	واضح کامیابی ہے	فَهُوَ	تو وہ
يَوْمٍ عَظِيْمٍ	بڑے دن کی	وَاِنْ يَّمْسَسْكَ	اور اگر پہنچائیں تجھ کو	عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز پر
مَنْ	جو شخص	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	قَدِيْرٌ	پوری قدرت والے ہیں
يُّصْرَفْ	پھیرا گیا (عذاب)	بِضُرٍّ	کوئی ضرر	وَهُوَ	اور وہی
عَنْهُ	اس سے	فَلَا كَاشِفَ	تو نہیں کوئی ہٹانے والا	الْقَاهِرُ (۳)	زورآور ہیں
يَوْمَئِذٍ	اس دن	لَهٗ	اس کو	فَوْقَ عِبَادِهٖ	اپنے بندوں پر
فَقَدْ رَحِمَهٗ	تو بالیقین اس نے	اِلَّا هُوَ	مگر وہی	وَهُوَ	اور وہ
	اس پر رحم کیا	وَاِنْ يَّمْسَسْكَ	اور اگر پہنچائیں وہ تجھے	الْحَكِيْمُ	بڑی حکمت والے
وَذٰلِكَ	اور یہی	بِخَيْرٍ (۲)	کوئی بھلائی	الْخَبِيْرُ	بڑے باخبر ہیں

توحید کی دعوت: مثبت و منفی پہلوؤں سے

گذشتہ آیت ہے: ﴿ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَ النَّهَارِ ۭ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴾: اور اللہ ہی کی ملک ہیں وہ چیزیں جو رات اور دن میں قرار پکڑتی ہیں، سَکَن کا مقابل تَحَرَّكَ ہے: جو چیزیں رات اور دن میں ہلتی اور حرکت کرتی ہیں، چلتی پھرتی ہیں، آیت میں یہ بھی مراد ہے، ہر مخلوق چلتی پھرتی ہو یا تھمی ہوئی ہو، آرام کرنے کے لئے کسی جگہ پڑی ہو یا سوئی ہو یا رزق کے لئے دوڑ دھوپ کرتی ہو: سب اللہ کی ملک ہیں۔

اور اس سے استدلال یہ کیا تھا کہ جو انسان اس دنیا میں چلتے پھرتے ہیں، وہ جب مر کر عالم برزخ میں پہنچ جاتے ہیں، اور وہاں قرار پکڑ لیتے ہیں، وہ بھی اللہ کی ملک ہیں، ان کے سانس سنتے ہیں اور احوال جانتے ہیں۔

اب مثبت پہلو سے توحید کی دعوت دیتے ہیں کہ ایسے ہی اللہ کو کارساز، مددگار اور دوست بنانا چاہئے، جس نے آسمانوں اور زمین کو انسانوں کے فائدے کے لئے پیدا کیا ہے، اور انسان کو جنت کمانے کے لئے بنایا ہے، اسی اللہ کو معبود مانو اور اسی کی بندگی کرو، وہی تمہارے کام بنانے والے ہیں اور وہی تمہارے کارساز ہیں۔

عبد کے معنی ہیں: بندہ، یہ فارسی لفظ ہے، اس کے معنی ہیں: غلام، یہ اردو لفظ ہے، نزول قرآن کے وقت غلامی کا رواج

---

(۱) عذاب: أخاف کا مفعول بہ ہے، اور إن عصيت ربي کا جواب بھی ہے (۲) إن يمسسك بخير کا جواب محذوف ہے: فلا رادَّ له غيره، اور فهو على كل شيئ قدير: جواب کے قائم مقام ہے (۳) القاهر: غالب، زبردست، قَهَرَه (ف) قَهْرًا: کسی پر غالب ہونا، مغلوب کرنا۔

تھا، آقا: غلام سے کمواتا تھا، اور بیٹھا بیٹھا اس کی کمائی کھاتا تھا، مگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے کمواتے نہیں، بلکہ وہ خود اپنے بندوں کو روزی عنایت فرماتے ہیں۔

لہٰذا مشرکوں سے کہہ دو کہ میں تو تنہا اللہ کو معبود مانتا ہوں، اور ان کی فرمان برداری کرتا ہوں — ﴿ أَوَّلَ مَنْ أَسْلَمَ ﴾ محاورہ ہے، پہلی پوزیشن حاصل کرنے کے لئے مستعمل ہے، جماعت کے ہر طالب علم کو اول پوزیشن حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، اسی طرح ہر بندے کو ایمان واطاعت میں پہلی پوزیشن لانی چاہئے — پھر فرمایا کہ تم مشرکین کے زمرہ میں شامل مت ہوؤ، اللہ معبود برحق سے روگردانی کرکے غیر اللہ کی چوکھٹ پر جبہ سائی مت کرو۔

یہ مثبت پہلو سے ایک اللہ پر ایمان لانے کی دعوت تھی، پھر منفی پہلو سے دعوت دیتے ہیں کہ مشرکین سے کہہ دو کہ اگر میں میرے پروردگار کے حکم کی نافرمانی کروں تو مجھ کو بڑے دن کے عذاب سے کون بچائے گا؟ قیامت کے دن اگر مجھ سے عذاب پھیرا گیا تو یقیناً اس دن اللہ نے مجھ پر مہربانی فرمائی، اس دن یہی واضح کامیابی ہوگی، پھر میں کیوں ایمان واطاعت کی راہ اختیار نہ کروں؟

پھر آخر میں ایک قاعدہ کلیہ بیان کیا ہے، جس کا تعلق دنیا سے بھی ہے اور آخرت سے بھی: انسان کو جب اس کی شامتِ اعمال سے کوئی سختی پہنچتی ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ ہی دور کرتے ہیں، اور اگر اس کو اللہ کی رحمت سے کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو کوئی اس کو روک نہیں سکتا، اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں، وہ زبردست زور آور ہیں، سب بندے ان کی قدرت میں ہیں، وہ حکمت کے ساتھ بندوں کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں، اور وہ بندوں کے تمام احوال سے واقف ہیں۔

آیاتِ کریمہ: کہہ دو: — مخاطب ہر قاریِ قرآن ہے — کیا میں اللہ کے سوا کوئی کارساز بناؤں، جو آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے ہیں، اور وہ کھلاتے ہیں، اور وہ کھلائے نہیں جاتے؟ — کہہ دو: بے شک میں حکم دیا گیا ہوں کہ سب سے پہلا فرمان بردار بنوں، اور تم مشرکین میں سے ہرگز مت ہوؤ!

منفی پہلو سے دعوت: کہہ دو: بے شک میں ڈرتا ہوں — اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں — بڑے دن کے عذاب سے! — جس شخص سے اس دن عذاب پھیرا گیا — یعنی دوزخ سے بچایا گیا — تو یقیناً اللہ نے اس پر مہربانی فرمائی! اور یہی واضح کامیابی ہے۔

قاعدہ کلیہ: اور اگر آپ کو اللہ تعالیٰ کوئی ضرر پہنچائیں تو اس کو کوئی ہٹانے والا نہیں، اور اگر وہ آپ کو کوئی بھلائی پہنچائیں — تو اس کو کوئی روکنے والا نہیں — کیونکہ وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والے ہیں، اور وہی اپنے بندوں پر غالب ہیں، اور وہ بڑی حکمت والے، بڑے باخبر ہیں!

قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَہَادَۃً ۭ قُلِ اللّٰہُ ڦ شَہِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَبَیْنَکُمْ ۣ وَاُوْحِیَ اِلَیَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَکُمْ بِہٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ۭ اَئِنَّکُمْ لَتَشْھَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰہِ اٰلِھَۃً اُخْرٰی ۭ قُلْ لَّآ اَشْھَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا ھُوَ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ ⑲ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَاۗءَھُمْ ۘ اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَھُمْ فَھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ⑳ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوْ کَذَّبَ بِاٰیٰتِہٖ ۭ اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ㉑

ع ۱۰ / ۸

قُلْ	پوچھو	لِاُنْذِرَکُمْ	تاکہ خبردار کروں میں تم کو	وَاِنَّنِیْ	اور بے شک میں
اَیُّ شَیْءٍ	کون چیز	بِہٖ	اس کے ذریعہ	بَرِیْٓءٌ	بیزار ہوں
اَکْبَرُ	بڑی ہے	وَمَنْۢ بَلَغَ (۵)	اور ان کو جن کو وہ پہنچے	مِّمَّا	ان سے جن کو تم
شَہَادَۃً (۱)	گواہی کے اعتبار سے؟	اَئِنَّکُمْ	کیا بے شک تم	تُشْرِکُوْنَ	شریک کرتے ہو
قُلِ	کہو	لَتَشْھَدُوْنَ	البتہ گواہی دیتے ہو	اَلَّذِیْنَ	وہ لوگ
اللّٰہُ (۲)	اللہ! (سب سے بڑے گواہ ہیں)	اَنَّ مَعَ اللّٰہِ	کہ اللہ کے ساتھ	اٰتَیْنٰھُمُ	جن کو دی ہم نے
		اٰلِھَۃً اُخْرٰی	دوسرے معبود ہیں؟	الْکِتٰبَ	آسمانی کتابیں
شَہِیْدٌۢ (۳)	(وہ) گواہ ہیں	قُلْ	کہو	یَعْرِفُوْنَہٗ	پہچانتے ہیں وہ ان کو
بَیْنِیْ	میرے درمیان	لَّآ اَشْھَدُ	میں گواہی نہیں دیتا	کَمَا یَعْرِفُوْنَ	جس طرح پہچانتے ہیں وہ
وَبَیْنَکُمْ (۴)	اور تمہارے درمیان	قُلْ	کہہ دو	اَبْنَاۗءَھُمْ	اپنے بیٹوں کو
وَاُوْحِیَ	اور وحی کیا گیا ہے	اِنَّمَا	اس کے سوا نہیں کہ	اَلَّذِیْنَ	جن لوگوں نے
اِلَیَّ	میری طرف	ھُوَ اِلٰہٌ	وہ معبود ہے	خَسِرُوْٓا	گھاٹے میں رکھا
ھٰذَا الْقُرْاٰنُ	یہ قرآن	وَّاحِدٌ	ایک	اَنْفُسَھُمْ	اپنی ذاتوں کو

(۱) شہادت: گواہی، پکی بات، اس میں قسم کا مفہوم ہوتا ہے، پکی بات ہی قسم کھا کر کہہ سکتے ہیں (۲) اللہ: مبتدا ہے، خبر: اکبر شھادۃً محذوف ہے، اور قرینہ اگلا جملہ ہے (۳) شہید: خبر ہے، مبتدا ھو محذوف ہے اور مرجع اللہ ہے (۴) بینی سے مراد نبی ﷺ ہیں (۵) بلغ میں ضمیر عائد محذوف ہے أی بلغه اور مرجع مَن موصولہ ہے۔

فَھُمْ	پس وہ	افْتَرٰی	گھڑا	بِاٰیٰتِهٖ	اللہ کی باتوں کو
لَا یُؤْمِنُوْنَ	ایمان نہیں لاتے	عَلَی اللّٰهِ	اللہ پر	اِنَّهٗ	بیشک شان یہ ہے کہ
وَمَنْ اَظْلَمُ	اور کون بڑا ظالم ہے	كَذِبًا	جھوٹ	لَا یُفْلِحُ	کامیاب نہیں ہوتے
مِمَّنِ	اس سے جس نے	اَوْ كَذَّبَ	یا جھٹلایا اس نے	الظّٰلِمُوْنَ	ظالم لوگ

رسالت کا بیان

نبی ﷺ کے سچے رسول ہونے کی پکی دلیلیں

توحید کے بعد اسلام کا بنیادی عقیدہ رسالت کا ہے، اللہ تعالیٰ رب العالمین ہیں، کائنات اللہ ہی نے پیدا کی ہے، وہی اس کے کفیل ہیں، ہر مخلوق کی ضرورت وہ پوری کرتے ہیں، اور انسان مکلّف مخلوق ہے، اس کی دو ضرورتیں ہیں: مادی اور روحانی، مادی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو ترقی یافتہ عقل دی ہے، اور روحانی ضرورت پوری کرنے کے لئے نبوت و رسالت کا سلسلہ قائم کیا ہے، اس لئے کہ انسان اپنی عقل سے اپنی یہ ضرورت پوری نہیں کرسکتا، انسانوں میں مذاہب کا اختلاف اس کی دلیل ہے، مذاہبِ عالم روحانی ضرورت کی تکمیل کے لئے ہیں، اور لوگ اپنی ناقص عقلوں سے مذاہب چلاتے ہیں یا بگاڑتے ہیں، صحیح مذہب وہی ہے جو اللہ کی راہ نمائی کے مطابق ہو، خود ساختہ مذاہب یا تحریف شدہ مذاہب انسان کی روحانی ضرورت پوری نہیں کرسکتے۔

اللہ کی معرفت، ان کی صفات کی جانکاری اور آنے والی زندگی کے ایقان کے لئے اللہ کی راہ نمائی ضروری ہے، اور یہی اس کی روحانی ضرورت ہے، اسی کے لئے رسالت کا سلسلہ قائم کیا ہے، پہلا انسان ہی پہلا نبی ہے، اس لئے توحید کے بیان کے بعد ان آیات میں رسالت کا بیان ہے۔

آیات کا شانِ نزول: جب نبی ﷺ نے رسالت کا دعوی کیا تو مشرکین نے کہا: آپؐ کی رسالت کی کیا دلیل ہے؟ ہم کسی کو نہیں دیکھتے جو آپ کی تصدیق کرتا ہو، ہم نے اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) سے پوچھا تو انھوں نے کہا: ہماری کتابوں میں ان کا کوئی تذکرہ نہیں، پھر ہم آپ کو اللہ کا رسول کیونکر مان لیں؟ (جمل)

جواب: نبی ﷺ کے رسول ہونے کی گواہی اللہ تعالیٰ دیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی گواہی نہیں ہوسکتی!

سوال: اللہ تعالیٰ تو وراء الوراء ہیں، عالم اسباب سے پَرے ہیں، اس عالم میں ان کی گواہی کس طرح ظاہر ہوتی ہے؟

جواب: دو طرح سے:

۱- اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے ذریعہ عام معجزات ظاہر فرماتے ہیں، ان کی انگلی کے اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے

کر کے دکھائے، ان کی انگلیوں سے پانی کا دھارا بہایا، تھوڑے کھانے میں برکت ہوئی اور ایک بڑا مجمع اس سے شکم سیر ہو گیا، اور مکہ کے نامی پہلوان کو پچھاڑا، اور طرح طرح کے معجزات دکھائے، عام معجزات کی چار سو روایات ہیں، پس وہ تواتر قدر مشترک سے ثابت ہیں، اور قطعی دلیل (شہادت) ہیں۔

۲- اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اپنا کلام اتارا، یہ ان کا خاص معجزہ ہے، وہ رہتی دنیا تک باقی ہے، اس کے مقابلہ سے دنیا عاجز ہے، سب مل کر بھی اس کی چھوٹی سورت کے برابر نہیں بنا سکتے، یہ کلام: اللہ کی شہادت ہے کہ اس کا پیش کرنے والا اللہ کا سچا رسول ہے!

تبسیط: پھر قرآنِ کریم نے بات پھیلائی ہے، یہ قرآنِ کریم کا خاص اسلوب ہے، جب وہ کسی موضوع پر گفتگو کرتا ہے تو ضروری حد تک اس کو بڑھاتا ہے، فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنا معجز کلام اس لئے نازل کیا ہے کہ اولاً: اس کلام کے ذریعہ مشرکین مکہ کو نتائج اعمال سے خبردار کیا جائے کہ تم جو زندگی اپنائے ہوئے ہو اس کا نتیجہ ہلاکت ہے، صحیح راستہ وہ ہے جو قرآن پیش کرتا ہے، آخرت میں کامیابی کا یہی راستہ ہے۔

پھر یہ کلام پاک عالم میں جہاں تک پہنچے سب کو وارننگ دے کہ ہوش میں آؤ، من گھڑت مذاہب میں کامیابی نہیں، اللہ تعالیٰ جو راستہ دکھا رہے ہیں، جس کو قرآنِ کریم بیان کر رہا ہے، وہی اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا سیدھا راستہ ہے، جو شخص آخرت میں کامیابی چاہتا ہے وہ اس راستہ پر آجائے۔

فائدہ: یہ آیت عموم بعثت کی دلیل ہے، یعنی نبی ﷺ صرف عربوں کی طرف مبعوث نہیں کئے گئے اور قرآنِ کریم صرف عربوں کے انذار کے لئے نازل نہیں ہوا، بلکہ آپؐ کی بعثت عالم گیر ہے، اور قرآن کا پیغام سارے جہاں کے لئے ہے، جو آپؐ پر اور قرآن پر ایمان نہیں لائے گا وہ جہنم میں جائے گا۔

سوال: جن کو قرآن نہیں پہنچا: ان کا کیا حکم ہے؟

جواب: اب ایسا کوئی نہیں، سب کو قرآن کی دعوت پہنچ چکی ہے، بالفرض اگر کسی کو قرآن کی دعوت نہیں پہنچی تو وہ اصحابِ فترت میں شمار ہوگا، فترت: دو پیغمبروں کے درمیان کا وقفہ، اور اصحابِ فترت کا حکم مختلف فیہ ہے۔

نہلے پے دہلہ!: نہلہ: تاش کا وہ پتہ جس پر نو نشان ہوتے ہیں، اور دہلہ: تاش کا وہ پتہ جس پر دس نشان ہوتے ہیں، نہلے کو دہلہ کاٹتا ہے، اور دہلے کو رانی اور رانی کو راجہ اور راجا کو اِکّا، جس پر ایک نشان ہوتا ہے۔

مشرکین نے نبی ﷺ سے رسالت میں صداقت کی شہادت (پکی دلیل) مانگی تھی، قرآنِ کریم نہلے پے دہلہ رکھتا ہے، فرماتا ہے: اچھا بتاؤ تمہارے پاس شرک کی کیا شہادت (پکی دلیل) ہے؟ تم جو مورتیوں کو خدائی میں شریک گردانتے

ہو:اس کی مضبوط دلیل کیا ہے؟

جواب ندارد! کوئی گواہی (پکی دلیل) نہیں، سب ڈھکوسلے ہیں، وہ محض باطل نظریہ ہے، معبود تو صرف ایک اللہ ہی ہیں، پس ہر مؤمن مشرکین کی مورتیوں سے بیزاری ظاہر کرے، اور مشرکین پہلے اپنے گھر کی خبر لیں، پھر دوسروں سے دلیل کا مطالبہ کریں۔

مشرکوں کے ایک وسوسے کا جواب: مشرکین نے کہا تھا: اہل کتاب تمہاری تصدیق نہیں کرتے! —— قرآنِ کریم فرماتا ہے: آسمانی کتابوں والے خوب جانتے ہیں کہ آپ آخری زمانہ کے سچے رسول ہیں، جیسے کسی جگہ بہت سے لڑکے جمع ہوں، اور کسی لڑکے کا باپ وہاں سے گذرے تو وہ نظر پڑتے ہی اپنے لڑکے کو پہچان لیتا ہے، اس کو اس میں ذرا شک نہیں رہتا، اسی طرح یہود ونصاریٰ بھی نبی ﷺ کو پہچانتے ہیں، اور انھوں نے مشرکوں سے جو بات کہی ہے وہ تجاہل عارفانہ ہے، جان بوجھ کر انجانے بنے ہیں! آنکھیں ہوتے ہوئے کھڈے میں گرے ہیں!

سوال: جب یہود ونصاریٰ نبی ﷺ کو بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں تو ایمان کیوں نہیں لاتے؟

جواب: یہ ان کی حرماں نصیبی ہے، جو لوگ اپنی بھلائی نہیں چاہتے وہ کبھی سیدھی راہ پر نہیں پڑتے، اگرچہ حق دوپہر کے سورج کی طرح واضح ہو، چمگادڑ کو سورج نکلنے کے بعد نظر نہیں آتا: اس میں سورج کا کیا قصور ہے؟

دو احتمال: سوچو ظالم کون؟

آخر میں اہل کتاب سے خطاب ہے کہ احتمال دو ہی ہیں: ایک: نبی ﷺ جو رسالت کا دعوی کر رہے ہیں: وہ جھوٹے ہیں، اللہ پر بہتان باندھ رہے ہیں —— یہ مماشات مع الخصم ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ کو اپنی نبوت میں کوئی شک تھا —— دوم: تمہاری کتابوں میں جو بشارات ہیں تم ان کو جھٹلاتے ہو۔ اب ذرا انصاف کو آواز دو! اور غور کر کے فیصلہ کرو کہ بڑا ظالم کون ہے؟ تمہاری کتابوں کی باتیں تمہارے نزدیک سچی ہیں، پھر تم ایمان کیوں نہیں لاتے؟ تمہارا ایمان نہ لانا اپنی کتابوں کی تکذیب ہے: پس بڑے غیر منصف تم ہوئے، اور ظالم آخرت میں کامیاب نہیں ہونگے (آیت کی یہ تفسیر فوائد عثمانی میں بحوالہ ابن کثیر کی گئی ہے)

آیاتِ کریمہ: آیات میں اور آیات کے اجزاء میں ارتباط دقیق ہے، تقریر سے ملا کر غور سے پڑھیں: —— پوچھو! سب سے بڑی گواہی کس چیز کی ہے؟ —— مشرکین نے نبی ﷺ سے آپ کی رسالت کی پکی دلیل مانگی تھی، قرآنِ کریم ان سے پوچھتا ہے: بتاؤ! سب سے بڑی شہادت کس کی ہوسکتی ہے؟ وہ جواب نہ دیں تو تم —— جواب دو! اللہ! (کی) —— ان کی گواہی سے بڑی کوئی گواہی نہیں ہوسکتی، اور وہ گواہ ہیں کہ آپ سچے رسول ہیں، اور عالم اسباب میں اللہ کی گواہی دو طرح ظاہر ہوئی ہے —— (۱) (وہ) میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہیں —— اللہ تعالیٰ عام معجزات نبی کے

ہاتھ سے ظاہر کرتے ہیں —— (۲) اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے —— یہ خاص معجزہ ہے جو عام معجزات سے قوی ہے —— تاکہ میں اس کے ذریعہ تم کو خبردار کروں —— عرب مراد ہیں، وہ بلاواسطہ امت تھے —— اور ان کو جن کو وہ قرآن پہنچے —— ساری دنیا بالواسطہ امت ہے، اس کی تفصیل سورۃ الجمعہ کے شروع میں ہے —— اور یہ (تنبیط) مضمون کو آگے بڑھانا ہے۔

کیا تم واقعی گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور بھی معبود ہیں؟ —— یعنی اپنے گھر کی خبر لو، بتاؤ! مورتیوں کے معبود ہونے کی تمہارے پاس کیا دلیل ہے؟ —— یہ نہلے پہ دہلہ رکھا ہے! —— کہو: میں گواہی نہیں دیتا —— یعنی میں ان کو معبود نہیں مانتا، اس لئے کہ ان کے معبود ہونے کی کوئی دلیل نہیں، اور تمہاری دلیلیں: دلیلیں نہیں، ڈھکوسلے ہیں! —— معبود تو صرف ایک ہی ہیں! —— اور وہ اللہ تعالیٰ ہیں، دوسرا کوئی معبود نہیں —— بے شک میں بیزار ہوں ان (مورتیوں) سے جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو! —— یہ اعلان ہر مؤمن موحد کو کرنا ہے۔

جن لوگوں کو ہم نے آسمانی کتابیں دی ہیں وہ ان کو پہچانتے ہیں جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں، جن لوگوں نے اپنی ذاتوں کو گھاٹے میں رکھا وہ ایمان نہیں لاتے! —— یعنی وہ محروم قسمت ہیں، ان کے مقدر میں کنکریاں ہیں۔

(آخری بات:) اور کون بڑا ظالم ہے اس سے جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا —— یعنی نبی ﷺ —— یا اس نے اللہ کی باتوں کو جھٹلایا —— یعنی اہل کتاب —— بلاشبہ ناانصاف کامیاب نہیں ہونگے!

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا أَيْنَ شُرَكَاؤُكُمُ الَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٢٢﴾ ثُمَّ لَمْ تَكُن فِتْنَتُهُمْ إِلَّا أَن قَالُوا وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ ﴿٢٣﴾ انظُرْ كَيْفَ كَذَبُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٢٤﴾ وَمِنْهُم مَّن يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ ۖ وَجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَن يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ۚ وَإِن يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوا بِهَا ۚ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوكَ يُجَادِلُونَكَ يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٢٥﴾ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْأَوْنَ عَنْهُ ۖ وَإِن يُهْلِكُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿٢٦﴾ وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ وُقِفُوا عَلَى النَّارِ فَقَالُوا يَا لَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِآيَاتِ رَبِّنَا وَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢٧﴾ بَلْ بَدَا لَهُم مَّا كَانُوا يُخْفُونَ

مِنْ قَبْلُ ۭ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝۲۸

وَيَوْمَ	اور جس دن	رَبِّنَا (۴)	ہمارے پروردگار!	اَنْ يَّفْقَهُوْهُ (۷)	کبھی سمجھ لیں وہ اس کو
نَحْشُرُهُمْ	جمع کریں گے ہم ان کو	مَا كُنَّا	نہیں تھے ہم	وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ	اور (بنایا) ان کے
جَمِيْعًا (۱)	اکٹھا	مُشْرِكِيْنَ	شریک ٹھہرانے والے		کانوں میں
ثُمَّ نَقُوْلُ	پھر پوچھیں گے ہم	اُنْظُرْ	دیکھو	وَقْرًا (۸)	بوجھ
لِلَّذِيْنَ	ان سے جنھوں نے	كَيْفَ كَذَبُوْا	کیسا جھوٹ بولا انھوں نے	وَاِنْ يَّرَوْا	اور اگر دیکھیں وہ
اَشْرَكُوْٓا	شریک ٹھہرایا	عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ	اپنے خلاف	كُلَّ اٰيَةٍ	ہر نشانی (معجزہ)
اَيْنَ	کہاں ہیں	وَضَلَّ (۵) عَنْهُمْ	اور گم ہو گئے ان سے	لَّا يُؤْمِنُوْا	نہیں ایمان لائیں گے وہ
شُرَكَآؤُكُمُ	تمہارے (وہ) شریک	مَّا كَانُوْا	وہ جو تھے	بِهَا	اس (نشانی) پر
الَّذِيْنَ (۲)	جن کو	يَفْتَرُوْنَ	وہ گھڑا کرتے	حَتّٰٓي اِذَا	یہاں تک کہ جب
كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ	تم مانا کرتے تھے؟	وَمِنْهُمْ	اور ان کے بعض	جَآءُوْكَ	آئیں گے وہ آپ
ثُمَّ لَمْ تَكُنْ	پھر نہیں ہوگا	مَّنْ يَّسْتَمِعُ	جو کان لگاتے ہیں		کے پاس
فِتْنَتُهُمْ (۳)	ان کا بوگس جواب	اِلَيْكَ	آپ کی طرف	يُجَادِلُوْنَكَ	جھگڑیں گے آپؐ سے
اِلَّآ اَنْ	مگر یہ کہ	وَجَعَلْنَا	اور بنائے ہم نے	يَقُوْلُ	کہیں گے
قَالُوْا	کہا انھوں نے	عَلٰي قُلُوْبِهِمْ	ان کے دلوں پر	الَّذِيْنَ	وہ جنھوں نے
وَاللّٰهِ	اللہ کی قسم	اَكِنَّةً (۶)	پردے	كَفَرُوْٓا	اسلام کو قبول نہیں کیا

(۱) جميعًا: نحشرهم کی ضمیر مفعول بہ کا حال ہے، اور مراد عابد و معبود ہیں (۲) الذین: صلہ کے ساتھ مل کر شرکاؤکم کی صفت ہے، اور اسم موصول کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے أی تزعمونهم (۳) فتنة کے متعدد معانی ہیں، مادہ فَتَنَ کے معنی ہیں: جانچنا، یہاں مشرکین کے بوگس جواب کو فتنہ کہا ہے، حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ نے 'فریب' ترجمہ کیا ہے (۴) ربنا: مرکب اضافی اللہ سے بدل ہے (۵) ضَلَّ ضلالاً: بچلنا، گم ہونا، مشرکین کے معبود وہیں موجود ہونگے، مگر سفارش کے لئے زبان نہیں کھول سکیں گے، بایں اعتبار ضل عنهم فرمایا ہے۔ (۶) أكنة: كِنان کی جمع: پردہ، غلاف إكنان (افعال): دل میں چھپانا، محفوظ رکھنا (۷) أن يفقهوه میں أن: البیلا ہے، پہلے بھی ایک جگہ (سورۃ النساء آیت ۱۳۵) میں ایسا أن آیا ہے، اس کا ترجمہ ہے: کبھی، کہیں، مفسرین اس سے پہلے لام اور بعد میں لا مقدر مانتے ہیں، أی لِئلاَّ (۸) وَقر: اسم مصدر: ثِقل، گرانی، بہرہ پن۔

اِنْ ھٰذَآ	نہیں ہے یہ (قرآن)	اِذْ وُقِفُوْا	جب کھڑے کئے	بَلْ بَدَا (۴)	(جھوٹ!) بلکہ ظاہر ہوگیا
اِلَّآ اَسَاطِيْرُ (۱)	مگر جھوٹی داستانیں		جائیں گے وہ	لَهُمْ	ان کے منہ سے
الْاَوَّلِيْنَ	پہلوں کی	عَلَى النَّارِ	دوزخ پر	مَّا كَانُوْا	جو تھے وہ
وَهُمْ	اور وہ	فَقَالُوْا	پس کہیں گے وہ	يُخْفُوْنَ	چھپاتے
يَنْهَوْنَ (۲)	روکتے ہیں	يٰلَيْتَنَا	اے کاش ہم	مِنْ قَبْلُ	اس سے پہلے
عَنْهُ	اس (قرآن) سے	نُرَدُّ	پھیرے جاتے	وَلَوْ رُدُّوْا	اور اگر پھیریں جائیں وہ
وَيَنْئَوْنَ (۳)	اور وہ دور رہتے ہیں	وَلَا نُكَذِّبَ	اور نہ جھلاتے	لَعَادُوْا	تو ضرور لوٹیں گے
عَنْهُ	اس (قرآن) سے	بِاٰيٰتِ	باتوں کو	لِمَا	ان کاموں کی طرف جو
وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ	اور نہیں برباد کرتے وہ	رَبِّنَا	ہمارے پروردگار کی	نُهُوْا	روکے گئے وہ
اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ	مگر اپنی ذاتوں کو	وَنَكُوْنَ	اور ہوتے ہم	عَنْهُ	ان سے
وَمَا يَشْعُرُوْنَ	اور سمجھتے نہیں وہ!	مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ	ایمان لانے والوں	وَاِنَّهُمْ	اور بیشک وہ
وَلَوْ تَرٰٓى	اور اگر دیکھیں آپ		میں سے	لَكٰذِبُوْنَ	یقیناً جھوٹے ہیں

اہل کتاب بھی ظالم (غیر منصف) ہیں اور مشرکین بھی، مگر نوعیت مختلف ہے

آیتوں میں ارتباط: گذشتہ آیت کے آخر میں اہل کتاب کے تعلق سے فرمایا تھا: ﴿ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾: انصاف سے کام نہ لینے والے آخرت میں کامیاب نہیں ہونگے، الظالمون: عام ہے، مگر مراد اہل کتاب تھے، اب واو کے ذریعہ عطف کرکے مشرکین کا ظالم (غیر منصف) ہونا بیان فرماتے ہیں، جب واو کے ذریعہ عطف کیا جاتا ہے تو معطوف اور معطوف علیہ میں من وجہٍ اتحاد ہوتا ہے، اور من وجہٍ مغائرت، جیسے سورۃ الجمعہ میں آخرین کا الأمیین پر واو کے ذریعہ عطف کیا ہے، پس دونوں نبی ﷺ کی امت ہیں، مگر اُمیین بلاواسطہ اور آخرین بالواسطہ۔ یہاں دونوں ظالم ہیں، مگر نوعیت مختلف ہے، اہل کتاب نبی ﷺ کے تعلق سے ظالم ہیں، اور مشرکین اللہ تعالیٰ کے تعلق سے، اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) نبی ﷺ پر ایمان نہ لاکر ان بشارتوں کی عملاً تکذیب کرتے ہیں جو ان کی کتابوں میں ہیں، پس وہ بایں اعتبار

---

(۱) أساطیر: أُسْطُوْرَۃ کی جمع: مذہبی جھوٹی داستان، کہانی (۲) ینھون: نَهْیٌ مصدر باب فتح سے مضارع، صیغہ جمع مذکر غائب نهی: روکنا (۳) ینئون: نأی: مصدر باب فتح سے مضارع، صیغہ جمع مذکر غائب، نأی: دور ہونا، روگردانی کرنا (۴) بل: جملہ پر داخل ہوا ہے، اس صورت میں وہ ماقبل کا ابطال کرتا ہے۔

ظالم ہیں، اور مشرکین مورتیوں کو پوجتے ہیں، ان کو خدائی میں شریک کرتے ہیں، جبکہ ان کا کوئی شریک و سہیم نہیں، پس وہ بایں اعتبار ظالم ہیں۔

آج مشرکین مورتیوں پر مفتوں ہیں، مگر کل قیامت کے دن شرک کا انکار کر بیٹھیں گے!

مشرکین آج مورتیوں کی بہ نسبت دعوی کرتے ہیں کہ وہ خدائی میں حصہ دار ہیں، اور شدائد میں شفیع ومددگار، مگر کل قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ عابدوں اور معبودوں کو ایک ساتھ جمع کریں گے، اور مشرکوں کے حق میں جہنم کا فیصلہ کریں گے، اور ان کے معبود چوں تک نہ کرسکیں گے، اس وقت اللہ تعالیٰ مشرکوں سے پوچھیں گے: تمہارے وہ شرکاء کہاں ہیں جن کو تم معبود مانتے تھے؟ وہ آج ایسی مصیبت میں تمہارے کام کیوں نہیں آتے؟ مشرکین بوگس جواب دیں گے، وہ شرک کا انکار کریں گے، اور قسم کھا کر انکار کریں گے، کہیں گے: ہمارے پروردگار اللہ کی قسم! (یعنی اللہ گواہ ہیں، وہ جانتے ہیں کہ) ہم نے کسی کو شریک نہیں کیا، ہم تو اللہ ہی کی عبادت کرتے تھے — اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: دیکھو! انھوں نے اپنے خلاف کیسا جھوٹ بولا؟ آج ان کے خود ساختہ معبود ان کے کچھ کام نہ آئے! یہی شرک ان کا بہت بڑا ظلم ہے، ناانصافی ہے، حضرت لقمان رحمہ اللہ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾: بے شک اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا بھاری ظلم ہے!

﴿ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا أَيْنَ شُرَكَاؤُكُمُ الَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ۝ ثُمَّ لَمْ تَكُن فِتْنَتُهُمْ إِلَّا أَن قَالُوا وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ ۝ انظُرْ كَيْفَ كَذَبُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور وہ دن یاد کرو جب ہم ان کو اکٹھا جمع کریں گے — یعنی عابدوں اور معبودوں کو ایک ساتھ، اور ان معبودوں کی موجودگی میں عابدوں کے حق میں جہنم کا فیصلہ ہوگا، اور معبودان کو جہنم کے عذاب سے بچا نہ سکیں گے — پھر ہم مشرکین سے پوچھیں گے: تمہارے وہ شرکاء کہاں ہیں جن کو تم معبود سمجھتے تھے؟ — آج وہ تمہیں دوزخ کے عذاب سے بچانے کے لئے آگے کیوں نہیں آتے؟ — پھر ان کا بوگس جواب بس یہی ہوگا کہ وہ کہیں گے: ہمارے پروردگار اللہ کی قسم! ہم شریک نہیں کرتے تھے! — دیکھو! انھوں نے اپنے خلاف کیسا جھوٹ بولا؟ اور ان کے وہ معبود رفو چکر ہوگئے جو وہ گھڑا کرتے تھے!

قرآنِ کریم مشرکین مکہ پر اثر انداز کیوں نہیں ہوتا؟

قرآنِ کریم: اللہ تعالیٰ کا پُر تاثیر کلام ہے، اور نبی ﷺ کا بڑا معجزہ ہے، جن وانس مل کر بھی اس کا چیلنج نہیں اٹھا سکتے،

پھر بھی وہ مشرکینِ مکہ پر اثر انداز نہیں ہوتا، وہ ایمان نہیں لاتے، اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: مشرکین قرآن کو نصیحت پذیری کے ارادے سے نہیں سنتے، اس میں کیڑے نکالنے کے لئے سنتے ہیں، اور ان کی ضد وعناد کی حالت اس درجہ تک پہنچ گئی ہے کہ ان کے کان، آنکھیں اور دل ماؤف ہوگئے ہیں، اور جب انسان اس حالت تک پہنچ جاتا ہے تو دل پر پردہ پڑ جاتا ہے، کانوں میں ڈاٹ لگ جاتی ہے، اور آنکھیں کسی معجزہ سے متاثر نہیں ہوتیں، کوئی بات کان کے راستے دماغ میں نہیں گھستی، معجزات آنکھوں سے دیکھتا ہے مگر ان کو کچھ اہمیت نہیں دیتا، اور دل: بات سمجھنے کی پوزیشن میں نہیں رہتا، پھر قرآن ان پر اثر انداز کیسے ہو؟

اور یہ مضمون سورۃ الرعد (آیت ۳۱) میں اس طرح بیان ہوا ہے کہ اگر قرآن ایسا ہوتا کہ اس کے ذریعہ پہاڑوں کو ان کی جگہ سے ہٹایا جاسکتا یا اس کے ذریعہ زمین جلدی جلدی طے کی جاسکتی یا اس کے ذریعہ مُردوں سے باتیں کی جاسکتیں تو بھی محروم قسمت ایمان نہ لاتے، گدھے کے سامنے زعفران کا ٹوکرا رکھیں تو وہ اس کو فُوں کرکے اڑا دے گا!

اور مشرکین کا حال یہ ہے کہ جب ان کو قرآنِ کریم میں کوئی بات قابل اعتراض نہیں ملتی تو وہ اس کو مذہبی جھوٹی داستانیں کہہ کر بے اعتبار کردیتے ہیں، خود بھی روگردانی کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی راہ پر نہیں آنے دیتے، چھوٹے بڑوں کی راہ اپناتے ہیں، بڑے خود بھی ڈوبتے ہیں، ساتھ دوسروں کو بھی لے ڈوبتے ہیں! ان بڑوں کو دُوہرا عذاب ہوگا جو بے خبری میں خود کو برباد کر رہے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ دنیا دارالاسباب ہے، اور ایک طرح کی بھول بھلیاں بھی ہے، اور انسان کو بڑی حد تک اختیار دیا گیا ہے، اور اسبابِ ہدایت مہیا کئے گئے ہیں، اب اگر انسان اپنے کسب واختیار سے اسباب ہدایت سے استفادہ کرے تو وہ راہ یاب ہوگا، ورنہ محروم رہے گا، اس لئے کہ یہاں حق وباطل یکساں نظر آتے ہیں، جیسی عینک پہن لی جائے وہی حق نظر آتا ہے، اور راہ رو ایک حد تک یوٹرن کرسکتا ہے، اور جب وہ ﴿ فِیْ شِقَاقٍۭ بَعِیْدٍ ﴾: گہرے اختلاف میں پڑ جائے تو یوٹرن نہیں کرسکتا، اس حالت کو قرآنِ کریم دل پر مہر، کان میں ڈاٹ اور آنکھ پر پردہ پڑجانے سے تعبیر کرتا ہے، مشرکین مکہ اس حالت تک پہنچ گئے تھے، اس لئے قرآنِ کریم جیسا عظیم معجزہ بھی ان پر اثر انداز نہیں ہوتا، پس قصور چمگادڑوں کی آنکھوں کا ہے، نہ کہ سورج کی ٹکیہ کا!

﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْــــَٔـوْنَ عَنْهُ ۚ وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ مع تفسیر: اور بعض مشرکین ـــــ یعنی مشرکین کے بڑے، گرو ـــــ آپ کی طرف کان لگا کر (قرآن) سنتے ہیں ـــــ مگر نصیحت پذیری کے لئے نہیں، بلکہ اس میں کیڑے نکالنے کے لئے سنتے ہیں ـــــ یہ بات محذوف ہے اور اس کا قرینہ اگلا ارشاد ہے ـــــ اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے، کہیں وہ قرآن کو سمجھ لیں! ـــــ اور ایمان لے آئیں، یعنی ان کے ایمان لانے کی استعداد درجہ صفر کو پہنچ گئی ہے، اب وہ قرآن کو سمجھ نہیں سکتے، اس لئے ان کے ایمان کی توقع فضول ہے! ـــــ ﴿ اَنْ یَّفْقَهُوْهُ ﴾: کہیں وہ قرآن کو سمجھ لیں اور ایمان لے آئیں: ایسا نہ ہو جائے اس لئے اللہ نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں ـــــ پس یہ ایک دقیق تعبیر ہے اس بات کی کہ ان کی ایمان لانے کی استعداد درجہ صفر تک پہنچ گئی ہے، اب ان سے ایمان لانے کی توقع رکھنا فضول ہے ـــــ اور چونکہ یہ تعبیر دقیق ہے، اس لئے مفسرین کرام اس کی تقدیر عبارت لِئَلاَّ یَفْقَهُوْهُ نکالتے ہیں، اب ترجمہ ہوگا: تا کہ وہ قرآن کو نہ سمجھیں اور ایمان نہ لائیں، اس تقدیر کا بھی یہی مطلب ہے کہ ان کی ایمان لانے کی استعداد ختم ہوگئی ہے۔

اور ان کے کانوں کو بہرہ کر دیا ہے ـــــ ﴿ فِیْٓ اٰذَانِهِمْ ﴾ کا ﴿ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ ﴾ پر عطف ہے، پس ﴿ جَعَلْنَا ﴾ یہاں بھی آئے گا ـــــ اور اگر ان کو سارے ہی معجزات دکھا دیئے جائیں ـــــ یعنی دنیا بھر کے معجزات دکھا دیئے جائیں ـــــ تو بھی وہ ان کی وجہ سے ایمان نہیں لائیں گے ـــــ اس لئے کہ ان کی آنکھوں پر بھی پردے پڑ گئے ہیں ـــــ حتی کہ ـــــ یعنی ان کی ضد وعناد کی حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ ـــــ جب وہ آپؐ کے پاس آئیں گے آپؐ سے جھگڑا (کٹ حجتی) کریں گے، منکرین اسلام کہیں گے: یہ (قرآن) تو بس اگلوں کی مذہبی جھوٹی داستانیں ہیں، اور وہ (یہ کہہ کر) لوگوں کو (اسلام سے) روکتے ہیں، اور خود بھی روگردانی کرتے ہیں، اور وہ (آخرت میں) اپنی ذاتوں ہی کو برباد کر رہے ہیں اور وہ سمجھتے نہیں!

لو جی! دل کی بات زبان پر آ گئی!

ابھی (آیت ۲۳) میں یہ بات آئی ہے کہ قیامت کے میدان میں اللہ تعالیٰ مشرکوں کو اور ان کے معبودوں کو ایک ساتھ جمع کر کے عابدوں سے پوچھیں گے: ''تمہارے وہ شرکاء کہاں ہیں جن کو تم نے معبود بنا رکھا تھا؟'' یعنی وہ آج تمہاری مدد کے لئے آگے کیوں نہیں آتے؟ ـــــ اس وقت مشرکین جھوٹ بولیں گے، کہیں گے: ﴿ وَ اللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ﴾ ہمارے پروردگار اللہ کی قسم! ہم نے کسی کو آپ کے ساتھ عبادت میں شریک نہیں کیا! ـــــ یہ قصہ میدانِ حشر کا ہے۔

پھر مشرکین وکفار کو گروہ گروہ بنا کر دوزخ کی طرف ہانکا جائے گا، اور سورۃ الزمر کے آخری رکوع میں ہے کہ دوزخ کا دروازہ بند ہوگا، جیسے جیل کا دروازہ بند ہوتا ہے، جب دوزخی: دوزخ کے دروازے پر پہنچیں گے تو وہاں ان کو روکا جائے گا،

تاکہ دروازہ کھول کر ان کو اس میں ٹھونسا جائے، پھر دروازہ بھیڑ دیا جائے۔

اس وقت کفار و مشرکین دوزخ کا ہولناک منظر دیکھیں گے، اور حواس باختہ ہو کر کہیں گے: ''اے کاش ہمیں ایک چانس دیا جاتا، دنیا کی طرف پھیرا جاتا، اگر ایسا ہو جائے تو ہم اللہ کی باتوں کی ہرگز تکذیب نہیں کریں گے، ان کو مان لیں گے اور مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہو جائیں گے!'' —— یہ آرزو اقرار ہے کہ انھوں نے پہلی زندگی میں اللہ کی باتیں نہیں مانی تھیں، شرک وکفر میں مبتلا رہے تھے —— یہ وہ دل کی بات ہے جو بے ساختہ زبان پر آ گئی، اسی کو کہتے ہیں: ''جادو وہ جو سر پے چڑھ کر بولے!'' یعنی سچی بات وہی جس کا آدمی اپنی زبان سے اعتراف کرے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انھوں نے جو یہ تمنا کی ہے یہ بھی جھوٹی آرزو ہے، اس لئے کہ ان کو دنیا کی طرف پھیرنے کی دو ہی صورتیں ہیں:

اول: قیامت کا منظر یاد ہوتے ہوئے پھیرنا، پس وہ ایمان بالغیب نہیں رہا، جبکہ مطلوب ایمان بالغیب ہے، کتاب دیکھ کر امتحانی سوال کا جواب لکھا تو کیا خاک لکھا! زبانی جواب لکھے اور کامیاب ہو: وہی کامیابی ہے۔

دوم: قیامت کے احوال (خوفناک مناظر) بھلا کر لوٹانا، اس صورت میں وہ ضرور وہی کام کریں گے جو وہ اس پہلی زندگی میں کر رہے ہیں، جن سے قرآن روک رہا ہے، اس لئے کہ کتے کی دُم سو سال تک نلکی میں رکھی جائے، پھر بھی جب نکلے گی ٹیڑھی نکلے گی، پس وہ اپنی آرزو میں بھی جھوٹے ہیں، اس لئے ان کو چانس دینے میں کوئی فائدہ نہیں، ان کو ان کے گھر تک پہنچانا چاہئے۔

﴿یہاں پر رسالت کا بیان پورا ہوا، آگے آخرت کا مضمون ہے﴾

﴿ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور اگر آپ وہ منظر دیکھیں جب وہ (کفار و مشرکین) دوزخ پر کھڑے کئے جائیں گے، پس وہ کہیں گے: ''اے کاش ہم (دنیا کی طرف) لوٹائے جاتے، اور ہم ہمارے پروردگار کی باتوں کی تکذیب نہ کرتے، اور ہم ایمان لانے والوں میں شامل ہو جاتے!''

(جھوٹ!) بلکہ ان کے منہ سے وہ بات نکل پڑی جس کو وہ پہلے چھپا رہے تھے —— اور اگر وہ (دنیا کی طرف) پھیرے جائیں تو وہ ضرور وہ کام کریں گے جن سے وہ (فی الحال) روکے جا رہے ہیں، اور بے شک وہ البتہ جھوٹے ہیں

—— یعنی ان کی آرزو خود فریبی کے سوا کچھ نہیں۔

وَقَالُوٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ؕ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۰﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۲﴾

ع ۱۰

وَقَالُوٓا	اور انھوں نے کہا	بَلٰى	کیوں نہیں	بَغْتَةً	اچانک
اِنْ هِيَ	نہیں وہ (زندگی)	وَرَبِّنَا	ہمارے رب کی قسم!	قَالُوْا	(تو) کہیں گے وہ
اِلَّا حَيَاتُنَا	مگر ہماری زندگانی	قَالَ	فرمائیں گے	يٰحَسْرَتَنَا	ہائے افسوس!
الدُّنْيَا	دنیوی	فَذُوْقُوا	تو چکھو	عَلٰى مَا	اس پر جو
وَمَا نَحْنُ	اور نہیں ہیں ہم	الْعَذَابَ	سزا	فَرَّطْنَا	کوتاہی کی ہم نے
بِمَبْعُوثِيْنَ	دوبارہ زندہ کیے ہوئے	بِمَا كُنْتُمْ	اس کی جو تھے تم	فِيْهَا	اس (دنیا) میں
وَلَوْ تَرٰٓى	اور اگر آپ دیکھیں	تَكْفُرُوْنَ	انکار کرتے	وَهُمْ	اور وہ
اِذْ وُقِفُوْا	جب کھڑے کیے جائیں گے وہ	قَدْ خَسِرَ	بالیقین گھاٹے میں رہیں گے	يَحْمِلُوْنَ	اٹھائیں گے
				اَوْزَارَهُمْ	اپنے بوجھ
عَلٰى رَبِّهِمْ	ان کے رب کے سامنے	الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا	وہ جنھوں نے جھٹلایا	عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ	اپنی پیٹھوں پر
قَالَ	فرمائیں گے	بِلِقَآءِ اللّٰهِ	اللہ سے ملنے کو	اَلَا سَآءَ	سن! برا ہے
اَلَيْسَ هٰذَا	کیا نہیں ہے یہ (زندگی)	حَتّٰٓى اِذَا	یہاں تک کہ جب	مَا يَزِرُوْنَ	جو بوجھ وہ اٹھائیں گے
بِالْحَقِّ	برحق؟	جَآءَتْهُمُ	پہنچے گی ان کو	وَمَا الْحَيٰوةُ	اور نہیں ہے زندگانی
قَالُوْا	جواب دیں گے وہ	السَّاعَةُ	قیامت	الدُّنْيَا	دنیوی

اِلَّا لَعِبٌ(۱)	مگر کھیل	الْاٰخِرَةُ	آخرت کا	يَتَّقُوْنَ	پرہیزگاری کی زندگی
وَّلَهْوٌ	اور دل بہلانا	خَيْرٌ	بہتر ہے		اپناتے ہیں
وَلَلدَّارُ	اور البتہ گھر	لِّلَّذِيْنَ	ان کے لئے جو	اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ	کیا پس تم سمجھتے نہیں!

آخرت کا بیان

جو لوگ آج آخرت کو نہیں مانتے وہ کل قیامت کو قسم کھا کر مانیں گے، مگر وہ ماننا لاحاصل ہوگا

اسلام کا تیسرا بنیادی عقیدہ آخرت کا ہے، ان آیات میں اسی کا بیان ہے، عقیدۂ آخرت کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی یہ زندگی سب کچھ نہیں، اس کا ایک جوڑا ہے، یہ زندگی ایک دن ختم ہوجائے گی، بساط الٹ دی جائے گی، اس دنیا کا آخری دن آجائے گا، اس دن میں تمام مخلوقات دوبارہ پیدا کی جائیں گی، اور وہ آخری دن پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا (سورۃ المعارج) اس دن میں حساب کتاب ہوگا، پھر غیر مکلّف مخلوقات کو مٹی بنادیا جائے گا، اور مکلّف مخلوقات (جن وانس) کو آگے بڑھایا جائے گا، نیکوکاروں کو باغات میں پہنچایا جائے گا، اور بدکاروں کو آگ کی بھٹی میں جھونکا جائے گا، پھر جنتی تا ابد اپنے باغات میں عیش کریں گے اور دوزخی آگ میں واویلا کریں گے۔

آج عام لوگ آخرت کے بارے میں غفلت کا شکار ہیں، ان کی نظر میں یہ دنیا ہی سب کچھ ہے، اس کے بعد کوئی زندگی نہیں، اور کچھ لوگ آخرت کو مانتے ہیں، مگر ایسا مانتے ہیں جو نہ ماننا ہے۔

ہندو آواگون کے قائل ہیں، ان کے نزدیک انسان مر کر پھر اسی دنیا میں جزاوسزا کے لئے آجاتا ہے، عربی میں اس کو تناسخ کہتے ہیں، نسخ کے معنی ہیں: ہٹانا، پس تناسخ (تفاعل) کے معنی ہیں: ایک زندگی کا دوسری زندگی کو ہٹانا، ان کے نزدیک یہ دنیا اسی طرح چلتی رہے گی، کبھی ختم نہ ہوگی، قرآنِ کریم بار بار کہتا ہے کہ یہ بات خلافِ واقعہ ہے، آخرت کی زندگی دوسری مستقل زندگی ہے، یہاں اچھا برا عمل ہے، اور وہاں اس کی جزاوسزا ہے۔

اور اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) بھی آخرت کو مانتے ہیں، مگر وہ خود کو جنت کا ٹھیکیدار سمجھتے ہیں، اور جہنم کو دوسروں کے لئے تجویز کرتے ہیں، ان کا نظریہ بھی غلط ہے، یہ ماننا بھی نہ ماننا ہے، قرآنِ کریم بار بار کہتا ہے: جنت اور جہنم کے فیصلے

(۱) لہو ولعب کے معنی لغت میں متقارب بلکہ متحد ہیں، دونوں ساتھ مستعمل ہیں، اور ترجمہ کھیل تماشا کرتے ہیں، البتہ اعتباری فرق کیا جاسکتا ہے، بیان القرآن میں ہے: ''غیر نافع امر میں مشغول ہونے کے دو اثر ہیں: ایک: خود اس کی طرف متوجہ ہونا، دوسرے: اس توجہ کی وجہ سے نافع امور سے بے توجہی ہوجانا، وہ (غیر نافع) امر: اول اعتبار سے لعب کہلاتا ہے، اور دوسرے اعتبار سے لہو، کذا فی الروح'' —— مثلاً: تفریح طبع کے لئے کھیلنا 'لعب' ہے اور اس میں ایسا لگ جانا کہ سبق جائے 'لہو' ہے۔

نسل، کی بنیاد پر نہیں ہونگے، ایمان صحیح اور اعمالِ صالحہ کی بنیاد پر ہونگے۔

اور ناستک (ملحد، بددین) دوسری زندگی ہی کا انکار کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں: زندگی بس دنیا کی زندگی ہے، لوگ دوبارہ زندہ نہیں کیے جائیں گے، جب تک جیتے ہیں: جیتے ہیں، پھر مر کر کھپ جائیں گے، لہٰذا اس زندگی میں خوب مزے اڑالو، آخرت کے تصور سے دنیا کے عیش کو مکدر مت کرو، تمام مادہ پرستوں کا یہی نظریہ ہے، ایک ملحد شاعر نے بابر بادشاہ کو مشورہ دیا ہے: بابر! بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست! جناب! مزے اڑالو کہ یہی دنیا ہے، آگے کوئی دنیا نہیں!

قرآنِ پاک فرماتا ہے: کاش لوگ وہ منظر دیکھیں: جب اس دنیا کا آخری دن آئے گا، مُردے دوبارہ زندہ کئے جائیں گے، اور ان کو پروردگارِ عالم کے سامنے کھڑا کیا جائے گا: تب اللہ تعالیٰ ان سے پوچھیں گے: کیا یہ دوبارہ زندہ ہونا برحق نہیں؟ کیا تمہیں اب اس دوسری زندگی میں کچھ شک ہے؟ وہ جواب دیں گے: ہمارے پروردگار کی قسم! ہمیں اب ذرا شک نہیں، یہ دوسری زندگی بالکل برحق ہے، ہم واقعی دوبارہ زندہ ہو گئے! —— مگر یہ اعتراف لاحاصل ہوگا، اس لئے کہ چڑیاں چگ گئیں کھیت! ایمان و عمل صالح کی دنیا پیچھے چلی گئی، یہ دوسری دنیا تو جزائے اعمال کی دنیا ہے، اور منکرین آخرت نے عمل کی دنیا میں آخرت کی کچھ تیاری نہیں کی عیش و عشرت میں زندگی گذاری، پس چاہ کن را چاہ درپیش! جو کھڈا کھودتا ہے: اس میں گرتا ہے!

﴿ وَقَالُوٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِيْنَ ۝ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ۚ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ۚ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور وہ لوگ —— یعنی مشرکین مکہ —— کہتے ہیں: زندگی تو بس دنیا کی زندگی ہے، اور ہم دوبارہ زندہ نہیں کئے جائیں گے! —— اور اگر آپ دیکھیں: جب وہ ان کے پروردگار کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے (تب اللہ تعالیٰ) پوچھیں گے: کیا (زندہ ہونا) برحق نہیں؟ —— وہ جواب دیں گے: کیوں نہیں! ہمارے پروردگار کی قسم! —— بالکل برحق ہے، ہم واقعی دوبارہ زندہ کردیئے گئے —— (پس) اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اب عذاب چکھو، تمہارے (اس زندگی کا) انکار کرنے کی وجہ سے!

آخرت کی فکر ہی ایمان اور عمل صالح پر لاتی ہے

واقعہ یہ ہے کہ جو لوگ آخرت کو نہیں مانتے وہ آخرت میں گھاٹے میں رہیں گے، یہ دنیا جو رات دن چل رہی ہے، ایک دن اچانک رک جائے گی، اور قیامت سامنے آکھڑی ہوگی، اس دن منکرین آخرت کفِ افسوس ملیں گے، انھوں نے دنیا کی زندگی میں جو کوتاہیاں کی ہیں ان پر پشیمان ہونگے، وہ اپنے گناہوں کی گٹھڑیاں اپنی پیٹھوں پر لادے جہنم کی طرف روانہ ہونگے، وہ خبردار ہو جائیں، وہ جو بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں: وہ بہت برا بوجھ ہے، اس بوجھ سے جو گلوخلاصی چاہتا ہے وہ ابھی آخرت کو مان لے، ایمان لے آئے اور عمل صالح پر پڑ جائے۔

﴿ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۳۱﴾ ﴾

ترجمہ: واقعہ یہ ہے ـــــ یعنی تحقیقی بات یہ ہے ـــــ کہ وہ لوگ گھاٹے میں رہے جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو ـــــ یعنی آخرت کو ـــــ نہیں مانتے ـــــ یہاں تک کہ جب ان کے سامنے اچانک قیامت آکھڑی ہوگی ـــــ یہاں تک کہ: یعنی وہ آخرت کا انکار ہی کرتے رہیں گے کہ اچانک قیامت برپا ہوجائے گی ـــــ تو وہ کہیں گے: ہائے افسوس! ہماری کوتاہی پر اُس (دنیا کی زندگی) میں! اور وہ اپنے (گناہوں کے) بوجھ اپنی پیٹھوں پر اٹھائیں گے، خبردار! برا ہے وہ بوجھ جو وہ اٹھائیں گے!

دنیا کی زندگی محض کھیل تماشا ہے!

منکرینِ آخرت اور نیم منکرین آخرت جان لیں کہ دنیا کی یہ زندگی محض کھیل تماشہ ہے، میدان میں کھیلنے والے اور تماشہ بیں تھوڑی دیر اچھل کود کرتے ہیں، اور دیکھنے والے محظوظ ہوتے ہیں، پھر جب کھیل ختم ہوتا ہے تو سب خالی ہاتھ گھروں کو لوٹ جاتے ہیں۔

اور جو لوگ آخرت کو کماحقہ مانتے ہیں وہ ہمہ وقت اس کی تیاری میں لگے رہتے ہیں، اور پرہیزگاری کی زندگی اپناتے ہیں، اللہ کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کرتے، ان کے لئے آخرت کا گھر دنیا کے عیش وعشرت سے بہتر ہے، وہ جنت میں مزے اڑائیں گے، یہ بات لوگ گوشِ ہوش سے سن لیں۔

فائدہ: اس آیت کے ذیل میں دو باتیں یاد رکھیں:

ایک: یہ جو فرمایا ہے کہ دنیا کی زندگی محض کھیل تماشا ہے: یہ منکرین آخرت اور نیم منکرین آخرت کے تعلق سے ہے، نیم منکرین آخرت: وہ مسلمان ہیں جو زبان سے تو آخرت کو مانتے ہیں، مگر ان کا عمل گواہی دیتا ہے کہ وہ نہیں مانتے ـــــ رہے مؤمنین تو ان کے تعلق سے یہ دنیا جِدّ (سنجیدگی) ہے، یہاں بونا ہے وہاں کاٹنا ہے، اس لئے مؤمن تو آخرت کے لئے جِد وجُہد میں لگا رہتا ہے، ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرتا۔

دوم: اور کھیل تماشہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تھوڑی دیر کا قصہ ہے، جلد دنیا ختم ہونے والی ہے، جیسے کھیل مسلسل نہیں چلتا، گھنٹہ بعد ختم ہوجاتا ہے، اور کھلاڑی اور تماشہ بیں خالی دامن گھر لوٹ جاتے ہیں۔

﴿ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۲﴾ ﴾

ترجمہ: دنیا کی زندگی تو محض کھیل تماشا ہے، اور آخرت کا گھر (جنت) یقیناً بہتر ہے ان لوگوں کے لئے جو پرہیزگاری کی زندگی اپناتے ہیں، کیا پس تم بات سمجھتے نہیں!

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِىْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰىٓ اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۴﴾ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِىَ نَفَقًا فِى الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِى السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ۚ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۵﴾

قَدْ نَعْلَمُ	بالتحقیق ہم جانتے ہیں	كُذِّبَتْ	جھٹلائے گئے	مِنْ نَّبَاِى (۳)	کچھ خبریں
اِنَّهٗ	بے شک شان یہ ہے	رُسُلٌ	رسول	الْمُرْسَلِيْنَ	رسولوں کی
لَيَحْزُنُكَ	یقیناً غمگین کرتی ہیں آپ کو	مِّنْ قَبْلِكَ	آپ سے پہلے	وَاِنْ كَانَ	اور اگر بھاری معلوم
الَّذِىْ	جو باتیں	فَصَبَرُوْا	پس برداشت کیا انھوں نے	كَبُرَ عَلَيْكَ	ہوتا ہوا آپ کو
يَقُوْلُوْنَ	وہ لوگ کہتے ہیں	عَلٰى مَا كُذِّبُوْا (۲)	ان کی تکذیب کو	اِعْرَاضُهُمْ	ان کا روگردانی کرنا
فَاِنَّهُمْ (۱)	پس بے شک وہ	وَاُوْذُوْا	اور ان کی ایذا رسانی کو	فَاِنِ	پس اگر
لَا يُكَذِّبُوْنَكَ	آپ کی تکذیب نہیں کرتے	حَتّٰىٓ اَتٰىهُمْ	یہاں تک کہ پہنچی ان کو	اسْتَطَعْتَ	آپ کے بس میں ہو
وَلٰكِنَّ	بلکہ	نَصْرُنَا	ہماری مدد	اَنْ تَبْتَغِىَ	کہ تلاش کریں آپ
الظّٰلِمِيْنَ	حق تلفی کرنے والے	وَلَا مُبَدِّلَ	اور کوئی بدلنے والا نہیں	نَفَقًا	کوئی سوراخ
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ	اللہ کی باتوں کا	لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ	اللہ کی باتوں (وعدوں) کو	فِى الْاَرْضِ	زمین میں
يَجْحَدُوْنَ	انکار کرتے ہیں	وَلَقَدْ	اور بخدا واقعہ یہ ہے کہ	اَوْ سُلَّمًا	یا کوئی سیڑھی
وَلَقَدْ	اور بخدا واقعہ یہ ہے کہ	جَآءَكَ	پہنچ چکی ہیں آپ کو	فِى السَّمَآءِ	آسمان میں

(۱) فا: تعلیلیہ ہے۔ (۲) ما: مصدریہ ہے، (۳) مِن: تبعیضیہ ہے

فَتَاْتِيَهُمْ	پس لے آئیں آپ	وَلَوْ شَآءَ	اور اگر چاہتے	عَلَى الْهُدٰى	ہدایت پر
	ان کے پاس	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	فَلَا تَكُوْنَنَّ (۲)	پس ہرگز نہ ہوں آپ
بِاٰيَةٍ (۱)	کوئی مطلوبہ معجزہ	لَجَمَعَهُمْ	تو اکٹھا کردیتے ان کو	مِنَ الْجٰهِلِيْنَ	نادانوں میں سے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دلاسا

ارتباط: یہ سورت مکی دور کے وسط میں نازل ہوئی ہے، اس کا نزول کا نمبر ۵۵ ہے، مکی سورتیں کل ۸۵ ہیں، وہ سخت مخالفت کا زمانہ تھا، مکی دور میں مشکل سے سو آدمی ایمان لائے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات دن محنت کرتے تھے، مگر اکا دکا کوئی ایمان لاتا تھا، اور جو مسلمان ہوتا تھا: مکہ والے اس کا مکہ میں جینا حرام کردیتے تھے، وہ بے چارہ جان بچانے کے لئے وطن چھوڑ کر حبشہ چلا جاتا تھا، مکہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسے چند نفوس رہ گئے تھے۔

ایسی صورت میں داعی فکرمند ہوتا ہے، وہ سوچتا ہے: میں لوگوں کی خیر خواہی کرتا ہوں، ان کو جہنم سے بچانا چاہتا ہوں، ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کا پیغام رکھتا ہوں، مگر وہ قریب نہیں آتے، دن بہ دن دور ہوتے جارہے ہیں، اور اسلام قبول کرنے والوں کو ناقابل برداشت تکالیف پہنچاتے ہیں، اور زندگی مختصر ہے، اللہ جانیں میرا مشن کامیاب ہوگا یا نہیں؟

یہ باتیں سوہانِ روح بنی رہتی ہیں، اس لئے اسلام کے بنیادی عقائد: توحید، رسالت اور آخرت کے بیان کے بعد اب داعیٔ اسلام کو دلاسا دیا جاتا ہے کہ وہ ذرا صبر کریں، اللہ کی مدد جلد آئے گی، اور اسلام کا بول بالا ہوگا۔

منکرینِ اسلام درحقیقت اللہ کی باتوں کو جھٹلاتے ہیں، پیغمبر دل گیر نہ ہوں

اللہ تعالیٰ دیکھ رہے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مشرکوں کے اعراض وتکذیب سے بے چین ہیں، کیوں دل گیر ہوتے ہیں؟ لوگ بظاہر آپؐ کی تکذیب کرتے ہیں، مگر حقیقت میں وہ اللہ پاک کی باتوں کا انکار کرتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ ان کو برداشت کررہے ہیں، پس اللہ کے رسول بھی اللہ کی سنت اپنائیں، صبر سے کام لیں، اور ان ظالموں کا معاملہ اللہ کے حوالے کریں اور اپنے کام میں لگے رہیں۔

شانِ نزول کی روایت: ایک مرتبہ ابوجہل (مہا گدھے) نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا: محمد! ہمیں آپؐ پر جھوٹ کا کوئی گمان نہیں، ہم آپؐ کی تکذیب نہیں کرتے، ہم اس کتاب کی اور اس دین کی تکذیب کرتے ہیں جو آپؐ پیش

---

(۱) إن: کی جزاء محذوف ہے، أی فَافْعَلْ اور باء صلہ کی ہے اور آیت (نشانی) سے مراد معجزہ ہے (۲) اردو میں 'جاہل' گالی ہے، وہ مراد نہیں، عربی میں اس کے معنی ہیں: نادان، انجان، یہ معنی مراد ہیں۔

کر رہے ہیں (مظہری) پھر بھی اللہ تعالیٰ ان کو پال رہے ہیں، اب اگر اللہ کا نمائندہ ان کی فکر میں جان دیدے تو یہ مدعی سست گواہ چست والا معاملہ ہوگا، ایسا نہیں ہونا چاہئے!

﴿قَدْ نَعْلَمُ إِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِي يَقُولُونَ فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِينَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُونَ ۝۳۳﴾

ترجمہ: ہم بالیقین یہ بات جانتے ہیں کہ مشرکین جو باتیں کرتے ہیں وہ آپ کو دل گیر کرتی ہیں ـــــ آپ ان کی باتوں کا اثر قبول نہ کریں ـــــ اس لئے کہ وہ (درحقیقت) آپ کی تکذیب نہیں کرتے، بلکہ ظالم (اللہ کی حق تلفی کرنے والے) اللہ تعالیٰ کی باتوں کا انکار کرتے ہیں ـــــ پس یہ کس قدر سنگین بات ہے! پھر بھی اللہ تعالیٰ ان کو سزا نہیں دیتے، برداشت کرتے ہیں، آپ بھی برداشت کریں۔

اللہ کے رسول کی تکذیب آج کوئی نئی بات نہیں، ہمیشہ ہوتی رہی ہے!

ماضی میں بھی لوگوں نے اللہ کے رسولوں کو جھٹلایا ہے، مگر وہ حضرات لوگوں کی تکذیب اور ایذا رسانی کو سہتے رہے، اور ہمت سے کام میں لگے رہے، ایک دن ان کو اللہ کی مدد پہنچی، وہ سرخ رو ہوئے اور ان پر ایمان لانے والے کامیاب ہوئے، اور یہ انبیاء اور مؤمنین کے ساتھ اللہ کا وعدہ ہے، وہ ایک دن ضرور کامیاب ہوتے ہیں، اور کافروں کی چیرہ دستیوں سے نجات پاتے ہیں، سورۃ یونس (آیت ۱۰۳) میں ہے: ﴿ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾: بالآخر ہم (مخالفوں کی ایذا رسانیوں سے) اپنے رسولوں کو اور ان پر ایمان لانے والوں کو بچا لیتے ہیں، اور اللہ کے اس وعدے کو کوئی بدل نہیں سکتا، وہ ضرور پورا ہو کر رہتا ہے، اس سلسلہ کے بعض واقعات قرآنِ کریم میں بھی نازل کئے گئے ہیں، موسیٰ علیہ السلام، ان کی قوم بنی اسرائیل اور ان کے دشمن فرعونیوں کا بار بار قرآن میں ذکر آیا ہے، وہ کتنی پُرخار وادیوں سے گذر کر کامیابی کی منزل تک پہنچے ہیں، نبی ﷺ انبیاء کا یہ اسوہ (نمونہ) سامنے رکھیں اور کام میں لگے رہیں۔

فائدہ: مکی دور میں مخالفت اسی طرح چلتی رہی، اور ہجرت کے بعد تیز تر ہوگئی، پھر سن ۲ ہجری میں میدانِ بدر میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کے سرداروں کو نمٹا دیا، پس اسلام کی ترقی شروع ہوئی، اسی لئے جنگ بدر کو قرآنِ کریم نے یوم الفرقان (فیصلہ کن دن) قرار دیا ہے۔

﴿وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِيْنَ ۝۳۴﴾

ترجمہ: اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ آپ سے پہلے (بھی) رسولوں کی تکذیب کی گئی، پس انھوں نے کفار کی تکذیب اور

ایذا رسانی پر صبر کیا، یہاں تک کہ ان کو ہماری مدد پہنچی، اور اللہ کے وعدوں کو کوئی بدلنے والا نہیں، اور بالیقین آپ کو (گذشتہ) رسولوں کے کچھ واقعات پہنچ چکے ہیں!

لوگوں کو راہِ راست پر لانا نبی کے اختیار میں نہیں، یہ کام اللہ کا ہے

مشرکین کے چند مطالبات تھے، ایک مطالبہ یہ تھا کہ مکہ کے گرد سے پہاڑ ہٹادیئے جائیں، اور زمین پھاڑ کر نہریں بہادی جائیں، تاکہ کھیت لہلہانے لگیں: ﴿وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا﴾: اور ان لوگوں نے کہا: ہم آپ کی بات ہرگز نہیں مانیں گے تا آنکہ آپ ہمارے لئے سرزمین مکہ کو پھاڑ کر ایک چشمہ جاری کردیں ـــــ اور اس بنجر اور بے آب وگیاہ سرزمین کو سرسبز وشاداب کردیں۔

ان کا دوسرا مطالبہ یہ تھا کہ آپ سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھیں، اور مشرکوں کے سرداروں کے نام خطوط لائیں تو وہ ایمان لائیں: ﴿اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَاۗءِ ۭ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ﴾: یا آپ آسمان پر چڑھیں اور آپ کا آسمان پر چڑھنا ہم ہرگز تسلیم نہ کریں گے، یہاں تک کہ آپ اتار لائیں کوئی ایسا نوشتہ جسے ہم خود پڑھیں ـــــ اس قسم کے کفار کے اور بھی مطالبات تھے، ان کا جواب سورۃ بنی اسرائیل (آیت ۹۳) میں یہ دیا ہے کہ کہو: میں ایک انسان رسول ہوں! معجزات دکھانا میرے اختیار میں نہیں؟ یہ تو اللہ کے اختیار میں ہے، میرا کام پیغام رسانی ہے، اور بس!

یہاں بھی یہی بات بیان فرمائی ہے کہ اگر پیغمبر کو مشرکین مکہ کی روگردانی شاق گذرے، اور ان کا دل چاہے کہ مشرکین کے یہ مطالبے پورے کئے جائیں، تاکہ وہ ایمان لے آئیں، اور اسلام کی راہ ہموار ہو تو وہ ایسا کر دکھائیں! یہ بات ان کے بس میں کہاں ہے؟ معجزات تو اللہ تعالیٰ انبیاء کے ہاتھوں ظاہر کرتے ہیں، اور ابھی تکوینی مصلحت نہیں ہے کہ یہ معجزات دکھائے جائیں، کیوں کہ اگر یہ معجزات دیکھ کر وہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے تو ہلاک کئے جائیں گے، سنت اللہ یہی ہے، جبکہ آگے چل کر ان کا ایمان لانا مقدر ہے، وہی اسلام کے علم بردار بنیں گے۔

ویسے اللہ تعالیٰ قادر مطلق (کامل) ہیں، چاہیں تو بغیر کسی معجزہ کے بھی ان کو راہِ راست پر لے آئیں، مگر مصلحت نیست کہ از پردہ بیروں افتد سرّے: حقائق واشگاف ہوجائیں: یہ مصلحت نہیں، اس لئے کہ اللہ نے انسان کو بڑی حد تک اختیار دیا ہے، اور اللہ کی حکمت یہ ہے کہ انسان اپنی مرضی سے ایمان لائے تاکہ وہ جنت کا حقدار بنے، یہ بات بوجھ لینی چاہئے!

﴿وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَاۗءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَي الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝۳۵﴾

ترجمہ: اور اگر آپ کو ان کا روگردانی کرنا شاق گذر رہا ہو تو اگر آپ کے بس میں ہو کہ آپ زمین میں کوئی سوراخ

تلاش کرلیں، یا آسمان میں (چڑھنے کے لئے) کوئی سیڑھی پالیں، پس آپ اُن کو (مطلوبہ) معجزہ دکھائیں ــــ تو ایسا کردیکھیں! مگر یہ آپ کے اختیار میں کہاں ہے؟ لہٰذا صبر کریں ــــ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہیں تو ان کو راہ راست پر اکٹھا کردیں ــــ یعنی جبراً ہدایت پر لاکر مسلمانوں میں شامل کردیں، مگر یہ بات مصلحتِ تکلیف کے خلاف ہے ــــ لہٰذا آپ ہرگز انجانے نہ بنیں! ــــ اللہ کی حکمت کو بوجھیں!

إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ ۘ وَالْمَوْتَىٰ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ ثُمَّ إِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ﴿۳۶﴾ وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۚ قُلْ إِنَّ اللَّهَ قَادِرٌ عَلَىٰ أَن يُنَزِّلَ آيَةً وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۷﴾ وَمَا مِن دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُم ۚ مَّا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِن شَيْءٍ ۚ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا صُمٌّ وَبُكْمٌ فِي الظُّلُمَاتِ ۗ مَن يَشَإِ اللَّهُ يُضْلِلْهُ وَمَن يَشَأْ يَجْعَلْهُ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿۳۹﴾ قُلْ أَرَأَيْتَكُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُ اللَّهِ أَوْ أَتَتْكُمُ السَّاعَةُ أَغَيْرَ اللَّهِ تَدْعُونَ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿۴۰﴾ بَلْ إِيَّاهُ تَدْعُونَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُونَ إِلَيْهِ إِن شَاءَ وَتَنسَوْنَ مَا تُشْرِكُونَ ﴿۴۱﴾

ع ۱۱ ۱۰

إِنَّمَا	اس کے سوا نہیں کہ	يُرْجَعُونَ	لوٹائے جائیں گے وہ	قَادِرٌ	قدرت رکھنے والے ہیں
يَسْتَجِيبُ	لبیک کہتے ہیں	وَقَالُوا	اور کہا انھوں نے	عَلَىٰ أَن يُنَزِّلَ	اتارنے پر
الَّذِينَ	جو لوگ	لَوْلَا نُزِّلَ	کیوں نہیں اتارا گیا	آيَةً	(مطلوبہ) معجزہ
يَسْمَعُونَ	سنتے ہیں	عَلَيْهِ	اُس (رسول) پر	وَلَٰكِنَّ	لیکن
وَالْمَوْتَىٰ	اور مُردے	آيَةٌ	کوئی (مطلوبہ) معجزہ	أَكْثَرَهُمْ	ان کے اکثر
يَبْعَثُهُمُ	زندہ کریں گے ان کو	مِّن رَّبِّهِ	اس کے رب کی طرف سے	لَا يَعْلَمُونَ	جانتے نہیں (وجہ)
اللَّهُ	اللہ تعالیٰ	قُلْ	جواب دو	وَمَا مِن (۱) دَابَّةٍ	اور کوئی بھی رینگنے والا
ثُمَّ إِلَيْهِ	پھر اسی کی طرف	إِنَّ اللَّهَ	بے شک اللہ تعالیٰ		جانور نہیں ہے

(۱) مِن: زائدہ، نفی کی تاکید کے لئے ہے

فِي الْاَرْضِ	زمین میں	صُمٌّ	بہرے ہیں	اَوْ اَتَتْكُمُ	یا پہنچے تمہیں
وَلَا طٰٓئِرٍ	اور نہ کوئی پرندہ	وَّبُكْمٌ	اور گونگے ہیں	السَّاعَةُ	قیامت
يَّطِيْرُ (۱)	اڑتا ہے وہ	فِي الظُّلُمٰتِ	تاریکیوں میں ہیں	اَغَيْرَ اللّٰهِ	کیا اللہ کے علاوہ کو
بِجَنَاحَيْهِ	اپنے دونوں پروں سے	مَنْ يَّشَاِ	جسے چاہیں	تَدْعُوْنَ	پکاروگے تم
اِلَّآ اُمَمٌ	مگر جماعتیں ہیں	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم
اَمْثَالُكُمْ	تم جیسی	يُضْلِلْهُ	بچلادیں اس کو	صٰدِقِيْنَ	سچے
مَا فَرَّطْنَا	نہیں چھوڑی ہم نے	وَمَنْ يَّشَاْ	اور جسے چاہیں	بَلْ اِيَّاهُ	بلکہ اسی کو
فِي الْكِتٰبِ	نوشتہ میں	يَجْعَلْهُ	کردیں اس کو	تَدْعُوْنَ	پکاروگے تم
مِنْ شَيْءٍ	کوئی چیز	عَلٰى صِرَاطٍ	راستے پر	فَيَكْشِفُ	پس کھولیں گے وہ
ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ	پھر ان کے رب کی طرف	مُّسْتَقِيْمٍ	سیدھے	مَا تَدْعُوْنَ	جو پکارتے ہو تم
يُحْشَرُوْنَ	جمع کیے جائیں گے وہ	قُلْ	کہہ دو:	اِلَيْهِ	اس کی طرف
وَالَّذِيْنَ	اور جن لوگوں نے	اَرَءَيْتَكُمْ (۲)	بتلاؤ	اِنْ شَآءَ	اگر چاہیں گے وہ
كَذَّبُوْا	جھٹلایا	اِنْ اَتٰىكُمْ	اگر تمہیں پہنچے	وَتَنْسَوْنَ	اور بھول جاؤگے تم
بِاٰيٰتِنَا	ہماری باتوں کو	عَذَابُ اللّٰهِ	اللہ کا عذاب	مَا تُشْرِكُوْنَ	جن کو شریک ٹھہراتے ہو

اسلام وہی قبول کرتا ہے جس کے کان سنیں اور دل سمجھے!

گذشتہ آیت میں تھا کہ اگر نبی ﷺ پر مشرکین کی روگردانی گراں گذرتی ہے، اور ان کا دل چاہتا ہے کہ مشرکین کو ان کے مطلوبہ معجزات دکھائے جائیں تو دکھادیں! مگر یہ کام ان کے بس کا کہاں ہے؟ معجزات تو اللہ تعالیٰ دکھاتے ہیں!

اب بات آگے بڑھاتے ہیں، فرماتے ہیں: دعوتِ اسلام وہی لوگ قبول کرتے ہیں جن کے کان سنتے ہیں اور دل بوجھتے ہیں، کان کے بہرے اور دل کے مُردے معجزات دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے، پھر نبی ﷺ ایسی آرزو کیوں کریں؟

اور جس کا دل موت تک مردہ رہا، اور اس کو ایمان کی دولت نصیب نہیں ہوئی، اس کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن زندہ کریں گے، اور وہ ضرور اللہ کے پاس پہنچے گا، اس وقت اپنے کفر کی سزا پائے گا۔

---

(۱) جملہ یطیر: طائر کی صفت: تحسینِ کلام کے لئے ہے۔ (۲) أرء یتکم: میں دو ضمیریں ہیں: بلفظی ترجمہ ہے: کیا دیکھا تو نے خود کو، اور محاورہ میں ترجمہ ہے: بتلا۔

فائدہ: کان تو ہمیشہ کھلے رہتے ہیں، اور انتفاع کے لئے سننے کی شرط آیت میں صراحۃً مذکور ہے، اور دل کے قبول کرنے کی شرط آیت میں لپیٹ کر بیان کی ہے یعنی دوسرے مضمون کے ضمن میں بیان کی ہے۔

﴿ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ۔ؔ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۶﴾ ﴾

ترجمہ: بات وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو سنتے ہیں، اور مُردوں کو اللہ تعالیٰ زندہ کریں گے، پھر وہ انہی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

مطلوبہ معجزہ دکھانے کا انجام مشرکین کو معلوم نہیں

گذشتہ سے پیوستہ آیت میں جو بات آئی ہے اس کا دوسرا رخ اس آیت میں ہے۔ پہلے یہ آیا تھا کہ اللہ کے رسول کی اگر یہ خواہش ہے کہ مشرکین کو ان کا مطلوبہ معجزہ دکھایا جائے، اور وہ ایمان لے آئیں تو اسلام کی راہ ہموار ہوجائے! اس سلسلہ میں فرمایا تھا کہ اگر رسول کے اختیار میں ہو تو مطلوبہ معجزہ دکھا دیں، اللہ کی حکمت تو نہیں!

اب یہی بات مشرکین کی جانب سے لیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اگر یہ صاحب: رسالت کے دعوے میں سچے ہیں تو ان پر ان کے بھیجنے والے کی طرف سے ہمارا مطلوبہ معجزہ کیوں نہیں اتارا جاتا؟

جواب: اللہ تعالیٰ بالیقین ان کا مطلوبہ معجزہ دکھانے پر قادر ہیں، مگر اس کا جو انجام ہوگا اس کو اکثر مشرکین نہیں جانتے، اس لئے وہ بے باکی سے یہ بات کہتے ہیں۔

سنت اللہ یہ ہے کہ جب کوئی قوم اپنے پیغمبر سے کوئی خاص معجزہ طلب کرتی ہے، اور اللہ تعالیٰ وہ معجزہ دکھاتے ہیں، پھر بھی وہ قوم ایمان نہیں لاتی تو ہلاک کی جاتی ہے، ماضی میں ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہا ہے، اور مشرکین مکہ کی کلی ہلاکت مقدر نہیں، وہی لوگ ایک وقت کے بعد اسلام کے علم بردار بننے والے ہیں، اس لئے ان کو مطلوبہ معجزہ نہیں دکھایا جاتا، دکھایا جائے گا اور وہ ایمان نہیں لائیں گے تو ہلاک کئے جائیں گے، اور یہ بات حکمتِ خداوندی کے خلاف ہے۔

﴿ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۔ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۷﴾ ﴾

ترجمہ: اور مشرکین نے کہا: ان پر (ہمارا مطلوبہ) معجزہ ان کے پروردگار کی طرف سے کیوں نہیں اتارا جاتا؟ کہو: اللہ تعالیٰ یقیناً قادر ہیں (مطلوبہ) معجزہ اتارنے پر لیکن ان کے اکثر (اس کا انجام) نہیں جانتے۔

مشرکین مطلوبہ معجزہ نہ دکھانے سے دنیا کے عذاب سے بچ گئے تو کیا خاک بچے!

کوئی خیال کرسکتا ہے کہ مشرکینِ مکہ کو ان کے مطلوبہ معجزات نہ دکھانے سے وہ دنیا کے عذاب سے بچ گئے، یہ تو ان کا

فائدہ ہوا، کیا اچھا ہوتا کہ ان کو معجزہ دکھایا جاتا، اور وہ ایمان نہ لاتے، اور ہلاک کئے جاتے تو نبی کا کلیجہ ٹھنڈا ہوتا اور مسلمانوں کو ان کی چیرہ دستیوں سے نجات ملتی۔

اس کا جواب دیتے ہیں کہ مشرکین دنیا کے عذاب سے بچ گئے تو کیا خاک بچ گئے! آخرت کی پکڑ سامنے ہے، اللہ تعالیٰ تمام حیوانات کو، چرند کو بھی اور پرند کو بھی ـــــ جو غیر مکلّف ہیں ـــــ قیامت کے دن دوبارہ پیدا کریں گے تو کیا انسانوں کو دوبارہ پیدا نہیں کریں گے؟ ضرور پیدا کریں گے، وہ تو مکلّف مخلوق ہیں، اور تمام چرندوپرند کا ریکارڈ لوح محفوظ میں محفوظ ہے، انسانوں کا ریکارڈ بھی محفوظ ہے، کوئی چیز اس نے چھوڑی نہیں، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سب مخلوقات کو دوبارہ زندہ کر کے اپنے پاس جمع کریں گے، پھر سب کا حساب ہوگا، حساب کے بعد غیر مکلّف مخلوقات کو مٹی بنادیا جائے گا، اس وقت کافر تمنا کریں گے: ﴿ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴾: کاش میں بھی مٹی بنادیا جاتا! مگر اس کی آرزو شیخ چلی والی آرزو ثابت ہوگی، اس کو مٹی نہیں بنایا جائے گا، بلکہ آگے بڑھایا جائے گا، جہنم میں پہنچایا جائے گا۔

سوچو! انسان کو اعلیٰ درجہ کی عقل خواہ مخواہ نہیں دی، اس لئے دی ہے کہ وہ اس سے کام لے کر اللہ تعالیٰ کو پہچانے، اور اللہ کی راہ نمائی کے مطابق زندگی گذارے، پھر جنت میں پہنچ کر عیش کرے، اور جو عقل کے پیچھے لٹھ لے کر دوڑے، نہ اللہ کو پہچانے، نہ ان کی راہ نمائی قبول کرے، وہ کیفر کردار کو پہنچے۔

چنانچہ اگلی آیت میں فرمایا کہ جو لوگ اللہ کی باتوں کو جھٹلاتے ہیں، وہ بہرے گونگے تاریکیوں میں پڑے ہیں، بہرہ سنتا ہی نہیں اور تاریکیوں میں پھنسا ہوا راہ راست نہیں دیکھتا، پھر اس سے ایمان کی کیا امید رکھی جائے؟ ویسے اللہ تعالیٰ قادر ہیں، وہ راستے سے ہٹا بھی سکتے ہیں اور راستہ پر لا بھی سکتے ہیں، مگر تکوینی مصلحت یہ ہے کہ انسان کو مجبور نہ کیا جائے، وہ اپنی مرضی سے اللہ کے راستے پر آئے اور جنت کا حقدار بنے، اور جو جہنم کے راستے پر پڑنا چاہے پڑے، اور اپنی عاقبت خراب کرے!

﴿ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ۚ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ ۭ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ۭ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ﴾

ترجمہ: اور زمین میں چلنے والا کوئی جانور نہیں، اور اپنے دونوں بازوؤں سے اڑنے والا کوئی پرندہ نہیں: مگر وہ تم جیسی امتیں ہیں ـــــ "تم جیسی": میں اشارہ ہے کہ جس طرح اُن امتوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا انسانوں کو بھی زندہ کیا جائے گا ـــــ ہم نے نوشتہ (لوح محفوظ) میں کوئی چیز چھوڑی نہیں ـــــ اس میں اشارہ ہے کہ حیوانات کی طرح انسانوں کا بھی ریکارڈ محفوظ ہے ـــــ پھر وہ ان کے رب کے پاس جمع کئے جائیں گے ـــــ پس انسان بہ درجۂ اولیٰ

جمع کئے جائیں گے!

اور جن لوگوں نے ہماری باتوں کو جھٹلایا: وہ بہرے گونگے تاریکیوں میں ہیں —— پس ان سے ایمان کی کیا امید رکھی جائے؟ —— اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں راستہ سے ہٹادیتے ہیں، اور جس کو چاہتے ہیں سیدھے راستہ پر ڈال دیتے ہیں —— اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کا بیان ہے، یعنی اللہ تعالیٰ جو چاہیں کر سکتے ہیں، مگر ان کی حکمت کا تقاضہ یہ ہے کہ انسان اپنی مرضی سے ایمان لائے۔

مورتیاں نہ دنیا میں کام آتی ہیں، نہ آخرت میں کام آئیں گی

یہاں کافر خیال کر سکتا ہے کہ اولاً تو قیامت ویامت کچھ نہیں، بس زندگی یہی دنیا کی زندگی ہے، اور فرض کرو قیامت قائم ہوئی تو ان کی مورتیاں جو دنیا میں حاجت روا ہیں، قیامت میں بھی عذاب سے بچالیں گی۔

اس سلسلہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ مورتیاں دنیا میں کیا خاک کام آتی ہیں، جب زلزلہ آتا ہے اور طوفانِ بادوباراں آتا ہے تو تم مورتیوں کو مدد کے لئے پکارتے ہو؟ نہیں! ان کو بھول جاتے ہو، اور ایک اللہ کو پکارتے ہو، پھر مصلحت ہوتی ہے تو وہی مصیبت کو دور کرتے ہیں، یہ فرضی معبود آخرت میں تمہارے کیا کام آسکتے ہیں؟

﴿ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَ تَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: آپ کہیں: بتاؤ! اگر تمہیں (دنیا میں) اللہ کا عذاب پہنچے، یا تمہیں قیامت آلے تو کیا تم اللہ کے سوا کو (مدد کے لئے) پکاروگے، اگر تم سچے ہو —— دعوئے اشراک میں —— بلکہ اللہ ہی کو پکاروگے، پس وہ چاہیں گے تو اس مصیبت کو دور کریں گے، جس کے لئے تم نے ان کو پکارا ہے، اور (اس وقت) تم ان مورتیوں کو بھول جاؤگے جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو! —— پھر وہ آخرت میں تمہاری مصیبت کیا دور کریں گے؟

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ۝ فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ۭ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ۝ فَقُطِعَ دَابِرُ

الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۭ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۴۵

وَلَقَدْ	اور بخدا واقعہ یہ ہے کہ	قُلُوْبُهُمْ	ان کے دل	بِمَآ	اس پر جو
اَرْسَلْنَآ	ہم نے رسول بھیجے	وَزَيَّنَ	اور بھلا کر دکھایا	اُوْتُوْٓا	دیئے گئے وہ
اِلٰٓى اُمَمٍ	کئی امتوں کی طرف	لَهُمُ	ان کو	اَخَذْنٰهُمْ	پکڑ لیا ہم نے ان کو
مِّنْ قَبْلِكَ	آپؐ سے پہلے	الشَّيْطٰنُ	شیطان نے	بَغْتَةً	اچانک
فَاَخَذْنٰهُمْ	پس پکڑا ہم نے ان کو	مَا كَانُوْا	جو وہ کیا کرتے تھے	فَاِذَا هُمْ	پس اچانک وہ
بِالْبَاْسَآءِ (۱)	سختی میں	يَعْمَلُوْنَ		مُّبْلِسُوْنَ (۴)	آس توڑنے والے ہیں
وَالضَّرَّآءِ (۲)	اور تکلیف میں	فَلَمَّا نَسُوْا	پس جب بھول گئے وہ	فَقُطِعَ	پس کاٹ دی گئی
لَعَلَّهُمْ	تاکہ وہ	مَا ذُكِّرُوْا	جو نصیحت کئے گئے وہ	دَابِرُ	جڑ
يَتَضَرَّعُوْنَ (۳)	گڑگڑائیں	بِهٖ	اس کے ذریعہ	الْقَوْمِ	ان لوگوں کی
فَلَوْلَآ	پس کیوں نہیں	فَتَحْنَا	(تو) کھول دیئے ہم نے	الَّذِيْنَ	جنھوں نے
اِذْ جَآءَهُمْ	جب پہنچی ان کو	عَلَيْهِمْ	ان پر	ظَلَمُوْا	ناانصافی کی
بَاْسُنَا	ہماری سختی	اَبْوَابَ	دروازے	وَالْحَمْدُ	اور تمام تعریفیں
تَضَرَّعُوْا	گڑگڑائے وہ؟	كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز کے	لِلّٰهِ	اللہ کے لئے ہیں
وَلٰكِنْ	بلکہ	حَتّٰٓى اِذَا	یہاں تک کہ جب	رَبِّ	پالنہار
قَسَتْ	سخت ہو گئے	فَرِحُوْا	خوش ہو گئے وہ	الْعٰلَمِيْنَ	جہانوں کے

سنتِ الٰہی یہ ہے کہ کسی قوم کو ہلاک کرنے سے پہلے دو طرح سے آزمایا جاتا ہے پھر عذاب آتا ہے

ربط: گذشتہ آیت میں کافروں کے لئے دنیوی عذاب کا ذکر آیا ہے: ﴿اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ﴾ اب اس سلسلہ میں سنتِ الٰہی بیان فرماتے ہیں کہ کسی قوم کو ہلاک کرنے سے پہلے ان کو دو طرح سے آزمایا جاتا ہے۔

سب سے پہلے: ان کو تکلیف، سختی اور عسرت سے دوچار کیا جاتا ہے، تاکہ وہ گڑگڑائیں، عاجزی کریں، اللہ کی طرف

---

(۱) البأساء: اسم مؤنث، بُؤْس سے: سختی، فقر (۲) الضَّرآء: اسم مؤنث، ضُرٌّ سے: سختی، تنگی، بیماری، مصیبت، سَرَّاء اور نَعْمَاء کی ضد (۳) یتضرعون: تَضَرُّع (تفعل) سے مضارع جمع مذکر غائب، (۴) مُبْلِس: اسم فاعل: مایوس، پشیمان، متحیر۔

متوجہ ہوں، رسول پر ایمان لائیں، اس کی اطاعت کریں اور احکام خداوندی کو تسلیم کریں۔
پھر: جب کتے کی دُم سیدھی نہیں ہوتی تو ان پر راحت وآسائش کا دروازہ کھولا جاتا ہے، تاکہ ان میں شکر کا جذبہ ابھرے، اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں۔
لیکن: جب ان تدبیروں کا فائدہ ظاہر نہیں ہوتا، بلکہ لوگ ان نعمتوں پر اتراتے ہیں، ان کو اپنے ہنر کا کمال سمجھتے ہیں، اور راہِ راست پر نہیں آتے، اس لئے کہ شیطان ان کے لئے شرک اور مشرکانہ اعمال کو خوش نما بناتا ہے، اور وہ انبیاء کی باتوں کو نہیں مانتے جو غیر خواہانہ ہوتی ہیں تو ان پر اچانک عذاب آپڑتا ہے، اس وقت حسرت وافسوس کے سوا ان کے ہاتھ میں کچھ نہیں رہتا۔
اس طرح: مشرکین کی جڑ کاٹ دی جاتی ہے، نہ بڑا بچتا ہے نہ چھوٹا، اور یہ اللہ تعالیٰ کا عالَم کے ساتھ حسن سلوک ہے، ڈاکٹر مریض کا سڑا ہوا عضو کاٹ دیتا ہے، یہ ڈاکٹر کا مریض پر احسان ہے، اسی میں باقی جسم کی سلامتی ہے، اللہ تعالیٰ جہانوں کے پالنہار ہیں، ان کی ربوبیت کا یہی تقاضا ہے کہ فاسد اعضاء کاٹ دیئے جائیں۔
ملحوظہ: اللہ کی اس سنت کا ذکر سورۃ الاعراف (آیات ۹۴ و ۹۵) میں بھی ہے۔
آیاتِ پاک: اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ہم نے آپؐ سے پہلے (بھی) کئی امتوں کی طرف رسول بھیجے، پس ہم نے ان کو (ابتداءً) سختی اور تکلیف سے دوچار کیا، تاکہ وہ عاجزی کریں، پس جب ان کو ہماری سختی پہنچی تو انھوں نے عاجزی کیوں نہ کی؟ —— ان کو سبق لینا چاہئے تھا اور اللہ کی طرف متوجہ ہونا چاہئے تھا —— بلکہ ان کے دل سخت ہوگئے —— یعنی ان پر الٹا اثر ہوا —— اور شیطان نے ان کے لئے وہ کام خوشنما بنائے جو وہ کیا کرتے تھے —— مراد شرک اور مشرکانہ اعمال ہیں۔
پھر جب وہ بھول گئے —— یعنی نظر انداز کردیں، پس پشت ڈال دیں —— وہ باتیں جن کے ذریعہ ان کو نصیحت کی گئی تھی —— مراد انبیاء کی تعلیمات ہیں جو خیر خواہی پر مبنی ہوتی ہیں —— تو کھول دیئے ہم نے ان پر ہر طرح کی نعمتوں کے دروازے، یہاں تک کہ جب وہ اترانے لگے ان نعمتوں پر جو وہ دیئے گئے تھے پس ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا، پس وہ آس توڑ بیٹھے!
پس ان لوگوں کی جڑ ہی کاٹ دی گئی جنھوں نے اللہ کے معاملہ میں ناانصافی کی، اور تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو جہانوں کے پالنہار ہیں! —— ظالموں کا استیصال بھی اس کی ربوبیت عامہ کا اثر اور مجموعۂ عالَم کے لئے رحمتِ عظیم ہے، اسی لئے یہاں حمد وشکر کا اظہار فرمایا (فوائد)

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ۝۴۶ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۴۷

قُلْ	آپ فرمائیں:	غَيْرُ اللّٰهِ	اللہ کے سوا	قُلْ	کہو:
اَرَءَيْتُمْ	بتلاؤ	يَاْتِيْكُمْ	لاکردے تمہیں	اَرَءَيْتَكُمْ	بتلاؤ
اِنْ اَخَذَ	اگر لے لیں	بِهٖ [1]	وہ چیز؟	اِنْ اَتٰىكُمْ	اگر پہنچے تمہیں
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	اُنْظُرْ	دیکھو	عَذَابُ اللّٰهِ	اللہ کا عذاب
سَمْعَكُمْ	تمہارے کان	كَيْفَ	کیسے	بَغْتَةً	اچانک
وَاَبْصَارَكُمْ	اور تمہاری آنکھیں	نُصَرِّفُ [2]	پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں	اَوْ جَهْرَةً [4]	یا کھلم کھلا
وَخَتَمَ	اور مہر کردیں	الْاٰيٰتِ	آیتیں	هَلْ يُهْلَكُ	نہیں ہلاک ہونگے
عَلٰى قُلُوْبِكُمْ	تمہارے دلوں پر	ثُمَّ هُمْ	پھر (بھی) وہ	اِلَّا الْقَوْمُ	مگر لوگ
مَّنْ اِلٰهٌ	کون معبود ہے	يَصْدِفُوْنَ [3]	کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں	الظّٰلِمُوْنَ	ظلم پیشہ

کبھی اللہ کے عذاب سے پوری قوم ہلاک نہیں ہوتی، صرف سرغنے ہلاک ہوتے ہیں

اب دو آیتیں اہم ہیں، ان میں اشارے ہیں جو وقت پر کھلیں گے، ہجرت کے بعد مدنی دور میں ان کے مصادیق پائے گئے، گذشتہ آیت میں تھا کہ اللہ کی سنت یہ ہے کہ جب کوئی رسول مبعوث کئے جاتے ہیں تو ان کی قوم کو دو طرح سے آزمایا جاتا ہے، پھر اگر دونوں تدبیریں ناکام ہوتی ہیں تو اللہ کا عذاب آتا ہے۔

یہ عذاب دو طرح آتا ہے: کلّی اور جزئی، قوم اگر کوئی معین معجزہ طلب کرتی ہے، اور وہ دکھایا جاتا ہے، پھر بھی قوم ایمان نہیں لاتی تو اللہ کا کلّی عذاب آتا ہے، اور ساری قوم ہلاک ہوجاتی ہے، اور اگر قوم کوئی معجزہ طلب نہیں کرتی یا کرتی ہے مگر کسی مصلحت سے وہ معجزہ نہیں دکھایا جاتا، اور قوم کفر وعناد پر اڑی رہتی ہے تو ایک وقت کے بعد عذاب آتا ہے، قوم کے سرغنے ہلاک کئے جاتے ہیں اور عوام کے لئے ایمان کا راستہ کھل جاتا ہے۔

(۱) بہ: باء صلہ کی ہے (۲) نصرف: تصریف: پھیر پھیر کر بیان کرنا، نہج بدل بدل کر بیان کرنا (۳) یصدفون: صَدَف: مصدر باب ضرب: اعراض کرنا، روگردانی کرنا (۴) جهرة: ڈھول بجاتے ہوئے، جس کے آثار وعلامات ظاہر ہوں۔

یہ بات ایک مثال سے سمجھائی ہے، انسان کی دو ہلاکتیں ہیں: ایک: پورے وجود کی، دوسری: اس کے اجزاء کی، سماعت ختم ہو جاتی ہے، بصارت جواب دیدیتی ہے، اور دل ودماغ ماؤف ہو جاتے ہیں اور آدمی کسی کام کا نہیں رہتا، اللہ تعالیٰ دونوں طرح کی ہلاکتوں پر قادر ہیں، اور معطل شدہ اعضاء کو کوئی ٹھیک نہیں کرسکتا، اسی طرح جب اللہ کا عذاب آئے گا تو قریش کے لیڈر ہلاک ہونگے، اور ان کو کوئی بچا نہیں سکے گا۔

چنانچہ ہجرت کے بعد سن ۲ ہجری میں میدانِ بدر میں قریش کے سب سورما مارے گئے، اور جن کے نصیب میں ایمان تھا وہ قید میں آئے، اور فدیہ لے کر چھوڑ دیئے گئے۔

﴿ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: پوچھو: بتلاؤ: اگر اللہ تعالیٰ تمہاری سماعت اور تمہاری بصارت لے لیں، اور تمہارے دلوں پر مہر کردیں ــــ یعنی ان کو ناکارہ کردیں ــــ تو اللہ کے سوا کوئی معبود ہے جو تم کو یہ چیزیں لادے؟ دیکھو، ہم کس طرح نہج بدل بدل کر باتیں بیان کرتے ہیں، پھر بھی وہ (قریش) روگردانی کرتے ہیں!

جزئی ہلاکت میں کفر کے رؤساء کام آتے ہیں

اللہ کے رسول کے ساتھ مخالفت کے نتیجہ میں جو عذاب آتا وہ دو طرح آتا ہے: کبھی چٹ پٹ آتا ہے، جدھر سان گمان بھی نہیں ہوتا اُدھر سے آتا ہے، جیسے فرعون سمندر میں ڈوبا تو اس کو کہاں گمان تھا کہ وہ غرقاب ہوگا؟ اور کبھی عذاب ڈھول بجاتا ہوا آتا ہے، پہلے علامات ظاہر ہوتی ہیں، عاد پر عذاب آیا تو بادل کی شکل میں ظاہر ہوا، پھر اس میں سے آگ برسی اور ساری قوم بھن گئی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: قریش پر عذاب خواہ کسی طرح آئے: ظالم ہی ہلاک ہونگے، چنانچہ بدر کی جنگ اچانک پیش آئی، ان میں چودہ صحابہ شہید ہوئے، ان میں نامور کوئی نہیں تھا، اور کافروں کے ستّر رؤساء کھیت رہے، ابوجہل (اس امت کا فرعون) بھی مارا گیا، قریش کا زور ٹوٹ گیا اور پانسہ پلٹ گیا۔

﴿ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: کہو: بتلاؤ! اگر اللہ کا عذاب آجائے اچانک آئے یا اعلان کرتا ہوا آئے تو ظلم پیشہ لوگوں کے علاوہ بھی کوئی ہلاک ہوگا؟ ــــ نہیں! وہی دھار پر رکھ لئے جائیں گے۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا

خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ۝ وَالَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الۡعَذَابُ بِمَا كَانُوۡا يَفۡسُقُوۡنَ ۝

وَمَا نُرۡسِلُ	اورنہیں بھیجتے ہم نے	وَ اَصۡلَحَ	اوراس نے درست کیا	كَذَّبُوۡا	جھٹلایا
الۡمُرۡسَلِيۡنَ	رسولوں کو	فَلَا خَوۡفٌ	تو کوئی ڈرنہیں	بِاٰيٰتِنَا	ہماری باتوں کو
اِلَّا مُبَشِّرِيۡنَ	مگرخوشخبری سنانے والے	عَلَيۡهِمۡ	ان پر	يَمَسُّهُمُ	چھوئے گاان کو
وَمُنۡذِرِيۡنَ	اورڈرانے والے	وَلَا هُمۡ	اورنہ وہ	الۡعَذَابُ	عذاب
فَمَنۡ	پس جوشخص	يَحۡزَنُوۡنَ	غمگین ہونگے	بِمَا كَانُوۡا	اس وجہ سے کہ تھے وہ
اٰمَنَ	ایمان لایا	وَالَّذِيۡنَ	اورجنھوں نے	يَفۡسُقُوۡنَ	حداطاعت سے نکل جاتے

رسولوں کو بھیجنے کا مقصد

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دلاسا دینے کے بعد آیت ۳۶ سے توحید کے مضمون کی طرف عود فرمایا تھا، اب رسالت کے مضمون کی طرف عود کرتے ہیں، سلسلۂ رسالت قائم کرنے کا مقصد لوگوں کو نتائج اعمال سے آگاہ کرنا ہے، مجبور کرنا مقصد نہیں، انسان بااختیار مخلوق ہے، وہ رسولوں کی باتیں مان کر اللہ کے راستے پر پڑے تو آخرت میں خوش وخرم ہوگا، نہیں مانے گا تو آخرت میں عذاب سے دوچار ہوگا۔

ترجمہ: اور ہم رسولوں کو خوش خبری سنانے اور ڈرانے ہی کے لئے بھیجتے ہیں —— خواہی نخواہی مسلمان بنانا ان کی ذمہ داری نہیں —— پس جس نے بات مان لی اور اس نے (اعمال کو) درست کرلیا تو ان پر نہ کوئی ڈر ہوگا اور نہ وہ غمگین ہونگے —— اور جن لوگوں نے ہماری باتوں کو جھٹلایا ان کو عذاب چھوئے گا، اس وجہ سے کہ وہ حد اطاعت سے نکل جایا کرتے تھے۔

قُلۡ لَّاۤ اَقُوۡلُ لَـكُمۡ عِنۡدِىۡ خَزَآٮِٕنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعۡلَمُ الۡغَيۡبَ وَلَاۤ اَقُوۡلُ لَـكُمۡ اِنِّىۡ مَلَكٌ‌ ۚ اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوۡحٰۤى اِلَىَّ‌ ؕ قُلۡ هَلۡ يَسۡتَوِى الۡاَعۡمٰى وَالۡبَصِيۡرُ‌ ؕ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوۡنَ ۝

قُلۡ	کہہ دو	عِنۡدِىۡ	میرے پاس	وَلَاۤ اَعۡلَمُ	اورنہیں جانتا میں
لَّاۤ اَقُوۡلُ	نہیں کہتا میں	خَزَآٮِٕنُ	ذخیرے ہیں	الۡغَيۡبَ	پس پردہ باتوں کو
لَـكُمۡ	تم سے	اللّٰهِ	اللہ کے	وَلَاۤ اَقُوۡلُ	اورنہیں کہتا میں

لَكُمْ	تم سے	يُوْحٰٓى	وحی کی جاتی ہے	يَسْتَوِے	یکساں ہیں
اِنِّيْ مَلَكٌ	بیشک میں فرشتہ ہوں	اِلَيَّ	میری طرف	الْاَعْمٰى	نابینا
اِنْ اَتَّبِعُ	نہیں پیروی کرتا میں	قُلْ	پوچھیں	وَالْبَصِيْرُ	اور بینا
اِلَّا مَا	مگر اس کی جو	هَلْ	کیا	اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ	کیا تو سوچتے نہیں تم؟

منصبِ رسالت کی حقیقت

آیت کا پس منظر: مشرکینِ مکہ دعوتِ حق کو ٹھکرانے کے لئے مختلف بہانے تلاش کیا کرتے تھے، اور طرح طرح کے مطالبے کرتے تھے، کبھی کہتے: اگر آپ واقعی دربارِ عالی کے نمائندے ہیں تو مال ودولت کے دہانے ہم پر کھول دیجئے! کبھی کہتے: مکہ سے پہاڑوں کو ہٹا دیجئے اور یہاں نہریں جاری کردیجئے! کبھی کہتے: اگر آپ واقعی نبی ہیں تو آئندہ پیش آنے والی باتیں ہمیں بتائیں، کبھی اعتراض کرتے کہ آپ کیسے نبی ہوسکتے ہیں؟ آپ تو کھاتے پیتے، بازار میں چلتے اور بشری حوائج رکھتے ہیں، قرآنِ کریم اس قسم کی باتوں کا اس آیت میں جواب دیتا ہے۔

گذشتہ آیت میں اصولی بات بیان کی تھی کہ رسول کا کام صرف اللہ کی اطاعت پر خوش خبری سنانا اور نافرمانی پر ڈرانا ہے، اب فرماتے ہیں کہ لوگوں کی مادی ضروریات وخواہشات پوری کرنا رسول کی ذمہ داری نہیں، رسول کے پاس اللہ کی دولت کے خزانے نہیں ہوتے، نہ وہ پس پردہ حقیقتوں کو جانتے ہیں، آپ کی زبانِ مبارک سے صاف اعلان کرایا ہے کہ میں غیب نہیں جانتا اور آپ کے کھانے پینے اور بشری ضروریات پر اعتراض بھی مہمل ہے، آپ نے کب دعوی کیا ہے کہ آپ فرشتے ہیں، جو بشری حوائج سے مستغنی ہوتے ہیں، ان فضول باتوں میں الجھنے کے بجائے ان تعلیمات میں غور کرو جن کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں، جو ان کو سمجھے گا وہ بینا ہے اور جو نہیں سمجھے گا وہ نابینا ہے، اور بینا اور نابینا کبھی برابر نہیں ہوسکتے، پس کیا تم سوچتے نہیں!

فائدہ: آیتِ کریمہ سے چار باتیں معلوم ہوئیں:

۱- کائنات کے خزانے اللہ نے اپنے کسی رسول کے حوالے نہیں کئے، اور اسے مختارِ کل نہیں بنایا کہ وہ لوگوں پر رزق، خوش حالی اور آسانی کے دروازے کھولتا اور بند کرتا رہے۔

۲- اللہ تعالیٰ نے بے شمار غیب کی باتیں آنحضور ﷺ کو بتائی ہیں، جیسے جنت ودوزخ کے احوال لیکن غیب کی تمام باتوں کا علم اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہیں دیا، قیامت کب قائم ہوگی؟ اس کو کوئی مخلوق نہیں جانتی، اور ذاتی اور عطائی کے فرق کی کوئی دلیل نہیں، بمطلقاً فرمایا ہے کہ میں غیب کو نہیں جانتا۔

۳- انبیاء ورسل انسان ہوتے ہیں، بشری ضرورتیں انہیں بھی پیش آتی ہیں، وہ رسالت ونبوت کے منافی نہیں۔

۴- انبیاء ورسل بشر ضرور ہیں، مگر ان میں سرخاب کا پَر لگا ہوا ہے، وہ اللہ کے نمائندے ہیں، ان کے پاس فرشتے پیغام ربانی لے کر آتے ہیں، اور یہ اتنا بڑا اعزاز ہے کہ کوئی اعزاز اس کے برابر نہیں۔

آیتِ کریمہ: آپؐ بتادیں کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، اور نہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں، اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں —— بلکہ انسان ہوں، البتہ میرے پاس وحی آتی ہے —— میں اسی بات کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی جاتی ہے، پوچھو! کیا اندھا اور بینا برابر ہوسکتے ہیں؟ پس کیا تم سوچتے نہیں!

وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ
وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝٥١ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ
وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ۭ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ
حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝٥٢ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ
بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَاۗءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ۭ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ۝٥٣
وَاِذَا جَاۗءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰي نَفْسِهِ
الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْۗءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝٥٤ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ۝٥٥

وَاَنْذِرْ	اور خبردار کریں آپؐ	لَيْسَ لَهُمْ (۲)	نہیں ہوگا ان کے لئے	وَلَا تَطْرُدِ (۳)	اور نہ دھتکاریں آپؐ
بِهٖ (۱)	اس (قرآن) کے ذریعہ	مِّنْ دُوْنِهٖ	اللہ کے سوا	الَّذِيْنَ	ان لوگوں کو جو
الَّذِيْنَ	ان لوگوں کو جو	وَلِيٌّ	کوئی کارساز	يَدْعُوْنَ	پکارتے ہیں
يَخَافُوْنَ	ڈرتے ہیں	وَّلَا شَفِيْعٌ	اور نہ کوئی سفارشی	رَبَّهُمْ	اپنے پروردگار کو
اَنْ يُّحْشَرُوْٓا	کہ جمع کئے جائیں گے وہ	لَعَلَّهُمْ	تاکہ وہ	بِالْغَدٰوةِ	صبح میں
اِلٰى رَبِّهِمْ	ان کے پروردگار کے پاس	يَتَّقُوْنَ	گناہوں سے بچتے رہیں	وَالْعَشِيِّ	اور شام میں

(۱) بہ: کی ضمیر وحی (قرآن) کی طرف لوٹتی ہے، اور یہی ماقبل سے ربط ہے۔ (۲) جملہ لیس لھم: یحشروا کی ضمیر سے حال ہے (جلالین) (۳) طَرَدَہٗ (ن) طَرْدًا: دھتکارنا، حقارت سے ہٹانا، دور کرنا۔

يُرِيْدُوْنَ	چاہتے ہیں وہ	اَهٰٓؤُلَاۤءِ	کیا یہ لوگ	عَلٰى نَفْسِهِ	اپنی ذات پر
وَجْهَهٗ	ان کا چہرہ	مَنَّ	احسان فرمایا	الرَّحْمَةَ	مہربانی
مَا عَلَيْكَ	نہیں ہے آپؐ پر	اللّٰهُ	اللہ نے	اَنَّهٗ	تحقیق شان یہ ہے
مِنْ حِسَابِهِمْ	ان کے حساب سے	عَلَيْهِمْ	ان پر	مَنْ عَمِلَ	جس شخص نے کی
مِّنْ شَيْءٍ	کچھ بھی	مِّنْۢ بَيْنِنَا	ہمارے درمیان میں سے؟	مِنْكُمْ	تم میں سے
وَّمَا	اور نہیں ہے	اَلَيْسَ	کیا نہیں ہیں	سُوْٓءًا	کوئی برائی
مِنْ حِسَابِكَ	آپؐ کے حساب سے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	بِجَهَالَةٍ	نادانی سے
عَلَيْهِمْ	ان پر	بِاَعْلَمَ	خوب جاننے والے	ثُمَّ تَابَ	پھر متوجہ ہوا
مِّنْ شَيْءٍ	کچھ بھی	بِالشّٰكِرِيْنَ	شکر گذاروں کو؟	مِنْۢ بَعْدِهٖ	اس کے بعد
فَتَطْرُدَهُمْ (۱)	پس دھتکاریں آپؐ ان کو	وَاِذَا جَآءَكَ	اور جب آئیں آپ کے پاس	وَاَصْلَحَ	اور اس نے سنوارا
				فَاَنَّهٗ (۲)	پس بالتحقیق وہ
فَتَكُوْنَ	پس ہونگے آپ	الَّذِيْنَ	وہ لوگ جو	غَفُوْرٌ	بڑے بخشنے والے
مِنَ الظّٰلِمِيْنَ	ناانصافی کرنے والوں میں سے	يُؤْمِنُوْنَ	ایمان رکھتے ہیں	رَّحِيْمٌ	بڑے رحم والے ہیں
		بِاٰيٰتِنَا	ہماری باتوں پر	وَكَذٰلِكَ	اور اس طرح
وَكَذٰلِكَ	اور یوں	فَقُلْ	پس کہیں آپؐ	نُفَصِّلُ	تفصیل سے بیان کرتے ہیں ہم
فَتَنَّا	آزمایا ہم نے	سَلٰمٌ	سلامتی ہو	الْاٰيٰتِ	باتیں
بَعْضَهُمْ	ان کے بعض کو	عَلَيْكُمْ	تم پر	وَلِتَسْتَبِيْنَ (۳)	اور تاکہ واضح ہوجائے
بِبَعْضٍ	بعض سے	كَتَبَ	لکھ دی ہے	سَبِيْلُ	راہ
لِّيَقُوْلُوْٓا	تاکہ کہیں وہ	رَبُّكُمْ	تمہارے پروردگار نے	الْمُجْرِمِيْنَ	بدکاروں کی

اللہ کی راہ نمائی سے فائدہ قیامت سے ڈرنے والوں کو پہنچتا ہے

آخرت کا یقین مہمیز کا کام کرتا ہے، جو شخص قیامت کے دن سے ڈرتا ہے وہی ایمان لاتا ہے اور اطاعت والی زندگی

(۱) فتطردھم: پہلے لا تطرد کی تکرار ہے، فصل کی وجہ سے مکرر لایا گیا ہے (۲) انّٗ: حرف تحقیق ہے اور حرف مشبہ بالفعل ہے، (۳) تستبین: اسْتِبَانَة: ظاہر وہویدا ہونا، کھل جانا، مضارع، واحد مؤنث غائب۔

اختیار کرتا ہے، قیامت کے دن تمام انسان اللہ کی بارگاہ میں جمع کئے جائیں گے، اور حال یہ ہوگا کہ اللہ کے سوا لوگوں کا نہ کوئی حمایتی ہوگا نہ کوئی سفارشی، سارا اختیار اللہ تعالیٰ کا ہوگا، ایسے بے بسی کے دن سے جو لوگ ڈرتے ہیں وہی قرآن کی وحی سے فائدہ اٹھاتے ہیں، ایمان لاتے ہیں اور زندگی کو سنوار لیتے ہیں، گناہوں سے بچتے ہیں اور پسندیدہ کاموں میں لگ جاتے ہیں۔

اور جو لوگ ایمان کو معجزات دکھلانے پر موقوف رکھتے ہیں، اور از راہِ عناد اللہ کی باتوں کی تکذیب کرتے ہیں: ان سے کیا امید وابستہ کی جائے؟ اس لئے حکم دیتے ہیں کہ آخرت سے ڈرنے والے مسلمانوں پر محنت کی جائے، ان کو انذار وتبشیر کا فائدہ پہنچے گا۔

﴿ وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝۵۱ ﴾

ترجمہ: اور آپ اس (وحی) کے ذریعہ ان لوگوں کو خبردار کریں ـــــ اور خوش خبری سنائیں ـــــ جو ڈرتے ہیں کہ وہ جمع کئے جائیں گے ان کے پروردگار کے پاس، اس حال میں کہ نہیں ہوگا ان کے لئے، اللہ کے سوا، کوئی حمایتی اور نہ کوئی سفارشی! تاکہ وہ محتاط زندگی گذاریں! ـــــ گناہوں سے بچیں اور نیکیوں میں بڑھیں!

نبی ﷺ مسلمانوں کے ساتھ مشفقانہ برتاؤ کریں

آیات کا پس منظر: کفار قریش کے چند سردار ابو طالب کے پاس آئے، انھوں نے کہا: آپ کے بھتیجے کی بات سننے کو جی چاہتا ہے، مگر ان کو ہر وقت وہ لوگ گھیرے رہتے ہیں جو یا تو ہمارے غلام تھے، ہم نے ان کو آزاد کیا ہے، یا وہ ہمارے ٹکڑوں پر زندگی گذارتے ہیں، ان ذلیل لوگوں کے ساتھ ہم نہیں بیٹھ سکتے، اگر محمدؐ ان لوگوں کو مجلس سے ہٹا دیا کریں تو ہم ان کی بات سنیں اور غور کریں۔

ابو طالب نے یہ بات آپؐ کے گوش گذار کی، اور فاروقِ اعظم نے بھی مشورہ دیا کہ اس میں کیا حرج ہے! اپنے تو اپنے ہیں، وہ تھوڑی دیر کے لئے ہٹ جائیں گے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، اور نبی ﷺ کو ایسا کرنے سے منع فرمایا۔

فرمایا: آپ ان لوگوں کو نہ ہٹائیں جو صبح وشام اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں یعنی پابندی سے پانچ نمازیں پڑھتے ہیں، صبح میں ایک نماز ہے، اور شام میں چار، اور وہ حسنِ نیت اور اخلاص سے عبادت کرتے ہیں، دکھاوا یا لالچ سے نہیں پڑھتے، وہ اللہ کی خوشنودی چاہتے ہیں، پس ان کے ساتھ معاملہ ان کے شایانِ شان کریں۔

اور رؤسائے مشرکین سے آپ کو کیا لینا ہے، نہ آپ کا حساب ان پر ہے، نہ ان کا حساب آپ پر، جائیں وہ بھاڑ میں!

آپ سے ان کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا جائے گا، اور مخلص مسلمانوں کو ان کی وجہ سے ہٹائیں گے تو یہ نا انصافی ہوگی، پس آپ ایسا ہرگز نہ کریں، ان کے ساتھ مشفقانہ برتاؤ کریں۔

﴿ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور آپؐ نہ ہٹائیں ان لوگوں کو جو اپنے پروردگار کو صبح وشام پکارتے ہیں، وہ اللہ کی خوشنودی چاہتے ہیں، ان (سرداروں) کے معاملات کی آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں، اور آپ کے معاملات کی ان پر کوئی ذمہ داری نہیں ——— یعنی ان سے کچھ لینا دینا نہیں ——— پس آپ ان (مخلصین) کو ہٹائیں گے تو آپ نا انصافی کرنے والوں میں سے ہوجائیں گے! ——— اور یقینی نفع کو چھوڑ کر احتمالی نفع کے پیچھے پڑنا عقلمندی کی بات نہیں۔

مشرک سرداروں کا نادار مسلمانوں کے ذریعہ امتحان

اور مشرکوں کے سردار جو غریب مسلمانوں کی وجہ سے نبی ﷺ کے قریب نہیں آرہے تھے: وہ ابتلاء اور امتحان تھا، سرداروں کی ان غریب مسلمانوں کے ذریعہ آزمائش کی جارہی تھی، اب وہ کہتے پھریں گے: کیا یہی غرباء اللہ کے اکرام وانعام کے مستحق تھے، اور ہماری کوئی حیثیت نہیں تھی کہ ان کو ایمان کی دولت سے سرفراز کیا اور ہمیں محروم رکھا؟ ——— اللہ تعالیٰ جواب دیتے ہیں: کیا اللہ تعالیٰ خوب نہیں جانتے کہ کون حق شناس اور شکر گذار ہے؟ جو لوگ نیکوکار، حق شناس اور شکر گذار تھے ان کو نوازا، اور جو لوگ شب وروز اللہ کی نعمتوں میں پلتے ہیں، پھر ان کی نافرمانی کرتے ہیں ان کو محروم رکھا، پس قصور ہے کس کا؟

﴿ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور یوں ہم بعض کو بعض سے آزماتے ہیں، تاکہ وہ کہیں: کیا ان لوگوں پر اللہ نے ہمارے درمیان میں سے احسان فرمایا ہے؟ ——— (جواب:) کیا اللہ تعالیٰ شکر گذار بندوں کو خوب نہیں جانتے؟!

اللہ کی بارگاہ ناامیدی کی بارگاہ نہیں

گذشتہ سے پیوستہ آیت میں نیکوکار مسلمانوں کا ذکر آیا تھا، جو صبح وشام اللہ کی بندگی کرتے ہیں، اور اللہ کی رضا چاہتے ہیں، اب ان مسلمانوں کا ذکر کرتے ہیں جو نادانستہ کوئی گناہ کر بیٹھتے ہیں، پھر توبہ کر لیتے ہیں، اور احوال سنوار لیتے ہیں: وہ

بھی مایوس نہ ہوں، نبی ﷺ ان کو بھی گلے لگائیں، جب وہ خدمتِ نبوی میں آئیں تو آپؐ ان کو سلامتی کا مژدہ سنائیں، اور رحمت ومغفرتِ خداوندی کی بشارت دیں، تاکہ ان کا دل بڑھے، اور وہ مشرکین کے نظر انداز کرنے سے شکستہ خاطر نہ ہوں، اللہ کی بارگاہ ناامیدی کی بارگاہ نہیں، بندہ جب گناہ سے توبہ کرلیتا ہے تو وہ ایسا ہوجاتا ہے: جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔

فائدہ: اور یہ جو فرمایا کہ نادانستہ کوئی گناہ کر بیٹھے: یعنی گناہ کے انجام بد سے ناواقفیت کی بنا پر گناہ کر بیٹھے، اگرچہ جان بوجھ کر گناہ کیا ہو، اگر گناہ کے تباہ کن نتائج کا پوری طرح اندازہ اور استحضار ہو تو کون شخص ہے جو اس پر اقدام کی جرأت کرے گا؟ (از فوائد)

﴿وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا فَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ۖ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۖ أَنَّهُ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَصْلَحَ فَأَنَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝﴾

ترجمہ: اور جب آپؐ کے پاس آئیں وہ لوگ جو ہماری باتوں کو مانتے ہیں، پس آپؐ کہیں: تمہارے لئے سلامتی ہو! تمہارے پروردگار نے اپنے اوپر مہربانی لازم کرلی ہے کہ جس نے تم میں سے نادانی سے کوئی برائی کی، پھر اس کے بعد توبہ کرلی تو بالتحقیق وہ بڑے بخشنے والے بڑے مہربان ہیں!

نیکوکاروں اور بدکاروں کی راہیں الگ الگ!

گذشتہ آیات میں مؤمنین ومشرکین کا حال ومآل تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، تاکہ مؤمنین کا طریقہ واضح ہوجائے، اور مجرمین کا بھی، اور حق وباطل کے واضح ہونے سے طالبِ حق کے لئے حق کی پہچان آسان ہوجائے۔

﴿وَكَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ وَلِتَسْتَبِينَ سَبِيلُ الْمُجْرِمِينَ ۝﴾

ترجمہ: اور اس طرح ہم کھول کر باتیں بیان کرتے ہیں، اور تاکہ بدکاروں کی راہ واضح ہوجائے!

قُلْ إِنِّي نُهِيتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۚ قُلْ لَا أَتَّبِعُ أَهْوَاءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ إِذًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُهْتَدِينَ ۝ قُلْ إِنِّي عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّي وَكَذَّبْتُمْ بِهِ ۚ مَا عِنْدِي مَا تَسْتَعْجِلُونَ بِهِ ۚ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۖ يَقُصُّ الْحَقَّ ۖ وَهُوَ خَيْرُ الْفَاصِلِينَ ۝ قُلْ لَوْ أَنَّ عِنْدِي مَا تَسْتَعْجِلُونَ بِهِ لَقُضِيَ الْأَمْرُ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۗ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالظَّالِمِينَ ۝

قُلْ	کہہ دو	قُلْ	کہہ دو	خَيْرُ	بہترین
اِنِّىْ نُهِيْتُ	بیشک میں روکا گیا ہوں	اِنِّىْ	بیشک میں	الْفٰصِلِيْنَ	فیصلہ کرنے والے ہیں
اَنْ اَعْبُدَ(۱)	عبادت کرنے سے	عَلٰى بَيِّنَةٍ(۲)	واضح دلیل پر ہوں	قُلْ	کہہ دو
الَّذِيْنَ	ان (مورتیوں) کی جن کو	مِّنْ رَّبِّىْ	میرے رب کی طرف سے	لَّوْ اَنَّ(۳)	اگر ہوتی
تَدْعُوْنَ	تم پکارتے ہو	وَكَذَّبْتُمْ	اور جھٹلایا تم نے	عِنْدِىْ	میرے پاس
مِنْ دُوْنِ	ورے	بِهٖ	اس کو	مَا	(وہ بات) جو
اللّٰهِ	اللہ کے	مَا عِنْدِىْ	نہیں ہے میرے پاس	تَسْتَعْجِلُوْنَ	جلدی مانگتے ہو تم
قُلْ	کہہ دو	مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ	وہ جو جلدی مانگتے ہو تم	بِهٖ	اس کو
لَّآ اَتَّبِعُ	نہیں پیروی کرتا میں	بِهٖ	اس کو	لَقُضِىَ	تو نمٹا دیا جاتا
اَهْوَآءَكُمْ	تمہاری خواہشات کی	اِنِ الْحُكْمُ	نہیں ہے فیصلہ	الْاَمْرُ	معاملہ
قَدْ ضَلَلْتُ	بالتحقیق بہک گیا میں	اِلَّا لِلّٰهِ	مگر اللہ تعالیٰ کا	بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ	میرے اور تمہارے درمیان
اِذًا	تب	يَقُصُّ	بیان کرتے ہیں وہ	وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ
وَّمَآ اَنَا	اور نہیں میں	الْحَقَّ	حق بات	اَعْلَمُ	خوب جانتے ہیں
مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ	ہدایت پانے والوں میں سے	وَهُوَ	اور وہ	بِالظّٰلِمِيْنَ	ظالموں کو

مسلمان باطل کی ہمنوائی نہ کریں، جادۂ توحید پر مضبوط رہیں

مشرکین مکہ کے ساتھ معاملات چل رہے ہیں، جب کبھی مسلمان کمزور ہوتے ہیں، جیسے ہجرت سے پہلے مکی دور میں کمزور تھے، اس وقت کفار کوشش کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو ان کے موقف سے ہٹادیں، شرک میں اپنا ہمنوا بنادیں، اسی زمانہ میں مشرکین ایک اسکیم لے کر آئے کہ آؤ، مصالحت کرلو، مسلمان ہمارے مندروں میں آئیں، اور مورتیوں کو پوجیں اور ہم تمہاری مسجدوں میں آئیں اور نماز پڑھیں، رام بھی رہے راضی اور رحمان بھی، پس سورۃ الکافرون نازل ہوئی اور اسکیم رد کردی کہ ایسا ممکن نہیں، نہ آج نہ آئندہ: ﴿ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِىَ دِيْنِ ﴾ تم اپنے دھرم پر رہو ہم اپنے دین پر ہیں، یہاں

(۱) أن: مصدریہ ہے، اور اس سے پہلے عن مقدر ہے (۲) بینۃ سے مراد قرآنِ کریم ہے، اس لئے آگے بہ میں مذکر ضمیر لوٹائی ہے (۳) عندی: أنّ کی خبر مقدم ہے، اور ما تستعجلون بہ: اسم مؤخر ہے۔

بھی نبی ﷺ کی زبانِ مبارک سے یہی اعلان کرایا ہے:

﴿قُلۡ إِنِّي نُهِيتُ أَنۡ أَعۡبُدَ ٱلَّذِينَ تَدۡعُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِۚ قُل لَّآ أَتَّبِعُ أَهۡوَآءَكُمۡ قَدۡ ضَلَلۡتُ إِذٗا وَمَآ أَنَا۠ مِنَ ٱلۡمُهۡتَدِينَ ۝﴾

ترجمہ: کہہ دو: مجھے روکا گیا ہے ان مورتیوں کی عبادت سے جن کی تم اللہ سے ورے عبادت کرتے ہو، کہہ دو: میں تمہاری مرضیات کی پیروی نہیں کرتا، اگر کروں تو بالیقین میں گمراہ ہوجاؤں، اور ہدایت پانے والوں میں سے نہ رہوں!

توحید ہی برحق ہے، اور اس کی واضح دلیل قرآنِ کریم ہے

مسلمان: مشرکین کی خواہشات کی پیروی اس لئے نہیں کرسکتے کہ شرک باطل ہے، توحید ہی برحق ہے، معبود اللہ تعالیٰ ہی ہیں، ان کے سوا کوئی لائق پرستش نہیں، اور اس کی واضح دلیل قرآنِ کریم ہے، جو نبی ﷺ پر نازل ہوا ہے، مگر مشرکین اس کو جھٹلاتے ہیں، اس کو اللہ کا کلام نہیں مانتے، خود ساختہ قرار دیتے ہیں، اس لئے ان کو ہدایت کا راستہ نہیں ملتا۔

﴿قُلۡ إِنِّي عَلَىٰ بَيِّنَةٖ مِّن رَّبِّي وَكَذَّبۡتُم بِهِۦۚ﴾

ترجمہ: کہہ دو: بالیقین میرے پاس میرے رب کی طرف سے واضح دلیل (قرآنِ کریم) ہے، اور تم اس کو جھٹلاتے ہو —— پھر تمہیں اللہ کا راستہ کیسے مل سکتا ہے؟

تکذیب پر جس عذاب کی دھمکی دی جاتی ہے اس کو لے آنا رسول کے اختیار میں نہیں

قرآنِ کریم میں جگہ جگہ تکذیبِ رسول پر عذاب کی دھمکی دی گئی ہے، مشرکین اس کا مذاق اڑاتے تھے، کہتے تھے: اگر یہ قرآن اور یہ رسول برحق ہیں، جن کی ہم تکذیب کرتے ہیں، تو ہم پر آسمان سے پتھر کیوں نہیں برستے یا ہم پر کوئی اور سخت عذاب کیوں نہیں آتا؟ ﴿ٱللَّهُمَّ إِن كَانَ هَٰذَا هُوَ ٱلۡحَقَّ مِنۡ عِندِكَ فَأَمۡطِرۡ عَلَيۡنَا حِجَارَةٗ مِّنَ ٱلسَّمَآءِ أَوِ ٱئۡتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٖ﴾ (انفال ۳۲)

نبی ﷺ کی زبانِ مبارک سے اس کا جواب دیتے ہیں کہ کہو: تم جس عذاب کا تقاضا کرتے ہو وہ میرے اختیار میں نہیں، اللہ کے اختیار میں ہے، وہی اس کا فیصلہ کریں گے، اور جب بھی فیصلہ کریں گے بہترین فیصلہ ہوگا، اور تم اتنی موٹی بات نہیں سمجھتے کہ جس عذاب کا تم تقاضا کررہے ہو، اگر میرے اختیار میں ہوتا تو میں اس کو کبھی کا لے آیا ہوتا، اور ہمارا آپس کا خرخشہ ختم ہوگیا ہوتا! —— البتہ ایک بات جان لو: جب بھی اللہ تعالیٰ عذاب کا فیصلہ کریں گے ظالم ہی ہلاک ہونگے، اور اللہ کے ساتھ ناانصافی کون کررہا ہے اس کو اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں، وہی عذاب سے ہلاک ہونگے۔

﴿مَا عِنۡدِیۡ مَا تَسۡتَعۡجِلُوۡنَ بِہٖ ؕ اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰہِ ؕ یَقُصُّ الۡحَقَّ وَ ہُوَ خَیۡرُ الۡفٰصِلِیۡنَ ﴿۵۷﴾ قُلۡ لَّوۡ اَنَّ عِنۡدِیۡ مَا تَسۡتَعۡجِلُوۡنَ بِہٖ لَقُضِیَ الۡاَمۡرُ بَیۡنِیۡ وَ بَیۡنَکُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ اَعۡلَمُ بِالظّٰلِمِیۡنَ ﴿۵۸﴾﴾

ترجمہ: میرے پاس وہ عذاب نہیں جس کا تم تقاضا کرتے ہو، فیصلہ اللہ ہی کا ہے ــــ یعنی جب اللہ تعالیٰ چاہیں گے عذاب کا فیصلہ کریں گے ــــ وہ سچی بات بیان فرماتے ہیں، اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والے ہیں۔ کہو: اگر میرے اختیار میں وہ عذاب ہوتا جس کا تم تقاضا کرتے ہو تو میرے اور تمہارے درمیان معاملہ نمٹ چکا ہوتا، اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتے ہیں!

وَ عِنۡدَہٗ مَفَاتِحُ الۡغَیۡبِ لَا یَعۡلَمُہَاۤ اِلَّا ہُوَ ؕ وَ یَعۡلَمُ مَا فِی الۡبَرِّ وَ الۡبَحۡرِ ؕ وَ مَا تَسۡقُطُ مِنۡ وَّرَقَۃٍ اِلَّا یَعۡلَمُہَا وَ لَا حَبَّۃٍ فِیۡ ظُلُمٰتِ الۡاَرۡضِ وَ لَا رَطۡبٍ وَّ لَا یَابِسٍ اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۵۹﴾ وَ ہُوَ الَّذِیۡ یَتَوَفّٰىکُمۡ بِالَّیۡلِ وَ یَعۡلَمُ مَا جَرَحۡتُمۡ بِالنَّہَارِ ثُمَّ یَبۡعَثُکُمۡ فِیۡہِ لِیُقۡضٰۤی اَجَلٌ مُّسَمًّی ۚ ثُمَّ اِلَیۡہِ مَرۡجِعُکُمۡ ثُمَّ یُنَبِّئُکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۶۰﴾ وَ ہُوَ الۡقَاہِرُ فَوۡقَ عِبَادِہٖ وَ یُرۡسِلُ عَلَیۡکُمۡ حَفَظَۃً ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَحَدَکُمُ الۡمَوۡتُ تَوَفَّتۡہُ رُسُلُنَا وَ ہُمۡ لَا یُفَرِّطُوۡنَ ﴿۶۱﴾ ثُمَّ رُدُّوۡۤا اِلَی اللّٰہِ مَوۡلٰىہُمُ الۡحَقِّ ؕ اَلَا لَہُ الۡحُکۡمُ ۟ وَ ہُوَ اَسۡرَعُ الۡحٰسِبِیۡنَ ﴿۶۲﴾

وَعِنۡدَہٗ	اور اللہ کے پاس	اِلَّا ہُوَ	مگر وہی	مِنۡ وَّرَقَۃٍ	کوئی پتہ
مَفَاتِحُ (۱)	خزانے ہیں	وَیَعۡلَمُ	اور جانتے ہیں وہ	اِلَّا یَعۡلَمُہَا	مگر جانتے ہیں وہ اس کو
الۡغَیۡبِ (۲)	پوشیدہ چیزوں کے	مَا فِی الۡبَرِّ	جو خشکی میں ہیں	وَلَا حَبَّۃٍ	اور نہ کوئی دانہ
لَا یَعۡلَمُہَا	نہیں جانتے ان	وَ الۡبَحۡرِ	اور سمندر میں ہیں	فِیۡ ظُلُمٰتِ	تاریکیوں میں
	(خزانوں) کو	وَمَا تَسۡقُطُ	اور نہیں گرتا	الۡاَرۡضِ	زمین کی

(۱) مفاتح: مَفۡتَح (اسم ظرف) کی جمع ہے، اور اگر مِفۡتَح (اسم آلہ) کی جمع ہے تو ترجمہ ہے: چابیاں (۲) غیب: سے مراد وہ امور ہیں جو ابھی وجود میں نہیں آئے، یا وجود میں تو آچکے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے ان پر کسی کو مطلع نہیں کیا (مظہری بحوالہ معارف القرآن شفیعی)

وَلَا رَطْبٍ	اور نہ کوئی تر چیز	مَرْجِعُكُمْ (۲)	تمہارا لوٹنا ہے	الْمَوْتُ	موت
وَّلَا يَابِسٍ	اور نہ کوئی خشک چیز	ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ	پھر آگاہ کریں گے وہ	تَوَفَّتْهُ	(تو) وصول کرتے ہیں
إِلَّا فِي كِتٰبٍ	مگر وہ نوشتہ میں ہے		تم کو		اس کو
مُّبِيْنٍ	واضح	بِمَا كُنْتُمْ	ان کاموں سے جو تم	رُسُلُنَا	ہمارے فرستادے
وَهُوَ الَّذِيْ	اور وہی ہیں جو	تَعْمَلُوْنَ	کیا کرتے تھے	وَهُمْ	اور وہ
يَتَوَفّٰكُمْ	وصول کرتے ہیں تم کو	وَهُوَ	اور وہی	لَا يُفَرِّطُوْنَ (۴)	کوتاہی نہیں کرتے
بِالَّيْلِ	رات میں	الْقَاهِرُ	غالب ہیں	ثُمَّ رُدُّوْٓا	پھر پھیرے گئے وہ
وَيَعْلَمُ	اور جانتے ہیں	فَوْقَ	اوپر	إِلَى اللهِ	اللہ کی طرف
مَا جَرَحْتُمْ (۱)	جو تم نے دن میں کمایا ہے	عِبَادِهٖ	اپنے بندوں کے	مَوْلٰىهُمُ	ان کا کارساز
بِالنَّهَارِ	دن میں	وَيُرْسِلُ	اور بھیجتے ہیں وہ	الْحَقِّ	برحق
ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ	پھر جگاتے ہیں وہ تم کو	عَلَيْكُمْ	تم پر	أَلَا لَهُ	سنتا ہے! انہی کے لئے
فِيْهِ	دن میں	حَفَظَةً (۳)	نگہبان	الْحُكْمُ	فیصلہ ہے
لِيُقْضٰٓى	تاکہ پورا کیا جائے	حَتّٰٓى إِذَا	یہاں تک کہ جب	وَهُوَ	اور وہ
أَجَلٌ مُّسَمًّى	مقررہ وقت	جَآءَ	پہنچتی ہے	أَسْرَعُ	جلد
ثُمَّ إِلَيْهِ	پھر انہی کی طرف	أَحَدَكُمُ	تم میں سے ایک کو	الْحٰسِبِيْنَ	حساب لینے والے ہیں

تکذیب کرنے والوں پر عذاب کا آنا نہ آنا امورِ غیب سے ہے، اور غیب کی خبر اللہ ہی کو ہے

(اور اللہ کے علم محیط کا بیان)

کافر جلدی مچاتے تھے، کہتے تھے: اگر تم سچے رسول ہو، اور قرآنِ کریم واقعی اللہ کا کلام ہے، اور ہم یہ دونوں باتیں نہیں مانتے، اور تکذیب پر تم عذاب کی دھمکی دیتے ہو، وہ عذاب لے کیوں نہیں آتے! دیر کیوں لگا رہے ہو! کہیں یہ دل خوش کرنے کی باتیں تو نہیں!

اس کا جواب دیتے ہیں کہ تکذیب کرنے والوں پر عذاب کا آنا نہ آنا آئندہ کی بات ہے، اور جو باتیں ابھی وجود میں

(۱) جَرَحَ (ف) جرحًا: کمانا، زخمی کرنا، طعن کرنا، یہاں اول معنی ہیں (۲) مرجع: مصدر میمی ہے (۳) حفظة: حافظ کی جمع ہے (۴) لایفرطون: از تفریط: کمی کرنا، کوتاہی کرنا۔

نہیں آئیں وہ امورِ غیب ہیں، اور غیب کی خبر اللہ ہی کو ہے، نبی ﷺ بھی نہیں جانتے کہ مکذبین پر عذاب آئے گا یا نہیں؟ اور آئے گا تو کس شکل میں آئے گا؟ یہ سب باتیں اللہ ہی کے علم محیط میں ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کے علم میں صرف یہی بات نہیں، ان کے علم میں سب کچھ ہے، وہ خشکی اور تری کی تمام چیزوں کو جانتے ہیں، اور درخت کا کوئی پتہ نہیں گرتا مگر وہ ان کے علم میں ہوتا ہے، اور زمین کی گہرائی میں جو بیج پڑا ہوا ہے اور تری اور خشکی کی تمام چیزیں ان کے علم میں ہیں، اور نہ صرف علم میں ہیں، بلکہ لوح محفوظ میں ریکارڈ بھی ہیں۔

غیب کے خزانے: یا غیب کی چابیاں ایک بات ہے، چابی ہی سے خزانہ کھلتا ہے، جو چیزیں ابھی وجود میں نہیں آئیں یا وجود میں تو آچکی ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے ان پر کسی کو مطلع نہیں کیا: وہ امورِ غیب ہیں، جیسے قیامت اور وہ تمام حالات وواقعات جو قیامت سے متعلق ہیں، اسی طرح آئندہ وجود پذیر ہونے والے انسان امورِ غیب ہیں، مکذبین پر عذاب کا آنا نہ آنا بھی آئندہ کا معاملہ ہے، اس کی خبر بھی اللہ کو ہے، رسول کو اس کا علم نہیں۔

کتابِ مبین: سے مراد لوحِ محفوظ ہے، اس میں ہر بات تفصیل سے درج شدہ ہے، اس لئے مبین: اس کی صفت لائی گئی ہے اور لوحِ محفوظ کیا ہے؟ اس کی تفصیل نہیں آئی، کہتے ہیں کہ عرش کی قوتِ خیالیہ کا نام ہے، جیسے حافظ کے دماغ میں سارا قرآن تفصیل سے محفوظ ہوتا ہے اسی طرح جمیع ما کان وما یکون کا علم عرش کے حافظہ میں بھرا ہوا ہے۔ اور لوحِ محفوظ میں ہر چیز ریکارڈ کیوں کی گئی ہے؟ اس کا صحیح جواب بھی معلوم نہیں، کہتے ہیں: اس لئے سب چیزیں درج کی گئی ہیں کہ فرشتے وہاں دیکھ کر ان کی تعمیل کریں، واللہ اعلم

﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ۭ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝﴾

ترجمہ: اور اللہ ہی کے پاس پوشیدہ چیزوں کے خزانے ہیں — یعنی عذاب کا بھی ایک معاملہ ان کے علم میں نہیں، خزانے کے خزانے ان کے علم میں ہیں — ان (خزانوں) کو وہی جانتے ہیں — پیغمبر ﷺ بھی نہیں جانتے — اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے علم محیط کا بیان ہے: — اور وہ خشکی اور تری کی تمام چیزوں کو جانتے ہیں، اور کوئی پتہ نہیں گرتا مگر وہ ان کے علم میں ہوتا ہے، اور جو بھی بیج زمین کی تاریکیوں میں پڑا ہے اور ہر تر اور خشک چیز واضح نوشتہ میں ہے!

غیب کی ایک مثال: قیامت، اور اس پر محسوس مثال سے استدلال

قیامت بالیقین آنے والی ہے، اس کی اطلاع دیدی گئی ہے، مگر کب آئے گی؟ اس کا علم کسی کو نہیں، حضرت اسرافیل

علیہ السلام جو صور پھونکنے پر مامور ہیں، حضرت جبرئیل علیہ السلام جو نبیوں کے پاس شریعتوں کی وحی لاتے ہیں اور سید کائنات ﷺ جن کو بے حساب علم دیا گیا ہے: وہ بھی نہیں جانتے کہ قیامت کب آئے گی؟ البتہ علم الٰہی میں اس کا وقت مقرر ہے، اس وقت وہ قائم ہو کر رہے گی۔

اور قیامت کا بھیا ہماری نیند ہے، جب ہم رات میں یا دن میں سوتے ہیں تو فرشتے ہماری روح قبض کر لیتے ہیں، اور سوتے جاگتے ہم جو کچھ کرتے ہیں وہ اللہ کے علم میں ہے، پھر ایک وقت کے بعد اللہ تعالیٰ ہمیں جگاتے ہیں، یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے، تاکہ انسان اپنی دنیوی زندگی پوری کر لے، پھر جب وہ مقررہ مدت پوری ہو جاتی ہے تو فرشتہ روح مکمل وصول کر لیتا ہے، اسی کا نام موت ہے، اور موت کے بعد پھر زندہ ہونا ہے، جیسے سونے کے بعد جاگتا ہے، پھر زندہ ہو کر اللہ کی بارگاہ میں پہنچنا ہے، وہاں اس کے سامنے اس کا ریکارڈ رکھ دیا جائے گا، وہ تمام باتیں اس کو جتلائی جائیں گی جو وہ دنیا کی زندگی میں کرتا رہا ہے ـــــ یہ ایک محسوس مثال ہے، اس سے جو سمجھنا چاہے قیامت کو سمجھ سکتا ہے۔

﴿ وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَ يَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۶۰ ﴾

ترجمہ: وہی ہیں جو رات میں تمہاری روح قبض کر لیتے ہیں، اور تم نے دن میں جو کیا ہے اس کو جانتے ہیں، پھر تمہیں دن میں جگاتے ہیں، تاکہ (زندگی کی) مقررہ مدت پوری کر لی جائے، پھر تمہیں ان کی طرف لوٹنا ہے، پھر وہ تمہیں وہ باتیں جتلائیں گے جو تم کیا کرتے تھے ـــــ جتلانا، جتانا: آگاہ کرنا، خبردار کرنا۔

انسان کسی وقت اللہ کی قدرت سے باہر نہیں، اور مکذبین پر عذاب آنے والا ہے!

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر غالب ہیں، سب ان کے قبضۂ قدرت میں ہیں، اور ان کی حفاظت سے پنپ رہے ہیں، انھوں نے ہر انسان کے ساتھ حفاظت کرنے والے فرشتے لگا رکھے ہیں، سورۃ الرعد (آیت ۱۱) میں بھی یہ بات آئی ہے: ﴿ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ﴾: اللہ ہی کی ملک ہیں وہ فرشتے جو انسان کے آگے پیچھے باری باری آنے والے ہیں، جو حکم الٰہی سے اس کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔

یہ فرشتے زندگی بھر انسان کی حفاظت کرتے رہتے ہیں تا آنکہ موت کا وقت آ جاتا ہے تو موت کے فرشتے آ کر اس کی جان نکال لیتے ہیں، اور وہ ذرا کوتاہی نہیں کرتے، نہ وقت سے پہلے جان نکالتے ہیں، نہ وقت کے بعد لمحہ بھر کی مہلت دیتے ہیں۔

یہ جانیں عالم برزخ میں محفوظ رہتی ہیں، پھر قیامت کے دن اجسام دوبارہ بنائے جائیں گے، اور روحیں ان میں

واپس آئیں گی، پھر زندہ ہو کر اللہ کارساز حقیقی کے دربار میں حاضر ہونا ہوگا ـــــ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر غالب ہیں، سب ان کے قبضۂ قدرت میں ہیں، وہ جس کے ساتھ جس وقت جو معاملہ کرنا چاہیں کر سکتے ہیں!

پس مکذبین خبردار ہو جائیں! جب اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہوگا عذاب آئے گا، اور وہ وقت آیا ہی چاہتا ہے: کلُّ ماھو آتٍ فھو قریب: آنے والی آکر رہتی ہے، چنانچہ نزولِ آیت سے آٹھ سال بعد مکذبین کے رؤساء میدانِ بدر میں کھیت رہے!

فائدہ: ﴿ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴾ عام ہے، اس کا تعلق قیامت سے بھی ہے، مگر ماسیق لاجلہ الکلام وہ ہے جو اوپر بیان کیا، قیامت بھی جلد آرہی ہے، اور آیت کا یہ مطلب سمجھنا شاید صحیح نہیں کہ قیامت میں لوگوں کا حساب چٹ پٹ نمٹ جائے گا۔

﴿ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ۝ ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ۭ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۣ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہیں، اور ان پر حفاظت کرنے والے فرشتوں کو بھیجتے ہیں، یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آتا ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے (موت کے فرشتے) اس کی جان وصول کر لیتے ہیں، اور وہ ذرا کوتاہی نہیں کرتے! ـــــ پھر وہ اللہ اپنے کارساز برحق کی طرف پھیرے جائیں گے ـــــ خبردار ہو جا! فیصلہ انہی کا ہے، اور وہ جلدی حساب کرنے والے ہیں۔

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَىِٕنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ۝

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ	پوچھ: کون تمہیں بچاتا ہے تاریکیوں سے خشکی کی	وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ (۱) تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً	اور سمندر کی؟ پکارتے ہو تم اس کو گڑگڑا کر اور چپکے سے	لَىِٕنْ اَنْجٰىنَا (۲) مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ	بخدا! اگر بچایا اس نے ہم کو اس (سختی) سے ضرور ہوں گے ہم

(۱) جملہ تدعونہ: حال ہے ینجیکم کی ضمیر مفعول سے (۲) أنجی: فعل ماضی، ضمیر جمع متکلم ہے۔

مِنَ الشّٰكِرِيْنَ	شکرگذاروں میں سے	يُنَجِّيْكُمْ	بچاتے ہیں تم کو	ثُمَّ	پھر
قُلِ	کہو	مِّنْهَا	اس (سختی) سے	اَنْتُمْ	تم
اللّٰهُ	اللہ	وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ	اور ہر بے چینی سے	تُشْرِكُوْنَ	شریک ٹھہراتے ہو!

اللہ کے عذاب سے بچنے کے لئے اللہ کے پہلو میں آجاؤ

آدمی جب مصائب وشدائد کی تاریکیوں میں پھنستا ہے تو عاجزی سے اللہ کو پکارتا ہے، اور پختہ وعدہ کرتا ہے کہ اگر اس کو اس مصیبت سے نجات ملی تو وہ کبھی شرارت نہیں کرے گا، ہمیشہ اللہ کا احسان یاد رکھے گا، مگر جب اللہ تعالیٰ اس کی دستگیری فرماتے ہیں اور سختیوں سے نجات دیتے ہیں تو وہ اپنے وعدہ پر قائم نہیں رہتا، مصیبت سے نکلتے ہی شرارت شروع کر دیتا ہے —— انسان کی یہ کمزوری مشرکین مکہ کو یاد دلائی ہے کہ تم اللہ کے عذاب سے بچنا چاہتے ہو تو اللہ کے حق شناس بن جاؤ، کفر وشرک سے باز آجاؤ، اللہ تعالیٰ تم کو تکذیب کے عذاب سے محفوظ رکھیں گے۔

آیتِ کریمہ: کون تمہیں خشکی اور سمندر کی تاریکیوں سے نجات بخشتا ہے جب تم اس کو گڑگڑا کر اور چپکے سے پکارتے ہو: بخدا! اگر اس نے ہمیں ان شدائد سے بچالیا تو ہم شکر گذار بندے بنیں گے! —— کہو: اللہ تعالیٰ تم کو ان (شدائد) سے اور ہر بے چینی سے بچاتا ہے، پھر تم شریک ٹھہرانے لگتے ہو!

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ۝۶۵

قُلْ	کہو:	عَلَيْكُمْ	تم پر	اَرْجُلِكُمْ	تمہارے پیروں کے
هُوَ الْقَادِرُ	وہ قادر ہیں	عَذَابًا	عذاب	اَوْ يَلْبِسَكُمْ (۱)	یا بھڑادیں تم کو
عَلٰٓى اَنْ	اس پر کہ	مِّنْ فَوْقِكُمْ	تمہارے اوپر سے	شِيَعًا (۲)	گروہ گروہ
يَّبْعَثَ	بھیجیں وہ	اَوْ مِنْ تَحْتِ	یا نیچے سے	وَّيُذِيْقَ	اور چکھائیں

(۱) یلبسکم: یخلطکم: تمہیں بھڑادیں، ملادیں، التبس الظلامُ: تاریکی کا مخلوط ہونا، آگے آئے گا: ﴿وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾: اور انھوں نے اپنے ایمان کو ظلم (شرک) کے ساتھ نہیں ملایا (۲) شِيَعٌ: شيعة کی جمع: گروہ، فرقے، کم سے حال ہے۔

بَعْضَكُمْ	تمہارے بعض کو	اُنْظُرْ	دیکھ	الْاٰيٰتِ	باتیں
بَاْسَ	سختی	كَيْفَ	کس طرح	لَعَلَّهُمْ	تاکہ وہ
بَعْضٍ	بعض کی	نُصَرِّفُ	پھیرتے ہیں ہم	يَفْقَهُوْنَ	سمجھیں

عذاب تین طرح آتا ہے اور مکذبین پر تیسری طرح عذاب آئے گا

عذاب کی تین صورتیں ہیں:

ایک: عذاب اوپر سے آئے، جیسے نوح علیہ السلام کی قوم پر پانی برسا، اور اس نے سیلاب کی شکل اختیار کی، اور وہ سب کو لے ڈوبا، اور جیسے قوم لوط علیہ السلام پر پتھروں کی بارش ہوئی، جس نے پوری قوم کو ہلاک کر دیا، یا جیسے ہاتھی والوں پر ابابیل نے کنکریاں برسائیں، جس سے سب کا بھرتا بن گیا۔

دوم: عذاب نیچے سے آئے، جیسے فرعونیوں کو دریا میں ڈبویا، اور جیسے قارون کو زمین میں دھنسایا۔

سوم: لوگوں میں پارٹی بندی ہو، پھر جنگ وجدال اور خون ریزی ہو، اور ایک فریق غالب اور دوسرا مغلوب ہو، عذاب کی یہ تیسری صورت اہون ہے، کیونکہ پہلی دو صورتوں میں سب کچھ تہس نہس ہو جاتا ہے، اور تیسری صورت میں لوگ باقی رہتے ہیں، حدیث میں اس کی طرف اشارہ ہے۔

حدیث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب یہ آیت نازل ہوئی کہ کہیں: ان کو قدرت ہے اس پر کہ تمہارے اوپر سے عذاب بھیجیں تو نبی ﷺ نے فرمایا: میں اللہ کے چہرے کے طفیل پناہ چاہتا ہوں یعنی یہ عذاب نہ آئے (آگے) اللہ نے فرمایا: یا تمہارے نیچے سے، تو نبی ﷺ نے فرمایا: میں اللہ کے چہرے کے طفیل پناہ چاہتا ہوں یعنی یہ عذاب بھی نہ آئے (پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:) یا تمہیں مختلف فرقے بنا کر بھڑا دیں، اور بعض کو بعض کی سختی چکھائیں، تو آپ نے فرمایا: یہ اہون ہے یا فرمایا؟ یہ آسان ہے!

تشریح: جب کفار مکہ کو قرآن عذاب کی خبر سناتا تو وہ کہتے: یہ سب جھوٹی دھمکیاں ہیں، عذاب وذاب کچھ نہیں آنا، اس آیت میں ان سے کہا گیا ہے کہ عذاب ان تین صورتوں میں سے کسی بھی صورت میں آسکتا ہے، مگر نبی ﷺ نے پہلی دو صورتوں سے پناہ چاہی تو کفارِ مکہ پر تیسری صورت میں عذاب آیا، کفار اور مؤمنین دو الگ الگ گروہ بن گئے، اور پہلی مرتبہ بدر کے میدان میں بھڑے، اور کفار نے اپنے کفر کا مزہ چکھا۔

فائدہ: یہ آیت دراصل کفار مکہ کے تعلق سے ہے، مگر اعتبار الفاظ کے عموم کا ہے، پس امت محمدیہ پر بھی پہلی دو صورتوں میں عذاب نہیں آئے گا، کیونکہ نبی ﷺ نے ان سے پناہ چاہی ہے، ہاں تیسری صورت میں عذاب آسکتا ہے اور آتا رہتا ہے۔

آیتِ پاک: کہہ دو: اللہ تعالیٰ قادر ہیں اس پر کہ تمہارے اوپر سے عذاب بھیجیں، یا تمہارے پیروں کے نیچے سے، یا تمہیں مختلف فرقے بنا کر بھڑا دیں، اور بعض کو بعض کی سختی چکھائیں ـــــ دیکھو! کیسے نہج بدل بدل کر ہم باتیں بیان کرتے ہیں تاکہ وہ (مکذبین) سمجھیں۔

فائدہ: آیت کفار کے حق میں نازل ہوئی ہے، مگر درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت مسلمانوں کو بھی عام ہے:

حدیث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب یہ آیت نازل کی گئی کہ آپ کہہ دیں: ''اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہیں کہ تم پر کوئی عذاب تمہارے اوپر سے بھیج دیں یا تمہارے پاؤں تلے سے!'' تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں اللہ تعالیٰ کی ذات کی پناہ چاہتا ہوں!'' اس استعاذہ میں اشارہ ہے کہ یہ دونوں عذاب مسلمانوں پر بھی آسکتے ہیں، چنانچہ آپؐ نے ان دونوں عذابوں سے پناہ چاہی، اور آپ کی یہ دعا قبول ہوئی، جیسا کہ آئندہ حدیث میں ہے، پھر جب اگلا ٹکڑا نازل ہوا کہ یا وہ تمہیں گروہ گروہ کر کے آپس میں بھڑا دیں، اور تمہارے بعض کو بعض کی سختی چکھائیں تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''یہ (عذاب) ہلکا ہے!'' یا فرمایا: ''یہ آسان ہے!'' یعنی عذاب کی یہ نوعیت آپؐ نے گوارہ فرمالی، بخاری شریف میں یہ حدیث تین جگہ آئی ہے (حدیث ۴۶۲۸ و ۷۳۱۳ و ۷۴۰۶)

حدیث: اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چل رہے تھے، آپؐ کا گذر مسجدِ بنی معاویہ پر ہوا، آپؐ مسجد میں تشریف لے گئے، اور دو رکعتیں پڑھیں، ہم نے بھی دو رکعتیں ادا کیں، پھر آپؐ دعا میں مشغول ہوئے، اور بہت دیر تک دعا فرماتے رہے، پھر ارشاد فرمایا: ''میں نے اپنے رب سے تین باتیں مانگیں: دو دی گئیں اور ایک سے میں روک دیا گیا، میں نے مانگا کہ اللہ تعالیٰ میری امت کو غرقاب نہ کریں، اللہ تعالیٰ نے میری یہ دعا قبول فرمالی، پھر میں نے مانگا کہ اللہ تعالیٰ میری امت کو قحط سالی اور بھوک سے ہلاک نہ کریں، تو یہ دعا بھی قبول فرمالی، پھر میں نے مانگا کہ اللہ تعالیٰ میری امت کو باہمی جنگ وجدال سے تباہ نہ کریں تو مجھے اس دعا سے روک دیا گیا''

وَكَذَّبَ بِهِ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ۭ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۶۶﴾ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۡ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ۭ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۸﴾ وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى

لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ ع

وَكَذَّبَ	اور جھٹلایا	يَخُوْضُوْنَ (۳)	گھستے ہیں	وَمَا	اور نہیں ہے
بِهٖ	اس (عذاب) کو	فِيْٓ اٰيٰتِنَا	ہماری باتوں میں	عَلَى الَّذِيْنَ	ان پر جو
قَوْمُكَ	آپ کی قوم نے	فَاَعْرِضْ	تو کنارہ کر	يَتَّقُوْنَ	بچتے ہیں
وَهُوَ	درانحالیکہ وہ	عَنْهُمْ	ان سے	مِنْ حِسَابِهِمْ	ان کے حساب سے
الْحَقُّ	یقینی ہے	حَتّٰى	یہاں تک کہ	مِّنْ شَيْءٍ	کچھ بھی
قُلْ	کہو	يَخُوْضُوْا	مشغول ہوجائیں	وَّلٰكِنْ	لیکن
لَّسْتُ عَلَيْكُمْ	نہیں ہوں میں تم پر	فِيْ حَدِيْثٍ	کسی بات میں	ذِكْرٰى	نصیحت کرنا
بِوَكِيْلٍ (۱)	تعینات کیا ہوا	غَيْرِهٖ	اس کے علاوہ	لَعَلَّهُمْ	تاکہ
لِكُلِّ نَبَاٍ	ہر خبر کے لئے	وَاِمَّا (۴)	اور اگر	يَتَّقُوْنَ	وہ بچیں
مُّسْتَقَرٌّ (۲)	پورا ہونے کا وقت ہے	يُنْسِيَنَّكَ	بھلادے تجھے	وَذَرِ	اور چھوڑ
وَّسَوْفَ	اور عنقریب	الشَّيْطٰنُ	شیطان	الَّذِيْنَ	ان کو جنھوں نے
تَعْلَمُوْنَ	جان لوگے تم	فَلَا تَقْعُدْ	تو مت بیٹھ	اتَّخَذُوْا	بنایا
وَاِذَا	پس جب	بَعْدَ الذِّكْرٰى	یاد آنے کے بعد	دِيْنَهُمْ	اپنے دین (اسلام) کو
رَاَيْتَ	دیکھے تو	مَعَ الْقَوْمِ	لوگوں کے ساتھ	لَعِبًا وَّلَهْوًا	کھیل اور تماشہ
الَّذِيْنَ	ان کو جو	الظّٰلِمِيْنَ	ظالم پیشہ	وَّغَرَّتْهُمُ	اور دھوکہ دیا ان کو

(۱) وکیل: کا ترجمہ شاہ عبدالقادر صاحب نے 'داروغہ' کیا ہے: سب انسپکٹر پولیس 'تھانہ دار' کسی جماعت کا سردار، تعینات: حضرت تھانویؒ کا ترجمہ ہے (۲) مستقر: اسم مفعول کے وزن پر ظرف زماں (۳) خاض (ن) الماءَ: پانی میں گھسنا، خاض فی الحدیث: گفتگو میں مشغول ہونا۔ (۴) اِما: اِن شرطیہ کا نون مازائدہ میں مدغم ہے۔

الْحَيٰوةُ	زندگی نے	مِنْ دُوْنِ	سوائے	الَّذِيْنَ	وہ ہیں جو
الدُّنْيَا	دنیا کی	اللهِ	اللہ کے	اُبْسِلُوْا	ہلاکت میں ڈالے گئے
وَذَكِّرْ	اور نصیحت کر	وَلِيٌّ	کوئی کارساز	بِمَا كَسَبُوْا	ان کے اعمال کی وجہ سے
بِهٖٓ	اس (قرآن) کے ذریعہ	وَّلَا شَفِيْعٌ	اور نہ کوئی سفارشی	لَهُمْ	ان کے لئے
اَنْ تُبْسَلَ (۱)	کہیں ہلاکت میں	وَاِنْ تَعْدِلْ (۲)	اور اگر بدلہ دے وہ	شَرَابٌ	مشروب ہے
	ڈالا جائے	كُلَّ عَدْلٍ	سارے ہی بدلے	مِّنْ حَمِيْمٍ	کھولتے پانی سے
نَفْسٌ	کوئی شخص	لَّا يُؤْخَذْ	نہ لیا جائے وہ	وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌ	اور سزا ہے دردناک
بِمَا كَسَبَتْ	اس کے کرتوتوں کی وجہ سے	مِنْهَا	اس سے	بِمَا كَانُوْا	اس وجہ سے کہ تھے وہ
لَيْسَ لَهَا	درانحالیکہ نہ ہو اس کیلئے	اُولٰٓئِكَ	یہی لوگ	يَكْفُرُوْنَ	(اللہ کا) انکار کرتے

تکذیبِ عذاب کا آخری جواب

گذشتہ آیت میں اشارہ تھا کہ تکذیب کرنے والوں پر عذاب جہاد کے ذریعہ آئے گا، اس کا کفار نے ٹھٹھا اڑایا، اس لئے کہ مکی دور کے وسط میں مسلمانوں کو اپنا وجود باقی رکھنا مشکل تھا، جہاد کے ذریعہ وہ مکذبین کو کیا سزا چکھائیں گے؟ اس لئے وہ اس بات کی ہنسی اڑاتے تھے۔

جواب: اللہ کے رسول قوم کے داروغہ نہیں، داروغہ: ماتحت پولس کا ذمہ دار ہوتا ہے، رسول: قوم کا ذمہ دار نہیں، وہ اللہ کی طرف سے ایک خبر دیتا ہے، اور وہ خبر سچی ہوتی ہے، اور ہر خبر کے پورا ہونے کا ایک وقت مقرر ہے: **كلُّ أمرٍ مرهون بوقته**، جب وقت آئے گا خبر واقع ہوگی، اور جہاد کی شکل میں ان کو سزا ملے گی تب وہ جانیں گے کہ لو، عذاب آیا!

ہجرت کے بعد دوسرے سال معرکہ بدر پیش آیا، اس میں قریش کے ستّر آدمی مارے گئے اور ستّر ہی قید میں آئے، ان میں سے اکثر قائد، سردار اور سربرآوردہ لوگ تھے، جنگ ختم ہونے کے بعد چوبیس بڑے سرداروں کی لاشیں ایک گندے کنویں میں ڈالی گئیں، تیسرے دن آپ ﷺ سوار ہو کر اس کنویں پر تشریف لے گئے، اور لاشوں سے خطاب فرمایا: ''مجھ سے میرے رب نے جو وعدہ کیا تھا اس کو میں نے سچا پایا، کیا تم سے تمہارے رب نے (عذاب کا جو) وعدہ کیا تھا سچا پایا؟'' یہی ﴿ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴾ ہے۔

---

(۱) أَبْسَلَ: کسی کو ہلاکت میں ڈالنا، بَسُلَ (ک) بُسُوْلاً: بہادر ہونا، لڑائی میں تیور چڑھانا، الباسل: جری، بہادر (۲) عَدَلَ (ض) عَدْلاً: بدلہ دینا، اصل معنی: مساوی اور برابر کرنا، بدلہ بھی مساوی کرتا ہے۔

﴿وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ۭ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۝ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۡ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: اور آپؐ کی قوم نے عذاب کو جھٹلایا، جبکہ وہ برحق ہے، کہو: میں تم پر تعینات نہیں کیا گیا! ہر خبر کے وقوع کے لئے ایک وقت مقرر ہے، سو تم جلد ہی اس کو جان لوگے ـــــ کہ لو یہ عذاب آیا!

تکذیب میں مشغول لوگوں کے ساتھ بیٹھنے کی ممانعت

جو لوگ قرآنِ کریم اور دینِ اسلام پر نکتہ چینی میں مشغول ہوں ان کے ساتھ مسلمانوں کو نشست و برخاست نہیں رکھنی چاہئے، کہیں وہ بھی ان کے زمرہ میں داخل ہو کر مستحق عذاب نہ ہو جائیں، مؤمن کی غیرت کا تقاضا یہ ہے کہ ایسی مجلس سے بیزار ہو کر علاحدہ ہو جائے، اور کبھی بھول جائے تو یاد آنے کے بعد فوراً اٹھ کھڑا ہو، اسی میں عاقبت کی درستگی اور دین کی سلامتی ہے، اور عیب چینی کرنے والوں کو تنبیہ اور عملی نصیحت بھی ہے۔

آیت کا پس منظر: رؤسائے قریش کا طرزِ عمل یہ تھا کہ جب مسلمانوں کے ساتھ ان کا اٹھنا بیٹھنا ہوتا تو ان کو تکلیف پہنچانے کے لئے خاص طور پر قرآن کو موضوع بحث بناتے، اور اس بہانے اللہ کے احکام کا مذاق اڑاتے، اس پس منظر میں نبی ﷺ کو مخاطب کر کے امت کو حکم دیا کہ جب کفار اللہ کی کتاب کو بدنیتی سے موضوع بحث بنائیں تو اس مجلس میں شرکت نہ کریں، البتہ جب مجلس کا موضوع بدل جائے اور کوئی دوسری بات شروع ہو جائے تو ان کے ساتھ بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں، اور اگر پہلے سے خیال نہ ہو اور بیٹھ جائے، پھر ایسی گفتگو شروع ہو جائے تو فوراً اس مجلس سے اٹھ جائے۔

﴿وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ۭ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝﴾

ترجمہ: پس جب آپ ان لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیتوں میں (کیڑے ڈھونڈھنے میں) مشغول ہیں تو آپ ان سے کنارہ کرلیں، یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ بات میں مشغول ہوں، اور اگر شیطان آپ کو بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ان ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھیں۔

نصیحت کی غرض سے مخالفین کی سنجیدہ مجلس میں شرکت کی گنجائش

اگر معلوم ہو کہ مجلس میں قرآن و اسلام پر نکتہ چینی ہوگی، مگر لوگوں میں بات سمجھنے کی صلاحیت ہو، اور کوئی شخص ایسی مجلس میں شرکت کرے، اور ان کی ہاں میں ہاں نہ ملائے، بلکہ موقع کا منتظر رہے، جب موقع ملے اعتراض کرنے والوں کو

سمجھائے، ان کے اعتراضات کے جوابات دے کر تشفی کرے تو اس مقصد سے ایسی سنجیدہ مجلس میں شرکت کی گنجائش ہے، شاید وہ آئندہ مجلسوں میں قرآن پر طعن و تشنیع سے باز آجائیں۔

﴿ وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور ان لوگوں پر جو (طعن و تشنیع سے) بچتے ہیں ـــــ یعنی طاعنین کی ہاں میں ہاں نہیں ملاتے ـــــ ان (مشغول ہونے والوں کے) حساب میں سے کچھ بھی نہیں ـــــ یعنی اس شرکت کرنے پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا ـــــ البتہ نصیحت کرنا ہے تاکہ (آئندہ) وہ بچیں۔

اسلام کے کٹر مخالفوں کے ساتھ مجالست کی ممانعت، مگر دعوت کی محنت جاری رکھی جائے

جو لوگ اسلام کے کٹر مخالف ہیں، مذہبِ اسلام کو کھیل تماشہ بناتے ہیں، حالانکہ اس کو قبول کرنا ان کے ذمہ فرض ہے، وہ ان کی بہبودی کے لئے نازل کیا گیا ہے، مگر ان کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈالے رکھا ہے، وہ کھاتے پیتے خوش حال ہیں، اس لئے وہ اپنے دھرم ہی کو حق سمجھتے ہیں، حالانکہ دنیا کی خوش حالی حقانیت کی دلیل نہیں۔

ان کے بارے میں فرماتے ہیں: ان کو چھوڑیں، ان کی محفل میں شرکت نہ کریں، مگر ان پر بھی دعوت کی محنت جاری رکھیں، قرآنِ کریم کے ذریعہ ان کو بھی نصیحت کریں، شاید وہ سنور جائیں، ورنہ اتمام حجت ہو جائے! نبی ﷺ کا یہی طریقہ تھا، کٹر سے کٹر مخالفوں کو بھی آپ قرآن سناتے تھے۔

اور جو لوگ دنیا کی لذتوں میں مست ہو کر آخرت کو بھلا بیٹھے ہیں: آخرت میں ان کا نہ کوئی حمایتی ہوگا نہ سفارشی، اور اس کو کوئی بدلہ دے کر بھی عذاب سے چھٹی نہیں ملے گی، اگرچہ وہ دنیا بھر کا بدلہ پیش کرے، ان کو سخت عذاب سے پالا پڑے گا، پینے کو کھولتا پانی ملے گا، اور اللہ وحدہ لاشریک لہ کا انکار کرنے کی وجہ سے دردناک عذاب ہوگا۔

﴿ وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور آپ ان لوگوں کو چھوڑیں جنھوں نے اپنے دین (اسلام) کو کھیل تماشہ بنایا ہے، ان کو دنیوی زندگانی نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے، اور آپ قرآن کے ذریعہ نصیحت کریں، کہیں کوئی شخص ہلاکت میں ڈالا جائے اس کے کرتوتوں کی وجہ سے، دراں حالیکہ اس کے لئے، اللہ کے علاوہ، نہ کوئی حمایتی ہو، نہ کوئی سفارشی! اور اگر وہ سارے ہی بدلے دے

ڈالے تو اس کی طرف سے قبول نہ کیا جائے، یہی وہ لوگ ہیں جو ہلاکت میں ڈالے گئے ان کے اعمال کی وجہ سے، ان کے لئے کھولتا ہوا پانی ہے، اور دردناک سزا ہے، بایں وجہ کہ وہ ایک اللہ کا انکار کیا کرتے تھے۔

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِي اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِي الْاَرْضِ حَيْرَانَ ۪ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ۝۷۱ وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ؕ وَهُوَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝۷۲ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ۛؕ قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ؕ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝۷۳

قُلْ	کہو:	اِذْ هَدٰىنَا	جب سیدھی راہ دکھائی	ائْتِنَا	آجا ہمارے پاس
اَنَدْعُوْا	کیا پکاریں ہم		ہمیں	قُلْ	کہہ دو
مِنْ دُوْنِ	سوائے	اللّٰهُ	اللہ نے	اِنَّ هُدَى	بے شک راہ نمائی
اللّٰهِ	اللہ کے	كَالَّذِيْ	جیسے وہ شخص	اللّٰهِ	اللہ کی
مَا	اس کو جو	اسْتَهْوَتْهُ (۱)	جس کو بھٹکا دیا	هُوَ الْهُدٰى	وہی راہ نمائی ہے
لَا يَنْفَعُنَا	نہ نفع پہنچائے ہمیں	الشَّيٰطِيْنُ	جنات نے	وَاُمِرْنَا	اور حکم دیے گئے ہیں ہم
وَلَا يَضُرُّنَا	اور نہ نقصان پہنچائے	فِي الْاَرْضِ	بیابان میں	لِنُسْلِمَ	کہ تابعداری کریں
	ہمیں	حَيْرَانَ (۲)	حیران پریشان	لِرَبِّ	پروردگار کی
وَنُرَدُّ	اور پھیرے جائیں ہم	لَهٗٓ اَصْحٰبٌ	اس کے ساتھی ہیں	الْعٰلَمِيْنَ	جہانوں کے
عَلٰٓى اَعْقَابِنَا	الٹے پاؤں	يَّدْعُوْنَهٗٓ	جو اس کو بلاتے ہیں	وَاَنْ اَقِيْمُوا	اور یہ کہ سیدھا کرو تم
بَعْدَ	بعد	اِلَى الْهُدَى	راہ راست کی طرف	الصَّلٰوةَ	نماز کو

(۱) اسْتِهْوَاءٌ: راستہ بھلانا، اس کے معنی فریفتہ کرنا بھی ہیں (۲) حیران: ہٗ کا حال ہے۔

وَاتَّقُوْهُ	اور ڈرو اس سے	بِالْحَقِّ	بامقصد (آخرت کیلئے)	يَوْمَ	جس دن
وَهُوَ	اور وہ	وَيَوْمَ	اور جس دن	يُنْفَخُ	پھونک ماری جائے گی
الَّذِيْٓ اِلَيْهِ	وہ ہیں جن کی طرف	يَقُوْلُ	فرمائیں گے وہ	فِي الصُّوْرِ	صور میں
تُحْشَرُوْنَ	جمع کئے جاؤ گے تم	كُنْ	ہوجا (قیامت قائم ہوجا)	عٰلِمُ	جاننے والے ہیں
وَهُوَ	اور وہ	فَيَكُوْنُ	تو وہ ہوجائے گی	الْغَيْبِ (1)	غیر موجود چیزوں کو
الَّذِيْ	وہ ہیں جنھوں نے	قَوْلُهُ	ان کا فرمان	وَالشَّهَادَةِ	اور موجود چیزوں کو
خَلَقَ	پیدا کیا	الْحَقُّ	برحق ہے	وَهُوَ	اور وہ
السَّمٰوٰتِ	آسمانوں	وَلَهُ	اور ان کی	الْحَكِيْمُ	بڑی حکمت والے
وَالْاَرْضَ	اور زمین کو	الْمُلْكُ	حکومت ہوگی	الْخَبِيْرُ	بڑے باخبر ہیں

مشرکین: مسلمانوں کو شرک کی دعوت دیتے تھے، ان کو اسلام کی دعوت دی جائے

اسلام کے کٹر مخالفین کے ساتھ مجالست کی ممانعت اس لئے ہے کہ مشرکین کے سردار مسلمانوں کو شرک کی طرف لوٹ جانے کی دعوت دیتے ہیں، پس کچے مسلمانوں کے پھسلنے کا خطرہ تھا، اس لئے ان سے دوری کی صاحب سلامت اچھی!

البتہ ان پر دعوت کی محنت جاری رکھی جائے، جو پڑھا لکھا پکا مسلمان ہے وہ ان کو ان کی خواہش کا جواب دے، کہے: کیا ہم اللہ کو چھوڑ کر ایسی مورتیوں کی عبادت کریں جو ہمیں نہ نفع پہنچا سکتی ہیں نہ نقصان؟ ان کی عبادت میں کیا فائدہ ہے؟ اور کیا ہم الٹے پاؤں لوٹ جائیں اس کے بعد کہ اللہ نے ہمیں راہِ راست دکھائی؟ اگر ہم ایسا کریں تو اس کی مثال ایسی ہوگی: جیسے کسی شخص کو بیابان میں بھوتوں نے راہ سے بے راہ کردیا، اب وہ حیران پریشان ہے، اور اس کے کچھ ساتھی ہیں، جو صحیح راستہ کی طرف اس کو بلاتے ہیں کہ ہمارے پاس آجا!

تطبیق: مشرکین کو شیاطین نے راستہ سے بھٹکا دیا ہے، صحابہ ان کے ساتھی ہیں، وہ راہِ راست پر ہیں، وہ مشرکین کو بلاتے ہیں کہ ہمارے راستے پر آجاؤ، ہمیں اللہ نے راہ دکھائی ہے، اور یہی صحیح راستہ ہے، ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم جہانوں کے پالنہار کی اطاعت کریں، نماز کا اہتمام کریں اور اس کے احکام کی خلاف ورزی نہ کریں، یہ تعلیمات دلیل ہیں کہ ہمارا راستہ ہی اللہ کا راستہ ہے، اور ہمیں لوٹ کر انہی کے دربار میں حاضر ہونا، جہاں ہمیں ہمارے اعمال کا صلہ ملے گا۔

(۱) پہلے غیب کے معنی مظہری کے حوالے سے بیان کئے ہیں کہ جو چیزیں ابھی وجود میں نہیں آئیں، پس پردہ ہیں وہ غیب ہیں، پس جو موجود ہیں وہ شہادۃ ہیں۔

﴿قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ ۖ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ۗ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۗ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾ وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ۗ وَهُوَ الَّذِىٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۲﴾﴾

ترجمہ: کہو: کیا ہم اللہ سے ورے ایسے معبودوں کی عبادت کریں جو ہمیں نہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان؟ اور ہم الٹے پاؤں لوٹا دیئے جائیں اس کے بعد کہ اللہ نے ہمیں راہِ راست دکھائی؟ جیسے ایک شخص: جسے بھوتوں نے بیابان میں راستہ سے بھٹکا دیا، وہ حیران ہے، اس کے کچھ ساتھی ہیں جو اس کو راستے کی طرف بلاتے ہیں کہ ہمارے پاس آجا! —— کہہ دو: اللہ کی راہ نمائی ہی بالیقین راہ نمائی ہے، اور ہم حکم دیئے گئے ہیں کہ جہانوں کے پالنہار کی اطاعت کریں، اور یہ کہ نماز کا اہتمام کریں، اور اس کے احکام کی خلاف ورزی نہ کریں، اور وہی وہ ہیں جن کے پاس تم جمع کئے جاؤ گے!

عالم زیریں عالم بالا کے مقصد سے بنایا گیا ہے

گذشتہ آیت کے آخر میں فرمایا تھا کہ مشرکین کو بھی ایک دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے، اس لئے کہ یہ عالم زیریں یعنی دنیا، عالم بالا یعنی آخرت کے مقصد سے بنایا گیا ہے، یہاں عمل ہے وہاں جزاء ہے، آسمانوں اور زمین پر مشتمل یہ عالم بے مقصد نہیں پیدا کیا گیا —— اور قیامت قائم کرنا اللہ تعالیٰ کے لئے کچھ مشکل نہیں، جب وقت آئے گا فرمائیں گے: ہوجا! پس آناً فاناً قیامت برپا ہوجائے گی —— اور 'ہوجا!' بھی کہنا نہیں پڑے گا، ان کا ارادہ ہی چیزوں کے وجود کے لئے کافی ہے۔ اور اللہ کی بات برحق ہے، اس میں شبہ کی گنجائش نہیں، اور جس دن صور پھونکا جائے گا، اور مخلوقات دوبارہ پیدا ہونگی، اس وقت حکومت اللہ ہی کی ہوگی، تمام مجازی حکومتیں ختم ہوجائیں گی، اور اللہ تعالیٰ آئندہ وجود میں آنے والی چیزوں کو بھی جانتے ہیں، اور موجودہ چیزوں کو بھی، اس لئے کہ اللہ کا علم حضوری ہے، حصولی نہیں، اور حضوری علم معلومات کا محتاج نہیں ہوتا، حصولی علم معلومات کے وجود کا محتاج ہوتا ہے، پس جو چیزیں آئندہ زمانہ میں موجود ہونگی، ان کو بھی اللہ تعالیٰ ازل سے جانتے ہیں، اور وہ حکیم وعلیم ہیں، اپنی حکمت کے مطابق چیزوں کو وجود بخشتے ہیں، جب ان کی حکمت مقتضی ہوگی اس دنیا کا آخری دن آجائے گا، اور یہ دنیا ٹھہر جائے گی، اور آخری دن میں حساب کتاب ہوگا، پھر مکلّف مخلوقات عالم بالا میں منتقل کردی جائے گی، اور یہ دنیا ختم کردی جائے گی، پس جو لوگ اس خیال میں ہیں کہ یہ دنیا اسی طرح چلتی رہے گی، کبھی ختم نہیں ہوگی: وہ غلط فہمی میں ہیں، اس لئے کہ اس دنیا میں نیکی اور برائی کا نتیجہ ظاہر نہیں ہوتا، پس اگر یہی دنیا چلتی رہے تو یہ دنیا بے مقصد ہوئی، جبکہ اللہ تعالیٰ حکیم ہیں، اور حکیم کا کوئی کام بے مقصد نہیں ہوتا۔

﴿ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ڛ قَوْلُهُ الْحَقُّ ۭ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ۭ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝ ﴾

ترجمہ: وہی وہ ہیں جنھوں نے آسمانوں اور زمین کو بامقصد پیدا کیا ہے، اور جس دن فرمائیں گے: ہوجا! تو وہ (مقصد پورا) ہوجائے گا، ان کا فرمانا برحق ہے — یعنی وہ ضرور قیامت قائم کریں گے — اور انہی کی حکومت ہوگی جس دن صور پھونکا جائے گا، وہ آئندہ موجود ہونے والی چیزوں کو اور موجودہ چیزوں کو جاننے والے ہیں، اور وہ بڑی حکمت والے، بڑے باخبر ہیں!

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۝ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَىِٕنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّاۗلِّيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّىْ بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ اِنِّىْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝

وَ اِذْ قَالَ	اور (یاد کرو) جب کہا	اٰلِهَةً	معبود؟	وَكَذٰلِكَ	اور یوں
اِبْرٰهِيْمُ	ابراہیمؑ نے	اِنِّيْٓ	بے شک میں	نُرِيْٓ	دکھاتے ہیں ہم
لِاَبِيْهِ	اپنے باپ سے	اَرٰىكَ	دیکھتا ہوں آپ کو	اِبْرٰهِيْمَ	ابراہیم کو
اٰزَرَ	آزر نامی	وَ قَوْمَكَ	اور آپ کی قوم کو	مَلَكُوْتَ	حکومت (اسرار)
اَتَتَّخِذُ	کیا بناتے ہیں آپ	فِيْ ضَلٰلٍ	گمراہی میں	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں
اَصْنَامًا	مورتیوں کو	مُّبِيْنٍ	صریح	وَ الْاَرْضِ	اور زمین کی

وَلِيَكُوْنَ	اور تا کہ ہوں وہ	فَلَمَّآ اَفَلَ	پس جب وہ غائب ہوگیا	قَالَ	کہا اس نے
مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ	یقین کرنے والوں سے	قَالَ	کہا اس نے	يٰقَوْمِ	اے میری قوم!
فَلَمَّا جَنَّ	پس جب اندھیرا کردیا	لَئِنْ	بخدا! اگر	اِنِّيْ	بے شک میں
عَلَيْهِ الَّيْلُ	اس پر رات نے	لَّمْ يَهْدِنِيْ	نہ راہ دکھائی مجھ کو	بَرِيْٓءٌ	بے تعلق ہوں
رَاٰ كَوْكَبًا	دیکھا اس نے ایک تارہ	رَبِّيْ	میرے رب نے	مِّمَّا	ان ستاروں سے جن کو
قَالَ هٰذَا	کہا: یہ	لَاَكُوْنَنَّ	تو ضرور ہونگا میں	تُشْرِكُوْنَ	شریک ٹھہراتے ہو تم
رَبِّيْ	میرا رب ہے	مِنَ الْقَوْمِ	لوگوں سے	اِنِّيْ وَجَّهْتُ	بیشک میں نے پھیرلیا
فَلَمَّآ اَفَلَ	پس جب غائب ہوگیا وہ	الضَّآلِّيْنَ	گمراہ ہونے والے	وَجْهِيَ	اپنا رخ
قَالَ	کہا اس نے	فَلَمَّا رَاَ	پس جب دیکھا اس نے	لِلَّذِيْ	اس ہستی کی طرف جس نے
لَآ اُحِبُّ	نہیں پسند کرتا میں	الشَّمْسَ	سورج کو	فَطَرَ	پیدا کیا
الْاٰفِلِيْنَ	غائب ہونے والوں کو	بَازِغَةً	دمکتا ہوا	السَّمٰوٰتِ	آسمانوں
فَلَمَّا رَاَ	پس جب دیکھا اس نے	قَالَ	کہا اس نے	وَ الْاَرْضَ	اور زمین کو
الْقَمَرَ	چاند کو	هٰذَا رَبِّيْ	یہ میرا رب ہے	حَنِيْفًا	یکسو ہوکر
بَازِغًا	چمکتا ہوا	هٰذَآ اَكْبَرُ	یہ (سب سے) بڑا	وَّمَآ اَنَا	اور نہیں ہوں میں
قَالَ	کہا اس نے		(ستارہ) ہے	مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ	شریک ٹھہرانے والوں
هٰذَا رَبِّيْ	یہ میرا رب ہے	فَلَمَّآ اَفَلَتْ	پس جب غائب ہوگیا وہ		میں سے

ابراہیم علیہ السلام نے مشرکوں کو مورتیوں اور ستاروں کا معبود نہ ہونا سمجھایا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم مورتیوں کو بھی پوجتی تھی اور ستاروں کو بھی، آپ نے ان کو دونوں کا معبود نہ ہونا سمجھایا، مورتیوں کے معبود نہ ہونے کا بیان یہاں مختصر ہے، مفصل سورۃ الانبیاء (آیات ۵۱-۷۰) میں ہے (ہدایت القرآن ۵:۴۰۰) اور یہاں صرف اتنی بات ہے کہ انھوں نے اپنے باپ آزر سے پوچھا: کیا آپ مورتیوں کو خدا مانتے ہیں؟ اس نے اثبات میں جواب دیا ہوگا، اس لئے کہ وہ مندر کا مہنت (سادھوؤں کا سردار) تھا، اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: آپ اور آپ کی قوم سب گمراہ ہو، اور گمراہی واضح ہے، بے جان مورتیں کبھی معبود نہیں ہوسکتیں، پھر ایک دن جب قوم میلے میں گئی تو مورتیوں کی مرمت کرڈالی، اور ثابت کردیا کہ جو خود کو نہ بچاسکیں وہ دوسروں کو کیا بچائیں گی؟

﴿وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْۤ اَرٰىكَ وَ قَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۝﴾

ترجمہ: اور (یاد کرو) جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ آزر سے کہا: کیا آپ مورتیوں کو معبود مانتے ہیں؟ —— میں بالیقین آپ کو اور آپ کی قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں!

سوال: قرآنِ کریم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ کا نام 'آزر' بتاتا ہے، اور توریت 'تارح' بتاتی ہے، اس اختلاف کا کیا حل ہے؟

جواب: قرآن محفوظ ہے، پہلے دن سے آج تک لاکھوں مرد، عورتیں اور بچے اس کو حفظ (زبانی یاد) کرتے رہے ہیں، اور توریت محرف ہے، اور آج تک اس کا کوئی حافظ نہیں ہوا، پھر اس کے بیان کا کیا اعتبار؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک خوبی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو انبیاء میں ایک خاص خوبی حاصل تھی، ان کو اللہ تعالیٰ نے علویات اور سفلیات کے اسرار و رموز سے واقف کر دیا تھا، احیائے موتی تک کا مشاہدہ کرایا تھا، انھوں نے نمرود بادشاہ کو اللہ کی یکتائی اس طرح سمجھائی تھی کہ وہ ہکا بکا ہو کر رہ گیا تھا، اور قوم کو مورتیوں کا معبود نہ ہونا عجیب انداز پر سمجھایا تھا، اور اب ستاروں کا معبود نہ ہونا عجیب انداز سے سمجھائیں گے، مناظرہ کا ایک طریقہ مماشات مع الخصم ہے، یعنی تھوڑی دیر مقابل کے ساتھ چلنا یعنی بالفرض اس کی بات مان لینا، پھر نہلے پہ دہلہ رکھنا، زور کا چپت مارنا اور اس کی بات کاٹ دینا، اس کو اِرخاء العِنان بھی کہتے ہیں، یعنی گھوڑے کی لگام ڈھیلی چھوڑنا، پھر جب کھیت میں منہ مارنے لگے تو زور کا جھٹکا دینا کہ نانی یاد آجائے، حضرت ابراہیم علیہ السلام قوم کو ستاروں کا معبود نہ ہونا اس طرح سمجھائیں گے۔

اور جو داعی اپنی دلیل کی حقیقت سے واقف ہوتا ہے وہ جس طرح چاہے دلیل پھیر سکتا ہے، اور دعوت کا ایک خاص فائدہ یہ ہے کہ خود داعی کا اپنی بات پر یقین پختہ ہوتا ہے، پس دعوت ہم خرما ہم ثواب ہے، اس لئے واو عاطفہ کے ساتھ فرمایا:

﴿وَ لِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ﴾: تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہوں!

﴿وَكَذٰلِكَ نُرِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ۝﴾

ترجمہ: اور یوں —— یعنی جس طرح انھوں نے مورتیوں کا معبود نہ ہونا سمجھایا —— ہم نے ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی حکومت سمجھادی، اور تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم کو ستاروں کا معبود نہ ہونا سمجھایا

ایک رات جب چھا گئی اور ایک خاص ستارہ نمودار ہوا جس کو قوم پوجتی تھی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم سے فرمایا:

چلو اسے پروردگار مان لیتے ہیں! قوم خوش ہوگئی کہ ابراہیم ہمارے ہمنوا بن گئے، پھر ایک وقت کے بعد جب وہ ستارہ چھپ گیا تو آپ نے کہا: غائب ہونے والا معبود نہیں ہوسکتا، میں ایسے کو خدا نہیں مان سکتا، یوں قوم کی امید پر پانی پھیر دیا!

پھر کسی رات چاند چمکتا ہوا نکلا، قوم چاند کو بھی پوجتی تھی، پس آپ نے فرمایا: چلو اسے ربّ مان لیتے ہیں! قوم پھر خوش ہوگئی کہ چلو ابراہیم نے تارے کو معبود نہیں مانا تو چاند کو تو مان لیا، بات ایک ہی ہے کہ ستارے معبود ہیں، مگر چاند بھی ایک وقت کے بعد ڈوب گیا تب آپ نے فرمایا: لو جی! یہ خدا بھی غائب ہوگیا! اور غائب ہونے والا خدا نہیں ہوسکتا! معبود وہی برحق ہے جس کی معبود نشاندہی کرے، اگر وہ میری راہ نمائی نہیں کرے گا تو میں گمراہوں میں شامل ہوجاؤں گا —— قوم ایک بار پھر ابراہیم علیہ السلام سے مایوس ہوگئی۔

پھر کسی دن سورج کو لیا، جب وہ چمکتا دمکتا نکلا تو فرمایا: یہ سب سے بڑا تارہ ہے، چلو اس کو خدا مان لیتے ہیں، قوم ایک مرتبہ پھر خوش ہوگئی کہ چلو بڑے دیوتا کو تو ابراہیم نے مان لیا، مگر سورج بھی شام کو چھپ گیا تو آپ نے دوٹوک فرمایا: ستارے خدا نہیں ہوسکتے، خدا وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، یہ ستارے بھی اسی کی مخلوق ہیں، میں سب سے یکسو ہو کر اسی ایک اللہ کا ہو رہتا ہوں، اور میں مشرکین کے زمرہ میں شامل نہیں!

﴿ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَىِٕنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: پس جب رات نے اس پر اندھیرا کیا —— یعنی رات چھا گئی —— تو اس نے ایک ستارہ دیکھا —— جس کو قوم پوجتی تھی —— کہا: یہ میرا رب ہے —— یہ مماشات مع الخصم ہے —— پھر جب وہ اوجھل ہوگیا تو اس نے کہا: میں چھپ جانے والوں کو پسند نہیں کرتا —— یعنی میں اس کو معبود نہیں مانتا! یہ خصم کو تھپڑ مارا۔

پھر جب چاند کو چمکتا ہوا دیکھا تو اس نے کہا: یہ میرا رب ہے! پس جب وہ غائب ہوگیا تو اس نے کہا: بخدا! اگر میرے پروردگار نے میری راہ نمائی نہ کی تو میں یقیناً گمراہ لوگوں میں سے ہوجاؤں گا! —— یعنی اس کو بھی معبود نہیں مانتا، میرا پروردگار ہی میری راہ نمائی کرے گا کہ معبود کون ہے!

پھر جب سورج کو چمکتا دمکتا دیکھا تو اس نے کہا: یہ میرا رب ہے، یہ ستاروں میں سب سے بڑا ہے، پھر جب وہ

غروب ہوگیا تو اس نے کہا: اے میری قوم! میں یالیقین بے تعلق ہوں ان ستاروں سے جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو، بے شک میں ان ستاروں سے یکسو ہو کر اپنا رخ اس ہستی کی طرف پھیرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا ہے، اور میں شریک ٹھہرانے والوں میں سے نہیں ہوں!

وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ وَلَاۤ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْـًٔا ؕ وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَكَیْفَ اَخَافُ مَاۤ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۱﴾ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْۤا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓىٕكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع

وَحَآجَّهٗ	اور دلیل بازی کی اس سے	یَّشَآءَ	چاہے	اَنَّكُمْ	کہ تم نے
قَوْمُهٗ	اس کی قوم نے	رَبِّیْ	میرا پروردگار	اَشْرَكْتُمْ	شریک کیا
قَالَ	کہا اس نے	شَیْـًٔا	کوئی بات	بِاللّٰهِ	اللہ کے ساتھ
اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ	کیا دلیل بازی کرتے	وَسِعَ	کشادہ ہے	مَا	ان کو جو
	ہو تم مجھ سے	رَبِّیْ	میرا پروردگار	لَمْ یُنَزِّلْ	نہیں اتاری اس نے
فِی اللّٰهِ	اللہ (کی یکتائی) میں	كُلَّ شَیْءٍ	ہر چیز کو	بِهٖ	اس کے شریک ہونے کی
وَقَدْ هَدٰىنِ	درانحالیکہ راہ دکھائی	عِلْمًا	علم کے اعتبار سے	عَلَیْكُمْ	تم پر
	ہے اس نے مجھے	اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ	کیا پس نہیں سوچتے تم؟	سُلْطٰنًا	کوئی دلیل
وَلَاۤ اَخَافُ	اور نہیں ڈرتا ہوں میں	وَكَیْفَ	اور کیسے	فَاَیُّ	پس دو جماعتوں میں
مَا تُشْرِكُوْنَ	ان سے جن کو شریک	اَخَافُ	ڈروں میں	الْفَرِیْقَیْنِ	سے کونسی جماعت
	ٹھہراتے ہو تم	مَاۤ اَشْرَكْتُمْ	ان سے جن کو شریک	اَحَقُّ	زیادہ حقدار ہے
بِهٖۤ	اس کے ساتھ		کیا ہو تم نے	بِالْاَمْنِ	امن چین کی
اِلَّاۤ اَنْ	مگر یہ کہ	وَلَا تَخَافُوْنَ	اور نہیں ڈرتے ہو تم	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم

تَعۡلَمُوۡنَ	جانتے؟	اِيۡمَانَهُمۡ	اپنے ایمان کو	الۡاَمۡنُ	امن چین ہے
اَلَّذِيۡنَ	جولوگ	بِظُلۡمٍ	ظلم (عظیم) کے ساتھ	وَهُمۡ	اور وہ
اٰمَنُوۡا	ایمان لائے	اُولٰٓئِكَ	وہی لوگ	مُّهۡتَدُوۡنَ	راہ یاب ہیں
وَلَمۡ يَلۡبِسُوۡٓا	اور نہیں ملایا انھوں نے	لَهُمُ	ان کے لئے	۞	۞

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ستارہ پرستوں نے کٹ حجتی کی!

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بہت نرمی سے ستارہ پرستوں کو اللہ کی یکتائی سمجھائی، تھوڑی دیر ان کی ہمنوائی بھی کی، مگر اس کا کوئی فائدہ نہ ہوا، جیسے مورتی بچاریوں کو مورتیوں کی مرمت کر کے سمجھایا کہ یہ بے بس مورتیں خدا نہیں ہوسکتیں، مگر وہ سمجھنے کے بجائے ابراہیم علیہ السلام کو نذر آتش کرنے کے لئے آمادہ ہوگئے، اسی طرح ستارہ پرستوں نے بھی معاملہ کیا، ستاروں کے معبود ہونے پر بوگس دلائل پیش کرنے لگے، بلکہ دھمکی پر اتر آئے کہ اگر تم ہمارے معبودوں کی توہین کروگے تو کہیں وہ تمہیں مجنون اور خبطی نہ بنادیں یا کسی بڑی مصیبت میں گرفتار نہ کردیں، لہٰذا ان کا خوف کھاؤ!

حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کا جواب دیتے ہیں، فرماتے ہیں: کیا تم مجھ سے اللہ کی یکتائی میں حجت بازی کرتے ہو، جبکہ صرف ان کا معبود ہونا انھوں نے مجھے سمجھا دیا ہے، اور میں تمہارے جھوٹے سہاروں سے نہیں ڈرتا، ہاں اگر اللہ تعالیٰ ہی کو کوئی بات منظور ہے تو دوسری بات ہے! کائنات کا ذرہ ذرہ ان کے احاطۂ علمی میں ہے، اور وہ بندوں کی مصلحتوں سے بھی واقف ہیں، کیا تم یہ بات سوچتے نہیں!

اور میں تمہارے شریکوں سے کیوں ڈروں؟ ان کے شریک ہونے کی کیا دلیل ہے؟ جبکہ تم حقیقی معبود سے نہیں ڈرتے، یہ تو الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے والی بات ہوئی!

اب موحدین اور مشرکین کی دو جماعتیں بن گئیں، آخرت میں کس کے نصیب میں چین سکون آئے گا: یہ بتاؤ؟ اور اگر تم گونگے بنتے ہو تو میں بتاتا ہوں: جو لوگ ایک اللہ پر ایمان لائے، اور انھوں نے اپنے ایمان پر شرک کا دھبہ نہیں لگنے دیا، انہی کے لئے آخرت میں چین سکون ہے، اور وہی دنیا میں راہ یاب ہیں!

ظلم سے ظلم عظیم (شرک) مراد ہے

آخری آیت میں ظلم سے ظلم عظیم (شرک) مراد ہے، یہ بات متفق علیہ حدیث میں آئی ہے:

حدیث: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں پر یہ آیت شاق

گذری، انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم میں سے کون ایسا ہے جس نے اپنے نفس پر ظلم نہیں کیا؟ یعنی ہر شخص سے کچھ نہ کچھ ناانصافی ہو ہی جاتی ہے، اور آیت میں عذاب سے مامون ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ اس نے ایمان کے ساتھ ذرا بھی ظلم نہ کیا ہو، پھر عذاب سے کون بچ سکے گا! نبی ﷺ نے فرمایا: ''یہ مراد نہیں'' یعنی عملی ظلم اور ناانصافی مراد نہیں، بلکہ ''وہ شرک ہی ہے'' یعنی عقیدے کی ناانصافی مراد ہے، اور لفظ ظلم قرآن کریم میں اس معنی میں بھی آیا ہے، کیا نہیں سنی تم نے وہ بات جو لقمان نے اپنے بیٹے سے کہی ہے: اے میرے بیٹے! اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرا، بیشک شرک بھاری ظلم (گناہ) ہے!'' (سورۃ لقمان آیت ۱۳)

تشریح: ظلم کے اصل معنی ہیں: وضعُ الشیئِ فی غیرِ مَحلّہٖ: کسی چیز کو نامناسب جگہ میں رکھ دینا، مشکیزے کا دودھ بے وقت استعمال کرلیا جائے تو کہتے ہیں: ظلمتُ السقاءَ، اور استعمال کردہ دودھ ظلیم کہلاتا ہے، اسی طرح زمین بے موقع کھودی جائے تو کہتے ہیں: ظلمتُ الأرضَ، اور وہ جگہ أرض مظلومۃ کہلاتی ہے..... پھر ظلم کا استعمال حق سے تجاوز کرنے کے لئے ہونے لگا، خواہ تجاوز قلیل ہو یا کثیر، اور خواہ تجاوز اعتقادی ہو یا عملی، چنانچہ گناہ صغیرہ اور کبیرہ اور شرک ونفاق اور بدعملی پر اس کا اطلاق ہونے لگا، قرآن کریم میں یہ سب اطلاقات آئے ہیں، مذکورہ آیت میں صحابہ نے ظلم سے عملی گناہ مراد لے لیا، اس لئے اشکال ہوا، نبی ﷺ نے وضاحت فرمائی کہ اس آیت میں ظلم سے ظلم اعتقادی مراد ہے، اور اس کی نظیر پیش فرمائی، چنانچہ صحابہ کا اشکال رفع ہوگیا۔

فائدہ: اس آیت میں تو ظلم سے نبی ﷺ کی تصریح کے مطابق ''شرک'' مراد ہے، عام گناہ مراد نہیں، البتہ بظلم: نکرہ تحت النفی ہے، اس لئے شرک عام ہے، کھلے طور پر مشرک اور بت پرست ہو جائے: یہ تو مراد ہے ہی، اور جو غیر اللہ کو نہیں پوجتا، اور کلمۂ اسلام پڑھتا ہے، مگر کسی فرشتہ یا رسول یا ولی کو اللہ تعالیٰ کی بعض صفاتِ خاصہ میں شریک ٹھہراتا ہے، اور ان کے مزارات کو حاجت روا سمجھتا ہے: یہ شرک بھی آیت میں مراد ہے، اللہ تعالیٰ ہماری اس شرک سے بھی حفاظت فرمائیں (آمین)

﴿وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ۭ قَالَ اَتُحَاۗجُّوْۗنِّىْ فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ۭ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ رَبِّيْ شَـيْـــًٔـا ۭ وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۭ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝ وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ۭ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: اور ابراہیم کے ساتھ ان کی قوم نے حجت بازی کی، انھوں نے کہا: کیا تم میرے ساتھ اللہ (کی یکتائی) میں حجت بازی کرتے ہو، درانحالیکہ اس نے مجھے راہ دکھادی ہے، اور میں ان ستاروں سے نہیں ڈرتا جن کو تم اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو ـــــ وہ مجھے کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے ـــــ البتہ اگر میرے پروردگار ہی کوئی بات چاہیں (تو دوسری بات ہے) میرے پروردگار ہر چیز کو اپنے احاطۂ علمی میں لئے ہوئے ہیں! پس کیا تم سوچتے نہیں؟ ـــــ اور میں کیوں ڈروں ان ستاروں سے جن کو تم نے شریک کیا ہے، اور تم نہیں ڈرتے اس بات سے کہ تم شریک ٹھہراتے ہو اللہ کے ساتھ ان ستاروں کو جن کے شریک ہونے کی کوئی دلیل اس نے تم پر نہیں اتاری؟

اب دو جماعتوں میں سے کونسی جماعت چین سکون کی زیادہ حقدار ہے: اگر تم جانتے ہو (تو بتاؤ!) ـــــ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اپنے ایمان کو ظلم (شرک) کے ساتھ نہیں ملایا: انہیں کے لئے چین سکون ہے، اور وہی راہ یاب ہیں!

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۸۳﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ۭ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَمِنْ اٰبَاۗىِٕهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۸۷﴾ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَاۗءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ۭ قُلْ لَّآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰي لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۰﴾ ع

وَتِلْكَ	اور وہ	اٰتَيْنٰهَا	دی ہم نے وہ	عَلٰى قَوْمِهٖ	اس کی قوم کے مقابلہ میں
حُجَّتُنَا	ہماری دلیل ہے	اِبْرٰهِيْمَ	ابراہیم کو	نَرْفَعُ	بلند کرتے ہیں ہم

دَرَجٰتٍ	درجے	وَمُوْسٰی	اور موسیٰ	وَ ذُرِّیّٰتِهِمْ	اور ان کی اولاد میں سے
مَّنْ نَّشَآءُ	جس کے چاہتے ہیں	وَهٰرُوْنَ	اور ہارون کو		بعض کو
اِنَّ رَبَّكَ	بیشک آپ کے رب	وَكَذٰلِكَ	اور اس طرح	وَاِخْوَانِهِمْ	اور ان کے بھائیوں
حَكِيْمٌ	بڑی حکمت والے	نَجْزِی	بدلہ دیتے ہیں ہم		میں سے بعض کو
عَلِيْمٌ	ہر چیز جاننے والے ہیں	الْمُحْسِنِيْنَ	نیکوکاروں کو	وَاجْتَبَيْنٰهُمْ	اور چن لیا ہم نے ان کو
وَوَهَبْنَا	اور بخشے ہم نے	وَزَكَرِيَّا	اور زکریا	وَهَدَيْنٰهُمْ	اور راہ نمائی کی ہم نے
لَهٗٓ	اس کو	وَيَحْيٰى	اور یحییٰ کو		ان کی
اِسْحٰقَ	اسحاق	وَعِيْسٰى	اور عیسیٰ	اِلٰى صِرَاطٍ	راستہ کی طرف
وَيَعْقُوْبَ	اور یعقوب	وَاِلْيَاسَ	اور الیاس کو	مُّسْتَقِيْمٍ	سیدھے
كُلًّا هَدَيْنَا	ہر ایک کو راہ دکھائی	كُلٌّ	سب	ذٰلِكَ	یہ
	ہم نے	مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ	نیکوں میں سے ہیں	هُدَى اللّٰهِ	اللہ کی راہ نمائی ہے
وَنُوْحًا	اور نوح کو	وَاِسْمٰعِيْلَ	اور اسماعیل	يَهْدِيْ	راہ نمائی کرتے ہیں وہ
هَدَيْنَا	راہ دکھائی ہم نے	وَالْيَسَعَ (۲)	اور الیسع کو	بِهٖ	اس کے ذریعہ
مِنْ قَبْلُ	(ابراہیم سے) پہلے	وَيُوْنُسَ	اور یونس	مَنْ يَّشَآءُ	جس کو چاہتے ہیں
وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ (۱)	اور نوح کی اولاد میں سے	وَلُوْطًا	اور لوط کو	مِنْ عِبَادِهٖ	اپنے بندوں میں سے
	(راہ دکھائی)	وَكُلًّا	اور سب کو	وَلَوْ اَشْرَكُوْا	اور اگر شرک کریں وہ
دَاوٗدَ	داود	فَضَّلْنَا	برتری بخشی ہم نے	لَحَبِطَ	البتہ اکارت جائے
وَسُلَيْمٰنَ	اور سلیمان کو	عَلَى الْعٰلَمِيْنَ	جہانوں پر	عَنْهُمْ	ان سے
وَاَيُّوْبَ	اور ایوب	وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ (۳)	اور ان کے آباء میں سے	مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ	جو کچھ وہ کیا کرتے تھے
وَيُوْسُفَ	اور یوسف کو		بعض کو		

(۱) ذریته: ضمیر کا مرجع نوح ہیں، وہ اقرب مرجع ہے، اور اس لئے کہ لوط علیہ السلام: ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں نہیں، وہ بھتیجے ہیں، مگر مفسرین نے عام طور پر مرجع ابراہیم علیہ السلام کو قرار دیا ہے، اور لوط علیہ السلام میں تاویل کی ہے کہ عرف میں چچا بمنزلہٗ باپ ہوتا ہے۔ (۲) الیسع پر الف لام زائد برائے تعریف ہے۔ (۳) من آباء هم کا عطف من ذریته پر ہے، باعادۂ حرف جر، پس یہ بھی هدینا کے تحت ہے، یا کلا پر عطف ہے۔

اُولٰٓئِكَ	یہ لوگ	فَقَدْ وَّكَّلْنَا	تو تحقیق ذمہ دار بنایا	فَبِهُدٰىهُمُ	پس ان کی ہدایت کی
الَّذِيْنَ	جو		ہے ہم نے	اقْتَدِهْ	پیروی کریں آپ
اٰتَيْنٰهُمُ	دی ہم نے ان کو	بِهَا	ان کا	قُلْ	کہو
الْكِتٰبَ	آسمانی کتابیں	قَوْمًا	ایسے لوگوں کو	لَّآ اَسْئَلُكُمْ	نہیں مانگتا میں تم سے
وَالْحُكْمَ	اور دانشمندی (حدیثیں)	لَّيْسُوْا بِهَا	نہیں ہیں وہ ان کا	عَلَيْهِ	اس پر
وَالنُّبُوَّةَ	اور نبوت	بِكٰفِرِيْنَ	انکار کرنے والے	اَجْرًا	مزدوری
فَاِنْ يَّكْفُرْ	پس اگر انکار کریں	اُولٰٓئِكَ	یہ لوگ	اِنْ هُوَ	نہیں ہے وہ
بِهَا	ان کا	الَّذِيْنَ	وہ ہیں جن کو	اِلَّا ذِكْرٰى	مگر نصیحت
هٰٓؤُلَآءِ	یہ لوگ (مشرکین مکہ)	هَدَى اللّٰهُ	راہ دکھائی اللہ نے	لِلْعٰلَمِيْنَ	جہانوں کے لئے

استدلالِ براہیمی کی تحسین

اوپر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستارہ پرست قوم کے سامنے ایک خاص انداز سے دلیل پیش کی تھی، اور ستاروں کا الوہیت میں شریک نہ ہونا ثابت کیا تھا، اب ایک آیت میں اللہ تعالیٰ اس استدلال کی تحسین فرماتے ہیں کہ وہ ہماری دلیل تھی، ہم نے ان کو قوم کے مقابلہ میں پیش کرنے کے لئے دی تھی، اس میں اشارہ ہے کہ وہ واقعہ نبوت کے بعد کا ہے، پس یہ خیال قطعاً مہمل ہے کہ ابراہیم علیہ السلام ابتدائی زندگی میں کائنات میں غور کر کے توحید تک پہنچے ہیں، انھوں نے کبھی تارے کو خدا مان لیا، کبھی چاند کو، اور آخر میں سورج کو، اسی طرح غور کر کے توحید تک پہنچے ہیں، یہ خیال گمراہ کن ہے!

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا انبیاء میں عالی مرتبہ ہونا بیان کیا ہے، فرمایا: ہم جس کا چاہیں درجہ بلند کرتے ہیں یعنی ابراہیم علیہ السلام کا درجہ بلند کیا، پھر آخر آیت میں اس کی وجہ بیان کی کہ اللہ تعالیٰ حکیم وعلیم ہیں، کون رسول شانِ عالی کا مستحق ہے اس کو جانتے ہیں، اور ہر حقدار کو اس کا حق عنایت فرماتے ہیں۔

﴿ وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴾

ترجمہ: اور وہ ہماری دلیل ہے ـــــ وہ: اسم اشارہ بعید ہے اور مشار الیہ ستاروں والا استدلال ہے ـــــ جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلہ میں دی تھی، ہم جس کے چاہیں درجے بلند کرتے ہیں، بے شک آپ کے رب بڑی حکمت والے، بڑے علم والے ہیں!

توحید تمام انبیا ؤرسل کا متفقہ عقیدہ ہے

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مورتیوں کا معبود نہ ہونا، اور ستاروں کا قابلِ پرستش نہ ہونا جو سمجھایا ہے: وہی عقیدۂ توحید ہے، تمام انبیا ؤرسل اس عقیدہ پر متفق ہیں، انھوں نے لوگوں کو اسی عقیدہ کی تعلیم دی ہے، آیاتِ پاک میں اٹھارہ انبیا ؤرسل کا تفصیلی تذکرہ ہے، باقی کا اجمالی، ان حضرات نے لوگوں کو توحید کی تعلیم اللہ کی ہدایت سے دی ہے، اس لئے کہ یہ بنیادی عقیدہ ہے، اس کے بغیر نجات ممکن نہیں، اعمال کا بھی اعتبار اس عقیدہ کے ساتھ ہے، اس لئے آخر میں فرمایا کہ اگر بالفرض انبیا ؤرسل بھی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کریں تو ان کے اعمال بھی برباد ہوجائیں!

الیاس ویسع علیہما السلام: حضرت الیاس علیہ السلام اسرائیلی نبی ہیں، بنی اسرائیل میں ایلیا کے نام سے مشہور ہیں، اور حضرت یسع علیہ السلام بھی اسرائیلی پیغمبر ہیں، قرآن میں دوجگہ (یہاں اور سورۂ ص میں) ان کا صرف نام آیا ہے۔

ہر پیغمبر اپنے زمانہ کے لوگوں سے افضل ہوتا ہے

ہر پیغمبر اپنے زمانہ کے لوگوں سے افضل ہوتا ہے، اسی طرح انبیاء میں بھی تفاضل ہے، سورۃ البقرۃ (آیت ۲۵۳) میں ہے: ﴿ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ﴾: وہ رسول: ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر برتری بخشی، مگر یہ فضیلت جزوی ہے، کلّی فضیلت خاتم النبیین ﷺ کو حاصل ہے، مگر آپ کا کسی نبی کے ساتھ اس طرح موازنہ کرنا کہ اس نبی کی تنقیص لازم آئے: جائز نہیں، حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے۔

﴿ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰي وَهٰرُوْنَ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ؀ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰي وَاِلْيَاسَ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ؀ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ۭ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ؀ وَمِنْ اٰبَاۗىِٕهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ؀ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ؀ ﴾

ترجمہ: اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق (بیٹا) اور یعقوب (پوتا) بخشا، ہر ایک کی ہم نے راہ نمائی کی، اور ابراہیم سے پہلے ہم نے نوح کی راہ نمائی کی، اور اس کی اولاد میں سے داؤد وسلیمان کی، اور ایوب ویوسف کی، اور موسیٰ وہارون کی (راہ نمائی کی) اور ہم اسی طرح نیکوکاروں کو بدلہ دیتے ہیں، اور زکریا ویحییٰ کی، اور عیسیٰ والیاس کی (راہ نمائی کی) یہ سب شائستہ لوگوں میں سے تھے، اور اسماعیل ویسع کی، اور یونس ولوط کی (راہ نمائی کی) اور سب کو جہانوں پر فضیلت دی، اور ان کے

باپ دادوں میں سے، اور ان کی اولاد میں سے، اور ان کے بھائیوں میں سے بعض کی (راہ نمائی کی) اور ہم نے ان کو برگزیدہ کیا، اور ہم نے ان کی سیدھے راستہ (توحید) کی طرف راہ نمائی کی، یہی (توحید) اللہ کی راہ نمائی ہے، وہ راہ دکھاتے ہیں اس کے ذریعہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں، اور اگر وہ لوگ (بالفرض) شرک کریں تو ان کے وہ کام برباد ہوجائیں جو وہ کیا کرتے تھے!

جو چیزیں گذشتہ نبیوں کو دی گئی تھیں وہ سب آخری نبی کو بھی دی گئی ہیں

اگر قریش ان کو قبول نہیں کریں گے تو دوسری قوم تیار ہے

گذشتہ نبیوں کو اللہ تعالیٰ نے تین چیزیں دی تھیں: آسمانی کتابیں، دانشمندانہ باتیں (حدیثیں) اور نبوت ورسالت، یہی تینوں چیزیں اللہ تعالیٰ نے اپنے اس آخری نبی کو بھی عنایت فرمائی ہیں، اگر مشرکین مکہ ان کو قبول نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری قوم تیار کی ہے، وہ بڑھے گی اور ان چیزوں کو قبول کرے گی، اور مکہ والے پیچھے رہ جائیں گے۔

یہ ایک پیشین گوئی تھی، جو واقعہ رونما ہونے سے چند سال پہلے کی گئی، نزولِ آیت کے چھ سال بعد مدینہ کے حضرات آئے اور ایمان لائے، پھر وہ آپ کو اور مکہ کے مسلمانوں کو دعوت دے کر مدینہ منورہ لے گئے، اور اسلام کی حفاظت وترویج کے لئے اپنی تمام توانائیاں خرچ کرڈالیں!

ملحوظہ: حکم سے مراد حکمت ہے اور مراد انبیاء کی وہ باتیں ہیں جو وہ اللہ کی کتابوں کی تبیین وتشریح میں فرماتے ہیں، انہی کو احادیث شریفہ کہتے ہیں۔

﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَاۗءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴾

ترجمہ: یہی وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے آسمانی کتابیں، حکمت اور نبوت عطا فرمائی —— یہی تینوں چیزیں ہم نے آخری رسول کو بھی عنایت فرمائی ہیں، یہ بات محذوف ہے —— پس اگر یہ لوگ (مشرکین مکہ) ان کا انکار کریں گے تو ہم نے اس کا ذمہ دار ایسے لوگوں کو بنایا ہے جو اس کا انکار کرنے والے نہیں!

نبی ﷺ کو گذشتہ انبیاء کی پیروی کا حکم دیا گیا (توحید دین)

تمام انبیاء کا دین ایک ہے، اصول میں سب متحد ہیں، سب کا دستور اساسی ایک ہے، پس آپ کا راستہ بھی گذشتہ انبیاء کے راستہ سے جدا نہیں، البتہ فروع (شریعتوں) میں اختلاف ہے، اور یہ کوئی خاص بات نہیں، یہ زمانوں کے اختلاف کا

تقاضہ ہے ـــــ اور اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی ﷺ اگر کسی سابق شریعت کے حکم پر عمل کریں تو اس امت کو بھی اس پر عمل کرنا چاہئے، وہ حکم ہمارے لئے بھی ہے، حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا گیا: سورہ صٓ میں سجدہ ہے؟ آپؓ نے فرمایا: ہے! اور دلیل یہ پیش کی کہ نبی ﷺ نے وہاں سجدہ کیا ہے، پھر اس کی وجہ سمجھائی کہ نبی ﷺ نے وہاں سجدہ کیوں کیا ہے، وہاں تو داؤد علیہ السلام کے سجدہ کا ذکر ہے، ہمیں وہاں سجدہ کرنے کا حکم نہیں؟ ابن عباسؓ نے فرمایا: سورۃ الانعام آیت ۹۰ میں نبی ﷺ کو گذشتہ انبیاء کی پیروی کا حکم دیا ہے، چنانچہ آپؐ نے سورہ صٓ میں سجدہ کیا، پس ہمیں بھی ہمارے نبی ﷺ کی پیروی میں وہاں سجدہ کرنا چاہئے۔

﴿ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ ﴾

ترجمہ: یہی وہ حضرات ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے راہ نمائی فرمائی: پس آپؐ ان کے طریقہ کی پیروی کریں۔

انبیاء بے لوث لوگوں کی خدمت کرتے ہیں

آخر میں اعلان کیا ہے کہ انبیاء تبلیغ دین پر کسی معاوضہ کے طالب نہیں ہوتے، ان کی محنت کا صلہ اللہ کے ذمہ ہے، وہ قوم کی بے لوث خدمت کرتے ہیں، پھر تم آگے کیوں نہیں بڑھتے؟

﴿ قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ۖ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْعَالَمِينَ ﴿٩٠﴾ ﴾

ترجمہ: کہو: میں اس پر تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا، وہ (قرآن) تو سارے جہانوں کے لئے نصیحت ہی ہے!

وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِذْ قَالُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَىٰ بَشَرٍ مِنْ شَيْءٍ ۗ قُلْ مَنْ أَنْزَلَ الْكِتَابَ الَّذِي جَاءَ بِهِ مُوسَىٰ نُورًا وَهُدًى لِلنَّاسِ ۖ تَجْعَلُونَهُ قَرَاطِيسَ تُبْدُونَهَا وَتُخْفُونَ كَثِيرًا ۖ وَعُلِّمْتُمْ مَا لَمْ تَعْلَمُوا أَنْتُمْ وَلَا آبَاؤُكُمْ ۖ قُلِ اللَّهُ ۖ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِي خَوْضِهِمْ يَلْعَبُونَ ﴿٩١﴾

کسی انسان پر	عَلَىٰ بَشَرٍ	جب کہا انھوں نے	إِذْ قَالُوا	اور نہیں تعظیم کی انھوں نے	وَمَا قَدَرُوا (۱)
کوئی چیز	مِنْ شَيْءٍ	نہیں اتاری	مَا أَنْزَلَ	اللہ کی	اللَّهَ
پوچھو:	قُلْ	اللہ نے	اللَّهُ	جیسا ان کی تعظیم کا حق ہے	حَقَّ قَدْرِهِ

(۱) قَدَرَ فلانًا: تعظیم کرنا، قدر کرنا، رتبہ دینا

مَنْ اَنْزَلَ	کس نے اتاری ہے	لِلنَّاسِ	لوگوں کے لئے	مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا	جونہیں جانتے تھے
الْكِتٰبَ	وہ آسمانی کتاب	تَجْعَلُوْنَهٗ	بناتے ہوتم اس کو	اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ	تم اور نہ تمہارے باپ دادا
الَّذِیْ	جو	قَرَاطِیْسَ (۱)	ورق ورق	قُلِ	بتادو:
جَآءَ بِهٖ	لائے ہیں اس کو	تُبْدُوْنَهَا	ظاہر کرتے ہوتم ان کو	اللّٰهُ	اللہ نے (اتاری ہے)
مُوْسٰی	موسیٰ؟	وَتُخْفُوْنَ	اور چھپاتے ہو	ثُمَّ ذَرْهُمْ	پھر چھوڑ وان کو
نُوْرًا	درانحالیکہ وہ روشنی ہے	كَثِیْرًا	بہت	فِیْ خَوْضِهِمْ	ان کے مشغلہ میں
وَّهُدًی	اور راہ نمائی ہے	وَعُلِّمْتُمْ	اور سکھلائے گئے ہوتم	یَلْعَبُوْنَ	کھیلتے رہیں

اللہ کی ربوبیت کا تقاضا ہے کہ وہ بندوں کی روحانی ضرورت پوری کریں

جب گذشتہ آیت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی کو بھی گذشتہ نبیوں کی طرح آسمانی کتاب، دانشمندی کی باتیں (حدیثیں) اور نبوت ورسالت سے سرفراز کیا ہے تو مشرکین مکہ وحی کا انکار کر بیٹھے، انھوں نے کہا: اللہ نے کسی انسان پر کوئی چیز نہیں اتاری! قرآنِ کریم فرماتا ہے: یہ بات اللہ کی تعظیم کے خلاف کہی، انھوں نے اللہ کی ناقدری کی، انھوں نے اللہ کی عظمت نہیں پہچانی، جیسا ان کی عظمت کا حق ہے، جب اللہ تعالیٰ رب العالمین ہیں تو ضروری ہے کہ وہ انسانوں کی روحانی ضرورت پوری کریں، اور وہ وحی کے ذریعہ ہی پوری ہوسکتی ہے، پس ان کا وحی کا انکار اللہ کی بڑی ناقدری ہے!

علاوہ ازیں: ان سے پوچھو: موسیٰ علیہ السلام پر تورات کس نے نازل کی ہے؟ مشرکین مکہ یہود ونصاری کی مجاورت کی وجہ سے اس کو آسمانی کتاب مانتے تھے، پس اگر وہ جواب نہ دیں تو تم بتادو کہ اللہ نے اتاری ہے، پس وحی ثابت ہوگئی، کفار نے مطلقاً وحی کا انکار کیا تھا، جب ایک کتاب کا وحی ہونا ثابت ہوا تو ان کا دعوی غلط ہوگیا، اور اب بھی نہ مانیں تو چھوڑ وان کو ان کے مشغلہ (اعتراضات) سے دل بہلاتے رہیں۔

تبسیط: پھر مضمون بڑھایا ہے: تورات شریف ایک روشنی تھی، لوگوں کی ہدایت کے لئے نازل کی گئی تھی، یہود نے اس کو علاحدہ علاحدہ کاغذوں میں لکھ رکھا تھا، جس حصے کو چاہتے لوگوں کو دکھاتے، اور جس کو چاہتے نہ دکھاتے، جن احکام پر ان کو عمل کرنا ہوتا اس کو ظاہر کرتے، اور جس پر عمل نہ کرنا ہوتا یا جس میں نبی ﷺ کی بشارات تھیں ان کو صیغۂ راز میں رکھتے، اور تورات بڑی معلوماتی کتاب تھی، اس کے ذریعہ ان باتوں کی تعلیم دی گئی تھی جن کو ان کے اگلے پچھلے نہیں جانتے تھے (یہاں تک مضمون بڑھایا ہے، اور یہ قرآن کا خاص اسلوب ہے)

(۱) قِرْطاس کی جمع: کاغذ کی شیٹ، لکھنے کا کورا کاغذ، نزولِ قرآن کے وقت تحریریں الگ الگ کاغذ پر لکھی جاتی تھیں۔

آیتِ کریمہ: اور ان لوگوں نے ــــ یعنی مشرکین مکہ نے ــــ اللہ کی تعظیم نہیں کی جیسا ان کی تعظیم کا حق ہے، جب انھوں نے کہا: اللہ نے کسی انسان پر کوئی چیز نہیں اتاری! ــــ یعنی ان کی یہ بات اللہ کی عظمت کے خلاف ہے ــــ پوچھو: کس نے اتاری ہے وہ کتاب جس کو موسیٰ لائے ہیں؟ (تبسیط یعنی ضمنی مضمون) درانحالیکہ وہ لوگوں کے لئے روشنی اور راہ نمائی ہے، جسے تم نے (اے یہود!) ــــ الگ الگ کاغذوں میں لکھ رکھا ہے، تم ان کو (لوگوں کے سامنے) ظاہر کرتے ہو، اور بہت کچھ چھپاتے ہو، اور تم (اس کے ذریعہ) وہ باتیں سکھلائے گئے ہو جو تم اور تمہارے اسلاف نہیں جانتے تھے (تبسیط پوری ہوئی) ــــ بتادو! اللہ (نے وہ کتاب اتاری ہے) پھر ان کو چھوڑو ان کے مشغلہ میں دل بہلاتے رہیں!

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ۭ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰي صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۹۲﴾

وَهٰذَا	اور یہ (قرآن)	بَيْنَ يَدَيْهِ	اس سے پہلے ہیں	يُؤْمِنُوْنَ	یقین رکھتے ہیں
كِتٰبٌ	ایک کتاب ہے	وَلِتُنْذِرَ	اور تاکہ ڈرائیں آپ	بِالْاٰخِرَةِ	آخرت کا
اَنْزَلْنٰهُ	اتارا ہے ہم نے اس کو	اُمَّ الْقُرٰى	مکہ (والوں) کو	يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ	ایمان لاتے ہیں اس پر
مُبٰرَكٌ	برکت والی ہے	وَمَنْ حَوْلَهَا	اور ان کو جو اس کے	وَهُمْ	اور وہ
مُّصَدِّقُ	تصدیق کرنے والی ہے		آس پاس ہیں	عَلٰي صَلَاتِهِمْ	اپنی نماز کی
الَّذِيْ	ان کتابوں کی جو	وَالَّذِيْنَ	اور جو لوگ	يُحَافِظُوْنَ	نگہداشت کرتے ہیں

تورات کی طرح قرآنِ پاک بھی اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے

تورات: اللہ کی کتاب ہے، مشرکین مکہ اس کو اللہ کی طرف سے نازل شدہ مانتے تھے، اسی طرح اب آخر زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے اس کتاب (قرآن) کو نازل فرمایا ہے، پہلی کتابیں صرف اللہ کی کتابیں تھیں، اللہ کا کلام نہیں تھیں، اس لئے ان میں تبدیلی اور تحریف ممکن ہوئی، اور قرآن پاک اللہ کا کلام ہے، اس لئے بابرکت ہے، کیونکہ کلام: اللہ کی صفت ہے، اور صفت اور موصوف کا حکم ایک ہوتا ہے۔ اور قرآن سابقہ کتابوں کی تصدیق کرتا ہے، ان کو اللہ کی سچی کتابیں بتلاتا ہے، اس لئے کہ سب کتابیں ایک ہی سرچشمہ سے نکلی ہوئی نہریں ہیں، البتہ سابقہ کتابیں خاص زمانوں اور خاص اقوام کے لئے تھیں، اور قرآنِ کریم عالمی اور ابدی ہے، مگر نبی ﷺ اس کے ذریعہ مکہ والوں کو اور اس کے آس پاس کی بستیوں کو یعنی

عربوں کو نتائج اعمال سے آگاہ کریں گے کہ تم جو مورتیوں کو پوجتے ہو اس کے عواقب اچھے نہیں، پھر جو پہلی امت تیار ہوگی وہ قرآن کو پوری دنیا تک پہنچائے گی، وہ بھی مبعوث ہے، نبی ﷺ کی بعثت دوہری ہے، اس کی تفصیل سورۃ الجمعہ میں اور حجۃ اللہ البالغہ میں ہے (دیکھیں: رحمۃ اللہ ۲: ۵۰)

﴿ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ﴾

ترجمہ: اور یہ (قرآن) ایک کتاب ہے، ہم نے اس کو نازل کیا ہے، برکت والی، ان کتابوں کی تصدیق کرنے والی جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں، اور تاکہ آپؐ مکہ والوں کو اور اس کے آس پاس کی بستیوں کو ڈرائیں!

جو آخرت سے ڈرتا ہے وہ قرآن پر ایمان لائے گا اور نماز وغیرہ اعمال کی پابندی کرے گا

مشرکین مکہ قرآنِ کریم کو کیوں نہیں مانتے تھے؟ اس لئے کہ وہ آخرت کو نہیں مانتے تھے، دنیا کی زندگی ہی کو سب کچھ سمجھتے تھے، آگے کوئی زندگی نہیں مانتے تھے، اگر موت کے بعد زندگی مانتے تو اس میں نجات کی راہ تلاش کرتے، اور وہ پیغام الٰہی کو قبول کرتے، اور نماز وغیرہ عبادات کی پابندی کرتے، اور گناہوں سے بچتے، آج جو مسلمان نماز نہیں پڑھتے، زکات نہیں نکالتے اور دھڑلّے سے گناہ کرتے ہیں: ان کا آخرت پر ایمان برائے نام ہے، اگر وہ سچے دل سے آخرت کو مانتے تو ان کی زندگیوں کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔

﴿ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴾

ترجمہ: اور جو لوگ آخرت کو مانتے ہیں وہی اس (قرآن) پر ایمان لاتے ہیں، اور وہی اپنی نماز کی نگہداشت کرتے ہیں — نماز کی تخصیص اہم عبادت ہونے کی وجہ سے کی ہے، مراد پوری شریعت ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ تَرٰى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۞ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ؕ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۞ ع

وَمَنْ	اور کون	فِیْ غَمَرٰتِ [1]	سختیوں میں ہونگے	فُرَادٰی	اکیلے اکیلے
اَظْلَمُ	بڑا حق تلفی کرنے والا ہے	الْمَوْتِ	موت کی	كَمَا خَلَقْنٰكُمْ	جیسا پیدا کیا تھا ہم نے تم کو
مِمَّنِ	اس سے جو	وَالْمَلٰٓئِكَةُ	اور فرشتے	اَوَّلَ مَرَّةٍ	پہلی بار
افْتَرٰى	گھڑتا ہے	بَاسِطُوْٓا	پھیلانے والے ہونگے	وَّتَرَكْتُمْ	اور چھوڑ دیا تم نے
عَلَى اللّٰهِ	اللہ پر	اَيْدِيْهِمْ	اپنے ہاتھ	مَّا خَوَّلْنٰكُمْ [2]	جو عطا کیا ہم نے تم کو
كَذِبًا	جھوٹ	اَخْرِجُوْٓا	نکالو	وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ	اپنی پیٹھوں کے پیچھے
اَوْ قَالَ	یا کہا اس نے	اَنْفُسَكُمْ	اپنی جانیں	وَمَا نَرٰى	اور نہیں دیکھتے ہم
اُوْحِيَ	وحی کی گئی	اَلْيَوْمَ	آج	مَعَكُمْ	تمہارے ساتھ
اِلَيَّ	میری طرف	تُجْزَوْنَ	بدلہ میں دیئے جاؤ گے تم	شُفَعَآءَكُمُ	تمہارے سفارشی
وَلَمْ يُوْحَ	حالانکہ نہیں وحی کی گئی	عَذَابَ	عذاب	الَّذِيْنَ	جو کہ
اِلَيْهِ	اس کی طرف	الْهُوْنِ	ذلت کا	زَعَمْتُمْ	گمان کیا تھا تم نے
شَيْءٌ	کچھ بھی	بِمَا كُنْتُمْ	ان باتوں کی وجہ سے جو تم	اَنَّهُمْ فِيْكُمْ	کہ وہ تمہارے معاملہ میں
وَّمَنْ	اور جس نے	تَقُوْلُوْنَ	کہا کرتے تھے	شُرَكٰٓؤُا	بھاگی دار ہیں
قَالَ	کہا	عَلَى اللّٰهِ	اللہ پر	لَقَدْ	بخدا! واقعہ یہ ہے کہ
سَاُنْزِلُ	ابھی میں اتارتا ہوں	غَيْرَ الْحَقِّ	ناحق طور پر	تَّقَطَّعَ [3]	ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے
مِثْلَ مَآ	مانند اس کے جو	وَكُنْتُمْ	اور تھے تم		(تعلقات)
اَنْزَلَ	اتارا ہے	عَنْ اٰيٰتِهٖ	اللہ کی آیتوں سے	بَيْنَكُمْ	تمہارے درمیان
اللّٰهُ	اللہ نے	تَسْتَكْبِرُوْنَ	گھمنڈ کرتے	وَضَلَّ عَنْكُمْ	اور گم ہوگئے تم سے
وَلَوْ تَرٰٓى	اور اگر دیکھتے آپ	وَلَقَدْ	اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ	مَّا كُنْتُمْ	جو تھے تم
اِذِ الظّٰلِمُوْنَ	جب یہ ظالم	جِئْتُمُوْنَا	آگئے تم ہمارے پاس	تَزْعُمُوْنَ	گمان کرتے

(۱) غمرات: غَمْرَۃٌ کی جمع: اصل معنی: وہ کثیر پانی جس کی تہ نظر نہ آئے، مجازی معنی: سختی جو سارے اعضاء پر چھا جائے۔
(۲) تَخْوِیْل: کوئی چیز عطا کرنا، بخشنا (۳) تقطُّع: ٹکڑے ٹکڑے ہونا۔

جو گھمنڈی لوگ قرآن پر ایمان نہیں لاتے وہ سب سے بڑے ظالم ہیں!

ایک گھمنڈی: اللہ کے نام جھوٹ لگاتا ہے، کہتا ہے: اللہ نے کسی بندے پر کوئی وحی نازل نہیں، یہ اللہ پر بہتان ہے۔

دوسرا گھمنڈی: کہتا ہے: میرے پاس وحی آتی ہے، حالانکہ اس کے پاس خاک بھی وحی نہیں آتی، مسیلمہ کذاب، اسود عنسی، سجاح بیگم اور قادیانی کا یہ دعوی تھا، کادیانی نے اپنی شیطانی وحیوں کا مجموعہ تذکرہ کے نام سے مرتب کیا ہے، دوسرے لوگ تک بندی کرتے تھے۔

تیسرا گھمنڈی: (نضر بن الحارث) کہا کرتا تھا: ہم چاہیں تو قرآن جیسا کلام بنالائیں، اس میں قصے کہانیوں کے سوا رکھا کیا ہے؟ —— مگر وہ ایک سورت بھی بنا کر نہ لاسکا!

ایسے گھمنڈیوں کو ایمان نصیب نہیں ہوتا، وہ قرآنِ کریم پر ایمان نہیں لاتے، یہ لوگ بڑے ظالم ہیں، انھوں نے اللہ کے کلام کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔

﴿ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ط ﴾

ترجمہ: اور اس شخص سے بڑا ظالم کون جس نے اللہ کے نام جھوٹ گھڑا، اس نے کہا: میرے پاس وحی آتی ہے، حالانکہ اس کی طرف کچھ بھی وحی نہیں کی گئی، اور جس نے کہا: میں ابھی اس جیسا کلام اتارتا ہوں جیسا اللہ نے اتارا ہے!

—— یہ تینوں شخص قرآنِ کریم کے ساتھ بڑی ناانصافی کررہے ہیں، ایسے لوگوں سے قرآن پر ایمان لانے کی امید نہیں۔

ظالموں کو مرتے ہی قبر میں عذاب شروع ہوگا

رسالت کے موضوع کے بعد اب تھوڑا سا آخرت کا مضمون ہے، آخرت کی پہلی منزل قبر ہے، کافروں اور بدکاروں کو مرتے ہی عالم برزخ میں عذاب شروع ہوگا، جب سکرات شروع ہوجاتی ہے، اور انسان موت وحیات کی کش مکش میں ہوتا ہے تو موت کے فرشتے کافروں اور ظالموں کے پاس روح قبض کرنے کے لئے پہنچ جاتے ہیں، اور وہ ہاتھ بڑھاتے ہیں اور سورۃ محمد (آیت ۲۷) میں ہے: فرشتے ان کے چہروں اور پشتوں پر مارتے ہیں، اور غصہ میں کہتے ہیں: نکالو اپنی جانیں، ہمارے حوالے کرو، آج تمہیں رسوا کن عذاب سے دوچار ہونا ہے، تم زندگی بھر خلافِ واقعہ باتیں کرتے رہے، اور گھمنڈ سے آیات اللہ کو جھٹلاتے رہے، قرآنِ کریم کو اللہ کا کلام نہیں مانتے تھے، اس کی سزا کا وقت آگیا ہے۔

﴿ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ط اَلْيَوْمَ

تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۹۳﴾

ترجمہ: اور اگر آپ دیکھیں: جس وقت ظالم موت کی سختیوں میں ہونگے، اور فرشتے ان کی طرف اپنے ہاتھوں کو بڑھا رہے ہونگے (اور اظہار غیظ کے طور پر کہہ رہے ہونگے:) اپنی جانیں نکالو! آج تمہیں ان ناحق باتوں کے بدلہ میں ذلت کا عذاب ملے گا، جو تم اللہ کی شان میں کہا کرتے تھے، اور تم اللہ کی آیتوں کو ماننے سے گھمنڈ کیا کرتے تھے! —— یہی عذابِ قبر ہے، جو آخرت کی پہلی منزل ہے۔

قبر کے بعد کی منزل میدانِ حشر ہے، جہاں جھوٹے سہارے ساتھ چھوڑ دیں گے

جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو تن تنہا پیدا ہوتا ہے، نہ بدن پر کپڑا ہوتا ہے نہ ختنہ شدہ نہ کوئی ساتھ ہوتا ہے، اور جڑواں بچے پیدا ہوتے ہیں تو درمیان میں وقفہ ہوتا ہے، ساتھ نہیں آتے —— اسی طرح قیامت کے دن لوگ قبروں سے اٹھیں گے، نہ سر پے ٹوپی ہوگی نہ پیر میں جوتی، غیر مختون ہونگے، اور کوئی ساتھ نہیں ہوگا تن تنہا خالی ہاتھ میدان محشر میں پہنچیں گے، اور وہ جھوٹے معبود بھی جن کو مشرکین نے اپنے معاملات میں اللہ کا ساجھی بنا رکھا تھا وہ بھی سفارش کے لئے ساتھ نہیں ہونگے، عابد و معبود کے درمیان روابط ختم ہو چکے ہونگے اور ان کے وہ معبود رفو چکر ہو چکے ہونگے، اب معبود برحق اللہ تعالیٰ ہی ہیں، اس طرح آگے توحید کا مضمون شروع ہوگا۔

﴿ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ۚ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۹۴﴾ ﴾

ترجمہ: اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ تم ہمارے پاس تنِ تنہا آگئے، جیسا ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا، اور تم اپنی پیٹھوں کے پیچھے وہ ساز و سامان چھوڑ آئے جو ہم نے تم کو عطا کیا تھا —— جس پر آج تم دنیا میں ناز کرتے ہو —— اور ہم تمہارے ساتھ تمہارے وہ سفارشی بھی نہیں دیکھتے جن کے بارے میں تمہارا گمان تھا کہ وہ تمہارے معاملات میں اللہ کے ساجھی ہیں، بخدا! واقعہ یہ ہے کہ تمہارے باہمی روابط پارہ پارہ ہو چکے ہیں، اور تمہارا ساتھ چھوڑ چکے ہیں وہ جن کو تم معبود سمجھا کرتے تھے!

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ۚ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۚ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۹۵﴾ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۚ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۹۶﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ

الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ۝

اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	وَالشَّمْسَ	اور سورج	فَصَّلْنَا	کھول کر بیان کیا ہے ہم نے
فَالِقُ (۱)	پھاڑنے والے ہیں	وَالْقَمَرَ	اور چاند کو	الْاٰيٰتِ	باتوں کو
الْحَبِّ وَالنَّوٰى	دانہ اور گٹھلی	حُسْبَانًا (۴)	حساب سے چلنے والا	لِقَوْمٍ	لوگوں کے لئے
يُخْرِجُ	نکالتے ہیں وہ	ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ	یہ اندازہ ٹھہرانا ہے	يَّعْلَمُوْنَ	جو جانتے ہیں
الْحَيَّ	زندہ کو	الْعَزِيْزِ	زبردست	وَهُوَ	اور وہ
مِنَ الْمَيِّتِ	مردے سے	الْعَلِيْمِ	سب کچھ جاننے والے کا	الَّذِيْٓ	جنھوں نے
وَمُخْرِجُ	اور نکالنے والے ہیں وہ	وَهُوَ	اور وہ	اَنْشَاَكُمْ	پیدا کیا تم کو
الْمَيِّتِ	مردے کو	الَّذِيْ	جس نے	مِّنْ نَّفْسٍ	نفس (ناطقہ) سے
مِنَ الْحَيِّ	زندہ سے	جَعَلَ لَكُمُ	بنایا تمہارے لئے	وَّاحِدَةٍ	ایک
ذٰلِكُمُ اللّٰهُ	یہی اللہ ہیں	النُّجُوْمَ	ستاروں کو	فَمُسْتَقَرٌّ	پھر ٹھہرنے کی جگہ ہے
فَاَنّٰى	پس کدھر	لِتَهْتَدُوْا	تاکہ راہ پاؤ تم	وَّمُسْتَوْدَعٌ	اور امانت رکھنے کی جگہ
تُؤْفَكُوْنَ (۲)	پھیرے جارہے ہو تم؟	بِهَا	ان کے ذریعہ	قَدْ فَصَّلْنَا	تحقیق کھول کر بیان کیا
فَالِقُ	(وہ) نکالنے والے ہیں	فِيْ ظُلُمٰتِ	تاریکیوں میں		ہے ہم نے
الْاِصْبَاحِ (۳)	صبح کی روشنی کو	الْبَرِّ	خشکی کی	الْاٰيٰتِ	باتوں کو
وَجَعَلَ	اور بنایا ہے انھوں نے	وَالْبَحْرِ	اور سمندر کی	لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ	سمجھنے والوں کے لئے
الَّيْلَ سَكَنًا	رات کو سکون وراحت	قَدْ	تحقیق	۞	۞

اللہ کی یکتائی پر دلالت کرنے والے آٹھ کارنامے

اب توحید کے مضمون کی طرف عود (لوٹنا) ہے، اللہ تعالیٰ اکیلے ہی کائنات کے خالق، مالک اور کارساز ہیں، کوئی ان

(۱) فَلَق: پھاڑا، بیج اور گٹھلی کو پھاڑ کر سبزہ نکالا (۲) افک کا استعمال ہر اس چیز کے لئے ہوتا ہے جو اپنے اصلی رخ سے پھیر دی گئی ہو (۳) إصباح: صبح کی روشنی، اصل میں مصدر ہے (۴) حسبان: بھی اصل میں مصدر ہے: حساب سے چلنے والا مراد ہے۔

کا شریک نہیں، اس لئے وہی اکیلے معبود ہیں، دوسرا کوئی معبود و مسجود نہیں، اور ان کی یکتائی کی بے شمار دلیلیں ہیں، یہاں اللہ کے آٹھ کارناموں کا تذکرہ ہے، جو ان کی وحدانیت کی دلیلیں ہیں:

۱- دانہ زمین میں ڈالا جاتا ہے، یا گٹھلی دبائی جاتی ہے، اس کو جب نمی پہنچتی ہے تو وہ پھٹتی ہے، اور اس میں سے سبزہ اگتا ہے، یہ کس کا کارنامہ ہے؟ اللہ تعالیٰ کا! اگر اللہ تعالیٰ یہ کام نہ کریں تو انسانوں کو غلہ اور پھل کیسے حاصل ہوں؟

۲- اللہ تعالیٰ نطفہ سے انسان اور انڈے سے چوزہ پیدا کرتے ہیں، اسی طرح مرنے کے بعد مخلوقات کو زندہ کریں گے۔

۳- اللہ تعالیٰ انسان کے جسم سے نطفہ اور مرغی سے انڈا نکالتے ہیں، جن میں حیات کی صلاحیت ہوتی ہے۔

۴- اللہ تعالیٰ رات کی چادر پھاڑ کر صبح کی روشنی نمودار کرتے ہیں، وہ یہ کام نہ کریں تو کون صبح لاسکتا ہے؟

۵- اللہ تعالیٰ نے رات کو راحت بنایا ہے، رات میں ساری خلقت سو جاتی ہے، اور ایک ساتھ سب کے سو جانے سے انسان کو سکون محسوس ہوتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ رات نہ لائیں تو آدمی کام کرتے کرتے تھک کر چور ہو جائے۔

۶- سورج اور چاند حساب سے چل رہے ہیں، ان کی رفتار میں سکنڈ کا فرق نہیں پڑتا، اسی سے رات دن بدلتے ہیں، اگر ان کی چال میں ذرا بھی فرق پڑ جائے تو سارا نظام درہم برہم ہو جائے، سوچو! یہ اللہ کا کتنا بڑا احسان ہے؟

۷- اللہ تعالیٰ نے آسمان میں تارے بنائے ہیں، لوگ ان سے خشکی اور سمندر کے اسفار طے کرتے ہیں، ہوائی جہاز اور دخانی کشتیاں قطب نما کے سہارے چلتی ہیں، اور رات کی تاریکی میں بھی لوگ پیدل سفر کرتے ہیں، وہ ستاروں ہی سے راہ نمائی حاصل کرتے ہیں۔

۸- اللہ تعالیٰ نے ایک نوع کی دو صنفیں بنائیں، پھر نر و مادہ سے نسل چلائی، پھر کوئی اپنی مستقل قیام گاہ میں رہتا ہے اور کوئی عارضی قیام گاہ میں، سب کو اللہ تعالیٰ جانتے ہیں، اور سب کو ان کی جگہ میں روزی پہنچاتے ہیں۔

آیاتِ کریمہ: (۱) بے شک اللہ تعالیٰ دانہ اور گٹھلی کو پھاڑنے والے ہیں (۲) وہ زندہ کو مردے سے نکالتے ہیں (۳) اور مردہ کو زندہ سے نکالنے والے ہیں ـــــ یہی اللہ (معبود) ہیں، پھر تم کدھر پھیرے جاتے ہو ـــــ یعنی تمہارے گرو تم کو کدھر لے جا رہے ہیں؟ (۴) (وہی) صبح کی روشنی نمودار کرنے والے ہیں (۵) اور انھوں نے رات کو راحت و سکون بنایا ہے (۶) اور سورج اور چاند کی رفتار مقرر کی ہے، وہ (رفتار) زبردست، سب کچھ جاننے والے کا اندازہ ٹھہرانا ہے (۷) انہی نے ستاروں کو تمہارے فائدے کے لئے بنایا، تاکہ تم ان کے ذریعہ خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں راہ پاؤ! ـــــ ہم کھول کر باتیں بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو جاننا چاہتے ہیں!

(۸) اور اسی نے تم کو ایک نفس (ناطقہ) سے پیدا کیا ـــــ اس کی تفصیل سورۃ النساء کی پہلی آیت کی تفسیر میں ہے

—— پھر ایک مستقل ٹھہرنے کی جگہ ہے، اور ایک عارضی امانت رکھنے کی جگہ ہے —— بالتحقیق ہم نے باتیں کھول کر بیان کی ہیں ان لوگوں کے لئے جو سوچتے سمجھتے ہیں!

وَهُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۹۹﴾

وَهُوَ الَّذِيٓ	اور وہ جنھوں نے	نُّخْرِجُ	نکالتے ہیں ہم	وَالرُّمَّانَ	اور انار
اَنْزَلَ	اتارا	مِنْهُ	اس (نبات) سے	مُشْتَبِهًا	ملتے جلتے (ہم شکل)
مِنَ السَّمَآءِ (۱)	بادل سے	حَبًّا	غلہ	وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ	اور جدا جدا (مزہ مختلف)
مَآءً	پانی	مُّتَرَاكِبًا	تہ بہ تہ	اُنْظُرُوْٓا	دیکھو
فَاَخْرَجْنَا	پس نکالا ہم نے	وَمِنَ النَّخْلِ	اور کھجور کے درخت سے	اِلٰى ثَمَرِهٖٓ	ہر ایک کے پھل کو
بِهٖ	اس (پانی) کے ذریعہ	مِنْ طَلْعِهَا (۲)	درختوں کے شگوفوں سے	اِذَآ اَثْمَرَ	جب وہ پھلے
نَبَاتَ	سبزہ	قِنْوَانٌ (۳)	گچھے	وَيَنْعِهٖ (۵)	اور اس کے پکنے کو
كُلِّ شَيْءٍ	ہر طرح کا	دَانِيَةٌ	قریب ہونے والے	اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ	بے شک ان میں
فَاَخْرَجْنَا	پس نکالی ہم نے	وَّجَنّٰتٍ (۴)	اور باغات	لَاٰيٰتٍ	البتہ نشانیاں ہیں
مِنْهُ	اس (نبات) سے	مِّنْ اَعْنَابٍ	انگور کے	لِّقَوْمٍ	ان لوگوں کے لئے
خَضِرًا	سبزی	وَّالزَّيْتُوْنَ	اور زیتون	يُّؤْمِنُوْنَ	جو ایمان لاتے ہیں

اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی معیشت کا انتظام کیا

یہ آیت عجیب جامعیت کی شان رکھتی ہے، اللہ تعالیٰ رب العالمین ہیں، کائنات انھوں نے پیدا کی ہے، پھر اپنی

(۱) کل ما علاك فهو سماء: جو بھی چیز اوپر ہے سماء کہلاتی ہے، پس بادل بھی سماء ہیں (۲) من طلعها: من النخل سے بدل ہے، اور طلع: طلعة کی جمع ہے: کھجور کا شگوفہ، اور النخل: النخلة کی جمع: کھجور کا درخت (۳) قنوان: قِنو کی جمع: کھجوروں سے بھرا ہوا خوشہ (۴) جنات کا حبا پر عطف ہے، اسی طرح والزیتون والرمان کا (۵) يَنْعٌ: مصدر باب فتح: پھل کا پکنا، اليانع: پختہ پھل۔

ربوبیت کے تقاضے سے حیوانات کی معیشت کا انتظام کیا ہے، ایک آیت میں اس کا خلاصہ ہے، پہلے ہم آیت پڑھ لیں، پھر تفصیل میں جائیں گے:

اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی برساتے ہیں، اس کی وجہ سے زمین سے ہر طرح کا سبزہ اگتا ہے، انسانوں کے کام کا بھی اور جانوروں کے کھانے کا بھی، پھر اس سبزہ میں سے کچھ حصہ انسان کی سبزی بنتا ہے، جو لاون کا کام دیتا ہے، اور کچھ حصہ سے غلہ پیدا ہوتا ہے، جو انسان کی غذا بنتا ہے، ایک بالی اور بھٹے میں تہ بہ تہ بہت سے دانے ہوتے ہیں، اور اسی سبزے سے کھجور کے باغات الگ پڑتے ہیں، اس کے پتوں سے پھول نکلتے ہیں، پھر وہ بھاری خوشے بن کر لٹک جاتے ہیں، اسی طرح اس سبزہ سے ایک حصہ انگور کا باغ بن جاتا ہے، اور زیتون اور انار بھی پیدا ہوتے ہیں، جو ہم شکل ہوتے ہیں، مگر مزہ مختلف ہوتا ہے، آم میں اس کا خوب مشاہدہ کیا جاسکتا ہے، پس جب درخت پھلیں اور پکیں تو ان میں غور کرو، ان میں ایمان لانے والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔

نشانیاں: حیوانات کی معیشت کے اس انتظام میں بہت سی نشانیاں ہیں، چند یہ ہیں:

۱- آسمان زمین کا جوڑا ہے، دونوں مل کر ایک مقصد کی تکمیل کرتے ہیں، آسمان برستا ہے اور زمین اگاتی ہے، اس طرح اللہ تعالیٰ نے حیوانات کی معیشت کا انتظام کیا ہے۔ اگر آسمان نہ برسے تو زمین کیا اُگائے؟ اور آسمان برستا رہے اور زمین نہ اگائے تو حیوانات کیا کھائیں؟ یہ اللہ کا نظام ہے: آسمان سے اندازے سے پانی برستا ہے اور زمین سے گھاس، غلہ اور پھل پیدا ہوتے ہیں جن کو حیوانات کھاتے ہیں اور زندہ رہتے ہیں —— ﴿ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ﴾ میں اس مضمون کی طرف اشارہ ہے۔

۲- جب پانی برستا ہے تو بلا امتیاز ہر طرح کی گھاس اُگ آتی ہے، انسانوں کے کام کی بھی اور جانوروں کے کام کی بھی، اگر ہر طرح کا سبزہ نہ اگتا تو جانور کیا کھاتے؟ انسان گھاس اگا کر کہاں تک کھلاتا؟ —— ﴿ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ ﴾ میں یہ مضمون ہے۔

۳- پھر جو سبزہ اگتا ہے، اس کا ایک حصہ 'سبزی' بنتا ہے، اس سے انسان روٹی کھاتا ہے، اگر یہ سبزی اللہ تعالیٰ پیدا نہ کرتے تو انسان نوالہ گلے سے کیسے اتارتا؟ —— ﴿ خَضِرًا ﴾ میں اس مضمون کی طرف اشارہ ہے۔

۴- پھر انسان کے کام کی سبزی میں سے اناج الگ پڑتا ہے، اور وافر مقدار میں غلہ پیدا ہوتا ہے، تہ بہ تہ کا یہی مطلب ہے، من بھر بوتے ہیں تو غلہ کا ڈھیر لگ جاتا ہے، جس کو سال بھر انسان کھاتا ہے —— ﴿ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ﴾ میں یہ مضمون ہے۔

۵- یہ غذائی ضرورت پوری ہوئی، پھلوں کی ضرورت ابھی باقی ہے، اس کے لئے کھجور، انگور، زیتون اور انار پیدا کئے،

کھجور کے پتوں سے پھول نکلتے ہیں، ان شگوفوں میں کھجوریں لگ کر بھاری خوشے لٹک جاتے ہیں، یہ کھجوریں بھی غذا کے طور پر کھائی جاتی ہیں، اس لئے ان کو غلہ سے متصل بیان کیا ہے، اور یہ بھی اشارہ کیا ہے کہ کھجوریں وافر مقدار میں پیدا ہوتی ہیں، اور انگور، زیتون اور انار محض میوے ہیں، تھوڑی مقدار میں کھائے جاتے ہیں، اس لئے ان کے ساتھ یہ بات بیان نہیں کی، البتہ ان میں تنوع ہوتا ہے، آم ایک جیسے نظر آتے ہیں، مگر ان کے ذائقے مختلف ہوتے ہیں، یہی حال انگور وغیرہ کا ہے۔

۶- یہ پھل جب درختوں میں لگتے ہیں، اور کچے ہوتے ہیں تو بدمزہ نا قابل انتفاع ہوتے ہیں، اور جب پک جاتے ہیں تو خوش ذائقہ اور کارآمد ہو جاتے ہیں، اسی طرح یہ دنیا ابھی کچا پھل ہے، اور آہستہ آہستہ پک رہا ہے، جب پک جائے گا تو مؤمنین کے لئے مزیدار اور کافروں کے لئے کسیلا ہو جائے گا۔

آیتِ کریمہ: اللہ تعالیٰ وہی ہیں جنھوں نے بادلوں سے پانی برسایا، پس ہم نے اس کے ذریعہ ہر طرح کا سبزہ آگایا، پس ہم نے اس سے سبزی نکالی، نکالتے ہیں ہم اس سے تہ بہ تہ جما ہوا غلہ ــــ یہ جملہ مستانفہ ہے ــــ اور کھجور کے درختوں سے: ان کے شگوفوں سے لٹکے ہوئے خوشے ہیں، اور (نکالتے ہیں:) انگور کے باغات اور زیتون اور انار: ہم شکل اور مختلف مزوں کے ــــ یہ حال ہے ــــ دیکھو ہر ایک کا پھل جب وہ پھلے، اور اس کا پکنا، بے شک ان سب چیزوں میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو مانتے ہیں!

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِیْنَ وَ بَنٰتٍۭ بِغَیْرِ عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یَصِفُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰی یَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ ﴿۱۰۲﴾ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫ وَهُوَ یُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ﴿۱۰۳﴾

ع ۱۸

وَجَعَلُوْا	اور بنایا انھوں نے	شُرَكَآءَ (۱)	بھاگی دار	وَخَلَقَهُمْ (۲)	درانحالیکہ اللہ نے انکو پیدا
لِلّٰهِ	اللہ کے لئے	الْجِنَّ	جنات کو		کیا ہے

(۱) جعل: دو مفعول چاہتا ہے، شرکاء: دوسرا مفعول ہے، اور الجن: پہلا مفعول، اور دوسرے مفعول کی تقدیم شرک کی قباحت ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ (۲) قد مقدر ہے

وَخَرَقُوْا (۱)	اور جھوٹ گھڑے انھوں نے	وَلَدَ	اولاد	خَالِقُ	پیدا کرنے والے
لَهٗ	ان کے لئے	وَلَمْ تَكُنْ	حالانکہ نہیں ہے	كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز کو
بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ	بیٹے بیٹیاں	لَهٗ	ان کی	فَاعْبُدُوْهُ	پس ان کی عبادت کرو
بِغَيْرِ عِلْمٍ	جہالت سے	صَاحِبَةٌ	کوئی بیوی	وَهُوَ	اور وہ
سُبْحٰنَهٗ	پاک ہے ان کی ذات	وَخَلَقَ	اور پیدا کیا انھوں نے	عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز کے
وَتَعٰلٰى	اور برتر ہے	كُلَّ شَيْءٍ	ہر چیز کو	وَّكِيْلٌ	کارساز ہیں
عَمَّا	ان باتوں سے جو	وَهُوَ	اور وہ	لَا تُدْرِكُهُ (۲)	نہیں پاتیں ان کو
يَصِفُوْنَ	وہ بیان کرتے ہیں	بِكُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز کو	الْاَبْصَارُ (۳)	نگاہیں
بَدِيْعُ	نئی طرح بنانے والے ہیں	عَلِيْمٌ	خوب جاننے والے ہیں	وَهُوَ يُدْرِكُ	اور وہ پاتے ہیں
السَّمٰوٰتِ	آسمانوں	ذٰلِكُمُ اللّٰهُ	یہی اللہ تعالیٰ	الْاَبْصَارَ	نگاہوں کو
وَالْاَرْضِ	اور زمین کو	رَبُّكُمْ	تمہارے پروردگار ہیں	وَهُوَ	اور وہ
اَنّٰى يَكُوْنُ	کیسے ہوگی	لَآ اِلٰهَ	کوئی معبود نہیں	اللَّطِيْفُ	لطیف
لَهٗ	ان کی	اِلَّا هُوَ	مگر وہی	الْخَبِيْرُ	بڑے باخبر ہیں

ردّ اشراک

نہ دیو خدا ہے نہ دیوتا: سب اللہ کی مخلوق ہیں

اللہ کی یکتائی (توحید) کا بیان چل رہا ہے، شرک کی تردید بھی اسی سلسلہ کا مضمون ہے، دِیو: یعنی بھوت پریت، سرکش شیاطین اور دیوتا: یعنی بزرگ، قابل پرستش، فرشتے وغیرہ۔

مشرکین معلوم نہیں کن کن چیزوں کو پوجتے ہیں؟ وہ ہر نافع وضار کی پرستش کرتے ہیں، بھوت پریت اور شیاطین کو بھی پوجتے ہیں، سورۃ الجن میں مسلمان جنات کی ایک رپورٹ ہے، جو انھوں نے اپنی اتھارٹی کو پیش کی ہے کہ بعض انسان جنات کی پناہ لیا کرتے ہیں، جن کی وجہ سے ان شیاطین کا دماغ خراب ہوگیا ہے، عرب جہالت کی وجہ سے جنات سے غیب کی خبریں معلوم کیا کرتے تھے، ان کے نام کی نذر و نیاز بھرا کرتے تھے، چڑھاوے چڑھایا کرتے تھے، اور جب ان

(۱) خَرَقَ (ن) الکذب: جھوٹ گھڑنا، جھوٹی بات بنانا۔ (۲) أدرك الشيئَ: پانا، حاصل کرنا (۳) ابصار: بَصَر کی جمع: آنکھ، پہلی جگہ ابصار سے مراد آنکھیں ہیں اور دوسری جگہ پورا وجود ہے، جیسے وجہ (چہرہ) سے پورا وجود مراد لیا جاتا ہے۔

کے قافلے کسی خوفناک وادی میں ٹھہرتے تو اس میدان کے جنات کے سردار کی پناہ لیا کرتے تھے، تا کہ وہ اپنے ماتحت جنات سے ان کی حفاظت کرے۔ اور سورۃ الصافات میں ہے کہ مشرکین نے اللہ کا جنات سے رشتہ جوڑ رکھا تھا، ان کا عقیدہ تھا کہ جنات کے سرداروں اور اللہ میں سسرالی دامادی کا رشتہ ہے، ان کی بیٹیاں اللہ کی بیویاں ہیں (نعوذ باللہ!) اور وہ فرشتوں کو دیوتا مانتے تھے، یعنی ان کو بزرگ، قابل پرستش جانتے تھے، اور ان کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے، اور عیسائی: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں، اور قدیم یہودی: حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانتے تھے، ان سب خرافات کی قرآنِ کریم تردید کرتا ہے۔

اللہ پاک فرماتے ہیں: مشرکین جنات (شیاطین) کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں، حالانکہ وہ اللہ کی مخلوق (پیدا کئے ہوئے) ہیں، اسی طرح مشرکین اپنی جہالت سے اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں، حالانکہ اللہ کی ذات اولاد سے پاک ہے، اور وہ مشرکین کی خرافات سے برتر وبالا ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو انوکھے انداز سے بنایا ہے اور جنات اور فرشتے کائنات کا جزء ہیں، پہلے وہ موجود نہیں تھے، جب وہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں شریک نہیں تھے تو معبود میں ساجھی کس طرح ہو گئے؟

نیز ان کی اولاد بھی نہیں ہو سکتی، اس لئے کہ ان کی کوئی بیوی نہیں، عیسائی بھی حضرت مریم رضی اللہ عنہا کو اللہ کی بیوی نہیں کہتے، اور صرف مرد بچہ نہیں جن سکتا، ہاں صرف عورت بچہ جن سکتی ہے، اللہ تو پیدا کرتے ہیں، مگر اس وقت خالق مخلوق کا رشتہ ہوگا، باپ بیٹے کا نہیں، اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پیدا کی ہے، اور وہ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں، اور وہی ہر چیز کے پروردگار اور پالنہار ہیں، وہی اکیلے معبود ہیں، پس انہی کی عبادت کرو، دوسرا کوئی چارہ ساز نہیں۔

﴿وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۭ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭسُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭاَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ۭ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝﴾

ترجمہ: اور مشرکین نے اللہ کا جنات کو شریک ٹھہرایا، حالانکہ اللہ نے ان کو پیدا کیا ہے، اور انھوں نے اپنی جہالت سے اللہ کے لئے جھوٹ بیٹے بیٹیاں تجویز کیں، ان کی ذات اس سے پاک ہے، اور وہ ان باتوں سے برتر وبالا ہیں جو وہ بیان کرتے ہیں!

وہ آسمانوں اور زمین کو نئی طرح بنانے والے ہیں، ان کے لئے اولاد کیسے ہو سکتی ہے جبکہ ان کی کوئی بیوی نہیں ہے، اور انھوں نے ہر چیز پیدا کی ہے، اور وہ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں، یہی اللہ تعالیٰ تمہارے پروردگار ہیں، ان کے سوا کوئی معبود

نہیں، وہی ہر چیز کو پیدا کرنے والے ہیں، لہٰذا انہی کی بندگی کرو، اور وہ ہر چیز کے ذمہ دار ہیں!

انسان اپنی کمزوری کی وجہ سے اللہ کو نہیں دیکھ سکتا، مگر اللہ بندوں کو دیکھ رہے ہیں

یہاں کسی کو خیال ہو سکتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ موجود ہیں تو نظر کیوں نہیں آتے؟ ایک آیت میں اس کا جواب ہے:

فرماتے ہیں: انسان ضعیف البنیان ہے، اس کی باڈی کمزور ہے، آنکھ، ناک، کان اور دل و دماغ سب کمزور ہیں، وہ سورج کو دیکھتا ہے تو آنکھ پتھرا جاتی ہے، عقل ادراک نہیں کر سکتی، تیز آواز سنتا ہے تو کان پھٹ جاتے ہیں، پس امتناع بندوں کی طرف سے ہے، اللہ کی طرف سے نہیں، اللہ تو دکھ سکتے ہیں، اس لئے کہ وہ واقعۃً موجود ہیں، مگر وہ لطیف ہیں، اور لطیف کو کثیف نہیں دیکھ سکتا، جیسے ہمیں 'ہوا' نظر نہیں آتی کہ وہ لطیف ہے اور ہم کثیف ہیں، البتہ اللہ تعالیٰ انسانوں کو دیکھ رہے ہیں، اس لئے کہ لطیف کو کثیف نظر آتا ہے، جیسے جنات اور فرشتے ہم کو دیکھتے ہیں، مگر ہم ان کو نہیں دیکھتے۔

اور انسان ہی نہیں، بڑی سے بڑی اور سخت سے سخت مخلوق بھی اللہ کی تجلی برداشت نہیں کر سکتی، طور پہاڑ پر جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تو موسیٰ علیہ السلام نے درخواست کی: ''پروردگار! مجھے اپنا جلوہ دکھائیں!'' جواب آیا: ''تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے'' یہ نہیں فرمایا کہ میں نہیں دکھ سکتا، پھر فرمایا: سامنے دیکھو! میں پہاڑ پر تجلی کرتا ہوں، اگر وہ سہار سکے تو تم مجھے دیکھ لوگے، پھر جب تجلی فرمائی تو پہاڑ کے پرخچے اڑ گئے، اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے!

البتہ جب انسان قیامت کے دن دوبارہ پیدا کیا جائے گا تو وہ قوی البنیان ہوگا، ساٹھ ہاتھ کا قد ہوگا، اور اسی کے بقدر دوسرے اعضا وقُویٰ ہونگے، سورۃ ق میں ہے: ﴿فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ﴾: آج تیری آنکھ بہت تیز ہے، یعنی اب تجھے سب کچھ نظر آتا ہے، چنانچہ جنتی جنت میں اللہ کا دیدار کریں گے، قرآن کریم اور احادیث متواترہ سے یہ بات ثابت ہے، سورۃ القیامہ میں ہے: ﴿وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾: کچھ چہرے اُس دن تروتازہ ہونگے، اپنے پروردگار کا دیدار کر رہے ہونگے، اور جو اسلامی فرقے آخرت میں بھی رویت باری کا انکار کرتے ہیں وہ بے بصیرت ہیں!

﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ ۖ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ۝﴾

ترجمہ: ان کو نگاہیں نہیں پاتیں ــــ یعنی اس دنیا میں اللہ کا دیدار ممتنع لغیرہ ہے ــــ اور وہ نگاہوں کو پاتے ہیں ــــ یعنی وہ انسانوں کو دیکھتے ہیں، یہاں نگاہ سے مراد پورا وجود ہے ــــ اور وہ لطیف ہیں ــــ لطیف: کثیف کی ضد ہے اور لطافت طرح طرح کی ہوتی ہے ــــ بڑے باخبر ہیں! ــــ یعنی ہر چیز جانتے ہیں!

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ؕ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۱۰۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ؕ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۷﴾

قَدْ جَآءَكُمْ	تحقیق آچکیں تمہارے پاس	الْاٰيٰتِ	باتیں	اِلَّا هُوَ	مگر وہی
بَصَآئِرُ (۱)	کھلی دلیلیں	وَلِيَقُوْلُوْا	اور تاکہ کہیں وہ	وَاَعْرِضْ	اور منہ پھیر لیں آپ
مِنْ رَّبِّكُمْ	تمہارے رب کی طرف سے	دَرَسْتَ (۲)	آپ نے پڑھ لیا ہے	عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ	مشرکین سے
فَمَنْ اَبْصَرَ	پس جس نے دیکھا	وَلِنُبَيِّنَهٗ	اور تاکہ واضح کریں	وَلَوْ شَآءَ	اور اگر چاہتے
فَلِنَفْسِهٖ	تو اس کے فائدے کیلئے ہے		ہم اس کو	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
وَمَنْ عَمِيَ	اور جو اندھا بنا	لِقَوْمٍ	ان لوگوں کے لئے	مَآ اَشْرَكُوْا	(تو) نہ شرک کرتے وہ
فَعَلَيْهَا	تو اسی پر ضرر ہے	يَّعْلَمُوْنَ	جو جانتے ہیں		اور نہیں
وَمَآ اَنَا	اور نہیں ہوں میں	اِتَّبِعْ	پیروی کریں آپ	وَمَا جَعَلْنٰكَ	بنایا ہم نے آپ کو
عَلَيْكُمْ	تم پر	مَآ اُوْحِيَ	اس کی جو وحی کی گئی	عَلَيْهِمْ	ان پر
بِحَفِيْظٍ	نگہبان	اِلَيْكَ	آپ کی طرف	حَفِيْظًا	نگہبان
وَكَذٰلِكَ	اور یوں	مِنْ رَّبِّكَ	آپ کے رب کی	وَمَآ اَنْتَ	اور نہیں ہیں آپ
نُصَرِّفُ	نہج بدل بدل کر واضح		طرف سے	عَلَيْهِمْ	ان پر
	کرتے ہیں ہم	لَآ اِلٰهَ	نہیں کوئی معبود	بِوَكِيْلٍ (۳)	تعینات کئے ہوئے

توحید کی واضح دلیلیں آچکیں، اب غور کرنا نہ کرنا لوگوں کا کام ہے

دور سے توحید کا مضمون چل رہا ہے، اللہ کی یکتائی کی آنکھیں کھولنے والی واضح دلیلیں پروردگار عالم کی طرف سے لوگوں کے سامنے رکھ دی گئی ہیں، ان بصیرت افروز دلیلوں میں جو غور کرے گا اور ایک معبود کا قائل ہوگا اس کا بھلا ہوگا، اور

(۱) بصائر: بصیرۃ کی جمع: کھلی دلیل، واضح نصیحت (۲) دَرَسَ (ن) دِرَاسَةً: پڑھنا (۳) وکیل: داروغہ، پولس افسر۔

جو اندھا بنا رہے گا وہ اپنا نقصان کرے گا، وہ شرک میں مبتلا رہے گا، اور اس کی سزا پائے گا، نبی کا کام اس کو قائل کرنا نہیں۔

﴿ قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴾

ترجمہ: آپؐ کے پاس آپ کے پروردگار کی طرف سے بالیقین واضح دلیلیں آچکیں، پس جس نے آنکھ کھولی اس نے اپنے نفع کے لئے دیکھا، اور جو اندھا بنا رہا اس نے اپنا نقصان کیا، اور (کہہ دو:) میں تمہارا نگہبان نہیں!

گدھا زعفران کی قدر کیا جانے!

اللہ تعالیٰ نے نہج بدل بدل کر توحید کے دلائل بیان کئے ہیں، پھر بھی ضدی اور بدفہم یہی کہے گا: ''آپؐ نے کسی سے پڑھ رکھا ہے!'' آپ تو امّی ہیں، کسی سے پڑھے نہیں، نہ سابقہ کتابیں دیکھ کر بیان کر سکتے ہیں، لامحالہ آپ کو کوئی پڑھاتا ہے، پھر وہ ایک عجمی لوہار کا نام لیتے تھے کہ وہ پڑھاتا ہے، یہ مضمون سورۃ النحل (آیت ۱۰۳) میں آیا ہے، وہاں اس کا جواب بھی ہے: ﴿ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ۭ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴾: اور ہمیں یقیناً معلوم ہے کہ وہ لوگ کہتے ہیں: انہیں کوئی آدمی سکھلاتا ہے (جواب:) جس شخص کی طرف وہ غلط نسبت کر رہے ہیں وہ تو عجمی ہے، فصیح عربی نہیں جانتا۔ اور قرآن فصیح عربی زبان میں ہے، پس یہ اس کا کلام کیسے ہو سکتا ہے؟ اور قرآن کا اعجاز اس کی فصاحت و بلاغت میں ہے، جس کے متعلق بار بار چیلنج دیا جا چکا ہے، مگر جنّ و انس مل کر بھی اس کے مانند ایک چھوٹا سا ٹکڑا نہیں پیش کر سکے، لہٰذا اس شخص کی مہمل بات پادر ہوا ہوئی —— اور سمجھ دار انصاف پسند لوگوں کے لئے قرآن کے بیان سے حق واضح ہو گیا کہ توحید ہی برحق ہے، اور معبود ایک ہی ہے!

﴿ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴾

ترجمہ: اور ہم یوں نہج بدل بدل کر باتیں بیان کرتے ہیں، اور تاکہ وہ کہیں: آپؐ نے (کسی سے) پڑھ لیا ہے، اور تاکہ ہم بات کو واضح کریں ان لوگوں کے لئے جو جاننا چاہتے ہیں۔

توحید پر جم جاؤ، اور مشرکین سے منہ پھیر لو

نبی ﷺ کو، اور آپؐ کے توسط سے ہر امتی کو حکم دیتے ہیں کہ وہ اس وحی کی پیروی کرے جو اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، وہ توحید پر استوار ہو جائے، اور مشرکین کو ان کے حال پر چھوڑ دے۔

﴿ اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾

ترجمہ: آپؐ اس وحی کی پیروی کریں جو آپؐ کے پروردگار کی طرف سے آپؐ کے پاس بھیجی گئی ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا

کوئی معبود نہیں ـــــ یہ وحی آئی ہے ـــــ اور آپ مشرکین سے روگردانی کریں۔

لوگوں کو تکوینی طور پر توحید پر مجبور کرنا حکمتِ خداوندی کے خلاف ہے

اللہ تعالیٰ کی تکوینی حکمت اس کی مقتضی نہیں کہ سب لوگوں کو خواہی نخواہی ایک اللہ کا قائل بنادیا جائے، اگر اللہ تعالیٰ ایسا چاہتے تو روئے زمین پر ایک مشرک نہ ہوتا، دیکھتے نہیں کہ دیگر مخلوقات میں کوئی مشرک نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت ایسی بنائی ہے کہ وہ اپنی مرضی سے ایک اللہ کو مانے، تاکہ آخرت میں جنت کا حقدار بنے، اسی کو بتانے اور سمجھانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو مبعوث فرمایا ہے، انبیاء نہ لوگوں کے نگہبان ہیں نہ ٹھیکے دار! ـــــ یہ ادنی سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہے، نگہبان حفاظت کرتا ہے، جیسے چرواہا ریوڑ کی حفاظت کرتا ہے، اور داروغہ (پولس انسپکٹر) ڈنڈا بجا کر منواتا ہے، نبی صرف بشیر ونذیر ہوتا ہے، پھر لوگوں کو اختیار ہے کہ مانیں یا نہ مانیں۔

﴿ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ؕ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝۱۰۷ ﴾

ترجمہ: اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو مشرکین شرک نہ کرتے، اور ہم نے آپؐ کو ان کا نگہبان مقرر نہیں کیا، اور نہ آپؐ ان پر تعینات کئے گئے ہیں۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۪ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۰۸ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۱۰۹ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝۱۱۰ ع

وَلَا تَسُبُّوا	اور تم برا مت کہو	اللّٰهِ	اللہ کے	بِغَيْرِ عِلْمٍ	جہالت سے
الَّذِيْنَ (۱)	ان کو جن کو	فَيَسُبُّوا	پس برا کہیں گے وہ	كَذٰلِكَ	اسی طرح
يَدْعُوْنَ	پکارا کرتے ہیں وہ	اللّٰهَ	اللہ کو	زَيَّنَّا	مزین کیا ہم نے
مِنْ دُوْنِ	ورے	عَدْوًا (۲)	دشمنی میں	لِكُلِّ اُمَّةٍ	ہر امت کے لئے

(۱) الذین: صلہ کے ساتھ مفعول بہ ہے (۲) عدوًا: مصدر بمعنی عادین فاعل کا حال ہے۔

عَمَلَهُمْ	ان کے عمل کو	اٰيَةٌ	کوئی نشانی	وَنُقَلِّبُ	اور ہم الٹ دیں
ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ	پھر ان کے رب کی طرف	لَيُؤْمِنُنَّ	تو ضرور مان لیں گے وہ	اَفْئِدَتَهُمْ	ان کے دل
مَّرْجِعُهُمْ	ان کا لوٹنا ہے	بِهَا	اس کو	وَاَبْصَارَهُمْ	اور ان کی آنکھیں
فَيُنَبِّئُهُمْ	پس جتلائیں گے وہ ان کو	قُلْ اِنَّمَا	کہو اس کے سوا نہیں کہ	كَمَا	جیسا کہ
بِمَا كَانُوْا	وہ کام جو تھے وہ	الْاٰيٰتُ	نشانیاں	لَمْ يُؤْمِنُوْا	نہیں ایمان لائے وہ
يَعْمَلُوْنَ	کیا کرتے	عِنْدَ اللّٰهِ	اللہ کے پاس ہیں	بِهٖٓ (۳)	اس (قرآن) پر
وَاَقْسَمُوْا	اور قسمیں کھائیں انھوں نے	وَمَا	اور کیا	اَوَّلَ مَرَّةٍ	پہلی مرتبہ
بِاللّٰهِ	اللہ تعالیٰ کی	يُشْعِرُكُمْ	پتہ تمہیں	وَنَذَرُهُمْ	اور چھوڑ دیں ہم ان کو
جَهْدَ (۱)	پختہ کر کے	اَنَّهَآ (۲)	کہ وہ	فِيْ طُغْيَانِهِمْ	ان کی سرکشی میں
اَيْمَانِهِمْ	اپنی قسمیں	اِذَا جَآءَتْ	جب آئے	يَعْمَهُوْنَ	بھٹکتے رہیں وہ
لَئِنْ جَآءَتْهُمْ	بخدا! اگر آئی ان کے پاس	لَا يُؤْمِنُوْنَ	(تو) نہ مانیں وہ	۞	۞

مشرکوں کے معبودوں کو برا کہو گے تو وہ اللہ کو برا کہیں گے

گذشتہ سے پیوستہ آیت میں فرمایا ہے کہ مشرکوں سے منہ پھیر لو، کہاں تک روگردانی کریں؟ یہاں تک کہ ان کے معبودوں کو بھی برا مت کہو، اس کا ردعمل اچھا نہیں ہوگا، وہ اپنی جہالت سے معبود برحق اللہ تعالیٰ کو برا کہیں گے، وہ معبود برحق اور معبود باطل میں امتیاز نہیں کریں گے —— پس یہ گویا مسلمانوں نے خود اللہ تعالیٰ کو برا کہا، اس طرح کہ اس کا سبب بنے، اور حدیث میں ہے کہ اپنے ماں باپ کو گالیاں مت دو، صحابہ نے عرض کیا: اپنے ماں باپ کو بھلا کوئی کیسے گالیاں دے گا؟ آپؐ نے فرمایا: ایک شخص دوسرے کے ماں باپ کو گالیاں دیتا ہے، دوسرا جواباً اس کے ماں باپ کو گالیاں دیتا ہے تو یہ اس نے خود اپنے ماں باپ کو گالیاں دیں! —— اسی طرح مشرکین کے معبودوں کو برا کہا جائے گا تو ردعمل میں وہ مسلمانوں کے معبود اللہ تعالیٰ کو برا کہیں گے، یہ گویا مسلمانوں نے خود اللہ کو برا کہا۔

سوال: مشرکوں کے معبود تو باطل ہیں، پس باطل کو باطل کہنے میں کیا حرج ہے؟

جواب: ہر شخص اپنی کھال میں مست ہے، اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کا انداز ایسا بنایا ہے کہ ہر کسی کو اپنے ہی اعمال بھلے معلوم ہوتے ہیں، مشرکین بھی اپنے معبودوں کو اور اپنے شرکیہ اعمال کو اعمالِ صالحہ تصور کرتے ہیں، اس لئے وہ اپنی

---

(۱) جهد أيمانهم: مفعول مطلق ہے من غیر لفظ الفعل (۲) أنها: کا مرجع آیات ہیں (۳) به: مرجع ما موصولہ ہے، اور مراد قرآن ہے۔

مورتیوں کی برائی برداشت نہیں کریں گے، اور کھسیانی بلی کھمبا نوچے! وہ بر حق اللہ تعالیٰ کے منہ آئیں گے، لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ ان کے معبودوں کو برا نہ کہیں۔

سوال: پھر مشرکوں کے معبودوں کا بطلان کیسے ظاہر ہوگا؟

جواب: ان کے معبودوں کا بطلان کل ان کے سامنے آجائے گا، سب کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹنا ہے، قیامت کے دن مشرکین کے لئے ان کے معبودوں کا بوداپن کھل جائے گا، اور ان کے اعمال کا کچا چٹھا ان کے سامنے رکھ دیا جائے گا۔

﴿ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۠ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۰۸ ﴾

ترجمہ: اور تم برامت کہو ان (مورتیوں) کو جن کو وہ اللہ سے وَرے پکارتے ہیں، پس وہ جہالت میں دشمنی سے اللہ کو برا کہیں گے —— اس طرح ہم نے ہر فرقہ کے لئے اس کے اعمال مزین کئے ہیں، پھر ان کو ان کے پروردگار کی طرف لوٹنا ہے، پس وہ ان کو آگاہ کریں گے ان کاموں سے جو وہ کیا کرتے تھے۔

مشرکین کڑی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہمارا مطلوبہ معجزہ دکھاؤ ہم ایمان لے آئیں گے!

ان کو جواب دو: معجزات اللہ کے اختیار میں ہیں، نہ رسول کے اختیار میں ہیں نہ مسلمانوں کے، اور تمہیں اے مسلمانو! کیا پتہ کہ وہ مطلوبہ معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہ لائیں، ان کے سامنے قرآن جیسا عظیم معجزہ پیش کیا گیا تو وہ کہاں ایمان لائے؟ پھر وہ اور معجزہ دیکھ کر کیا ایمان لائیں گے؟ جان لو! دل اور آنکھیں اللہ کے اختیار میں ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو الٹ دیں تو وہ نہ معجزہ دیکھیں گے نہ سمجھیں گے، نہ کوئی عبرت حاصل کریں گے، نہ ایمان لائیں گے، وہ اپنی سرکشی میں سرگرداں رہیں گے، اس لئے مسلمان اس کی آرزو نہ کریں کہ مشرکین کو ان کا مطلوبہ معجزہ دکھا دیا جائے، اور وہ ایمان لے آئیں تو اسلام کا بول بالا ہو، وہ ایمان لانے والے نہیں، اس لئے معجزہ دکھانا بے سود ہے۔

﴿ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَاۗءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَاۗءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۱۰۹ وَنُقَلِّبُ اَفْـــِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝۱۱۰ ﴾

ترجمہ: اور انھوں نے اللہ کی زور کی قسمیں کھائیں: بخدا! اگر ان کو (مطلوبہ) معجزہ دکھایا جائے تو وہ ضرور اس کی وجہ سے ایمان لے آئیں گے! (جواب:) معجزات اللہ ہی کے اختیار میں ہیں، اور تمہیں (اے مسلمانو!) کیا پتہ کہ جب ان کو معجزہ دکھایا جائے تو وہ ایمان نہ لائیں! —— اور ہم ان کے دلوں کو اور آنکھوں کو الٹ دیں —— اس لئے وہ ایمان نہ لائیں —— جیسا وہ اللہ کی نشانی (قرآن) پر پہلی مرتبہ ایمان نہیں لائے، اور ہم ان کو ان کی سرکشی میں بھٹکتا چھوڑ دیں!

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۭ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

وَلَوْ اَنَّنَا (۱)	اور اگر بے شک ہم	مَا كَانُوْا	نہیں ہیں وہ	شَيٰطِيْنَ	شریر
نَزَّلْنَآ	اتارتے	لِيُؤْمِنُوْٓا	کہ ایمان لائیں	الْاِنْسِ	آدمیوں
اِلَيْهِمُ	ان کی طرف	اِلَّآ اَنْ	مگر یہ کہ	وَالْجِنِّ	اور جنات کو
الْمَلٰٓئِكَةَ	فرشتے	يَّشَآءَ اللّٰهُ	چاہیں اللہ تعالیٰ	يُوْحِيْ	وحی کرتے ہیں
وَكَلَّمَهُمُ	اور باتیں کرتے ان سے	وَلٰكِنَّ	لیکن	بَعْضُهُمْ	ان کے بعض
الْمَوْتٰى	مُردے	اَكْثَرَهُمْ	ان کے اکثر	اِلٰى بَعْضٍ	بعض کی طرف
وَحَشَرْنَا	اور (زندہ کرکے) جمع کرتے ہم	يَجْهَلُوْنَ	جانتے نہیں	زُخْرُفَ (۴)	چکنی چپڑی
		وَكَذٰلِكَ	اور یوں	الْقَوْلِ	باتیں
عَلَيْهِمْ	ان پر	جَعَلْنَا	بنائے ہم نے	غُرُوْرًا (۵)	دھوکہ دہی کے لئے
كُلَّ شَيْءٍ	ہر چیز کو	لِكُلِّ نَبِيٍّ	ہر نبی کے لئے	وَلَوْ شَآءَ	اور اگر چاہتے
قُبُلًا (۲)	گروہ گروہ (روبرو)	عَدُوًّا (۳)	دشمن	رَبُّكَ	آپ کے پروردگار

(۱) أَنَّنَا: أَنَّ: حرف مشبہ بالفعل، نا ضمیر جمع متکلم (۲) قُبُلًا: قبیل کی جمع ہو تو ترجمہ ہوگا: گروہ گروہ، جماعت جماعت، اور قابل کی جمع ہو تو ترجمہ ہوگا: آگے، آنکھوں کے سامنے، روبرو، یہ کلّ کا حال ہے (۳) عدوًّا: جعل کا مفعولِ ثانی مقدم ہے اور شیاطین الأنس والجن: مفعول اول مؤخر ہے۔ (۴) زخرف: سونا، آراستہ، زینت، مگر جب قول کے لئے استعمال ہوتا ہے تو جھوٹ سے آراستہ کرنے اور ملمع کی ہوئی باتیں کرنے کے معنی ہوتے ہیں (۵) غروراً: مفعول لہٗ ہے، اور آگے لتصغی، لیرضوہ اور لیقترفوا اس پر معطوف ہیں، وہ بھی مفعول لہٗ میں شامل ہیں اور چار باتیں بالترتیب (غرور، اصغاء، رضا اور اقتراف) یوحی کے مفعول لہٗ ہیں۔

مَا فَعَلُوْهُ	تو نہ کرتے وہ اس کو	اِلَيْهِ	اس (بات) کی طرف	وَلِيَرْضَوْهُ [1]	اور تا کہ پسند کریں وہ
فَذَرْهُمْ	پس آپ چھوڑیں ان کو	اَفْئِدَةُ	دل		اس بات کو
وَمَا	اور اس کو جو	الَّذِيْنَ	ان کے جو	وَلِيَقْتَرِفُوْا [2]	اور تا کہ کمائیں وہ
يَفْتَرُوْنَ	جھوٹ گھڑتے ہیں وہ	لَا يُؤْمِنُوْنَ	نہیں مانتے	مَا هُمْ	جو وہ
وَلِتَصْغٰٓى	اور تا کہ مائل ہوں	بِالْاٰخِرَةِ	آخرت کو	مُقْتَرِفُوْنَ	کمانے والے ہیں

مشرکین مطلوبہ معجزہ کے عواقب سے ناواقف ہیں، اس لئے بضد ہیں کہ ان کو معجزہ دکھایا جائے

اگر مشرکین کی فرمائش کے مطابق اللہ تعالیٰ فرشتوں کو اتاریں جو آکر آپ کی تصدیق کریں، یا مردے قبروں سے نکل آئیں اور مشرکین سے باتیں کریں، یا اس سے بھی بڑا معجزہ دکھایا جائے، قیامت قائم ہوجائے اور تمام مخلوقات کو دوبارہ زندہ کر کے ان کے روبرو لاکھڑا کیا جائے تب بھی وہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے، کتے کی دُم ٹیڑھی ہی رہے گی، اور وہ ہلاک کئے جائیں گے، مطلوبہ معجزہ دکھانے کا اور اس کو دیکھ کر ایمان نہ لانے کا یہی انجام ہوگا، مشرکین اس انجام سے واقف نہیں، اس لئے اصرار کر رہے ہیں کہ ان کو مطلوبہ معجزہ دکھایا جائے۔

اور درمیان کلام میں اللہ کی قدرتِ کاملہ کا استثناء ہے کہ اللہ کی قدرت میں سب کچھ ہے، وہ چاہیں تو مشرکین خواہی نخواہی ایمان لائیں گے، مگر انھوں نے ایسا نہیں چاہا، ایسا چاہنا ان کی حکمت اور تکوینی مصلحت کے خلاف ہے۔

﴿ وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ﴾

ترجمہ: اور اگر ہم ان کی طرف فرشتے اتاریں، یا ان سے مُردے باتیں کریں، یا ہم ہر مخلوق کو زندہ کر کے ان کے سامنے لاکھڑا کریں تو بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے —— مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہیں (یہ اللہ کی قدرتِ کاملہ کا بیان ہے) —— مگر ان کے اکثر لوگ عواقب سے واقف نہیں!

شریر انسان اور جنات ہمیشہ انبیاء کے دشمن رہے ہیں، اور وہ چار باتیں چاہتے ہیں

مشرکینِ مکہ طرح طرح کے معجزات طلب کر کے نبی ﷺ کو اور مسلمانوں کو دق کرتے ہیں: یہ آج کوئی نئی بات

(۱) لیرضوہ: مضارع، جمع مذکر غائب، مصدر رِضیً، باب سمع (۲) لیقترفوا: مضارع، جمع مذکر غائب، الاقتراف: کمانا، مثل ہے: الاعتراف یُزِیلُ الاقتراف: اقرار جرم ارتکاب جرم کو دور کر دیا ہے۔

نہیں، انبیاء کی قومیں اسی طرح اپنے انبیاء کو پریشان کرتی رہی ہیں، اور انبیاء کے یہ دشمن شیاطین الانس: شیاطین الجن کے ایجنٹ ہوتے ہیں، وحی کے لغوی معنی ہیں: خفیہ اشارہ، جس کو اشارہ کرنے والا اور مشار الیہ سمجھیں، تیسرا نہ سمجھے، جنات میں جو شیاطین ہیں، جنھوں نے اللہ کی اطاعت سے سر کھینچ لیا ہے، کافر ہیں، وہ سرکش انسانوں کو چکنی چپڑی باتیں الہام کرتے ہیں، اور وہ سرکش انسان انبیاء کی مخالفت کے لئے کمر کس لیتے ہیں، پھر گرو: چیلوں کو پٹی پڑھاتے ہیں، اس طرح ایک دنیا مخالفت کے لئے کھڑی ہو جاتی ہے، انبیاء کے یہ دشمن چار باتیں چاہتے ہیں:

۱- وہ لوگوں کو فریب دیتے ہیں، اور انبیاء کی باتوں سے دور رکھتے ہیں۔

۲- وہ ان لوگوں کو جو آخرت کو نہیں مانتے اپنی چکنی چپڑی باتوں کی طرف مائل کرنا چاہتے ہیں۔

۳- وہ اپنی باتوں کو لوگوں کے لئے قابل قبول بنانا چاہتے ہیں، ان کے دلوں میں وہ باتیں بٹھانا چاہتے ہیں۔

۴- وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کی باتوں پر عمل پیرا ہوں، اور انبیاء کی باتوں کو نظر انداز کر دیں۔

پھر درمیان میں دو باتیں بیان کی ہیں:

۱- اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو مشرکین انبیاء کے ساتھ یہ حرکت نہ کرتے: یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا بیان ہے کہ مشرکین جو کچھ کر رہے ہیں یہ امہال (ڈھیل دینا) ہے، اللہ نے رسّی ڈھیلی چھوڑ رکھی ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ نے نظامِ عالم اس طرح بنایا ہے کہ بدی اور نیکی کی جنگ یہاں ہمیشہ جاری رہے، خیر وشر کی دونوں قوتیں برابر عمل میں لگی رہیں، فرشتے خیر کی قوت (ملکیت) کو مہمیز کرتے ہیں تو حزبِ مخالف انبیاء کی بات چلنے نہیں دیتا، اللہ نے ان کو آزادی دے رکھی ہے۔

۲- نبی ﷺ کو دلاسا دیا ہے کہ آپ دشمنوں کی فتنہ پردازی کا خیال نہ کریں، ان کو جو کچھ وہ کرتے ہیں کرنے دیں، ان سے قطع نظر کر کے اپنے کام میں لگے رہیں، اسلام کا بول بالا ہو کر رہے گا۔

﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ إِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۚ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ۞ وَلِتَصْغٰى إِلَيْهِ أَفْئِدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ۞ ﴾

ترجمہ: اور اس طرح ـــــ جس طرح مشرکینِ مکہ آپ کو پریشان کرتے ہیں ـــــ ہم نے ہر نبی کے لئے شیاطین الجن والانس کو دشمن بنایا ہے، ان کا ایک دوسرے کو ـــــ یعنی جنات: انسانوں کو اور گرو: چیلوں کو ـــــ چکنی چپڑی باتیں وحی کرتا ہے: (۱) دھوکہ دہی کے لئے ـــــ اور اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو وہ یہ حرکت نہ کرتے ـــــ یہ قانونِ امہال کا

بیان ہے) ___ پس آپ اُن کو اور ان کے افتراءات کو چھوڑیں ___ یہ نبی ﷺ کو دلاسا دیا ___ (۲) اور تا کہ ان باتوں کی طرف ان کے دل مائل ہوں جو آخرت کو نہیں مانتے (۳) اور تا کہ وہ ان باتوں کو پسند کریں (۴) اور وہ کمائیں جو کچھ وہ کمارہے ہیں۔

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۱۵﴾ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۱۷﴾

اَفَغَيْرَ	کیا پس سوائے	وَالَّذِيْنَ	اور جو لوگ	وَتَمَّتْ	اور پوری ہوئی
اللّٰهِ	اللہ کے	اٰتَيْنٰهُمُ	دی ہم نے ان کو	كَلِمَتُ	بات
اَبْتَغِيْ	چاہوں میں	الْكِتٰبَ	آسمانی کتابیں	رَبِّكَ	آپ کے رب کی
حَكَمًا (۱)	کسی فیصلہ کرنے والے کو؟	يَعْلَمُوْنَ	جانتے ہیں	صِدْقًا (۴)	بالکل سچی
وَّهُوَ	حالانکہ وہ	اَنَّهٗ	کہ وہ (قرآن)	وَّعَدْلًا	اور مبنی بر انصاف
الَّذِيْٓ	جنھوں نے	مُنَزَّلٌ	اتارا ہوا ہے	لَا مُبَدِّلَ	نہیں کوئی بدلنے والا
اَنْزَلَ	اتاری	مِّنْ رَّبِّكَ	آپ کے رب کی طرف سے	لِكَلِمٰتِهٖ	ان کی باتوں کو
اِلَيْكُمُ (۲)	آپ لوگوں کی طرف	بِالْحَقِّ	برحق	وَهُوَ السَّمِيْعُ	اور وہ خوب سننے والے
الْكِتٰبَ	آسمانی کتاب (قرآن)	فَلَا تَكُوْنَنَّ	پس ہرگز نہ ہوں آپ	الْعَلِيْمُ	خوب جاننے والے ہیں
مُفَصَّلًا (۳)	مفصل	مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ	شبہ کرنے والوں میں سے	وَاِنْ	اور اگر

(۱) حَكَم: منصف، فیصل، جج، (۲) إلیکم: مخاطب مشرکین ہیں (۳) مفصلاً: الکتاب کا حال ہے اور اسم مفعول ہے، مصدر تفصیل: واضح اور الگ الگ بیان کرنا (۴) صدقا وعدلاً: کلمة کے احوال ہیں۔

تُطِعۡ	پیروی کریں آپ	اللّٰہِ	اللہ کے	هُوَ اَعۡلَمُ	وہ خوب جانتا ہے
اَكۡثَرَ	اکثر کی	اِنۡ يَّتَّبِعُوۡنَ	نہیں پیروی کرتے وہ	مَنۡ يَّضِلُّ	اس کو جو بھٹک جاتا ہے
مَنۡ فِى الۡاَرۡضِ	جو زمین میں ہیں	اِلَّا الظَّنَّ	مگر گمان کی	عَنۡ سَبِيۡلِهٖ	اس کے راستے سے
يُضِلُّوۡكَ	(تو) وہ آپ کو گمراہ	وَاِنۡ هُمۡ	اور نہیں ہیں وہ	وَهُوَ	اور وہ
	کردیں گے	اِلَّا يَخۡرُصُوۡنَ	مگر اٹکل پچو چلاتے	اَعۡلَمُ	خوب جانتا ہے
عَنۡ سَبِيۡلِ	راستے سے	اِنَّ رَبَّكَ	بے شک آپ کا رب	بِالۡمُهۡتَدِيۡنَ	راہ پانے والوں کو

نبی کی صداقت پر دوسرے معجزات کیا مانگتے ہو، قرآنِ کریم ہی ان کا سب سے بڑا معجزہ ہے

مشرکین مکہ نبی ﷺ سے آپ کی صداقت کی دلیل کے طور پر قسم قسم کے معجزات طلب کرتے تھے، ان سے کہا جارہا ہے کہ دیگر معجزات کیا مانگتے ہو؟ آپ کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل قرآنِ کریم ہے، جو آپ پیش کررہے ہیں، جو آپ پر نازل ہوا ہے، اس کے اوصاف خود اللہ تعالیٰ بیان فرماتے ہیں، تصنیف را مصنف نکو کند بیاں: مصنف اپنی تصنیف کی حالت بہتر جانتا ہے۔

قرآنِ کریم کی چار خوبیاں:

① —— قرآنِ کریم تفصیل وار نازل کیا گیا ہے، اس نے دین کی تمام بنیادی باتیں پوری وضاحت سے بیان کی ہیں، اس میں کوئی ابہام یا گنجلک نہیں، لمبی آیتوں میں بھی چھوٹے چھوٹے فقرے ہیں، جن کی وجہ سے قرآن کا سمجھنا نہایت آسان ہے، اور اتنی بڑی کتاب کا ایک نہج پر ہونا اس کی ایک خوبی ہے جو دلیل ہے کہ یہ اللہ کی کتاب ہے، سورۃ النساء کی (آیت ۸۲) ہے: ﴿ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوۡنَ الۡقُرۡاٰنَ، وَلَوۡ كَانَ مِنۡ عِنۡدِ غَيۡرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوۡا فِيۡهِ اخۡتِلَافًا كَثِيۡرًا ﴾: کیا تو وہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے: اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کا کلام ہوتا تو وہ اس میں بکثرت تفاوت پاتے، اتنی بڑی کتاب کوئی انسان ایک نہج پر نہیں لکھ سکتا۔

② —— یہود و نصاریٰ جن کو آسمانی کتابیں: تورات و انجیل دی گئی ہیں: وہ ان بشارات کی بنیاد پر جو ان کی کتابوں میں ہیں: خوب جانتے ہیں کہ قرآنِ کریم واقعی پروردگار کی طرف سے نازل کی ہوئی کتاب ہے، والفضلُ ما شَهِدَتْ به الأعداء: غیر کی گواہی سب سے بڑی گواہی ہے، لہٰذا کوئی انسان، خواہ وہ امتِ دعوت کا فرد ہو یا امتِ اجابہ کا، قرآن کے منزل من اللہ ہونے میں ہرگز شک نہیں کرے!

۳ ـــــ قرآنِ کریم میں دو طرح کے مضامین ہیں:

ایک: گذشتہ، موجودہ اور آئندہ کی خبریں اور پیشین گوئیاں، جو نہایت سچی باتیں ہیں، باون تولہ پاؤ رتی ہیں، آج تک اس کی کسی بات پر کوئی انگلی نہیں رکھ سکا، نہ اس کی کوئی بات خلافِ واقعہ ثابت ہوئی، جبکہ یہ سب غیب کی باتیں ہیں، ان کو عالم الغیب ہی صحیح طور پر بیان کرسکتا ہے۔

دوسرے: قرآنِ کریم میں انسان کی عملی زندگی سے متعلق احکام ہیں، اور سب مبنی بر انصاف ہیں، تمام احکام میں پوری رعایت ہے کہ کوئی حکم عدل وانصاف کی راہ سے ہٹا ہوا نہ ہو، وضعی (پارلیمنٹری) قوانین میں لوگ اس کا لحاظ رکھتے ہیں، مگر کامیاب نہیں ہوتے، ایک قانون بناتے ہیں، بعد میں ظاہر ہوتا ہے کہ قانون ٹھیک نہیں، چنانچہ وہ اس میں تبدیلی کرتے ہیں، جبکہ انھوں نے وہ قانون ایک ملک کے لوگوں کے لئے بنایا ہے، اور قرآنِ کریم نے تمام انسانیت اور سارے عالم کے لئے احکامات نازل کئے ہیں، اور ان میں عدل وانصاف کی رعایت رکھی ہے، اور آج تک اس کا کوئی حکم انصاف کی راہ سے ہٹا ہوا ثابت نہیں ہوا، نہ کسی حکم میں تبدیلی کی ضرورت پیش آئی، یہ بات دلیل ہے کہ قرآن خالقِ کائنات کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے۔

۴ ـــــ قرآنِ کریم اللہ کا کلام ہے، اس میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں، اور اللہ تعالیٰ نے خود اس کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے، اور قیامت تک باقی رہنے والی کتاب ہے، اب کوئی دوسری کتاب اس کو منسوخ نہیں کرے گی، اور یہ بات بھی از قبیلِ غیب ہے، اور آج تک کوئی اس کے ایک حرف کو نہیں بدل سکا، نہ اس کے مانند کوئی چھوٹا سا ٹکڑا بنا سکا، نہ کوئی ناسخ کتاب آئی، یہ بھی دلیل ہے کہ یہ اللہ کی کتاب ہے اور آپؐ کی صداقت کی بڑی دلیل ہے۔

اور قرآنِ کریم کے یہ اوصاف (خوبیاں) اللہ تعالیٰ سمیع وعلیم بیان فرمارہے ہیں، جو معترضین کی باتیں خوب سن رہے ہیں، اور حقیقتِ حال سے خوب واقف ہیں، یہ کتاب آپؐ کا سب سے بڑا معجزہ ہے، اس کتاب کو منصف (جج) بناؤ، اور ایمان لاؤ، دوسرے معجزات کیا طلب کرتے ہو؟!

﴿ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ۭ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۭ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ ﴾

ترجمہ: پس کیا میں اللہ کے علاوہ کو فیصلہ کرنے والا چاہوں، جبکہ انھوں نے ہی تمہاری طرف تفصیل وار قرآن نازل کیا ہے؟ ـــــ اس میں قرآن کی پہلی خوبی کا ذکر ہے ـــــ (دوسری خوبی:) اور جن لوگوں کو ہم نے آسمانی کتابیں دی ہیں وہ جانتے ہیں کہ قرآن آپؐ کے پروردگار کی طرف سے برحق نازل کیا ہوا ہے ـــــ لہٰذا آپ ـــــ مراد امت

دعوت اور امت اجابت کا ہر ہر فرد ہے ــــ شک کرنے والوں میں سے ہرگز نہ ہوں!

(تیسری خوبی:) اور آپؐ کے پروردگار کی بات بالکل سچی اور مبنی بر انصاف کامل ہوئی (چوتھی خوبی:) ان کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں ــــ اور وہ خوب سننے والے، ہر بات جاننے والے ہیں۔

اکثریت کی بات اٹکل پچو بے دلیل ہے، اس لئے پا در ہوا ہے (۱)

سوال: کوئی کہہ سکتا ہے کہ لوگوں کی اکثریت (دو تہائی) قرآن کو اللہ کا کلام نہیں مانتی، وہ اس کو محمد (ﷺ) کی تصنیف بتاتے ہیں، پھر ہم قرآن کو اللہ کا کلام کیسے مانیں؟ زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو!

جواب: اکثریت کی یہ بات بے دلیل اٹکل پچو ہے، اس لئے اس کا کوئی اعتبار نہیں، اور قرآنِ کریم نے گذشتہ آیات میں اپنی بات مدلل پیش کی ہے، لہٰذا اس کا اعتبار کرو۔

اور مشاہدہ یہ ہے اور تاریخ یہ بتلاتی ہے کہ اکثریت ان لوگوں کی ہوتی ہے جو محض خیالی، بے اصولی اور اٹکل پچو باتیں کرتے ہیں اور مانتے ہیں پس جو اکثریت کی بات لے گا وہ یقیناً سیدھی راہ سے بھٹک جائے گا، یہ نبی ﷺ پر رکھ کر دوسروں کو سنایا ہے، اور یہ بات اللہ تعالیٰ بیان کر رہے ہیں جو خوب جانتے ہیں کہ راہِ راست سے بچلنے والا کون ہے اور راہِ راست پر کون ہے؟

فائدہ: انسانوں کا عام مزاج یہ ہے کہ جس عقیدہ کی طرف لوگوں کی بھیڑ دیکھتے ہیں اس کو قبول کر لیتے ہیں، چاہے اس کی دلیل ہو یا نہ ہو، حالانکہ اہمیت اس بات کی ہے کہ اس کے پیچھے عقلی یا نقلی دلیل ہو، اگر بلا دلیل محض اندازے اور اٹکل سے کوئی بات کہی گئی ہو تو اس کی طرف توجہ نہ دی جائے، اس کا کوئی اعتبار نہیں، اگرچہ اس کے ماننے والے اور کہنے والے زیادہ ہوں، جیسے آج کل الیکشن میں سر گنے جاتے ہیں، بھیجا نہیں دیکھا جاتا، یہ نامعقول بات معقول بن گئی ہے۔ آیت کے شروع میں اس بات کی طرف اشارہ ہے۔

﴿ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ۝ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور اگر آپ زمین میں بسنے والوں کی اکثریت کی بات مانیں گے تو وہ آپ کو اللہ کے راستہ سے بھٹکا دیں گے وہ لوگ (اکثریت) صرف گمان کی پیروی کرتے ہیں، اور وہ صرف اٹکل اڑاتے ہیں، بے شک آپ کے پروردگار خوب جانتے ہیں اس کو جو اس کے راستہ سے بچلا، اور وہ خوب جانتے ہیں راہ پانے والوں کو ــــ یعنی اکثریت کی بات صحیح

(۱) پا در ہوا: پاؤں ہوا میں یعنی برباد: ہوا پر یعنی بے اعتبار۔

نہیں، مسلمان جو راہ اپنائے ہوئے ہیں وہی صحیح راستہ ہے۔

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿١١٨﴾ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿١١٩﴾ وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿١٢٠﴾ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿١٢١﴾

فَكُلُوْا	پس کھاؤ تم	اسْمُ اللّٰهِ	اللہ کا نام	اِنَّ رَبَّكَ	بے شک آپ کے رب		
مِمَّا	اس میں سے جو	عَلَيْهِ	اس پر	هُوَ اَعْلَمُ	وہ خوب جانتے ہیں		
ذُكِرَ	لیا گیا	وَقَدْ فَصَّلَ	درانحالیکہ واضح کردیا ہے	بِالْمُعْتَدِيْنَ	حد سے بڑھنے والوں کو		
اسْمُ اللّٰهِ	اللہ کا نام	لَكُمْ	تمہارے لئے	وَذَرُوْا	اور چھوڑ دو تم		
عَلَيْهِ	اس پر	مَّا حَرَّمَ	جو حرام اس نے	ظَاهِرَ الْاِثْمِ	کھلا ہوا گناہ		
اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم	عَلَيْكُمْ	تم پر	وَبَاطِنَهٗ	اور چھپا ہوا گناہ		
بِاٰيٰتِهٖ	اللہ کی باتوں کو	اِلَّا	مگر	اِنَّ الَّذِيْنَ	بے شک جو لوگ		
مُؤْمِنِيْنَ	ماننے والے	مَا اضْطُرِرْتُمْ	جو مجبور کئے گئے تم	يَكْسِبُوْنَ	کماتے ہیں		
وَمَا لَكُمْ	اور تمہیں کیا ہوا	اِلَيْهِ	اس کی طرف	الْاِثْمَ	گناہ		
اَلَّا (1)	کہ نہیں	وَاِنَّ كَثِيْرًا	بیشک بہت سے لوگ	سَيُجْزَوْنَ	عنقریب بدلہ دیئے		
تَاْكُلُوْا	کھاتے تم	لَيُضِلُّوْنَ	البتہ گمراہ کرتے ہیں		جائیں گے		
مِمَّا	اس میں سے جو	بِاَهْوَآئِهِمْ	اپنی خواہشات سے	بِمَا	ان کاموں کا		
ذُكِرَ	لیا گیا	بِغَيْرِ عِلْمٍ	علم کے بغیر	كَانُوْا	جو		

(۱) اَلَّا: اصل میں اَن لا تھا، نون کا لام میں ادغام ہوا ہے۔

یَقْتَرِفُوْنَ [1]	وہ کماتے تھے	وَاِنَّهٗ	اور بے شک وہ	لِيُجَادِلُوْكُمْ	تاکہ جھگڑیں وہ تم سے
وَلَا تَاْكُلُوْا	اور مت کھاؤ	لَفِسْقٌ	البتہ گناہ ہے	وَاِنْ	اور اگر
مِمَّا	اس میں سے جو	وَاِنَّ	اور بے شک	اَطَعْتُمُوْهُمْ	کہا مانا تم نے ان کا
لَمْ يُذْكَرِ	نہیں لیا گیا	الشَّيٰطِيْنَ	شیاطین	اِنَّكُمْ	بے شک تم
اسْمُ اللّٰهِ	اللہ کا نام	لَيُوْحُوْنَ	البتہ وحی کرتے ہیں	لَمُشْرِكُوْنَ	البتہ شرک کرنے
عَلَيْهِ	اس پر	اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـِٕهِمْ	اپنے دوستوں کو		والے ہو

مشرکین نے ایک اٹکل اڑائی کہ اپنا مارا کھاتے ہو اور اللہ کا مارا نہیں کھاتے!

ابھی فرمایا تھا کہ مشرکین صرف اٹکل اڑاتے ہیں، ان کی بات علم وبصیرت پر مبنی نہیں، ان آیات میں اس کی ایک مثال ہے کہ مشرکین کا اعتراض اٹکل پچو کا تیر ہے۔

آیات کا پس منظر: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بعض مشرکین نے نبی ﷺ سے بحث کی کہ آپ لوگ (مسلمان) اپنے ذبح کئے ہوئے جانور کو تو کھاتے ہو، اور اسے حلال کہتے ہو، اور مردار کو جسے اللہ نے مارا ہے حرام قرار دیتے ہو، یہ عجیب بات ہے۔ ان آیات میں اس کا جواب ہے کہ یہ علم وآگہی کے بغیر مسلمانوں کو تشویش میں مبتلا کرنے کی کوشش ہے!

ایک قیمتی بات جو حضرت تھانوی قدس سرہ نے بیان فرمائی ہے:

اصولِ دین کے اثبات کے لئے تو دلائلِ عقلیہ درکار ہیں، اور اصول کے ثابت ہوجانے کے بعد اعمال وفروع کے لئے صرف دلائلِ نقلیہ کافی ہیں، عقلی دلائل کی ضرورت نہیں، بلکہ بعض اوقات عقلی دلائل مضر پڑتے ہیں، شبہات کے دروازے کھلتے ہیں، اس لئے کہ فروع میں دلیل عقلی کی کوئی صورت نہیں، البتہ اگر کوئی طالبِ حق شفائے قلب چاہے تو اس کے سامنے اقناعی اور خطابی دلائل تبرعاً پیش کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں، اور جہاں یہ بات نہ ہو، محض مجادلہ ہو تو اپنے کام میں لگنا چاہئے، اور معترض کی طرف التفات نہ کرنا چاہئے (بیان القرآن)

قارئین کی تشفی کے لئے ذبیحہ کے حلال اور مردار کے حرام ہونے کی وجوہ:

خاص وجہ: سورۃ الحج (آیت ۳۴) میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر امت کے لئے قربانی تجویز کی ہے، پھر قربانی کی دو

---

(۱) الاقتراف: کمانا (دیکھیں آیت ۱۱۳ کا حاشیہ)

قسمیں ہیں:

۱-خاص قربانی جو قربانی کے دنوں میں کی جاتی ہے، ذی الحجہ کے تین دنوں میں کی جاتی ہے۔

۲-عام قربانی: یعنی روزمرہ کی قربانی، یہ وہ ذبیحہ ہے جو کھانے کے لئے ذبح کیا جاتا ہے، دونوں کا مقصد: اللہ کا ذکر ہے، ہر دن لاکھوں جانور اللہ کا نام لے کر کھانے کے لئے ذبح کئے جاتے ہیں، یہی عام قربانی ہے۔

اور قربانی کا عمل ظاہر ہے کہ زندہ جانور کے ساتھ قائم ہوتا ہے، مردار کے ساتھ قائم نہیں ہوسکتا، اور کھانے کے لئے جانور ذبح کرنے کا اور قربانی کے لئے جانور ذبح کرنے کا معاملہ یکساں ہے، اس لئے ذبیحہ پر بھی تسمیہ ضروری ہے جس طرح قربانی پر ضروری ہے، اور تسمیہ کا عمل زندہ ہی کے ساتھ قائم ہوسکتا ہے، مردار کے ساتھ قائم نہیں ہوسکتا، اس لئے مردار حرام ہے۔

عام وجہ: ذبح کا مقصد یہ ہے کہ جسم میں پایا جانے والا بہتا ہوا خون جو ناپاک بھی ہے اور صحت کے لئے مضر بھی، باہر نکل جائے اور بہہ جائے، اگر جانور کو ذبح نہیں کیا جائے گا، اور وہ اپنی موت مرے گا تو وہ خون پانی بن کر گوشت میں جذب ہوجائے گا، اور وہ گوشت نقصان دہ ہوگا، اس لئے مردار حرام ہے، چنانچہ جن جانوروں میں دم مسفوح نہیں ہوتا، جیسے مچھلی اس لئے مردہ مچھلی حلال ہے، اسی طرح ٹڈی میں بھی ذبح شرط نہیں، باقی مارتے سب کو اللہ ہی ہیں، مگر مشرکین حکم شریعت کی مصلحت جانے بغیر اعتراض جڑ دیتے ہیں۔

﴿ فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ۝ ﴾

مثبت پہلو سے حکم: —— پس کھاؤ تم اس (جانور) میں سے جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے، اگر تم اللہ کی باتوں کو ماننے والے ہو!

مسئلہ: ''اس میں سے'' عام ہے، اس لئے ہر کھانے اور پینے پر بسم اللہ پڑھنا سنت ہے۔

﴿ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَاۗىِٕهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ۝ ﴾

اور تمہیں کیا ہوا کہ نہیں کھاتے اس (جانور) میں سے جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے؟

فائدہ: یہ پہلی ہی بات ہے، اسلوب بدل کر تمہید لوٹائی ہے تاکہ اس پر دوسری بات متفرع کی جائے، اور یہ قرآنِ کریم کا خاص اسلوب ہے جب وہ کسی بات پر چند باتیں متفرع کرتا ہے تو تمہید لوٹاتا ہے، پہلے: ﴿اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ﴾ کو متفرع کیا تھا، اب نہج بدل کر تمہید لوٹائی ہے اور اگلی بات متفرع کی جارہی ہے۔

درانحالیکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے واضح کردیا ہے ان (جانوروں) کو جو اس نے تم پر حرام کئے ہیں، مگر جن کے

کھانے کے لئے تم مجبور ہو جاؤ ــــ یعنی مردار حالتِ اضطرار میں جان بچانے کے بقدر حلال ہے اور یہ سورۃ المائدہ (آیت ۳) کی طرف اشارہ ہے۔

اور بے شک بہت سے لوگ ــــ یعنی مشرکینِ مکہ ــــ بالیقین گمراہ کرتے ہیں اپنی خواہشات سے علم وآگہی کے بغیر، بے شک آپؐ کے پروردگار حد سے بڑھنے والوں کو خوب جانتے ہیں ــــ یہ ذبیحہ اور مردار میں فرق بیان کئے بغیر مشرکین پر رد ہے، اس لئے کہ یہ فرعی مسئلہ ہے، اصولی مسئلہ نہیں۔

﴿ وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ۝ ﴾

مردار کا کھانا اور اس کی حرمت میں مذبذب ہونا جائز نہیں: ــــ اور چھوڑو ظاہری گناہ ــــ یعنی مردار کو مت کھاؤ، یہ کھلا ہوا گناہ ہے ــــ اور باطنی گناہ ــــ یعنی اس کی حرمت میں شک مت کرو، یہ دل کا گناہ ہے ــــ بے شک جو لوگ گناہ کماتے ہیں ــــ یعنی مردار کھاتے ہیں یا اس کی حرمت میں شک کرتے ہیں ــــ وہ عنقریب بدلہ دیئے جائیں گے ان کاموں کا جو وہ کیا کرتے تھے!

﴿ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ ﴾

تاکید کے لئے منفی پہلو سے حکم: ــــ اور مت کھاؤ ان (جانوروں) میں سے جن پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا ــــ اور بیشک وہ (مردار کا کھانا) یقیناً بڑا گناہ ہے! ــــ مردار کھانا حرام ہے، اس لئے مجبوری کے بغیر اس کا کھانا کبیرہ گناہ ہے۔

﴿ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ ﴾

مشرکین پر پھر ردّ: ــــ اور شیاطین ــــ یعنی سرکش جنات ــــ اپنے دوستوں کو ــــ یعنی مشرکین مکہ کو ــــ خفیہ اشارے کرتے ہیں ــــ یعنی وسوسہ اندازی کرتے ہیں ــــ تاکہ وہ تم سے حجت بازی کریں۔

﴿ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ۝ ﴾

اور اگر تم نے ان کا کہنا مانا ــــ اور مردار کھایا اور اس کو حلال جانا ــــ تو بالیقین تم مشرکوں میں شمار ہوؤ گے! ــــ کیونکہ شرک فقط یہی نہیں کہ کسی کو سوائے خدا کے پوجے، بلکہ شرک کے حکم میں یہ بھی ہے کہ کسی چیز کی تحریم وتحلیل میں مستند شرعی کو چھوڑ کر محض آرا و اہوا کا تابع ہو جائے (فوائد)

فائدہ: اگر جانور غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے تو وہ بالاجماع حرام ہے، اور اگر ذبح کرتے وقت ہڑبڑا گیا اور اللہ کا نام لینا بھول گیا تو امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک حرام ہے، باقی تین ائمہ کے نزدیک حلال ہے اور بھول معاف ہے۔ اور اگر بالقصد نام نہ لیا تو امام اعظم اور امام احمد رحمہما اللہ کے نزدیک حرام ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک حلال ہے، ان

کے نزدیک فسق (بڑا گناہ) غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا ہے، مگر یہ بات منفی حکم: ﴿ وَلَا تَأْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ ﴾ کے خلاف ہے، اگر اس کو بھی حلال قرار دیں گے تو آیت کا کوئی مصداق باقی نہیں رہے گا، اس لئے حنفیہ اور حنابلہ کا نقطۂ نظر ہی قرآنِ کریم سے ہم آہنگ ہے۔

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

اَوَمَنْ	کیا اور جو شخص	فِي النَّاسِ	لوگوں میں	مِّنْهَا	ان (تاریکیوں) سے
كَانَ مَيْتًا	مردہ تھا	كَمَنْ	برابر ہے اس کے جو	كَذٰلِكَ	اس طرح
فَاَحْيَيْنٰهُ	پس ہم نے اس کو زندہ کیا	مَّثَلُهٗ	اس کا حال	زُيِّنَ	بھلا بنایا گیا
وَجَعَلْنَا	اور ہم نے بنایا	فِي الظُّلُمٰتِ	وہ تاریکیوں میں (گھرا ہوا) ہے	لِلْكٰفِرِيْنَ	کافروں کے لئے
لَهٗ نُوْرًا	اس کے لئے نور			مَا كَانُوْا	جو تھے وہ
يَّمْشِيْ بِهٖ	چلتا ہے وہ اس کے ساتھ	لَيْسَ بِخَارِجٍ	نہیں نکلنے والا	يَعْمَلُوْنَ	کرتے

مردہ دل کافر پر جنت حرام ہے اور زندہ دل مؤمن کے لئے جنت حلال ہے

مردار کی حرمت اور مذبوح کی حلت کی نظیر پیش کرتے ہیں۔ کافر و مشرک مردہ دل ہیں، وہ کفر کی تاریکیوں میں سرگرداں ہیں، وہ اگر موت تک اس سے نہ نکلیں تو جنت ان پر حرام ہے، دوسرا شخص بھی مردہ تھا، پہلے مشرک تھا، مگر اللہ نے اس کو زندہ کیا، ایمان کی توفیق بخشی، اور اس کے لئے اللہ نے نورِ ایمان گردانا، اب وہ اس کے ساتھ لوگوں میں چلتا ہے، اور لوگوں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ بھی کفر کی تاریکیوں سے نکل آئیں: کیا ان دونوں کا انجام یکساں ہوگا؟ ہرگز نہیں! اس دوسرے پر دوزخ حرام ہے، جنت اس کے لئے حلال ہے، اور پہلے پر جنت حرام ہے، وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا، یہی حال مردار اور ذبیحہ کا ہے، اول قطعی حرام ہے اور دوسرا قطعی حلال!

سوال: منکرین اسلام یہ موٹی بات کیوں نہیں سمجھتے؟ اور اسلام قبول کیوں نہیں کرتے؟

جواب: ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال مزین کئے ہیں، ان کو اپنا دھرم ہی حق معلوم ہوتا ہے، اس لئے وہ کفر کی تاریکیوں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہیں، ان کی آنکھ ہی نہیں کھلتی!

آیتِ پاک: اور کیا جو شخص مردہ تھا ــــــ یعنی پہلے کافر تھا ــــــ پس ہم نے اس کو زندہ کیا ــــــ یعنی اس نے

اسلام قبول کیا ـــــ اور ہم نے اس کے لئے ایک روشنی گردانی ـــــ یعنی نور ایمان سے اس کو سرفراز کیا ـــــ جس کو لے کر وہ لوگوں میں چلتا ہے ـــــ یعنی لوگوں کو بھی دعوت دیتا ہے کہ وہ اسلام کو قبول کریں ـــــ (کیا یہ شخص) اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جس کی حالت یہ ہو کہ وہ تاریکیوں میں (گھرا ہوا) ہے جس سے وہ نکلنے والا ہی نہیں؟ ـــــ
(فِی الظُّلُمٰتِ :ھو مبتدا محذوف کی خبر ہے، پھر پورا جملہ مَّثَلُهٗ: کی خبر ہے)

(سوال کا جواب:) ـــــ اس طرح بھلا کر دکھایا گیا ہے منکرین اسلام کے لئے جو کچھ وہ کیا کرتے تھے ـــــ یعنی پہلے سے ان کا جو دھرم تھا، وہی ان کو صحیح معلوم ہوتا ہے۔

فائدہ: اس آیت میں مردہ سے مراد کفر کی حالت ہے اور زندہ کرنے سے مراد ایمان کی توفیق عطا فرمانا ہے، جیسے مردہ چیزوں کی حقیقتوں کے ادراک سے محروم ہوتا ہے اور زندہ شخص تمام چیزوں کو دیکھ بھی سکتا ہے اور سمجھ بھی سکتا ہے، اسی طرح جو ایمان سے محروم ہے، وہ غیبی حقیقتوں یعنی اپنے خالق کے وجود، آخرت اور جنت و دوزخ کے سمجھنے سے قاصر ہے اور مسلمان ان حقیقتوں کو سمجھتا بھی ہے اور اس پر یقین بھی رکھتا ہے، اسی طرح ایمان کو روشنی اور کفر کو تاریکی سے تعبیر کیا گیا ہے، روشنی میں چیزیں ویسی ہی نظر آتی ہیں، جیسی وہ ہیں، اور تاریکی میں یا تو چیزیں نظر نہیں آتیں یا پوری طرح درست اور صحیح نظر نہیں آتیں، ایمان کے ذریعہ انسان حقیقت اور سچائی سے واقف ہوتا ہے اور کفر میں خلافِ حقیقت باتوں کو حقیقت سمجھنے لگتا ہے؛ اس لئے ایمان کے لئے روشنی اور کفر کے لئے تاریکی سے بہتر کوئی تعبیر نہیں ہوسکتی تھی ـــــ پھر نور یعنی روشنی عربی گرامر کے لحاظ سے "واحد" یعنی (Singular) ہے اور کفر کے لئے "ظلمات" یعنی "تاریکیاں" جمع (Plural) کا صیغہ ہے، اس لئے کہ ہدایت کا راستہ تو ایک ہی ہے اور گمراہی کے راستے اور کفر کی قسمیں بہت سی ہیں، خدا کا انکار بھی کفر ہے، اس کے ساتھ شرک بھی کفر ہے، انبیاء پر ایمان نہ رکھنا بھی کفر ہے، کسی نبی کو ماننا اور کسی کو نہ ماننا بھی کفر ہے، کوئی شخص انبیاء پر ایمان رکھے مگر رسول اللہ ﷺ کو آخری نبی نہ مانے اور آپ کے بعد اپنی یا کسی اور کی نبوت کا مدعی ہو، یہ بھی کفر ہے، نبوتِ محمدی پر ایمان رکھتا ہو، لیکن شریعت محمدی کی اتباع کو ضروری نہ سمجھتا ہو، یہ بھی کفر ہے، غرض کہ کفر اور گمراہی کی بہت سی صورتیں ہیں اور ہدایت کا ایک ہی راستہ متعین ہے۔ (آسان تفسیر از مولانا خالد سیف اللہ صاحب)

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ۭ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ وَاِذَا جَاۗءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ۘ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ۭ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا

صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ۝

وَكَذٰلِكَ	اور اسی طرح	وَاِذَا جَآءَتْهُمْ	اور جب پہنچتی ہے ان کو	اَعْلَمُ	خوب جانتے ہیں
جَعَلْنَا	بنایا ہم نے	اٰيَةٌ	کوئی آیت	حَيْثُ يَجْعَلُ	جس جگہ رکھتے ہیں وہ
فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ	ہر بستی میں	قَالُوْا	تو وہ کہتے ہیں	رِسَالَتَهٗ	اپنا پیغام
اَكٰبِرَ(۱)	سردار	لَنْ نُّؤْمِنَ	ہم ہرگز نہیں مانیں گے	سَيُصِيْبُ	عنقریب پہنچے گی
مُجْرِمِيْهَا(۲)	اس کے گنہ گاروں کو	حَتّٰى	یہاں تک کہ	الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا	ان کو جنھوں نے گناہ کیا
لِيَمْكُرُوْا(۳)	تاکہ حیلہ سازی کریں وہ	نُؤْتٰى	دیئے جائیں ہم	صَغَارٌ	ذلت
فِيْهَا	اس میں	مِثْلَ مَا	مانند اس کے جو	عِنْدَ اللّٰهِ	اللہ کے پاس
وَمَا يَمْكُرُوْنَ	اور نہیں حیلہ سازی کرتے وہ	اُوْتِيَ	دیئے گئے	وَعَذَابٌ شَدِيْدٌ	اور سخت سزا
اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ	مگر اپنی ذاتوں کے ساتھ	رُسُلُ اللّٰهِ	اللہ کے رسول	بِمَا	اس وجہ سے کہ
وَمَا يَشْعُرُوْنَ	درانحالیکہ نہیں سمجھتے وہ	اَللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ	وہ مکاریاں کرتے تھے

بدکار بڑے حیلہ سازیوں کے ذریعہ عوام کو راہ حق سے روکتے ہیں

مردہ دل قریش کے سردار کفر وضلالت میں پیر پسارے ہوئے تھے، اور مختلف تدبیروں سے اپنے عوام کو راہ حق سے روکتے تھے، فرماتے ہیں: یہ بات آج نئی نہیں، ہمیشہ کافروں کے سردار ایسی حیلہ سازیاں کرتے رہے ہیں، تاکہ عوام الناس انبیاء کے مطیع نہ ہوجائیں، فرعون طرح طرح کے حیلوں سے اپنی قوم کو موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے سے روکتا تھا، عام طور پر یہ سردار بدکار ہوتے ہیں، ان کی مکاریوں کا نقصان خود انہی کو پہنچے گا، وہ اپنے پیروں پر تیشہ زنی کرتے ہیں، مگر سمجھتے نہیں، انبیاء کا دین تو پھیل کر رہتا ہے۔

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا، وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: اور اسی طرح ـــــ یعنی رؤسائے مکہ کی طرح ـــــ ہم نے ہر بستی میں اس کے بدکاروں کو سردار بنایا، تاکہ

(۱) اَکابر: اکبر کی جمع: سردار، بڑے لوگ یہ جعل کا مفعول ثانی مقدم ہے (۲) مجرمی: مضاف ہے، اضافت کی وجہ سے نون گرا ہے، یہ جعل کا مفعول اول مؤخر ہے اور تقدیم وتاخیر میں اشارہ ہے کہ عام طور پر بدکار لوگ ہی بستی کے بڑے ہوتے ہیں (۳) مکر: خفیہ تدبیر، جس کو عوام نہ سمجھ سکیں۔

وہ اس میں حیلہ سازی کریں ـــــ اور لوگوں کو راہ حق سے روکیں ـــــ اور وہ اپنی ذاتوں ہی کے ساتھ مکاری کرتے ہیں، اور سمجھتے نہیں ہیں!

متکبر سرداروں کی حیلہ سازی کی ایک مثال

ابوجہل اور ولید بن مغیرہ وغیرہ کہنے لگے کہ مال و دولت، عمر اور تجربہ میں ہم آپ سے بڑھے ہوئے ہیں، اس لئے جب تک ہمیں نبوت نہ دی جائے اور جبرئیل ہمارے پاس وحی لے کر نہ آئیں ہم قرآن پر ایمان نہیں لائیں گے، اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب ارشاد فرمایا، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دولت، طاقت، عمر وغیرہ ایسی باتیں نہیں کہ اس کی وجہ سے کوئی نبی بنادیا جائے، نبوت محنت اور اکتساب سے حاصل نہیں ہوسکتی، بلکہ یہ خالصتاً اللہ تعالیٰ کے انتخاب پر موقوف ہے، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی قلبی کیفیت اور روحانی استعداد کی بنا پر جسے چاہتے ہیں، اپنی نبوت کے لئے منتخب فرماتے ہیں، چنانچہ حدیث میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو بنایا تو ان کے قلوب میں جھانک کر دیکھا، ان میں جن کے قلوب سب سے زیادہ روشن تھے، انہیں اپنی نبوت کے لئے منتخب فرمایا (تفسیر بغوی ۶۲:۲) غرض کہ اللہ تعالیٰ اس بات سے خوب واقف ہیں کہ کسے نبی بنانا چاہئے؟ (آسان تفسیر از مولانا خالد سیف اللہ صاحب)

پھر آخر آیت میں ان متکبر سرداروں کے سامنے ان کا انجام رکھا ہے کہ ایسے گستاخ، متکبر، حیلہ جو مکاروں کو آگاہ رہنا چاہئے کہ عنقریب اس معزز منصب کی طلب کا جواب ان کو سخت ذلت اور عذاب شدید کی صورت میں دیا جائے گا (فوائد)

﴿وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ۘؔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ۭ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: اور جب ان کو کوئی نشانی پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں: ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے، یہاں تک کہ ہم دیئے جائیں اس جیسا جو دیئے گئے ہیں اللہ کے رسول ـــــ یعنی ہمیں بھی نبوت سے سرفراز کیا جائے ـــــ اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں جہاں وہ اپنا پیغام رکھتے ہیں! ـــــ عنقریب اللہ کے یہاں وہ لوگ رسوا ہونگے جنھوں نے گناہ کیا ـــــ یعنی حیلہ بازیوں سے عوام کو راہِ حق سے روکا ـــــ اور ان کو سخت سزا ملے گی ان حیلہ بازیوں کی وجہ سے جو وہ کیا کرتے تھے!

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ۭ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ۭ قَدْ فَصَّلْنَا

الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

فَمَنْ	پس جو شخص	حَرَجًا (۲)	نہایت تنگ	مُسْتَقِيْمًا	سیدھا
يُّرِدِ	چاہتے ہیں	كَاَنَّمَا	گویا	قَدْ فَصَّلْنَا	تحقیق واضح کردی ہم نے
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	يَصَّعَّدُ (۳)	وہ بہ مشقت چڑھتا ہے	الْاٰيٰتِ	دینی باتیں
اَنْ يَّهْدِيَهٗ (۱)	کہ راہ دکھائیں اس کو	فِي السَّمَآءِ (۴)	اونچائی پر	لِقَوْمٍ	ان لوگوں کے لئے
يَشْرَحْ	کھول دیتے ہیں	كَذٰلِكَ	اسی طرح	يَّذَّكَّرُوْنَ	جو نصیحت قبول کرتے ہیں
صَدْرَهٗ	اس کے سینہ کو	يَجْعَلُ	کرتے ہیں	لَهُمْ	ان کے لئے
لِلْاِسْلَامِ	اسلام کے لئے	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	دَارُ	گھر ہے
وَمَنْ	اور جو شخص	الرِّجْسَ	گندگی	السَّلٰمِ	سکھ چین کا
يُّرِدْ	چاہتے ہیں	عَلَى الَّذِيْنَ	ان لوگوں پر جو	عِنْدَ رَبِّهِمْ	ان کے پروردگار کے پاس
اَنْ يُّضِلَّهٗ	کہ گمراہ کریں اس کو	لَا يُؤْمِنُوْنَ	ایمان نہیں لاتے	وَهُوَ	اور وہ
يَجْعَلْ	کردیتے ہیں	وَهٰذَا	اور یہ	وَلِيُّهُمْ	ان کے کارساز ہیں
صَدْرَهٗ	اس کے سینہ کو	صِرَاطُ	راستہ ہے	بِمَا	ان کاموں کی وجہ سے جو
ضَيِّقًا	تنگ	رَبِّكَ	آپ کے پروردگار کا	كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ	وہ کیا کرتے تھے

ایمان اللہ تعالیٰ دیتے ہیں، اگر وہ نہ دیں تو متکبر سردار کیوں کر ایمان لائیں؟

فرمایا تھا کہ متکبر سردار مکاریاں کرتے ہیں، خود بھی ایمان نہیں لاتے اور عوام کو بھی حیلہ سازیاں کرکے ایمان سے روکتے ہیں، اب فرماتے ہیں کہ ایمان اللہ تعالیٰ دیتے ہیں، اگر وہ نہ دیں تو تابع اور متبوع کیوں کر ایمان لائیں؟

اور اللہ تعالیٰ ایمان اس کو دیتے ہیں جس کی عقل اس کی طرف چلتی ہے، اس کے سینہ کو قبولِ اسلام کے لئے کشادہ کردیتے ہیں، اور جو اپنی بات پر اڑا رہتا ہے وہ حیلہ نکال لیتا ہے، زلزلہ آتا ہے یا سنامی طوفان آتا ہے تو کہتا ہے: "زمین کی

(۱) اَن: مصدریہ فعل کو بہ تاویلِ مصدر کرے گا (۲) حرجًا: ضیقا کے معنی میں اضافہ کرتا ہے، اس کے معنی بھی ہیں: تنگی، مضائقہ، (۳) یَصَّعَّد: اصل میں یَتَصَعَّد تھا، تَصَعُّد (تفعل): بہ مشقت چڑھنا (۴) کل ما علاك فهو سماء: ہر بلندی کو سماء کہتے ہیں۔

پلیٹیں ہل گئیں!'' اس کو اللہ کی تنبیہ نہیں قرار دیتا۔

اس شخص کا حال ایسا سمجھو کہ ایک پچاس منزلہ بلڈنگ ہے، ایک شخص اس کی آخری منزل پر رہتا ہے، بجلی فیل ہوگئی، لفٹ بند ہوگئی، وہ سیڑھی سے چڑھتا ہے، اپنی منزل تک پہنچتے پہنچتے اس کا برا حال ہوجاتا ہے، اسی طرح گہرائی میں اترتے ہوئے بھی گھٹن محسوس ہوتی ہے۔

یوں اللہ تعالیٰ شرک وکفر کی گندگی ان لوگوں پر ڈالتے ہیں جو ایمان لانے کا ارادہ نہیں رکھتے، ایسے لوگوں پر اللہ کی کوئی نشانی اثر انداز نہیں ہوتی، اور ان کو ایمان لاتے ہوئے موت آتی ہے!

﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ۭ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴾

ترجمہ: پس جس کو اللہ تعالیٰ راہِ راست دکھانا چاہتے ہیں، اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتے ہیں، اور جس کو وہ گمراہ کرنا چاہتے ہیں: اس کا سینہ تنگ بلکہ نہایت تنگ کر دیتے ہیں، گویا وہ بہ مشقت بلندی پر چڑھ رہا ہے، یوں اللہ تعالیٰ گندگی ڈالتے ہیں ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے۔

اللہ تعالیٰ نے راہِ حق کے نشانات واضح کر دیئے ہیں

اب ایک آیت میں سرداروں کو چھوڑ کر عوام سے خطاب ہے کہ سرداروں پر تو اللہ نے 'گندگی' ڈالی ہے، وہ تو ایمان نہیں لائیں گے، مگر تم لوگ ان کے چکر میں کیوں پڑتے ہو؟ قرآنِ کریم نے راہِ ہدایت کے نقوش بالکل واضح کر دیئے ہیں، جو لوگ نصیحت حاصل کرنا چاہیں اور ایمان لانا چاہیں ان کے لئے کوئی ابہام نہیں۔

﴿وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴾

ترجمہ: اور یہ ـــــ جو قرآنِ کریم پیش کر رہا ہے ـــــ آپ کے پروردگار کا سیدھا راستہ ہے، ہم نے دین کی باتیں خوب واضح کر دی ہیں ان لوگوں کے لئے جو نصیحت قبول کرتے ہیں۔

اولیاء الرحمٰن کے لئے آخرت میں سکھ چین کا گھر ہوگا، اور اللہ تعالیٰ ان کا ہاتھ پکڑیں گے

جو اسلام قبول کرے گا اور فرماں برداری کے راستہ پر چلے گا، وہی سلامتی کے گھر (جنت میں) پہنچے گا، اور اللہ تعالیٰ اس کے مددگار ہونگے، یہی اولیاء الرحمٰن ہیں، آگے اولیاء الشیطان کا حال بیان کیا جائے گا (فوائد)

﴿لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾

ترجمہ: ان کے لئے ان کے پروردگار کے پاس سکھ چین کا گھر (جنت) ہے، اور اللہ تعالیٰ ان کے کارساز ہیں ان کاموں کی وجہ سے جو وہ کیا کرتے تھے۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ۚ يَٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُم مِّنَ الْإِنسِ ۖ وَقَالَ أَوْلِيَاؤُهُم مِّنَ الْإِنسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَبَلَغْنَا أَجَلَنَا الَّذِي أَجَّلْتَ لَنَا ۚ قَالَ النَّارُ مَثْوَاكُمْ خَالِدِينَ فِيهَا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۗ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿١٢٨﴾ وَكَذَٰلِكَ نُوَلِّي بَعْضَ الظَّالِمِينَ بَعْضًا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿١٢٩﴾ ع

وَيَوْمَ	اور (یاد کرو) جس دن	بَعْضُنَا	ہمارے بعض نے	إِلَّا مَا	مگر جو
يَحْشُرُهُمْ	جمع کریں گے وہ ان	بِبَعْضٍ	بعض سے	شَاءَ اللَّهُ	چاہیں اللہ تعالیٰ
جَمِيعًا	سب کو	وَبَلَغْنَا	اور پہنچے ہم	إِنَّ رَبَّكَ	بےشک آپ کے رب
يَٰمَعْشَرَ	اے جماعت	أَجَلَنَا	ہماری اس مدت کو	حَكِيمٌ	بڑی حکمت والے
الْجِنِّ	جنات کی!	الَّذِي	جو	عَلِيمٌ	خوب جاننے والے ہیں
قَدِ اسْتَكْثَرْتُم	تحقیق بہت زیادہ تابع کرلیا تم نے	أَجَّلْتَ	مقرر کی تھی آپ نے	وَكَذَٰلِكَ	اور اسی طرح
		لَنَا	ہمارے لئے	نُوَلِّي(۱)	ملائیں گے ہم
مِّنَ الْإِنسِ	انسانوں میں سے	قَالَ	فرمایا	بَعْضَ	بعض
وَقَالَ	اور کہا	النَّارُ	دوزخ	الظَّالِمِينَ	حق تلفی کرنے والوں کو
أَوْلِيَاؤُهُم	ان کے دوستوں نے	مَثْوَاكُمْ	تمہارا ٹھکانہ ہے	بَعْضًا	بعض کے ساتھ
مِّنَ الْإِنسِ	انسانوں میں سے	خَالِدِينَ	درانحالیکہ ہمیشہ رہنے والے ہو تم	بِمَا	ان اعمال کی وجہ سے جو
رَبَّنَا	اے ہمارے ربّ!			كَانُوا يَكْسِبُونَ	وہ کمایا کرتے تھے
اسْتَمْتَعَ	فائدہ اٹھایا	فِيهَا	اس میں	۞	۞

(۱) وَلِيَهُ يَلِيهِ وَلْيًا: قریب ہونا، ملا ہوا ہونا، وَلِّي الشيئَ: ایک کا دوسرے سے جدا ہونا، انسانوں کی دوزخ اور جنات کی دوزخ الگ الگ ہونگی، مگر ساتھ ساتھ ہونگی، اسی طرح دونوں کی جنتیں بھی الگ الگ اور ساتھ ساتھ ہونگی، یہ مضمون سورۃ الرحمٰن میں آیا ہے۔

اولیاء الشیطان (جنات اور انسانوں) کا اعتراف جرم اور ان کا بھیانک انجام

زمین میں جنات اور انسان ایک ساتھ بسے ہوئے ہیں، اس لئے میدانِ حشر میں بھی دونوں کو ایک ساتھ جمع کیا جائے گا۔ دونوں وہاں اپنے اپنے جرم کا اعتراف کریں گے، اور دونوں کو سزا دی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ شیاطین سے فرمائیں گے: تم نے بہت زیادہ انسانوں کو گمراہ کر لیا! —— وہ خاموش رہیں گے، اور ان کی خاموشی جرم کا اعتراف ہوگی، اور اس کا قرینہ ان کے دوستوں کی اگلی بات ہے۔

اور وہ انسان جن کو شیاطین نے گمراہ کیا ہے: کہیں گے —— حالانکہ ان سے پوچھا نہیں گیا، خواہ مخواہ شیاطین کی طرف سے جواب دیں گے —— اے ہمارے پروردگار! ہمارے بعض نے بعض سے فائدہ اٹھایا! —— یعنی ہم نے جو مورتیوں کو پوجا تو وہ شیاطین کے ورغلانے سے پوجا تھا، اس سے ان کو خوشی ہوئی، یہ ان کو فائدہ پہنچا، اور ہم بیابانوں میں ان کی پناہ لیتے تھے، وہ ہماری حفاظت کرتے تھے، یہ ہم نے ان سے فائدہ اٹھایا —— اور ہم دونوں کا یہ حال موت تک برقرار رہا، یہاں تک کہ ہم دونوں اس مدت تک (موت تک) پہنچ گئے جو آپ نے ہمارے لئے مقرر کی تھی —— اولیاء الشیطان کا یہ اعتراف جنات کی طرف سے جواب بھی ہوگا۔

پس حکم عالی صادر ہوگا: تمہارا دونوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے، تمہیں ہمیشہ اس میں رہنا ہے!

پھر قدرتِ خداوندی کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہیں، وہ تم کو جہنم سے چھٹی دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں، مگر چھٹی ملے گی نہیں! اس لئے کہ وہ بڑی حکمت والے ہیں، وہ خوب جانتے بھی ہیں، وہ جانتے ہیں کہ تم موت تک کفر وشرک پر رہے، اور کفر وشرک مستمر حقیقتیں ہیں، پس ان کی حکمت کا تقاضہ ہے کہ اس کی سزا بھی مستمر ہو۔

پھر جنات کو ان کی دوزخ میں ڈالا جائے گا، اور انسانوں کو ان کی دوزخ میں بھیجا جائے گا، دونوں کی دوزخیں الگ الگ ہیں، مگر ساتھ ساتھ ہیں۔ اس دنیا میں تو دونوں ساتھ بسے ہوئے ہیں، مگر آخرت میں الگ الگ کر دیئے جائیں گے، جیسے اس دنیا میں نیکوکار اور بدکار ساتھ بسے ہوئے ہیں، مگر آخرت میں وہ الگ کر دیئے جائیں گے، میدانِ حشر میں اعلان ہوگا: ﴿ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ ﴾: اے بدکارو! آج نیکوکاروں سے جدا ہو جاؤ (یٰس)

اسی طرح نیکوکار مؤمنین: جنات اور انسانوں کی جنتیں بھی الگ الگ ہونگی، مگر ساتھ ساتھ ہونگی، سابقین کے لئے بھی دو جنتیں ہونگی، ایک جنات کے لئے، دوسری انسانوں کے لئے، اسی طرح اصحاب الیمین کے لئے بھی، اور یہ مضمون سورۃ الرحمٰن کے آخری رکوع میں ہے۔

فائدہ: جنات کی دوزخ میں بھی آگ ہے، اور یہ سوال کہ جنات ناری مخلوق ہیں، پس آگ سے ان کو کیسے تکلیف

پہنچے گی؟ —— اس کا جواب یہ ہے کہ جنات صرف آگ سے پیدا نہیں کئے گئے، عناصر اربعہ سے پیدا کئے گئے ہیں، اس لئے آگ ان کے آمیزہ (خمیر) میں ضعیف ہے، اور ضعیف آگ کو قوی آگ سے تکلیف پہنچتی ہے، حدیث میں ہے: جہنم نے شکوہ کیا: اَکلَ بعضی بعضا: میرا بعض بعض کو کھا گیا! پس جہنم کو دو سانس لینے کی اجازت دی گئی، تاکہ تیز آگ کی شدت کچھ کم ہو، پس جنات بھی دوزخ میں جلیں گے!

آیتِ کریمہ: اور وہ دن یاد کرنے کے قابل ہے: جب اللہ تعالیٰ ان سب کو —— جنات اور انسانوں کو —— ایک ساتھ —— میدانِ حشر میں —— جمع کریں گے —— پھر فرمائیں گے: —— اے جنات کی جماعت! بالیقین تم نے بہت زیادہ لے لیا انسانوں سے —— یعنی بہت سے انسانوں کو گمراہ کر کے اپنے تابع کر لیا —— اور ان کے انسان دوستوں نے کہا: اے ہمارے پروردگار! ہمارے بعض نے بعض سے فائدہ اٹھایا، اور ہم اس مدت کو پہنچ گئے جو آپ نے ہمارے لئے مقرر کی تھی! —— (اللہ تعالیٰ) فرمائیں گے: دوزخ تمہارا ٹھکانہ ہے، درانحالیکہ تم اس میں ہمیشہ رہنے والے ہو!

(قدرتِ کاملہ کا بیان:) ہاں اگر اللہ ہی کو (نکالنا) منظور ہو (تو دوسری بات ہے!) بے شک آپ کے پروردگار بڑی حکمت والے خوب جاننے والے ہیں!

اور اس طرح ہم بعض ظالموں کو (اللہ کی حق تلفی کرنے والوں کو) بعض کے ساتھ ملائیں گے ان کاموں کی وجہ سے جو وہ کمایا کرتے تھے!

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۰﴾

يٰمَعْشَرَ	اے جماعت	مِّنْكُمْ	تم ہی میں سے	يَوْمِكُمْ هٰذَا	تمہارے اس دن کی
الْجِنِّ وَالْاِنْسِ	جن وانس کی	يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ (۱)	جو بیان کرتے تھے تم پر	قَالُوْا	جواب دیا انھوں نے
اَلَمْ يَاْتِكُمْ	کیا نہیں پہنچے تمہارے پاس	اٰيٰتِيْ	میری باتیں	شَهِدْنَا (۲)	گواہی دیتے ہیں ہم
		وَيُنْذِرُوْنَكُمْ	اور ڈراتے تھے تم کو	عَلٰٓى اَنْفُسِنَا	اپنے خلاف
رُسُلٌ	رسول	لِقَآءَ	ملاقات سے	وَغَرَّتْهُمُ	اور دھوکہ دیا ان کو

(۱) جملہ یقصون: رسل کی صفتِ ثانیہ ہے (۲) شہادت کے مفہوم میں قسم کا مفہوم بھی ہوتا ہے۔

الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا	دنیوی زندگانی نے	عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ	اپنے خلاف	كَانُوْا	تھے وہ
وَشَهِدُوْا	اور گواہی دی انھوں نے	اَنَّهُمْ	کہ وہ	كٰفِرِيْنَ	منکر اسلام

قیامت کے دن جن ّوانس قسم کھا کر اپنے کفر کا اقرار کریں گے

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جن ّوانس کے مجموعہ سے سوال کریں گے: ”کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے ایسے رسول نہیں پہنچے جنھوں نے تمہیں میری آیتیں پڑھ کر سنائیں، اور قیامت کے دن سے ڈرایا؟ —— جن ّوانس قسمیں کھا کر اقرار کریں گے کہ ان کے پاس رسول پہنچے تھے، مگر ان کو دنیا کی لذات وشہوات نے آخرت سے غافل کر دیا، اور وہ قسمیں کھا کر اقرار کریں گے کہ انھوں نے رسولوں کی بات نہیں مانی —— جب وہ اپنے منہ سے اپنے کفر کا اقرار کرلیں گے تب ان کو جہنم کی ابدی سزا سنائی جائے گی۔

کیا جنات میں ان میں سے رسول مبعوث فرمائے گئے؟

یہ آیتِ کریمہ اس مسئلہ میں فیصلہ کن نہیں، اس میں مکلفین کے مجموعہ سے سوال ہوگا، پس یہ خطاب ایسا ہے جیسے تمام انسانوں سے کہیں: ”لوگو! کیا تم ہی میں سے اللہ تعالیٰ نے آخری نبی کو مبعوث نہیں فرمایا؟“ پس یہ آیت تو فیصلہ کن نہیں، البتہ جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جب سے انسان وجود میں آئے ہیں، اور ان میں نبوت ورسالت کا سلسلہ شروع ہوا ہے: جنات کو انسانوں کے تابع کر دیا گیا ہے، اس لئے کہ وہ لطیف مخلوق ہیں، اور لطیف کثیف کو دیکھتا ہے، اس لئے وہ انسانوں سے استفادہ کر سکتے ہیں، جیسے عورتوں کو نبوت ورسالت سے سرفراز نہیں کیا گیا، ان کو مردوں کے تابع کیا گیا ہے۔

مگر جنات کا وجود انسانوں سے پہلے ہے، اور وہ مکلّف ہیں، پس ممکن ہے ان میں انسانوں کے پیدا ہونے سے پہلے انبیاؤرسل مبعوث ہوئے ہوں۔ واللہ اعلم

آیتِ کریمہ: اے جماعتِ جن ّوانس! کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے ایسے رسول نہیں پہنچے جو تمہیں میری آیتیں پڑھ کر سناتے تھے، اور تمہیں تمہارے اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے؟ —— وہ جواب دیں گے: ہم اپنے خلاف گواہی دیتے ہیں، اور ان کو دنیوی زندگانی نے دھوکہ میں ڈالے رکھا، اور انھوں نے اپنے خلاف گواہی دی کہ وہ منکر اسلام تھے!

ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿١٣١﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۭ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٣٢﴾ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَاۗءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ

قَوۡمٍ اٰخَرِیۡنَ ﴿۱۳۳﴾ اِنَّ مَا تُوۡعَدُوۡنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَاۤ اَنۡتُمۡ بِمُعۡجِزِیۡنَ ﴿۱۳۴﴾ قُلۡ یٰقَوۡمِ اعۡمَلُوۡا عَلٰی مَکَانَتِکُمۡ اِنِّیۡ عَامِلٌ ۚ فَسَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ۙ مَنۡ تَکُوۡنُ لَہٗ عَاقِبَۃُ الدَّارِ ؕ اِنَّہٗ لَا یُفۡلِحُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۱۳۵﴾

ذٰلِكَ	وہ بات	یَعۡمَلُوۡنَ	وہ کرتے ہیں	لَاٰتٍ	ضرور آنے والا ہے
اَنۡ لَّمۡ یَکُنۡ	بایں وجہ ہے کہ نہیں ہیں	وَرَبُّكَ	اور آپ کا رب	وَّمَاۤ اَنۡتُمۡ	اور نہیں ہو تم
رَّبُّكَ	آپ کے پروردگار	الۡغَنِیُّ	بے نیاز	بِمُعۡجِزِیۡنَ	عاجز کرنے والے
مُهۡلِكَ	ہلاک کرنے والے	ذُو الرَّحۡمَةِ	رحمت والا ہے	قُلۡ یٰقَوۡمِ	کہو اے میری قوم!
الۡقُرٰی	بستیوں کو	اِنۡ یَّشَاۡ	اگر چاہیں وہ	اعۡمَلُوۡا	کام کرو
بِظُلۡمٍ	ظلم (شرک) کی وجہ سے	یُذۡهِبۡكُمۡ	لے جائیں تم کو	عَلٰی مَكَانَتِكُمۡ	اپنی جگہ
وَّاَهۡلُهَا	درانحالیکہ اس کے باشندے	وَیَسۡتَخۡلِفۡ	اور قائم مقام بنادیں	اِنِّیۡ عَامِلٌ	بیشک میں کام کر رہا ہوں
غٰفِلُوۡنَ	بے خبر ہوں	مِنۡۢ بَعۡدِكُمۡ	تمہارے بعد	فَسَوۡفَ	پس عنقریب
وَلِكُلٍّ	اور ہر ایک کے لئے	مَّا یَشَآءُ	جس کو چاہیں	تَعۡلَمُوۡنَ	جان لوگے تم
دَرَجٰتٌ	مراتب ہیں	كَمَاۤ اَنۡشَاَكُمۡ	جیسا کہ پیدا کیا انھوں نے تم کو	مَنۡ تَكُوۡنُ	کون ہوگا
مِّمَّا	اس میں سے جو			لَهٗ	اس کے لئے
عَمِلُوۡا	کیا انھوں نے	مِّنۡ ذُرِّیَّةِ	اولاد سے	عَاقِبَةُ الدَّارِ	دنیا کا اچھا انجام
وَمَا رَبُّكَ	اور نہیں آپ کے رب	قَوۡمٍ اٰخَرِیۡنَ	دوسرے لوگوں کی	اِنَّهٗ	بے شک شان یہ ہے
بِغَافِلٍ	بے خبر	اِنَّ مَا	بے شک جو	لَا یُفۡلِحُ	نہیں کامیاب ہونگے
عَمَّا	ان کاموں سے جو	تُوۡعَدُوۡنَ	وعدہ کئے جاتے ہو تم	الظّٰلِمُوۡنَ	ظالم (مشرک) لوگ

اللہ تعالیٰ خبردار کر کے ہی سزا دیتے ہیں

میدانِ حشر میں جب جن و انس قسم کھا کر اپنے کفر کا اقرار کریں گے تبھی ان کو سزا سنائی جائے گی، یہ بات اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی کفار کی بستیوں کو ان کے شرک کی وجہ سے اس وقت ہلاک کرتے ہیں جب پہلے ان کو نبی یا نذیر کے ذریعہ نتائج اعمال سے خبردار کر دیا جاتا ہے، بے خبر لوگوں کی بستیوں کو ہلاک نہیں کرتے، پس آخرت میں جہنم کی سزا

بے خبر لوگوں کو بدرجۂ اولیٰ نہیں دیں گے، ہاں جب وہ قسم کھا کر اپنے کفر کا اعتراف کریں گے تبھی ان کو سزا سنائی جائے گی۔

﴿ ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴾

ترجمہ: وہ بات ـــــ یعنی شرک وکفر کا اقرار کرانا ـــــ بایں وجہ ہے کہ آپؐ کے پروردگار بستیوں کو ظلم (شرک) کی وجہ سے ہلاک کرنے والے نہیں درانحالیکہ اس کے باشندے (نتائج اعمال سے) بے خبر ہوں۔

جیسا گناہ ویسی سزا

دنیا میں اور آخرت میں جب اللہ تعالیٰ مجرموں کو سزا دیتے ہیں تو سب کو ایک لاٹھی سے نہیں ہانکتے، بلکہ جیسا گناہ ہوتا ہے ویسی سزا دیتے ہیں، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، چنانچہ دنیا میں زنا اور ناپ تول میں کمی کی سزا اور ہے اور انبیاء کی مخالفت کی سزا اور ہے، اور آخرت میں کفر کے ساتھ گناہ کی اور ایمان کے ساتھ گناہ کی سزا مختلف ہے، اور اللہ تعالیٰ بندوں کے احوال سے باخبر ہیں، وہ جیسا گناہ ہوتا ہے ویسی سزا دیتے ہیں ـــــ اور یہی فیصلہ نیکیوں کے ثواب کے لئے بھی ہے۔

﴿ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۭ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴾

ترجمہ: اور ہر ایک کے لئے مراتب ہیں ان کاموں کی وجہ سے جو انھوں نے کئے ہیں، اور آپ کے رب ان کاموں سے بے خبر نہیں جو وہ کرتے ہیں!

وارننگ: قریش اسلام قبول نہیں کریں گے تو دوسری قوم ان کی جگہ لے لیگی

یہ سورت مکی دور کے درمیان میں نازل ہوئی ہے، اس وقت اسلام کی مخالفت زوروں پر تھی، اس وقت قریش کو وارننگ دیتے ہیں کہ اگر وہ دعوتِ اسلام قبول نہیں کریں گے تو اللہ تعالیٰ کو کسی کی پرواہ نہیں، وہ قریش کے محتاج نہیں، البتہ وہ بندوں پر مہربان ہیں، وہ جو دین نازل کر رہے ہیں وہ پھیل کر رہے گا، اللہ کی مہربانی سے انسانیت محروم نہیں رہے گی، اگر قریش اس کی خدمت کے لئے کھڑے نہیں ہونگے تو اللہ تعالیٰ ان کی جگہ دوسروں کو کھڑا کر دیں گے، وہ اسلام کو پھیلائیں گے، بعد کے حالات نے ثابت کیا کہ ان کی جگہ انصار نے لے لی، ان کی محنت سے بیل منڈھے چڑھی!

اور اس کو ایک مثال سے سمجھایا ہے کہ جیسے آباء کی جگہ ابناء لیتے ہیں اور دنیا آباد رہتی ہے، اسی طرح قریش کی جگہ اور لوگ لے لیں گے، پس قریش سوچیں کہ نقصان کس کا ہوگا، اور فائدہ میں کون رہے گا؟

﴿ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَاۗءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴾

ترجمہ: اور آپ کے پروردگار بے نیاز مہربان ہیں، اگر چاہیں تو تم کو ہٹادیں، اور تمہارے بعد جس کو چاہیں تمہارا قائم مقام بنادیں ــــــ جس طرح تم کو دوسرے لوگوں کی اولاد سے پیدا کیا ہے!

قریش سے جو عذاب کا وعدہ ہے وہ پہنچ کر رہے گا!

اور رسول اللہ ﷺ کی مخالفت پر قریش سے جو عذاب کا وعدہ ہے وہ پورا ہو کر رہے گا، ذرا انتظار کرو، جب دوسری قوم اشاعتِ اسلام کی ذمہ داری قبول کرلے گی تو اللہ تعالیٰ قریش کا بھرتا بنادیں گے، چنانچہ ہجرت کے دوسرے سال بدر کے میدان میں اللہ تعالیٰ نے رؤسائے مکہ کو گاجر مولی کی طرح کاٹ دیا!

﴿إِنَّ مَا تُوعَدُونَ لَآتٍ ۖ وَمَا أَنتُم بِمُعْجِزِينَ ﴿١٣٤﴾﴾

ترجمہ: بے شک جس بات کا تم وعدہ کئے جاتے ہو وہ پہنچ کر رہے گی، اور تم (اللہ کو) عاجز کرنے والے نہیں!

فریقین اپنے اپنے کام میں لگیں، اور عواقب کا انتظار کریں

جب صورتِ حال یہ ہے تو فریقین اپنے اپنے کام میں لگیں، قریش مخالفت کرتے رہیں اور اللہ کے رسول اسلام کی اشاعت کی محنت جاری رکھیں، اور دیکھیں: اچھا انجام کس کا ہوتا ہے؟ ظالم (مشرک) کبھی بامراد نہیں ہونگے!

﴿قُلْ يَا قَوْمِ اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنِّي عَامِلٌ ۖ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ مَن تَكُونُ لَهُ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۗ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ﴿١٣٥﴾﴾

ترجمہ: کہو: اے میری قوم! اپنی جگہ کام کرتے رہو، میں بھی اپنا کام کررہا ہوں، بہت جلد تم جان لوگے کہ دنیا کا اچھا انجام کس کے لئے ہے؟ (اور پیشین گوئی سن لو:) بے شک ظالم (مشرک) کامیابی سے ہم کنار نہیں ہونگے!

وَجَعَلُوا لِلَّهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْأَنْعَامِ نَصِيبًا فَقَالُوا هَٰذَا لِلَّهِ بِزَعْمِهِمْ وَهَٰذَا لِشُرَكَائِنَا ۖ فَمَا كَانَ لِشُرَكَائِهِمْ فَلَا يَصِلُ إِلَى اللَّهِ ۖ وَمَا كَانَ لِلَّهِ فَهُوَ يَصِلُ إِلَىٰ شُرَكَائِهِمْ ۗ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿١٣٦﴾ وَكَذَٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ قَتْلَ أَوْلَادِهِمْ شُرَكَاؤُهُمْ لِيُرْدُوهُمْ وَلِيَلْبِسُوا عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ ۖ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا فَعَلُوهُ ۖ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ ﴿١٣٧﴾ وَقَالُوا هَٰذِهِ أَنْعَامٌ وَحَرْثٌ حِجْرٌ لَّا يَطْعَمُهَا إِلَّا مَن نَّشَاءُ بِزَعْمِهِمْ

وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۳۹﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ؕ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۴۰﴾

ع ۱۱

وَجَعَلُوْا	اور بنایا انھوں نے	لِشُرَكَآئِهِمْ	ان کے شریکوں کے لئے	قَتْلَ (۱)	مار ڈالنے کو
لِلّٰهِ	اللہ کے لئے	فَلَا يَصِلُ	تو وہ نہیں پہنچتا	اَوْلَادِهِمْ	اپنی اولاد کو
مِمَّا	اس میں سے جو	اِلَى اللّٰهِ	اللہ تک	شُرَكَآؤُهُمْ (۲)	ان کے شرکاء نے
ذَرَاَ	پیدا کیا اللہ نے	وَمَا كَانَ	اور جو تھا	لِيُرْدُوْهُمْ (۳)	تا کہ ہلاک کریں وہ ان کو
مِنَ الْحَرْثِ	کھیتی سے	لِلّٰهِ	اللہ کے لئے	وَلِيَلْبِسُوْا (۴)	اور تا کہ مشتبہ کریں وہ
وَالْاَنْعَامِ	اور مویشی سے	فَهُوَ	تو وہ	عَلَيْهِمْ	ان پر
نَصِيْبًا	ایک حصہ	يَصِلُ	پہنچتا ہے	دِيْنَهُمْ	ان کا دین
فَقَالُوْا	پس کہا انھوں نے	اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ	ان کے شریکوں تک	وَلَوْ شَآءَ	اور اگر چاہتا
هٰذَا	یہ	سَآءَ	برا ہے جو	اللّٰهُ	اللہ
لِلّٰهِ	اللہ کے لئے ہے	مَا يَحْكُمُوْنَ	فیصلہ کرتے ہیں وہ	مَا فَعَلُوْهُ	(تو) نہ کرتے وہ یہ کام
بِزَعْمِهِمْ	ان کے خیال میں	وَكَذٰلِكَ	اور اسی طرح	فَذَرْهُمْ	پس چھوڑیں آپ ان کو
وَهٰذَا	اور یہ	زَيَّنَ	مزین کیا	وَمَا يَفْتَرُوْنَ	اور اس کو جو گھڑتے ہیں وہ
لِشُرَكَآئِنَا	ہمارے شریکوں کیلئے ہے	لِكَثِيْرٍ	بہت سوں کے لئے	وَقَالُوْا	اور کہا انھوں نے
فَمَا كَانَ	پس جو تھا	مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ	مشرکین میں سے	هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ	یہ مویشی

(۱) قتلَ: زین کا مفعول مقدم ہے (۲) شرکاؤُھم: زین کا فاعل مؤخر ہے، اور مؤخر اس لئے ہے کہ آگے ضمیریں سہولت سے لوٹیں (۳) إرداء (افعال): ہلاک کرنا، مادہ رَدی ہے (یہ ناقص یائی ہے، مہموز اللام نہیں) (۴) لَبَسَ (ض) لَبْسًا: خلط ملط کرنا، مشتبہ کرنا۔

وَّحَرْثٌ	اور کھیتی	كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ	وہ گھڑا کرتے تھے	عَلِيْمٌ	خوب جاننے والے ہیں
حِجْرٌ (۱)	ممنوع ہیں	وَقَالُوْا	اور کہا انھوں نے	قَدْ خَسِرَ	تحقیق گھاٹے میں پڑے
لَّا يَطْعَمُهَآ	نہیں کھاتے اس کو	مَا	جو	الَّذِيْنَ	جنھوں نے
اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ	مگر وہ جسے چاہیں ہم	فِيْ بُطُوْنِ	پیٹوں میں ہے	قَتَلُوْٓا	مار ڈالا
بِزَعْمِهِمْ	ان کے خیال میں	هٰذِهِ الْاَنْعَامِ	ان مواشی کے	اَوْلَادَهُمْ	اپنی اولاد کو
وَاَنْعَامٌ	اور (دوسرے) مویشی	خَالِصَةٌ	خاص ہے	سَفَهًا	بے وقوفی سے
حُرِّمَتْ	حرام کی گئی ہیں	لِّذُكُوْرِنَا	ہمارے مردوں کے لئے	بِغَيْرِ عِلْمٍ	جہالت سے
ظُهُوْرُهَا	ان کی پیٹھیں	وَمُحَرَّمٌ	اور حرام ہے	وَّحَرَّمُوْا	اور حرام ٹھہرایا انھوں نے
وَاَنْعَامٌ	اور (تیسرے) مویشی	عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا	ہماری عورتوں پر	مَا رَزَقَهُمُ	اس کو جو روزی دی ان کو
لَّا يَذْكُرُوْنَ	نہیں لیتے وہ	وَاِنْ يَّكُنْ	اور اگر ہو وہ	اللّٰهُ	اللہ نے
اسْمَ اللّٰهِ	اللہ کا نام	مَّيْتَةً	مردار	افْتِرَآءً	بہتان باندھتے ہوئے
عَلَيْهَا	ان (مویشی) پر	فَهُمْ فِيْهِ (۲)	تو وہ اس (مردار) میں	عَلَى اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر
افْتِرَآءً	بہتان باندھتے ہوئے	شُرَكَآءُ	ساجھی ہیں	قَدْ	بالیقین
عَلَيْهِ	اللہ پر	سَيَجْزِيْهِمْ	عنقریب بدلہ دیں گے ان کو	ضَلُّوْا	گمراہ ہوئے وہ
سَيَجْزِيْهِمْ	عنقریب بدلہ دیں گے ان کو	وَصْفَهُمْ	ان کے بیان کا	وَمَا	اور نہیں تھے وہ
بِمَا	اس کا جو	اِنَّهٗ حَكِيْمٌ	بیشک وہ بڑی حکمت والے	كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ	راہ پانے والے

مشرکوں کی بے بنیاد رسمیں

گذشتہ آیت کا آخر تھا: ﴿اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ﴾: بالیقین ظالم کامیاب نہیں ہوتے! ـــــ ظالم کون ہیں؟ بڑے ظالم اللہ کی حق تلفی کرنے والے ہیں، مشرکین طرح طرح سے اللہ کی حق تلفی کرتے تھے، الوہیت میں مورتیوں کو شریک کرتے تھے، اور بھی وہ کام کرتے تھے جو شرعاً ممنوع ہیں، ان میں وہ شیاطین کی پیروی کرتے تھے، اس لئے یہ بھی شرک کی ایک نوعیت ہے، اب اللہ پاک ان کی چند بے بنیاد رسموں کا تذکرہ فرماتے ہیں۔

(۱) حِجر کے اصل معنی ہیں: عقل، پھر اس کے معنی ہوئے: پتھروں سے گھیری ہوئی جگہ، پھر معنی ہوئے روک اور منع (۲) المیتة کی تانیث مجازی ہے اس لئے مذکر ضمیر لوٹائی ہے (جمل)

۱-مشرکین نے اللہ کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور مویشی کے حصے بخرے کئے

آیت کا پس منظر: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ اہل مکہ زمینی پیداوار اور چوپایوں کا کچھ حصہ اللہ کے نام پر رکھتے تھے اور اسے فقراء ومساکین اور مہمانوں کی مد میں خرچ کیا کرتے تھے، اور کچھ حصہ اپنے معبودانِ باطل کے لئے رکھتے تھے اور ان کو اپنے مندروں کے پجاریوں وغیرہ کو دیتے تھے، اگر باطل معبودوں والا حصہ ختم ہوجاتا تو اللہ تعالیٰ کے لئے متعین کئے ہوئے حصہ میں سے اس مد پر خرچ کرنے لگتے اور اگر مہمانوں اور فقراء وغیرہ کے مد کا غلہ ختم ہوجاتا تو دوسرے مد سے اس میں پیسے خرچ نہیں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اللہ تو غنی ہے اور ہمارے دیوی دیوتا محتاج وضرورت مند ہیں (مفاتیح الغیب ۶: ۵۹۲ بحوالہ آسان تفسیر از مولانا خالد سیف اللہ صاحب)

قرآنِ کریم ان پر رد کرتا ہے کہ کھیتی اور مویشی اللہ نے پیدا کئے ہیں، ان میں دوسروں کا حصہ کہاں سے آگیا؟ سارا ہی اللہ کا ہے، انھوں نے اپنے خیال کے مطابق اس کے جو حصے بخرے کئے: یہی غلط ہے، پھر اللہ والے حصہ میں سے بتوں والے حصہ میں لے لیتے تھے، اور بتوں والے حصہ میں سے اللہ کے حصہ میں نہیں لیتے تھے: یہ ستم بالائے ستم ہے! یہ کیا ہی بدترین انصاف ہے!

﴿ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ۚ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور مشرکین نے اللہ تعالیٰ کے لئے حصہ گردانا اس کھیتی اور مویشی میں سے جن کو اللہ نے پیدا کیا ہے: چنانچہ انھوں نے کہا: یہ اللہ کے لئے ہے — ان کے خیال کے مطابق (ورنہ سب کا سب اللہ کا ہے) — اور یہ ہمارے بتوں کے لئے ہے، پھر جو ان کی مورتیوں کے لئے ہے وہ اللہ تک نہیں پہنچتا، اور جو حصہ اللہ کے لئے ہے وہ ان کی مورتیوں تک پہنچتا ہے، برا ہے جو فیصلہ وہ کرتے ہیں!

۲-عربوں نے اولاد کی قربانی کو ملت ابراہیمی کا جزء بنادیا تھا

عربوں کا دعوی تھا کہ وہ ملتِ ابراہیمی پر ہیں، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام: حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی دینے کے لئے تیار ہوگئے تھے، یہ ان کا ایک امتحان تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے قربانی دینے نہیں دی، اسماعیل علیہ السلام کے فدیہ میں مینڈھا بھیج دیا، مگر شیطان نے عربوں کو پٹی پڑھائی، اور انھوں نے اولاد کی قربانی کو دین ابراہیمی کا جزء قرار دیدیا، چنانچہ

وہ مورتیوں کا تقرب حاصل کرنے کے لئے اپنے بچوں کی قربانی دیا کرتے تھے، اولاد کو مورتیوں کی بھینٹ چڑھانے کا یہ جاہلانہ تصور دیگر اقوام میں بھی رہا ہے، ہندوستان میں بھی وقتاً فوقتاً استھانوں پر بچے اغوا کر کے ذبح کرنے کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں، اور حکومت اس پر کڑی نظر رکھتی ہے۔

قرآنِ کریم ان پر رد کرتا ہے کہ اولاد کی بھینٹ دینے کی رسم شیاطین نے عربوں کو تلقین کی ہے، وہ دو باتیں چاہتا ہے: ایک: عربوں کی نسل کو تباہ کرنا چاہتا ہے۔ دوم: وہ عربوں کے دین کا حلیہ بگاڑنا چاہتا ہے، چنانچہ وہ دونوں باتوں میں کامیاب ہوا۔

پھر آخر آیت میں قانون امہال کا ذکر ہے کہ یہ اللہ نے شیطان کو اور عربوں کو ڈھیل دے رکھی ہے، اگر اللہ کو منظور ہوتا تو وہ یہ حرکت نہ کرتے، لہٰذا ان کی یہ افتراء پردازی کہ اولاد کی قربانی دین ابراہیمی کا حصہ ہے: اس کو ابھی رہنے دیں جب دین اسلام کا بول بالا ہوگا تو یہ رسم خود بخود ختم ہو جائے گی۔

﴿ وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَاۗؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴾

ترجمہ: اور اس طرح ــــ یعنی پہلی رسم کی طرح ــــ بہت سے مشرکین کے لئے اپنی اولاد کو قتل کرنا ان کے شریکوں (شیاطین) نے مزین کیا، تاکہ وہ ان کو ہلاک کریں، اور تاکہ وہ ان پر ان کا دین مشتبہ کریں ــــ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو وہ یہ حرکت نہ کرتے! ــــ یعنی اللہ نے ان کو ڈھیل دے رکھی ہے اس لئے وہ یہ حرکت کررہے ہیں ــــ پس چھوڑیں ان کو اور ان کی افتراء پردازی کو!

۳- تین اور افتراء پردازیاں: جن کی سزا ان کو ضرور ملے گی

۱- عرب کچھ کھیتیاں اور کچھ مویشی معبودان باطل کے لئے چھوڑ دیتے تھے، اور ان کا استعمال ہر کسی کے لئے ممنوع قرار دیتے تھے، البتہ مندر کے مجاوروں کے لئے ان کا استعمال درست سمجھا جاتا تھا، گویا یہ وقف کی ایک صورت تھی۔

۲- بعض مویشی پر سواری کرنے کو یا ان سے انتفاع کو حرام کر دیتے تھے، جیسے ہندو سانڈ اور گائے بتوں کے نام کر دیتے ہیں، اور جاہل مسلمان بکرا مرغا کسی بزرگ کے نام کر دیتے ہیں، عرب اس طرح اونٹ اور اونٹنی کو چھوڑ دیتے تھے، پھر اس پر نہ سواری کرتے تھے اور نہ اس کا دودھ استعمال کرتے تھے۔

۳- عرب جس جانور کو مورتی کے سامنے یا استھان پر ذبح کرتے تھے اس پر اللہ کا نام نہیں لیتے تھے، مورتی کا نام لیتے تھے، جیسے ہندو جھٹکا کرتے وقت کہتے ہیں: ”لے کالی ماتا!“ ــــ اور جاہل مسلمان تو اس بکرے مرغے کو اللہ کے نام پر

ذبح کرتے ہیں، پھر بھی اس کا کھانا حرام ہے، اس لئے کہ وہ غیر اللہ کے نامزد کیا گیا ہے۔

﴿ وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ۭ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴾

ترجمہ: اور ان لوگوں نے کہا: (۱) یہ مویشی اور کھیتی ممنوع ہیں، اس کو نہیں کھائیں گے مگر جن کو ہم چاہیں ـــــ یعنی مندر کے مجاور ـــــ ان کے اپنے خیال کے مطابق ـــــ جبکہ وہ کسی کے لئے بھی حلال نہیں، وہ ﴿ مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ﴾ ہے ـــــ (۲) اور (دوسرے) مویشی ہیں جن کی پیٹھوں کو حرام کیا گیا ہے (۳) اور (تیسرے) مویشی ہیں، جن پر اللہ کا نام نہیں لیتے تھے، اللہ پر افتراء کرتے ہوئے ـــــ کہتے تھے کہ اللہ نے ہمیں اس جانور پر صرف مورتی کا نام لینے کا حکم دیا ہے ـــــ عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو سزا دیں گے اس افتراء کی جو وہ کیا کرتے تھے!

۴- ذبیحہ کے پیٹ سے زندہ بچہ نکلے تو مرد ہی کھائیں، اور مردہ نکلے تو عورتیں بھی کھائیں

عرب کھانے کے لئے اونٹنی ذبح کرتے تھے، کبھی وہ گابھن ہوتی تھی، جب پیٹ چیرتے تو کبھی بچہ زندہ نکلتا کبھی مردہ، ان کا عقیدہ تھا کہ اگر بچہ زندہ نکلے تو اس کو صرف مرد کھا سکتے ہیں، عورتیں نہیں کھا سکتیں، اور بچہ مردہ نکلے تو سب کھا سکتے ہیں، مرد بھی اور عورتیں بھی، یہ انھوں نے جو دونوں بچوں کے اوصاف بیان کئے ہیں اس کی سزا ان کو جلدی ہی ملے گی ـــــ مگر اللہ تعالیٰ حکیم وعلیم ہیں، ان کی حکمت کا تقاضہ ہے کہ گناہ کرتے ہی فوراً سزا نہ دی جائے، اور ان کے جرائم اللہ تعالیٰ کو معلوم ہیں، وقت آنے پر ان کو دیکھ لیں گے!

﴿ وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓي اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ۭ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ۭ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴾

ترجمہ: اور انھوں نے کہا: جو بچہ ان مویشی کے پیٹوں میں ہے وہ ہمارے مردوں کے لئے خاص ہے، اور ہماری عورتوں پر حرام ہے، اور اگر وہ مردار ہے تو وہ اس میں شریک ہیں، عنقریب بدلہ دیں گے ان کے بیان اوصاف کا، بے شک وہ حکیم وعلیم ہیں۔

۵- خلاصہ دو باتیں ہیں، اور دونوں تباہ کن ہیں

ایک: بے وقوفی اور جہالت سے اولاد کو مار ڈالنا، خواہ بھینٹ چڑھائے، عار کی وجہ سے لڑکی کو زندہ درگور کرے، تنگ دستی یا اس کے ڈر سے اولاد کو مار ڈالے یا زنا کے عار سے بچنے کے لئے بچہ کا گلا گھونٹ دے: سب صورتیں تباہ کن ہیں، جو

یہ حرکت کرتے ہیں وہ دارین میں گھاٹے میں ہیں۔

دوسری: اللہ نے جو روزی عنایت فرمائی ہے، خواہ کھیتی ہو یا مویشی، ان کو اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھتے ہوئے حرام ٹھہرانا جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو حرام نہیں کیا، ان کو حرام ٹھہرانا اللہ پر بہتان باندھنا ہے، پس یہ حرکت بھی تباہ کن ہے، جو لوگ یہ حرکت کریں گے وہ گمراہ ہو جائیں گے، اور صحیح بات یہ ہے کہ وہ پہلے ہی سے راہ یاب نہیں ہیں۔

﴿ قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّ حَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَی اللّٰهِ ؕ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِیْنَ۝۱۴۰ ﴾

ترجمہ: بالیقین گھاٹے میں رہے: (۱) جنھوں نے بے وقوفی اور جہالت سے اپنی اولاد کو مار ڈالا (۲) اور حرام ٹھہرایا اس کو جو اللہ نے بطور روزی ان کو دیا ہے، اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھتے ہوئے ــــ بالتحقیق گمراہ ہو گئے وہ، اور نہیں تھے وہ راہ یاب!

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَیْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَیْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ ۖؗ وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ۝۱۴۱ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ؕ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۝۱۴۲ ثَمٰنِیَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَیْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَیْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَیْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَیَیْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَیْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَیَیْنِ ؕ نَبِّئُوْنِیْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝۱۴۳ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَیْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَیْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَیْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَیَیْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَیْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَیَیْنِ ؕ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا لِّیُضِلَّ النَّاسَ بِغَیْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝۱۴۴

وَهُوَ	اور وہ	الَّذِیْٓ	جنھوں نے	اَنْشَاَ	پیدا کیا

جَنّٰتٍ	باغات کو	وَمِنَ الْاَنْعَامِ	اور (پیدا کیے) مویشی	اَمَّا اشْتَمَلَتْ	یا اس بچہ کو کہ مشتمل ہیں
مَّعْرُوْشٰتٍ	چھپر پر چڑھائے ہوئے		میں سے	عَلَیْهِ	اس پر
وَّغَیْرَ مَعْرُوْشٰتٍ	اور چھپر پر نہ چڑھائے	حَمُوْلَةً	بار بردار	اَرْحَامُ	بچہ دانیاں
	ہوئے	وَّفَرْشًا	اور بچھنے والے جانور	الْاُنْثَیَیْنِ	دوماداؤں کی؟
وَّالنَّخْلَ	اور کھجور کے درختوں کو	كُلُوْا	کھاؤ	نَبِّئُوْنِیْ	بتلاؤ مجھے
وَالزَّرْعَ	اور کھیتی کو	مِمَّا رَزَقَكُمُ	اس میں سے جو روزی	بِعِلْمٍ	سند کے ساتھ
مُخْتَلِفًا	طرح طرح کی ہے		دی تم کو	اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم
اُكُلُهٗ	اس کی پیداوار	اللّٰهُ	اللہ نے	صٰدِقِیْنَ	سچے
وَالزَّیْتُوْنَ	اور زیتون کو	وَلَا تَتَّبِعُوْا	اور مت پیروی کرو	وَمِنَ الْاِبِلِ	اور (پیدا کیں) اونٹ کی
وَالرُّمَّانَ	اور انار کو	خُطُوٰتِ	قدموں کے	اثْنَیْنِ	دو صنفیں
مُتَشَابِهًا	ملتے جلتے پھلوں والے	الشَّیْطٰنِ	شیطان کے	وَمِنَ الْبَقَرِ	اور بیل کی
وَّغَیْرَ مُتَشَابِهٍ	اور جدا جدا (مزوں) والے	اِنَّهٗ لَكُمْ	بے شک وہ تمہارا	اثْنَیْنِ	دو صنفیں
كُلُوْا	کھاؤ تم	عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ	کھلا دشمن ہے	قُلْ	پوچھو
مِنْ ثَمَرِهٖ	اس کے پھل سے	ثَمٰنِیَةَ	(پیدا کیں) آٹھ	ءٰٓالذَّكَرَیْنِ	کیا دونروں کو
اِذَآ اَثْمَرَ	جب وہ پھلے	اَزْوَاجٍ	صنفیں	حَرَّمَ	حرام کیا اس نے
وَاٰتُوْا	اور دو تم	مِنَ الضَّاْنِ	بھیڑ میں سے	اَمِ الْاُنْثَیَیْنِ	یا دوماداؤں کو
حَقَّهٗ	اللہ کا حق	اثْنَیْنِ	دو صنفیں	اَمَّا اشْتَمَلَتْ	یا اس بچہ کو کہ لیے ہوئے ہیں
یَوْمَ	دن میں	وَمِنَ الْمَعْزِ	اور بکرے میں سے	عَلَیْهِ	اس کو
حَصَادِهٖ	اس کے کٹنے کے	اثْنَیْنِ	دو صنفیں	اَرْحَامُ	بچہ دانیاں
وَلَا تُسْرِفُوْا	اور نہ فضول خرچی کرو	قُلْ	پوچھو	الْاُنْثَیَیْنِ	دونوں ماداؤں کی؟
اِنَّهٗ	بے شک اللہ تعالیٰ	ءٰٓالذَّكَرَیْنِ	کیا دونروں کو	اَمْ كُنْتُمْ	یا تھے تم
لَا یُحِبُّ	نہیں پسند کرتے	حَرَّمَ	حرام کیا اس نے	شُهَدَآءَ	گواہ (موجود، حاضر)
الْمُسْرِفِیْنَ	فضول خرچی کرنے والوں کو	اَمِ الْاُنْثَیَیْنِ	یا دوماداؤں کو	اِذْ وَصّٰكُمُ	جب تاکیدی حکم دیا تم کو

اللّٰہُ	اللہ نے	افْتَرٰی	گھڑا	بِغَيْرِ عِلْمٍ	بے دلیل
بِهٰذَا	اس (حرمت) کا؟	عَلَى اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ
فَمَنْ	پس کون	كَذِبًا	جھوٹ	لَا يَهْدِي	راہ نہیں دیتے
اَظْلَمُ	بڑا ظالم ہے	لِّيُضِلَّ	تاکہ گمراہ کرے	الْقَوْمَ	لوگوں کو
مِمَّنِ	اس شخص سے جس نے	النَّاسَ	لوگوں کو	الظّٰلِمِيْنَ	ظلم پیشہ!

خلاصہ میں جو دوسری بات بیان کی ہے اس کی تفصیل

۱- اللہ تعالیٰ نے کھیتوں اور باغات کی کوئی پیداوار حرام نہیں کی

باغات اللہ تعالیٰ نے پیدا کیے ہیں، بعض بیلیں چھپّروں پر چڑھائی جاتی ہیں، جیسے انگور، لوکی، اور پرول کی بیلیں، اور بعض بیلیں چھپر پر نہیں چڑھائی جاتیں، جیسے خربوز اور تربوز کی بیلیں، وہ زمین پر پھیلتی ہیں، یہ سب اللہ نے پیدا کی ہیں، اسی طرح کھجور کے درخت، اور کھیتیاں جن سے قسمہا قسم کا غلہ پیدا ہوتا ہے، اسی طرح زیتون اور انار بھی اللہ نے پیدا کیے ہیں، انار: آم کی طرح یکساں ہوتے ہیں، مگر ان کے مزے مختلف ہوتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے ان کھیتوں اور باغات کی کوئی پیداوار حرام نہیں کی، پس جب کھیت اور باغ پھلیں تو ان کو بے تکلف کھاؤ، ان کا کوئی حصہ حرام نہیں، البتہ دو باتوں کا خیال رکھو:

۱- جس دن باغ کی تڑائی ہو یا کھیت کی کٹائی ہو: اس دن پیداوار میں جو اللہ کا حق ہے وہ ادا کرو، جاننا چاہئے کہ مکی دور میں مال کی زکات اور زرعی پیداوار کا عشر واجب تھا، مگر اس وقت ان کی کوئی خاص شرح مقرر نہیں کی تھی، مدنی دور میں ان کی تفصیلات نازل ہوئیں، مکی دور میں تو مطلق انفاق کا حکم تھا، اور زرعی پیداوار کے بارے میں یہ حکم تھا کہ جب کھیت کی کٹائی کا وقت آئے اور پھلوں کی تڑائی کا وقت آئے تو غریبوں کو اپنی صوابدید سے کچھ دیدیا کرے۔

۲- اور غرباء کو دینے میں بھی فضول خرچی نہ کرے، حاتم طائی کی قبر پر لات نہ مارے، خیرات میں بھی ایسی بے اعتدالی نہ کرے کہ خود دوسروں کے سامنے دستِ سوال پھیلانا پڑے۔

﴿وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ڮ وَلَا تُسْرِفُوْا ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ١٤١﴾

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کئے ہیں باغات: چھپروں پر چڑھائے ہوئے، اور چھپروں پر نہ چڑھائے ہوئے، اور کھجور کے درخت اور کھیتی، جس سے قسمہا قسم کا غلہ حاصل ہوتا ہے، اور زیتون اور انار: باہم ملتے جلتے اور مزہ میں جدا جدا، کھاؤ ان کے پھلوں سے جب وہ پھلیں، اور دو اللہ کا حق جس دن کٹائی ہو، اور فضول خرچی مت کرو، بے شک اللہ تعالیٰ فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے!

۲-مویشی کی آٹھ صنفوں میں سے کسی کو اللہ تعالیٰ نے حرام نہیں کیا

پہلی آیت میں خلاصہ ہے، پھر دو آیتوں میں تفصیل ہے:

خلاصہ: اللہ تعالیٰ نے مویشی دو طرح کے پیدا کئے ہیں: ایک: اونچے قد والے یعنی اونٹ، جو سواری کے علاوہ بار برداری کے بھی کام آتے ہیں۔ دوسرے: چھوٹے قد والے، یعنی بھیڑ بکری، یہ سب مویشی انسان کی روزی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں، اور سب حلال ہیں، ان میں سے کوئی حرام نہیں، لہٰذا ان کو بے تکلف کھاؤ، اور شیطان نے انسانوں کو جو پٹی پڑھائی ہے کہ بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حامی حرام ہیں، وہ من گھڑت بات ہے، اس کو ماننا شیطان کے نقش قدم پر چلنا ہے، اور شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے، پس اس کے چکمے میں مت آؤ!

تفصیل: اللہ تعالیٰ نے مویشی کی چار انواع کی آٹھ صنفیں پیدا کی ہیں، اونٹ: نر مادہ، گائے: نر مادہ، بھیڑ: نر مادہ اور بکرا: نر مادہ۔ یہ آٹھوں صنفیں حلال ہیں —— مشرکین سے کہو: اگر تمہارے پاس کوئی دلیل ہو تو لاؤ کہ ان میں سے نر حرام ہیں، یا مادہ حرام ہیں، یا مادہ کے پیٹ کا بچہ حرام ہے: دلیل سے بات کرو اگر تم سچے ہو!

اور حلت وحرمت کے مسئلہ میں دلیل عقلی تو چلے گی نہیں، دلیل نقلی چاہئے، اس لئے کہ حلت وحرمت کا اختیار اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، اللہ تعالیٰ ہی نے ان اصناف کو پیدا کیا ہے، اور جس نے پیدا کیا ہے وہی حلال یا حرام کر سکتا ہے۔

اور نقلی دلیل کی دو صورتیں ہیں:

ایک: کسی نبی کے ذریعہ تم کو اللہ کا حکم پہنچا ہو تو اس کو پیش کرو کہ بحیرہ وغیرہ حرام ہیں۔

دوسری: اللہ تعالیٰ نے تم کو روبرو اس کا تاکیدی حکم دیا ہو۔

ظاہر ہے دونوں باتیں نہیں، کسی بھی آسمانی کتاب میں ان کی حرمت کا حکم نہیں، اور تم سے براہ راست اللہ تعالیٰ کیا فرمائیں گے؟ یہ منہ اور مسور کی دال! پس سب سے بڑے ظالم تم ہو کہ اللہ کے نام جھوٹی بات لگاتے ہو، تاکہ لوگوں کو بے دلیل گمراہ کرو۔ سن لو! اللہ تعالیٰ ظالموں کو ایمان کی توفیق نہیں دیتے!

﴿ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ۭ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ

عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۴۲﴾ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ۚ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ۚ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

ترجمہ: (خلاصہ:) اور اللہ نے پیدا کیے مویشی میں سے باربردار اور چھوٹے قد والے، کھاؤ تم اس میں سے جو روزی کے طور پر دیا ہے تم کو، اور شیطان کے نقش قدم پر مت چلو، وہ یقیناً تمہارا کھلا دشمن ہے!

(تفصیل:) اللہ تعالیٰ نے آٹھ صنفیں پیدا کیں، بھیڑ میں سے دو، اور بکرے میں سے دو، پوچھو: کیا اللہ نے دونوں نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں ماداؤں کو، یا اس بچہ کو جسے دونوں مادائیں اپنے پیٹوں میں لئے ہوئے ہیں؟ مجھے دلیل سے جواب دو اگر تم سچے ہو! ـــــ اور اونٹ کی دو صنفیں اور بیل کی دو صنفیں پیدا کیں، پوچھو: کیا اللہ تعالیٰ نے دونوں نروں کو حرام کیا ہے، یا دونوں ماداؤں کو، یا اس بچہ کو جسے دونوں مادائیں اپنے پیٹوں میں لئے ہوئے ہیں؟ کیا تم موجود تھے جبکہ تم کو اللہ تعالیٰ نے اس کا تاکیدی حکم دیا تھا؟ پس کون بڑا ظالم ہے اس سے جو اللہ کے نام جھوٹی بات لگاتا ہے، تاکہ وہ لوگوں کو بغیر دلیل کے گمراہ کرے؟ بے شک اللہ تعالیٰ ظالموں کو راہ ہدایت نہیں دیتے!

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۗ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

قُلْ	کہو	فِيْ مَآ	اس میں جو	مُحَرَّمًا	کوئی حرام (چیز)		
لَآ اَجِدُ	نہیں پاتا میں	اُوْحِيَ اِلَيَّ	وحی کیا گیا ہے میری طرف	عَلٰى طَاعِمٍ	کسی کھانے والے پر		

يَّطْعَمُهٗٓ	جو اس کو کھاتا ہے	فَاِنَّ رَبَّكَ	تو بیشک آپ کا رب	اخْتَلَطَ	ملی ہوئی ہے
اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ	مگر یہ کہ ہو وہ	غَفُوْرٌ	بڑا بخشنے والا	بِعَظْمٍ	کسی ہڈی سے
مَيْتَةً	مردار	رَّحِيْمٌ	بڑا مہربان ہے	ذٰلِكَ	یہ
اَوْ دَمًا	یا خون	وَعَلَى الَّذِيْنَ	اور ان لوگوں پر جو	جَزَيْنٰهُمْ	سزا دی ہے ہم نے ان کو
مَّسْفُوْحًا	بہتا	هَادُوْا	یہودی ہوئے	بِبَغْيِهِمْ	ان کی سرکشی کی وجہ سے
اَوْ لَحْمَ	یا گوشت	حَرَّمْنَا	حرام کیا ہم نے	وَاِنَّا	اور بے شک ہم
خِنْزِيْرٍ	سور کا	كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ	ہر ناخن والا جانور	لَصٰدِقُوْنَ	یقیناً سچے ہیں
فَاِنَّهٗ	پس بے شک وہ	وَمِنَ الْبَقَرِ	اور گائے سے	فَاِنْ	پس اگر
رِجْسٌ	ناپاک ہے	وَالْغَنَمِ	اور بکری سے	كَذَّبُوْكَ	وہ آپ کی تکذیب کریں
اَوْ فِسْقًا (۱)	یا گناہ کبیرہ ہے	حَرَّمْنَا	حرام کی ہم نے	فَقُلْ	تو آپ کہیں:
اُهِلَّ (۲)	نام پکارا گیا ہے	عَلَيْهِمْ	ان پر	رَّبُّكُمْ	تمہارے پروردگار
لِغَيْرِ اللّٰهِ	اللہ کے علاوہ کا	شُحُوْمَهُمَآ	دونوں کی چربیاں	ذُوْ رَحْمَةٍ	مہربانی والے ہیں
بِهٖ	اس کے ذریعہ	اِلَّا مَا	مگر جو	وَّاسِعَةٍ	بڑی کشادہ
فَمَنِ	پس جو شخص	حَمَلَتْ	اٹھاتی ہیں	وَلَا يُرَدُّ	اور نہیں پھیری جاتی
اضْطُرَّ	لاچار ہوئے	ظُهُوْرُهُمَآ	دونوں کی پیٹھیں	بَاْسُهٗ	ان کی سختی
غَيْرَ بَاغٍ	چاہنے والا نہ ہو	اَوِ الْحَوَايَآ	یا انتڑیاں	عَنِ الْقَوْمِ	لوگوں سے
وَّلَا عَادٍ	اور حد سے بڑھنے والا نہ ہو	اَوْ مَا	یا جو	الْمُجْرِمِيْنَ	جرم پیشہ!

اللہ تعالیٰ نے چار ہی چیزیں حرام کی ہیں، اور جن چار کو مشرکین حرام کہتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نے حرام نہیں کیا

مشرکین عرب نے بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حامی کو حرام قرار دیا تھا، اللہ تعالیٰ ان پر رد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو

(۱) غیر اللہ کے نامزد کیا ہوا یا مورتی استھان پر جھٹکا کیا ہوا قطعی حرام ہے، اس کا کھانا گناہ کبیرہ ہے، اور جیسے زیدٌ عدلٌ (زید انصاف ہے) میں حمل مبالغۃً ہے اسی طرح یہاں بھی مبالغۃً اس کو فسق کہا ہے اور فسق کے اصل معنی ہیں: حد اطاعت سے نکلنا، گناہ کبیرہ کرنے والا بھی حد اطاعت سے نکل جاتا ہے (۲) الفاظ کے معانی کے لئے دیکھیں ہدایت القرآن ۱: ۲۰۰)

حرام نہیں کیا، اللہ تعالیٰ نے چار ہی چیزوں کو حرام کیا ہے جن کو تم حلال سمجھ کر کھاتے ہو، وہ چار حرام چیزیں یہ ہیں: مردار، ذبح کے وقت نکلنے والا خون، سور کا گوشت — اس لئے حرام ہے کہ سور ناپاک ہے — اور غیر اللہ کے نامزد کیا ہوا یا ذبح کیا ہوا جانور — پھر ان کی حرمت بھی اس شخص کے لئے ہے جو لاچار نہ ہو گیا ہو، اگر کوئی شخص ان چیزوں کے استعمال کے لئے مجبور ہو جائے تو استعمال کی گنجائش ہے، بشرطے کہ لطف اندوز ہونا مقصود نہ ہو اور سدِّ رمق سے زیادہ نہ کھائے۔ باقی مسائل کی تفصیل ہدایت القرآن (۱:۲۰۰) میں گذر چکی ہے۔

فائدہ: لا اور إلا سے حصر پیدا ہوتا ہے، یہ حصر اضافی ہے، مشرکین نے جن چار حلال جانوروں کو حرام کیا تھا ان کے اعتبار سے حصر ہے، تمام حرام جانوروں کا بیان مقصود نہیں، احادیث سے اور بھی جانور حرام ہیں۔ اور خنزیر کا ہر جزء حرام ہے، مگر یہاں چونکہ کھانے کی چیزوں کا ذکر ہے اس لئے گوشت کی تخصیص کی ہے۔

خاص یہود پر ان چار کے علاوہ دو چیزیں اور بھی حرام تھیں

یہود پر ان کی شرارتوں کی وجہ سے دو چیزیں اور بھی حرام کی تھیں:

۱- ہر کھر والا جانور جس کی انگلیاں پھٹی ہوئی نہ ہوں، پیر دَن پیس ہوں، جیسے اونٹ، شتر مرغ اور بطخ وغیرہ۔

۲- گائے بکری کی خالص چربی جو پیٹ سے نکلتی ہے یا گردوں سے لپٹی ہوئی ہوتی ہے، پس جو چربی پشت پر یا انتڑیوں سے لگی ہوئی ہوتی ہے یا ہڈی کے ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہے: وہ حلال ہے — یہ دو چیزیں خاص یہود کے لئے حرام تھیں۔

مگر یہود کا دعویٰ ہے کہ یہ چیزیں حضرات نوح وابراہیم علیہما السلام کے زمانہ سے حرام چلی آ رہی ہیں، ان کی یہ بات غلط ہے، یہ تو یہود کی نافرمانی اور شرارت کی وجہ سے حرام کی گئی تھیں، جو اس کے خلاف دعویٰ کرے دلیل پیش کرے، اللہ کا بیان باون تولہ پاؤ رتی ہے! تفصیل ہدایت القرآن (۱:۴۴۸) میں گذر چکی ہے۔

اور اگر یہود آپ کی تکذیب کریں، اور مرغ کی ایک ٹانگ گائے جائیں تو ان سے کہہ دیں کہ تم اللہ کی رحمت کی سمائی سے عذاب سے بچے ہوئے ہو، ورنہ تمہاری اس گستاخی کی سزا تم کو فوراً ملنی چاہئے، کیونکہ رسول کی تکذیب اللہ کی تکذیب ہے، اور اللہ کے مجرم سے عذاب پھیرا نہیں جاتا!

آیاتِ پاک: کہہ دو: میں نہیں پاتا اس وحی (قرآن) میں جو میری طرف کی گئی ہے کہ کوئی بھی چیز حرام کی گئی ہے، کسی بھی کھانے والے پر، جو اس کو کھاتا ہے: مگر یہ کہ ہو وہ مردار، یا بہتا خون، یا سور کا گوشت — پس بے شک وہ ناپاک ہے — یا کبیرہ گناہ: آواز بلند کی گئی ہو اس کے ذریعہ اللہ کے علاوہ کی — پھر جو لاچار ہو گیا، بشرطیکہ لطف اندوز

ہونے والا نہ ہو، اور حد ضرورت سے آگے بڑھنے والا نہ ہو تو آپ کے پروردگار یقیناً بڑے بخشنے والے بڑے مہربان ہیں!

اوران لوگوں پر جو یہودی ہوئے: ہم نے ہر ناخن والا جانور حرام کیا، اور گائے بکری میں سے: دونوں کی چربی ہم نے ان پر حرام کی، مگر وہ چربی جو ان کی پیٹھیں یا انتڑیاں اٹھائے ہوئے ہیں، یا جو کسی ہڈی کے ساتھ ملی ہوئی ہے —— یہ ہم نے ان کو سزا دی ہے ان کی سرکشی کی، اور ہم یقیناً سچے ہیں!

پس اگر وہ آپؐ کو جھٹلائیں تو آپ کہہ دیں: تمہارے پروردگار بڑی وسیع مہربانی والے ہیں، اور ان کا عذاب گناہ گاروں سے ٹلتا نہیں!

سَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰہُ مَآ اَشْرَکْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَیْءٍ ؕ کَذٰلِکَ کَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰی ذَاقُوْا بَاْسَنَا ؕ قُلْ هَلْ عِنْدَکُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ؕ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴿۱۴۸﴾ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىکُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۴۹﴾ قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَکُمُ الَّذِیْنَ یَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ ع ۱۸

سَیَقُوْلُ	اب کہیں گے	کَذٰلِکَ	اسی طرح	فَتُخْرِجُوْهُ	پس پیش کرو اس کو
الَّذِیْنَ	جنھوں نے	کَذَّبَ	جھٹلایا	لَنَا	ہمارے سامنے
اَشْرَکُوْا	شریک کیا	الَّذِیْنَ	ان لوگوں نے جو	اِنْ تَتَّبِعُوْنَ	نہیں پیروی کرتے تم
لَوْ شَآءَ	اگر چاہتے	مِنْ قَبْلِهِمْ	ان سے پہلے ہوئے	اِلَّا الظَّنَّ	مگر گمان کی
اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ	حَتّٰی ذَاقُوْا	یہاں تک کہ چکھی انھوں نے	وَاِنْ اَنْتُمْ	اور نہیں ہو تم
مَآ اَشْرَکْنَا	(تو) نہ شرک کرتے ہم	بَاْسَنَا	ہماری سختی (عذاب)	اِلَّا تَخْرُصُوْنَ	مگر اندازہ کرتے
وَلَآ اٰبَآؤُنَا	اور نہ ہمارے باپ دادا	قُلْ	پوچھو	قُلْ	کہو
وَلَا حَرَّمْنَا	اور نہ حرام کرتے ہم	هَلْ عِنْدَکُمْ	کیا تمہارے پاس ہے	فَلِلّٰهِ	پس اللہ ہی کے لئے ہے
مِنْ شَیْءٍ	کوئی چیز	مِّنْ عِلْمٍ	کوئی دلیل؟	الْحُجَّةُ	دلیل

اَلْبَالِغَةُ [1]	مضبوط	اَنَّ اللّٰهَ	کہ اللہ نے	الَّذِيْنَ	ان کی جنھوں نے
فَلَوْ شَآءَ	پس اگر چاہتا وہ	حَرَّمَ	حرام کیا ہے	كَذَّبُوْا	جھٹلایا
لَهَدٰىكُمْ	یقیناراہ پر لے آتا تم	هٰذَا	اس کو	بِاٰيٰتِنَا	ہماری باتوں کو
اَجْمَعِيْنَ	سب کو	فَاِنْ	پس اگر	وَالَّذِيْنَ [3]	اوران کی جو
قُلْ	کہو	شَهِدُوْا	گواہی دیں وہ	لَا يُؤْمِنُوْنَ	نہیں مانتے
هَلُمَّ	لاؤ	فَلَا تَشْهَدْ [2]	تو نہ گواہی دیں آپ	بِالْاٰخِرَةِ	آخرت کو
شُهَدَآءَكُمُ	اپنے گواہ	مَعَهُمْ	ان کے ساتھ	وَهُمْ	اور وہ
الَّذِيْنَ	جو	وَلَا تَتَّبِعْ	اور نہ پیروی کریں آپ	بِرَبِّهِمْ	اپنے رب کے
يَشْهَدُوْنَ	گواہی دیں	اَهْوَآءَ	خواہشات کی	يَعْدِلُوْنَ	برابر گردانتے ہیں

مشرکین کے اس قول کی تردید کہ ہمارا شرک اور ہماری تحریم اللہ کی مشیت سے ہے

مشرکین کہتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور نہ ہوتا تو نہ ہم شرک کرتے نہ ہمارے باپ دادا، اور نہ ہم کسی جانور کو حرام ٹھہراتے، یعنی جو کچھ ہو رہا ہے مشیت ایزدی سے ہو رہا ہے، اللہ کی مرضی کے خلاف پتہ بھی نہیں ہل سکتا، پس رسول کا یہ مطالبہ کہ ہم شرک چھوڑ دیں اور جانوروں کی تحریم سے باز آجائیں: نامعقول مطالبہ ہے، ہم ایسا کرنے پر قادر نہیں، اللہ کی مرضی کے خلاف ہم کوئی راہ کیونکر اپنا سکتے ہیں؟

جواب: رسولوں کی تکذیب آج کوئی نئی بات نہیں، گذشتہ کفار نے بھی اسی طرح تکذیب کی تھی، مگر ان کا انجام کیا ہوا؟ عذابِ الٰہی کا کوڑا ان پر برسا، اور وہ سب صفحۂ ہستی سے مٹا دیئے گئے، پس آج کے مکذبین گذشتہ لوگوں کے انجام سے سبق کیوں نہیں لیتے؟

﴿ سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ۭ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ۭ ﴾

ترجمہ: اب مشرکین کہیں گے: اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو ہم شریک نہ ٹھہراتے، اور نہ ہمارے باپ دادا، اور نہ ہم کوئی چیز حرام قرار دیتے! ــــــ (جواب:) اسی طرح ان لوگوں نے بھی (انبیاء کو) جھٹلایا جو ان سے پہلے ہوئے، یہاں تک کہ

(۱) البالغة: أی البینةُ الواضحةُ التی بلغت غایةَ المتانة والقوة علی الإثبات (روح المعانی) یعنی صاف اور واضح دلیل جو نہایت درجہ قوی اور اعلیٰ درجہ کی مثبت مدعیٰ ہو (۲) فلا تشهد: مشاکلۃً فرمایا ہے (۳) پہلے الذین پر معطوف ہے۔

انھوں نے ہمارا عذاب چکھا!

مشرکین کے پاس اپنی بات کی کوئی دلیل نہیں!

مشرکین کے پاس اگر اپنی بات کی کوئی ٹھوس مضبوط دلیل ہوتو پیش کریں، تا کہ دیکھا جائے کہ وہ کہاں تک مفید مدعیٰ ہے؟ —— کوئی دلیل نہیں، نہ شرک کی نہ تحریم کی، وہ محض خیالی باتوں پر چلتے ہیں، اندھیرے میں تیر چلاتے ہیں!

﴿ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ۖ إِنْ تَتَّبِعُوْنَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنْتُمْ إِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴾

ترجمہ: کہو: اگر تمہارے پاس کوئی دلیل ہوتو سامنے لاؤ؟ تم گمان ہی کی پیروی کرتے ہو، اور محض اٹکل اڑاتے ہو!

اللہ کی دلیل نہایت قوی ہے

مشرکین کے پاس تو شرک اور تحریم حیوانات کے جواز کی کوئی دلیل نہیں، مگر اللہ کے پاس قوی اور مضبوط دلیل ہے کہ شرک باطل ہے، اور بحیرہ وغیرہ جانوروں کی تحریم خودساختہ ہے، اور یہ دلائل قرآن میں بار بار پیش کئے گئے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ اگرچہ یہ بات صحیح ہے کہ کائنات میں جو کچھ ہورہا ہے: مشیتِ ایزدی سے ہورہا ہے، مگر یہ بھی واقعہ ہے کہ انسان مجبور محض نہیں، اس کو دوسری مخلوقات سے زیادہ صلاحیت دی ہے، اس کو کامل عقل، وافر فہم، بینا آنکھیں اور شنوا کان دیئے ہیں، اس کو خیر وشر میں انتخاب کی قدرت بخشی ہے، وہ اپنی خداداد فہم سے فیصلہ کرسکتا ہے کہ جو کائنات کا خالق ومالک ہے وہی معبود ہے، اور تحلیل وتحریم کا اختیار بھی اسی کا ہے، اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو انسان کو مجبور بھی کرسکتے تھے، دیگر مخلوقات کی طرح سب انسان راہ ہدایت پر ہوتے، مگر ان کی حکمت کا فیصلہ یہ ہوا کہ انسان اشرفِ کائنات بنے، جس کے لئے اس کو امتحان کی گھاٹی سے گذارنا ضروری تھا، تا کہ اس کا جنت کا استحقاق برملا ثابت ہوجائے، اس کے لئے انبیاء بھیجے، اپنی کتابیں نازل کیں، تا کہ انسان بابصیرت ہو، آنکھ بند کرکے جہنم کے کھڈے میں نہ گرے!

﴿ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ أَجْمَعِيْنَ ﴾

ترجمہ: کہو: پس مضبوط دلیل اللہ تعالیٰ ہی کی ہے —— کہ شرک باطل ہے اور تحریم ایجاد بندہ ہے، اور اللہ کے یہ دلائل قرآن میں جگہ جگہ بیان ہوئے ہیں اور توحید کے دلائل سے تو قرآن کریم بھرا پڑا ہے، اب فیصلہ انسان کو کرنا ہے اور اپنی مرضی سے ایمان لانا ہے —— سو اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو تم سبھی کو راہِ راست پر لے آتے —— مگر ان کی حکمت کا یہ تقاضہ نہیں، انسان کو جزوی اختیار دے کر مکلّف بنایا ہے، اب اس کو اپنی مرضی سے اپنے معبود کو پہچاننا ہے اور اس کے احکام کی پیروی کرنی ہے۔

اگر مشرکوں کے پاس بحیرہ وغیرہ کی تحریم کے گواہ ہوں تو لائیں

گواہ: آنکھوں دیکھی کانوں سنی بات بیان کرتا ہے، اگر مشرکین کے پاس ایسے گواہ ہوں جن کے روبرو اللہ تعالیٰ نے تحریم کے جواز کی بات کہی ہو تو ان کو سامنے لائیں، مگر خلافِ واقعہ بات کے گواہ کہاں ہو سکتے ہیں؟ اور بالفرض کوئی بے حیا گواہی دینے کے لئے کھڑا ہو جائے تو آپ اس کی بات کا اعتبار نہ کریں ـــــ یہ آپؐ پر رکھ کر امت کو سنایا ہے۔

اور اصل بات یہ ہے کہ مشرکین چاہتے ہیں کہ آپؐ ان کی خواہشات کی پیروی کریں، وہ اپنے موقف سے ہٹنا نہیں چاہتے، آپؐ کو ہٹانا چاہتے ہیں، یہ کیسے ممکن ہے؟ وہ تو اللہ کی باتیں نہیں مانتے، آخرت کو بھی نہیں مانتے، اور اللہ کے ہم سر تجویز کرتے ہیں، پس ان کی راہ الگ ہے، اور پیغمبر ﷺ کی راہ الگ ہے۔

﴿قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿١٥٠﴾﴾

ترجمہ: کہو: تم اپنے گواہ لاؤ جو گواہی دیں کہ اللہ نے ان (جانوروں) کو حرام کیا ہے، پس اگر وہ گواہی دیں تو آپؐ ان کے ساتھ گواہی نہ دیں ـــــ یہ مشاکلۃً فرمایا ہے، مراد یہ ہے کہ آپ ان کی گواہی کا اعتبار نہ کریں، ان کی گواہی پر کان نہ دھریں، اور یہ آپؐ کا لاگ رکھ کر امت کو سنایا ہے ـــــ اور آپؐ ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کریں جو ہماری باتوں کو جھٹلاتے ہیں، اور جو آخرت کو نہیں مانتے، اور وہ اپنے پروردگار کے ہم سر تجویز کرتے ہیں!

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿١٥١﴾ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿١٥٢﴾ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ

فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾

قُلْ	کہو	مَا ظَهَرَ مِنْهَا	جو کھلے ہیں ان میں سے	الْكَيْلَ	ناپ کو
تَعَالَوْا	آؤ	وَمَا بَطَنَ	اور جو چھپے ہیں	وَالْمِيْزَانَ	اور تول کو
أَتْلُ	پڑھوں میں	وَلَا تَقْتُلُوا	اور مت مار ڈالو	بِالْقِسْطِ	انصاف کے ساتھ
مَا حَرَّمَ	جو حرام کیا ہے	النَّفْسَ	اس جان کو	لَا نُكَلِّفُ	نہیں ذمہ داری سونپتے ہم
رَبُّكُمْ	تمہارے پروردگار نے	الَّتِيْ	جس کو	نَفْسًا	کسی شخص کو
عَلَيْكُمْ	تم پر	حَرَّمَ اللّٰهُ	حرام کیا ہے اللہ نے	إِلَّا وُسْعَهَا	مگر اس کی گنجائش کے
أَلَّا (۱)	کہ نہ	إِلَّا بِالْحَقِّ	مگر حق شرعی کی وجہ سے		بقدر
تُشْرِكُوْا	شریک کرو تم	ذٰلِكُمْ	یہ باتیں	وَإِذَا قُلْتُمْ	اور جب بات کہو
بِهٖ	اس کے ساتھ	وَصّٰىكُمْ	تاکیدی حکم دیا ہے	فَاعْدِلُوْا	تو انصاف کی کہو
شَيْئًا	کسی چیز کو		اللہ تعالیٰ نے تم کو	وَلَوْ كَانَ	اگرچہ ہو وہ
وَبِالْوَالِدَيْنِ	اور ماں باپ کے ساتھ	بِهٖ	اس کا	ذَا قُرْبٰى	رشتہ دار
إِحْسَانًا (۲)	نیک سلوک کرو	لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ	تاکہ تم سمجھو	وَبِعَهْدِ اللّٰهِ	اور اللہ کے پیمان کو
وَلَا تَقْتُلُوْا	اور مت مار ڈالو	وَلَا تَقْرَبُوْا	اور مت قریب جاؤ	أَوْفُوْا	پورا کرو
أَوْلَادَكُمْ	اپنی اولاد کو	مَالَ الْيَتِيْمِ	یتیم کے مال کے	ذٰلِكُمْ	یہ باتیں
مِّنْ إِمْلَاقٍ (۳)	مفلسی کی وجہ سے	إِلَّا بِالَّتِيْ	مگر اس طریقہ پر جو	وَصّٰىكُمْ	تاکیدی حکم دیا اس نے
نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ	ہم روزی دیتے ہیں تم کو	هِيَ أَحْسَنُ	وہ بہتر ہے	بِهٖ	اس کا
وَإِيَّاهُمْ	اور ان کو	حَتّٰى يَبْلُغَ	یہاں تک کہ پہنچے وہ	لَعَلَّكُمْ	تاکہ تم
وَلَا تَقْرَبُوا	اور مت قریب جاؤ	أَشُدَّهٗ	اپنی جوانی کو	تَذَكَّرُوْنَ	نصیحت پکڑو
الْفَوَاحِشَ	بے حیائی کے کاموں کے	وَأَوْفُوا	اور پورا کرو	وَأَنَّ هٰذَا (۴)	اور اس لئے کہ یہ

(۱) ألا: أن لا ہے، أن: تفسیریہ اور لا: نافیہ، نون کا لام میں ادغام ہوا ہے (۲) عامل محذوف ہے ای أحْسِنُوْا اور إحسانا مفعول مطلق ہے (۳) إملاق: مصدر ہے أملقتهُ الخطوبُ: آفات کا کسی کو مفلس وکنگال کر دینا۔ (۴) أن سے پہلے لام مقدر ہے أی لأنَّ هذا۔

صِرَاطِیْ	میرا راستہ ہے	فَتَفَرَّقَ	پس جدا ہو جائیں گی	وَصّٰکُمْ	تاکیدی حکم دیا ہے
مُسْتَقِیْمًا	سیدھا		وہ راہیں		اللہ تعالیٰ نے تم کو
فَاتَّبِعُوْهُ	پس پیروی کرو اس کی	بِکُمْ	تمہارے ساتھ	بِهٖ	اس کا
وَلَا تَتَّبِعُوا	اور مت پیروی کرو	عَنْ سَبِیْلِهٖ	اللہ کے راستہ سے	لَعَلَّکُمْ	تاکہ تم
السُّبُلَ	دوسری راہوں کی	ذٰلِکُمْ	یہ باتیں	تَتَّقُوْنَ	(گناہوں سے) بچتے رہو

وہ احکام جو اللہ کی شریعت ہیں اور جن سے تقوی حاصل ہوتا ہے

شرک وتحریم بحیرہ وغیرہ مشرکین کی خودساختہ شریعت تھی، اب ان کو اللہ کی شریعت کے نو احکام سنائے جاتے ہیں، جن سے پرہیزگاری حاصل ہوسکتی ہے: ارشادِ پاک ہے: —— کہو: آؤ، میں پڑھوں جو چیزیں تم پر تمہارے پروردگار نے حرام کی ہیں:

① —— کہ نہ شریک ٹھہراؤ تم ان کے ساتھ کسی چیز کو —— نہ مورتیوں کو نہ اللہ کے نیک بندوں کو، جس طرح دیوی دیوتاؤں کی پوجا حرام ہے اسی طرح انبیاء اولیاء کی، ان کی قبروں پر سجدہ کرنا، ان سے مرادیں مانگنا، ان کے نام پر جانور چھوڑنا اور ان کو کائنات میں متصرف ماننا شرک ہے۔

② —— اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو —— ان کا احترام کرو، ان سے محبت رکھو، ان کے ساتھ بہتر اخلاق برتو، ان کی ہر طرح خدمت اور معاشی کفالت کرو —— توحید کے بعد معاً اس حق کے تذکرہ میں اشارہ ہے کہ اللہ کے حق کے بعد سب سے بڑا حق والدین کا ہے۔

③ —— اور مفلسی کی وجہ سے اپنی اولاد کو مت مار ڈالو، ہم ہی تمہیں روزی دیتے ہیں اور ان کو بھی دیں گے —— عرب مفلسی کی وجہ سے اولاد کو مار ڈالتے تھے، کہتے تھے: خود کھانے کو نہیں اولاد کو کہاں سے کھلائیں گے؟ ان سے فرمایا کہ رزاق اللہ ہیں، وہ تمہیں بھوکا نہیں مارتے، کھلاتے پلاتے ہیں وہ تمہاری اولاد کو بھی پالیں گے پوسیں گے —— یہاں ﴿ مِّنْ اِمْلَاقٍ ﴾ ہے اور سورۃ بنی اسرائیل میں: ﴿ خَشْیَةَ اِمْلَاقٍ ﴾ ہے، یعنی مفلسی کے ڈر سے بھی قتل مت کرو، یہاں فی الحال مفلسی کا ذکر ہے اور آگے آئندہ مفلسی کا ڈر ہے، یہ سوچ کر مار ڈالنا کہ جب بال بچے زیادہ ہونگے تو کہاں سے کھلائیں گے؟ اس لئے یہاں ﴿ نَرْزُقُکُمْ ﴾ پہلے ہے اور آگے ﴿ نَرْزُقُهُمْ ﴾ پہلے ہے۔

فائدہ: برتھ کنٹرول کی تمام صورتیں بھی درجہ بدرجہ قتل اولاد کے زمرہ میں آتی ہیں، مسلم شریف کی روایت میں عزل کو

بھی چپکے سے بچہ کو زندہ درگور کرنا قرار دیا گیا ہے۔

④ —— اور بے حیائی کے کاموں کے نزدیک مت جاؤ، خواہ بے حیائی کھلی ہو یا چھپی —— بے حیائی کے کام مقناطیس کی طرح ہیں، جو قریب جائے گا اس کو وہ اپنی طرف کھینچ لیں گے اور گناہ میں مبتلا کر دیں گے، اور پاس نہ جانا: اس کے وسائل سے بچنا ہے، پس زنا کی طرح بدنظری سے اجتناب بھی ضروری ہے —— اور کھلی چھپی کا مطلب یہ ہے کہ بے حیائی کا کام جس طرح برملا ممنوع ہے اسی طرح چوری چھپے بھی ممنوع ہے۔

⑤ —— اور اس شخص کو قتل مت کرو جس کو اللہ نے محترم قرار دیا ہے، مگر حق شرعی کی وجہ سے —— قتل کرنا جائز ہے —— ہر انسان قابل احترام ہے، خواہ مسلمان ہو یا غیر مسلم —— اور خودکشی بھی قتل نفس ہے —— اور حق شریعت کی وجہ سے قتل کرنے کی تین صورتیں ہیں: قصاص میں قتل کرنا، شادی شدہ زنا کرے تو سنگسار کرنا اور جو مسلمان مرتد ہو جائے اور توبہ کے لئے تیار نہ ہو تو اس کو قتل کرنا —— مگر یہ سزائیں اسلامی حکومت ہی دے سکتی ہے، اپنے طور پر کوئی شخص ان کو قتل نہیں کرسکتا —— یہ وہ باتیں ہیں جن کا اللہ تعالیٰ تمہیں تاکیدی حکم دیتے ہیں تاکہ تم عقل سے کام لو!

⑥ —— اور یتیم کے مال کے قریب مت جاؤ، مگر اس طریقہ سے جو کہ وہ بہتر ہے، یہاں تک کہ وہ حد بلوغ کو پہنچ جائے —— یتیم کے مال میں بے جا تصرف کرنا حرام ہے، ہاں مشروع طریقہ پر ولی یتیم تصرف کرسکتا ہے، پھر جب یتیم بچہ جوان ہو جائے اور اس میں شد بد آجائے تو اس کا مال کاروبار اس کے حوالے کر دیا جائے۔

⑦ —— اور ناپ تول کو انصاف کے ساتھ پورا کرو، ہم کسی شخص کو اس کی گنجائش سے زیادہ حکم نہیں دیتے —— ناپ تول میں وہ تمام چیزیں بھی شامل ہیں جو میٹر سے ناپی جاتی ہیں —— اور غیر ارادی طور پر کچھ کمی بیشی ہو جائے تو وہ معاف ہے۔

⑧ —— اور جب تم کوئی بات کہو تو انصاف سے کہو، چاہے وہ رشتہ دار کے خلاف پڑے! —— یعنی خواہ گواہی دے یا فیصلہ کرے انصاف سے کرے، رشتہ داری کا خیال نہ کرے، بلکہ بے لاگ سچی بات کہے۔

⑨ —— اور اللہ کے ساتھ کئے ہوئے عہد و پیمان کو پورا کرو —— ایک مسلمان کی حیثیت سے ہم نے اللہ تعالیٰ سے تمام احکام پر عمل کرنے کا عہد باندھا ہے، پس کسی بھی مامور کو چھوڑنا اور کسی بھی منہی کا ارتکاب کرنا عہد شکنی اور گناہ ہے۔

آخر میں فرماتے ہیں: —— یہ وہ احکام ہیں جن کا اللہ تعالیٰ تمہیں تاکیدی حکم دیتے ہیں —— اور ان میں تین فائدے ہیں:

ایک: —— تاکہ تم نصیحت پکڑو —— یعنی یہ احکام تمہاری خیر خواہی پر مبنی ہیں، ان پر عمل کرو گے تو تمہارا بھلا ہوگا۔

دوسرا: —— اور اس لئے ہیں کہ یہ میرا سیدھا راستہ ہے، لہٰذا اس پر چلو، اور دیگر راہوں پر مت چلو، وہ تمہیں اللہ کے

راستہ سے جدا کردیں گی ـــــ مسلمان وہی ہے جو اللہ کے راستہ پر چلتا ہے، وہی اللہ تک پہنچے گا، جو دوسری راہیں اپناتا ہے وہ کہیں سے کہیں پہنچے گا۔

تیسرا: ـــــ یہ وہ باتیں ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم تقویٰ شعار بنو! ـــــ پرہیزگاری مؤمن کی بڑی آرزو ہے، اور وہ مثبت ومنفی پہلوؤں سے احکام پر عمل کرنے ہی سے حاصل ہوسکتی ہے۔

ملحوظہ: سورۃ بنی اسرائیل (آیات ۲۳-۳۹) میں بارہ احکام ہیں ان میں یہ نو بھی ہیں، اور وہاں ان احکام کی زیادہ تفصیل ہے، وہ حصہ میں نے پہلے لکھا ہے، لہٰذا ان کی مراجعت کی جائے۔

ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَ تَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّ رَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۱۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ۭ سَنَجْزِي الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

ع ۱۹

ثُمَّ (۱)	پھر	تَمَامًا (۲)	نعمت پوری کرنے کیلئے	لِكُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز کی
اٰتَيْنَا	دی ہم نے	عَلَى الَّذِيْٓ	اس پر جس نے	وَّهُدًى	اور راہ نمائی کے لئے
مُوْسَى	موسیٰ کو	اَحْسَنَ	نیک کام کیا	وَّرَحْمَةً	اور مہربانی کے لئے
الْكِتٰبَ	آسمانی کتاب	وَتَفْصِيْلًا	اور وضاحت کرنے کیلئے	لَعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ	تاکہ وہ ملاقات پر

(۱) ثم: نہج بدلنے کے لئے ہے، تراخی کے لئے نہیں، اس کو ترتیب ذکری بھی کہتے ہیں اور اس کا ترجمہ 'اور' کرتے ہیں۔ ایسا ثم سورۃ البلد (آیت ۱۷) میں بھی آیا ہے عربی میں نہج بدلنے کے لئے: اما بعد، وبعدُ، هذا اور ثم ہیں، ماسبق اور مابعد میں کیسا تعلق ہے اس کے لحاظ سے یہ الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں، برائے نام تفاوت ہو تو ثم آتا ہے (۲) تماما، تفصیلا، هدی اور رحمة: آتینا کے مفعول لہٗ ہیں۔

رَبِّهِمْ	ان کے رب کی	عَنْ دِرَاسَتِهِمْ(۳)	ان (کی کتابوں) کے	وَهُدًى	اور راہ نمائی
يُؤْمِنُوْنَ	ایمان لائیں		پڑھنے سے	وَّرَحْمَةٌ	اور مہربانی
وَهٰذَا كِتٰبٌ	اور یہ ایک کتاب ہے	لَغٰفِلِيْنَ	بالکل بے خبر	فَمَنْ اَظْلَمُ	پس کون بڑا ظالم ہے
اَنْزَلْنٰهُ	اتارا ہے ہم نے اس کو	اَوْ تَقُوْلُوْا	یا کہنے لگو	مِمَّنْ	اس شخص سے جس نے
مُبٰرَكٌ	بابرکت ہے	لَوْ اَنَّآ	اگر بے شک ہم	كَذَّبَ	جھٹلایا
فَاتَّبِعُوْهُ	پس اس کی پیروی کرو	اُنْزِلَ	اتاری جاتی	بِاٰيٰتِ اللّٰهِ	اللہ کی باتوں کو
وَاتَّقُوْا	اور گناہوں سے بچو	عَلَيْنَا	ہم پر	وَصَدَفَ(۴)	اور کترایا
لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ	تاکہ تم رحم کئے جاؤ	الْكِتٰبُ	آسمانی کتاب	عَنْهَا	ان سے
اَنْ تَقُوْلُوْٓا(۱)	کبھی کہنے لگو	لَكُنَّآ	(تو) ضرور ہوتے ہم	سَنَجْزِي	عنقریب بدلہ دیں گے ہم
اِنَّمَآ	اس کے سوا نہیں کہ	اَهْدٰى مِنْهُمْ	زیادہ راہ یاب ان سے	الَّذِيْنَ	ان کو جو
اُنْزِلَ	اتاری گئی	فَقَدْ	پس بالتحقیق	يَصْدِفُوْنَ	کتراتے ہیں
الْكِتٰبُ	آسمانی کتابیں	جَآءَكُمْ	آچکی ہے تمہارے پاس	عَنْ اٰيٰتِنَا	ہماری باتوں سے
عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ	دو جماعتوں پر	بَيِّنَةٌ	واضح دلیل	سُوْٓءَ الْعَذَابِ	بری سزا
مِنْ قَبْلِنَا	ہم سے پہلے	مِّنْ رَّبِّكُمْ	تمہارے پروردگار کی	بِمَا كَانُوْا	بایں وجہ کہ وہ
وَاِنْ كُنَّا(۲)	اور بے شک تھے ہم		کی طرف سے	يَصْدِفُوْنَ	روکا کرتے تھے

تورات کا تذکرہ، اس کی چار خوبیاں اور اس کے نزول کا مقصد

ربط: گذشتہ احکام قرآنِ کریم کے احکام تھے، اب ان کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے قرآنِ کریم کی اہمیت بیان فرماتے ہیں، مگر بات تورات سے شروع کی ہے، اس لئے کہ سابقہ کتابوں میں اہم تورات تھی، اور اس لئے بھی کہ آگے عربوں کی بہانہ جوئی میں اس کا تذکرہ آئے گا، اور انجیل: تورات کا ضمیمہ تھی، اس لئے اس کا مستقلاً ذکر نہیں کیا۔

(۱) یہ أنْ لئلا ہے، ایسا اَن اس جلد میں پہلے بھی دو جگہ آیا ہے، مفسرین تقدیر عبارت لئلا نکالتے ہیں (۲) إن: مخففہ ہے اور اس کا اسم نا محذوف ہے (۳) دراستھم میں مضاف محذوف ہے، الدراسة: تعلیم، اسٹڈی۔ (۴) صدف: لازم بھی ہے اور متعدی بھی، شاہ عبد القادر صاحبؒ نے لازم کا ترجمہ کیا ہے: کترانا یعنی روگردانی کرنا، اور حضرت تھانویؒ نے متعدی کا ترجمہ کیا ہے، میں نے دونوں کو جمع کیا ہے۔

تورات میں چار خوبیاں تھیں، وہ سب خوبیاں قرآنِ کریم میں بھی ہیں، اور ایک خوبی مستزاد ہے، جو سنار کی سو اور لوہار کی ایک کی مثال ہے، وہ بابرکت کتاب ہے، اس لئے کہ وہ اللہ کا کلام ہے اور تورات اللہ کی کتاب تو تھی، کلام نہیں تھی: کلام یا تو فرشتہ کا تھا یا پیغمبر کا۔

تورات کی چار خوبیاں:

۱– تورات اللہ کے نیک بندوں پر، جو تورات کے احکام پر عمل کریں، اللہ کی نعمت کی تکمیل کرتی ہے، یعنی ان کو جنت کا حقدار بناتی ہے۔

۲– تورات ہر دینی بات کی، خواہ اس کا اصول سے تعلق ہو یا فروع سے، پوری وضاحت کرتی ہے۔

۳– تورات بنی اسرائیل کے لئے راہ نما کتاب تھی، دین کی گائڈ بک تھی۔

۴– تورات بنی اسرائیل کو اللہ کی رحمت کا حقدار بنانے کے لئے تھی۔

اور تورات کے نزول کا مقصد: آخرت کا اور اللہ کی ملاقات کا یقین پیدا کرنا تھا، تمام آسمانی کتابوں کا یہی مقصد ہوتا ہے، صحیح عقیدہ اور اللہ کے احکام پر عمل اسی پر موقوف ہوتا ہے۔

﴿ ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَ تَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴾

ترجمہ: پھر ہم نے موسیٰ کو آسمانی کتاب (تورات) دی: (۱) اس شخص پر اللہ کی نعمت پوری کرنے کے لئے جس نے نیک کام کیا — یعنی تورات پر عمل کیا — (۲) اور ہر (دینی) بات کی وضاحت کرنے کے لئے (۳) اور لوگوں کی راہ نمائی کے لئے (۴) اور مہربانی کے لئے — (مقصد نزول:) تاکہ وہ لوگ (بنی اسرائیل) اپنے پروردگار کی ملاقات پر ایمان لائیں۔

قرآنِ کریم بابرکت کتاب ہے، اس لئے کہ وہ اللہ کا کلام ہے

قرآنِ کریم صرف اللہ کی کتاب نہیں، ان کا کلام بھی ہے، اور مثل ہے: كلامُ الملوكِ ملوكُ الكلام: شاہ کا کلام شاہ ہوتا ہے، قرآن کا حسن و جمال درخشاں اور تاباں ہے، اس میں صرف روح کی غذا نہیں، جسمانی بیماریوں کا بھی علاج ہے، لہٰذا دائیں بائیں دیکھنے کی ضرورت نہیں، اسی کی پیروی کرو، اور اللہ سے ڈرو، اس کے احکام کی خلاف ورزی مت کرو، دارین میں بامراد ہوگے!

﴿ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴾

ترجمہ: اور یہ ایک بابرکت کتاب ہے، جس کو ہم نے نازل کیا ہے، پس اس کی پیروی کرو، اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم رحم کیے جاؤ!

نزولِ قرآن کا ایک مقصد عربوں پر اتمام حجت ہے

نزولِ قرآن کا ایک مقصد عربوں پر اتمام حجت بھی ہے، ورنہ وہ آخرت میں بہانہ بنا سکتے ہیں کہ تورات وانجیل جو بنی اسرائیل پر نازل ہوئی تھیں، وہ سریانی یا عبرانی زبان میں تھیں، ہم ان زبانوں سے واقف نہیں تھے، اس لئے ہم نے اللہ کو اور اللہ کی شریعت کو نہیں پہچانا، اگر ہم پر عربی میں کتاب نازل کی جاتی تو ہم بنی اسرائیل سے نمبر لے جاتے، اور دنیا دیکھتی کہ ہم اس پر کیسا عمل کرتے ہیں؟ اور ہم اس کو کس طرح چار دانگ عالم پھیلاتے ہیں؟

یہ عذر عرب آخرت میں پیش نہ کرسکیں اس لئے عربی میں قرآن نازل کیا ہے، جو چشم کشا واضح دلائل پر مشتمل ہے، جو راہ نمائی اور رحمت ہے، اب دیکھتے ہیں: تم اپنی بات میں کہاں تک سچے ثابت ہوتے ہو!

﴿اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۠ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ﴾

ترجمہ: کبھی تم کہنے لگو کہ آسمانی کتابیں ہم سے سابق دو جماعتوں ہی پر اتاری گئی تھیں، اور بے شک ہم ان کے پڑھنے سے بالکل ہی نابلد تھے، یا تم کہنے لگو کہ اگر ہم پر آسمانی کتاب اتاری جاتی تو ہم ان (بنی اسرائیل) سے زیادہ راہ یاب ہوتے، سو بالتحقیق تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل، راہ نمائی اور مہربانی پہنچ چکی ہے! —— اس کی قدر کرو اور ایمان لاؤ!

اب جو قرآن پر ایمان نہیں لائے گا، اور دوسروں کو ایمان لانے سے روکے گا وہ بڑا ظالم ہے اس کو کڑی سزا ملے گی

یہ سورت مکی دور کے وسط کی ہے، اس وقت مخالفت زوروں پر تھی، قریش نہ خود ایمان لاتے تھے، نہ اوروں کو ایمان لانے دیتے تھے، باہر کا کوئی آدمی حج یا عمرہ کے لئے آتا تو اس کے کان بھرتے، تاکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ ملے، یہ لوگ بڑے ظالم ہیں، خود تو ڈوبے ہیں دوسروں کو بھی ڈوبانے کے درپے ہیں، ان کو قیامت کے دن کڑی سزا ملے گی، انتظار کریں!

﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ۭ سَنَجْزِي الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ

اٰیٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا کَانُوْا یَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

ترجمہ: پس کون بڑا ظالم ہے اس شخص سے جس نے ہماری باتوں کو جھٹلایا، اور ان سے روگردانی کی، عنقریب ہم سخت سزادیں گے ان لوگوں کو جو ہماری باتوں سے روگردانی کرتے ہیں، بایں وجہ کہ وہ لوگوں کو (بھی) روکا کرتے تھے!

هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِیَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ یَاْتِیَ رَبُّكَ اَوْ یَاْتِیَ بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّكَ ؕ یَوْمَ یَاْتِیْ بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّكَ لَا یَنْفَعُ نَفْسًا اِیْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِیْٓ اِیْمَانِهَا خَیْرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

هَلْ	نہیں	رَبِّكَ	آپ کے رب کی	اٰمَنَتْ	وہ ایمان لایا
یَنْظُرُوْنَ	راہ دیکھتے وہ	یَوْمَ	جس دن	مِنْ قَبْلُ	اس سے پہلے
اِلَّآ اَنْ	مگر اس بات کی کہ	یَاْتِیْ	آئے گی	اَوْ كَسَبَتْ (۳)	یا (نہیں) کمائی تھی
تَاْتِیَهُمُ	آئیں	بَعْضُ اٰیٰتِ	کوئی نشانی	فِیْٓ اِیْمَانِهَا	اپنے ایمان میں
الْمَلٰٓئِكَةُ	فرشتے	رَبِّكَ	آپ کے رب کی	خَیْرًا	کوئی نیکی
اَوْ یَاْتِیَ	یا آئے	لَا یَنْفَعُ	نہیں کام آئے گا	قُلِ	کہہ دو
رَبُّكَ (۱)	(عذاب) آپ کے رب کا	نَفْسًا	کسی شخص کے لئے	انْتَظِرُوْٓا	انتظار کرو
اَوْ یَاْتِیَ	یا آئیں	اِیْمَانُهَا	اس کا ایمان لانا	اِنَّا	بے شک ہم
بَعْضُ اٰیٰتِ	بعض نشانیاں	لَمْ تَكُنْ (۲)	نہیں تھا	مُنْتَظِرُوْنَ	انتظار کرنے والے ہیں

ابھی وقت ہے، جب پردہ اٹھ جائے گا ایمان لانا معتبر ہوگا نہ عمل!

اس دنیا میں انسان کا امتحان مقصود ہے، اس لئے غیب پر ایمان لانا مطلوب ہے، زبانی پرچہ لکھ کر امتحان میں پاس ہونا ہے، ابھی ایمان وعمل کا وقت ہے، جب پردہ ہٹ جائے گا اور دوسری دنیا منکشف ہونی شروع ہوجائے گی تو نہ ایمان معتبر ہوگا نہ عمل (توبہ) —— اور حقائق واشگاف ہونے کی تین صورتیں ہیں:

۱- جب موت کا وقت آتا ہے اور جان کنی شروع ہوتی ہے تو موت کے فرشتے نظر آنے لگتے ہیں، اس وقت غیبی

(۱) ربك: مضاف پوشیدہ ہے أی أمر ربك (۲) لم تكن: نفساً کی صفت ہے (۳) کسبت کا آمنت پر عطف ہے پس لم تکن یہاں بھی آئے گا۔

حقیقتیں مشاہدہ بن جاتی ہیں۔ اب نہ ایمان معتبر ہے نہ عمل، حدیث میں ہے: ''اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ اس وقت تک قبول کرتے ہیں جب تک غرغرہ نہ لگ جائے'' یعنی روح حلق میں نہ پہنچ جائے (ترمذی) فرعون بھی اس وقت ایمان لایا تھا مگر اس کا ایمان اس کے منہ پر مار دیا گیا تھا۔

۲- جب کافروں پر عذاب نازل ہوتا ہے تو اب ایمان اور توبہ قبول نہیں کی جاتی، یہ حالت جان کنی کے مشابہ ہے۔

۳- جب سورج مغرب سے نکل آئے گا تب بھی ایمان وعمل کا وقت نہیں رہے گا، بخاری شریف کی حدیث ہے: ''قیامت اس وقت تک برپا نہیں ہوگی جب تک سورج اس کے ڈوبنے کی جگہ سے نکل نہ آئے، جب لوگ یہ نشانی دیکھیں گے تو سب زمین والے ایمان لے آئیں گے، مگر اس وقت کسی کو اس کا ایمان لانا مفید نہ ہوگا جو اس سے پہلے ایمان نہیں لایا''

اس لئے اس آیت میں کفار مکہ سے کہا گیا ہے کہ ہدایت کی تمام حدیں آگئی ہیں، پھر بھی تم ایمان نہیں لاتے تو کا ہے کا انتظار ہے؟ کیا روح قبض کرنے والے فرشتوں کے منتظر ہو؟ اس وقت ایمان لانا کیا مفید ہوگا؟ یا عذابِ الٰہی کے منتظر ہو؟ اس وقت بھی ایمان لانا مفید نہیں ہوگا، عذاب ٹلے گا نہیں، یا پھر قیامت کی بڑی نشانی کا انتظار ہے؟ یعنی سورج مغرب سے نکل آئے: اس کا انتظار ہے؟ جب یہ نشانی پائی جائے گی تو نہ ایمان لانا مفید ہوگا نہ اعمال کی تلافی ممکن ہوگی، یعنی نہ کافر کا ایمان لانا معتبر ہوگا نہ عاصی کی توبہ، آج ایمان لانے کا وقت ہے اور اعمال کی تلافی کا بھی، پس وقت سے فائدہ اٹھالو اور ایمان لے آؤ۔

آیتِ کریمہ: کفار مکہ نہیں راہ دیکھتے مگر اس کا کہ ان کے سامنے (موت کے) فرشتے آئیں، یا خود آپ کے پروردگار ان کے سامنے آئیں —— یعنی اللہ کے عذاب کا فیصلہ واقعہ بن جائے —— یا آپ کے پروردگار کی کوئی (بڑی) نشانی دیکھ لیں؟ —— یعنی سورج کا مغرب سے نکلنا۔

جس دن آپ کے پروردگار کی کوئی نشانی سامنے آئے گی تو مفید نہیں ہوگا کسی شخص کے لئے اس کا ایمان لانا جو اس سے پہلے ایمان نہیں لایا، یا اس نے ایمان کی حالت میں کوئی نیکی نہیں کمائی —— یعنی گناہوں سے توبہ نہیں کی۔

کہہ دو: انتظار کرو، بے شک ہم بھی انتظار کرنے والے ہیں! —— یعنی آگے آگے دیکھو ہوتا ہے کیا؟

إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ ۚ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿١٥٩﴾

إِنَّ الَّذِينَ	بے شک جنھوں نے	فَرَّقُوا	مختلف راہیں نکالیں	دِينَهُمْ	اپنے دین میں

وَكَانُوْا شِيَعًا	اور وہ مختلف فرقے بن گئے	اِنَّمَآ	سوائے اس کے نہیں کہ	يُنَبِّئُهُمْ	وہ ان کو آگاہ کریں گے
لَّسْتَ	نہیں آپ	اَمْرُهُمْ	ان کا معاملہ	بِمَا	ان کاموں سے جو
مِنْهُمْ	ان میں سے	اِلَى اللّٰهِ	اللہ کی طرف ہے	كَانُوْا	وہ
فِيْ شَيْءٍ	کسی چیز میں	ثُمَّ	پھر	يَفْعَلُوْنَ	کیا کرتے تھے

مذاہب عالم میں سے برحق ایک ہی مذہب ہے، جس کا عملی فیصلہ قیامت کے دن ہوگا

اب ایک آیت میں مشرکین مکہ کے ایک خلجان کا جواب ہے، وہ خیال کرسکتے ہیں کہ ہمارا بھی تو ایک مذہب ہے، ہم لامذہب تو نہیں، پھر ہم اپنا مذہب چھوڑ کر اسلام کو کیوں قبول کریں؟ نجات کے لئے کسی بھی مذہب پر ہونا کافی ہے۔

جواب: دنیا میں مختلف مذاہب ہیں وہ سب برحق نہیں، برحق ان میں سے ایک ہے، اور وہ مذہب اسلام ہے، جو اللہ نے نازل کیا ہے، اور یہ ایک موٹی سی بات ہے، مذاہب میں بنیادی عقیدہ میں تضاد ہے، اسلام ایک اللہ کو معبود مانتا ہے، مجوسی دو خدا مانتے ہیں، عیسائی تین اور ہندو اَن گنت! پس سب مذاہب کیسے صحیح ہوسکتے ہیں؟ اور اس کا علمی فیصلہ تو ابھی قرآنِ کریم کررہا ہے، اور عملی فیصلہ کل قیامت کے دن ہوگا، ابھی پردہ ڈال رکھا ہے۔

فائدہ: اسلامی فرقے بھی آیت کا مصداق ہیں، ان میں سے برحق سوادِ اعظم یعنی اہل السنہ والجماعہ ہی ہیں، باقی تمام فرقے درجہ بدرجہ گمراہ ہیں، تفسیر درمنثور میں متعدد حوالوں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: "اے عائشہ! اس امت کے گمراہ فرقے، نفس کے بندے اور غلط راہوں پر پڑے ہوئے بھی اس آیت کا مصداق ہیں، ان کو توبہ کی توفیق نہیں ہوتی، اے عائشہ! ہر گناہ گار توبہ کرتا ہے، مگر گمراہ فرقے اور خواہش کے بندے توبہ نہیں کرتے، میں ان سے بے تعلق ہوں اور وہ مجھ سے بے تعلق ہیں!"

تنبیہ: لیس منا: ایک محاورہ ہے، اس سے مزاجوں میں ہم آہنگی (موافقت) کی نفی کی جاتی ہے، اور ھو منی سے ہم آہنگی ثابت کی جاتی ہے، یہاں یہ محاورہ نہیں، یہاں فی شیئ بڑھا ہوا ہے، اس اضافہ کے ساتھ معنی ہیں: بالکل بے تعلقی، قطعاً جدائی!

آیتِ کریمہ: جن لوگوں نے اپنے دین کے ٹکڑے کرلئے، اور وہ فرقے فرقے بن گئے: آپؐ کا یقیناً ان سے کوئی تعلق نہیں؟ —— یعنی مذہب اسلام قطعاً ان سے مختلف ہے —— ان کا معاملہ اللہ ہی کے حوالے ہے —— ان کا عملی فیصلہ وہی کریں گے —— پھر اللہ تعالیٰ ان کو جو کچھ وہ کیا کرتے تھے: اس سے آگاہ کریں گے —— یعنی اہل مذاہب کے درمیان عملی فیصلہ فرمائیں گے۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

مَنْ جَآءَ	جو شخص آئے گا	وَمَنْ جَآءَ	اور جو شخص آئے گا	مِثْلَهَا	اس کے برابر
بِالْحَسَنَةِ	ایک نیکی کے ساتھ	بِالسَّيِّئَةِ	ایک برائی کے ساتھ	وَهُمْ	اور وہ
فَلَهٗ	تو اس کے لئے ہے	فَلَا يُجْزٰٓى	تو وہ بدلہ نہیں دیا جائے گا	لَا يُظْلَمُوْنَ	ظلم نہیں کئے جائیں گے
عَشْرُ اَمْثَالِهَا	اس کا دس گنا	اِلَّا	مگر		

قیامت کے دن عملی فیصلہ کیا ہوگا؟

آخرت میں اہل حق کو بڑھا چڑھا کر اجر ملے گا، کم از کم دس گنا تو دیا ہی جائے گا، اور اہل باطل کو ان کی گمراہی کے بقدر سزا دی جائے گی، جو فرقے دین کے دائرے سے نکل گئے ہیں وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے، اور جو اس کے اندر ہیں وہ اپنے عقائد باطلہ کی سزا پانے کے بعد ناجی ہونگے۔

جاننا چاہئے کہ نیکی کا اجر بڑھانا فضل (مہربانی) ہے، اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں، اور گناہ کی سزا زیادہ دینا ظلم ہے، اور اللہ کی بارگاہ ظلم سے بری ہے، چنانچہ نیکی کا پختہ ارادہ کرتے ہی ایک نیکی لکھ لی جاتی ہے، چاہے وہ کسی وجہ سے نیکی نہ کرے، اور جب نیکی کر لیتا ہے تو کم از کم دس گنا اجر لکھا جاتا ہے ــــــ اور گناہ کا معاملہ برعکس ہے، برائی کا پختہ ارادہ کرنے پر کوئی گناہ نہیں لکھا جاتا، اور برائی کرنے پر ایک ہی گناہ لکھا جاتا ہے، بلکہ اگر اللہ سے ڈر کر گناہ سے رک جائے تو اس کے لئے ایک نیکی لکھی جاتی ہے، اور کسی مانع کی وجہ سے گناہ نہ کر سکے تو نہ نیکی لکھی جاتی ہے نہ گناہ!

حدیث قدسی میں ہے: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اور ان کا ارشاد برحق ہے کہ جب میرا بندہ نیکی کا ارادہ کرے تو تم (اے فرشتو!) اس کے لئے ایک نیکی لکھ لو، پھر اگر وہ اس کو کرے تو اس کے لئے اس کا دس گنا لکھو، اور جب وہ کسی برائی کا ارادہ کرے تو اس کو (ابھی) مت لکھو، پھر اگر وہ برائی کرے تو تم اس کو اس کے مانند لکھو، یعنی ایک ہی گناہ لکھو" اور کبھی فرمایا: "پھر اگر وہ اس کو نہ کرے تو اس کے لئے ایک نیکی لکھو"

فائدہ: عیسائی مصنفین کہتے ہیں کہ قرآن نے جابر و ظالم خدا کا تصور پیش کیا ہے، اس آیت سے ان کی تردید ہوتی ہے، دیکھو! کیسا نیکی کا کریمانہ اور گناہ کا منصفانہ ضابطہ بیان کیا ہے؟! اور قرآن میں اللہ کی صفاتِ رحمت کا ذکر زیادہ ہے، اور اللہ نے اپنے اوپر رحمت کو واجب کیا ہے، غضب کو واجب نہیں کیا!

آیتِ کریمہ: جوشخص نیکی لے کر آیا اس کے لئے اس کا دس گنا اجر ہے، اور جو برائی لے کر آیا: اس کو اس کے عمل کے برابر ہی سزا دی جائے گی، اور وہ ظلم نہیں کئے جائیں گے!

قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ڬ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۶۳﴾ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۭ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ښ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۵﴾

ع ۲۰

قُلْ	کہو	مِّلَّةَ (۲)	ملت	وَمَحْيَايَ	اور میرا جینا
اِنَّنِيْ	بے شک میں:	اِبْرٰهِيْمَ	ابراہیم کی	وَمَمَاتِيْ	اور میرا مرنا
هَدٰىنِيْ	راہ نمائی کی ہے میری	حَنِيْفًا (۳)	یکسو ہونے والے	لِلّٰهِ	اللہ کے لئے ہے
رَبِّيْٓ	میرے پروردگار نے	وَمَا كَانَ	اور نہیں تھے وہ	رَبِّ	جو پالنہار ہیں
اِلٰى صِرَاطٍ	راستے کی طرف	مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ	شرک کرنے والوں میں سے	الْعٰلَمِيْنَ	جہانوں کے
مُّسْتَقِيْمٍ	سیدھے	قُلْ	کہو	لَا شَرِيْكَ	کوئی شریک نہیں
دِيْنًا (۱)	دین	اِنَّ صَلَاتِيْ	بے شک میری نماز	لَهٗ	ان کا
قِيَمًا	راست	وَنُسُكِيْ (۴)	اور میری قربانی	وَبِذٰلِكَ	اور اسی کا

(۱) دینا قیما: صراط مستقیم کے محل سے بدل ہے، وہ محلاً ھدانی کا مفعول ثانی ہے (۲) ملة: دینا سے بدل ہے (۳) حنیفا: إبراھیم کا حال ہے (۴) نسک کے معنی مطلق عبادت کے بھی ہیں۔

اُمِرْتُ	حکم دیا گیا ہوں میں	وَازِرَةٌ	کوئی بوجھ اٹھانے والا	وَرَفَعَ	اور بلند کیا
وَاَنَا	اور میں	وِّزْرَ	بوجھ	بَعْضَكُمْ	تم میں سے بعض کو
اَوَّلُ (۱)	سب سے پہلا	اُخْرٰى	دوسرے کا	فَوْقَ بَعْضٍ	بعض پر
الْمُسْلِمِيْنَ	فرمان بردار ہوں	ثُمَّ اِلٰى	پھر جانب	دَرَجٰتٍ	مراتب میں
قُلْ	پوچھو	رَبِّكُمْ	اپنے پروردگار کے	لِّيَبْلُوَكُمْ	تاکہ جانچیں وہ تم کو
اَغَيْرَ اللّٰهِ	کیا اللہ کے سوا کو	مَّرْجِعُكُمْ	تمہارا لوٹنا ہے	فِيْ مَآ	اس میں جو
اَبْغِيْ	چاہوں میں	فَيُنَبِّئُكُمْ	پس آگاہ کریں گے وہ تم کو	اٰتٰىكُمْ	دیا انھوں نے تم کو
رَبًّا (۲)	پروردگار کے طور پر	بِمَا كُنْتُمْ	ان باتوں سے جو تھے تم	اِنَّ رَبَّكَ	بیشک آپ کے پروردگار
وَّهُوَ رَبُّ	حالانکہ وہ پروردگار ہے	فِيْهِ	اس میں	سَرِيْعُ	جلدی
كُلِّ شَيْءٍ	ہر چیز کا	تَخْتَلِفُوْنَ	اختلاف کرتے	الْعِقَابِ	حساب کرنے والے ہیں
وَلَا تَكْسِبُ	اور نہیں کماتا	وَهُوَ الَّذِيْ	اور وہی ہیں جنھوں نے	وَاِنَّهٗ	اور بے شک وہ
كُلُّ نَفْسٍ	کوئی شخص	جَعَلَكُمْ	بنایا تم کو	لَغَفُوْرٌ	یقیناً بڑے بخشنے والے
اِلَّا عَلَيْهَا	مگر اپنے خلاف	خَلٰٓئِفَ	جانشیں	رَّحِيْمٌ	بڑے مہربان ہیں
وَلَا تَزِرُ	اور نہیں بوجھ اٹھائے گا	الْاَرْضِ	زمین میں	❁	❁

اسلام ہی اللہ کا سیدھا راستہ ہے اور وہی نجات کا ضامن ہے!

اب سورت پوری ہونے والی ہے۔ فرماتے ہیں: لوگ دین میں جتنی چاہیں راہیں نکال لیں، جتنے چاہیں معبود تجویز کرلیں، مگر جان لیں کہ معبود اللہ ہی ہیں، اور ان تک ایک ہی راستہ پہنچتا ہے، اور وہ سیدھی صاف سڑک ہے، اور وہ وہ ہے جو قرآن کریم پیش کررہا ہے، وہی ابراہیم علیہ السلام کی ملت ہے، اور یہود ونصاری کا دعوی غلط ہے کہ وہ ملت ابراہیمی پر ہیں، یہی بات مشرکین بھی کہتے ہیں، جبکہ ابراہیم علیہ السلام بت شکن تھے، بت پرست نہیں تھے۔

اور مسلمان وہ ہے جو اللہ سے لو لگالے، نماز ہو یا زکات، مرنا ہو یا جینا: سب ایک اللہ کے لئے ہو، اس میں دوسرا کوئی شریک نہ ہو، اور ہر مسلمان کی یہ خواہش ہو کہ وہی اول نمبر کا فرمان بردار بنے۔

اور اسلام میں شرک کی قطعاً گنجائش نہیں، جب رب اللہ تعالیٰ ہیں تو دوسرا معبود کہاں سے آگیا؟ رب: وہ ہوتا ہے جو

(۱) أول المسلمین: محاورہ ہے، پہلی پوزیشن لانے والا، جماعت کے ہر طالب علم کی یہی خواہش ہونی چاہئے (۲) ربا: تمیز ہے۔

پیدا کرتا ہے، بقاء کا سامان کرتا ہے اور پالتا پوستا ہے، یہاں تک کہ کمال تک پہنچا دیتا ہے، پس وہی مخلوقات کا مالک ہے، اور جو مالک ہے وہی معبود ہے۔

اور جو اللہ کو معبود نہیں مانتا، اور ان کے احکام کی پیروی نہیں کرتا: وہ اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے، اسی کو اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی ہوگی، وہی اپنے گناہوں کی گٹھڑی اٹھائے گا، کوئی اس کا ذرا بھی بوجھ نہیں اٹھائے گا، پھر وہ اپنے پروردگار کے روبرو حاضر ہوگا، اس وقت اس کو اللہ تعالیٰ عملی طور پر جتلائیں گے کہ وہ اسلام کی جو مخالفت کرتا رہا تھا، اس کی حقیقت کیا تھی؟ تمام مذہبی اختلافات کا فیصلہ قیامت کے دن کر دیا جائے گا۔

اور مخالفینِ اسلام سے آخری بات یہ فرمائی ہے کہ تم ہی پہلے انسان نہیں ہو، اللہ نے تم کو اگلوں کا جانشیں بنایا ہے، اور پانچ انگلیاں یکساں نہیں بنائیں، لوگوں کو مختلف مراتب میں پیدا کیا ہے، اگر رؤسائے مکہ کو مال و منال دیا ہے اور وہ کھاتے پیتے ہیں تو یہ ان کا امتحان ہے کہ وہ اپنی توانائیاں کس مد میں خرچ کرتے ہیں: اللہ کی بخشی ہوئی دولت اللہ کے دین کے لئے استعمال کرتے ہیں یا اس کی مخالفت میں؟ اور اللہ تعالیٰ جلدی حساب کرنے والے ہیں، قیامت کے آنے میں دیر کیا ہے؟ پھر قیامت کے دن جو فیصلے ہونگے ان میں اللہ کی صفتِ مغفرت اور صفتِ رحمت کا غلبہ ہوگا۔ اللّٰھم اغفر لنا ذنوبنا، وکفر عنا سیئاتنا، إنك أنت الغفور الرحیم (آمین)

آیاتِ پاک کا ترجمہ: کہو: بے شک میرے پروردگار نے میری سیدھے راستہ کی طرف راہ نمائی کی ہے، جو درست دین ہے، ابراہیم کی ملت ہے، جو اللہ کی طرف یکسو ہونے والے تھے، اور وہ شریک ٹھہرانے والوں میں سے نہیں تھے۔

کہو: بے شک میری نماز، میری عبادت، میرا جینا اور میرا مرنا جہانوں کے پالنہار ہی کے لئے ہے، جن کا کوئی شریک نہیں، اور اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے، اور میں پہلا فرمان بردار ہوں!

پوچھو: کیا میں اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا پروردگار تلاش کروں، جبکہ وہی ہر چیز کے پالنہار ہیں! —— اور نہیں کماتا کوئی شخص مگر وہی اس کا ذمہ دار ہوتا ہے، اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا —— پھر اپنے پروردگار کی طرف تمہارا لوٹنا ہے، پھر وہ تمہیں آگاہ کریں گے ان باتوں سے جن میں تم اختلاف کیا کرتے تھے۔

اور اللہ تعالیٰ ہی نے تم کو زمین میں جانشیں بنایا، اور تم میں سے بعض کو بعض پر مراتب میں فوقیت دی، تاکہ تمہیں جانچیں اس (مال و متاع) میں جو تم کو بخشا ہے، بے شک آپ کے پروردگار جلدی حساب کرنے والے ہیں، اور بے شک وہ بڑی بخشش کرنے والے، بڑے مہربانی فرمانے والے ہیں!

﴿بفضل اللہ تعالیٰ ۸/جمادی الثانیہ ۱۴۳۹ھ = مطابق ۲۴/فروری ۲۰۱۸ء کو سورۃ الانعام کی تفسیر پوری ہوئی﴾

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الاعراف

نمبر شمار	۷	نزول کا نمبر	۳۹	نزول کی نوعیت	مکی	رکوع	۲۴	آیات	۲۰۶

سورت کی وجہ تسمیہ: آیات ۴۶ و ۴۸ میں اعراف کا ذکر آیا ہے، اس کو لے کر سورت کا نام الأعراف رکھا گیا ہے، پس یہ جزء سے کل کا نام رکھا گیا ہے۔ اعراف: عُرْف کی جمع ہے، لغت میں اس کے معنی ہیں: اونچی جگہ، اور قرآن کی زبان میں وہ جنت اور جہنم کے درمیان ایک اونچی جگہ ہے، اور سورۃ الحدید میں غالباً اسی کو ایسی دیوار کہا گیا ہے جس میں دروازہ ہے، اعراف میں عارضی طور پر کچھ لوگوں کو رکھا جائے گا، جو بالآخر جنت میں جائیں گے۔ اعراف کے بارے میں بس ہمیں اتنی ہی باتیں معلوم ہیں، باقی تفصیلات معلوم نہیں، مثلاً: وہ دیوار کتنی چوڑی ہے؟ اس پر کون رکھے جائیں گے؟ اور کیوں رکھے جائیں گے؟ یہ باتیں صحیح نصوص میں نہیں آئیں، اور قیاس آرائی سے کوئی فائدہ نہیں، اس وقت ہم اعراف کی حقیقت ایک حد تک ہی سمجھ سکتے ہیں، اور اس کی طرف اشارہ سورت کے شروع میں حروفِ مقطعات لا کر کیا گیا ہے۔

حروفِ مقطعات کی حکمت: حروفِ مقطعات حروفِ ہجاء ہیں، ان سے کلمات بنتے ہیں، اتنی بات ہر کوئی جانتا ہے، پھر ان حروفِ ہجاء کے بھی معانی ہیں، مگر ان کو کوئی نہیں جانتا، حضرت شاہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہ نے الفوز الکبیر کی پانچویں فصل میں اور الخیر الکثیر میں ان کے معانی اس طور پر بیان کئے ہیں کہ قاری کے پلے کچھ نہیں پڑتا، مگر یہ بات بدیہی ہے کہ ان سے کلمات بنتے ہیں، عربی میں حروفِ ہجا ۲۹ ہیں اور حروفِ مقطعات ۲۹ سورتوں کے شروع میں آئے ہیں، یہ ایک لطیفہ (مزے دار بات) ہے۔

اور جن سورتوں کے شروع میں حروفِ ہجا آئے ہیں ان میں ایسے مضامین بھی ہیں جن کو ایک حد تک ہی سمجھا جا سکتا ہے، پوری طرح ان کو نہیں سمجھ سکتے، مثلاً:

۱- سورۃ البقرۃ کے شروع میں یہ حروف ہیں، چنانچہ اس سورت میں آیت الکرسی آئی ہے، جس میں اللہ کی صفات کا بیان ہے، ان کو ایک حد تک ہی آدمی سمجھ سکتا ہے، ان کی تمام حقیقت انسان نہیں سمجھ سکتا۔

۲- پھر سورۃ آلِ عمران میں یہی حروف ہجاء آئے ہیں، اس لئے کہ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ کے پیدا ہونے کا ذکر ہے، اس کو بھی انسان پوری طرح نہیں سمجھ سکتا کہ وہ بغیر باپ کے کیسے پیدا ہوئے؟ بس اس کو قدرتِ

خداوندی کا کرشمہ سمجھنا چاہئے۔

۳- پھر اس سورت کے شروع میں حروفِ مقطعات آئے ہیں، اس لئے کہ اس سورت میں ایسے مضامین ہیں جن کو ایک حد تک ہی سمجھا جاسکتا ہے، مثلاً:

(الف) اعراف کو ایک حد تک ہی سمجھ سکتے ہیں، اس کی تمام تفصیلات نہیں جان سکتے۔

(ب) سورت کے شروع میں آدم علیہ السلام کی تخلیق کا بیان ہے، اس کی تفصیلات بھی ہم نہیں جانتے کہ اللہ نے ساری زمین سے مٹھی کیسے بھری؟ یعنی ساری زمین کی مٹی کیسے لی؟ پھر اس میں پانی ملا کر گارا کیسے بنایا؟ اور ان کا پتلا کیسے بنایا؟ اور دھوپ میں کہاں رکھا؟ اور کتنا عرصہ رکھا کہ وہ کھنکھناتی ٹھیکری ہوگیا؟ پھر اس میں روح کس طرح پیدا کی؟ اس قسم کی ساری تفصیلات ہم نہیں جانتے، نہ ان کا جاننا کچھ زیادہ مفید ہے۔

(ج) اللہ تعالیٰ رحم مادر میں انسان کی صورت گری کرتے ہیں، اس کا ناک نقشہ بناتے ہیں، ہر انسان کی صورت دوسرے انسان سے مختلف ہوتی ہے، اور یہ بات بدیہی ہے، مگر بچہ دانی میں کونسی مشین لگی ہے جو یہ کام کرتی ہے: یہ بات کوئی نہیں جانتا۔

اسی کی ریہرسل کے لئے سورت کے شروع میں حروفِ ہجاء لائے گئے ہیں، تاکہ انسان دقیق مسائل میں ایک حد پر رک جائے۔

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن ❁ کہ جاہا سپر باید انداختن

ہر جگہ (تحقیق کا) گھوڑا نہیں دوڑا سکتے ❁ بلکہ بہت جگہ ڈھال ڈال دینی پڑتی ہے!

لطیفہ: جتنے حروفِ ہجاء ہیں اتنی سورتوں کے شروع میں حروفِ مقطعات لائے گئے ہیں، اس طرح حروفِ ہجاء کی تحدید کی ہے، تعداد متعین کی ہے، تاکہ کوئی ان میں کمی بیشی نہ کرسکے۔

سورت کا موضوع: اسلام کے بنیادی عقائد تین ہیں: توحید، رسالت اور آخرت، مکی سورتوں میں زیادہ تر انہی عقائد سے بحث ہے، سورۃ الانعام میں توحید کا مضمون زیادہ پیش نظر رہا ہے، رسالت اور آخرت کا بھی ذکر ضمناً آیا ہے، اس سورت میں اس کے برعکس ہے، زیادہ بحث رسالت و آخرت سے ہے اور توحید بھی ضمناً زیر بحث آئی ہے، پس یہ سورت گویا گذشتہ سورت کا تتمہ ہے، اس لئے لوح محفوظ کی ترتیب میں یہ سورت: سورۃ الانعام کے بعد ہے۔

سابقہ سورت سے اس سورت کی مناسبت: سورۃ الانعام کے آخر میں اسلام کا خلاصہ تھا، اس کی تبلیغ کا حکم تھا، اور مخالفین کو دھمکایا تھا، یہ سورت انہی مضامین سے شروع ہو رہی ہے، اب سورت کی تلاوت کریں، اس کے مسائل تفصیل سے سامنے آتے رہیں گے، اور خلاصہ دیکھنا چاہیں تو فہرست مضامین میں ہے۔

آیاتہا ۲۰۶ — (۷) سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ مَكِّيَّةٌ (۳۹) — رکوعاتہا ۲۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓصٓ ۝ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝

الٓمّٓصٓ	الف، لام، میم، صاد	مِّنْهُ	اس کی وجہ سے	اِلَيْكُمْ	آپ لوگوں کی طرف
كِتٰبٌ	(یہ) ایک کتاب ہے	لِتُنْذِرَ	تاکہ ڈرائیں آپ	مِّنْ رَّبِّكُمْ	آپ لوگوں کے رب کی طرف سے
اُنْزِلَ	جو اتاری گئی ہے	بِهٖ	اس کے ذریعہ	وَلَا تَتَّبِعُوْا	اور مت پیروی کرو تم
اِلَيْكَ	آپ کی طرف	وَذِكْرٰى	اور نصیحت ہے	مِنْ دُوْنِهٖٓ	اللہ سے ورے
فَلَا يَكُنْ	پس نہ ہو	لِلْمُؤْمِنِيْنَ	مؤمنین کے لئے	اَوْلِيَآءَ	سرپرستوں (مورتیوں) کی
فِيْ صَدْرِكَ	آپ کے سینہ میں	اِتَّبِعُوْا	پیروی کرو	قَلِيْلًا	بہت ہی کم
حَرَجٌ	کچھ تنگی	مَآ اُنْزِلَ	اس کی جو اتارا گیا	مَّا تَذَكَّرُوْنَ	دھیان دیتے ہو تم!

اللہ کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت مہربان بڑے رحم والے ہیں

حروفِ مقطعات میں ایک اشارہ ہے

﴿ الٓمّٓصٓ ﴾ حروفِ ہجاء ہیں، ان کو الگ الگ پڑھا جاتا ہے، اس طرح: الف، لام، میم، صاد، اس لئے ان کو حروفِ مقطعات کہتے ہیں، مقطعات کے معنی ہیں: کاٹ کر الگ الگ کئے ہوئے، ان کے بارے میں یہ موٹی بات تو ہر کوئی جانتا ہے کہ ان حروف سے کلمات بنتے ہیں، رہی یہ بات کہ حروفِ ہجاء کے معانی کیا ہیں؟ اس کو کما حقہ کوئی نہیں جانتا، نہ کوئی یہ بات بتا سکتا ہے کہ ۲۹ حروفِ ہجاء میں سے اس سورت کے شروع میں یہ چار حروف کیوں لائے گئے ہیں؟ یہ بات حروفِ ہجاء کے معانی جاننے پر موقوف ہے، اور ان کو کوئی نہیں جانتا ــــــ البتہ ان میں اشارہ ہے کہ سورت میں ایسے مضامین ہیں جن کو ایک حد تک ہی سمجھا جا سکتا ہے، مثلاً: یہ سورت رسالت کے مسئلہ سے شروع ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ

کو رسالت سے سرفراز کیا ہے، اور آپؐ پر اپنا کلام نازل کیا ہے، یہ دونوں باتیں آخری حد تک نہیں سمجھ سکتے، سرسری طور پر یعنی ایک حد تک ہی سمجھی جاسکتی ہیں۔

نزولِ قرآن کا مقصد اور لوگوں کی ذمہ داری

نبی ﷺ: اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ہیں، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ نے آپ پر اپنی آخری کتاب نازل کی ہے اور حکم دیا ہے کہ لوگوں تک یہ کتاب پہنچائی جائے، پس نبی ﷺ یہ نہ سوچیں کہ لوگ مانتے تو ہیں نہیں! الٹے درپے آزار ہوجاتے ہیں، پھر کیونکر پہنچاؤں! ایسی دل تنگی نہ ہو، بلکہ کامل انشراح کے ساتھ انذار وتبلیغ کا فریضہ انجام دیں، اور قوت وجرأت کے ساتھ یہ کتاب لوگوں کو سنائیں، منوانا آپؐ کی ذمہ داری نہیں، جو خوش نصیب مان لیں گے ان کے لئے یہ کتاب نصیحت ثابت ہوگی۔

پھر دوسری آیت میں ان لوگوں سے خطاب ہے جو نہیں مانیں گے کہ یہ کتاب درحقیقت تمہاری طرف اتاری گئی ہے، نبی ﷺ کو واسطہ بنایا ہے، تمہیں قرآن کے ذریعہ دعوت دی جارہی ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کو معبود مانو، اور ان سے کم درجہ جو خدا تم نے تجویز کر رکھے ہیں: ان کو چھوڑو! اور شیاطین الانس والجن: جن کو تم نے سرپرست بنا رکھا ہے ان کی بات مت سنو، مگر تم قرآن کی باتوں پر بہت ہی کم دھیان دیتے ہو!

آیاتِ پاک: الف، لام، میم، صاد، یہ ایک کتاب ہے جو آپؐ کی طرف اتاری گئی ہے، پس اس کی وجہ سے آپؐ کے سینہ میں کچھ تنگی نہ ہو —— کہیں آپ سوچیں کہ اسے لوگوں تک کیسے پہنچاؤں؟ لوگ مانتے تو ہیں نہیں! —— تاکہ آپؐ اس کے ذریعہ لوگوں کو نتائج اعمال سے خبردار کریں، اور ایمان لانے والوں کے لئے یاددہانی ثابت ہو —— یہ دو نزولِ قرآن کے مقاصد ہیں —— (لوگوں سے خطاب:) تم اس وحی کی پیروی کرو جو تمہاری طرف تمہارے پروردگار کی جانب سے اتاری گئی ہے —— اور ایک خدا کی بندگی کرو، یہی قرآن کی دعوت ہے —— اور تم نے اللہ سے کم درجہ جو معبود بنا رکھے ہیں ان کی بات مت سنو —— یعنی مورتیوں کی پرستش مت کرو، پیروی نہ کرنے کا یہی مطلب ہے —— تم بہت ہی کم دھیان دیتے ہو! —— یعنی سنی اَن سنی کر دیتے ہو!

وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ۝۴ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝۵ فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۶ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ۝۷

وَكَمْ	اور بہت سی	دَعْوٰىهُمْ	ان کی پکار	اِلَيْهِمْ	ان کی طرف
مِّنْ قَرْيَةٍ	بستیاں	اِذْ جَآءَهُمْ	جب پہنچا ان کو	وَلَنَسْئَلَنَّ	اور ضرور پوچھیں گے ہم
اَهْلَكْنٰهَا	ہلاک کیا ہم نے ان کو	بَاْسُنَآ	ہمارا عذاب	الْمُرْسَلِيْنَ	بھیجے ہوئے (رسولوں) سے
فَجَآءَهَا	پس پہنچا ان کو	اِلَّآ اَنْ	مگر یہ کہ	فَلَنَقُصَّنَّ	پھر احوال بیان کریں
بَاْسُنَا	ہمارا عذاب	قَالُوْٓا	کہا انھوں نے		گے ہم
بَيَاتًا (۱)	درانحالیکہ وہ رات میں	اِنَّا كُنَّا	بے شک ہم تھے	عَلَيْهِمْ	ان کے روبرو
	سوئے ہوئے تھے	ظٰلِمِيْنَ	ستمگار (خطاوار)	بِعِلْمٍ	علم وآگہی سے
اَوْهُمْ	یا وہ	فَلَنَسْئَلَنَّ	پس ضرور پوچھیں گے ہم	وَّمَا كُنَّا	اور نہیں تھے ہم
قَآئِلُوْنَ	قیلولہ کرنے والے تھے	الَّذِيْنَ	ان لوگوں سے جو	غَآئِبِيْنَ	غیر حاضر
فَمَا كَانَ	پس نہیں تھی	اُرْسِلَ	بھیجا گیا (رسولوں کو)	۞	۞

جو لوگ قرآن کی دعوت قبول نہیں کریں گے وہ دنیا و آخرت میں عذاب سے دوچار ہونگے

(گذشتہ سورت کے آخر میں اسلام کا جو خلاصہ آیا ہے، اس کو قبول نہ کرنے پر ترہیب)

بعثتِ رُسل کا سلسلہ نوح علیہ السلام سے جاری ہے، ہمیشہ رسولوں نے لوگوں کو توحید کی دعوت دی ہے، اور شرک سے ڈرایا ہے، مگر مشرکین ٹس سے مس نہ ہوئے اور انبیاء سے معجزات طلب کیے، وہ بھی دکھائے، پھر بھی کتے کی دُم ٹیڑھی رہی پس اچانک اللہ کے عذاب کا کوڑا ان پر برسا، کسی پر رات میں عذاب آیا، کسی پر دن میں، جب عذاب اترا تو وہ پکارنے لگے کہ ہم نے اپنے پیروں پر کلہاڑی ماری! مگر اب پچھتائے کیا ہوت ہے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت!

یہ مضمون دو آیتوں میں ہے، پھر دو آیتوں میں عذاب آخرت کا بیان ہے، اور وہ لمبا مضمون ہے، خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کے دربار میں امتوں کا مقدمہ پیش ہوگا، ان سے پوچھا جائے گا: تمہارے پاس ہمارے رسول آئے تھے، انھوں نے تم کو توحید کی دعوت دی تھی، تم نے ان کو کیا جواب دیا؟ توحید کی دعوت قبول کی یا نہیں؟ ﴿مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ (قصص ۶۵) وہ جواب دیں گے: ہمارے پاس کوئی رسول نہیں آیا، پھر رسولوں کو بلایا جائے گا، وہ کہیں گے: ہم گئے تھے اور ان کو توحید کی دعوت دی تھی، ان سے پوچھا جائے گا ﴿مَاذَآ اُجِبْتُمْ﴾ (المائدہ ۱۰۹) رسول کہیں گے قوم نے ہم کو ٹکا سا جواب

(۱) بیاتا: باب ضرب کا مصدر ہے اور حال ہے: رات میں آپڑنا، رات میں سوتے دشمن پر حملہ کرنا۔

دیا، دعوت قبول نہیں کی، چونکہ رسول مقدمہ میں مدعی ہونگے تو ان سے گواہ طلب کئے جائیں گے، وہ امتِ محمد ﷺ کو گواہی میں پیش کریں گے، امتیں گواہوں پر جرح کریں گی کہ یہ ہمارے زمانہ کے لوگ نہیں، ان کی گواہی کا کیا اعتبار؟ پھر گواہوں کی اعتباریت ثابت کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کو لایا جائے گا، اس طرح اتمام حجت کر کے امتوں کے سامنے ان کا کچا چٹھا رکھ دیا جائے گا، اور مقدمہ کی یہ کارروائی ضابطہ کی بات ہوگی، ورنہ اللہ تعالیٰ کو امتوں کے سب احوال بخوبی معلوم ہیں، وہ غیر حاضر نہیں تھے، امتوں کے سب احوال دیکھ رہے تھے۔

یہ احوال قریش کو سنائے جا رہے ہیں، تا کہ وہ ان سے سبق لیں، پھر امتوں کے اعمال نامے تولے جائیں گے، اور مشرکوں کو ان کے گھر تک پہنچایا جائے گا، جس کی تفصیل اگلی آیات میں آرہی ہے۔

آیاتِ پاک: بہت سی بستیاں: ہم نے ان کو ہلاک کیا، پس ان کو ہمارا عذاب پہنچا، درانحالیکہ وہ رات میں سوئے ہوئے تھے، یا دوپہر میں قیلولہ کر رہے تھے، پس جب ان کو ہمارا عذاب پہنچا تو ان کی پکار بس یہی تھی کہ انھوں نے کہا: ''بے شک ہم خطاوار تھے!''

پس ہم ضرور پوچھیں گے ان لوگوں سے جن کی طرف رسولوں کو بھیجا گیا، اور ہم ضرور پوچھیں گے رسولوں سے، پھر ہم ان کے سامنے ان کے احوال رکھ دیں گے، جو مبنی بر علم ہونگے، اور ہم غیر حاضر نہیں تھے!

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِنِ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ۝

وَالْوَزْنُ	اور وزن کیا جانا	فَاُولٰٓئِكَ	تو وہی لوگ	اَنْفُسَهُمْ	اپنی ذاتوں کو
يَوْمَئِذِنِ	اس دن	هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ	کامیاب ہونے والے ہیں	بِمَا	بایں وجہ کہ
الْحَقُّ	واقعی ہے	وَمَنْ خَفَّتْ	اور جو ہلکی ہونگی	كَانُوْا	تھے وہ
فَمَنْ	پس جو شخص	مَوَازِيْنُهٗ	اس کی تولیں	بِاٰيٰتِنَا	ہماری باتوں کے ساتھ
ثَقُلَتْ	بھاری ہوں گی	فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ	پس وہی لوگ	يَظْلِمُوْنَ	ناانصافی کرتے (حق
مَوَازِيْنُهٗ (۱)	اس کی تولیں (پلہ)	خَسِرُوْٓا	گھاٹے میں رکھا انھوں نے		تلفی کرتے)

(۱) موازین: میزان کی جمع ہے: کانٹا، تولنے کی ترازو، خواہ ایک پلڑے کی ہو یا دو پلڑوں کی، اور جمع اس لئے ہے کہ میدانِ حشر میں جگہ جگہ ترازو ہونگے۔

قیامت کے دن اعمال تولے جائیں گے، کسی کا پلڑا بھاری ہوگا کسی کا ہلکا

قیامت کے دن تمام لوگوں کے اعمال تولے جائیں گے، مؤمنوں کے بھی اور کافروں کے بھی، اور یہ اٹل حقیقت ہے، اس میں ذرا شک کی گنجائش نہیں، پھر جس کا تول بھاری ہوگا وہ جنت میں جائے گا، اور جس کا تول ہلکا ہوگا وہ گھاٹے میں رہے گا، جہنم کا منہ دیکھے گا، اور اس کو کسی اور نے گھاٹے میں نہیں رکھا، اس نے خود کو گھاٹے میں رکھا ہے، اس طرح کہ اس نے اللہ کی باتوں کے ساتھ ناانصافی کی، ان کو قبول نہیں کیا اور ایمان نہیں لایا۔

اور اعمال کا تلنا ایک ایسی حقیقت ہے جس کا پورا حال ابھی سمجھ میں نہیں آسکتا، ابھی اس کو ایک حد تک ہی سمجھا جاسکتا ہے، پس یہ سوال کہ خود اعمال تولے جائیں گے یا اعمال نامے یعنی اعمال کے دفاتر؟ پھر یہ سوال کہ اعمال کیسے تولے جائیں گے، وہ تو اعراض ہیں، ان کا مستقل وجود نہیں؟ اور لوگوں کی باتیں کیسے تولی جائیں گی: وہ تو وجود میں آکر ختم ہوجاتی ہیں؟ اس قسم کے سوالات غیر ضروری ہیں، ان کے جوابات نہیں دیئے جاسکتے، حروفِ مقطعات کے ذریعہ اسی کی ریہرسل کرائی گئی ہے۔

البتہ سائنس جدید ایسی ایسی چیزیں وجود میں لارہی ہے کہ اسلامی حقائق کو سمجھنا آسان ہوگیا ہے، ٹیپ ریکارڈ باتوں کو محفوظ کرتا ہے، فنا نہیں ہونے دیتا، تھرما میٹر حرارت و برودت ناپ کر بتا دیتا ہے، اور آگے کیا کیا چیزیں وجود میں آئیں گی؟ ان کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں، ان ایجادات کے ذریعہ آخرت کی موجودات کو سمجھا جاسکتا ہے۔

آیتِ کریمہ: اور اعمال کا تولا جانا اس دن برحق ہے، پھر جن کا تول بھاری ہوگا وہی کامیاب ہونے والے ہیں، اور جن کا تول ہلکا ہوگا وہی خود کو گھاٹے میں رکھنے والے ہیں، اس وجہ سے کہ وہ ہماری باتوں کے ساتھ ناانصافی کرتے تھے!

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝۱۰ وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰۗىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ڰ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝۱۱ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ۭ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝۱۲ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ۝۱۳ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝۱۴ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝۱۵ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝۱۶

ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۝ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝

وَلَقَدْ	اور بخدا! واقعہ یہ ہے	لِاٰدَمَ	آدم کو	وَخَلَقْتَهٗ	اور پیدا کیا آپ نے اس کو
مَكَّنّٰكُمْ	قادر بنایا ہم نے تم کو	فَسَجَدُوْٓا	پس سجدہ کیا انھوں نے	مِنْ طِيْنٍ	مٹی سے
فِي الْاَرْضِ	زمین میں	اِلَّآ اِبْلِيْسَ	مگر ابلیس نے	قَالَ	کہا اللہ نے
وَجَعَلْنَا	اور بنائے ہم نے	لَمْ يَكُنْ	نہیں تھا وہ	فَاهْبِطْ (۴)	پس اتر تو
لَكُمْ فِيْهَا	تمہارے لئے اس میں	مِّنَ السّٰجِدِيْنَ	سجدہ کرنے والوں میں سے	مِنْهَا (۵)	ان سے
مَعَايِشَ (۱)	زندگی گذارنے کے سامان	قَالَ	پوچھا اللہ نے	فَمَا يَكُوْنُ	پس نہیں ہے
قَلِيْلًا مَّا	بہت ہی کم	مَا مَنَعَكَ	کس چیز نے روکا تجھ کو	لَكَ	تیرے لئے
تَشْكُرُوْنَ	شکر بجالاتے ہو تم!	اَلَّا (۳)	کہ نہیں	اَنْ تَتَكَبَّرَ	کہ گھمنڈ کرے تو
وَلَقَدْ	اور البتہ واقعہ یہ ہے	تَسْجُدَ	سجدہ کر رہا تو	فِيْهَا (۵)	ان میں
خَلَقْنٰكُمْ	پیدا کیا ہم نے تم کو	اِذْ اَمَرْتُكَ	جب حکم دیا میں نے تجھے؟	فَاخْرُجْ	پس نکل (ان سے)
ثُمَّ	پھر	قَالَ	کہا اس نے	اِنَّكَ	بے شک تو
صَوَّرْنٰكُمْ (۲)	تمہاری صورتیں بنائیں	اَنَا خَيْرٌ	میں بہتر ہوں	مِنَ الصّٰغِرِيْنَ	ذلیلوں میں سے ہے
ثُمَّ قُلْنَا	پھر کہا ہم نے	مِّنْهُ	اس سے	قَالَ	کہا اس نے
لِلْمَلٰٓئِكَةِ	فرشتوں سے	خَلَقْتَنِيْ	پیدا کیا آپ نے مجھے	اَنْظِرْنِيْٓ	ڈھیل دیجئے مجھے
اسْجُدُوْا	سجدہ کرو	مِنْ نَّارٍ	آگ سے	اِلٰى يَوْمِ	دن تک

(۱) مَعَايِش: مَعِيْشَة کی جمع: روزگار (۲) تصویر: ناک نقشہ بنانا، شکل وصورت بنانا (۳) اَلَّا: اَنْ تفسیر یہ اور لا نافیہ ہے نون کا لام میں ادغام ہوا ہے، اَنْ نے مَنَع کی تفسیر کی ہے، اَن: قول کے علاوہ فعل کی بھی تفسیر کرسکتا ہے اور مفسرین کرام لا کو زائدہ لیتے ہیں اور اس کا ترجمہ کرتے ہیں: کس چیز نے روکا تجھ کو سجدہ کرنے سے، پس أن مصدریہ سے پہلے عن مقدر ہوگا۔ (۴) اِهْبِطْ: بمعنی اُخْرُجْ ہے، آگے دو جگہ أخرج آرہا ہے، اور یہاں اھبط میں مرتبہ کے تنزل کی طرف اشارہ ہے۔ (۵) منھا کی ضمیر کا مرجع ملائکۃ ہیں، بتاویل طائفہ، جنت اور سماء کا ذکر پہلے نہیں آیا یہی صحیح ہے، سورۃ صٓ کی تفسیر میں بھی یہی ہونا چاہئے۔

يُبْعَثُوْنَ	دوبارہ زندہ کئے جائیں وہ	الْمُسْتَقِيْمَ	سیدھے	قَالَ	فرمایا
قَالَ	فرمایا:	ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ	پھر ضرور آوں گا میں ان	اخْرُجْ مِنْهَا	نکل تو ان سے
اِنَّكَ	بے شک تو		کے پاس	مَذْءُوْمًا	بدحال
مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ	ڈھیل دیئے ہوؤں	مِّنْ بَيْنِ	ان کے سامنے سے	مَّدْحُوْرًا	دھتکارا ہوا
	میں سے ہے	اَيْدِيْهِمْ		لَمَنْ	البتہ جو شخص
قَالَ	کہا اس نے	وَمِنْ خَلْفِهِمْ	اور ان کے پیچھے سے	تَبِعَكَ	پیروی کرے گا تیری
فَبِمَآ (۱)	پس بایں سبب کہ	وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ	اور ان کے دائیں سے	مِنْهُمْ	ان میں سے
اَغْوَيْتَنِيْ	گمراہ کیا آپ نے مجھے	وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ	اور ان کے بائیں سے	لَاَمْلَئَنَّ	ضرور بھروں گا میں
لَاَقْعُدَنَّ	ضرور بیٹھوں گا میں	وَلَا تَجِدُ	اور نہیں پائیں گے آپ	جَهَنَّمَ	دوزخ کو
لَهُمْ	ان کے لئے	اَكْثَرَهُمْ	ان کے اکثر کو	مِنْكُمْ	تم
صِرَاطَكَ	آپ کے راستہ پر	شٰكِرِيْنَ	شکر گذار	اَجْمَعِيْنَ	سبھی سے

ربط اور تمہید: شروع سورت سے عدم ایمان پر ترہیب تھی، اب پانچ طرح سے ایمان لانے کی ترغیب دیتے ہیں، البتہ آیات کو سمجھنے کے لئے چند باتیں جان لینی چاہئیں:

۱- زمین میں بے شمار مخلوقات کے ساتھ تین اہم مخلوقات بھی بسی ہوئی ہیں؛ زمینی فرشتے جو سب سے پہلے زمین میں پیدا کئے گئے ہیں، ان کو رجال الغیب بھی کہتے ہیں، ان کے بعد جنات کو پیدا کیا، ان کے جد امجد جانّ ہیں، یہ مکلّف مخلوق ہیں، پھر عرصہ بعد انسانوں کو پیدا کیا، یہ بھی مکلّف مخلوق ہیں، اور تینوں مخلوقات میں لطافت و کثافت کا پارٹیشن ہے، یہ تینوں مخلوقات عناصر اربعہ سے پیدا کی گئی ہیں، البتہ زمینی فرشتے عناصر کی 'بھاپ' سے پیدا کئے گئے ہیں، اس میں کسی عنصر کا غلبہ نہیں، اس لئے فرشتوں کے مزاج میں اعتدال رہا، وہ ہر وقت اللہ کی عبادت میں لگے رہتے ہیں، اور جنات کے آمیزہ میں آگ کا غلبہ ہے، اور آگ کا خاصہ 'علو' ہے، اس لئے جنات کے مزاج میں 'سرکشی' ہے، اور انسان کے آمیزہ میں 'خاک' کا غلبہ ہے، اور خاک پامال ہے، زمین پیروں تلے دبی رہتی ہے، اس لئے انسان کے مزاج میں 'خاکساری' ہے۔ یہ زمینی فرشتے ملأ سافل (ایوانِ زیریں) کہلاتے ہیں، اور آسمانوں کے اوپر والے ملأ اعلیٰ (ایوانِ بالا) ہیں، وہ نور سے پیدا کئے گئے ہیں، اور وہ بھی انسان کی مصلحت سے پیدا کئے گئے ہیں، وہ ہر وقت مؤمنین کے لئے دعا و استغفار میں لگے رہتے

(۱) فبما: میں باء سببیہ اور ما مصدریہ ہے۔

ہیں، وہ انسانوں کی اور بھی خدمات انجام دیتے ہیں۔

۲- کائنات میں پہلے بارڈرز اور سرحدیں نہیں تھیں، جیسے زمین میں بھی ممالک کی سرحدیں نہیں تھیں، زمینی مخلوقات آسمان میں جاتی تھیں، آدم وحوا علیہما السلام کو زمین میں پیدا کر کے جنت میں بسایا تھا، پھر بعد میں پابندیاں لگیں، اب عام طور پر جنات اور انسان آسمانوں پر نہیں جاسکتے۔

۳- کہتے ہیں: عزازیل (ابلیس) آسمانوں میں فرشتوں کے درمیان بود وباش رکھتا تھا، وہ فرشتوں کا شاگرد تھا اور ان کے زمرے میں شامل تھا، وہ مُعَلَّمُ الملکوت تھا، مُعَلَّم: اسم مفعول ہے، یعنی سکھلایا ہوا یعنی شاگرد، مگر عربی میں اعراب نہیں لگاتے، اور مشہور لفظ مُعَلِّم ہے، یہ اسم فاعل ہے: سکھانے والا یعنی استاذ، پس لوگوں نے مُعَلِّمُ الملکوت پڑھ لیا، اور ابلیس کو فرشتوں کا استاذ کہہ دیا، حالانکہ فرشتے تعلیم کے محتاج نہیں، تعلیم کی محتاج مکلّف مخلوق ہے۔

۴- ابلیس (اللہ کی رحمت سے مایوس) اور شیطان (سرکش، شرارتی) القاب ہیں، کہتے ہیں اس کا نام فرشتوں کے ناموں کے ہم وزن عَزَازِیل ہے، اس کے کیا معنی ہیں؟ معلوم نہیں، یہ عربی لفظ نہیں، سریانی یا عبرانی لفظ ہے۔

۵- جب ابلیس نے آدم علیہ السلام کو سجدہ نہیں کیا تو پہلے اس کو آسمانی فرشتوں کے زمرہ سے نکال دیا، یعنی اخراج کردیا، مگر رہا وہ آسمان میں، پھر جب اس نے دھوکہ دے کر دادا دادی کو پھسلایا تب اس کو بھی جنت سے نکال دیا اور آسمانوں سے اتار دیا، یہ دوسرا اخراج ہے، پس دونوں اخراجوں میں اشتباہ نہ ہونا چاہئے۔

۶- آدم علیہ السلام کو صرف فرشتوں سے سجدہ نہیں کرایا تھا، تمام خلقت سے سجدہ کرایا تھا، اس لئے کہ انسان کو اللہ نے اپنا خلیفہ بنایا تھا، پس ضروری تھا کہ سب خلقت آپ کی منقاد ہوتی، جبھی وہ کار خلافت انجام دے سکتا تھا، مثلاً: کارخانہ کا منیجر بوس کا خلیفہ ہوتا ہے، پس کارخانہ کے سبھی ملازمین اس کی فرمان برداری کریں تبھی وہ کارخانہ چلاسکتا ہے۔

اور فرشتوں کی تخصیص اشرف مخلوقات ہونے کی وجہ سے ہے، بادشاہ اگر وزراء کو کسی کے اکرام کا حکم دے تو وہ حکم سب رعایا کے لئے ہوتا ہے، اور یہاں اور سورۃ الکہف میں صراحت ہے کہ اللہ نے ابلیس کو بھی سجدہ کا حکم دیا تھا، جبکہ وہ جنات میں سے تھا، سورۃ الکہف میں اس کی بھی صراحت ہے، اور ابلیس کے علاوہ دوسرے جنات نے سجدہ کیا تھا، ابلیس ہی اکڑ گیا تھا اور راندۂ درگاہ ہوا!

۷- آدم وحوا علیہما السلام کو زمین میں پیدا کیا گیا تھا، پس سجدہ بھی زمین میں کرایا ہوگا، اور یہ سجدہ رمزی تھا، انقیاد کا پیکر تھا، پھر دادا دادی کو جنت میں بسایا، اور جنت سے فائدہ اٹھانے کی عام اجازت دی، صرف ایک معین درخت کے قریب جانے سے منع کیا، وہ درخت 'مُر' تھا، ابلیس نے پٹی پڑھائی کہ یہ 'امر' درخت ہے۔

ترہیب کے بعد پانچ طرح سے ایمان لانے کی ترغیب

اللہ تعالیٰ انسان پر اپنی پانچ نعمتوں کا تذکرہ فرماتے ہیں، تاکہ وہ شکر گذار بندے بنیں، ایک اللہ کو معبود مانیں اور شرک سے بچیں:

۱- اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین میں قدرت بخشی ہے، وہ جس طرح چاہتا ہے اس میں تصرف کرسکتا ہے: ﴿ وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ ﴾

۲- زمین میں اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے اسبابِ زندگی فراہم کئے ہیں، اس کی کوئی ضرورت ایسی نہیں جو زمین سے پوری نہ ہوتی ہو، فضا میں اور بھی سیارے ہیں، مگر اسباب معیشت صرف زمین میں ہیں، اللہ تعالیٰ نے زمین ہی میں حیوانی زندگی کے وسائل فراہم کئے ہیں: ﴿ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ﴾

یہ انسان پر اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہے؟ مگر کتنے انسان ہیں جو اللہ کا شکر بجالاتے ہیں اور اسی ایک اللہ کی بندگی کرتے ہیں؟ ایسے انسانوں کی تعداد بہت ہی کم ہے! ﴿ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴾

۳- اور اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو وجود بخشا، نیست سے ہست کیا، ورنہ کائنات میں ایک لمبے وقت تک انسان کا کوئی تذکرہ نہیں تھا: ﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ﴾

۴- اللہ تعالیٰ نے انسان کی صورت گری کی، رحم مادر میں اس کا ناک نقشہ بنایا، آدم علیہ السلام سے آج تک کوئی دو انسان ہم شکل نہیں، ہر ایک کی شکل وصورت الگ ہے: ﴿ فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ﴾: جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ دیا، یہ قدرتِ الٰہی کا عظیم کارنامہ ہے، اگر انسان سیب کے دانوں کی طرح ہم شکل ہوتے تو بیوی شوہر کو کیسے پہچانتی؟ ﴿ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ﴾

۵- پھر انسان کا اکرام کیا، اس کو اپنا خلیفہ (قائم مقام) بنایا، اور اس کے جد امجد کے سامنے تمام مخلوقات سے رمزی سجدہ کرایا، سب کو انسان کا منقاد بنایا، اس سے اس کا سر فخر سے اونچا ہوگیا اور وہ اشرف المخلوقات کہلایا: ﴿ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ﴾

﴿ وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝ وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ﴾

ترجمہ: (۱) اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ہم نے تمہیں زمین میں قادر بنایا (۲) اور تمہارے لئے اس میں اسبابِ زندگی فراہم کئے ــــــ بہت ہی کم شکر بجالاتے ہو تم! ــــــ یہ آیت پوری کی، پس یہ فاصلہ ہے ــــــ (۳) اور بخدا! واقعہ یہ

ہے کہ ہم نے تم کو پیدا کیا (۴) پھر تمہارا ناک نقشہ بنایا (۵) پھر ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو۔

ابلیس نے آدم علیہ السلام کو سجدہ نہیں کیا، اس لئے وہ فرشتوں کی جماعت سے الگ کردیا گیا

اب بات آگے بڑھاتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں تو سب فرشتوں نے ـــ زمینی فرشتوں نے بھی اور آسمانی فرشتوں نے بھی ـــ سجدہ کیا، مگر ابلیس سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔ اس سے پوچھا: تیرے لئے کیا مانع بنا کہ تو نے سجدہ نہیں کیا، جبکہ میں نے تجھے بھی سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا؟ اس نے عقلی گھوڑا دوڑایا، کہا: میں آدم سے افضل ہوں! میری تخلیق آگ سے ہوئی ہے اور آدم کی خاک سے، اور آگ: خاک سے افضل ہے، آگ کا خاصہ علو (بلندی) ہے اور خاک کا خاصہ خاکساری (پستی) ہے، پس آپ آدم کو حکم دیتے کہ مجھے سجدہ کرتا، آپ نے یہ کیا الٹی گنگا بہائی کہ افضل کو حکم دیا کہ وہ مفضول کو سجدہ کرے؟ ـــ اس پر یہ کہہ کر ابلیس کو فرشتوں کی جماعت سے نکال دیا کہ تجھے حق نہیں کہ تو ان پاک بازوں کی جماعت میں رہ کر بڑائی مارے! لہٰذا ان سے جدا ہوجا تو ذلیل وخوار ہے!

اس نے قیامت تک کی مہلت مانگی جو دیدی گئی، جب مہلت مل گئی تو اس نے کہا: چونکہ آپ نے مجھے ہدایت سے محروم کیا ہے، اور یہ برادن آدم کی وجہ سے مجھے دیکھنا پڑا ہے: اس لئے میں ضرور انسانوں کو گمراہ کروں گا، میں آپ کے سیدھے راستے پر بیٹھوں گا، اور انسانوں پر ہر طرف سے حملہ کروں گا، اور آپ دیکھیں گے کہ ان میں سے زیادہ تر لوگ آپ کے حق شناس بندے نہیں رہیں گے! ـــ اللہ نے فرمایا: دور ہو کم بخت! فرشتوں کے زمرہ سے ذلیل وخوار ہو کر نکل، اور سن لے! انسانوں میں سے جو لوگ تیری راہ اپنائیں گے: ان سے اور تجھ سے جہنم کو بھروں گا، میرا کچھ نقصان نہیں ہوگا، تمہارا ہی برا ہوگا!

﴿فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ۭ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ۝ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَاۗىِٕلِهِمْ ۭ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۝ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۭ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝﴾

ترجمہ: پس انھوں نے سجدہ کیا، مگر ابلیس نے ـــ سجدہ نہ کیا ـــ وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا! اللہ

تعالیٰ نے پوچھا: کیا چیز تیرے لئے مانع بنی کہ تو سجدہ نہیں کررہا، جبکہ میں نے تجھے حکم دیا ہے[1] —— اس نے جواب دیا: میں اس سے بہتر ہوں، آپ نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے پیدا کیا ہے —— اللہ پاک نے فرمایا: تو اتر ان (فرشتوں) میں سے —— یہ 'اتر' بمعنی 'نکل' ہے، جیسا کہ آگے آرہا ہے، ابھی اس کو آسمان سے نہیں اتارا گیا، اور 'اتر' میں مرتبہ کے تنزل کی طرف اشارہ ہے کہ اب تو فرشتوں کا ہم رتبہ نہیں رہا —— تجھے حق نہیں کہ ان میں (شامل رہ کر) بڑائی مارے! پس نکل (ان سے) تو یقیناً ذلیلوں میں سے ہے!

اس نے درخواست کی: مجھے اس دن تک مہلت دیجئے جب لوگ دوبارہ زندہ کئے جائیں گے؟ —— اللہ نے فرمایا: تو بالیقین مہلت دیئے ہوؤں میں سے ہے —— یعنی جا تجھے مہلت دی! —— اس نے کہا: چونکہ آپ نے مجھے ہدایت سے محروم کردیا ہے، اس لئے میں ضرور ان کو گمراہ کرنے کے لئے آپ کے سیدھے راستہ پر بیٹھوں گا، پھر میں ان پر حملہ کروں گا ان کے سامنے سے، ان کے پیچھے سے، ان کے دائیں سے اور ان کے بائیں سے —— یعنی ہر چہار جانب سے —— اور آپ ان میں سے زیادہ تر لوگوں کو شکر گذار نہیں پائیں گے! —— یہ اس ملعون نے قرائن سے بات کہی ہے، جیسے فرشتوں نے قرائن سے کہا تھا: ﴿ اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ﴾: کیا آپ زمین میں ایک ایسی مخلوق بنائیں گے جو اس میں فساد مچائے گی، اور خون بہائے گی؟ [البقرۃ ۳۰]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: دور ہو ان (ملائکہ) میں سے ذلیل وخوار ہوکر! جو لوگ ان میں سے تیری راہ اپنائیں گے میں بالیقین تم سبھی سے دوزخ کو بھروں گا!

وَ يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۱﴾

(۱) آیت پاک: ﴿ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ﴾ کے دو ترجمے کئے گئے ہیں: (پہلا ترجمہ) تجھ کو کس چیز نے روکا سجدہ کرنے سے جبکہ میں نے حکم دیا؟ (دوسرا ترجمہ) تجھ کو کس چیز نے روکا کہ تو نے سجدہ نہیں کیا جبکہ میں نے حکم دیا؟ —— ألّا: أن اور لا ہیں، نون کا لام میں ادغام ہوا ہے —— اگر أن مصدریہ ہے تو لا زائدہ ہے، تقدیر عبارت من السجود ہے، اس صورت میں پہلا ترجمہ ہوگا، اور أن مفسرہ ہے تو لا کو زائدہ ماننے کی ضرورت نہیں، اس صورت میں دوسرا ترجمہ ہوگا، اور 'کہ' أن مفسرہ کا ترجمہ ہے۔

فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۲﴾ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ٚ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۲۴﴾ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿۲۵﴾ ع

وَ يٰٓاٰدَمُ	اور اے آدم	لِيُبْدِيَ	تاکہ کھولدے (ظاہر کرے)	وَ قَاسَمَهُمَآ	اور پختہ قسم کھائی دونوں
اسْكُنْ	رہیں	لَهُمَا	دونوں کے لئے		کے سامنے
اَنْتَ وَزَوْجُكَ	آپ اور آپ کی بیوی	مَا وٗرِيَ	جو پوشیدہ رکھا گیا ہے	اِنِّيْ لَكُمَا	بیشک میں تم دونوں کیلئے
الْجَنَّةَ	جنت میں	عَنْهُمَا	دونوں سے	لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ	البتہ خیر خواہوں میں
فَكُلَا	پس کھاؤ تم دونوں	مِنْ سَوْاٰتِهِمَا	دونوں کی شرمگاہوں سے		سے ہوں
مِنْ حَيْثُ	جہاں سے	وَ قَالَ	اور کہا اس نے	فَدَلّٰىهُمَا	پس دونوں کو نیچے کھینچ لیا
شِئْتُمَا	چاہو تم	مَا نَهٰىكُمَا	نہیں روکا تم دونوں کو	بِغُرُوْرٍ	فریب سے
وَلَا تَقْرَبَا	اور نہ نزدیک جاؤ تم	رَبُّكُمَا	تمہارے پروردگار نے	فَلَمَّا ذَاقَا	پس جب چکھا دونوں نے
	دونوں	عَنْ هٰذِهِ	اس درخت سے	الشَّجَرَةَ	درخت کو
هٰذِهِ الشَّجَرَةَ	اس درخت کے	الشَّجَرَةِ		بَدَتْ	ظاہر ہو گئیں
فَتَكُوْنَا	پس ہو جاؤ گے تم دونوں	اِلَّآ اَنْ	مگر اس لئے کہ	لَهُمَا	دونوں کے لئے
مِنَ الظّٰلِمِيْنَ	اپنا نقصان کرنے والوں سے	تَكُوْنَا	ہو جاؤ گے تم دونوں	سَوْاٰتُهُمَا	دونوں کی شرمگاہیں
فَوَسْوَسَ	پس برا خیال پیدا کیا	مَلَكَيْنِ	دو فرشتے	وَطَفِقَا	اور لگے دونوں جوڑنے
لَهُمَا	ان کے لئے	اَوْ تَكُوْنَا	یا ہو جاؤ گے تم دونوں	يَخْصِفٰنِ	
الشَّيْطٰنُ	شیطان نے	مِنَ الْخٰلِدِيْنَ	سدا رہنے والوں میں سے	عَلَيْهِمَا	اپنے اوپر

مِنْ وَّرَقِ	پتوں سے	مُّبِيْنٌ	کھلا	لِبَعْضٍ	بعض کا
الْجَنَّةِ	جنت کے	قَالَا	کہا دونوں نے	عَدُوٌّ	دشمن ہے
وَنَادٰىهُمَا	اور پکارا دونوں کو	رَبَّنَا	اے ہمارے پروردگار!	وَلَكُمْ	اور تمہارے لئے
رَبُّهُمَا	ان کے پروردگار نے	ظَلَمْنَا	نقصان کیا ہم نے	فِي الْاَرْضِ	زمین میں
اَلَمْ اَنْهَكُمَا	کیا نہیں روکا تھا میں	اَنْفُسَنَا	اپنی ذاتوں کا	مُسْتَقَرٌّ	ٹھہرنا ہے
	نے تم دونوں کو	وَاِنْ لَّمْ	اور اگر نہ	وَّمَتَاعٌ	اور برتنے کا سامان ہے
عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ	اس درخت سے	تَغْفِرْ لَنَا	بخشیں آپ ہم کو	اِلٰى حِيْنٍ	ایک وقت تک
		وَتَرْحَمْنَا	اور (نہ) مہربانی	قَالَ	فرمایا
وَاَقُلْ	اور (کیا نہیں) کہا تھا		فرمائیں آپ ہم پر	فِيْهَا	اسی میں
	میں نے	لَنَكُوْنَنَّ	(تو) ضرور ہونگے ہم	تَحْيَوْنَ	جیو گے تم
لَّكُمَا	تم دونوں سے	مِنَ	گھاٹا پانے والوں میں سے	وَفِيْهَا	اور اسی میں
اِنَّ الشَّيْطٰنَ	بے شک شیطان	قَالَ	فرمایا	تَمُوْتُوْنَ	مرو گے تم
لَكُمَا	تم دونوں کا	اهْبِطُوْا	اترو تم (سب)	وَمِنْهَا	اور اسی میں سے
عَدُوٌّ	دشمن ہے	بَعْضُكُمْ	تمہارا بعض	تُخْرَجُوْنَ	نکالے جاؤ گے تم

ابلیس نے آدم وحوا علیہما السلام کو فریب دیا، پس تینوں زمین پر اتار دیئے گئے!

فرشتوں سے سجدہ کرا کر آدم وحوا علیہما السلام کو جنت میں بسا دیا، یہی ان کا اصلی وطن ہے، اور جنت کی ہر نعمت کو استعمال کرنے کی اجازت دیدی، البتہ ایک خاص درخت کے پاس جانے سے بھی منع کر دیا، قرآن نے اس درخت کی تعیین نہیں کی، ورنہ وہ بدنام ہو جاتا، اور دادا دادی کو یہ بھی بتلا دیا کہ اگر تم اس درخت کو کھاؤ گے تو اپنا نقصان کرو گے۔

آدم وحوا علیہما السلام جنت میں عیش کرتے رہے، ایک عرصہ بعد شیطان نے دونوں کے دل میں برا خیال پیدا کیا، اس کا مقصد دونوں کو ننگا کرنا تھا، شیاطین کو اس سے بڑی دلچسپی ہے، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ شیطان نے دونوں سے کہا: اللہ تعالیٰ نے جو تم دونوں کو اس درخت سے روکا ہے، تو وہ اسی لئے روکا ہے کہ تم فرشتے نہ بن جاؤ یا امر نہ ہو جاؤ، اور ہمیشہ کے لئے جنت میں رہ نہ جاؤ، تمہیں اللہ نے زمین میں خلیفہ بنایا ہے، اس لئے ایک دن زمین میں اترنا ہوگا، اور جو اس درخت کو کھالے گا وہ فرشتہ بن جائے گا، اور ہمیشہ آسمانوں میں اور جنت میں رہے گا، اور اس نے دونوں کے سامنے قسم کھائی کہ وہ

دونوں کی خیر خواہی میں یہ بات کہہ رہا ہے، اس طرح اس نے دونوں کو ان کے موقف (اطاعت) سے پھسلا دیا اور نیچے اتار لیا، انبیاء سے معصیت ممکن نہیں، اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرماتے ہیں، مگر زلّت (لغزش) ہوسکتی ہے، معصیت نام ہے: بدنیتی سے حکم کی خلاف ورزی کرنے کا، اور زلت نام ہے: نیک نیتی سے حکم کی خلاف ورزی کرنے کا، دونوں نے قرب خداوندی کی چاہت میں اس درخت کو کھالیا۔

جونہی درخت کو چکھا، یعنی ذرا سا کھایا کہ ان کا جنتی لباس اتر گیا، اور ننگا پا کھل گیا، دونوں اپنے پردے کے بدن کو چھپانے لگے، اور جنت کے پتے بدن پر چپکانے لگے، اور اللہ کی طرف سے نداء آئی کہ کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے روکا نہیں تھا؟ —— وہ درخت 'امر' نہیں تھا، 'مر' تھا، جب تک دادا دادی اس کو نہ کھاتے جنت میں رہتے، جب کھالیا تو اب جنت میں رہنے کا کوئی جواز نہ رہا —— اور کیا میں نے تم دونوں کو بتایا نہیں تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے؟ —— کھلا دشمن یعنی ظاہری دشمن: جس کی دشمنی کو سمجھنے میں دیر نہیں لگتی۔

دونوں نے عرض کیا: پروردگار! ہم نے اپنا نقصان کرلیا، اب آسرا آپ کی بخشش اور مہربانی کا ہے، اگر آپ ہمیں نہیں بخشیں گے اور ہم پر مہربانی نہیں فرمائیں گے تو ہم کہیں کے نہیں رہیں گے!

شیطان اب تک آسمان میں تھا، نیچے نہیں اتارا گیا تھا، جنت میں آتا جاتا تھا، اب تینوں کو حکم ملا کہ آسمان سے نیچے اترو، اور زمین میں جابسو، اور تمہاری آپسی دشمنی ہمیشہ باقی رہے گی، شیطان برابر تمہیں فریب دینے کی کوشش کرے گا، پس اس سے چوکنا رہنا —— اب تم ایک وقت تک زمین میں رہوگے، زمین کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے رہنا، اب تمہیں وہیں جینا مرنا ہے، پھر اسی سے قیامت کے دن اٹھائے جاؤگے (قصہ پورا ہوا)

فائدہ: جس طرح آئندہ کی باتیں غیب ہیں، اسی طرح ماضی کی باتیں بھی غیب ہیں، ان کو بیان کیا جائے تو ان کو ایک حد تک ہی سمجھ سکتے ہیں، تمام تفصیلات نہیں سمجھ سکتے، جیسے دجال اور یاجوج وماجوج کے احوال بیان کئے گئے ہیں، مگر آج ان کو پوری طرح نہیں سمجھا جاسکتا کل ہی وہ باتیں پوری طرح سمجھ میں آئیں گی، اسی طرح آدم علیہ السلام کا یہ واقعہ ماضی کا واقعہ ہے، ہم اس کو ایک حد تک ہی سمجھ سکتے ہیں، جو اس واقعہ کی تمام تفصیلات جاننے کی کوشش کرے گا، اس کے حصہ میں 'الجھن' کے سوا کچھ نہیں آئے گا، اور سورت کے شروع میں حروفِ مقطعات لاکر اس طرف اشارہ کردیا ہے کہ اس سورت میں ایسی باتیں بھی ہیں جن کو ایک حد تک ہی سمجھا جاسکتا ہے۔

آیاتِ کریمہ: اور اے آدم! آپ اور آپ کی اہلیہ جنت میں بسیں، اور دونوں جہاں سے چاہیں کھائیں، اور اس درخت کے پاس نہ جائیں، ورنہ دونوں اپنا نقصان کرنے والوں میں سے ہوجاؤگے —— پس دونوں کے دل میں

شیطان نے براخیال پیدا کیا، تاکہ ان کے سامنے ظاہر کردے دونوں کا پردہ کا بدن جو دونوں سے پوشیدہ رکھا گیا تھا ــــ یعنی اب تک جنت کے لباس میں چھپا ہوا تھا ــــ اور اس نے کہا: تم دونوں کو تمہارے پروردگار نے اس درخت سے نہیں روکا، مگر اس لئے کہ تم دونوں فرشتے بن جاؤ یا دونوں امر ہو جاؤ، اور دونوں کے سامنے اس نے پختہ قسم کھائی کہ وہ دونوں کا بالیقین خیر خواہ ہے!

پس اس نے فریب سے دونوں کو فروتر کرلیا، پس جب دونوں نے وہ درخت چکھا تو دونوں کے لئے ان کا ننگا پا کھل گیا، اور وہ دونوں اپنے اوپر جنت کے پتے جوڑنے لگے ــــ اور دونوں کو ان کے پروردگار نے پکارا: "کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے روکا نہیں تھا؟ اور میں نے تم دونوں کو بتلایا نہیں تھا کہ شیطان تم دونوں کا کھلا دشمن ہے؟"

دونوں نے عرض کیا: اے ہمارے پروردگار! ہم اپنا ہی نقصان کر بیٹھے! اور اگر آپ ہمیں بخش نہ دیں اور ہم پر مہربانی نہ فرمائیں تو ہم ضرور گھاٹا پانے والوں میں سے ہوجائیں گے!

اللہ تعالیٰ نے حکم دیا: تم (تینوں) نیچے اترو، تم ایک دوسرے کے دشمن رہوگے، اور تمہیں ایک وقت تک زمین میں ٹھہرنا ہے اور زمین کی چیزوں سے فائدہ اٹھانا ہے (مزید) فرمایا: تم اسی میں جیو گے اور تم اسی میں مروگے، اور تم اسی میں سے نکالے جاؤگے۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ۭ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ	اے اولادِ آدم کی!	لِبَاسًا	پوشاک	وَرِيْشًا (۲)	اور لباس زینت
قَدْ اَنْزَلْنَا	تحقیق اتاری ہم نے	يُّوَارِيْ	جو ڈھانکے	وَلِبَاسُ	اور لباس
عَلَيْكُمْ	تم پر	سَوْاٰتِكُمْ (۱)	تمہاری شرمگاہوں کو	التَّقْوٰى	پرہیزگاری کا

(۱) سَوْءَۃ کے اصل معنی ہیں: برائی، عیب، فضیحت، پھر مرد اور عورت کی شرمگاہ کے لئے اس کا استعمال ہونے لگا۔ (۲) ریشا: کے اصل معنی ہیں: پرندوں کے پَر، پَر پرندوں کے لئے زینت ہوتے ہیں، اس لئے ترجمہ 'زینت' کیا جاتا ہے۔

ذٰلِكَ خَيْرٌ	وہ سب سے بہتر ہے	كَمَآ اَخْرَجَ	جس طرح نکالا اس نے	هُوَ	وہ
ذٰلِكَ	وہ	اَبَوَيْكُمْ	تمہارے ماں باپ کو	وَ قَبِيْلُهٗ	اور اس کا خاندان
مِنْ اٰيٰتِ	نشانیوں سے ہے	مِّنَ الْجَنَّةِ	جنت سے	مِنْ حَيْثُ	ایسی جگہ سے
اللّٰهِ	اللہ کی	يَنْزِعُ	کھینچتا ہے وہ	لَا تَرَوْنَهُمْ	کہ نہیں دیکھتے تم ان کو
لَعَلَّهُمْ	تا کہ وہ	عَنْهُمَا	دونوں سے	اِنَّا جَعَلْنَا	بے شک ہم نے بنایا
يَذَّكَّرُوْنَ	نصیحت پذیر ہوں	لِبَاسَهُمَا	ان کا لباس	الشَّيٰطِيْنَ	شیاطین کو
يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ	اے اولاد آدم کی!	لِيُرِيَهُمَا	تا کہ دکھلائے دونوں کو	اَوْلِيَآءَ	دوست (رفیق)
لَا يَفْتِنَنَّكُمُ	نہ آزمائش میں ڈالے تم کو	سَوْاٰتِهِمَا	ان کی شرمگاہیں	لِلَّذِيْنَ	ان لوگوں کا جو
الشَّيْطٰنُ	شیطان	اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ	بیشک وہ دیکھتا ہے تم کو	لَا يُؤْمِنُوْنَ	ایمان نہیں رکھتے

لباس کی قسمیں اور بہترین لباس

قصۂ آدم علیہ السلام کے ضمن میں یہ بات آئی ہے کہ شیطان نے جنت میں دادا دادی کے کپڑے اتروا دیئے، اور انھوں نے درخت کے پتے لپیٹ کر ستر چھپایا، پھر وہ زمین پر اتارے گئے تو ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے لباس بھی اتارا، یعنی زمین میں لباس پیدا کیا، جس کی دو قسمیں ہیں، پھر دوسری قسم کی دو قسمیں ہیں، اس طرح لباس کی تین قسمیں ہوگئیں:

پہلا درجہ: اس لباس کا ہے جو ستر چھپاتا ہے، یہ فرض عین لباس ہے، ننگا رہنا حرام ہے، اور ستر کیا ہے؟ اس میں اختلاف ہے: امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک ستر صرف دورا ہیں اور ان کا ارد گرد ہے، یعنی جنگا سے اور سرینیں بھی ستر ہیں، رانیں ننگا پا نہیں۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک رانیں بھی ستر ہیں، البتہ گھٹنہ ستر نہیں، اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک: ناف کے نیچے سے گھٹنے کے نیچے تک ستر ہے، اور اس کے عقلی اور نقلی دلائل ہیں، اور اسی میں احتیاط ہے، ننگا پا اور ستر وہ بدن ہے جس کا چھپانا ضروری ہے، کسی کے سامنے بے ضرورت اس کا کھولنا جائز نہیں، اور مرد اور عورت کا ستر ایک ہے، ایک عورت دوسری مسلمان عورت کے سامنے بے ضرورت ناف اور گھٹنے کے درمیان کا حصہ نہیں کھول سکتی، پھر مرد کے لئے تو کوئی حجاب (پردہ) نہیں، البتہ عورت کے لئے حجاب ہے، محارم کے حجاب میں پیٹ اور اس کے مقابل کی پیٹھ داخل ہے، اور اللہ کے حجاب میں جب عورت نماز کے لئے کھڑی ہو تو چہرہ، کفین اور قدمین کے علاوہ سارے بدن کا حجاب ہے، اور اجانب کے سامنے چہرے کا بھی حجاب ہے، کفین اور قدمین حجاب میں شامل نہیں۔

دوسرا درجہ: وہ لباس ہے جو آدمی کے لئے زینت اور زیبائش ہے، یہ وہ لباس ہے جو پورے بدن کو چھپاتا ہے، سر پر

بھی کپڑا ہونا چاہئے، کیونکہ پرندوں کے سر پر بھی پَر ہوتے ہیں، اور ریش کے اصل معنی پَر ہی کے ہیں۔

پھر اس دوسرے درجہ کے لباس کی دو قسمیں ہیں: ایک: وہ لباس ہے جو ساری دنیا پہنتی ہے، اس لباس میں فیشن پرست سر کھلا رکھتے ہیں۔ دوسرا: وہ لباس ہے جو نیک لوگ پہنتے ہیں، اس میں عمامہ یا ٹوپی ضرور ہوتی ہے، یہی بہترین لباس ہے، اس سے دل میں تقوی پیدا ہوتا ہے، اس لئے لباس المتقین کے بجائے ﴿ لِبَاسُ التَّقْوٰى ﴾ کہا ہے، اس تعبیر میں نیک لوگوں کے لباس کے فائدے کی طرف اشارہ ہے۔

پس یہ جو کہا جاتا ہے کہ ہرچہ خواہی پوش ودر عمل کوش، یا کہا جاتا ہے کہ جیسا دیس ویسا بھیس: یہ باتیں صحیح نہیں، لباس کا دل اور عمل پر اثر پڑتا ہے، جس کا جی چاہے تجربہ کرلے، ایک مہینہ آوارہ لوگوں کا لباس پہنے اور ایک مہینہ نیک لوگوں کا، پھر دیکھے دل ودماغ پر کیا اثر پڑتا ہے؟ طبیعت میں آوارگی اور نیکی کا مشاہدہ کرلے گا۔ فرعون کے جادوگر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ کے لئے میدان میں اترے ہیں تو وہ حضرات موسیٰ وہارون علیہما السلام کا لباس پہن کر آئے تھے، اس کی برکت سے ان کو دولتِ ایمان ملی، دوسرے قبطی محروم رہے۔

رہا یہ سوال کہ پرہیزگاروں کے لباس کا اثر پرہیزگاری کیوں ہے؟ اس کو سمجھایا نہیں جاسکتا، اس کا تعلق تجربہ سے ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے صرف یہ فرمایا کہ پرہیزگاری کا لباس سب سے بہتر لباس ہے، اور یہ بات اللہ کی نشانیوں میں سے ہے، پس لوگوں کو چاہئے کہ اللہ کی بات مان لیں، نصیحت پذیر ہوں اور نیک لوگوں کا لباس پہنیں!

فائدہ: لوگ پوچھتے ہیں: سنت لباس کیا ہے؟ پس جاننا چاہئے کہ نیک لوگوں کا لباس سنت لباس ہے، ہر زمانہ اور ہر جگہ میں اللہ کے نیک بندے جو لباس پہنتے ہیں وہی سنت لباس ہے، اور اگر ٹوپی وغیرہ مختلف پہنتے ہیں تو سب سنت ہیں، سنت لباس کی کوئی خاص وضع متعین نہیں، نبی ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم جس طرح کا لباس پہنتے تھے وہی سنت نہیں، اس لئے کہ ہر زمانہ میں اور ہر جگہ میں اس لباس کو لازم نہیں کرسکتے۔

﴿ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اے انسانو! ہم نے تمہارے لئے لباس پیدا کیا ہے جو تمہاری شرمگاہوں کو چھپاتا ہے، اور زینت کا لباس اور پرہیزگاری کا لباس: یہ سب سے بہتر لباس ہے، یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے، تاکہ وہ نصیحت پذیر ہوں!

شیطان کی بڑی دلچسپی انسان کو ننگا کرنے سے ہے

اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے لباس پیدا کیا، اور اچھا سے اچھا پیدا کیا، مگر شیاطین کی بڑی دلچسپی اس کو ننگا کرنے سے

ہے، وہ ننگے انسان کو دیکھ کر مزہ لیتے ہیں، حدیث میں ہے کہ وہ انسان کے اعضائے مستورہ سے کھلواڑ کرتے ہیں، اور شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے، اس لئے وہ اس کو فتنہ میں ضرور مبتلا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ انسان کو چوکنا کرتے ہیں کہ وہ تمہیں فریب دے کر ننگا نہ کرے، وہ تم کو ایسی جگہ سے دیکھتا ہے کہ تم اس کو نہیں دیکھتے، وہ لطیف ہے اور تم کثیف ہو، لطیف کو کثیف نظر آتا ہے، اور کثیف کو لطیف نظر نہیں آتا، گھروں میں آسیبی اثر ہوتا ہے، جنات گھر والوں کو پریشان کرتے ہیں، وہ ان کو دیکھتے ہیں اور گھر والے ان کو نہیں دیکھتے۔

اور اس آیت میں بھی اور قصۂ آدم علیہ السلام میں بھی صراحت ہے کہ اس کا دلچسپ مشغلہ انسانوں کا لباس اتروانا ہے، پھر وہ اور اس کے چیلے اس کو دیکھ کر مزہ لیتے ہیں، وہ کافروں اور بدکاروں کے رفیق ہیں، ان سے جدا نہیں ہوتے، چنانچہ حدیث میں استنجاء کے لئے دعا آئی ہے، اور اگر صرف بسم اللہ کہہ کر حاجت کے لئے جائے تو بھی انسان کی شرمگاہ اور جنات کی نظروں کے درمیان پردہ پڑ جاتا ہے۔

فائدہ: اللہ نے انسان کو عقل دی ہے، اس لئے وہ اس کو مادرزاد ننگا تو کر نہیں سکتا، البتہ نیم برہنہ کر دیتا ہے، آج کل جو لباس چل پڑا ہے، نیچے پتلون اوپر بنیان یا ٹی شرٹ، یہ نیم برہنہ نہیں تو کیا ہے؟ اس کے جسم کا پچھلا ابھار صاف محسوس ہوتا ہے، اور سجدہ میں تو بری شکل بن جاتی ہے، جبکہ یہ ابھار بھی عشق آفریں ہے اور اس کا فساد اظہر ہے، مگر بڑے چھوٹوں کو سمجھاتے نہیں، اور مصلحین امت بھی اس طرف توجہ نہیں کرتے، اور مسلمان یہ سمجھنے لگے ہیں یہ بھی ایک لباس ہے، ہاں لباس ہے مگر شیطانی لباس ہے، پتلون پہننی ہے تو اوپر گھٹنوں تک کرتا پہنو، تاکہ لباس کا مقصد (ستر) حاصل ہو۔

﴿ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ۭ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اے انسانو! شیطان تمہیں ہرگز فتنہ میں مبتلا نہ کرے، جس طرح تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکالا، وہ ان دونوں سے ان کا لباس اترواتا ہے، تاکہ ان کو ان کا ننگا پا دکھائے، وہ یقیناً تم کو دیکھتا ہے، وہ اور اس کا خاندان —— یعنی اس کے چیلے اور بدقماش شیاطین —— جہاں سے تم ان کو نہیں دیکھتے، بے شک ہم نے شیاطین کو ان لوگوں کا رفیق بنایا ہے جو ایمان نہیں رکھتے! —— لہٰذا مؤمنین اس کے فریب میں نہ آئیں، ساتر لباس پہنیں!

وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَاۗءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ ۭ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَي اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ

بِالْقِسْطِ قف وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۵
كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ط اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا
الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۰﴾

وَاِذَا فَعَلُوْا	اور جب کرتے ہیں وہ	عَلَى اللّٰهِ	اللہ پر	تَعُوْدُوْنَ	لوٹو گے تم
فَاحِشَةً	کوئی بے حیائی کا کام	مَا لَا تَعْلَمُوْنَ	جو نہیں جانتے تم	فَرِيْقًا	ایک جماعت کو
قَالُوْا	تو کہتے ہیں	قُلْ	کہو	هَدٰى	راہ دکھائی اس نے
وَجَدْنَا	پایا ہم نے	اَمَرَ رَبِّيْ	حکم دیا ہے میرے رب نے	وَفَرِيْقًا	اور دوسری جماعت
عَلَيْهَا	اس (فاحشہ) پر	بِالْقِسْطِ	انصاف کرنے کا	حَقَّ عَلَيْهِمُ	ثابت ہوگئی ان پر
اٰبَآءَنَا	ہمارے باپ دادوں کو	وَاَقِيْمُوْا	اور سیدھا رکھو تم	الضَّلٰلَةُ	گمراہی
وَاللّٰهُ	اور اللہ تعالیٰ نے	وُجُوْهَكُمْ	اپنے چہروں کو	اِنَّهُمُ	بے شک انھوں نے
اَمَرَنَا	حکم دیا ہے ہمیں	عِنْدَ كُلِّ	ہر عبادت کے وقت	اتَّخَذُوا	بنایا ہے
بِهَا	اس (فاحشہ) کا	مَسْجِدٍ (۱)		الشَّيٰطِيْنَ	شیاطین کو
قُلْ	کہو	وَّادْعُوْهُ	اور پکارو تم ان کو	اَوْلِيَآءَ	کارساز
اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ تعالیٰ	مُخْلِصِيْنَ	خالص کرتے ہوئے	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ کے ورے
لَا يَاْمُرُ	نہیں حکم دیتے	لَهُ الدِّيْنَ (۲)	اس کے لئے دین کو	وَيَحْسَبُوْنَ	اور گمان کرتے ہیں وہ
بِالْفَحْشَآءِ	بے حیائی کے کام کا	كَمَا	جس طرح	اَنَّهُمْ	کہ وہ
اَتَقُوْلُوْنَ	کیا کہتے ہو تم	بَدَاَكُمْ	تم کو پہلے پیدا کیا	مُّهْتَدُوْنَ	راہ پانے والے ہیں

برہنگی بے حیائی ہے، اور اللہ تعالیٰ بے حیائی کے کاموں کا حکم نہیں دیتے

مشرکین عرب جب کوئی بے حیائی اور بے شرمی کا کام کرتے تھے، زنا کرتے تھے، اغلام کرتے تھے یا بیت اللہ کا ننگے طواف کرتے تھے، اور ان کو سمجھایا جاتا تھا تو وہ کہتے تھے: ''یہ طریقہ اسلاف سے چلا آرہا ہے، اور اللہ نے ہمیں اس کا حکم دیا

(۱) مسجد: مصدر میمی: مراد عبادت ہے (۲) الدین: دَانَ يَدِيْنُ کا مصدر: اس کا استعمال اطاعت اور شریعت کی پابندی کے معنی میں ہوتا ہے۔

ہے"یعنی یہ اللہ کی شریعت کا حکم ہے۔

جواب: عقل سلیم ان کاموں سے نفرت کرتی ہے، پس اللہ کے شایانِ شان نہیں کہ وہ ان باتوں کی تعلیم دیں، اور تمہارے اسلاف تو گمراہ تھے، ان کے طریقہ کا کیا اعتبار! اور اللہ کی طرف جو تم ان کاموں کی نسبت کرتے ہو وہ جہالت کا نتیجہ ہے!

فائدہ: آج بھی جو پڑھے لکھے جاہل مسلمان پتلون پہن کر کرتے کے بغیر گھومتے ہیں یا عورتیں بے پردہ گھومتی ہیں یا دوسرے برے کاموں میں مبتلا ہیں ان کو سمجھایا جائے تو وہ بھی یہی کہیں گے کہ یہ ایک طریقہ ہے، ملکی ریت ہے، اس میں کیا قباحت ہے؟ —— قباحت ہے، یہ ساتر لباس نہیں ہے!

﴿وَإِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَا اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ ۭ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَي اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۲۸﴾

ترجمہ: اور جب وہ (مشرکین) کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں: "ہمارے اسلاف سے یہی طریقہ چلا آرہا ہے، اور اللہ نے ہم کو اس کا حکم دیا ہے!" —— (جواب:) کہو: اللہ تعالیٰ قطعاً بے حیائی کے کاموں کا حکم نہیں دیتے، کیا تم اللہ کے نام وہ بات لگاتے ہو جو تم جانتے نہیں؟ —— اور آباء کی ریت کا جواب آگے آرہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تین کاموں کا حکم دیا ہے

ایک: انصاف کرنے کا حکم دیا ہے، اگر اسلاف کی بات گمراہی کی بات ہو تو انصاف کی بات یہ ہے کہ اس کو چھوڑ دیا جائے، اسی طرح انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی بات بے دلیل منسوب نہ کی جائے۔

دوسرا: عبادات میں چہرہ سیدھا اللہ تعالیٰ کی طرف رکھا جائے، عبادت میں ادنی شرک کی آمیزش نہ کی جائے، حدیث شریف میں عبادات میں دکھاوا کرنے کو بھی شرک قرار دیا ہے۔

تیسرا: اللہ تعالیٰ سے دعا بھی اخلاص کے ساتھ کی جائے اور دل کی تھاہ سے کی جائے، غافل دل کی دعا اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتے۔

یہ وہ تین کام ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، جبکہ مشرکین کا حال یہ ہے کہ وہ ان کاموں سے کوسوں دور ہیں، وہ بے حیائی کے کاموں کے سلسلہ میں انصاف نہیں کرتے، پرانی لکیر پیٹے جارہے ہیں، اور اس کو اللہ کی شریعت بتاتے ہیں، اور حج یا عمرہ کا احرام باندھتے ہیں تو تلبیہ اس طرح پڑھتے ہیں: لا شَرِيكَ لكَ، إلا شريكا هو لكَ، تَمْلِكُه وما مَلَكَ: آپ کا کوئی شریک نہیں، ہاں ایک شریک (مورتی) ہے جو آپ ہی کا ہے، یعنی آپ نے اس کو شریک بنایا ہے، آپ مالک ہیں، وہ

کسی چیز کا مالک نہیں! پھر بھی وہ شریک ہے! جب اس طرح تلبیہ پڑھا تو حج اور عمرہ میں رخ صرف اللہ کی طرف کہاں رہا؟ اور تلبیہ ایک دعا ہے: اس میں اخلاص کہاں رہا؟ اور دعا ایک عبادت ہے، پس دین اللہ کے لئے خالص کہاں رہا؟

﴿قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۣ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ڛ﴾

ترجمہ: آپ کہیں: میرے پروردگار نے انصاف کرنے کا حکم دیا ہے، اور سیدھا رکھو تم اپنے چہروں کو عبادت کے وقت ـــــ یعنی ہر عبادت اللہ ہی کے لئے کرو ـــــ اور اس کو پکارو ـــــ دعا کرو ـــــ اس کے لئے دین کو خالص کر کے ـــــ شرک کے ساتھ دعا مت کرو، وہ قبول نہیں ہوتی۔

مورتیوں کی پوجا کرنے والا کبھی راہ یاب نہیں ہوسکتا

انسان کو اللہ تعالیٰ ہی نے پہلی بار پیدا کیا ہے، پھر ان کو زمین میں پھیلا دیا، اور بالآخر ان کو اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے، وہ ابتدائے آفرینش میں تو ایک تھے، پھر جدا جدا ہوگئے، چنانچہ وہ دو جماعتیں بن کر لوٹیں گے، ایک جماعت راہ یاب ہوگی، دوسری پرلے درجہ کی گمراہ، اس لئے کہ انھوں نے شیاطین (مورتیوں) کو اللہ کی عبادت میں شریک کیا ہے، جن کو وہ اللہ سے کم درجہ کا سمجھتے ہیں، پھر بھی برابر کا شریک کرتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ وہ راہ یاب ہیں، حالانکہ جو معبود حقیقی کو چھوڑ کر شیاطین (مورتیوں) کی پوجا کرے وہ راہ یاب کیسے ہوسکتا ہے؟

﴿كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ۝ فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ۭ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: جس طرح تم کو پہلی بار پیدا کیا تم لوٹ آؤ گے ـــــ جاؤ گے کہاں؟ ـــــ ایک جماعت کو اللہ نے ہدایت دی، اور دوسری جماعت پر گمراہی کا ٹھپہ لگ گیا، بے شک انھوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیاطین (مورتیوں) کو کارساز (معبود) بنایا، اور وہ خیال کرتے ہیں کہ وہ راہ یاب ہیں! ـــــ اسی شرک کی وجہ سے ان پر گمراہی کا ٹھپہ لگ گیا ہے۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِىَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ

ع ۱۰

بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ	اے آدم کے بیٹو!	قُلْ	کہو	رَبِّيَ	میرے پروردگار نے
خُذُوْا	لو تم	هِيَ	وہ (زینت اور ستھری	الْفَوَاحِشَ	بے شرمی کے کام
زِيْنَتَكُمْ	اپنی آرائش		چیزیں)	مَا ظَهَرَ مِنْهَا	جو ان میں سے کھلے ہیں
عِنْدَ كُلِّ	ہر عبادت کے وقت	لِلَّذِيْنَ	ان لوگوں کے لئے ہیں جو	وَمَا بَطَنَ	اور جو چھپے ہیں
مَسْجِدٍ (۱)		اٰمَنُوْا	ایمان لائے	وَالْاِثْمَ	اور گناہ (کا ہر کام)
وَّكُلُوْا	اور کھاؤ	فِي الْحَيٰوةِ	زندگی میں	وَالْبَغْيَ	اور زیادتی کرنا
وَاشْرَبُوْا	اور پیو	الدُّنْيَا	دنیا کی	بِغَيْرِ الْحَقِّ	بلاوجہ کی
وَلَا تُسْرِفُوْا	اور بے جا خرچ مت کرو	خَالِصَةً (۲)	درانحالیکہ وہ خالص ہیں	وَاَنْ تُشْرِكُوْا (۳)	اور شریک ٹھہرانا
اِنَّهٗ	بے شک اللہ تعالیٰ	يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ	قیامت کے دن	بِاللّٰهِ	اللہ کے ساتھ
لَا يُحِبُّ	نہیں پسند کرتے	كَذٰلِكَ	اسی طرح	مَا	اس کو جو
الْمُسْرِفِيْنَ	بے جا خرچ کرنے والوں کو	نُفَصِّلُ	تفصیل سے بیان	لَمْ يُنَزِّلْ	نہیں اتاری (اللہ نے)
قُلْ	پوچھو		کرتے ہیں	بِهٖ	اس کے شریک ہونے کی
مَنْ حَرَّمَ	کس نے حرام کی ہے	الْاٰيٰتِ	باتیں	سُلْطٰنًا	کوئی دلیل
زِيْنَةَ اللّٰهِ	اللہ کی زینت	لِقَوْمٍ	ان لوگوں کے لئے	وَّاَنْ تَقُوْلُوْا (۳)	اور کہنا
الَّتِيْٓ اَخْرَجَ	جو پیدا کی ہے اس نے	يَّعْلَمُوْنَ	جو جانتے ہیں	عَلَى اللّٰهِ	اللہ پر
لِعِبَادِهٖ	اپنے بندوں کے لئے	قُلْ	کہو	مَا	جو
وَالطَّيِّبٰتِ	اور ستھری چیزیں	اِنَّمَا	سوائے اس کے نہیں کہ	لَا تَعْلَمُوْنَ	نہیں جانتے تم
مِنَ الرِّزْقِ	کھانے کی	حَرَّمَ	حرام کیے ہیں	وَلِكُلِّ اُمَّةٍ	اور ہر جماعت کے لئے

(۱) کل مسجد: عام ہے، مگر مراد کعبہ شریف ہے (۲) خالصۃ: کائنۃ: محذوف کی ضمیر سے حال ہے (۳) دونوں جگہ اَن: مصدریہ ہے۔

اَجَلٌ	ایک مقررہ وقت ہے	اَجَلُهُمْ	ان کا مقررہ وقت	سَاعَةً	ایک گھڑی
فَاِذَا جَآءَ	پس جب آپہنچے گا	لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ	تو نہ پیچھے رہ سکیں گے وہ	وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ	اور نہ وہ آگے بڑھ سکیں گے

نماز اچھے لباس میں پڑھو اور اسراف سے بچ کر کھاؤ پیو

مشرکین عرب فاحشہ (بے حیائی کے کام) کو اسلاف کی ریت اور اللہ کا حکم قرار دیتے تھے: اس کی ایک مثال یہ ہے: وہ کعبہ کا طواف مادر زاد ننگے کرتے تھے، اور اسے قربت سمجھتے تھے، اور بعض لوگ حج کے دنوں میں کھانا بہت کم کر دیتے تھے، سدّ رمق کھاتے تھے، اور گھی اور چکنائی چھوڑ دیتے تھے، اور بعض بکری کے دودھ اور گوشت سے پرہیز کرتے تھے، ان کو بتلاتے ہیں کہ یہ کوئی نیکی کے کام نہیں، اچھے پوشاک میں طواف بھی کرو اور نماز بھی پڑھو، اور کھاؤ پیو، مگر حرص سے کھانے پر گر مت پڑو، اللہ تعالیٰ بے جا خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے، سورۃ بنی اسرائیل میں ان کو شیطانوں کا بھائی بند کہا ہے۔

حدیث میں طواف کو نماز کے مانند قرار دیا ہے، پس طواف ہو یا نماز اچھے پوشاک میں پڑھنی چاہئے، آدمی جب کسی بڑے سے ملنے جاتا ہے تو اس کا اہتمام کرتا ہے، اور اللہ سے بڑا کون ہے؟ پھر نماز میں اس کا لحاظ کیوں نہ کیا جائے؟ اسی لئے نماز میں عورتوں کے لئے خاص حجاب رکھا ہے، صرف چہرہ، کفین اور قدمین کھلے رکھ سکتی ہیں، باقی سارے بدن کا نماز میں ڈھانکنا ضروری ہے۔

اور آیت اگرچہ خاص معاملہ میں نازل ہوئی ہے، یعنی طواف اچھے پوشاک میں کرنا چاہئے، مادر زاد ننگے طواف کرنا بے حیائی کی بات ہے، مگر ﴿ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ ﴾ فرما کر حکم کو عام کیا ہے کہ جب نماز کے لئے کسی بھی مسجد میں جائے تو اچھا لباس پہن کر جائے، مسجد میں فرض نماز پڑھنے کے لئے جاتے ہیں، اور نفلیں گھر میں پڑھتے ہیں، پس دونوں کے احکام الگ الگ ہیں۔

ایک واقعہ: حضرت الاستاذ شیخ محمود عبد الوہاب محمود مصری قدس سرہ (مبعوث الازہر فی دار العلوم دیوبند) دار العلوم کی مسجد قدیم کے قریب بالائی منزل میں رہتے تھے، ملک مصر ساحل سمندر پر واقع ہے، اس لئے وہاں گرمی کم ہوتی ہے، اور دیوبند کی گرمی خدا کی پناہ! گرمیوں میں ان کے گرمی دانے نکل آتے تھے اور کپڑا بالکل برداشت نہیں ہوتا تھا، اپنے کمرے میں صرف پجامے میں نفلیں پڑھتے تھے، مگر جب فرض پڑھنے کے لئے مسجد میں اترتے تھے تو بنیان پہنتے، اس پر توب (عربی لمبا کرتہ) پہنتے، اس پر عبا (شیروانی) پہنتے، پھر اس پر شال اوڑھتے، اور دلہا بن کر مسجد میں آتے، نماز میں پسینہ پسینہ ہو جاتے مگر میں نے کبھی ان کو بدن کھجلاتے نہیں دیکھا۔

پھر جب نماز پڑھ کر کمرہ لوٹتے تو میں ساتھ ہوتا تھا، میں ان کا خادم تھا، وہ کمرہ میں تنہا رہتے تھے، فیملی ساتھ نہیں تھی،

جب کمرہ کھول کر داخل ہوتے تو اس طرح سلام کرتے: السلام علی عباد الله الصالحین: اللہ کے نیک بندے سلامت رہیں! ـــــ پس گھر میں کوئی ہو یا نہ ہو اس طرح سلام کرنا چاہئے، گھر میں جنات اور زمینی فرشتے ہوتے ہیں، وہ سلام سے خوش ہونگے۔

پھر مصری صاحب رحمہ اللہ ایک ایک کپڑا اتار کر، بڑی ناگواری سے چارپائی پر دے مارتے تھے، اور صرف پاجامہ میں ہو جاتے تھے، ایک مرتبہ میں نے عرض کیا: حضرت! آپ عبا اور شال کیوں اوڑھتے ہیں، توب کافی ہے! آپ نے جواب دیا: سعید! إني أستحي من الله: سعید! مجھے اللہ سے شرم آتی ہے، یہ تھا فرض کا ادب! اور آپ نفلیں صرف پجامے میں پڑھتے تھے۔

ارشاد: اور حضرت الاستاذ علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی قدس سرہٗ (صدر المدرسین دار العلوم دیوبند) نے ترمذی شریف کے سبق میں فرمایا کہ فرض نماز آفس کی ملاقات ہے، اور نفل نماز پرائیویٹ ملاقات ہے ـــــ پس دونوں کے احکام الگ ہیں، وزیر اعظم سے آفس میں ملنا ہو تو وقت لینا پڑتا ہے، آدمی نہا دھو کر صاف کپڑے پہن کر جاتا ہے اور ٹائم کا لحاظ کر کے بات کہتا ہے، پھر سلام کر کے لوٹ آتا ہے، اور رات میں جب وزیر اعظم سے دوستانہ ملاقات کرنے کے لئے جاتا ہے تو کوئی ضابطہ نہیں، جتنی دیر چاہے گپ کرے یا جلدی لوٹ جائے، اسی طرح فرائض کے لئے ضابطے ہیں اور نوافل میں اختیار ہے ـــــ اسی لئے ﴿عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ فرما کر فرائض کی تخصیص کی ہے۔

نماز میں سلیقہ سے کھڑا ہونا، بھونڈے طریقہ پر کھڑا نہ ہونا

پھر جب نماز میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہو تو سلیقہ سے کھڑا ہو، بھونڈے طریقہ پر ٹانگیں چوڑی کر کے کھڑا نہ ہو:

ایک واقعہ: امریکہ میں ایک حنفی عالم کا ایک غیر مقلد عالم سے اس مسئلہ میں مناظرہ طے ہوا، جب مجلس شروع ہوئی تو حنفی عالم نے اہل حدیث عالم سے کہا: میں آپ کا فوٹو لینا چاہتا ہوں، مہربانی کر کے ذرا کھڑے ہو جائیں، وہ کھڑا ہو گیا، حنفی عالم نے موبائل راست کیا، پھر کہا: آپ نماز میں جس طرح کھڑے ہوتے ہیں اس طرح کھڑے ہوں، غیر مقلد عالم نے کہا: اس صورت میں میرا فوٹو خراب آئے گا! حنفی عالم نے کہا: بیٹھ جائیے، مناظرہ ہو چکا، جس ہیئت کو آپ خراب سمجھتے ہیں اس ہیئت میں آپ اللہ کے سامنے کیوں کھڑے ہوتے ہیں؟

نوٹ: موبائل کا فوٹو بھی حرام ہے اور یہ تو ایک واقعہ ہے، حنفی عالم کا مقصد فوٹو کھینچنا نہیں تھا۔

صف بندی کا طریقہ: مونڈھے سے مونڈھا لگائے اور ٹخنہ سے ٹخنہ چپکائے

بخاری شریف میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے: رأیتُ الرجلَ منا یلزق کعبه بکعب صاحبه:

میں ہم میں سے ایک شخص کو دیکھتا تھا وہ اپنا ٹخنہ اپنے ساتھی کے ٹخنہ سے چپکاتا تھا، اور بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: نبی ﷺ نے فرمایا: أقیموا صفوفکم، فإنی أراکم من وراء ظهری: اپنی صفیں سیدھی کرو، اس لئے کہ میں تمہیں پیٹھ کے پیچھے سے دیکھتا ہوں۔ یہاں تک حدیث ہے، پھر حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: و کان یُلْزِقُ منکبه بمنکب صاحبه و قدمه بقدمه: آدمی اپنا مونڈھا اپنے ساتھی کے مونڈھے سے چپکاتا تھا، اور اپنے پیر کو اس کے پیر سے۔

ان دونوں روایتوں پر امام بخاری رحمہ اللہ نے باب باندھا ہے: باب إلزاق المنکب بالمنکب و القدم بالقدم فی الصف: صف بندی میں مونڈھے کو مونڈھے سے اور پیر کو پیر سے چپکانا۔

آنحضور ﷺ نے حضرات صحابہ کو صف بندی کا یہ طریقہ بتلایا تھا کہ کندھے سے کندھا اچھی طرح لگایا جائے اور قدم سے قدم ملا کر دیکھا جائے، یعنی لوگ اس طرح کھڑے ہوں کہ اگر ایک جانب سے ٹخنوں میں سوئی داخل کی جائے تو سب ٹخنوں میں سے ہو کر پار ہو جائے، یعنی تمام لوگوں کے ٹخنے ایک سیدھ میں آجائیں۔ غیر مقلدین نے اس حدیث کے غلط معنی سمجھے ہیں، وہ کہتے ہیں: اس حدیث میں نماز میں کھڑے ہونے کا طریقہ بتایا گیا ہے، ان کے نزدیک نماز میں کھڑے ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ ہر آدمی پیر کی انگلیاں دوسرے کے پیر کی انگلیوں سے لگائے، حالانکہ حدیث میں قدم سے قدم ملانے کا ذکر ہے، اور قدم ایڑی سے انگلیوں تک ہے، پس قدم سے قدم ملا کر کھڑا ہونا ممکن نہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمہ میں فی الصف کی قید لگا کر اشارہ کیا ہے کہ یہ صف بندی کا طریقہ ہے، قیام میں کھڑے ہونے کا طریقہ نہیں ہے، اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری (۲:۲۱۱) میں لکھتے ہیں المرادُ بذلك المبالغةُ فی تعدیل الصف وسَدِّ خَلَلِه اھ، یعنی حدیث کی مراد صف صحیح کرنے میں مبالغہ کرنا ہے اور صف کے خلل کو بند کرنا ہے، اور اس کا واضح قرینہ یہ ہے کہ صحابہ کا یہ عمل ایک مرفوع حدیث کے بعد حضرت انسؓ نے ذکر کیا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: اپنی صفیں سیدھی کرو، کیونکہ میں تمہیں پیٹھ پیچھے سے دیکھتا ہوں'' یہ حدیث ذکر کر کے حضرت انسؓ فرماتے ہیں: ''اور ہم میں سے ہر شخص اپنا مونڈھا اپنے ساتھی کے مونڈھے سے اور اپنا پیر اس کے پیر سے ملاتا تھا'' ظاہر ہے مذکورہ حدیث کے بعد صحابہ کا یہ عمل اس ارشاد کی تعمیل ہی میں ہو سکتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ صحابہ کا قدم سے قدم ملانا حدیث نہیں ہے، حدیث رسول اللہ ﷺ کے قول و فعل اور تائید و تقریر کو کہتے ہیں، بلکہ یہ از قبیل آثارِ صحابہ ہے، اور غیر مقلدین آثارِ صحابہ کو نہیں مانتے، شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ میں اس کی صراحت کی ہے، پس غیر مقلدین کا اس کو حدیث کہہ کر پیش کرنا زبردست مغالطہ ہے، ایک تو اثر کو حدیث بنا دیا، پھر اس کا

غلط مطلب بیان کیا، کریلا اور نیم چڑھا!

طب کی تین بنیادیں اور تینوں قرآنِ کریم میں ہیں

طب کی ترتیب وار تین بنیادیں ہیں: حفظانِ صحت، استخراج مادۂ فاسد اور حِمیَۃ (پرہیز)، پہلے کوشش یہ ہونی چاہئے کہ صحت محفوظ رہے، کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے صحت خراب ہو جائے، موسم بدل رہا ہو تو کھلی جگہ نہ سوئے، کھائے پیئے مگر اندازے سے کھائے، اشتہا کے بغیر نہ کھائے، مضر چیزیں نہ کھائے اور بہت کم بھی نہ کھائے، بقائے صحت کے بقدر کھائے، اس اصل کا ذکر اس آیت میں ہے، فرمایا: کھاؤ پیئو مگر حد سے تجاوز مت کرو، بے حد کھائے گا تو معدہ خراب ہو جائے گا اور بیمار پڑے گا۔

دوسری اصل: کا ذکر سورۃ البقرۃ (آیت ۱۹۶) میں ہے: ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ﴾: پس جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہو (تو وہ سر منڈا کر) اس کا فدیہ دے: روزوں سے یا خیرات سے یا قربانی سے۔ آیت کا شانِ نزول حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے، ان کے سر میں جوئیں ہو گئی تھیں، آیت نازل ہوئی اور ان کو سر منڈانے کی اجازت دی گئی۔

پس اگر بے احتیاطی سے یا ناگہانی طور پر بیمار پڑ جائے تو علاج کرائے، اور فاسد مادہ جسم سے نکالے، جیسے جوئیں میل سے پیدا ہوتی ہیں، جب تک سر نہیں منڈائے گا جوؤں کی افزائش نہیں رکے گی، اسی طرح کسی پھوڑے میں مواد ہو تو اسے نکلوائے، مرہم پٹی سے کام نہیں چلے گا، اور بدہضمی ہو تو مسہل لے، جب تک معدے کے روئیں نہیں کھلیں گے کھانا ہضم نہیں ہوگا۔

تیسری اصل: سورۃ النساء اور سورۃ المائدہ میں ہے کہ اگر وضوء غسل میں پانی مضر ہو تو تیمّم کرے، یہ اجازت پرہیز کے طور پر ہے، پانی سے پرہیز نہیں کرے گا تو بیماری بڑھتی رہے گی۔

فائدہ: طب یونانی میں فاسد مادہ باہر نکالا جاتا ہے، اور ڈاکٹری میں اس کو جسم کے اندر بھسم کیا جاتا ہے، اسی لئے اگر فاسد مادہ جسم میں باقی رہ جاتا ہے تو بیماری لوٹ آتی ہے، اور اسی لئے ڈاکٹری میں دوا کا کورس پورا کرنا ضروری ہوتا ہے۔

مسئلہ: طواف اور نماز میں ستر چھپانا ضروری ہے، ستر مرد و زن کا ایک ہے، پھر عورت کے لئے تین مراحل میں حجاب ہے، محارم کا حجاب، نماز و طواف کا حجاب اور اجانب کا حجاب، طواف میں بھی چہرہ، کفین اور قدمین کھلے رہ سکتے ہیں۔

فائدہ: آیت کریمہ میں لباس کو 'زینت' سے تعبیر کیا ہے، اس میں اشارہ ہے کہ عمدہ لباس میں نماز پڑھے، مبتذل لباس میں نماز پڑھنا نماز کی بے توقیری ہے، فقہاء نے اس کو مکروہ لکھا ہے، اس لئے کہ ایسے لباس میں نماز پڑھنا شائستگی کے

خلاف سمجھا جاتا ہے۔

﴿ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اے انسانو! اپنی زیبائش لے لو ہر مسجد کے پاس ــــ یعنی جب کسی مسجد میں نماز پڑھنے جاؤ تو اچھا لباس پہن کر جاؤ ــــ اور کھاؤ پیو اور بے جا خرچ مت کرو، بے شک اللہ تعالیٰ بے جا خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے!

اچھا لباس اور حلال چیزیں دنیا میں مؤمنوں کے لئے بھی ہیں اور آخرت میں تو انہی کے لئے ہیں

راہب اور سادھو سنت کھانا بہت کم کر دیتے ہیں اور لباس بھی معمولی پہنتے ہیں، اور بہت سی حلال چیزیں اپنے اوپر حرام کر لیتے ہیں، جاہلیت میں بھی بعض لوگ حج کے موقعہ پر کھانا بہت کم کھاتے تھے اور بعض چیزوں سے کلی اجتناب کرتے تھے، اور قرون متوسطہ میں صوفیاء میں بھی یہ طریقہ رائج ہو گیا تھا، جبکہ لا رهبانية فى الإسلام: اسلام میں ترک دنیا نہیں، ایک اصول ہے، اس لئے ایک آیت میں بتاتے ہیں کہ ان کا طریقہ غلط تھا، مسلمانوں کو چاہئے کہ اللہ کی زینت یعنی اچھا لباس اور کھانے پینے کی حلال چیزوں کو حرام نہ کریں، ان کو استعمال کریں، دنیا میں یہ چیزیں مسلمانوں کے لئے بھی ہیں، اور غیر بھی ان سے متمتع ہوتے ہیں، یہاں دسترخوان عام بچھا ہوا ہے، دنیا میں اللہ کی صفت الرحمن کی کارفرمائی ہے، البتہ آخرت میں صفت الرحیم کی کارفرمائی ہوگی، اور یہ نعمتیں صرف مؤمنین کے لئے ہونگی، دوسروں کا ان میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ دیکھو! حلال چیزوں کا بیان اللہ تعالیٰ کس وضاحت سے فرماتے ہیں؟

﴿ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۚ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: پوچھو: کس نے حرام کی ہے اللہ کی زینت اور کھانے پینے کی پاکیزہ (حلال) چیزیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہیں؟ کہو: وہ چیزیں دنیوی زندگی میں ان لوگوں کے لئے ہیں جو ایمان لائے ہیں ــــ اور دوسرے جو فائدہ اٹھاتے ہیں وہ ایسا ہے جیسے گیہوں کے ساتھ بھتوا بھی پانی پیتا ہے ــــ وہ خاص ہونگی قیامت کے دن مؤمنین کے لئے ــــ اس طرح ہم تفصیل سے احکام بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو سمجھتے ہیں!

پانچ منہی عنہ چیزیں: جن میں اول نمبر فاحشہ کا ہے

مشرکین نے فاحشہ (بے شرمی کے کاموں) کو مامور بہ قرار دیا تھا، کہا تھا: ﴿ وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ﴾ ان کو بتاتے ہیں کہ وہ مامور بہ نہیں، منہی عنہ ہے، اور حصر کیا ہے کہ وہی منہی عنہ ہے، پھر ساتھ میں چار اور ممنوعات کا تذکرہ کیا ہے: ایک:

مطلق گناہ کا کام یعنی ہر گناہ اللہ نے حرام کیا ہے، خواہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ دوم: بلا وجہ کی زیادتی حرام کی ہے، مسلمان کے ہاتھ سے بلا وجہ کسی کو تکلیف نہیں پہنچنی چاہئے۔ سوم: غیر اللہ کو اللہ کے برابر نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ اس کی کوئی شرعی دلیل نہیں اور عقیدہ میں عقلی دلیل معتبر نہیں، چہارم: اللہ کی طرف کوئی غلط بات منسوب نہیں کرنی چاہئے، جیسے مشرکین بے دلیل فحشاء کو اللہ کی طرف منسوب کرتے تھے، اور کہتے تھے: ﴿ وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ﴾ یہ پانچ امور حرام ہیں۔

﴿ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَ الْاِثْمَ وَ الْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾

ترجمہ: کہو: میرے پروردگار نے بے شرمی کے کام ہی حرام کئے ہیں، چاہے کھلے بے شرمی کے کام ہوں یا چھپے —— یعنی خواہ انہیں برملا کیا جائے یا پرائیویٹ میں —— اور (ہر) گناہ کو، اور بلا وجہ کی زیادتی کو، اور اللہ کے ساتھ اس چیز کے شریک کرنے کو جس کے شریک ہونے کی اللہ نے (کسی کتاب میں) کوئی دلیل نہیں اتاری، اور اللہ کے نام وہ بات لگانے کو جو تم جانتے نہیں!

اللہ کی طرف کب لوٹنا ہے؟ یعنی قیامت کب آئے گی؟

فرمایا تھا: ﴿ کَمَا بَدَاَکُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴾: یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کر کے زمین میں پھیلا دیا ہے، مگر ایک وقت آرہا ہے کہ تم کو اللہ کی طرف لوٹنا ہے، سوال: کب لوٹنا ہے؟ یعنی قیامت کب قائم ہوگی؟ جواب: اس کا ایک وقت مقرر ہے، جیسے ہر شخص اور ہر جماعت کے لئے ایک وقت مقرر ہے، جس میں نہ تقدیم ہو سکتی ہے نہ تاخیر، وہ وقت اٹل ہے، لہٰذا اس کی تیاری کرو، اسی کی یاد دہانی کے لئے نبیوں کو مبعوث کیا ہے، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

﴿ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ﴾

ترجمہ: اور ہر جماعت کے لئے ایک طے شدہ وقت ہے، پس جب ان کا وقت پورا ہو جائے گا تو نہ وہ ایک گھڑی پیچھے رہ سکیں گے اور نہ جلدی پکڑے جائیں گے! —— آیت کریمہ شخصی موت اور قومی عروج و زوال کو بھی شامل ہے۔

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْكُمْ اٰیٰتِیْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰی وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ

كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَ شَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ	اے آدم کے لڑکو!	عَنْهَا	ان کے ماننے سے	حَتّٰٓى اِذَا	یہاں تک کہ جب
اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ	اگر آئیں تمہارے پاس	اُولٰٓئِكَ	وہی لوگ	جَآءَتْهُمْ	پہنچیں گے ان کے پاس
رُسُلٌ مِّنْكُمْ	تم میں سے رسول	اَصْحٰبُ النَّارِ	دوزخ والے ہیں	رُسُلُنَا	ہمارے فرستادے
يَقُصُّوْنَ	جو بیان کریں	هُمْ فِيْهَا	وہ اس میں		(فرشتے)
عَلَيْكُمْ	تمہارے سامنے	خٰلِدُوْنَ	ہمیشہ رہنے والے ہیں	يَتَوَفَّوْنَهُمْ	جان وصول کر رہے
اٰيٰتِيْ	میری باتیں	فَمَنْ	پس کون		ہونگے ان کی
فَمَنِ اتَّقٰى	پس جو ڈرا	اَظْلَمُ	بڑا ظالم ہے	قَالُوْٓا	تو کہیں گے وہ
وَاَصْلَحَ	اور اس نے سنوارا	مِمَّنِ افْتَرٰى	اس سے جس نے گھڑا	اَيْنَ مَا كُنْتُمْ	جہاں بھی تھے تم
فَلَا خَوْفٌ	پس کوئی ڈر نہیں ہوگا	عَلَى اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر	تَدْعُوْنَ	پکارتے تھے
عَلَيْهِمْ	ان پر	كَذِبًا	جھوٹ	مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	اللہ کے علاوہ کو
وَلَا هُمْ	اور نہ وہ	اَوْ كَذَّبَ	یا جھٹلایا اس نے	قَالُوْا	کہا انھوں نے
يَحْزَنُوْنَ	غمگین ہونگے	بِاٰيٰتِهٖ	اس کی باتوں کو	ضَلُّوْا عَنَّا	کھو گئے وہ ہم سے
وَالَّذِيْنَ	اور جن لوگوں نے	اُولٰٓئِكَ	وہی لوگ	وَشَهِدُوْا	اور گواہی دی انھوں نے
كَذَّبُوْا	جھٹلایا	يَنَالُهُمْ	پہنچے گا ان کو	عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ	اپنی ذاتوں کے خلاف
بِاٰيٰتِنَا	ہماری باتوں کو	نَصِيْبُهُمْ	ان کا حصہ	اَنَّهُمْ كَانُوْا	کہ وہ تھے
وَاسْتَكْبَرُوْا	اور گھمنڈ کیا	مِّنَ الْكِتٰبِ	نوشتہ سے	كٰفِرِيْنَ	منکرین (توحید)

رسولوں کی بعثت کے بعد لوگ دو فریق بن جائیں گے: تصدیق کرنے والے اور تکذیب کرنے والے

پہلے ایک سوال حل کرلیں، آیت پاک آخری رسول پر نازل ہوئی ہے، پھر ﴿ رُسُلٌ ﴾ جمع کیوں ہے؟ گذشتہ رسول تو گذر چکے، اور آگے کوئی نیا رسول آنا نہیں، پھر ﴿ رُسُلٌ ﴾ جمع کیوں لایا گیا ہے؟

جواب: تفسیر کا قاعدہ ہے: ﴿ يَاَيُّهَا النَّاسُ ﴾ سے خطاب مشرکین مکہ سے ہوتا ہے، اور ﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ سے خطاب مؤمنین کو ہوتا ہے، اور ﴿ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ ﴾ سے خطاب کل اولادِ آدم سے ہوتا ہے، اور قرآن اللہ کا ازلی کلام ہے، گویا بیک وقت سب کو موجود مان کر عالم ارواح میں عام خطاب کیا گیا ہے، بیان القرآن میں ہے: ”عالم ارواح ہی میں یہ عہد لیا ہے، وعدہ وعید سنا دیا گیا ہے، اب اسی کا اعادہ ہے“

عہد الست ہی میں تمام لوگوں کو بتلا دیا تھا کہ تمہارے پاس تمہی میں سے اللہ کے رسول آئیں گے، جو تمہارے سامنے میری باتیں بیان کریں گے، پس جو لوگ ان کی باتیں قبول کریں گے اور اللہ کی نازل کردہ شریعت پر عمل کریں گے وہ اپنے وطن (جنت) میں لوٹ آئیں گے، اور بے خوف وخطر تا ابد زندگی گذاریں گے، اور جو لوگ رسولوں کی تکذیب کریں گے، ان کو اپنی چودھراہٹ خطرے میں پڑتی نظر آئے گی، وہ اپنے وطن (جنت) میں واپس نہیں آئیں گے، دوزخ کے کھڈے میں گریں گے، اور وہاں ہمیشہ سڑیں گے۔

﴿ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۞ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۞ ﴾

ترجمہ: اے انسانو! اگر تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول آئیں، جو تمہارے سامنے میری باتیں بیان کریں: پس جو شخص اللہ سے ڈرا، اور خود کو سنوارا تو (آخرت میں) ان کو نہ کوئی ڈر ہوگا اور نہ وہ غمگین ہونگے، اور جنھوں نے ہماری باتوں کی تکذیب کی، اور ان کو قبول کرنے سے گھمنڈ کیا وہی دوزخ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے!

ظالموں کی قسمت میں جو عیش وعروج لکھا ہے، وہ موت سے پہلے تک

اس سے فائدہ اٹھائیں گے پھر موت کے وقت اپنی قسمت کو روئیں گے

تفسیر سے پہلے دو باتیں جان لیں:

۱- تقدیر: ازلی فیصلۂ خداوندی کا نام ہے، اور تقدیر پانچ مراحل میں ظاہر ہوتی ہے: پہلی مرتبہ: اللہ کے علم ازلی میں تمام چیزوں کے اندازے ٹھہرائے گئے، دوسری مرتبہ: تخلیقِ ارض وسماء سے پچاس ہزار سال پہلے عرش کی قوتِ خیالیہ میں سب چیزیں موجود ہوئیں۔ تیسری مرتبہ: تخلیقِ آدم کے بعد جب عہد الست لیا گیا اس وقت تقدیر کا تحقق ہوا۔ چوتھی مرتبہ: شکم مادر میں جب روح پڑنے کا وقت آتا ہے تو تقدیر کا ایک گونہ تحقق ہوتا ہے، اور پانچویں مرتبہ: دنیا میں

واقعہ رونما ہونے سے کچھ پہلے تقدیر پائی جاتی ہے ـــــ تقدیر کے یہ مراحل حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہٗ نے حجۃ اللہ البالغہ میں بیان کئے ہیں، تفصیل کے لئے دیکھیں رحمۃ اللہ الواسعہ (۱:۶۶۸)

۲- آیت پاک میں ﴿الْكِتٰبِ﴾ سے مراد لوحِ محفوظ ہے، اور ﴿نَصِيْبُهُمْ﴾ سے مراد تقدیر کا چوتھا اور پانچواں مرحلہ ہے، لوحِ محفوظ میں تقدیر کلّی شکل میں ہے اور آخری مراحل میں جزوی شکل میں، یہی لوحِ محفوظ میں سے قریش کا حصہ ہے جو الگ کرلیا گیا ہے۔

تفسیر: مشرکینِ قریش بڑے ظالم تھے، انھوں نے ایک تو اللہ کے نام جھوٹ گھڑا اور کہا کہ اللہ نے ہمیں فواحش کا حکم دیا ہے، پھر انھوں نے قرآن کو جھٹلایا جو اللہ کی باتیں ہیں، ان ظالموں کی قسمت میں لوحِ محفوظ میں جو عیش وآرام اور عروج لکھا ہے، اوران کا حصہ اس میں سے الگ کرلیا گیا ہے وہ موت سے پہلے تک اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے، پھر جب ان کی موت کا وقت آئے گا، اور موت کے فرشتے آموجود ہونگے تو وہ ان کو دھمکائیں گے، کہیں گے: تم جہاں بھی رہے مورتیوں کو پوجتے رہے، اب اس کی سزا کا وقت آگیا ہے، اب کہاں ہیں وہ تمہارے کارساز؟ آج وہ تمہاری مدد کو کیوں نہیں آرہے؟ اس وقت ظالم اپنی قسمت کو روئیں گے اور کہیں گے: ہائے افسوس! آج ہمارے سب معبود رفوچکر ہوگئے، اور ہم بے آسرا رہ گئے! اوراس وقت وہ قسمیں کھا کر اعتراف کریں گے کہ واقعی وہ مجرم ہیں، وہ زندگی بھر شرک میں مبتلا رہے! پس آج ان کو جو سزا مل رہی ہے، وہ واقعی اس کے مستحق ہیں!

﴿ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ؀ ﴾

ترجمہ: پس کون بڑا ظالم ہے اس سے جس نے اللہ پر جھوٹ گھڑا یا اللہ کی باتوں کو جھٹلایا! ـــــ کوئی نہیں! یہی سب سے بڑے ظالم ہیں ـــــ ان لوگوں کو نوشتہ (لوحِ محفوظ) میں سے ان کا حصہ پہنچے گا ـــــ موت سے پہلے تک ـــــ یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے فرستادے (موت کے فرشتے) پہنچیں گے جو ان کی جانیں وصول کریں گے تو وہ کہیں گے: تم جہاں بھی رہے اللہ کے علاوہ کو پکارتے رہے ـــــ اب اس کی سزا کا وقت آگیا ہے، اب تمہارے وہ کارساز کہاں ہیں؟ وہ مدد کے لئے کیوں نہیں آتے؟ ـــــ وہ کہیں گے: وہ سب ہم سے غائب ہوگئے! ـــــ ہائے افسوس! ـــــ اور وہ اپنے خلاف گواہی دیں گے ـــــ یعنی قسم کھا کر اقرار کریں گے ـــــ کہ وہ منکرینِ توحید تھے! ـــــ پس اب ان کو جو سزا ملے وہ اس کے مستحق ہیں!

قَالَ ادْخُلُوْا فِیْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِی النَّارِ ؕ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا فِیْهَا جَمِیْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ؕ۬ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى یَلِجَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۴۰﴾ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۱﴾

قَالَ	فرمایا	اُخْتَهَا	اپنی بہن پر	ضِعْفًا	دوگنی
ادْخُلُوْا	داخل ہو جاؤ	حَتّٰٓى اِذَا (۱)	یہاں تک کہ جب	مِّنَ النَّارِ	آگ سے
فِیْٓ اُمَمٍ	امتوں میں	ادَّارَكُوْا	مل جائیں گے وہ	قَالَ لِكُلٍّ	فرمایا: ہر ایک کے لئے
قَدْ خَلَتْ	جو تحقیق گذر چکیں	فِیْهَا جَمِیْعًا	اس میں سبھی	ضِعْفٌ	دوگنا ہے
مِنْ قَبْلِكُمْ	تم سے پہلے	قَالَتْ	کہا	وَّلٰكِنْ	لیکن
مِّنَ الْجِنِّ	جنات میں سے	اُخْرٰىهُمْ	ان کے پچھلوں نے	لَّا تَعْلَمُوْنَ	تم جانتے نہیں
وَالْاِنْسِ	اور انسانوں میں سے	لِاُوْلٰىهُمْ (۲)	ان کے پہلوں کے بارے میں	وَقَالَتْ	اور کہا
فِی النَّارِ	آگ میں	رَبَّنَا	اے ہمارے رب!	اُوْلٰىهُمْ	ان کے پہلوں نے
كُلَّمَا	جب بھی	هٰٓؤُلَآءِ	ان لوگوں نے	لِاُخْرٰىهُمْ	ان کے پچھلوں سے
دَخَلَتْ	داخل ہوگی	اَضَلُّوْنَا	ہمیں گمراہ کیا	فَمَا كَانَ	پس نہیں تھی
اُمَّةٌ	کوئی امت	فَاٰتِهِمْ	پس دیجئے ان کو	لَكُمْ عَلَیْنَا	تمہارے لئے ہم پر
لَّعَنَتْ	لعنت کرے گی وہ	عَذَابًا	سزا	مِنْ فَضْلٍ	کوئی فضیلت

(۱) تدارك (تفاعل): پے در پے ایک کا دوسرے سے ملنا، (۲) لأولٰهم: لام تعلیل کا ہے أی لأجلهم۔

فَذُوْقُوا	پس چکھو تم	لَهُمْ	ان کے لئے	نَجْزِے	بدلہ دیتے ہیں ہم
الْعَذَابَ	سزا	اَبْوَابُ	دروازے	الْمُجْرِمِيْنَ	ظالموں (مشرکوں) کو
بِمَا كُنْتُمْ	ان کاموں کی جو تھے تم	السَّمَاءِ	آسمان کے	لَهُمْ	ان کے لئے
تَكْسِبُوْنَ	کماتے	وَلَا يَدْخُلُوْنَ	اور نہیں داخل ہونگے وہ	مِّنْ جَهَنَّمَ	جہنم کا
اِنَّ الَّذِيْنَ	بیشک جن لوگوں نے	الْجَنَّةَ	جنت میں	مِهَادٌ	بچھونا ہے
كَذَّبُوْا	جھٹلایا	حَتّٰى يَلِجَ	یہاں تک کہ داخل ہو	وَّمِنْ فَوْقِهِمْ	اور ان کے اوپر سے
بِاٰيٰتِنَا	ہماری باتوں کو	الْجَمَلُ	اونٹ	غَوَاشٍ	اوڑھنا ہے
وَاسْتَكْبَرُوْا	اور گھمنڈ کیا	فِيْ سَمِّ	ناکے میں	وَكَذٰلِكَ	اور اسی طرح
عَنْهَا	ان سے	الْخِيَاطِ	سوئی کے	نَجْزِي	بدلہ دیتے ہیں ہم
لَا تُفَتَّحُ	نہیں کھولے جائیں گے	وَكَذٰلِكَ	اور اسی طرح	الظّٰلِمِيْنَ	ظالموں کو

کافروں اور مشرکوں کے اخروی احوال

گذشتہ آیت میں کافروں کے عذابِ قبر کا بیان تھا، جب کافر کی سکرات شروع ہوتی ہے تو منکر نکیر روح قبض کرنے کے لئے آموجود ہوتے ہیں، وہ کافر کو دھمکاتے ہیں، یہ قبر کا عذاب شروع ہوگیا، جو قیامت تک چلے گا۔

پھر قیامت کے دن تمام مکلّف مخلوقات کو — جنات کو بھی اور انسانوں کو بھی — دوزخ میں داخل ہونے کا حکم ہوگا، اور وہ غول کے غول دوزخ کی طرف ہانکے جائیں گے، جب بھی کوئی گروہ دوزخ میں پہنچے گا پہلے والوں پر پھٹکار بھیجے گا، پھر جب سب دوزخ میں پہنچ جائیں گے تو پچھلے: پہلوں کے لئے درخواست کریں گے: ”اے ہمارے پروردگار! ان لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا، پس آپ ان کو دوزخ میں دوہری سزا دیں!“ — جواب ملے گا: ”تم بھی تو اپنے بعد والوں کے اگلے تھے، پس تمہارے لئے بھی دوہری سزا ہے، مگر تم سمجھتے نہیں!“ یعنی جس طرح تمہارے اگلوں نے تم کو گمراہ کیا، تم نے اپنے پچھلوں کو گمراہ کیا، تم بھی ان کی گمراہی کا سبب بنے، لہٰذا تم کو بھی دوگنی سزا ملنی چاہئے، جو دی گئی! مگر تم جانتے نہیں!

اگلے بھی پچھلوں کی درخواست سے جل بھن کر کہیں گے: ”تم میں کیا سرخاب کا پَر لگ رہا ہے، جو تمہیں اکہری سزا ملے اور ہمیں دوہری! تم بھی تو اپنے بعد والوں کی گمراہی کا سبب بنے تھے، لہٰذا تم بھی اپنی کمائی کا مزہ چکھو!“

﴿ قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ۭ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ۭ حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَاۗءِ اَضَلُّوْنَا

فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ۬ؕ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ۝٣٨ وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ۝٣٩ ﴾

ترجمہ: ارشاد ہوگا: تم دوزخ میں داخل ہوجاؤ ان امتوں میں شامل ہوکر جو تم سے پہلے ہوچکی ہیں، جنات میں سے اور انسانوں میں سے! ـــــ یعنی تم سب ایک تھیلی کے چٹے بٹے ہو! ـــــ جب بھی کوئی گروہ داخل ہوگا اپنی سہیلی پر پھٹکار بھیجے گا ـــــ کہ کم بختو! تم تو ڈوبے تھے ہمیں بھی ڈبو دیا! ـــــ یہاں تک کہ جب سب دوزخ میں جمع ہوجائیں گے تو ان کے پچھلے: اپنے پہلوں کے حق میں کہیں گے: ''اے ہمارے پروردگار! ان لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا، لہٰذا آپ ان کو دوزخ میں دوگنی سزا دیجئے!'' ـــــ اللہ تعالیٰ جواب دیں گے: ''سبھی کے لئے دوگنی سزا ہے، مگر تم جانتے نہیں!'' اور پہلے: پچھلوں سے کہیں گے: ''تمہارے لئے ہم پر کوئی برتری نہیں! پس تم اپنی کمائی کا مزہ چکھو!''

کافروں کی آسمانوں میں پذیرائی نہیں ہوگی، اور ان کا جنت میں داخلہ محال ہے!

جو لوگ اللہ کی باتوں کو جھٹلاتے ہیں، تاکہ ان کی چودھراہٹ ختم نہ ہو: وہ جب مرتے ہیں تو فرشتے ان کی روح کو ایک بدبودار ٹاٹ میں لپیٹ لیتے ہیں، اس میں سے اتنی سخت بدبو پھیلتی ہے جیسے روئے زمین پر سب سے زیادہ سڑے ہوئے مردار سے پھیل سکتی ہے۔ پھر فرشتے اسے لے کر اوپر کی طرف چلتے ہیں۔ راستہ میں فرشتوں کی جو بھی جماعت ملتی ہے وہ پریشان ہوکر پوچھتے ہیں یہ کس خبیث کی روح ہے؟ فرشتے بدترین نام سے اس کا نام بتاتے ہیں۔ بالآخر فرشتے اسے لے کر آسمان دنیا تک پہنچ جاتے ہیں۔ فرشتے چاہتے ہیں کہ دروازہ کھلے مگر دروازہ نہیں کھلتا۔ یہ ارشاد فرما کر آپ نے اسی آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی، جب دروازہ نہیں کھلتا تو باری تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے کہ اس کا نامۂ اعمال زمین کے سب سے نچلے طبقے (سجین) میں درج کردیا جائے، یہ حکم ہوتے ہی روح نہایت حقارت کے ساتھ سجین میں پھینک دی جاتی ہے۔ سجین: جہنم کی استقبالیہ آفس ہے، اس میں جہنمیوں کے ناموں اور کاموں کا رجسٹر رکھا ہوا ہے۔

اور قیامت کے دن اس کا جنت میں داخلہ محال ہے، جیسے اونٹ کا سوئی کے ناکے سے پار ہونا محال ہے، اور دوزخ میں ان کے لئے آگ ہی کا بچھونا ہوگا اور آگ ہی کا اوڑھنا (معاذ اللہ!) آگ کی ایک چنگاری تڑپانے کے لئے کافی ہے، اور وہاں آگ ہی آگ ہوگی، بچھونا بھی آگ کا اور اوڑھنا بھی آگ کا! دنیا میں جب کہیں آگ لگتی ہے تو فلک بوس عمارتیں اور میلوں تک پھیلا ہوا جنگل پلک جھپکتے خاک ہوجاتا ہے، کافروں کا دوزخ میں کیا حال ہوگا؟ اس کا اندازہ کون کرسکتا ہے؟

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ۝٤٠ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ

غَوَاشٍ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجۡزِى الظّٰلِمِيۡنَ ۝۴۱

ترجمہ: بے شک جنھوں نے ہماری باتوں کو جھٹلایا، اوران کو ماننے سے گھمنڈ کیا، ان کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے، اور وہ جنت میں نہیں جاسکیں گے، یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے سے پار ہوجائے —— یہ تعلیق بالمحال ہے —— اوراسی طرح ہم ظالموں کو بدلہ دیتے ہیں، ان کے لئے آگ کا بچھونا ہے اوراوپر سے (آگ کا) اوڑھنا! اوراسی طرح ہم ظالموں (مشرکوں اور کافروں) کو بدلہ دیتے ہیں!

وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَهَاۤ ؗ اُولٰۤـئِكَ اَصۡحٰبُ الۡجَـنَّةِ‌ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ۝۴۲ وَنَزَعۡنَا مَا فِىۡ صُدُوۡرِهِمۡ مِّنۡ غِلٍّ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهِمُ الۡاَنۡهٰرُ‌ ۚ وَقَالُوا الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡ هَدٰٮنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهۡتَدِىَ لَوۡلَاۤ اَنۡ هَدٰٮنَا اللّٰهُ‌ ۚ لَقَدۡ جَآءَتۡ رُسُلُ رَبِّنَا بِالۡحَـقِّ‌ ؕ وَنُوۡدُوۡۤا اَنۡ تِلۡكُمُ الۡجَـنَّةُ اُوۡرِثۡتُمُوۡهَا بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ۝۴۳

وَالَّذِيۡنَ	اور جو لوگ	هُمۡ فِيۡهَا	وہ اس میں	وَقَالُوا	اور کہا انھوں نے
اٰمَنُوۡا	ایمان لائے	خٰلِدُوۡنَ	سدا رہنے والے ہیں	الۡحَمۡدُ	تمام تعریفیں
وَعَمِلُوا	اور کئے انھوں نے	وَنَزَعۡنَا	اور نکالیں گے ہم	لِلّٰهِ	اس اللہ کے لئے ہیں
الصّٰلِحٰتِ	نیک کام	مَا	جو	الَّذِىۡ هَدٰٮنَا	جنھوں نے راہ دکھائی ہمیں
لَا نُكَلِّفُ (۱)	نہیں بوجھ ڈالتے ہم	فِىۡ صُدُوۡرِهِمۡ	ان کے سینوں میں ہے	لِهٰذَا	اس (باغ) کی
نَفۡسًا	کسی شخص پر	مِّنۡ غِلٍّ (۳)	کدورت سے	وَمَا كُنَّا	اور نہیں تھے ہم
اِلَّا وُسۡعَهَا (۲)	مگر اس کی طاقت کے بقدر	تَجۡرِىۡ	بہتی ہیں	لِنَهۡتَدِىَ	کہ راہ پاتے
اُولٰۤـئِكَ	یہی لوگ	مِنۡ تَحۡتِهِمُ (۴)	ان کے نیچے	لَوۡلَاۤ	اگر نہ
اَصۡحٰبُ الۡجَـنَّةِ	باغ والے ہیں	الۡاَنۡهٰرُ	نہریں	اَنۡ هَدٰٮنَا	راہ دکھاتے ہمیں

(۱) تکلیف: کسی شخص سے ایسی چیز کی خواہش کرنا جس میں رنج ومحنت ہو (۲) وسعت: طاقت، قدرت، سمائی (۳) غِلّ: دل میں چھپا ہوا بغض وکینہ، دل کا میل، کھوٹ (۴) تحتھم: ضمیر جنتیوں کی طرف لوٹتی ہے۔

اللہُ	اللہ تعالیٰ	بِالْحَقِّ	دین حق کے ساتھ	اُوْرِثْتُمُوْهَا[1]	وارث بنائے گئے ہوتم
لَقَدْ جَآءَتْ	بخدا! تحقیق آئے	وَنُوْدُوْٓا	اور پکارے گئے وہ		اس کے
رُسُلُ	پیغامبر	اَنْ تِلْكُمُ	کہ یہ	بِمَا كُنْتُمْ	ان کاموں کی وجہ سے جو تھے تم
رَبِّنَا	ہمارے رب کے	الْجَنَّةُ	جنت	تَعْمَلُوْنَ	کرتے

نیک مؤمنین کے اخروی احوال

پہلے تین باتیں عرض ہیں:

۱- قرآنِ کریم میں نیک مؤمنین ہی کو سدا بہار جنت کی خوش خبری دی گئی ہے، ہر جگہ ایمان کے ساتھ عمل صالح کی قید ہے۔ عمل صالح: نیک کام کرنے اور گناہوں سے بچنے کا نام ہے، مطلق ایمان پر نجات کی خبر حدیث میں ہے، لہٰذا ہر مسلمان کو نیک عمل کر کے قرآن کی خوش خبری کا استحقاق پیدا کرنا چاہئے، واللہ الموافق!

۲- نیک کام کرنے میں اور گناہوں سے بچنے میں کچھ مشقت ضرور ہوتی ہے، مگر اتنی نہیں ہوتی کہ انسان کی طاقت جواب دیدے، اللہ کے احکام میں انسان کی طاقت کا لحاظ رکھا گیا ہے، غریبوں پر زکات، حج اور قربانی فرض نہیں، معذوروں پر جہاد فرض نہیں، پانی نہ ہو یا اس کا استعمال مضر ہو تو تیمّم کی اجازت ہے، نماز میں کھڑا نہ ہو سکے تو بیٹھ کر پڑھے، بیٹھ بھی نہ سکے تو لیٹ کر پڑھے، رکوع وسجود نہ کر سکے تو اشارہ کرے، بہت بوڑھا ہو اور بھوکا نہ رہ سکتا ہو تو روزے کا فدیہ دے، غرض شریعت کے تمام احکام میں انسان کی طاقت وصلاحیت کو ملحوظ رکھا گیا ہے، ان آیات میں درجِ کلام ہی میں یہ ضابطہ بیان کر دیا ہے کہ تکلیفِ شرعی بقدر استطاعت ہوتی ہے۔

۳- دخولِ جنت کا حقیقی سبب رحمتِ خداوندی ہے، اور اعمالِ صالحہ ظاہری اسباب ہیں، حقیقی سبب برائے اعتقاد ہوتا ہے اور ظاہری سبب برائے عمل، جیسے درحقیقت اللہ تعالیٰ رزاق ہیں، اس پر اعتقاد رکھنا ضروری ہے، اور حلال روزی کمانا فرض ہے، اس لئے کہ ہاتھ پیر ہلانا رزق کا سبب ظاہری ہے۔

اور حدیث شریف میں ہے کہ کوئی شخص اپنے عمل سے جنت میں نہیں جائے گا، جو بھی شخص جنت میں جائے گا اللہ کے فضل سے جائے گا، اور قرآن وحدیث اعمالِ صالحہ کی اہمیت سے بھرے پڑے ہیں، یہ سبب ظاہری کا بیان ہے، پس جو شخص جنت چاہتا ہے وہ نیک عمل کرے، جیسے جو روزی چاہتا ہے وہ ہاتھ پیر ہلائے، مگر روزی ملے گی اتنی جو اللہ چاہیں گے، اس کا عقیدہ رکھے، حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ ایک بات فرمایا کرتے تھے کہ ''گاڑی تو رحمتِ الٰہیہ کے زور سے چلے گی، اور

(۱) میراث: میں ملکیت کا مفہوم ہوتا ہے۔

عمل وہ جھنڈی ہے جس کے اشارے پر گاڑی چلاتے اور روکتے ہیں'' (فوائد)

تفسیر: جس نے اللہ ورسول کی باتیں مان لیں، اور شریعت پر مضبوطی سے عمل کیا ــــ جبکہ تکلیفِ شرعی بقدر استطاعت ہی ہوتی ہے یعنی گھبرانے کی ضرورت نہیں کہ نیک عمل کیسے کریں گے؟ نیک عمل کرنا آسان ہے ــــ ان حضرات کے لئے دائمی عیش کے باغات ہیں، ان کے نیچے نہریں بہتی ہونگی، اس لئے منظر بڑا خوشنما ہوگا، اور اہل جنت کے قلوب ایک دوسرے سے صاف ہونگے، اللہ تعالیٰ اہل جنت کے دلوں کی کدورتیں صاف کردیں گے، تاکہ خوشی کے لمحات میں کوئی بدمزگی پیدا نہ ہو، اگر ایک دوسرے سے دل صاف نہ ہوں تو مجلس کا مزہ کیا؟

﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ اُولٰۤىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ وَ نَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ۚ ﴾

ترجمہ: اور جولوگ ایمان لائے، اور انھوں نے نیک کام کئے ــــ ہم کسی پر بقدر استطاعت ہی بوجھ ڈالتے ہیں ــــ یہی لوگ جنت نشیں ہونگے، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، اور ہم ان کے دلوں کی کدورت نکال دیں گے، ان کے نیچے نہریں بہتی ہونگی!

محفل میں نعمتِ ہدایت کا تذکرہ اور اللہ کی طرف سے ان کی حوصلہ افزائی

جنت میں ایک محفل جمی ہوگی، جنتی نعمتِ ہدایت کا تذکرہ کررہے ہونگے کہ ہم نے اللہ کی توفیق سے اسلام قبول کیا، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، جس کو ہم نے قبول کیا اور ہم جنت میں پہنچے، اگر اللہ تعالیٰ نبیوں کو نہ بھیجتے تو ہم کبھی بھی جنت میں نہیں پہنچ سکتے تھے، کہاں ہم اور کہاں یہ نکہتِ گل!

اس طرح وہ اللہ کا شکر بجالا رہے ہونگے کہ اُدھر سے کانفرس کال آئے گی، جس کو سب اہل محفل سنیں گے کہ تم اپنے نیک اعمال کی وجہ سے جنت کے مالک بنائے گئے ہو! یہ سن کر ان کے دل بلیوں اچھلیں گے!

جنتی دخولِ جنت کے سببِ حقیقی کا تذکرہ کریں گے کہ اللہ کی رحمت نے اس کا سامان کیا، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے سببِ ظاہری کو سبب بتایا جائے گا، اس طرح جنتیوں کی حوصلہ افزائی کی جائے گی، تاکہ وہ سمجھیں کہ ان کی محنت ضائع نہیں گئی، ان کی شبانہ روز کی محنت کا صلہ ملا ــــ اور ﴿ رُسُلُ رَبِّنَا ﴾ میں رُسُلُ جمع اس لئے ہے کہ یہ مختلف امتوں کے لوگ ہوں گے۔

﴿ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۗ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۭ وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور انھوں نے کہا: تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں اس جنت کا راستہ دکھایا، اور ہم راستہ پانے والے نہیں تھے اگر اللہ تعالیٰ ہمیں راستہ نہ دکھاتے، بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ہمارے پروردگار کے پیغامبر دینِ حق کے ساتھ (ہمارے پاس) پہنچے!

اور وہ پکارے جائیں گے کہ یہ جنت: تم اس کے وارث بنائے گئے ہو ان کاموں کی وجہ سے جو تم کیا کرتے تھے!

وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ

وَنَادٰۤى	اور پکارا	رَبُّكُمْ	تمہارے رب نے	الَّذِيْنَ	جو
اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ	جنت والوں نے	حَقًّا	بالکل سچا؟	يَصُدُّوْنَ	روکتے ہیں
اَصْحٰبَ النَّارِ	جہنم والوں کو	قَالُوْا	کہا انھوں نے	عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	راہ خدا سے
اَنْ قَدْ	کہ تحقیق	نَعَمْ	ہاں!		
وَجَدْنَا	پایا ہم نے	فَاَذَّنَ	پس بانگ دی	وَيَبْغُوْنَهَا	اور چاہتے ہیں اس میں
مَا وَعَدَنَا	جو وعدہ کیا ہم سے	مُؤَذِّنٌ	ایک بانگ دینے والے نے	عِوَجًا	کجی
رَبُّنَا	ہمارے رب نے	بَيْنَهُمْ	ان کے درمیان	وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ	اور وہ آخرت کا
حَقًّا	بالکل سچا	اَنْ لَّعْنَةُ	کہ پھٹکار ہو	كٰفِرُوْنَ	انکار کرنے والے ہیں
فَهَلْ وَجَدْتُّمْ	پس کیا پایا تم نے	اللّٰهِ	اللہ کی	وَبَيْنَهُمَا	اور دونوں کے درمیان
مَّا وَعَدَ	جو وعدہ کیا	عَلَى الظّٰلِمِيْنَ	ظالموں پر	حِجَابٌ	ایک پردہ ہے

حوصلہ افزائی سے جنتیوں کا دل کھل جائے گا اور وہ دوزخیوں کی چٹکی لیں گے

جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنتیوں کی حوصلہ افزائی کی جائے گی کہ تمہارے ایمان اور اعمالِ صالحہ کی وجہ سے تم کو جنت کا وارث بنایا گیا ہے تو ان کا حوصلہ بڑھے گا اور وہ دوزخیوں کی چٹکی لیں گے، ان سے ایک چبھتا ہوا سوال کریں گے،

ان کو کال کریں گے کہ ہم سے ہمارے پروردگار نے ایمان وعمل صالح پر جو جنت کا وعدہ کیا تھا: ہم نے اس کو بالکل سچا پایا، اب تم بتاؤ! تم کو کفر وعصیان پر جو جہنم کی دھمکی دی تھی: تم نے اس کو سچا پایا یا نہیں؟ ان کے لئے اقرار کے سوا چارہ نہ ہوگا!

پھر جنت اور جہنم کے درمیان کھڑے ہو کر ایک پکارنے والا فرشتہ پکارے گا کہ ظالموں پر اللہ کی دھتکار ہو، جو خود بھی گمراہ تھے، اور دوسروں کو بھی اللہ کے راستہ سے روکتے تھے، اور ان کی کوشش یہ رہتی تھی کہ اپنی کج بحثوں کے ذریعہ اللہ کی صاف اور سیدھی راہ کو ٹیڑھا ثابت کردیں، اور وہ یہ سب کچھ اس لئے کر رہے تھے کہ وہ آخرت سے غافل تھے، وہ آخرت کو مانتے ہی کہاں تھے؟ —— اور یہ بانگ دوزخیوں کو سنانے کا مقصد یہ ہوگا کہ ان کا پچھتاوا بڑھے، ندامت سے بھی تکلیف کا احساس بڑھ جاتا ہے۔ پس یہ ایک تھپڑ ہے جو ان کو فرشتہ رسید کرے گا۔

آیاتِ پاک: اور جنتی: دوزخیوں کو پکاریں گے کہ ہمارے پروردگار نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا: ہم نے اس کو بالکل سچا پایا، پس کیا تم نے بھی جو تمہارے پروردگار نے تم سے وعدہ کیا تھا: اس کو بالکل سچا پایا؟ وہ جواب دیں گے: ہاں! —— پھر ان کے درمیان میں ایک پکارنے والا پکارے گا کہ ظالموں (کافروں) پر اللہ کی لعنت ہو! جو اللہ کے راستے سے روکتے تھے، اور اس میں کجی پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے، اور وہ آخرت کے بھی منکر تھے!

سوال: جنتیوں کو کال کیوں کرنی پڑی؟ ﴿ نَادٰٓی ﴾: پکارا یعنی چلانے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

جواب: جنت اور جہنم کے درمیان آڑ ہے، سورۃ الحدید (آیت ۱۳) میں ہے: ﴿ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ۭ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ﴾: پس ان کے درمیان ایک دیوار حائل کردی جائے گی، جس میں ایک دروازہ ہوگا (جس سے بات چیت ہوسکے گی) اس کے اندر کی جانب میں رحمت ہے (اُدھر جنت ہے) اور اس کی باہر کی جانب میں عذاب ہے (اِدھر دوزخ ہے) —— اس لئے جنتی پکار کر جہنمیوں سے پوچھیں گے۔

آیت: ﴿ وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ﴾: دونوں کے درمیان —— یعنی جنتیوں اور دوزخیوں کے درمیان میں —— ایک آڑ ہے —— دیوار کی آڑ مراد ہے۔

وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّاۢ بِسِيْمٰىهُمْ ۚ وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۣ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ۝ وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَاۗءَ اَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰىهُمْ قَالُوْا مَآ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ

نَسۡتَكۡبِرُوۡنَ ﴿۴۸﴾ اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيۡنَ اَقۡسَمۡتُمۡ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحۡمَةٍ ؕ اُدۡخُلُوا الۡجَـنَّةَ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡكُمۡ وَلَاۤ اَنۡتُمۡ تَحۡزَنُوۡنَ ﴿۴۹﴾

وَعَلَى الۡاَعۡرَافِ[1]	اور اعراف پر	اَصۡحٰبِ النَّارِ	دوزخ والوں کے	وَمَا كُنۡتُمۡ[3]	اور تمہارا
رِجَالٌ	کچھ مرد ہیں	قَالُوۡا	کہیں گے وہ	نَسۡتَكۡبِرُوۡنَ	اپنے کو بڑا سمجھنا
يَّعۡرِفُوۡنَ	پہچانتے ہیں	رَبَّنَا	اے ہمارے پروردگار!	اَهٰٓؤُلَآءِ	(فرمایا:) کیا یہ لوگ
كُلًّاۢ	ہر ایک کو	لَا تَجۡعَلۡنَا	نہ بنائیں آپ ہمیں		وہی ہیں
بِسِيۡمٰهُمۡ[2]	ان کی مخصوص نشانی سے	مَعَ الۡقَوۡمِ	ظالم (کافر) لوگوں	الَّذِيۡنَ	جن کے بارے میں
وَنَادَوۡا	اور پکارا انھوں نے	الظّٰلِمِيۡنَ	کے ساتھ	اَقۡسَمۡتُمۡ	تم نے قسمیں کھائیں
اَصۡحٰبَ الۡجَـنَّةِ	جنت والوں کو	وَنَادٰٓى	اور پکارا	لَا يَنَالُهُمُ	(کہ) نہیں پہنچیں
اَنۡ سَلٰمٌ	کہ سلامتی ہو	اَصۡحٰبُ	اعراف والوں نے		گے ان کو
عَلَيۡكُمۡ	تم پر!	الۡاَعۡرَافِ		اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
لَمۡ يَدۡخُلُوۡهَا	نہیں داخل ہوئے وہ	رِجَالًا	کچھ مردوں کو	بِرَحۡمَةٍ	مہربانی کے ساتھ؟
	جنت میں	يَّعۡرِفُوۡنَهُمۡ	پہچانتے ہیں وہ ان کو	اُدۡخُلُوا	داخل ہو جاؤ
وَهُمۡ يَطۡمَعُوۡنَ	اور وہ امیدوار ہیں	بِسِيۡمٰهُمۡ	ان کی مخصوص علامت سے	الۡجَـنَّةَ	جنت میں
وَاِذَا	اور جب	قَالُوۡا	کہا انھوں نے	لَا خَوۡفٌ	کچھ ڈر نہیں
صُرِفَتۡ	پھیری جائیں گی	مَاۤ اَغۡنٰى	نہیں کام آئی	عَلَيۡكُمۡ	تم پر
اَبۡصَارُهُمۡ	ان کی نگاہیں	عَنۡكُمۡ	تمہارے	وَلَاۤ اَنۡتُمۡ	اور نہ تم
تِلۡقَآءَ	جانب	جَمۡعُكُمۡ	تمہاری جماعت	تَحۡزَنُوۡنَ	غمگین ہوگے

اعراف والے جنتیوں کو مبارک باد دیں گے اور جہنمیوں میں شمولیت سے پناہ چاہیں گے

اعراف: عُرْف کی جمع ہے، اس کے معنی ہیں: اونچی جگہ، عُرْفُ الجبل: پہاڑ کی چوٹی، عُرْفُ الديك: مرغ کی کلغی۔

(۱) أعراف: عُرف کی جمع: مکانِ مرتفع، اونچی جگہ، جنت اور جہنم کے درمیان کی دیوار کا بالائی حصہ (۲) سِیمَا: خاص علامت (۳) ما: مصدریہ، اس نے کنتم تستکبرون کو مصدر بنایا ہے۔

جنت اور جہنم کے درمیان میں ایک اونچی جگہ ہوگی: وہ اعراف ہے، وہاں عارضی طور پر کچھ مؤمنین رکھے جائیں گے، جن کو بالآخر جنت میں داخل کیا جائے گا۔

یہ اونچی جگہ کیا ہوگی؟ ممکن ہے اس دیوار کا بالائی حصہ ہو جو جنت اور جہنم کے درمیان ہوگی، جس کا ذکر سورۂ حدید (آیت ۱۳) میں آیا ہے، اور ممکن ہے کوئی اور جگہ ہو، اس کی تعیین کی چنداں ضرورت نہیں!

اور اصحابِ اعراف کون لوگ ہونگے؟ مفسر قرطبی رحمہ اللہ نے اس سلسلہ میں بارہ اقوال لکھے ہیں، اتنے اقوال میں سے کیا حاصل ہوگا؟ اس لئے اس کی تعیین بھی ضروری نہیں، اور یہی وہ باتیں ہیں جن کی رہبری حروفِ مقطعات کے ذریعہ کی گئی ہے کہ کچھ باتوں کو ایک حد تک ہی سمجھ سکتے ہیں، ان کی ساری تفصیلات ابھی نہیں جانی جاسکتیں، پس اعراف کے بارے میں اتنا جان لینا کافی ہے کہ وہ جنت اور جہنم کے درمیان ایک اونچی جگہ ہے، جہاں نہ جنت کی لذتیں ہیں نہ جہنم کی کلفتیں، اور اعراف والے جنتیوں کو بھی دیکھیں گے اور جہنمیوں کو بھی، کیونکہ وہ درمیان میں اونچی جگہ پر ہونگے، وہاں جو مؤمنین روکے جائیں گے وہ عارضی طور پر روکے جائیں گے، بعد میں ان کو بھی جنت میں داخل کیا جائے گا۔

اصل بات: یہ ہے کہ اعراف والے اہل جنت اور اہل جہنم کے درمیان ہونے کی وجہ سے دونوں کو ان کی مخصوص نشانیوں سے پہچانتے ہونگے، جنتیوں کو ان کے نورانی چہروں سے اور دوزخیوں کو ان کی روسیاہی سے۔ جب وہ جنت والوں کو دیکھیں گے تو ان کو سلام کریں گے، یہ سلام کرنا بطور مبارک باد ہوگا، وہ اگرچہ ابھی جنت میں داخل نہیں ہوئے، مگر وہ اس کے امیدوار ہیں!

اور جب ان کی نظریں دوزخیوں کی طرف پھیری جائیں گی تو وہ ان سے پناہ چاہیں گے، دعا کریں گے: اے ہمارے پروردگار! آپ ہمیں ان ظالموں کے ساتھ نہ کریں! —— یہ بھی دوزخیوں سے بیزاری کا اظہار ہے، اور یہ بھی ایک چبھتی بات ہے، جس سے جہنمیوں کی حسرت میں اضافہ ہوگا۔

﴿ وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَاهُمْ ۚ وَنَادَوْا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ۚ لَمْ يَدْخُلُوهَا وَهُمْ يَطْمَعُونَ ۝٤٦ وَإِذَا صُرِفَتْ أَبْصَارُهُمْ تِلْقَاءَ أَصْحَابِ النَّارِ قَالُوا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝٤٧ ﴾

ترجمہ: اور اعراف پر کچھ مرد ہونگے جو (اہل جنت اور اہل دوزخ میں سے) ہر ایک کو ان کی مخصوص نشانیوں سے پہچانتے ہونگے، اور انھوں نے جنت والوں کو پکارا —— معلوم ہوا کہ وہ اہل جنت سے فاصلہ پر ہونگے —— کہ سلامت رہو! —— وہ جنت میں داخل نہیں ہوئے، اور وہ امیدوار ہیں! —— اور جب ان کی نظریں دوزخ والوں کی

طرف پھیری جائیں تو کہیں گے: "اے ہمارے پروردگار! ہمیں ظالموں کے ساتھ نہ بنائیں!"

اعراف والے مخصوص کافروں کو تھپڑ ماریں گے!

اعراف والے کچھ دوزخیوں کو ان کی خاص علامتوں سے پہچانیں گے کہ وہ ان کے زمانہ کے فلاں فلاں کافر ہیں: مالدار اور گھمنڈی! وہ ان سے کہیں گے: تمہارا جتھہ تمہارے کچھ کام نہ آیا اور تمہارا خود کو بڑا سمجھنا بھی! یعنی تم دنیا میں اپنی کثرت پر ناز کرتے تھے، اور خود کو عوام کا سردار سمجھتے تھے، اب کہاں گئی تمہاری وہ جماعت؟ اور کہاں گئی تمہاری وہ اکڑفوں؟ یہ انھوں نے ان مخصوص کافروں کو تھپڑ مارا جس سے وہ تلملا کر رہ جائیں گے۔

﴿ وَ نَادٰٓى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ قَالُوْا مَآ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴾

ترجمہ: اور اعراف والوں نے کچھ لوگوں کو پکارا جن کو وہ ان کی خاص علامت سے پہچانتے ہیں ـــــ کہ وہ ان کے زمانہ کے فلاں فلاں کافر ہیں ـــــ کہا انھوں نے: "تمہارے کچھ کام نہ آئی تمہاری جماعت اور تمہارا اپنے کو بڑا سمجھنا!"

اللہ تعالیٰ اعراف والوں کو جنت میں داخل کرکے دوزخیوں کو نیچا دکھائیں گے!

پھر اللہ تعالیٰ ان مخصوص اہل جہنم سے خطاب فرمائیں گے کہ تم ان کمزور مسلمانوں کے حق میں قسمیں کھا کر کہا کرتے تھے کہ ان کو اللہ کی مہربانی نہیں پہنچے گی! اب دیکھو! ان کا انجام۔ پھر اللہ تعالیٰ اعراف والوں سے فرمائیں گے: "پہنچ جاؤ جنت میں، جہاں تمہیں نہ کوئی ڈر ہوگا نہ غم!" ـــــ یہ اللہ تعالیٰ نے ان مخصوص کافروں کو نیچا دکھایا، اعراف والوں پر انعام فرمایا تا کہ کفار کف افسوس ملیں۔

﴿ اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ۭ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴾

ترجمہ: کیا یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں تم نے قسمیں کھائی تھیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی مہربانی سے حصہ نہیں دیں گے؟ ـــــ جاؤ جنت میں، جہاں نہ تم پر ڈر ہے اور نہ تم غمگین ہوؤ گے!

وَ نَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۭ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ

هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۵۱﴾

وَ نَادٰٓى	اور پکارا	اِنَّ اللّٰهَ	بے شک اللہ نے	الدُّنْيَا	دنیا نے
اَصْحٰبُ النَّارِ	دوزخ والوں نے	حَرَّمَهُمَا	دونوں کو حرام کیا ہے	فَالْيَوْمَ	پس آج
اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ	جنت والوں کو	عَلَى الْكٰفِرِيْنَ	کافروں پر	نَنْسٰىهُمْ	بھلادیں گے ہم ان کو
اَنْ اَفِيْضُوْا	کہ بہاؤ	الَّذِيْنَ	جنھوں نے	كَمَا نَسُوْا	جیسا بھلادیا انھوں نے
عَلَيْنَا	ہم پر	اتَّخَذُوْا	بنایا	لِقَآءَ	ملاقات کو
مِنَ الْمَآءِ	پانی سے	دِيْنَهُمْ	اپنے دین کو	يَوْمِهِمْ هٰذَا	ان کے اس دن کی
اَوْ مِمَّا	یا اس میں سے جو	لَهْوًا وَّ لَعِبًا	تماشہ اور کھیل	وَمَا كَانُوْا (۱)	اور یہ کہ تھے وہ
رَزَقَكُمُ اللّٰهُ	روزی دی تم کو اللہ نے	وَّغَرَّتْهُمُ	اور دھوکہ دیا ان کو	بِاٰيٰتِنَا	ہماری باتوں کا
قَالُوْٓا	جواب دیا انھوں نے	الْحَيٰوةُ	حیات	يَجْحَدُوْنَ	انکار کرتے

اہل دوزخ: اہل جنت سے جنت کی نعمتیں مانگیں گے: وہ ٹکا سا جواب دیں گے

اہل جنت نے اہل نار کو کال کر کے چٹکی لی تھی: اہل نار نے اس کو اپنی ہمدردی سمجھا، چنانچہ اب وہ کال بیک کرتے ہیں کہ ہم جلے جارہے ہیں: تھوڑا پانی ہم پر برساؤ، ہم بھوکے مر رہے ہیں جو کھانا اللہ نے تمہیں دیا ہے: ان میں سے ٹک ہمیں بھی دو! ـــــ جنتی ٹکا سا جواب دیں گے کہ جنت کا پانی کھانا کافروں پر حرام ہے، اس جواب سے اہل نار کی حسرت میں اور اضافہ ہوگا۔

﴿ وَ نَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۭ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ۙ ﴾

ترجمہ: دوزخیوں نے جنتیوں کو پکارا کہ ہم پر تھوڑا پانی بہاؤ، یا جو روزی تم کو اللہ نے عنایت فرمائی ہے: اس میں سے کچھ دو! ـــــ جنتی جواب دیں گے: اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں چیزیں ایمان نہ لانے والوں پر حرام کی ہیں!

جنت کی نعمتیں دوزخیوں پر کیوں حرام ہیں؟

جنت کی نعمتیں دوزخیوں پر چار وجوہ سے حرام ہیں:

(۱) ما: مصدریہ ہے، فعل کانوا یجحدون کو بہ تاویل مصدر کرے گا، اور کانوا یجحدون: دو فعل نہیں ہیں ایک فعل ہے، کان تو فعل ناقص ہے، پھر ما: کما کے ما پر معطوف ہے، اور وہ ما بھی مصدریہ ہے، نسوا کو مصدر بنانے کے لئے ہے۔

۱-دین اسلام جو کافروں کا بھی دین ہے، اس لئے کہ وہ ان کے لئے بھی نازل ہوا ہے، انھوں نے اپنے اس دین کا ٹھٹھا اور کھیل تماشہ بنایا تھا، ایسوں کے لئے جنت کی نعمتوں میں کیا حصہ ہو سکتا ہے؟

۲-وہ دنیوی زندگی میں ایسے مگن تھے کہ اللہ کی ملاقات کو بھولے ہوئے تھے، اس لئے آخرت میں اللہ تعالیٰ ان کا نام نہیں لیں گے، اور جنت کی کوئی نعمت ان کو عنایت نہیں فرمائیں گے۔

۳-وہ قیامت کو نہیں مانتے تھے، اس لئے انھوں نے آخرت کے لئے کوئی تیاری نہیں کی۔

۴-وہ قرآنِ کریم کی آیتوں کو جھٹلاتے تھے، ان کو اللہ کی باتیں نہیں مانتے تھے، اور جو اللہ کی باتوں کو نہ مانے اللہ تعالیٰ اس کی فکر کیوں کریں؟

﴿الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ۝۵۱﴾

ترجمہ: جن لوگوں نے اپنے دین کا کھیل تماشہ بنایا، اور جن کو دنیوی زندگی نے دھوکہ میں ڈالا، پس آج ہم ان کا نام نہیں لیں گے، جس طرح انھوں نے ان کے آج کے دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا، اور جس طرح وہ ہماری باتوں کا انکار کیا کرتے تھے۔

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۵۲ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ۭ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۭ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝۵۳ ع

وَلَقَدْ	اور البتہ تحقیق	بِكِتٰبٍ	اہم کتاب (قرآن)	عَلٰى عِلْمٍ (۱)	علم کامل سے
جِئْنٰهُمْ	پہنچادی ہم نے ان کو	فَصَّلْنٰهُ	مفصل کیا ہے ہم نے اس کو	هُدًى (۲)	راہ دکھانے والی

(۱) علی علم: فصلناہ کے فاعل سے حال ہے، أی عالمین بما فُصِّلَ (۲) ھدی اور رحمۃ: فصلناہ کے مفعول کے حال ہیں۔

وَرَحْمَةً (1)	اور مہربانی	نَسُوْهُ	بھلا دیا اس کو	فَنَعْمَلَ	پس کام کریں ہم
لِّقَوْمٍ	لوگوں کے لئے	مِنْ قَبْلُ	اس سے پہلے	غَيْرَ الَّذِيْ	علاوہ اس کے جو
يُّؤْمِنُوْنَ	جو ایمان لاتے ہیں	قَدْ جَآءَتْ	تحقیق آئے تھے	كُنَّا نَعْمَلُ	کیا کرتے تھے ہم
هَلْ	نہیں	رُسُلُ	پیغامبر	قَدْ خَسِرُوْٓا	تحقیق گھاٹے میں
يَنْظُرُوْنَ	انتظار کرتے وہ	رَبِّنَا	ہمارے پروردگار کے		رکھا انھوں نے
اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ	مگر اس کے آخری نتیجہ کا	بِالْحَقِّ	دین حق کے ساتھ	اَنْفُسَهُمْ	اپنی ذاتوں کو
يَوْمَ	جس دن	فَهَلْ لَّنَا	پس کیا ہمارے لئے ہیں	وَضَلَّ	اور گم ہوگئے
يَاْتِيْ	آئے گا	مِنْ شُفَعَآءَ	سفارشی	عَنْهُمْ	ان سے
تَاْوِيْلُهٗ	اس کا آخری نتیجہ	فَيَشْفَعُوْا	کہ وہ سفارش کریں	مَّا كَانُوْا	جو تھے وہ
يَقُوْلُ	کہیں گے	لَنَآ	ہمارے لئے	يَفْتَرُوْنَ	گھڑا کرتے
الَّذِيْنَ	جنھوں نے	اَوْ نُرَدُّ	یا پھیرے جائیں ہم	۞	۞

ربط قریب: گذشتہ آیت کے آخر میں تھا: ﴿ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ۝ ﴾: وہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے، اب یہ بیان ہے کہ اللہ کی آیتیں قرآن کی صورت میں آئی ہیں (دو آیتوں تک ربط قریب سے تعلق ہے)

ربط بعید: آیت ۴۳ میں اہل جنت کی محفل میں یہ بات آئی ہے: ﴿ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ﴾: بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ہمارے پروردگار کے رسول دین حق کے ساتھ پہنچے، اب اس کا بیان شروع ہوگا، رسولوں کی بنیادی تعلیم توحید ہے، چنانچہ ایک رکوع تک توحید کا بیان ہے، پھر پانچ رسولوں کا (نوح، ہود، صالح، لوط اور شعیب علیہم السلام کا) تذکرہ شروع ہوگا، یہ اس جلد کے ختم تک کا ربط ہے (اگلے رکوع سے جلد کے ختم تک ربط بعید سے تعلق ہے)

اللہ کی آیتیں قرآن کی صورت میں پہنچی ہے

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم جیسی عظیم الشان کتاب بندوں کو عنایت فرمائی ہے، اس میں تمام دینی ضروریات کی عالمانہ تفصیل موجود ہے، ہر بات کو علم وآگہی کے ساتھ کھول کر بیان کردیا ہے، البتہ اس سے فائدہ ایمان لانے والے ہی اٹھائیں گے، انہی کے لئے قرآن راہ نما اور رحمت ہے، افسوس ہے متکبر معانداس سے دور بھاگتے ہیں، اور اپنی عاقبت

(۱) تاویل: باب تفعیل کا مصدر: حقیقت کا ٹھیک پڑنا، مجرد أَوْلٌ: لوٹنا، مَوْئِل: مرجع، لوٹنے کی جگہ، یہاں مراد: قیامت کے احوال ہیں جو قرآنی تعلیم کا آخری انجام ہیں۔

خراب کرتے ہیں۔

﴿ وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: اور بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ہم نے ان کو ایک عظیم کتاب پہنچادی ہے، ہم نے اس کو علم وآگہی کے ساتھ خوب واضح کردیا ہے، وہ ایمان لانے والوں کے لئے راہ نما اور رحمت ہے!

جب آخری انجام منکرین کے سامنے آئے گا تو وہ چہ می کنم؟ میں پڑجائیں گے

آخری انجام سے مراد قیامت ہے، یعنی کیا کفار قریش قرآن پر ایمان لانے کے لئے قیامت کا انتظار کررہے ہیں؟ جب وہ آخری انجام آپہنچے گا یعنی قیامت برپا ہوگی تو جو قرآن کو بھولے رہے وہ اعتراف کریں گے کہ واقعی ہمارے پروردگار کے رسول دین حق لے کر آئے تھے! مگر اس وقت حسرت کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا! ایمان لانے کا وقت گذر چکا ہوگا، اب ان کو سفارشیوں کی تلاش ہوگی، جو اللہ کی سزا کو سفارش کرکے معاف کرادیں، جب ایسا کوئی سفارشی نہیں ملے گا تو وہ تمنا کریں گے کہ کاش ان کو دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے، اور دوبارہ امتحان کرلیا جائے، اب کی بار وہ ضرور پاس ہونگے، مگر مَنْ جَرَّبَ الْمُجَرَّبَ فقد نَدِمَ: آزمائے کو آزمانا حماقت ہے، وہ اپنے ہاتھوں خود کو برباد کرچکے ہیں، اور جو جھوٹے معبود بنا رکھے تھے وہ سب رفو چکر ہوگئے ہیں!

﴿ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ ﴾

ترجمہ: وہ لوگ (منکرین اسلام) صرف قرآن کی باتوں کے آخری انجام کا انتظار کرتے ہیں! جس دن اس کا آخری انجام سامنے آئے گا، کہیں گے وہ لوگ جو قرآن کو پہلے سے بھولے ہوئے تھے ــــــ یعنی اس پر ایمان نہیں لائے تھے: ــــــ واقعی بات یہ ہے کہ ہمارے پروردگار کے رسول دین حق لے کر آئے تھے، پس کیا کوئی سفارشی ہے جو ہمارے لئے سفارش کرے یا ہم واپس کردیئے جائیں، پس ان کاموں کے علاوہ کام کریں جو ہم پہلے کیا کرتے تھے؟ ــــــ مگر نہ کوئی سفارشی ہوگا نہ واپسی کا موقع دیا جائے گا، دلیل اگلا ارشاد ہے: ــــــ واقعۃً انھوں نے خود کو گھاٹے میں رکھا، اور رفو چکر ہوگئے وہ معبود جو انھوں نے گھڑ رکھے تھے!

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى

الْعَرْشِ قف يُغْشِى الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

اِنَّ رَبَّكُمُ	بیشک تمہارے ربّ	عَلَى الْعَرْشِ	تختِ شاہی پر	مُسَخَّرٰتٍۭ	درانحالیکہ کام میں لگے
اللّٰهُ	اللہ ہیں	يُغْشِى (۱)	ڈھانکتا ہے وہ		ہوئے ہیں
الَّذِىْ	جنھوں نے	الَّيْلَ	رات کو	بِاَمْرِهٖ	اللہ کے حکم سے
خَلَقَ	پیدا کیا	النَّهَارَ	دن پر	اَلَا لَهُ	سنتا ہے؟ انہی کے لئے ہے
السَّمٰوٰتِ	آسمانوں	يَطْلُبُهٗ (۲)	ڈھونڈھتی ہے رات دن کو	الْخَلْقُ	پیدا کرنا
وَالْاَرْضَ	اور زمین کو	حَثِيْثًا (۳)	دوڑ کر	وَالْاَمْرُ	اور حکم دینا
فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ	چھ دنوں میں	وَّالشَّمْسَ	اور (پیدا کیا) سورج کو	تَبٰرَكَ	بڑی برکت والے ہیں
		وَالْقَمَرَ	اور چاند	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
ثُمَّ اسْتَوٰى	پھر قائم ہوا (بیٹھا)	وَالنُّجُوْمَ	اور ستاروں کو	رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ	جہانوں کے پالنہار

توحید کا بیان

رب اللہ تعالیٰ ہیں، انھوں نے کائنات کو تدریجاً پیدا کیا ہے، وہ تختِ شاہی پر جلوہ افروز ہیں، کائنات میں انہی کا حکم چلتا ہے

رب: وہ ہے جو نیست سے ہست کرے، عدم کے پردے سے وجود کے اسٹیج پر لائے، پھر مخلوق کی بقاء کا سامان کرے، تاکہ وہ وجود پذیر ہو کر دفعۃً ختم نہ ہو جائے، پھر مخلوق کو بتدریج بڑھا کر منتہائے کمال تک پہنچادے۔

یہ تینوں کام اللہ تعالیٰ کے سوا کون کرتا ہے؟ پس وہی کائنات کے معبود ہیں، اور کائنات میں سات آسمان، زمین، سورج، چاند اور ستارے شامل ہیں، اس کائنات کو چھ ادوار میں موجودہ شکل تک پہنچایا ہے۔

---

(۱) یغشی: از باب افعال، متعدی بدو مفعول (۲) یطلبه: میں دو ضمیریں ہیں، فاعل کی لیل کی طرف اور مفعول کی نہار کی طرف راجع ہیں (۳) حثیث بروزن فعیل: تیز گام، شتاب، دوڑتا ہوا، فاعل کا حال ہے، اور یہ آدھا مضمون ہے، دوسرا آدھا فہم سامع پر اعتماد کر کے چھوڑ دیا ہے، اور سورۃ الزمر میں مذکور ہے: ﴿يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ﴾: وہ رات کو دن پر لپیٹتے ہیں اور دن کو رات پر لپیٹتے ہیں۔

یوم: دن سے مراد عرفی دن نہیں ہے، یہ دن نظامِ شمسی وجود میں آنے کے بعد وجود میں آیا ہے، بلکہ دن سے مراد اللہ کے یہاں کا دن ہے، اور سورۃ سجدہ میں ہے کہ اللہ کے یہاں کا دن یہاں کے ہزار سال کے برابر ہوتا ہے، اور سورۃ المعارج میں ہے کہ پچاس ہزار سال کے برابر ہوتا ہے، اس لئے نظام شمسی کتنے دنوں میں وجود میں آیا ہے؟ اس کی تعیین مشکل ہے، اس لئے چھ ادوار مراد لئے جائیں گے۔

اور اتنا وقت اس لئے لگا کہ اللہ تعالیٰ ربّ ہیں، اور رب!: تدریجاً مخلوقات کو منتہائے کمال تک پہنچاتا ہے۔ اور آیتِ کریمہ ﴿ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴾: جب اللہ تعالیٰ کسی کام کا ارادہ کرتے ہیں تو ان کا معاملہ یہی ہے کہ اس کو حکم دیتے ہیں: ہوجا! پس وہ ہوجاتی ہے [یٰس: ۸۲] اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا بیان ہے، پھر وہ چیز تدریجاً وجود میں آتی ہے یا آناً فاناً؟ یہ دوسری بات ہے، عالم اسباب میں قدرت کی کارفرمائی تدریجاً ہوتی ہے، حمل ٹھہرتا ہے، بچہ پیدا ہوتا ہے، پھر پچیس سال میں جوان ہوتا ہے، یہ عالم اسباب کی رعایت ہے۔

کائنات کو چھ ادوار میں پیدا کر کے اللہ تعالیٰ تختِ شاہی پر جلوہ افروز ہوئے ہیں، یہ ایک محاورہ ہے، کہتے ہیں: فلاں بادشاہ مرا اس کا بیٹا تخت نشیں ہوا، یعنی اس نے ملک کا کنٹرول سنبھالا، وہاں تختِ شاہی ہوتا ہے اور اس سے بیٹھنے کا تعلق بھی ہوتا ہے، مگر وہ بیٹے کا 'مکان' نہیں ہوتا کہ بیٹا ہر وقت اسی پر بیٹھا رہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا عرش ہے، نصوص میں اس کا بار بار ذکر آیا ہے، اور عرش کے ساتھ اللہ کا تعلق بھی ہے، مگر وہ اللہ کا 'مکان' نہیں، عرش مخلوق ہے، اور خالق کا مخلوق کے ساتھ 'مکانیت' کا تعلق نہیں ہوسکتا، ورنہ سوال ہوگا کہ اس مخلوق کے وجود سے پہلے اللہ تعالیٰ کہاں تھے؟ اس کا جواب کوئی نہیں دے سکتا! پس یہ صفات کی آیت ہے، اور اللہ کی صفات کو ایک حد تک ہی سمجھ سکتے ہیں، اسی کی طرف حروفِ مقطعات کے ذریعہ اشارہ کیا گیا ہے۔

اور یہ بات کہ کائنات کو پیدا کر کے اللہ تعالیٰ تختِ شاہی پر جلوہ افروز ہوئے ہیں: یہ بات قرآنِ کریم میں سات جگہ آئی ہے اور اس میں مشرکین کی تردید ہے، مشرکین کا خیال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کے ڈپارٹمنٹ بنائے ہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اکیلے کائنات کو سنبھال نہیں سکتے، بادشاہ ملک کو اکیلا نہیں سنبھال سکتا، صوبہ اور ضلع بناتا ہے اور ان کے سربراہ مقرر کرتا ہے، پس ہر صیغے کے ذمہ دار سے رابطہ قائم کرنا ضروری ہے تاکہ وہ اللہ تک پہنچائے: ﴿ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ﴾: ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے کہ وہ ہمیں اللہ سے نزدیک کردیں۔

قرآنِ کریم نے سات جگہ اس کی تردید کی ہے، اور سورۃ یونس کے شروع میں یہ اضافہ ہے: ﴿ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ﴾: وہ ہر کام کا انتظام کرتے ہیں، اور بادشاہ پر قیاس صحیح نہیں، اس کا علم ناقص ہے، اس لئے وہ صیغے بناتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کا علم ہر

چیز کو محیط ہے، وہ بیک وقت ہر چیز کو جانتے ہیں، اس لئے وہ ساری کائنات کا انتظام کرسکتے ہیں۔

﴿ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ﴾ سن! اللہ نے یہ کائنات پیدا کی ہے، اور اس میں اسی کا آرڈر چلتا ہے، دوسرا کوئی نہیں جس کا حکم چلتا ہو، پس اللہ کی ذات عالی شان ہے، جو تمام جہانوں کے پالنہار ہیں، انھوں نے ہی سارا نظام سنبھال رکھا ہے اور سورج، چاند اور ستارے اسی کائنات کا جزء ہیں، ان کی اللہ نے ڈیوٹی لگائی ہے، ان کے نظام میں سرمو فرق نہیں پڑتا۔

ترکیب: يُغْشِي میں هو ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہیں، اور اللیل اور النهار اس کے دو مفعول ہیں، اور یہ أعطيتُ زيداً درهمًا کے قبیل سے ہے اور يطلبه: جملہ حالیہ ہے، پس دو مفعولوں کو برعکس کردیں تو دوسرا آدھا مضمون پیدا ہوجائے گا، اب ترجمہ ہوگا: اللہ تعالیٰ رات کو دن پر لپیٹتے ہیں، یعنی دن کے بعد معاً رات آجاتی ہے، اور رات پر دن کو لپیٹتے ہیں، یعنی رات کے بعد معاً دن آجاتا ہے، ایک دوسرے کو شتاب طلب کرتا ہے یعنی دونوں کے درمیان ذرا فصل نہیں۔

آیتِ کریمہ: بے شک تمہارے ربّ اللہ تعالیٰ ہیں، جنھوں نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر وہ تختِ شاہی پر قائم ہوئے، وہ رات کو دن پر اوڑھاتے ہیں —— اور دن کو رات پر —— ڈھونڈھتی ہے رات دن کو دوڑ کر —— اور دن رات کو دوڑ کر —— اور (پیدا کیا) سورج، چاند اور ستاروں کو، درانحالیکہ وہ بیگار میں لگے ہوئے ہیں اللہ کے حکم سے، سن! اللہ ہی کے لئے پیدا کرنا اور حکم دینا ہے، اللہ تعالیٰ بڑے عالی شان ہیں جو سارے جہانوں کے پالنہار ہیں!

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۵۵﴾ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۭ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾

اُدْعُوْا	پکارو	الْمُعْتَدِيْنَ	حد سے تجاوز کرنے والوں کو	خَوْفًا	ڈر سے
رَبَّكُمْ	اپنے پروردگار کو	وَلَا تُفْسِدُوْا	اور مت بگاڑ پھیلاؤ	وَّطَمَعًا	اور توقع سے
تَضَرُّعًا	گڑگڑا کر	فِي الْاَرْضِ	زمین میں	اِنَّ رَحْمَتَ	بے شک مہربانی
وَّخُفْيَةً	اور چپکے	بَعْدَ	بعد	اللّٰهِ	اللہ کی
اِنَّهٗ	بے شک وہ	اِصْلَاحِهَا	اس کی اصلاح کے	قَرِيْبٌ	نزدیک ہے
لَا يُحِبُّ	نہیں پسند کرتے	وَادْعُوْهُ	اور پکارو اس کو	مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ	نیکوکاروں سے

دعاوعبادت کے آداب

۱-دعانیازمندی کے ساتھ سرًّ اہو

دعااور عبادت کے درمیان چولی دامن کا ساتھ ہے، حدیث میں ہے: الدعاءُ مُخُّ العبادۃ: دعا: عبادت کا مغز ہے، اور قرآن میں جگہ جگہ یدعون: مشرکین کی مورتی پوجا کے لئے آیا ہے، اس لئے اب ایک آیت میں دعا کے آداب بیان کرتے ہیں، اور دوسری آیت میں عبادت کے آداب ہیں۔

ربط: جب ربّ اللہ تعالیٰ ہی ہیں تو مانگنا بھی انہی سے چاہئے اور بندگی بھی انہی کی کرنی چاہئے۔

دعا کے آداب: تَضَرُّع کے معنی ہیں: گڑگڑانا، اس کا تعلق باطن سے ہے، دعا کرتے وقت دل میں نیازمندی اور فروتنی ہونی چاہئے، اور اس کا پیکر: دعا میں اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلانا ہے، جیسے بھکاری: سخی کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے۔

اور خُفْیَۃ کے معنی ہیں: چپکے سے، اس کا تعلق آواز سے ہے، یعنی دعا آہستہ آہستہ کرنا افضل ہے، کہیں مساجد میں نمازوں کے بعد زور سے دعا کرنے کا رواج ہوگیا ہے، یہ خلافِ ادب ہے، اس میں دعا کی روح پیدا نہیں ہوتی، امام رسمی طور پر چند عربی دعائیں پڑھتا ہے، اور مقتدی بغیر سمجھے آمین کہتے ہیں، یہ دعا نہیں، دعا کی رسم ہے، دعا یہ ہے کہ ہر شخص اپنی زبان میں اپنے دل کی مراد اللہ کے سامنے رکھے، اور امام کے ہاتھ اٹھانے کا انتظار نہ کرے، اور اپنی مراد بھی عاجزی اور نیاز مندی کے ساتھ رکھے، اس طرح نہ رکھے جس طرح ہوٹل میں بیرے کو کھانے کا آرڈر دیتے ہیں —— اور اسی ادب کی وجہ سے سورۃ فاتحہ کے بعد جہری نمازوں میں سراً آمین کہنا سنت ہے، اس لئے کہ آمین بھی دعا ہے، اسی طرح قنوتِ نازلہ میں بھی مقتدی سراً آمین کہیں۔

دعا کے آداب بتانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ حد سے گذرنے والوں کو پسند نہیں کرتے'' حد سے گذرنے کی صورتیں بطور مثال یہ ہیں:

بہت اونچی آواز سے دعا کرنا اور بتکلف دعا کو لمبی کرنا، جیسا تبلیغی اجتماعات میں ہوتا ہے، پون گھنٹے سے کم دعا نہیں ہوتی، لمبی دعا کرنے والے کو بٹھایا جاتا ہے یا بلایا جاتا ہے، حضرت شیخ مولانا زکریا صاحب قدس سرہ فرمایا کرتے تھے: ''مجھے دعا کرنا آتا ہے، کرانا نہیں آتا'' دعا کرانے والا پہلے ساری عربی دعائیں پڑھتا ہے، پھر مقامی زبان میں دعا شروع کرتا ہے، اور چبا چبا کر کرتا ہے، اور آمین کا اتنا شور ہوتا ہے کہ کیا دعا کر رہا ہے: یہ بھی سمجھ میں نہیں آتا، بلکہ کبھی تو دعا کرانے والا درمیان میں دعائیہ تقریر شروع کر دیتا ہے، اور ہاتھ نچانے لگتا ہے، یہ دعا میں حد سے گذرنا ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں!

اسی طرح غافل دل سے دعا کرنا، ناجائز یا ناممکن چیز طلب کرنا، دعا میں پرتکلف الفاظ استعمال کرنا، جس کی حدیث

میں ممانعت آئی ہے اور دعا میں نمائش اور دکھاوا کرنا، ایسی تمام باتیں حد سے گذرنے میں داخل ہیں۔

﴿ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝﴾

ترجمہ: اپنے پروردگار کو گڑ گڑا کر اور چپکے سے پکارو، بے شک وہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے!

۴۔عبادت: خوف ورجا کے درمیان ہو

عبادت: خوف ورجا کے درمیان ہونی چاہئے، اپنی عبادت پر ناز نہ ہو، بلکہ خوف ہو کہ نہ جانے میں عبادت کا حق ادا کرسکا یا نہیں؟ اور میری عبادت اللہ کی بارگاہ میں قبولیت کی مستحق ہے یا نہیں! —— مگر ساتھ ہی اپنی کوتاہیوں کے باوجود اللہ کی رحمت سے پُر امید ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے میری ٹوٹی پھوٹی عبادت ضرور قبول فرمائیں گے، خوف ورجا کا یہ امتزاج اللہ کی رحمت کا دروازہ کھولتا ہے، اللہ کی رحمت نیکوکاروں سے قریب ہے: اس کا یہی مطلب ہے۔

اور عبادت کا یہ ادب بیان کرنے سے پہلے فرمایا: ''زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد برپا مت کرو'' اس ارشاد میں اشارہ ہے کہ نیک معاشرہ کو جاہل عبادت گذار بگاڑتے ہیں، چونکہ ان کو اپنی عبادت پر غرّہ ہوتا ہے اس لئے وہ عبادات میں طرح طرح کی بدعات شامل کرلیتے ہیں، پھر لوگوں کو اس کی دعوت دیتے ہیں، اس طرح سارا معاشرہ بگڑ کر رہ جاتا ہے۔

مثلاً: غیر مقلدین حدیث کے بغیر یا حدیث کو سمجھے بغیر کھلے سر نماز پڑھنے کو واجب جیسی سنت قرار دیتے ہیں، ٹانگیں چوڑی کرکے بھونڈی شکل بنا کر نماز میں کھڑے ہوتے ہیں اور آمین بالشر کرتے ہیں، اور جو نوجوان نماز پڑھنے لگتا ہے اس کے پیچھے پڑجاتے ہیں کہ تیری نماز نہیں ہوتی، تو امام کے پیچھے فاتحہ نہیں پڑھتا، تو رفع یدین نہیں کرتا، تو زور سے آمین نہیں کہتا، تو اماموں کو مانتا ہے: یہ شرک ہے، وہ اس طرح مسلمانوں کا سارا ماحول خراب کردیتے ہیں، اس لئے اس کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے اس کو عبادات کے آداب ذکر کرنے سے پہلے لائے ہیں۔

﴿ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۭ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝﴾

ترجمہ: اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد خرابی پیدا مت کرو، اور اللہ کو ڈر اور توقع کے ساتھ پکارو، بے شک اللہ کی رحمت نیکوکاروں سے نزدیک ہے!

وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۭ حَتّٰٓي اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَاۗءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ

الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ۝

ع ۱۴

وَهُوَ	اور وہ	مَّيِّتٍ	مردہ	الطَّيِّبُ	عمدہ (زرخیز)
الَّذِيْ	جو	فَاَنْزَلْنَا	پس اتارتے ہیں ہم	يَخْرُجُ	نکلتا ہے
يُرْسِلُ	بھیجتے ہیں	بِهِ	اس علاقہ میں	نَبَاتُهٗ	اس کا سبزہ
الرِّيٰحَ	ہوائیں	الْمَآءَ	پانی	بِاِذْنِ	حکم سے
بُشْرًا	خوش خبر دینے والی	فَاَخْرَجْنَا	پس نکالتے ہیں ہم	رَبِّهٖ	اس کے رب کے
بَيْنَ يَدَيْ	پہلے	بِهِ	اس پانی کے ذریعہ	وَالَّذِيْ	اور جو
رَحْمَتِهٖ	اپنی رحمت کے	مِنْ كُلِّ	ہر طرح کے پھلوں سے	خَبُثَ	نکما ہے
حَتّٰٓى اِذَآ	یہاں تک کہ جب	الثَّمَرٰتِ		لَا يَخْرُجُ	نہیں نکلتا
اَقَلَّتْ (۱)	اٹھانے میں ہلکا پاتی	كَذٰلِكَ	اسی طرح	اِلَّا نَكِدًا (۲)	مگر برائے نام
	ہے (ہوائیں)	نُخْرِجُ	نکالیں گے ہم	كَذٰلِكَ	اسی طرح
سَحَابًا	بادل کو	الْمَوْتٰى	مردوں کو	نُصَرِّفُ	پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں ہم
ثِقَالًا	بھاری	لَعَلَّكُمْ	تاکہ تم	الْاٰيٰتِ	باتیں
سُقْنٰهُ	تو ہانکتے ہیں ہم اس کو	تَذَكَّرُوْنَ	یاد کرو	لِقَوْمٍ	لوگوں کے لئے
لِبَلَدٍ	علاقہ کی طرف	وَالْبَلَدُ	اور علاقہ	يَّشْكُرُوْنَ	جو شکر بجالاتے ہیں

اللہ کی عبادت اس لئے ضروری ہے کہ اللہ نے بندوں کی معیشت کا انتظام کیا ہے

اب ایک سوال مقدر کا جواب ہے، اللہ کی عبادت بیم ورجا کے ساتھ کیوں ضروری ہے؟ جواب: قاعدہ ہے: ﴿ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴾: نیکوکاری کا بدلہ نیکوکاری ہی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی معیشت کا انتظام کیا ہے، پس ضروری ہے کہ بندے ان کی بندگی کریں، ارشاد پاک ہے: ﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا

(۱) اِقلال: قلیل پانا، ہلکا سمجھنا (۲) نکدا: اسم صفت: بہت تھوڑا، برائے نام۔

لِيَعْبُدُوْنِ ﴾: اور میں نے جنات اور انسانوں کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔

اس کی تفصیل: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کی تین چوتھائی پر پانی پیدا کیا ہے، ایک چوتھائی ربع مسکون ہے، اور سمندروں کی تہہ میں گرمی ہے، اس ہیٹ سے سمندر ہر وقت کھولتے رہتے ہیں، اس سے بھاپ اٹھتی ہے، جس کو ہوائیں بہت آسانی سے اوپر اٹھاتی ہیں، اوپر اٹھ کر بھاپ بادل بن جاتی ہے، پھر مانسونی ہوا چلتی ہے، اور اُس رخ پر چلتی ہے جدھر بارش ہونی ہے، فلکیات والے اس کی خبر بھی دیدیتے ہیں، پھر ہوائیں ان بادلوں کو اس سرزمین کی طرف ہانک لے چلتی ہیں جہاں ان کو برسنا ہے، پھر جب بارش ہوتی ہے تو اس کی برکت سے ہر طرح کی پیداوار نکل آتی ہے، غلّہ انسانوں کے کام آتا ہے اور گھاس پھوس جانور کھاتے ہیں، پھر ان جانوروں سے انسان فائدہ اٹھاتے ہیں۔

سوچو! اگر اللہ تعالیٰ اتنا پانی پیدا نہ کرتے تو بادل کہاں سے بنتے؟ اور بادل نہ برستے تو زمین کیا اگاتی؟ اور انسان اور جانور کیا کھاتے؟ کیا اللہ کے اس احسان کے بدلے میں احسان ضروری نہیں؟ اسی جوابی احسان کا نام بندگی ہے۔

ویران زمین کا سرسبز ہونا قیامت میں مردوں کے زندہ ہونے کی نظیر ہے

پھر آیت کے آخر میں ایک ضمنی مسئلہ بیان کیا ہے، اللہ تعالیٰ بارش کے ذریعہ مردہ زمین میں جان ڈال دیتے ہیں، اور یہ نظارہ ہم ہر سال اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں، اسی طرح وہ مردہ انسانوں کو قیامت کے دن زندہ کریں گے، بارش سے ویران زمین لہلہانے لگتی ہے: اس سے سبق لینا چاہئے کہ دوسری زندگی برحق ہے، اور اس کا انکار حماقت ہے۔

﴿ وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۭ حَتّٰٓي اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَاۗءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہی ہیں جو خوش خبری دینے والی ہوائیں (مانسون) بھیجتے ہیں، بارش آنے سے پہلے، یہاں تک کہ جب وہ ہوائیں آسانی سے بھاری بادلوں کو اٹھا لیتی ہیں تو ہم ان کو خشک سرزمین کی طرف ہانکتے ہیں، پھر اس علاقہ میں، ہم پانی برساتے ہیں، پس ہم اس پانی کے ذریعہ ہر طرح کے پھل پیدا کرتے ہیں —— اس طرح اللہ نے انسانوں کی معیشت کا انتظام کیا ہے، اور جو پالے پوسے اس کی بندگی ضروری ہے۔

(ضمنی مسئلہ:) اسی طرح ہم مُردوں کو نکالیں گے، تاکہ تم یاد کرو! —— یعنی نظیر سے حیات بعد الموت کو سمجھو!

تمام مؤمنین بندگی میں یکساں کیوں نہیں؟ کم وبیش کیوں ہیں؟

اب آخر میں ایک اور سوالِ مقدر کا جواب ہے کہ تمام مؤمنین اللہ کی بندگی میں یکساں کیوں نہیں؟ کم وبیش کیوں ہیں؟

جب سب مؤمن ہیں تو ان کو عبادت میں بھی یکساں ہونا چاہئے!

جواب: عبادت کی صلاحیت میں تو سب یکساں ہیں، مگر عوارض میں اختلاف ہے، اس لئے سب عبادت میں یکساں نہیں، اور عوارض تین ہیں: نفس، دنیا اور بدعقیدگی کے حجابات، ان کی تفصیل حجۃ اللہ البالغہ میں ہے (دیکھیں رحمۃ اللہ الواسعہ (۱:۵۶۵) یہاں اس کو نقل کرنے کی گنجائش نہیں، اس جلد کے صفحات بڑھ جائیں گے)

البتہ یہ بات ایک مثال سے سمجھیں، زمین ساری یکساں ہے، اس کی ماہیت میں کوئی فرق نہیں، مگر عوارض کے اختلاف سے پیداوار مختلف ہوتی ہے، ایک کھیت میں کھاد ڈالا ہے، دوسرے میں نہیں ڈالا تو پیداوار مختلف ہوگی، اسی طرح ایک زمین زرخیز ہے دوسری نکمّی تو بھی دونوں کی پیداوار مختلف ہوگی، یہ عوارض کا اختلاف ہے۔

اسی طرح تمام مؤمنین عبادت کی صلاحیت کے اعتبار سے یکساں ہیں، مگر جب مذکورہ حجابات میں سے کوئی ایک چھا جاتا ہے تو مؤمنین کی عبادتیں کم وبیش ہوجاتی ہیں، دیکھو! اللہ تعالیٰ کس طرح نہج بدل بدل کر باتیں بیان کرتے ہیں، تاکہ مؤمن بندے شکر بجالائیں، حجابات دور کریں اور اللہ کی بندگی میں ایک دوسرے سے آگے بڑھیں، اور حجابات کو دور کرنے کے طریقے بھی حجۃ اللہ البالغہ میں بیان کئے ہیں (دیکھیں رحمۃ اللہ ۱:۵۶۹-۵۷۳)

﴿ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ ۚ وَالَّذِي خَبُثَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا ۚ كَذَٰلِكَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَشْكُرُونَ ﴿٥٨﴾ ﴾

ترجمہ: اور زرخیز زمین کا سبزہ اس کے پروردگار کے حکم سے (خوب) نکلتا ہے اور نکمّی زمین سے برائے نام سبزہ نکلتا ہے ـــــ یہ عوارض کا اختلاف ہے، ورنہ زمین کی ماہیت ایک ہے ـــــ اسی طرح ہم پھیر پھیر کر اپنی باتیں بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو شکر گذار بننا چاہتے ہیں!

ملحوظہ: اس آیت کو مؤمن وکافر کے حق میں قرار دیا گیا ہے، مگر نکدًا اور یشکرون سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت مسلمانوں کے حق میں ہے، نکد کے معنی ہیں: برائے نام عمل کرنا، اس سے کافر کیسے مراد ہوسکتا ہے؟ اس کے پاس تو عمل ہی نہیں، اور شکر گذار ہونا: اعمال میں بڑھنا ہے، یہ بھی مؤمن ہی کی شان ہے ـــــ اور یہ سوال کہ نزول آیت کے وقت سب مسلمان اعلیٰ درجہ کے نیکوکار تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآنِ کریم میں قیامت تک کے احوال کی رعایت ہے، اور بعد میں ایسے مسلمان ہونگے جن پر حجابات طاری ہونگے، اور وہ عمل میں کوتاہ ہونگے، ان کو اس آیت میں نصیحت کی گئی ہے۔

(اس آیت پر توحید کا بیان مکمل ہوا، آگے رسالت کا موضوع شروع ہوگا)

لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۚ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿٥٩﴾ قَالَ الْمَلَأُ مِن قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرَاكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٦٠﴾ قَالَ يَا قَوْمِ لَيْسَ بِي ضَلَالَةٌ وَلَٰكِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٦١﴾ أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَأَنصَحُ لَكُمْ وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦٢﴾ أَوَعَجِبْتُمْ أَن جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنكُمْ لِيُنذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٦٣﴾ فَكَذَّبُوهُ فَأَنجَيْنَاهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ فِي الْفُلْكِ وَأَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا عَمِينَ ﴿٦٤﴾ ع ۸ / ۱۵

لَقَدْ	بخدا! واقعہ یہ ہے	يَوْمٍ عَظِيمٍ	بڑے دن کے	مِّن رَّبِّ	پالنہار کی جانب سے
أَرْسَلْنَا	بھیجا ہم نے	قَالَ	کہا	الْعَالَمِينَ	جہانوں کے
نُوحًا	نوح کو	الْمَلَأُ	سرداروں نے	أُبَلِّغُكُمْ	پہنچاتا ہوں میں تم کو
إِلَىٰ قَوْمِهِ	ان کی قوم کی طرف	مِن قَوْمِهِ	ان کی قوم کے	رِسَالَاتِ	پیغامات
فَقَالَ	پس کہا انھوں نے	إِنَّا	بے شک ہم	رَبِّي	میرے پروردگار کے
يَا قَوْمِ	اے میری قوم	لَنَرَاكَ	یقیناً دیکھتے ہیں تجھ کو	وَأَنصَحُ	اور خیر خواہی کرتا ہوں میں
اعْبُدُوا	عبادت کرو	فِي ضَلَالٍ	گمراہی میں	لَكُمْ	تمہاری
اللَّهَ	اللہ کی	مُّبِينٍ	کھلی	وَأَعْلَمُ	اور جانتا ہوں میں
مَا لَكُم	نہیں ہے تمہارے لئے	قَالَ	کہا اس نے	مِنَ اللَّهِ	اللہ کی طرف سے
مِّنْ إِلَٰهٍ	کوئی معبود	يَا قَوْمِ	اے میری قوم!	مَا لَا تَعْلَمُونَ	جو نہیں جانتے تم
غَيْرُهُ	ان کے علاوہ	لَيْسَ بِي	نہیں میرے ساتھ	أَوَعَجِبْتُمْ	کیا اور حیرت ہے تمہیں
إِنِّي أَخَافُ	بیشک میں ڈرتا ہوں	ضَلَالَةٌ	کوئی گمراہی	أَن جَاءَكُمْ	اس پر کہ آئی تمہارے پاس
عَلَيْكُمْ	تم پر	وَلَٰكِنِّي	لیکن میں	ذِكْرٌ	یاد دہانی
عَذَابَ	عذاب سے	رَسُولٌ	بھیجا ہوا ہوں	مِّن رَّبِّكُمْ	تمہارے رب کی طرف سے

عَلٰی رَجُلٍ	ایک آدمی پر	فَكَذَّبُوْهُ	پس جھٹلایا انھوں نے اس کو	كَذَّبُوْا	جھٹلایا
مِّنْكُمْ	تم میں سے	فَاَنْجَيْنٰهُ	پس بچالیا ہم نے اس کو	بِاٰيٰتِنَا	ہماری باتوں کو
لِيُنْذِرَكُمْ	تاکہ ڈرائے وہ تمھیں	وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ	اور ان کو جو اس کے ساتھ تھے	اِنَّهُمْ	بے شک وہ
وَلِتَتَّقُوْا	اور تاکہ ڈرو تم	فِي الْفُلْكِ	کشتی میں	كَانُوْا	تھے
وَلَعَلَّكُمْ	اور تاکہ	وَاَغْرَقْنَا	اور ڈبادیا ہم نے	قَوْمًا	لوگ
تُرْحَمُوْنَ	رحم کئے جاؤتم	الَّذِيْنَ	ان کو جنھوں نے	عَمِيْنَ (۱)	اندھے

رسالت کا بیان

۱-نوح علیہ السلام نے قوم کو توحید کی دعوت دی، جس کو انھوں نے ٹھکرایا اور ہلاک ہوئی

ربط: اہل جنت کی محفل میں یہ گفتگو آئی ہے: ﴿لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ﴾: ہمارے پروردگار کے رسول برحق بات لے کر آئے۔ برحق بات: یعنی توحید کی دعوت لے کر آئے، توحید کا بیان مکمل ہوا، اب پانچ رسولوں کا تذکرہ کرتے ہیں، ان سب نے اپنی قوموں کو توحید کی دعوت دی ہے، قوموں نے یہ دعوت ٹھکرادی ہے، اور ہلاک ہوئے ہیں، یہ واقعات قریش کو سنائے گئے ہیں، تاکہ وہ ان سے سبق لیں، ایمان لائیں اور ہلاکت سے بچیں۔

نوح علیہ السلام آدم ثانی ہیں، سورۃ الصافات میں ہے: ﴿وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ﴾: اور ہم نے انہی کی اولاد کو باقی رہنے والا بنایا، اِس وقت جتنے انسان ہیں سب آپ کی اولاد ہیں۔

اور آپ اللہ کے پہلے رسول ہیں، آپ سے پہلے انبیاء مبعوث ہوتے تھے، نبی کی بعثت مؤمنین کی طرف ہوتی ہے اور رسول کی مشرکین کی طرف، آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے درمیان کتنا زمانہ ہے؟ اس کی تعیین مشکل ہے، البتہ لمبا عرصہ گذرا ہے، اس دوران بت پرستی کا رواج بہت بڑھ گیا تھا، قوم نوح نے بھی بہت سے بت بنا رکھے تھے، جن کے نام سورۂ نوح میں آئے ہیں، حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نوسو سال تک قوم پر محنت کی، جیسا کہ سورۂ عنکبوت میں آیا ہے، نوح علیہ السلام نے سمجھانے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا، مگر چند ہی نیک بخت حضرات ایمان لائے، جو زیادہ تر غریب طبقہ سے تعلق رکھتے تھے، قوم کی اکثریت شرک پر جمی رہی، نوح علیہ السلام نے ان کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا، مگر وہ نہیں ڈرے، پس پانی کا سیلاب آیا اور ساری قوم غرقاب ہوگئی، ان کا مختصر حال یہاں ہے، تفصیلی بیان سورہ ہود میں ہے:

(۱) عمین: عَمِ کی جمع: بحالت نصب وجر: کور باطن، اندھے۔

بخدا! واقعہ یہ ہے کہ ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف مبعوث کیا، پس انھوں نے کہا: "اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو — اور مورتیوں کو چھوڑو — اللہ کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں! بے شک میں تم پر بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں — بڑا دن: یعنی قیامت کا دن۔

ان کی قوم کے سرداروں نے کہا: بے شک ہم تجھے کھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں — یعنی تو جو مورتیوں کو کنڈم کرتا ہے اور ایک خدا کی بندگی کی دعوت دیتا ہے یہ کھلی گمراہی ہے، یہ مورتیاں تو ہمارے اکابر اولیاء کی ہیں، ان کو خدا کے یہاں خاص مقام حاصل ہے، ان کو بے حیثیت کرنا کہاں کی ہدایت ہے؟ — یہی بات اب جاہل بدعتی اولیائے کرام کے تعلق سے کہتے ہیں!

نوحؑ نے کہا: "اے میری قوم! میرے اندر گمراہی (کا شائبہ تک) نہیں، بلکہ میں جہانوں کے پالنہار کا بھیجا ہوا ہوں، تمہیں اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچاتا ہوں، اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں، اور میں اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے!

انسان کا رسول ہونا بھی قوم کے گلے نہیں اترا: — کیا اور تمہیں اس پر حیرت ہے کہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے یاددہانی آئی ہے تم ہی میں سے ایک آدمی کے ذریعہ، تاکہ وہ تمہیں ڈرائے، اور تاکہ تم ڈرو، اور تاکہ تم پر رحم کیا جائے! — اس میں انسان کے رسول ہونے کی حکمت کی طرف اشارہ ہے کہ انسان رسول سے بسہولت استفادہ کیا جاسکتا ہے، اور رحمتِ الٰہی کا حقدار بنا جاسکتا ہے۔

نوح علیہ السلام کی قوم کی تباہی: — پس انھوں نے نوحؑ کی تکذیب کی، پس ہم نے ان کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ تھے کشتی میں بچالیا، اور ان لوگوں کو غرقاب کردیا جنھوں نے ہماری باتوں کو جھٹلایا، بے شک وہ اندھے لوگ تھے! — ان سے ایمان کی امید نہیں تھی، اس لئے فاسد عضو کو کاٹ دینا ہی مصلحت تھی، تفصیل سورہ نوح کی تمہید میں ہے۔ (ہدایت القرآن ۸:۳۹۲)

وَ اِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝۶۵ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ سَفَاهَةٍ وَّ اِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ۝۶۶ قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ سَفَاهَةٌ وَّ لٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۶۷ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَ اَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِیْنٌ ۝۶۸ اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰی رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِیُنْذِرَكُمْ ؕ وَ اذْكُرُوْۤا اِذْ

جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْٓا
اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ
مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۷۰﴾
قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ؕ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَآءٍ
سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ فَانْتَظِرُوْٓا
اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۷۱﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا
دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۲﴾ ع

وَاِلٰى عَادٍ	اور (بھیجا ہم نے)	الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	جنھوں نے انکار کیا	مِّنْ رَّبِّ	پالنہار کی طرف سے
	عاد کی طرف	مِنْ قَوْمِهٖٓ	اس کی قوم سے	الْعٰلَمِيْنَ	جہانوں کے
اَخَاهُمْ	ان کے بھائی	اِنَّا	بے شک ہم	اُبَلِّغُكُمْ	پہنچاتا ہوں میں تمہیں
هُوْدًا	ہود کو	لَنَرٰىكَ	البتہ دیکھتے ہیں تجھے	رِسٰلٰتِ	پیغامات
قَالَ	کہا اس نے	فِيْ سَفَاهَةٍ	بے وقوفی میں	رَبِّيْ	میرے رب کے
يٰقَوْمِ	اے میری قوم!	وَّاِنَّا	اور بے شک ہم	وَاَنَا لَكُمْ	اور میں تمہارے لئے
اعْبُدُوا	عبادت کرو تم	لَنَظُنُّكَ	البتہ خیال کرتے ہیں تجھے	نَاصِحٌ	خیر خواہ
اللّٰهَ	اللہ کی	مِنَ الْكٰذِبِيْنَ	جھوٹوں میں سے	اَمِيْنٌ	قابل اعتماد ہوں
مَا لَكُمْ	نہیں ہے تمہارے لئے	قَالَ	کہا اس نے	اَوَعَجِبْتُمْ	کیا اور حیرت ہو رہی ہے تمہیں
مِّنْ اِلٰهٍ	کوئی بھی معبود	يٰقَوْمِ	اے میری قوم!		
غَيْرُهٗ	ان کے سوا	لَيْسَ بِيْ	نہیں میرے ساتھ	اَنْ جَآءَكُمْ	کہ آئی تمہارے پاس
اَفَلَا تَتَّقُوْنَ	کیا پس نہیں بچتے تم؟	سَفَاهَةٌ	کچھ بے وقوفی	ذِكْرٌ	یاد دہانی
قَالَ	کہا	وَّلٰكِنِّيْ	بلکہ میں	مِّنْ رَّبِّكُمْ	تمہارے رب کی طرف سے
الْمَلَاُ	سرداروں نے	رَسُوْلٌ	رسول ہوں	عَلٰى رَجُلٍ	ایک آدمی پر

مِّنْكُمْ	تم میں سے	وَ نَذَرَ	اور چھوڑ دیں ہم	وَ اٰبَآؤُكُمْ	اور تمہارے باپ دادو نے
لِيُنْذِرَكُمْ	تاکہ ڈرائے وہ تم کو	مَا كَانَ	جن کو تھے	مَّا نَزَّلَ	نہیں اتاری
وَ اذْكُرُوْٓا	اور یاد کرو تم	يَعْبُدُ	پوجتے	اللّٰهُ بِهَا	اللہ نے ان کی
اِذْ جَعَلَكُمْ	جب بنایا اس نے تم کو	اٰبَآؤُنَا	ہمارے اسلاف	مِنْ سُلْطٰنٍ	کوئی دلیل (سند)
خُلَفَآءَ	جانشیں (قائم مقام)	فَاْتِنَا	پس لا تو	فَانْتَظِرُوْٓا	پس انتظار کرو تم
مِنْۢ بَعْدِ	بعد	بِمَا	جس کی	اِنِّيْ مَعَكُمْ	بیشک میں تمہارے ساتھ
قَوْمِ نُوْحٍ	قوم نوح کے	تَعِدُنَآ	دھمکی دیتا ہے تو ہمیں	مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ	انتظار کرنے والوں
وَّزَادَكُمْ	اور بڑھایا تم کو	اِنْ كُنْتَ	اگر ہے تو		میں سے ہوں
فِي الْخَلْقِ	بناوٹ میں	مِنَ الصّٰدِقِيْنَ	سچوں میں سے	فَاَنْجَيْنٰهُ	پس بچالیا ہم نے اس کو
بَصْۜطَةً	پھیلاؤ کے اعتبار سے	قَالَ	کہا اس نے	وَالَّذِيْنَ	اور ان کو جو
فَاذْكُرُوْٓا	پس یاد کرو	قَدْ وَقَعَ	تحقیق ثابت ہوگئی	مَعَهٗ	اس کے ساتھ تھے
اٰلَآءَ	نعمتیں	عَلَيْكُمْ	تم پر	بِرَحْمَةٍ	مہربانی سے
اللّٰهِ	اللہ کی	مِّنْ رَّبِّكُمْ	تمہارے رب کی طرف سے	مِّنَّا	ہماری طرف سے
لَعَلَّكُمْ	تاکہ تم	رِجْسٌ	گندگی (عذاب)	وَقَطَعْنَا	اور کاٹ دی ہم نے
تُفْلِحُوْنَ	کامیاب ہوؤ	وَّغَضَبٌ	اور غصہ (اللہ کا)	دَابِرَ	جڑ
قَالُوْٓا	کہا انھوں نے	اَتُجَادِلُوْنَنِيْ	کیا حجت بازی کرتے	الَّذِيْنَ	جنھوں نے
اَجِئْتَنَا	کیا آیا ہے تو ہمارے پاس		ہو تم مجھ سے	كَذَّبُوْا	جھٹلایا
لِنَعْبُدَ	تاکہ عبادت کریں ہم	فِيْٓ اَسْمَآءٍ	چند ناموں میں	بِاٰيٰتِنَا	ہماری باتوں کو
اللّٰهَ	اللہ کی	سَمَّيْتُمُوْهَآ	جن کو رکھ لیا ہے	وَمَا كَانُوْا	اور نہیں تھے وہ
وَحْدَهٗ	تنہا	اَنْتُمْ	تم نے	مُؤْمِنِيْنَ	ایمان لانے والے

۲- ہود علیہ السلام نے بھی عاد کو توحید کی دعوت دی، جس کو انھوں نے ٹھکرا دیا اور ہلاک ہوئے

عاد: عرب کا ایک قدیم قبیلہ تھا، قوم نوح کے بعد وہ ان کے قائم مقام بنے تھے، ان کا مرکزی مقام احقاف تھا، جو یمن میں حضر موت کے شمال میں واقع ہے، یہ لوگ اپنے ڈیل ڈول اور قوت وشجاعت میں ممتاز تھے، رفتہ رفتہ انھوں نے بت

بنا کر ان کی پوجا شروع کردی۔ ان کی طرف حضرت ہود علیہ السلام پیغمبر بنا کر بھیجے گئے، انھوں نے قوم کو ہر طرح سمجھایا، مگر چند نیک طبع لوگوں کے سوا کوئی ایمان نہیں لایا، بلکہ کافروں نے اللہ کے عذاب کا مطالبہ کیا، پس ان پر تیز و تند آندھی چھوڑی گئی، جو آٹھ دن اور سات راتیں مسلسل چلتی رہی، جس سے سب کفار ہلاک ہو گئے اور ان کا نام و نشان باقی نہ رہا، آگے بھی ان کا واقعہ کئی سورتوں میں آئے گا۔

اور ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے برادر ہود کو بھیجا ـــــ وہ اپنی قوم کے لئے اجنبی نہیں تھے، لوگ ان کی شخصیت سے خوب واقف تھے۔

توحید کی دعوت: ـــــ انھوں نے کہا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو، ان کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں، کیا پس تم (شرک سے) بچتے نہیں! ـــــ یہی دعوت نوح علیہ السلام نے بھی قوم کو دی تھی۔

قوم کا جواب: ـــــ ان کی قوم کے کافر سرداروں نے جواب دیا: ہم تمہیں بے وقوف سمجھتے ہیں، اور ہم تمہیں جھوٹا خیال کرتے ہیں! ـــــ بے وقوف اس لئے کہ اسلاف کے طور طریقوں کے خلاف بات کرتے ہو، اور جھوٹے اس لئے کہ انسان ہو کر پیغمبری کا دعوی کرتے ہو؟ بھلا انسان رسول کیسے ہو سکتا ہے؟

حضرت ہود کا جواب: ـــــ ہود نے کہا: میرے اندر بے وقوفی (نام کی کوئی چیز) نہیں ـــــ تم میرے احوال سے بخوبی واقف ہو ـــــ بلکہ میں جہانوں کے پالنہار کا بھیجا ہوا ہوں، تمہیں اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچاتا ہوں، اور میں تمہارا خیر خواہ قابل اعتماد آدمی ہوں! ـــــ غور کریں! حضرت ہود علیہ السلام کو ان کی قوم نے بے وقوف اور جھوٹا کہا، مگر جواب میں نہ اشتعال ہے نہ غضب، داعی کی شان یہی ہونی چاہئے۔

انسان رسول ہو سکتا ہے: ـــــ کیا اور تمہیں حیرت ہو رہی ہے کہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے یاد دہانی تم ہی میں سے ایک مرد کے ذریعہ پہنچی، تاکہ وہ تم کو نتائج اعمال سے باخبر کرے؟ ـــــ یاد دہانی: یعنی عہد الست میں اقرار ربوبیت کی یاد دہانی! ـــــ انسان رسول بہتر خدمت انجام دے سکتا ہے، ملائکہ اور جنات سے انسان استفادہ نہیں کر سکتے۔

حضرت ہود علیہ السلام نے قوم کو اللہ کی دو نعمتیں یاد دلائیں: ـــــ اور یاد کرو (۱) جب اس نے تمہیں قوم نوح کے بعد قائم مقام بنایا (۲) اور تمہیں چوڑے چکلے بدن والا بنایا ـــــ وہ لوگ توانا تنومند اور بڑے ڈیل ڈول کے مالک تھے، سورۃ فجر میں ہے کہ اس جیسی قوم کسی بھی ملک میں پیدا نہیں کی گئی ـــــ پس اللہ کی یہ نعمتیں یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہوؤ!

قوم نے عذاب کا مطالبہ کیا! ـــــ ان لوگوں نے کہا: کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہم صرف ایک اللہ

کی عبادت کریں، اور ان مورتیوں کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے اسلاف پرستش کرتے رہے ہیں: اگر ایسا ہے تو وہ عذاب لے آئیں جس کی تم ہمیں دھمکی دیتے ہو، اگر تم واقعی (دعوئے رسالت میں اور عذاب کی دھمکی میں) سچے ہو!

عذاب کا فیصلہ ہو چکا ہے: —— ہود نے کہا: تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے گندگی اور غصہ ثابت ہو چکا ہے —— یعنی عذاب کا فیصلہ ہو چکا ہے، وہ صبح شام آیا ہی چاہتا ہے۔

مورتیوں کے معبود ہونے کی کوئی دلیل نہیں: —— کیا تم مجھ سے حجت بازی کرتے ہو ایسے فرضی ناموں کے بارے میں جو تم نے اور تمہارے اسلاف نے رکھ لئے ہیں: جن کے معبود ہونے کی اللہ تعالیٰ نے کوئی سند نہیں اتاری!

عذاب کا الٹی میٹم! —— پس تم (عذاب کا) انتظار کرو، میں تمہارے ساتھ انتظار کرنے والا ہوں!

عذاب آیا: ہیرے سمیٹ لئے گئے اور کوڑا اصاف ہو گیا: —— پس ہم نے اس کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ تھے اپنی رحمتِ خاصہ سے بچالیا، اور ہم نے ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جنھوں نے ہماری باتوں کو جھٹلایا، اور وہ ایمان لانے والے نہیں تھے! —— یعنی ان کے دلوں پر مہر لگ گئی تھی، اب ان کے ایمان کی توقع نہیں رہی تھی، اس لئے وہ ہلاک کر دیئے گئے، جیسے کوئی عضو سڑ جاتا ہے اور دوا سے شفا کی امید نہیں رہتی تو آپریشن کرا کر اس عضو کو کاٹ دیا جاتا ہے۔

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا م قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ط قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ط هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰیَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِیْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّ بَوَّاَكُمْ فِی الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّ تَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُیُوْتًا ج فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ۝ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ط قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِیْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَ عَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَ قَالُوْا یٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۝

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۷۹﴾

وَاِلٰى ثَمُوْدَ	اور ثمود کی طرف	اللّٰهِ	اللہ کی	اٰلَآءَ اللّٰهِ	اللہ کی نعمتیں
اَخَاهُمْ	ان کے برادر	وَلَا تَمَسُّوْهَا	اور نہ ہاتھ لگاؤ اس کو	وَلَا تَعْثَوْا	اور مت پھیلو
صٰلِحًا	صالح کو (بھیجا)	بِسُوْٓءٍ	برائی سے	فِي الْاَرْضِ	زمین میں
قَالَ	کہا اس نے	فَيَاْخُذَكُمْ	پس پکڑ لے تم کو	مُفْسِدِيْنَ	فساد مچاتے ہوئے
يٰقَوْمِ	اے میری قوم!	عَذَابٌ اَلِيْمٌ	دردناک عذاب	قَالَ	کہا
اعْبُدُوا	عبادت کرو	وَاذْكُرُوْٓا	اور یاد کرو	الْمَلَاُ	سرداروں نے
اللّٰهَ	اللہ کی	اِذْ جَعَلَكُمْ	جب بنایا تم کو	الَّذِيْنَ	جنھوں نے
مَا لَكُمْ	نہیں ہے تمہارے لئے	خُلَفَآءَ	قائم مقام	اسْتَكْبَرُوْا	گھمنڈ کیا
مِّنْ اِلٰهٍ	کوئی بھی معبود	مِنْ بَعْدِ	بعد	مِنْ قَوْمِهٖ	اس کی قوم سے
غَيْرُهٗ	اس کے علاوہ	عَادٍ	عاد کے	لِلَّذِيْنَ	ان لوگوں سے جو
قَدْ جَآءَتْكُمْ	تحقیق پہنچ چکی تمھیں	وَّبَوَّاَكُمْ	اور ٹھکانہ دیا تم کو	اسْتُضْعِفُوْا	کمزور قرار دیئے گئے
بَيِّنَةٌ	واضح دلیل	فِي الْاَرْضِ	زمین میں	لِمَنْ اٰمَنَ (۳)	ان سے جو ایمان لائے
مِّنْ رَّبِّكُمْ	تمہارے رب کی طرف سے	تَتَّخِذُوْنَ	بناتے ہو تم	مِنْهُمْ	ان میں سے
هٰذِهٖ (۱)	(یعنی) یہ	مِنْ سُهُوْلِهَا	نرم زمین میں	اَتَعْلَمُوْنَ	کیا جانتے ہو تم
نَاقَةُ اللّٰهِ	اللہ کی اونٹنی ہے	قُصُوْرًا	محلات	اَنَّ صٰلِحًا	کہ صالح
لَكُمْ اٰيَةً	تمہارے لئے بڑی نشانی	وَّتَنْحِتُوْنَ	اور تراشتے ہو تم	مُّرْسَلٌ	بھیجے ہوئے ہیں
فَذَرُوْهَا	پس چھوڑو اس کو	الْجِبَالَ	پہاڑوں میں	مِّنْ رَّبِّهٖ	اس کے رب کی طرف سے
تَاْكُلْ	کھائے وہ	بُيُوْتًا (۲)	گھر	قَالُوْٓا	کہا انھوں نے
فِيْٓ اَرْضِ	زمین میں	فَاذْكُرُوْٓا	پس یاد کرو	اِنَّا بِمَآ	بے شک ہم اس پر جو

(۱) هذه: ہی بینة ہے (۲) بیوتا: حالِ مقدرہ ہے (۳) لمن آمن: للذین سے بدل ہے، حرفِ جر کے اعادہ کے ساتھ۔

اُرْسِلَ بِهٖ	بھیجا گیا وہ اس کے ساتھ	وَ قَالُوْا	اور کہا انھوں نے	عَنْهُمْ	ان سے
مُؤْمِنُوْنَ	ایمان لانے والے ہیں	يٰصٰلِحُ	اے صالح	وَقَالَ	اور کہا
قَالَ	کہا	ائْتِنَا	آ تو ہمارے پاس	يٰقَوْمِ	اے میری قوم!
الَّذِيْنَ	جنھوں نے	بِمَا تَعِدُنَآ	اس کے ساتھ جس کی	لَقَدْ	بخدا! واقعہ یہ ہے کہ
اسْتَكْبَرُوْٓا	گھمنڈ کیا		تو ہمیں دھمکی دیتا ہے	اَبْلَغْتُكُمْ	پہنچادیا میں نے تم کو
اِنَّا بِالَّذِيْٓ	بے شک ہم اس کا جو	اِنْ كُنْتَ	اگر ہے تو	رِسَالَةَ	پیغام
اٰمَنْتُمْ بِهٖ	ایمان لائے تم اس پر	مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ	بھیجے ہوؤں میں سے	رَبِّيْ	میرے رب کا
كٰفِرُوْنَ	انکار کرنے والے ہیں	فَاَخَذَتْهُمُ	پس پکڑا ان کو	وَ نَصَحْتُ	اور خیر خواہی کی میں نے
فَعَقَرُوا	پس زخمی کیا انھوں نے	الرَّجْفَةُ	زلزلہ نے	لَكُمْ	تمہاری
النَّاقَةَ	اونٹنی کو	فَاَصْبَحُوْا	پس ہو گئے وہ	وَلٰكِنْ	لیکن
وَ عَتَوْا	اور سرکشی کی انھوں نے	فِيْ دَارِهِمْ	اپنے گھروں میں	لَّا تُحِبُّوْنَ	نہیں محبت کرتے تم
عَنْ اَمْرِ	حکم سے	جٰثِمِيْنَ	اوندھے منہ پڑے ہوئے	النّٰصِحِيْنَ	خیر خواہی کرنے والوں
رَبِّهِمْ	ان کے رب کے	فَتَوَلّٰى	پس روگردانی کی صالح نے		سے

۳-صالح علیہ السلام نے ثمود کو توحید کی دعوت دی، انھوں نے اونٹنی کا معجزہ طلب کیا، جو دکھایا گیا، مگر وہ ایمان نہ لائے تو بھونچال سے ہلاک کئے گئے!

قوم عاد کی نسل سے ثمود پیدا ہوئے، ثمود ان کے دادا کا نام تھا، ان کو 'عاد ثانیہ' بھی کہا جاتا ہے، یہ قوم مکہ اور شام کے درمیان حِجر مقام میں آباد تھی، اسی کو 'مدائنِ صالح' بھی کہتے ہیں، ان کے محلات کے کھنڈرات اور پہاڑوں میں ان کی تراشی ہوئی عمارتوں کے آثار آج بھی موجود ہیں، اور عبرت گاہِ عالم ہیں، قریش جب تجارتی سفر پر شام جاتے تھے تو وہ اس علاقہ سے گذرتے تھے۔

اس قوم میں بھی رفتہ رفتہ بت پرستی رائج ہوگئی، ان کی اصلاح کے لئے حضرت صالح علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا، جو اسی قوم کا ایک فرد تھے، قوم کی اکثریت نے ان کی بات نہیں مانی، غریب طبقہ کے کچھ ہی خوش نصیب ایمان لائے، آخر کار ان لوگوں نے صالح علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ اگر ان کو ایک خاص پہاڑ کی معین چٹان سے گابھن اونٹنی نکال کر دکھائیں

تو وہ ایمان لے آئیں، صالح علیہ السلام نے دعا کی، اور اللہ تعالیٰ نے پتھر سے گابھن اونٹنی بھی نکال کر دکھادی، مگر کتے کی دُم ٹیڑھی رہی!

اب عذاب کا آنا یقینی ہوگیا، اس لئے کہ لوگ مطلوبہ معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے تو ہلاک کئے جاتے ہیں، مگر ثمود کا عذاب اس پر معلق کیا گیا کہ جب تک قوم اونٹنی کو آزار نہیں پہنچائے گی عذاب سے بچی رہے گی، پھر ہوا یہ کہ 'قدار' نامی شخص نے اونٹنی کو قتل کردیا، تب صالح علیہ السلام نے قوم کو وارننگ دی کہ تین دن کے بعد عذاب آئے گا، انھوں نے حضرت صالح علیہ السلام کے قتل کا منصوبہ بنایا، جس کا تذکرہ سورۂ نمل میں ہے، اللہ نے ان کا منصوبہ خاک میں ملادیا اور تین دن کے بعد سخت زلزلہ آیا، ساتھ ہی ہیبت ناک آواز تھی جس سے سب کھیت رہے، ان کی ہلاکت کا تفصیلی تذکرہ سورۂ ہود میں ہے، اور بھی کئی سورتوں میں ان کا مختصر تذکرہ آیا ہے۔

یہ واقعہ قریش کو سنایا گیا ہے، وہ بھی بار بار نبی ﷺ سے معجزات طلب کرتے تھے، اور نہیں دکھائے جاتے تو وہ اس کو عجز پر محمول کرتے تھے، ان کو ثمود کا یہ واقعہ سنایا ہے کہ مطلوبہ معجزہ سے ایمان نہیں ملتا، اور معجزہ طلب کرنے کا انجام بھیانک ہوتا ہے۔

تمہید: —— اور ہم نے ثمود کی طرف ان کے برادر صالح کو مبعوث فرمایا۔

توحید کی دعوت: —— انھوں نے کہا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو، ان کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں! —— یعنی مورتیوں کی پرستش چھوڑدو!

ثمود کو ان کا مطلوبہ معجزہ دکھایا گیا: —— بالتحقیق تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل پہنچ چکی ہے —— یعنی —— یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لئے بڑی نشانی ہے —— رسول کی صداقت کی اور اللہ کی وحدانیت کی۔

ثمود معجزہ دیکھ کر ایمان نہ لائے تو ان کے عذاب کو اونٹنی کی ایذاء پر معلق کیا: —— پس اس کی راہ چھوڑو کہ اللہ کی زمین میں چرے —— اللہ کی زمین: یعنی سرکاری چراگاہ —— اور تم اس کو برائی سے ہاتھ نہ لگانا، ورنہ تمہیں دردناک عذاب آپکڑے گا!

حضرت صالح علیہ السلام قوم کو اللہ کی نعمتیں یاد دلاتے ہیں، تاکہ وہ ایمان لائیں اور احکام کی خلاف ورزی نہ کریں: —— اور یاد کرو: (۱) جب تمہیں عاد کے قائم مقام بنایا (۲) اور تمہیں زمین میں ٹھکانہ دیا: تم نرم زمین میں محلات بناتے ہو، اور پہاڑوں میں گھر تراشتے ہو —— پس اللہ کی نعمتیں یاد کرو، اور زمین میں —— احکام کی خلاف ورزی کرکے —— فساد مچاتے مت پھرو!

سرداروں کا برملا ایمان لانے سے انکار: —— ان کی قوم کے گھمنڈی سرداروں نے ان مؤمنین سے پوچھا جو

ان میں ذلیل قرار دیئے گئے تھے —— یعنی وہ ذلیل تھے نہیں، ایمان کی وجہ سے باعزت اور قوی تھے، مگر سرداران کو ذلیل اور کمزور سمجھتے تھے: —— کیا تمہیں یقین ہے کہ صالح اللہ کے رسول ہیں؟ —— انھوں نے جواب دیا: ہم اس دین پر ایمان لائے ہیں جس کے ساتھ وہ بھیجے گئے ہیں —— اور ایمان یقین ہی کا دوسرا نام ہے! —— گھمنڈی لوگوں نے کہا: ہم اس دین کا انکار کرنے والے ہیں جس پر تم ایمان لائے ہو!

اونٹنی کو مار کر عذاب کا مطالبہ کیا: —— پس انھوں نے اونٹنی کو مار ڈالا، اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی اختیار کی —— ان کو حکم دیا تھا کہ اونٹنی کو ایذا نہ پہنچانا، انھوں نے مار ڈالا یہی حکم الٰہی سے سرکشی ہے —— اور انھوں نے کہا: اے صالح! ہم پر وہ عذاب لے آ جس کی تو ہمیں —— اونٹنی کو ایذا پہنچانے پر —— دھمکی دیتا ہے، اگر تو رسولوں میں سے ہے!

عذاب آیا اور سب کھیت رہے! —— پس ان کو بھونچال (زلزلہ) نے پکڑا، اور وہ اپنے گھروں میں ڈھیر ہو کر رہ گئے!

صالح علیہ السلام کی قوم سے الوداعی گفتگو: —— اور صالح نے ان سے یہ کہہ کر رخ پھیر لیا کہ اے میری برادری کے لوگو! واقعہ یہ ہے کہ میں نے تم کو میرے رب کا پیغام پہنچا دیا، اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی، لیکن تم خیر خواہی کرنے والوں سے محبت نہیں کرتے!

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ؕ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۸۴﴾

ع ۱۰ / ۱۲ / ۱۷

وَ لُوْطًا	اور (بھیجا) لوط کو	مَا سَبَقَكُمْ	نہیں پہلے گذرا تم سے	لَتَاْتُوْنَ	البتہ آتے ہو
اِذْ قَالَ	جب کہا اس نے	بِهَا	اس کے ساتھ	الرِّجَالَ	مردوں کے پاس
لِقَوْمِهٖٓ	اپنی قوم سے	مِنْ اَحَدٍ	کوئی بھی	شَهْوَةً	شہوت سے
اَتَاْتُوْنَ	کیا آتے ہو تم	مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ	جہانوں میں سے	مِّنْ دُوْنِ	چھوڑ کر
الْفَاحِشَةَ	بدکاری کو	اِنَّكُمْ	بے شک تم	النِّسَآءِ	عورتوں کو

بَلْ اَنْتُمْ	بلکہ تم	اَخْرِجُوْهُمْ	نکالوان کو	كَانَتْ	تھی وہ
قَوْمٌ	لوگ ہو	مِّنْ قَرْيَتِكُمْ	تمہاری بستی سے	مِنَ الْغٰبِرِيْنَ	باقی رہنے والوں میں سے
مُّسْرِفُوْنَ	حد سے گذرنے والے	اِنَّهُمْ	بے شک وہ	وَاَمْطَرْنَا	اور برسائی ہم نے
وَمَا كَانَ	اور نہیں تھا	اُنَاسٌ	لوگ ہیں	عَلَيْهِمْ مَّطَرًا	ان پر بارش
جَوَابَ	جواب	يَّتَطَهَّرُوْنَ	خوب پاک بنتے	فَانْظُرْ	پس دیکھ
قَوْمِهٖٓ	اس کی قوم کا	فَاَنْجَيْنٰهُ	پس بچایا ہم نے اس کو	كَيْفَ كَانَ	کیسا ہوا
اِلَّآ اَنْ	مگر یہ کہ	وَاَهْلَهٗٓ	اور اس کے گھر والوں کو	عَاقِبَةُ	انجام
قَالُوْٓا	کہا انھوں نے	اِلَّا امْرَاَتَهٗ	مگر اس کی بیوی کو	الْمُجْرِمِيْنَ	بدکاروں کا

۴-لوط علیہ السلام نے توحید کی دعوت کے ساتھ ایک خاص بدکاری سے بھی روکا

لوط علیہ السلام: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے، انھوں نے اپنے چچا کے ساتھ عراق سے ہجرت کی تھی، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام تو فلسطین میں آباد ہوگئے، اور لوط علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اردن کے شہر سدّوم اور اس کے مضافات عمورہ وغیرہ کی طرف مبعوث فرمایا، ان کے باشندے شرک کے ساتھ ایک شرمناک بدفعلی میں بھی مبتلا تھے، وہ ہم جنسی کی لعنت میں گرفتار تھے، جس کا ارتکاب دنیا کے کسی فرد نے ان سے پہلے نہیں کیا تھا، حضرت لوط علیہ السلام نے ان پر محنت کی مگر وہ اپنی حرکت سے باز نہ آئے تو ان پر پتھروں کی بارش برسائی گئی، اور ان تمام بستیوں کو الٹ دیا، آج وہاں 'بحر میت' ہے، کہتے ہیں: اس میں کوئی چیز زندہ نہیں رہتی، اس واقعہ کی تفصیل سورۂ ہود میں ہے۔

آیاتِ کریمہ: اور (ہم نے) لوط کو (مبعوث کیا) یاد کرو جب اس نے اپنی قوم سے کہا: —— ﴿اَخَاهُمْ﴾ نہیں فرمایا اس لئے کہ ان کا اس قوم کے ساتھ نسبی تعلق نہیں تھا، البتہ 'قوم' کہا کیونکہ وہ ان کی امت تھی —— کیا تم ایسی بدکاری کا ارتکاب کرتے ہو جو تم سے پہلے جہانوں میں سے کسی نے نہیں کی، بے شک تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے ساتھ شہوت پوری کرتے ہو! بلکہ تم حد سے گذرنے والے لوگ ہو!

اور اس کی قوم کا جواب یہی تھا کہ انھوں نے کہا: ان لوگوں کو اپنی بستی سے نکال دو، بے شک یہ لوگ پاک صاف بنتے ہیں —— یعنی ہم سب کو گندہ سمجھتے ہیں، اور خود کو پاک بتاتے ہیں، پس گندوں میں پاکوں کا کیا کام؟ لہٰذا ان کو یہاں سے نکالو! —— پس ہم نے اس کو بچالیا اور اس کے گھر والوں کو —— دو بیٹیوں کو —— مگر اس کی بیوی کو —— نہیں بچی وہ —— وہ باقی رہ جانے والوں میں سے تھی، پس دیکھ کیسا ہوا بدکاروں کا انجام! —— تفصیل سورۂ ہود میں ہے۔

فائدہ: اس واقعہ میں عبرت ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی بھی اللہ کے عذاب سے نہیں بچ سکی، کیونکہ ایمان اور عمل صالح ہی انسان کے لئے نجات کا ذریعہ ہے، یہ داستانِ عبرت بتاتی ہے کہ یہ خلافِ فطرت فعل کس قدر مذموم اور اللہ کے عذاب کو دعوت دینے والا ہے، مگر افسوس کہ مغرب کی جاہلیت جدیدہ آج بھی اس برائی کو جواز عطا کر رہی ہے اور قانونی طور پر مرد کے مرد سے اور عورت کے عورت سے نکاح کو درست ٹھہرا رہی ہے، یہ دراصل حدیث کی اس پیشین گوئی کی تصدیق ہے کہ قیامت کے قریب ایسا ہوگا کہ مرد مرد سے اور عورت عورت سے اپنی خواہشات پوری کرنے لگیں گے (مجمع الزوائد ۷:۲۵۵، حدیث نمبر:۱۲۳۳۴) (آسان تفسیر از مولانا خالد سیف اللہ صاحب زید مجدہ)

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۗ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَ الْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ۗ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۠ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۷﴾

وَاِلٰى مَدْيَنَ	اور مدین کی طرف	مَا لَكُمْ	نہیں ہے تمہارے لئے	الْكَيْلَ	ناپ
اَخَاهُمْ	ان کے برادر	مِّنْ اِلٰهٍ	کوئی بھی معبود	وَالْمِيْزَانَ	اور تول
شُعَيْبًا	شعیب (کو بھیجا)	غَيْرُهٗ	اللہ کے سوا	وَلَا تَبْخَسُوا	اور نہ کم دو
قَالَ	کہا اس نے	قَدْ جَآءَتْكُمْ	تحقیق پہنچ چکی ہے تمہیں	النَّاسَ	لوگوں کو
يٰقَوْمِ	اے میری قوم!	بَيِّنَةٌ (۱)	واضح دلیل	اَشْيَآءَهُمْ	ان کی چیزیں
اعْبُدُوا	عبادت کرو تم	مِّنْ رَّبِّكُمْ	تمہارے رب کی طرف سے	وَلَا تُفْسِدُوْا	اور مت خرابی پھیلاؤ
اللّٰهَ	اللہ کی	فَاَوْفُوا	پس پورا کرو	فِي الْاَرْضِ	زمین میں

(۱) بینۃ: مراد نبی کی بعثت ہے۔

بَعْدَ	بعد	بِهٖ	اللہ پر	مِّنْكُمْ	تمہاری
اِصْلَاحِهَا	اس کی اصلاح کے	وَتَبْغُوْنَهَا	اور چاہتے ہوئے اس میں	اٰمَنُوْا	ایمان لائی ہے
ذٰلِكُمْ	یہ (باتیں)	عِوَجًا	کجی	بِالَّذِيْٓ	اس پر جو
خَيْرٌ لَّكُمْ	بہتر ہیں تمہارے لئے	وَاذْكُرُوْٓا	اور یاد کرو	اُرْسِلْتُ بِهٖ	بھیجا گیا میں اسکے ساتھ
اِنْ كُنْتُمْ	اگر ہو تم	اِذْ كُنْتُمْ	جب تھے تم	وَطَآئِفَةٌ	اور دوسری جماعت
مُّؤْمِنِيْنَ	ایمان لانے والے	قَلِيْلًا	تھوڑے	لَّمْ يُؤْمِنُوْا	ایمان نہیں لائی
وَلَا تَقْعُدُوْا	اور مت بیٹھو	فَكَثَّرَكُمْ	پس زیادہ کیا اس نے تم کو	فَاصْبِرُوْا	پس صبر کرو
بِكُلِّ صِرَاطٍ (۱)	ہر راہ پر	وَانْظُرُوْا	اور دیکھو	حَتّٰى يَحْكُمَ	یہاں تک کہ فیصلہ کر دیں
تُوْعِدُوْنَ (۲)	دھمکاتے ہوئے	كَيْفَ كَانَ	کیسا تھا	اللّٰهُ	اللہ تعالیٰ
وَتَصُدُّوْنَ	اور روکتے ہوئے	عَاقِبَةُ	انجام	بَيْنَنَا	ہمارے درمیان
عَنْ سَبِيْلِ	راہ سے	الْمُفْسِدِيْنَ	فساد مچانے والوں کا	وَهُوَ	اور وہ
اللّٰهِ	اللہ کی	وَاِنْ كَانَ	اور اگر ہے	خَيْرُ	بہترین
مَنْ اٰمَنَ (۳)	اس کو جو ایمان لایا	طَآئِفَةٌ	ایک جماعت	الْحٰكِمِيْنَ	فیصلہ کرنے والے ہیں

۵- شعیب علیہ السلام نے مدین والوں کو توحید کی دعوت دی اور ڈنڈی مارنے سے روکا

تورات (کتاب پیدائش) کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قطورہ نامی بیوی سے چھ صاحبزادے تھے (قصص القرآن ۱: ۲۵۵) ان میں سے ایک بیٹے کا نام مدین تھا، اس کی نسل نے اپنی آبادی کا نام باپ کے نام پر مدین رکھا، پہلے یہ چھوٹا خاندان تھا، پھر بڑا قبیلہ بن گیا، حضرت شعیب علیہ السلام اس قبیلہ کے ایک فرد تھے، مدین والوں میں شرک وبت پرستی کے علاوہ ڈنڈی مارنے کا بھی رواج چل پڑا تھا، وہ ناپ تول میں کمی کرتے تھے، ان کی اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا بیان فصیح وبلیغ ہوتا تھا، اور مستدرک حاکم کی روایت میں ہے کہ نبی ﷺ ان کا ذکر خطیب الأنبياء کے لقب سے کیا کرتے تھے، اور فصاحت کے لئے استعارات وکنایات کا استعمال ضروری ہے، بات بالکل

---

(۱) بکل صراط: کا ترجمہ 'سڑکوں' (جمع) سے کیا ہے (تھانویؒ) (۲) توعدون اور تصدون لاتقعدوا کے فاعل کے احوال ہیں (۳) من آمن به: توعدون اور تصدون کا مفعول بہ ہے۔

عام فہم انداز میں نہیں کہی جاتی، ذرا پردہ رکھ کر کہی جاتی ہے، اس لئے آپ علیہ السلام کی باتوں میں ذرا غور کرنا ہوگا۔

آپؑ نے سب سے پہلے اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی، اور اپنی بعثت کو توحید کی واضح دلیل قرار دیا، ارشاد پاک ہے:

—— اور ہم نے مدین والوں کی طرف ان کے برادر شعیب کو بھیجا، انھوں نے کہا: اے میری برادری کے لوگو! تم اللہ کی عبادت کرو، تمہارے لئے ان کے سوا کوئی معبود نہیں، بالیقین تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے (توحید کی) واضح دلیل پہنچ چکی ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ ربِ کائنات ہیں، ان کی ذمہ داری ہے کہ اپنی مخلوقات کی ضرورتیں پوری کریں، اور انسانوں کی دو ضرورتیں ہیں: جسمانی اور روحانی، جسمانی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو ترقی یافتہ عقل دی ہے، وہ اس کے ذریعہ اپنا کام چلاتا ہے، اور روحانی ضرورت کی تکمیل کے لئے نبوت کا سلسلہ قائم کیا ہے، اعلیٰ صلاحیت کے مالک آدمی کو منتخب کر کے اس پر وحی نازل کرتے ہیں، پھر وہ دوسرے لوگوں کو احکام پہنچاتا ہے، اس طرح اللہ تعالیٰ بندوں کی روحانی ضرورت پوری کرتے ہیں۔

اس لئے توحید کی دعوت کے ساتھ ہی نعمتِ نبوت کا ذکر کیا، اور اس کو توحید کی واضح دلیل قرار دیا، فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تم پر کرم فرمایا، اور تم میں نبی مبعوث فرمایا، اور اس کے ذریعہ تم کو احکامات دیئے، تاکہ تم ان پر عمل کر کے اپنی آخرت کو سنوارو!

پھر قوم کے تعلق سے اللہ تعالیٰ کے اہم حکم کا تذکرہ کیا، فرمایا: —— لہٰذا ناپ تول کو پورا کرو —— یہ حکم مثبت پہلو سے ہے —— اور لوگوں کو ان کا مال سامان کم مت دو —— یہ پہلا ہی حکم منفی پہلو سے ہے —— اور زمین میں اس کی درستگی کے بعد بگاڑ پیدا مت کرو —— یہ اوپر کے حکم پر عمل نہ کرنے کا لازمی نتیجہ ہے —— یہ کام تمہارے لئے بہت بہتر ہیں اگر تم میری بات مانو!

لوگوں نے ان کی بات نہ مانی، مخالفت شروع کر دی، وہ سڑکوں پر بیٹھ جاتے تھے، اور جو حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس آتا تھا اس کے کان بھرتے تھے اور دھمکاتے بھی تھے کہ اگر تو ایمان لایا تو تجھے قتل کر دیں گے، اس طرح لوگوں کو ایمان کی راہ سے روکتے تھے، نزول سورت کے وقت یہی کام مشرکین کے سردار بھی کرتے تھے!

علاوہ ازیں: وہ نبی کی تعلیمات میں طرح طرح کے شبہات پیدا کرتے تھے، اور اسلام کی سیدھی سچی تعلیمات کو کج کرنے کی کوشش کرتے تھے، تاکہ لوگ اسلام کو قبول نہ کریں۔

فرمایا: —— اور تم سڑکوں پر اس غرض سے مت بیٹھا کرو کہ دھمکاؤ، اور اللہ کی راہ سے روکو ان لوگوں کو جو اللہ پر ایمان لائے ہیں، اور تم راہِ خدا میں کجی پیدا کرنا چاہتے ہو!

نیز: آپؑ نے مدین والوں کو اللہ کی یہ نعمت بھی یاد دلائی کہ پہلے تمہاری نفری کم تھی، اب اللہ نے تم کو زیادہ کر دیا، اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم شرارتیں شروع کر دو، تم فسادیوں کے انجام پر غور کرو، ان کے حصہ میں انجام کار تباہی آئی!

فرمایا:—— اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے، پھر اللہ نے تم کو زیادہ کر دیا، اور دیکھو! فساد مچانے والوں کا انجام کیا ہوا؟

محنت کا نتیجہ: مدین والے دو حصوں میں تقسیم ہو گئے، ایک جماعت آپؑ پر ایمان لائی، دوسری مخالفت پر کمر بستہ ہو گئی، آپؑ نے وارننگ دی کہ اب اللہ کے فیصلہ کا انتظار کرو، وہ بہترین فیصلہ کرنے والے ہیں! فرمایا —— اور اگر تمہاری ایک جماعت اس (دین) پر ایمان لائی ہے جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں، اور دوسری جماعت ایمان نہیں لائی تو صبر کرو، تا آنکہ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان (عملی) فیصلہ کریں، اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والے ہیں!

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۭ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴿٨٨﴾ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ۭ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ۭ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۭ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۭ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴿٨٩﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَىِٕنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿٩٠﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿٩١﴾ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٩٢﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰي قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿٩٣﴾ ع

قَالَ	کہا	مِنْ قَوْمِهٖ	اس کی برداری کے	وَالَّذِيْنَ	اور ان کو جو
الْمَلَاُ	سرداروں نے	لَنُخْرِجَنَّكَ	ضرور نکال دیں گے	اٰمَنُوْا	ایمان لائے
الَّذِيْنَ	جنھوں نے		ہم تجھ کو	مَعَكَ	تیرے ساتھ
اسْتَكْبَرُوْا	گھمنڈ کیا	يٰشُعَيْبُ	اے شعیب	مِنْ قَرْيَتِنَآ	ہماری بستی سے

اَوْ لَتَعُوْدُنَّ	یا ضرور پلٹ آؤ تم	عِلْمًا	علم کے اعتبار سے	جٰثِمِیْنَ	اوندھے منہ پڑے ہوئے
فِیْ مِلَّتِنَا	ہمارے دھرم میں	عَلَى اللّٰهِ	اللہ تعالیٰ پر	اَلَّذِیْنَ	جنھوں نے
قَالَ	کہا اس نے	تَوَكَّلْنَا	بھروسہ کیا ہم نے	كَذَّبُوْا	جھٹلایا
اَوَلَوْ كُنَّا	کیا اگرچہ ہوں ہم	رَبَّنَا	اے ہمارے پروردگار!	شُعَيْبًا	شعیب کو
كٰرِهِیْنَ	ناپسند کرنے والے	افْتَحْ	فیصلہ کیجئے	كَاَنْ لَّمْ	گویا نہیں بسے
قَدِ افْتَرَيْنَا	تحقیق گھڑا ہم نے	بَيْنَنَا	ہمارے درمیان	يَغْنَوْا فِيْهَا	وہ ان میں
عَلَى اللّٰهِ	اللہ پر	وَبَيْنَ قَوْمِنَا	اور ہماری برداری کے	اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا	جنھوں نے جھٹلایا
كَذِبًا	جھوٹ		درمیان	شُعَيْبًا	شعیب کو
اِنْ عُدْنَا	اگر لوٹ گئے ہم	بِالْحَقِّ	ٹھیک ٹھیک	كَانُوْا هُمُ	تھے وہی
فِیْ مِلَّتِكُمْ	تمہارے دھرم میں	وَاَنْتَ خَيْرُ	اور آپ بہترین	الْخٰسِرِيْنَ	گھاٹے میں رہنے والے
بَعْدَ	بعد	الْفٰتِحِيْنَ	فیصلہ کرنے والے ہیں	فَتَوَلّٰى	پس رخ پھیرا اس نے
اِذْ نَجّٰنَا	جب نجات دی ہمیں	وَقَالَ	اور کہا	عَنْهُمْ	ان سے
اللّٰهُ	اللہ نے	الْمَلَاُ الَّذِيْنَ	جن سرداروں نے	وَقَالَ	اور کہا اس نے
مِنْهَا	اس (دھرم) سے	كَفَرُوْا	انکار کیا	يٰقَوْمِ	اے میری برادری!
وَمَا يَكُوْنُ	اور نہیں ہے	مِنْ قَوْمِهٖ	اس کی برداری سے	لَقَدْ	بخدا! واقعہ یہ ہے کہ
لَنَآ	ہمارے لئے	لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ	بخدا! اگر پیروی کی تم نے	اَبْلَغْتُكُمْ	پہنچادیئے میں نے تم کو
اَنْ نَّعُوْدَ	کہ لوٹیں ہم	شُعَيْبًا	شعیب کی	رِسٰلٰتِ	پیغامات
فِيْهَآ	اس میں	اِنَّكُمْ اِذًا	بے شک تم تب تو	رَبِّیْ	میرے پروردگار کے
اِلَّآ اَنْ	مگر یہ کہ	لَّخٰسِرُوْنَ	یقیناً گھاٹے میں رہنے	وَنَصَحْتُ	اور خیر خواہی کی میں نے
يَّشَآءَ اللّٰهُ	چاہیں اللہ		والے ہو	لَكُمْ	تمہاری
رَبُّنَا	ہمارے پروردگار	فَاَخَذَتْهُمُ	پس پکڑا ان کو	فَكَيْفَ	پس کیسے
وَسِعَ	کشادہ ہیں	الرَّجْفَةُ	زلزلہ نے	اٰسٰى	افسوس کروں میں
رَبُّنَا	ہمارے پروردگار	فَاَصْبَحُوْا	پس ہوکر رہ گئے وہ	عَلٰى قَوْمٍ	لوگوں پر
كُلَّ شَیْءٍ	ہر چیز کو	فِیْ دَارِهِمْ	اپنے گھروں میں	كٰفِرِيْنَ	اسلام کا انکار کرنے والے

مخالفت تیز ہوگئی، انجام کار زلزلہ آیا اور سب کھیت رہے!

شعیب علیہ السلام نے تو معاملہ اللہ کے سپرد کیا، مگر قوم کے گھمنڈی سرداروں کا پارہ چڑھ گیا، انھوں نے شعیب علیہ السلام کو الٹی میٹم دیدیا کہ اب تمہارے سامنے دو آپشن (Option) ہیں: اگر تمہیں اپنا نیا مذہب عزیز ہے تو ہم تجھے اور ایمان لانے والوں کو شہر سے گیٹ آوٹ کریں گے، اور اگر شہر میں رہنا ہے تو اپنے پرانے دھرم میں لوٹ آؤ —— تیسرا کوئی راستہ نہیں!

حضرت شعیب علیہ السلام نے اس کا کڑوا جواب کیپسول میں بھر کر دیا، آپؑ کی فصاحت وبلاغت کی داد دیں، فرمایا:

۱- ہم تمہارے دھرم کو کہاں پسند کرتے ہیں جو اس کی طرف لوٹ جائیں، ہمیں تو وہ نہایت ناپسند ہے۔

۲- اور اگر ہم شرک کی طرف لوٹ جائیں تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ میں نے نبوت کا ڈھونگ رچا تھا، توبہ توبہ!

۳- آگ سے نکل آنے کے بعد بھلا کوئی آگ میں کود سکتا ہے؟ ایسا اقدام پاگل بھی نہیں کرتا!

۴- ہاں اگر اللہ تعالیٰ کو کوئی بات منظور ہے تو دوسری بات ہے، ان کے احاطۂ علمی میں سب کچھ ہے، اور ہمارا بھروسہ اسی پر ہے —— یہ مماشات مع الخصم ہے، تھوڑی دیر مخالف کے ساتھ چلنا، پھر تھپڑ مارنا! —— اے ہمارے پروردگار! ہمارے درمیان اور ہماری برادری کے درمیان ٹھیک ٹھیک عملی فیصلہ فرمادیں، یعنی عذاب بھیج دیں، اور آپ بہترین فیصلہ کرنے والے ہیں —— یہ تھپڑ مارا، مگر گال سہلا کر!

مگر قوم کے سرداروں نے اس بددعا کا بھی اثر قبول نہیں کیا، انھوں نے قوم میں اعلان کردیا: ''جو شعیب کی راہ اپنائے گا گھاٹے میں رہے گا!'' جب بات اس حد تک پہنچ گئی تو سخت زلزلہ آیا، اور لوگ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے رہ گئے! اور ایسے تباہ ہوئے کہ گویا وہ ان گھروں میں کبھی بسے ہی نہیں تھے! اور گھاٹے میں شعیب علیہ السلام کی پیروی کرنے والے نہیں رہے، بلکہ تکذیب کرنے والے رہے۔

آیاتِ پاک: اور ان کی قوم کے گھمنڈی سرداروں نے کہا: ہم ضرور نکال باہر کریں گے ہماری بستی سے تجھے اے شعیب! اور تیرے ساتھ جو ایمان لائے ہیں، یا تم لوگ ہمارے دھرم میں لوٹ آؤ!

شعیبؑ نے کہا: (۱) کیا اگرچہ ہم (تمہارے دھرم کو) ناپسند کرتے ہوں (۲) بالیقین ہم نے اللہ پر جھوٹ باندھا، اگر ہم تمہارے دھرم میں لوٹ گئے (۳) اس کے بعد کہ ہمیں اللہ نے اس سے نجات بخشی، کیسے ممکن ہے کہ ہم اس میں لوٹ جائیں (۴) ہاں ہمارا پروردگار اللہ چاہے (تو اور بات ہے!) ہمارا پروردگار ہر چیز کو اپنے احاطۂ علمی میں لئے ہوئے ہے، ہم اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں۔

بد دعا: ــــ اے ہمارے پروردگار! ہمارے درمیان اور ہماری قوم کے درمیان ٹھیک ٹھیک (عملی) فیصلہ فرمادیں، اور آپ بہترین فیصلہ کرنے والے ہیں!

اور ان کی برادری کے منکر اسلام سرداروں نے اعلان کیا: ''بخدا! اگر تم نے شعیب کی راہ اپنائی تب تم یقیناً گھاٹے میں رہنے والے ہو!''

پس ان کو زلزلہ نے آپکڑا، چنانچہ وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے رہ گئے! جن لوگوں نے شعیب کی تکذیب کی گویا وہ ان میں بسے ہی نہیں تھے، جن لوگوں نے شعیب کی تکذیب کی ــــ یہ دوسری بات کہنے کے لئے تمہید لوٹائی ہے، اور یہ قرآن کا خاص اسلوب ہے ــــ وہی گھاٹے میں رہنے والے تھے!

الوداع: ــــ پس شعیب نے ان سے رخ موڑ لیا، اور کہا: اے میری قوم! بخدا! واقعہ یہ ہے کہ میں نے تم کو میرے رب کے پیغامات پہنچادیئے، اور میں نے تمہاری خیر خواہی کر لی، اب میں منکرین اسلام پر افسوس کیوں کروں؟

﴿بفضل اللہ تعالیٰ ۲۱ر جمادی الاخری ۱۴۳۹ھ مطابق ۹ر مارچ ۲۰۱۸ء کو جلد دوم پوری ہوئی﴾